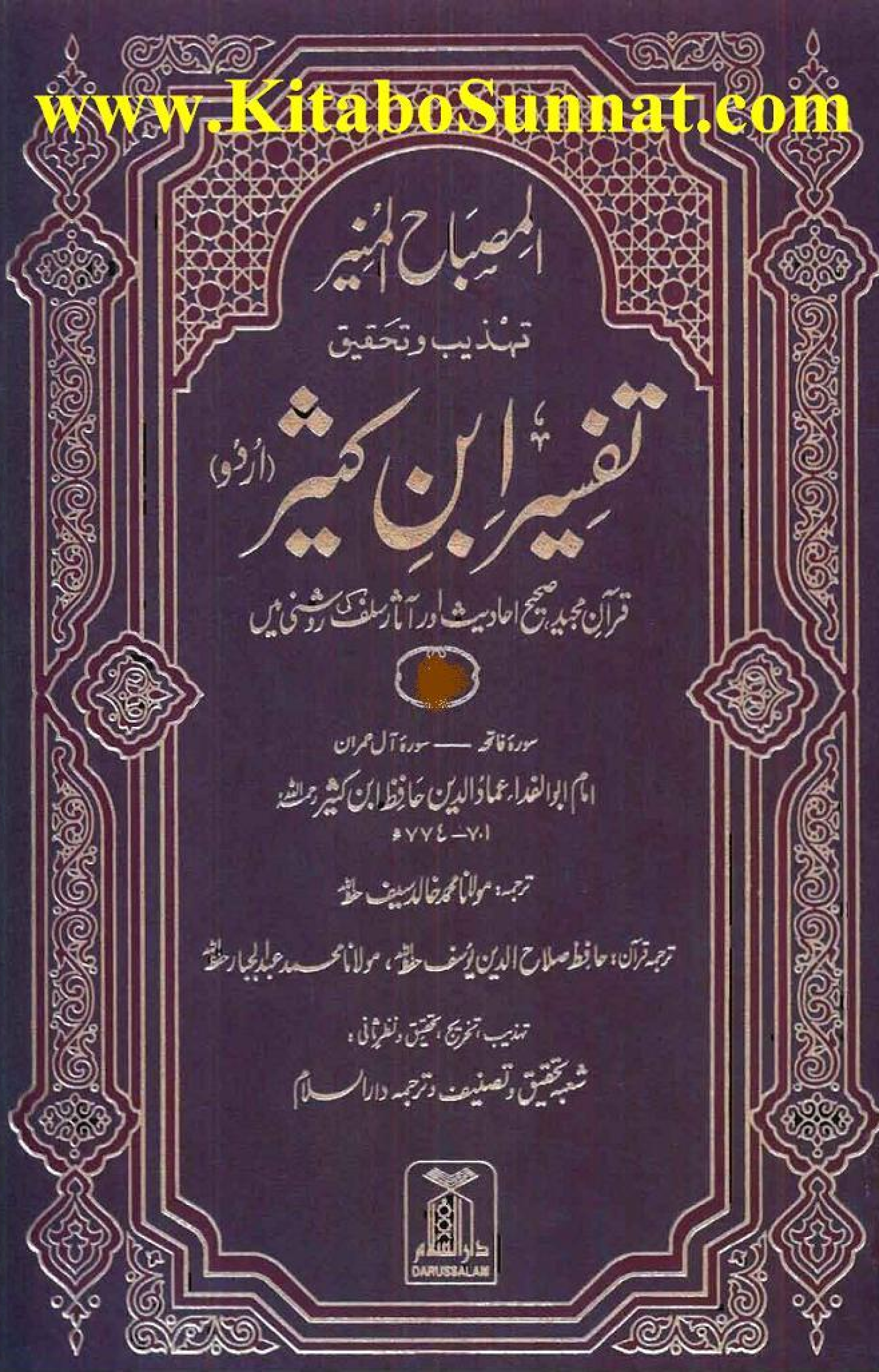


www.KitaboSunnat.com
المصباح المنیر
تہذیب و تحقیق
تفسیر ابن کثیر (اردو)
قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں
سورۂ فاتحہ —— سورۂ آل عمران
امام ابوالفداء عمادالدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ
۷۰۱ - ۷۷۴ھ
ترجمہ: مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ
ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ
تہذیب، تخریج، تحقیق و نظرثانی:
شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام
دارالسلام
DARUSSALAM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ....

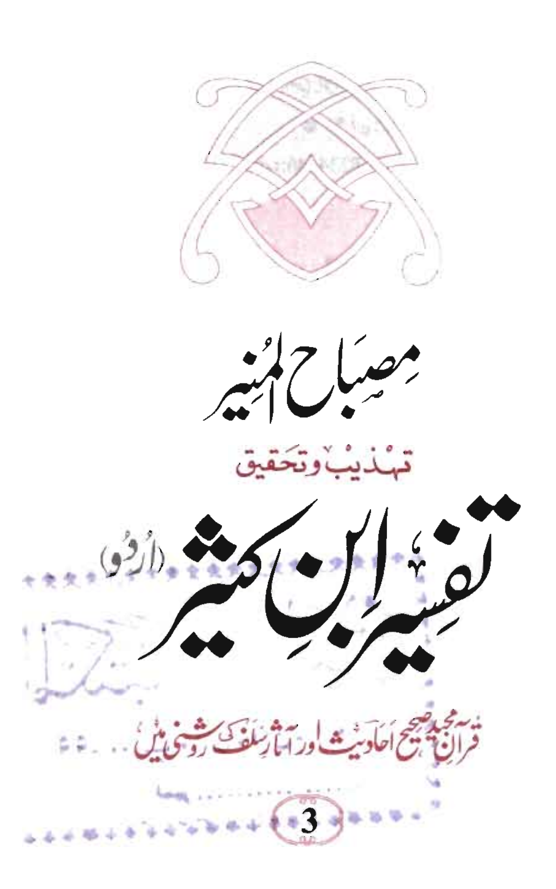
- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد اَپ لوڈ (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

☆ تنبیہ ☆

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

﴿اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں﴾

- نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں۔


مصباح المنیر
تہذیب و تحقیق
تفسیر ابن کثیر (اردو)
قرآن مجید، صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں...
3



ⓒ مكتبة دارالسلام، ١٤٢٨ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
ابن كثير، اسماعيل بن عمر
المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير- المجلد الثالث - اسماعيل بن عمر ابن كثير - الرياض، ١٤٢٨ هـ
ص: ٨٨٠ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٧-٩-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨
(النص باللغة الاردية)
١. القرآن - التفسير المأثور أ. العنوان
ديوي ٢٢٧,٣٢ ١٤٢٨/٦٦٧٨
رقم الإيداع: ١٤٢٨/٦٦٧٨
ردمك: ٧-٩-٩٩٨٤-٩٩٦٠-٩٧٨

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.dar-us-salam.com

● طریق مکہ۔ العلیا۔ الریاض فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 ● الملز۔ الریاض فون: 4735220 فیکس: 4735221
● سویلم فون: 2860422 1 00966 ● جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270
● مدینہ منورہ: 00966-04-8234446 فیکس: 04-8151121 ● خمیس مشیط فون: 2207055 7 00966 موبائل: 0500710328
● الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551

شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624
لندن فون: 4885 539 208 0044 فیکس: 208 5394889
امریکہ ❶ ہوسٹن فون: 7220419 713 001 فیکس: 7220431
❷ نیویارک فون: 6255925 718 001 فیکس: 6251511

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

❶ 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور
فون: 0092 42 7240024-7232400-7111023-7110081 فیکس: 7354072
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com
❷ غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703
❸ مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن۔ لاہور فون: 7846714
کراچی شوروم Z-110,111 (D.C.H.S) مین طارق روڈ کراچی
فون: 0092-21-4393936 فیکس: 4393937
Email: darussalamkhi@darussalampk.com
اسلام آباد شوروم F-8 مرکز، اسلام آباد فون: 051-2500237

مصباح المنیر

تہذیب و تحقیق

تفسیر ابن کثیر (اردو)

قرآن مجید صحیح احادیث اور آثار سلف کی روشنی میں

3

سورۂ توبہ ۔۔۔۔ سورۂ مریم

امام ابوالفدا عماد الدین حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

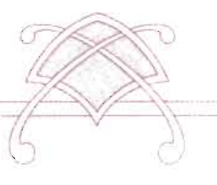
۷۰۱ ـ ۷۷٤ ھ

تہذیب مولانا صفی الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ ترجمہ مولانا محمد خالد سیف حفظہ اللہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ، مولانا محمد عبدالجبار حفظہ اللہ

تخریج تحقیق و نظر ثانی: شعبۂ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام ، لاہور







پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 01 فیکس: 4735221 • سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون / فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 • الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون / فیکس: 3908027 04 موبائل: 0500887341 • خمیس مشیط فون / فیکس: 2207055 07 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 5632623 6 00971 — امریکہ • ہوسٹن فون: 7220419 713 001 • نیویارک فون: 6255925 718 001

لندن فون: 4885 539 208 0044 — آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

• 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 7110081-7111023-7232400-7240024 42 0092 فیکس: 7354072

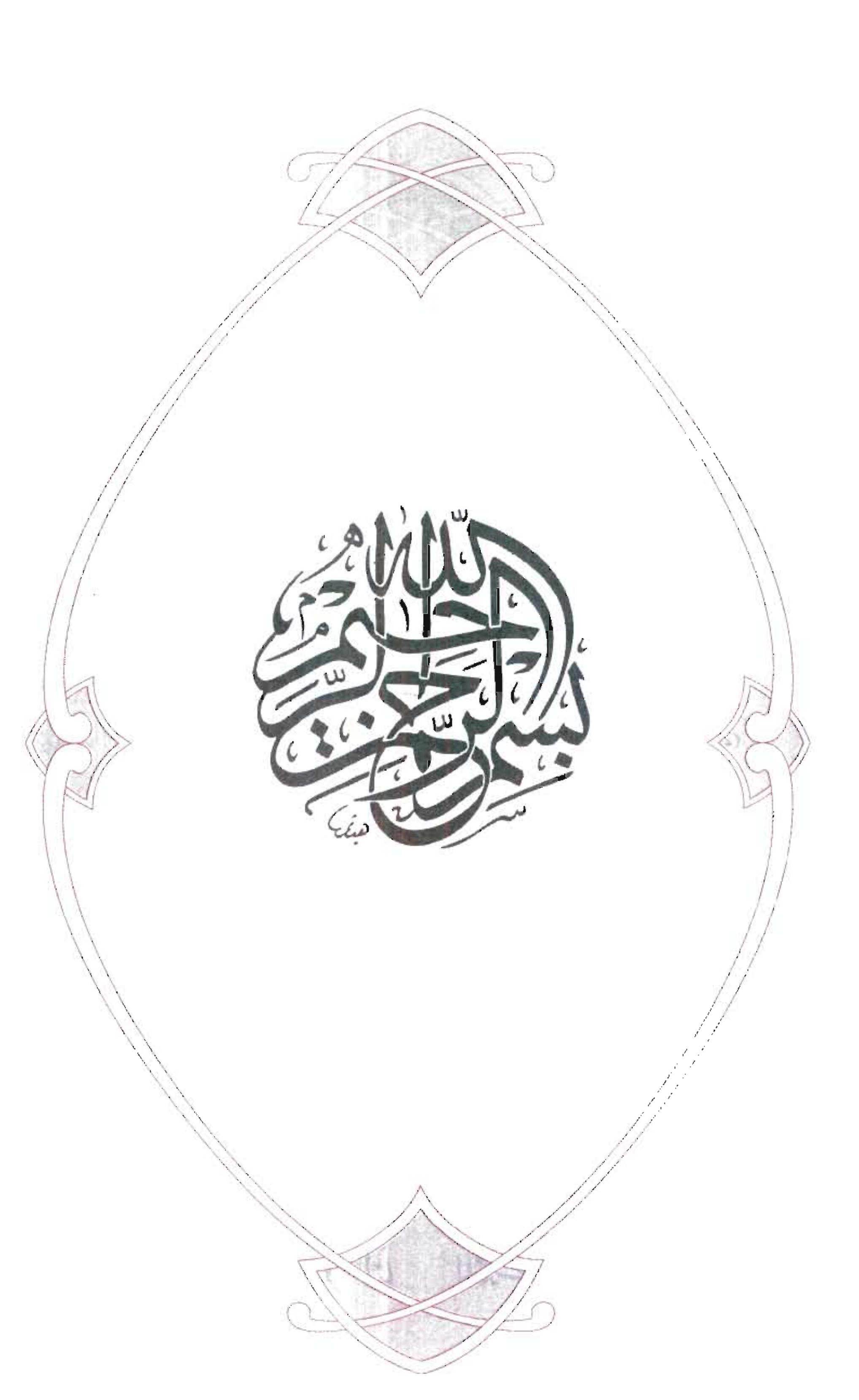
موبائل: 4212174 0321-8484569 0322 • غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

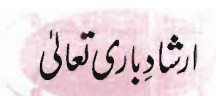
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

کراچی: طارق روڈ بالمقابل فری پورٹ شاپنگ مال فون: 4393936 21 0092 فیکس: 4393937

اسلام آباد: F-8 مرکز، اسلام آباد فون / فیکس: 2281513 51 0092 موبائل: 5370378 0321

حافظ آباد: فیصل پلازہ، گوجرانوالہ روڈ، حافظ آباد فون و فیکس 525170-0547


بسم الله الرحمن الرحيم



أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

’’کیا پھر وہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے (لگے ہوئے) ہیں؟‘‘

(سُورۂ محمد: 24)



خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ

’’تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔‘‘

(صحیح بخاری: 5027)

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار

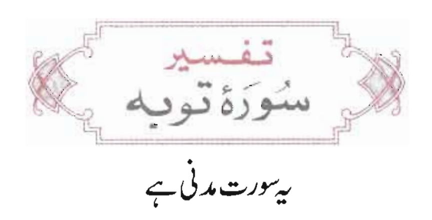
اجمالی فہرست

فہرست

عنوانات	آیات	صفحہ

عنوانات	آیات	صفحہ
نیکوکاروں کا اجروثواب	26	210
دیدارِالٰہی	26	211
روزِ قیامت گردوغبار اور سیاہیوں سے محفوظ، رونق افروز چہرے	26	212
مجرموں کی سزا	27	212
مشرکوں کے خداؤں کا مشرکوں سے اظہارِ براءت	32-28	213
مشرکین کا اللہ تعالیٰ کی توحیدِ ربوبیت کا اعتراف	33-31	215
ہر کوئی اللہ کے در کا سوالی ہے	33-31	216
کیا معبودوں میں پیدا کرنے، لوٹانے اور ہدایت سے نوازنے کی صلاحیت ہے؟	36-34	218
قرآن اللہ کا سچا کلام ہے	40-37	219
قرآن پاک کے چیلنج کا تیسرا مقام	40-37	220
قرآن مجید ایک معجزنما کتاب ہے	40-37	221
مشرکوں سے اظہارِ براءت کا حکم	44-41	222
حشر میں احساس ہوگا کہ دنیا کی زندگی بہت مختصر تھی	45	224
مجرموں سے دنیا یا آخرت میں ضرور انتقام لیا جائے گا	47,46	226
منکرین، قیامت کے جلدی وقوع پذیر ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں	52-48	227
قیامت برحق ہے	54,53	228
ہر چیز اللہ کے روبرو حاضر ہوگی	56,55	229
قرآن نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے	58,57	230
اللہ تعالیٰ کے سوا حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار کسی اور کو نہیں	60,59	230
ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے	61	232
اولیاء اللہ کی پہچان	64-62	233
انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے!	64-62	234

عنوانات



یہ سورت مدنی ہے

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ① فَسِيۡحُوۡا فِى الۡاَرۡضِ

(اے مسلمانو!) جن مشرکین سے تم نے عہد کر رکھا تھا، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان سے (اعلان) براءت ہے① چنانچہ

اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ②

(اے مشرکو!) تم زمین میں چار ماہ چل پھر لو، اور جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے ②

تفسیر آیات:2,1

نزول کے اعتبار سے آخری سورت: یہ سورت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی آخری سورتوں میں سے ہے جیسا کہ امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت: ﴿يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِى الۡكَلٰلَةِ ؕ﴾ (النسآء 4:176) ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت، سورۂ توبہ ہے۔[1]

اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں؟ اس سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' اس لیے نہیں لکھی جاتی کیونکہ صحابۂ کرام نے بھی مصحف امام میں اس سورت کے شروع میں ''بسم اللہ'' نہیں لکھی تھی اور انھوں نے ایسا امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی اقتدا کے پیش نظر کیا تھا۔[2]

زمانۂ نزول: اس سورۂ کریمہ کا ابتدائی حصہ حج کے دنوں میں اس وقت نازل ہوا تھا جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس تشریف لے آئے تھے، پھر جب آپ کے پاس یہ ذکر کیا گیا کہ حسبِ عادت مشرکین بھی موسم حج میں آئیں گے اور وہ بیت اللہ کا عریاں ہو کر طواف کریں گے تو آپ نے ان کے ساتھ شریک ہونے کو پسند نہ فرمایا اور اس سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا تاکہ وہ مسلمانوں کو مناسک حج ادا کر کے دکھائیں، مشرکوں کو بتا دیں کہ اس سال کے بعد وہ حج نہ کریں اور لوگوں میں یہ اعلان کر دیں: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے دست برداری ہے۔'' جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روانہ ہو گئے تو ان کے پیچھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا تاکہ

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ﴾...... (التوبة 9:1)، حديث:4654 و صحيح مسلم، الفرائض، باب آخر آية أنزلت آية الكلالة، حديث:1618. ② ملخص از سنن أبي داود، الصلاة، باب من جهربها، حديث: 786 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب و من سورة التوبة، حديث:3086.

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ

اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کے لیے اعلان ہے کہ بلاشبہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بریٔ الذمہ ہیں،

الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۵ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ

لہٰذا (اے مشرکو!) اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم نے (حق سے) منہ موڑے رکھا تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ③

اور (اے نبی!) آپ ان کافروں کو دردناک عذاب کی خبر سنا دیں③

وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہ پیغام پہنچا دیں، اس لیے کہ وہ آپ کے عصبہ تھے جیسا کہ تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔ ①

مشرکوں سے براءت کا اعلان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ ''(اے اہل اسلام! اب) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے، جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا، بیزاری (اور جنگ کی تیاری) ہے، چنانچہ (مشرکو! تم) زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔'' یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جن سے کسی وقت کے تعین کے بغیر مطلق عہد و پیمان کیے گئے تھے یا جن سے چار ماہ سے کم مدت کے لیے معاہدے تھے کہ وہ چار ماہ کی مدت پوری کرلیں اور جن سے معاہدوں کی مدت متعین تھی تو ان کے لیے اس مدت کو پورا کرنے کی اجازت تھی، خواہ وہ مدت کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ...... ﴾ الآية (التوبة 9:4) ''تو جس مدت تک ان کے ساتھ عہد کیا ہوا ہے پورا کرو......'' اور جیسا کہ عنقریب اس حدیث کو آگے بیان کیا جائے گا جس میں یہ ہے: [وَمَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَعَهْدُهُ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''اور جس شخص کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کوئی عہد ہو تو اس کا عہد اس کی مدت تک ہوگا۔''② اسی طرح کلبی، محمد بن کعب قرظی اور دیگر کئی ایک اہل علم سے مروی ہے۔

مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت: ابو مَعْشَر مدنی نے کہا کہ ہم سے محمد بن کعب قُرَظی وغیرہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے 9 ہجری میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور ان کے بعد حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو سورۂ براءت کی تیس یا چالیس آیات دے کر بھیجا جو انھوں نے لوگوں کو سنائیں جن میں مشرکوں کو چار مہینے زمین میں چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی تھی، انھوں نے ان آیات کو عرفے کے دن پڑھ کر سنایا۔ اس لیے یہ مدت ذوالحجہ کے بیس دنوں، محرم، صفر، ربیع الاول اور ربیع الآخر کے دس دنوں پر مشتمل تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مشرکوں کے مقامات کے پاس جا کر ان آیات کو پڑھ کر سنایا اور اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔③ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: (دیکھیے آیت:3)

① دیکھیے التوبة، آیت: 3 کے ذیل میں۔ ② جامع الترمذي، الحج، باب ما جاء في كراهية الطواف عريانًا، حديث: 871 وسنن الدارمي، المناسك، باب لايطوف بالبيت عريان:2/658، حديث:1919 واللفظ له ومسند أحمد:1/79.
③ تفسير الطبري:10/79,80.

تفسیر آیت:3

حج اکبر کے دن اعلان براءت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ﴾ ''اور حج اکبر کے دن اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے۔'' حج اکبر کے دن سے مراد قربانی کا دن ہے جو ایام مناسک میں سے افضل، زیادہ نمایاں اور زیادہ تعداد میں لوگوں کے جمع ہونے کا دن ہے۔ ﴿ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ ﴾ ''بے شک اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی (ان سے دست بردار ہے۔)'' یعنی رسول اللہ ﷺ بھی ان سے بیزار ہیں۔ پھر انھیں توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنْ تُبْتُمْ ﴾ ''پس اگر تم توبہ کرلو۔'' یعنی اس شرک اور ضلالت سے جس میں تم مبتلا ہو ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ ''تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر جاؤ۔'' اور اپنی اسی حالت پر برقرار رہو ﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ ﴾ ''تو جان لو! بے شک تم اللہ کو عاجز نہیں کرسکو گے۔'' بلکہ وہ تم پر قادر ہے اور تم اس کے قبضے اور تسلط میں ہو اور اس کی مشیت کے پابند ہو۔ ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ③ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دیں۔'' یعنی دنیا میں ان کے لیے ذلت و رسوائی اور آخرت میں ہتھوڑوں اور بیڑیوں کے ساتھ انھیں عذاب دیا جائے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس حج کے موقع پر مجھے بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کے ساتھ بھیجا جنھوں نے منیٰ میں یہ اعلان کیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ حُمید (بن عبدالرحمٰن) کہتے ہیں کہ پھر نبیٔ اکرم ﷺ نے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کو بھی بھیج دیا کہ وہ سورۂ براءت کا اعلان کردیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمارے ساتھ شامل ہو کر منیٰ میں قربانی کے دن سورۂ براءت کا اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے بھی قربانی کے دن منیٰ میں اعلان کرنے والوں میں بھیجا۔ اور ہم نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی عریاں ہو کر طواف کرے۔ حجِ اکبر کے دن سے مراد قربانی کا دن ہے۔ لوگ چونکہ (عمرے کو) حج اصغر کہتے تھے، اس وجہ سے اس دن کو حجِ اکبر کہا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے سامنے یہ اعلان کرا دیا اور اس کے نتیجے میں اگلے سال، یعنی جس میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کیا تھا، کسی مشرک نے حج نہ کیا۔[2]

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ...... ﴾ (التوبة 2:9)، حديث:4655. ② صحيح البخاري، الجزية والموادعة، باب كيف ينبذ إلى أهل العهد؟ حديث:3177 وصحيح مسلم، الحج، باب لايحج البيت مشرك......، حديث:1347.

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ

لیکن جن مشرکوں سے تم نے عہد کیا ہے، پھر انھوں نے تمھارے حق میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے مقابلے میں کسی کی مدد کی تو

اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

ان سے (مقررہ) مدت تک ان کا عہد پورا کرو۔ بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ④

محمد بن اسحاق نے ابوجعفر محمد بن علی بن حسین بن علی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر سورۂ براءت نازل ہوئی تو آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرما چکے تھے۔ آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! اگر آپ یہ سورت دے کر کسی کو ابوبکر کے پاس بھیج دیں؟ آپ نے فرمایا: [لَا یُؤَدِّی عَنِّی إِلَّا رَجُلٌ مِّنْ أَھْلِ بَیْتِی] ''میری طرف سے میرے اہل بیت ہی میں سے کوئی شخص یہ سورت پہنچائے گا۔'' پھر آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا: [أُخْرُجْ بِھٰذِهِ الْقِصَّةِ مِنْ صَدْرِ بَرَاءَةٍ، وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ يَوْمَ النَّحْرِ إِذَا اجْتَمَعُوا بِمِنًى أَنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ كَافِرٌ، وَّلَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَّلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَّمَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَهُوَ لَهُ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''سورۂ براءت کے ابتدا میں مذکور اس قصے کے ساتھ نکلو اور قربانی کے دن لوگ جب منیٰ میں جمع ہوں تو یہ اعلان کر دو کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہو تو وہ اس کی مدت تک ہوگا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی ناقۂ عَضباء پر سوار ہو کر روانہ ہوئے یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ رستے میں جا ملے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب انھیں دیکھا تو فرمایا: تم امیر ہو یا مامور؟ انھوں نے فرمایا: میں امیر نہیں بلکہ مامور ہوں، پھر دونوں نے مل کر سفر طے کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حج میں لوگوں کی امامت کے فرائض سرانجام دیے۔ اس سال عرب میں لوگ اپنے ان مقامات ہی میں تھے جن میں وہ زمانۂ جاہلیت میں موسم حج میں ہوا کرتے تھے حتی کہ جب قربانی کا دن آیا تو حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے مطابق یہ اعلان کیا: [يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ كَافِرٌ، وَّلَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ، وَّلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ، وَّمَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ عَهْدٌ فَهُوَ لَهُ إِلٰى مُدَّتِهِ] ''لوگو! بے شک کوئی کافر جنت میں داخل نہیں ہوگا، اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہے تو وہ اس کے لیے اس کی مدت تک ہوگا۔'' اس اعلان کی وجہ سے اس سال کے بعد کسی مشرک نے حج کیا نہ کسی نے عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر حج سے فراغت کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آ گئے۔ اس طرح یہ مشرکین سے بیزاری کا اعلان تھا، البتہ جن سے پہلے سے کوئی معاہدہ تھا انھیں معاہدے کی مدت تک مہلت دے دی گئی۔[1]

[1] السيرة النبوية لابن هشام، حج أبي بكر بالناس سنة تسع: 191,190/4 و تفسير الطبري: 85,84/10 .

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ

پھر جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو تم مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ قتل کر دو اور انھیں پکڑ لو اور ان کا محاصرہ کر لو اور

وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ

ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو، پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔

فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ⑤

تفسیر آیت:4

عہد کو مدت تک پورا کیا جائے: جن لوگوں سے عہد مطلق تھا اور اس کے لیے کسی وقت کا تعین نہ تھا، انھیں چار ماہ کی مہلت دے دی گئی کہ وہ زمین میں چلیں پھریں اور اپنی جان بچانے کی خاطر جہاں جانا چاہیں چلے جائیں۔ اور جن لوگوں سے عہد و پیمان کی مدت مقرر ہو تو ان کے لیے حکم یہ تھا کہ ان کے لیے مدت مقررہ تک عہد کا پاس کیا جائے۔ قبل ازیں اس مفہوم کی احادیث بھی بیان کی جا چکی ہیں کہ جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد کر رکھا ہو تو اس کا اس کی مدت مقررہ تک پاس رکھا جائے گا، بشرطیکہ وہ معاہد عہد شکنی نہ کریں اور نہ کسی اور کو مسلمانوں کے خلاف حملے کے لیے اکسائیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ ﴾ ”یقیناً اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے۔“ یہاں پرہیز گاروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہوں۔

تفسیر آیت:5

آیتِ سیف کا حکم: امام مجاہد، عمرو بن شعیب، محمد بن اسحاق، قتادہ، سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں عزت کے مہینوں سے مراد وہ چار مہینے ہیں جن کی کافروں کو مہلت دیتے ہوئے (اسی سورت کی آیت:2) میں فرمایا گیا: ﴿ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ ﴾ ”چنانچہ (مشرکو!) تم زمین میں چار مہینے چل پھر لو۔“[1] پھر فرمایا: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ یعنی جب یہ چار ماہ گزر جائیں جن میں ہم نے تمھارے لیے مشرکوں سے لڑنے کو حرام قرار دیا ہے اور انھیں ان چار ماہ کی مہلت دے دی ہے تو ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ ”مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔“ یعنی زمین میں انھیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔ اور یہ حکم عام ہے لیکن مشہور بات یہ ہے کہ انھیں حرم میں قتل کرنا حرام ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ ﴾ (البقرة 2:191) ”اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑو، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کر ڈالو۔“

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخُذُوْهُمْ ﴾ ”اور انھیں پکڑ لو۔“ اور اگر چاہو تو قتل کر دو یا چاہو تو قید کر لو۔ اور ارشاد الٰہی ہے:

[1] تفسیر الطبری:10/102،103.

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ

اور (اے نبی!) اگر مشرکوں میں سے کوئی آپ سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دیں یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے، پھر اسے اس کی

مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ⑥

امن کی جگہ پہنچا دیں، اس لیے کہ بے شک وہ ایسے لوگ ہیں جو علم نہیں رکھتے ⑥

﴿وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ﴾ ''اور ان کو گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ ان کی تاک میں بیٹھے رہو۔'' یعنی صرف انھیں پکڑنے پر اکتفا نہ کرو بلکہ ان کے ٹھکانوں اور قلعوں میں ان کا محاصرہ کر لو، راستوں پر ان کے لیے گھات لگا کر بیٹھ جاؤ اور زمین کو اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ کر دو اور انھیں مجبور کر دو کہ وہ اسلام قبول کر لیں یا قتل ہونا پسند کر لیں، اسی لیے فرمایا: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤﴾ ''پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکاۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو، بے شک اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

زکاۃ کی اہمیت: اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانعین زکاۃ کے خلاف جہاد کے لیے اسی طرح کی آیات کریمہ سے استدلال کیا تھا کیونکہ ان لوگوں سے قتال اس شرط کے ساتھ ہی حرام تھا کہ وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں اور اس کے عائد کردہ واجبات کو ادا کریں۔ واجبات اسلام میں سے اعلیٰ کا ذکر کر کے دیگر واجبات کی طرف اشارہ کر دیا۔ شہادتین کے بعد ارکان اسلام میں سب سے اشرف و افضل رکن نماز ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے۔ اس کے بعد زکاۃ کا درجہ ہے جسے فقراء اور محتاج لوگوں کے فائدے کے لیے واجب قرار دیا گیا ہے۔ مخلوق سے متعلق افعال میں سے زکاۃ سب سے اشرف و افضل عمل ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر نماز اور زکاۃ کا اکٹھا ہی ذکر کیا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ......] ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کروں حتی کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ ادا کریں......۔''[1]

یہ آیت کریمہ آیت سیف ہے اور اس کے بارے میں ضحاک بن مزاحم نے کہا ہے کہ اس آیت نے ہر اس عہد کو ختم کر دیا جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی بھی مشرک کے مابین تھا، اس نے ہر عہد اور ہر مدت کو ختم کر دیا۔[2] عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ سورۂ براءت کے نزول اور حرمت والے مہینے گزرنے کے بعد کسی بھی مشرک کے ساتھ کوئی عہد اور ذمہ باقی نہیں رہا اور مشرکوں سے کیے ہوئے عہد کی مدت کے گزرنے کے حکم کا تعلق سورۂ براءت کے نزول

① صحيح البخاري، الإيمان، باب: ﴿فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ......﴾، حديث: 25 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله ......، حديث: 22. ② تفسير ابن أبي حاتم: 1752/6.

سے پہلے کے دور سے تھا اور جب سورۂ براءت نازل ہوئی تو صرف چار ماہ کے لیے مہلت دے دی گئی، یعنی سورۂ براءت کے اس حکم کے مطابق اعلان کے دن سے لے کر ربیع الآخر کی دس تاریخ تک۔ ①

تفسیر آیت:6

مشرک پناہ مانگے تو اسے پناہ دی جائے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ''اور اگر کوئی ایک مشرکوں میں سے۔'' ان میں سے جن سے قتال کا میں نے آپ کو حکم دیا ہے اور جن کی جانوں اور مالوں کو آپ کے لیے مباح قرار دیا: ﴿ اسْتَجَارَكَ ﴾ ''آپ سے پناہ کا خواستگار ہو۔'' یعنی آپ سے امن طلب کرے تو اس کی درخواست کو قبول کر لیجیے حتی کہ وہ اللہ کے کلام قرآن مجید کو سن لے جسے آپ اسے پڑھ کر سنائیں اور دین کی کچھ باتوں کا اس کے سامنے ذکر کریں تاکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے۔ ﴿ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ﴾ ''پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیجیے۔'' یعنی وہ امن میں ہو اور اسے امان حاصل ہو حتی کہ وہ اپنے ملک، اپنے گھر اور اپنے امن کی جگہ پہنچ جائے۔ ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''یہ اس لیے کہ بے شک وہ بے خبر لوگ ہیں۔'' یعنی ہم نے ان جیسے لوگوں کو امان اس لیے دی ہے تاکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کو جان لیں اور اللہ کی دعوت اس کے بندوں تک پہنچ جائے۔

ابن ابونَجیح نے امام مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے یہ فرمایا ہے کہ اگر ایک انسان آپ کے پاس آئے تاکہ آپ کی بات کو اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے، اسے سنے تو وہ امن میں ہے حتی کہ وہ آپ کے پاس آ کر اللہ کے کلام کو سن لے، پھر اپنے امن کی اس جگہ واپس چلا جائے جہاں سے وہ آیا تھا۔ ② یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس شخص کو امان دے دیتے تھے جو آپ کے پاس رہنمائی حاصل کرنے کے لیے یا کوئی پیغام لے کر آتا جیسا کہ حدیبیہ کے دن آپ کے پاس قریش کے قاصدوں کی ایک جماعت آئی تھی، مثلاً: عروہ بن مسعود، مِکْرَز بن حفص اور سہیل بن عمرو وغیرہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے اس قضیے کے سلسلے میں آئے تھے جو آپ کے اور مشرکین کے مابین تھا۔ انھوں نے جب یہ دیکھا کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی بے پناہ تعظیم بجالاتے ہیں تو وہ اس سے مبہوت رہ گئے کیونکہ انھوں نے اس طرح کی تعظیم نہ قیصر کی دیکھی تھی اور نہ دنیا کے کسی اور بڑے سے بڑے بادشاہ کی اور انھوں نے واپس جا کر اپنی قوم کو بھی اس کے بارے میں بتایا تھا ③ اور یہی باتیں ان میں سے اکثر لوگوں کی ہدایت کا بڑا سبب ثابت ہوئیں۔

مُسَیلِمہ کذاب کا قاصد جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس سے پوچھا: [أَتَشْهَدُ (أَنْتَ) أَنَّ مُسَيْلِمَةَ رَسُولُ اللّٰهِ] ''کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔'' اس نے کہا: ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَوْلَا أَنَّ الرُّسُلَ لَا تُقْتَلُ لَضَرَبْتُ عُنُقَكَ] ''اگر یہ بات نہ ہوتی کہ قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاتا تو میں تیری گردن

① تفسیر الطبری:78/10. ② تفسیر الطبری:103/10. ③ دیکھیے صحیح البخاری، الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة......، حدیث:2732,2731 مطولاً.

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ

بھلا مشرکوں کے لیے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیونکر ہو سکتا ہے سوائے ان لوگوں کے جن سے تم نے مسجد حرام کے قریب

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦

عہد لیا تھا، پھر (جب تک) وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں تو تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔ بے شک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے ⑦

اڑا دیتا۔''[1] البتہ بعد میں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے اس کی گردن اس وقت اڑائی گئی جب ابن مسعود رضی اللہ عنہ کوفے کے امیر تھے، اس شخص کا نام ابن نَوَّاحہ تھا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ بات ظاہر ہوگئی کہ یہ شخص مسیلمہ کذاب کو رسول تسلیم کرتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ اس وقت تم قاصد نہیں ہو، لہٰذا تمھاری گردن اڑا دی جائے گی، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس ملعون کی گردن اڑا دی گئی۔[2]

الغرض دار الحرب سے اگر کوئی کافر دار الاسلام میں پیغام پہنچانے، تجارت کرنے، صلح طلب کرنے، معاہدہ کرنے یا جزیہ وغیرہ ادا کرنے کے لیے آئے اور امام وقت یا ان کے نائب سے امان طلب کرے تو جب تک وہ دار الاسلام میں رہے گا، اسے امان دے دی جائے گی حتی کہ وہ اپنے وطن اور امن کی جگہ واپس چلا جائے۔

تفسیر آیت: 7

مشرکین سے بیزاری کی تاکید: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے بے زاری، چار ماہ کی مہلت اور جہاں بھی پائے جائیں شمشیرِ بُرّاں کے ساتھ انھیں تہ تیغ کر دینے کے حکم کی مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ ﴾ ''بھلا مشرکوں کے لیے عہد کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے؟'' یعنی امان اور یہ کہ انھیں چھوڑ دیا جائے اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کر رہے ہیں، ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جن کے ساتھ تم نے مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے نزدیک عہد کیا ہے۔'' یعنی حدیبیہ کے دن جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ ﴾ (الفتح 25:48) ''یہ وہی لوگ ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجد حرام سے روک دیا اور جانوروں کو بھی کہ اپنی قربان گاہ تک پہنچنے سے روکے رکھا۔'' ﴿ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ ﴾ ''پھر اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی (اپنے قول قرار پر) قائم رہو۔'' یعنی جب تک وہ تم سے جنگ نہ کرنے کے عہد و پیمان پر دس برس تک قائم رہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑦ ﴾ ''بے شک اللہ پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ایسا ہی کیا۔ اور انھوں نے اہل مکہ کے

---

[1] اس حدیث کا ابتدائی حصہ المعجم الکبیر للطبرانی: 195/9، حدیث: 8959 اور آخری حصہ سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرسل، حدیث: 2762,2761 کے مطابق ہے۔ والسیرۃ النبویۃ لابن هشام، كتاب مسيلمة إلى رسول الله والجواب عنه: 247/4 جبکہ بعض روایات میں [عُنُقَكَ] کے بجائے [أَعْنَاقَكُمَا] ''تم دونوں کی گردنیں (اڑا دیتا۔)'' کے الفاظ ہیں اور قوسین والا لفظ بھی المعجم الکبیر للطبرانی میں ہے۔ [2] سنن أبي داود، الجهاد، باب في الرسل، حدیث: 2762.

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ يُرْضُوْنَكُمْ

کس طرح (مشرکوں سے عہد رہ سکتا ہے؟) جبکہ ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں تو وہ تمھارے معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کریں گے

بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۚ ⑧

نہ کسی عہد کا۔ وہ اپنے مونہوں (زبانوں) سے تمھیں خوش کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ⑧

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا

انھوں نے اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت میں بیچا، پھر (لوگوں کو) اس کے راستے سے روکا، بے شک برا ہے جو وہ کرتے

يَعْمَلُوْنَ ⑨ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ⑩

ہیں ⑨ وہ کسی مومن کے معاملے میں رشتے داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ کسی عہد کا ،اور وہی لوگ حد سے گزرنے والے ہیں ⑩

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ وَنُفَصِّلُ

پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکاۃ دیں تو وہ دین میں تمھارے بھائی ہیں۔ اور ہم (اپنی) نشانیاں ان لوگوں

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑪

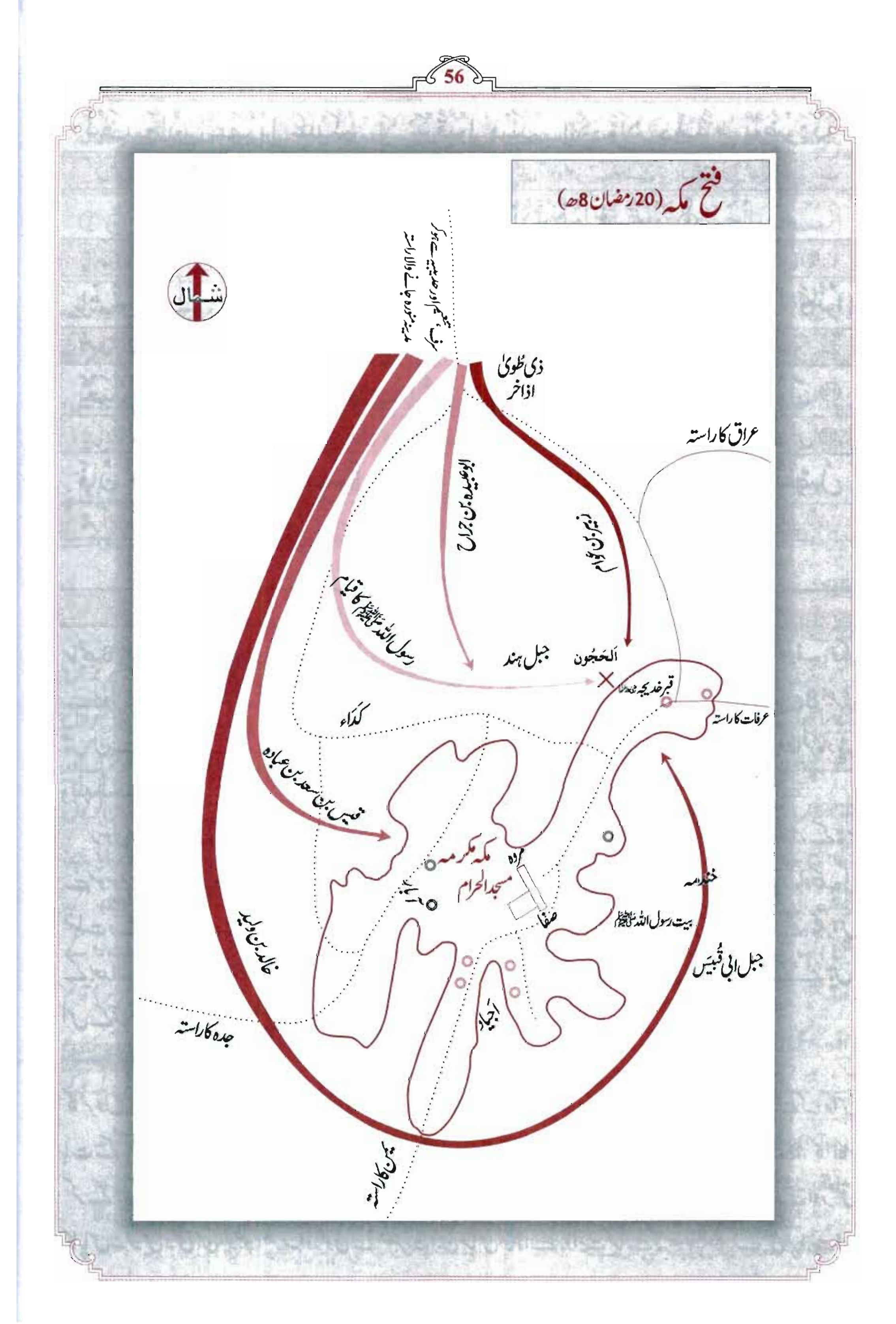
کے لیے تفصیل سے بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ⑪

ساتھ 6 ہجری میں جو عہد و پیمان کیا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ نے نبھایا یہاں تک کہ قریش نے اسے توڑا اور اپنے حلیف بنو بکر سے رسول اللہ ﷺ کے حلیف خزاعہ پر حملہ کر دیا بلکہ حرم میں انھیں قتل بھی کیا تو اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے رمضان 8 ہجری میں ان سے لڑائی کی اور اس کے نتیجے میں اللہ نے مکہ فتح کرا دیا اور کافروں پر اپنے رسول اور مسلمانوں کو غلبہ و تسلط عطا فرما دیا۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

رسول اللہ ﷺ نے غلبہ و تسلط حاصل کرنے کے بعد ان میں سے مسلمان ہونے والوں کو آزاد کر دیا اور یہ طُلَقاء کے نام سے موسوم ہوئے اور یہ دو ہزار کے قریب تھے۔ اور ان میں سے جو اپنے کفر پر برقرار رہا یا فرار ہو گیا تو انھیں چار ماہ تک کی مہلت دے دی گئی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ انھی میں سے صفوان بن امیہ اور عکرمہ بن ابوجہل وغیرہ بھی تھے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دی۔ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی کے لیے ہیں، اس کے تمام افعال ہی قابلِ ستائش ہیں۔

تفسیر آیت: 8

کافروں سے دشمنی: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مشرکوں کی دشمنی اور ان سے بیزاری کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان سے عہد پورا کیا جائے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے اور رسول اللہ ﷺ کا انکار کرتے ہیں۔ اور اگر انھیں مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو جائے تو وہ انھیں ختم کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور کسی رشتے اور تعلق کا پاس نہ کریں۔ علی بن ابوطلحہ، عکرمہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ اِلًّا ﴾ کے معنی قرابت اور



فتح مکہ (20 رمضان 8ھ)
شمال
ذی طویٰ
اذاخر
عراق کا راستہ
ابوعبیدہ بن جراح
الحجون
جبل ہند
رسول اللہ ﷺ کا قیام
قبر خدیجہ رضی اللہ عنہا
عرفات کا راستہ
کداء
قیس بن سعد بن عبادہ
مکہ مکرمہ
مسجد الحرام
مروہ
صفا
خندمہ
بیت رسول اللہ ﷺ
جبل ابی قبیس
خالد بن ولید
اجیاد
جدہ کا راستہ
یمن کا راستہ

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمھارے دین میں طعن کریں تو کفر کے (ان) سرداروں سے جنگ کرو، بے شک

الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫

ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں، شاید کہ وہ باز آئیں ⑫

﴿ ذِمَّةً ﴾ کے معنی عہد کے ہیں۔[1] ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔[2]

تفسیر آیات:9-11

مشرکین کی بداعمالیاں: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مذمت اور مومنوں کو ان کے خلاف جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''انھوں نے اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت میں بیچا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کی اتباع کے عوض انھوں نے ذلیل دنیا کے امور میں مشغولیت اختیار کر لی ہے۔ ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ ''پھر انھوں نے (لوگوں کو) اس (اللہ) کے رستے سے روکا۔'' یعنی مومنوں کو اتباع حق سے روکا۔ ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑨ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں برے ہیں۔ یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتے داری کا پاس کرتے ہیں نہ کسی عہد کا۔'' اس کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے،[3] اسی طرح اس کے بعد والی آیت: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ کی تفسیر بھی قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[4]

تفسیر آیت:12

کفر کے سرداروں کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ مشرک جن سے تم نے ایک معین مدت کے لیے عہد و پیمان کیا ہے، توڑ دیں ﴿ اَيْمَانَهُمْ ﴾ یعنی اپنے عہدوں اور پیمانوں کو ﴿ وَ طَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ﴾ ''اور تمھارے دین میں طعن کرنے لگیں۔'' یعنی دین پر عیب لگائیں اور اس کی تنقیص کریں۔ اسی آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کرے یا دینِ اسلام پر طعن کرے یا اس کی تنقیص کرے تو اسے قتل کیا جائے گا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ ﴾ ''تو ان کفر کے سرداروں سے جنگ کرو بے شک ان کا کوئی عہد و پیمان نہیں، شاید کہ وہ (اپنی حرکات سے) باز آ جائیں۔'' یعنی اپنے کفر، عناد اور گمراہی سے باز آ جائیں۔ امام قتادہ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ ائمۂ کفر سے ابوجہل، عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف جیسے کافر مراد ہیں، انھوں نے یہاں اس طرح کے اور بھی کئی کافروں کے نام لیے ہیں۔[5] اعمش نے زید بن وہب سے اور انھوں نے حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے اہل سے اس کے بعد لڑائی نہیں کی گئی۔[6] حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[7] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگرچہ اس آیت کے نزول کا سبب مشرکین قریش ہیں مگر یہ آیت ان کے لیے اور دیگر مشرکین کے لیے

① تفسیر الطبری :109,108/10. ② تفسیر الطبری :109/10. ③ دیکھیے التوبۃ، آیت: 8 کے ذیل میں۔ ④ دیکھیے التوبۃ، آیت: 5 کے ذیل میں۔ ⑤ تفسیر الطبری :114/10. ⑥ تفسیر الطبری :114/10. ⑦ الدر المنثور :388/3.

اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّکَثُوۡٓا اَیۡمَانَہُمۡ وَ ہَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَ ہُمۡ بَدَءُوۡکُمۡ

کیا تم ان لوگوں سے نہیں لڑو گے جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور رسول کو (مکہ سے) نکالنے کا ارادہ کیا اور انھوں نے ہی پہلے پہل تم

اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَہُمۡ ۚ فَاللّٰہُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡہُ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ⑬ قَاتِلُوۡہُمۡ

سے لڑائی شروع کی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو ⑬ ان سے (خوب) لڑائی

یُعَذِّبۡہُمُ اللّٰہُ بِاَیۡدِیۡکُمۡ وَ یُخۡزِہِمۡ وَ یَنۡصُرۡکُمۡ عَلَیۡہِمۡ وَ یَشۡفِ صُدُوۡرَ قَوۡمٍ مُّؤۡمِنِیۡنَ ⑭

کرو، اللہ انھیں تمھارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انھیں رسوا کرے گا اور ان کے خلاف تمھاری مدد کرے گا اور مومنوں کے سینوں کو شفا

وَ یُذۡہِبۡ غَیۡظَ قُلُوۡبِہِمۡ ؕ وَ یَتُوۡبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ⑮

(ٹھنڈک) بخشے گا ⑭ اور وہ ان کے دلوں کا غصہ دور کرے گا اور اللہ جس پر چاہے توجہ فرماتا ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ⑮

عام ہے۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ.

ولید بن مسلم نے کہا کہ ہم سے صفوان بن عمرو نے عبدالرحمٰن بن جُبَیر بن نُفَیر سے روایت کیا کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان لوگوں میں شامل تھے جنھیں شام کی طرف روانہ کیا گیا تھا اور ان سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ تم ایسے لوگوں سے ملو گے جن کے سر درمیان سے مونڈے ہوئے ہوں گے تو ان کی شیطانی گرہوں پر تلواریں مارو، اللہ کی قسم! مجھے ان میں سے ایک کو قتل کرنا دوسرے ستر کافروں کے قتل کرنے سے زیادہ پسند ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّۃَ الۡکُفۡرِ ۙ ﴾ ''تو کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔''[1]

تفسیر آیات: 13-15

کافروں سے لڑائی کی ترغیب اور اس کے فوائد: یہ بھی ان مشرکوں کے خلاف قتال کی ترغیب ہے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے جلاوطن کر دینے کا ارادہ کر کے اپنے عہد و پیمان کو توڑ دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اِذۡ یَمۡکُرُ بِکَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لِیُثۡبِتُوۡکَ اَوۡ یَقۡتُلُوۡکَ اَوۡ یُخۡرِجُوۡکَ ؕ وَ یَمۡکُرُوۡنَ وَ یَمۡکُرُ اللّٰہُ ؕ وَ اللّٰہُ خَیۡرُ الۡمٰکِرِیۡنَ ○ ﴾ (الأنفال 30:8) ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کیجیے) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے تاکہ وہ آپ کو قید کر دیں یا جان سے مار دیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ تدبیر کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ یُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَ اِیَّاکُمۡ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰہِ رَبِّکُمۡ ؕ ﴾ (الممتحنة 1:60) ''وہ رسول کو اور تمھیں بھی جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ اِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَکَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡکَ مِنۡہَا ...... ﴾ الآیة (بنیٓ إسرآءیل 76:17) ''اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تاکہ آپ کو وہاں سے جلاوطن کر دیں......'' ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَ ہُمۡ بَدَءُوۡکُمۡ اَوَّلَ مَرَّۃٍ ؕ ﴾ ''اور پہلے پہل انھوں ہی نے تم سے (عہد شکنی کی) ابتدا کی۔'' کہا گیا

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1761/6.

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تمھیں (یونہی) چھوڑ دیا جائے گا؟ جبکہ ابھی اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو نہیں جانا جنھوں نے جہاد کیا

دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ⑯ ع

اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا اور تم جو عمل کرتے ہو اللہ ان کی خوب خبر رکھتا ہے ⑯

ہے کہ اس سے بدر کے دن کی عہد شکنی مراد ہے جب یہ لوگ اپنے قافلے کی مدد کے لیے نکلے تھے لیکن اس بات کے معلوم ہونے کے باوجود کہ ان کا قافلہ بچ نکلا ہے، پھر بھی یہ لڑنے مرنے کی غرض سے ازراہِ غرور وتکبر آ گے ہی بڑھتے چلے گئے جیسا کہ قبل ازیں تفصیل کے ساتھ یہ بیان کیا جا چکا ہے۔[1] اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان کی اس عہد شکنی سے مراد ان کا اپنے حلیف بنوبکر کے ساتھ مل کر رسول اللہ ﷺ کے حلیف خُزاعہ کے خلاف جنگ کرنا ہے حتی کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے سال ان کے مقابلے کے لیے تشریف لے آئے۔ اور اس واقعے کی تفصیلات آپ کو معلوم ہی ہیں۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬﴾ ''کیا تم ان لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھی سے ڈرو، میں ہی اس بات کا مستحق ہوں کہ میرے بندے میری سطوت اور میرے عذاب سے ڈریں، میرے ہی ہاتھ میں تمام امور ہیں، وہی ہوتا ہے جو میں چاہوں اور جو میں نہ چاہوں، وہ ہو ہی نہیں سکتا۔

ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچاؤ: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جہاد کا حکم دیتے ہوئے اور جہاد کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، حالانکہ اسے یہ قدرت حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے حکم کے ساتھ اپنے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالے: ﴿قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭﴾ ''ان سے (خوب) لڑو اللہ ان کو تمھارے ہاتھوں عذاب دے گا اور رسوا کرے گا اور تمھاری ان کے خلاف مدد کرے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا (ٹھنڈک) بخشے گا۔'' یہ آیت کریمہ تمام مومنوں کے حق میں عام ہے لیکن مجاہد، عکرمہ اور سدی کا قول ہے کہ یہ آیت بنوخزاعہ کے بارے میں ہے۔ اور ﴿وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ﴾ ''اور ان کے دلوں سے غصہ لے جائے گا۔'' میں بھی هِم ضمیر کا مرجع یہی (خُزاعہ کے) لوگ ہیں۔[2]

﴿وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ﴾ ''اور جس پر اللہ چاہے مہربانی فرماتا ہے۔'' یعنی اپنے بندوں میں سے ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ سب کچھ جانتا ہے'' کہ اس کے بندوں کے لیے کیا بہتر ہے۔ ﴿حَكِيْمٌ ⑮﴾ ''(اور) حکمت والا ہے۔'' وہ اپنے کونی اور شرعی تمام افعال واقوال میں حکمت والا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جو ارادہ فرماتا ہے، فیصلہ کرتا ہے، وہ عادل وحاکم ہے، کبھی بھی ظلم نہیں فرماتا، اور اس کے پاس خیر وشر کا کوئی ذرہ بھی ضائع نہیں جاتا بلکہ وہ اس کے مطابق دنیا وآخرت میں جزا وسزا دیتا ہے۔

[1] دیکھیے الأنفال، آیت: 47 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 118,117/10.

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ

مشرکین اس لائق نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ انھی لوگوں

اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ⑰ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ

کے (سب) اعمال برباد ہو گئے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ⑰ اللہ کی مسجدیں تو صرف وہ آباد کرتا ہے جو اللہ اور

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۫

یوم آخرت پر ایمان لایا اور اس نے نماز قائم کی اور زکاۃ دی اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرا، لہٰذا امید ہے کہ یہی لوگ

فَعَسٰٓى اُولٰٓىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱

ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں گے ⑱

تفسیر آیت:16

مسلمانوں کی آزمائش مقصود ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا ﴾ ''کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ (بلا آزمائش) چھوڑ دیے جاؤ گے۔'' اے مومنو! کیا ہم تمھیں یوں ہی چھوڑ دیں گے اور ایسے امور کے ساتھ تمھاری آزمائش نہیں کریں گے جن سے ظاہر ہو جائے گا کہ عزم صادق والے کون ہیں اور جھوٹے کون۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ ﴾ ''اور ابھی تو اللہ نے (ایسے) لوگوں کو جانا ہی نہیں جنھوں نے تم میں سے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا۔'' بلکہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر اللہ اور اس کے رسول کے ہمدرد اور خیر خواہ ہیں۔ اور اس نے یہاں دو قسموں میں سے ایک ہی کے ذکر پر اکتفا کیا۔

ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ الٓمّٓ ۚ○ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ ﴾ (العنکبوت 29:1-3) ''الٓمّٓ۔ کیا لوگ یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے، چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ اور البتہ تحقیق جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی آزمائیں گے)، چنانچہ اللہ ضرور معلوم کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی ضرور معلوم کرے گا جو جھوٹے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ○ ﴾ (آل عمرٰن 3:142) ''کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ (بلا آزمائش) بہشت میں داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو (اچھی طرح) معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے کہ) وہ صبر کرنے والوں کو معلوم کرے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ ﴾ (آل عمرٰن 3:179) ''اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہیں رہنے دے گا جس میں تم اس وقت ہو، یہاں تک کہ وہ ناپاک کو پاک سے علیحدہ کر دے۔''

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے بندوں کو جہاد کا حکم دیا تو اس نے یہ بھی بیان فرما دیا کہ جہاد میں فلسفہ وحکمت یہ ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمائش کر کے یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ ان میں سے فرمانبردار کون ہیں اور نافرمان کون، حالانکہ اب تک جو ہوا اور آئندہ جو ہوگا، وہ سب کچھ جانتا ہے اور جو کچھ نہیں ہوا اس کے بارے میں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اگر یہ ہوتا تو کس طرح ہوتا وہ ہر ہر چیز کے بارے میں اس کے ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے اور جب وہ ہو جائے تو یہ بھی جانتا ہے کہ اب وہ کس حال میں ہے، وہ معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں اور وہ جو فیصلہ فرما دے اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔

تفسیر آیات: 18,17

مشرک اللہ کی مسجدوں کو آباد نہیں کر سکتے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے ساتھ شرک کرنے والوں کو یہ بات زیبا نہیں کہ اس کی مسجدوں کو آباد کریں کیونکہ یہ مسجدیں تو اسی وحدہ لاشریک کے پاک نام پر بنائی گئی ہیں۔ اور جس نے یہاں [مَسْجِدَ اللّٰهِ] پڑھا ہے تو اس نے اس سے مسجد حرام مراد لی ہے جو تمام مسجدوں سے اشرف وافضل ہے اور جو پہلے دن ہی سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے اور جس کے بانی خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بہر حال مشرکوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں جبکہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہوں۔ سدی نے کہا ہے کہ اگر آپ کسی نصرانی سے پوچھیں کہ تمھارا دین کیا ہے۔ تو وہ کہے گا کہ میں نصرانی ہوں، کسی یہودی سے یہ سوال پوچھیں تو وہ کہے گا کہ میں یہودی ہوں اگر کسی صابی سے پوچھیں تو وہ کہے گا کہ میں صابی ہوں اور اگر کسی مشرک سے پوچھیں تو وہ جواب دے گا کہ میں مشرک ہوں۔[1] ﴿ اُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ ''ان لوگوں کے (سب) اعمال ضائع ہیں۔'' ان کے شرک کی وجہ سے ﴿ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۱۷ ﴾ ''اور یہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 34:8) ''اور (اب) ان کے لیے کون سی وجہ ہے کہ وہ انھیں عذاب نہ دے جبکہ وہ لوگوں کو مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں ہیں، اس کے متولی تو صرف پرہیزگار ہی ہیں اور لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔''

اہل ایمان مسجدیں آباد کرتے ہیں: اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لاتے ہیں۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسجدوں کو آباد کرنے والوں کے ایمان کی گواہی دی ہے۔ جیسا کہ امام احمد نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ، فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ] ''جب تم کسی آدمی کو دیکھو کہ مسجد آنا اس کی عادت ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دے دو۔'' اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت

[1] تفسير الطبرى : 120/10.

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کو آباد کرنا اس شخص کے (اعمال کے) مانند قرار دے رکھا ہے جو اللہ اور یوم

الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

آخرت پر ایمان لایا اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اللہ کے نزدیک یہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الظّٰلِمِيْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

وقف لازم

نہیں دیا کرتا ⑲ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کیا،

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ⑳ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ

اللہ کے ہاں درجے میں (وہ) سب سے بڑھ کر ہیں اور وہی مراد پانے والے ہیں⑳ ان کا رب انھیں اپنی طرف سے رحمت اور رضامندی

بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ㉑ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ

اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہوں گی ㉑ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ㉒

ابد تک۔ بے شک اللہ کے ہاں بہت بڑا اجر ہے ㉒

پر ایمان لاتے ہیں۔''[1] نیز اسے امام ترمذی، ابن مردویہ نے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔[2]

امام عبدالرزاق نے عمرو بن میمون اَودِی سے روایت کیا ہے کہ ہمیں حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے خبر دی کہ مسجدیں زمین میں اللہ کے گھر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ وہ اس کی عزت کرے جو اس کے گھر میں اس کی زیارت کے لیے آئے۔[3] اور ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ ﴾ ''اور نماز قائم کرتے ہیں۔'' جو سب سے بڑی بدنی عبادت ہے۔ ﴿ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' جو مخلوق کے ساتھ نیکی و بھلائی کے اعتبار سے ایک افضل عمل ہے۔ اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔'' یعنی صرف اللہ ہی سے ڈرتے ہیں اور اس کے سوا کسی اور سے نہیں ڈرتے ﴿ فَعَسٰٓى اُولٰۗىِٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ⑱ ﴾ ''لہٰذا ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ہوں۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جو شخص اللہ کو وحدہ لاشریک مانے، آخرت کے دن کے ساتھ اور جو اللہ نے نازل فرمایا ہے، اس کے ساتھ ایمان لائے اور نماز پنجگانہ ادا کرے اور اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ہے: ﴿ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ ﴾ (بنيٓ إسرآء يل 79:17) ''قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔'' یعنی عنقریب آپ کا رب

① مسند أحمد: 68/3. ② جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3093 والمستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة التوبة: 332/2، حديث: 3280، البتہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ ③ تفسير عبدالرزاق: 443/2، رقم: 2049 وشعب الإيمان للبيهقي، باب في الصلوات، فصل المشي إلى المساجد: 82/3، حديث: 2943.

آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا اور وہ شفاعت ہے۔ ﴿ عَسٰٓی ﴾ اگرچہ ایسا فعل ہے جو امید کا فائدہ دیتا ہے مگر قرآن مجید میں یہ ہر جگہ یقین ہی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ [1]

تفسیر آیات: 19-22

حاجیوں کو پانی پلانا اور خانہ کعبہ کو آباد کرنا ایمان و جہاد کے برابر نہیں: عوفی نے اپنی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ بیت اللہ کو آباد کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا ایمان و جہاد سے بہتر ہے اور وہ حرم پر فخر کرتے اور اس وجہ سے وہ تکبر کرتے تھے کہ وہ حرم کے باشندے اور اسے آباد رکھنے والے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے تکبر اور حق سے روگردانی کا ذکر کرتے ہوئے اہل حرم کے مشرکین کو فرمایا ہے: ﴿ قَدۡ كَانَتۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ عَلٰۤی اَعۡقَابِكُمۡ تَنۡكِصُوۡنَ ۙ﴿۶۶﴾ مُسۡتَكۡبِرِیۡنَ ۚۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ ﴾ (المؤمنون 23:66,67) ''یقیناً میری آیتیں تم پر تلاوت کی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پھر جاتے تھے۔ ان سے سرکشی کرتے، کہانیوں میں مشغول ہوتے اور تم بے ہودہ گوئی کرتے تھے۔'' یعنی اہل حرم میں سے ہونے کی وجہ سے تکبر کرتے، کہانیوں میں مشغول ہو جاتے اور قرآن اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اعراض کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد کو مشرکوں کے خانہ کعبہ کو آباد رکھنے اور حاجیوں کو پانی پلانے سے بہتر قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ شرک کی وجہ سے بیت اللہ کی آبادی و خدمت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہ ہوگی، چنانچہ فرمایا: ﴿ لَا یَسۡتَوٗنَ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهۡدِی الۡقَوۡمَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۹﴾ ﴾ ''یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' یعنی جو لوگ بزعم خود اپنے آپ کو بیت اللہ کو آباد کرنے والے سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے شرک کی وجہ سے ان کا نام ظالم رکھا ہے تو اللہ کے گھر کی آبادی و خدمت بھی ان کے کچھ کام نہ آئی کیونکہ وہ شرک کرتے تھے۔ [2]

آیت کی شان نزول: علی بن ابوطلحہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ عباس بن عبدالمطلب کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب انھیں بدر کے دن قیدی بنا لیا گیا تھا اور انھوں نے کہا تھا کہ اگر تم ہم سے اسلام، ہجرت اور جہاد میں سبقت لے گئے ہو تو کیا ہوا، ہم بھی تو مسجد حرام کو آباد رکھتے، حاجیوں کو پانی پلاتے اور فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑاتے رہے ہیں۔ تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل کیا اور فرمایا کہ تمھارے یہ تمام اعمال حالتِ شرک میں تھے اور شرک کے ساتھ میں کسی عمل کو قبول نہیں کرتا۔ [3] اور ضحاک بن مُزاحم نے اس طرح روایت کیا ہے کہ مسلمانوں نے عباس اور ان کے رفقاء کو اس وقت شرک کرنے کی وجہ سے طعنہ دیا جب وہ بدر کے دن قیدی بنا لیے گئے تھے تو عباس نے جواب میں کہا کہ اللہ کی قسم! ہم بھی مسجد محترم کو آباد کرتے، فدیہ دے کر قیدیوں کو چھڑاتے، بیت اللہ کی دربانی کرتے

---

[1] تفسیر الطبری: 121/10. [2] تفسیر الطبری: 123/10. [3] تفسیر الطبری: 123,122/10.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تمھارے باپ اور بھائی ایمان پر کفر کو پسند کریں تو تم (ہرگز) انھیں دوست

الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ

نہ بناؤ۔ اور تم میں سے جو ان کو دوست بنائیں گے، تو وہی لوگ ظالم ہیں ﴿23﴾ (اے نبی!) کہہ دیں: اگر تمھارے

وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور تمھارا کنبہ قبیلہ اور جو مال تم نے کمائے اور وہ تجارت جس کے

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ

مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنھیں تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد

سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿24﴾ ع 3/8/9

سے زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے۔ اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿24﴾

اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔ [1]

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث بھی وارد ہے، لہٰذا اسے یہاں بیان کرنا ضروری ہے، امام عبدالرزاق نے اس حدیث کو بروایت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کیا کہ ایک شخص نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اگر میں کوئی عمل نہ بھی کروں تو مجھے کوئی پروا نہیں لیکن میں حاجیوں کو پانی ضرور پلاؤں گا۔ دوسرے نے کہا کہ اسلام قبول کرنے کے بعد میں بھی اگر کوئی عمل نہ کروں تو مجھے بھی کوئی پروا نہیں لیکن میں مسجد محترم کے آباد کرنے میں ضرور حصہ لوں گا۔ یہ سن کر ایک اور شخص کہنے لگا کہ تم نے جو کچھ کہا اس سے تو جہاد فی سبیل اللہ افضل ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں ڈانٹتے ہوئے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس اپنی آوازیں بلند نہ کرو۔ یہ جمعے کا دن تھا، نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، (اور ہم نے اس کے بارے میں آپ سے دریافت کیا) تو اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ تا ﴿ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ ﴾ [2]

تفسیر آیات: 24,23

مشرکوں کی دوستی ترک کر دینے کا حکم اگرچہ قریبی ہی ہوں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حکم دیا ہے کہ کفار سے علیحدگی اختیار کر لی جائے، خواہ وہ تمھارے باپ یا بیٹے ہی کیوں نہ ہوں اور اگر وہ ایمان کے بجائے کفر ہی کو پسند کرتے ہوں تو

---

[1] تفسیر الطبری:125,124/10. [2] تفسیر عبدالرزاق:138/2، رقم:1060 وصحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الشهادة فی سبیل اللّٰه تعالی، حدیث:1879 وتفسیر الطبری:123/10 واللفظ له. نوٹ: صحیح مسلم میں [إِذَا صَلَّيْنَا الْجُمُعَةَ دَخَلْنَا عَلَى النَّبِيِّ ﷺ] کے بجائے [وَلٰكِنْ إِذَا صَلَّيْتُ الْجُمُعَةَ دَخَلْتُ فَاسْتَفْتَيْتُهُ فِيمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ] ”اور لیکن میں جمعے سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر پوچھوں گا جس میں تم نے اختلاف کیا ہے۔“ کے الفاظ ہیں۔

پھران سے دوستی ممنوع ہے اور ایسا کرنے پر دھمکی دی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ۭ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ...... ﴾ الآية (المجادلة58:22) ''(اے نبی!) جو لوگ اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں آپ ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ پائیں گے، خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ساتھ ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا......۔''

حافظ بیہقی نے عبداللہ بن شَوذَب کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ کا والد، بدر کے دن ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی طرف نیزہ سیدھا کر رہا تھا اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے اعراض کر رہے تھے جب جراح باز نہ آیا تو اس کے بیٹے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا، اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ...... ﴾ الآية (المجادلة 58:22). [1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان لوگوں کو وعید سنا دیں جو اپنے اہل وعیال اور اعزہ واقارب کو اللہ، اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں، پس فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا ...... ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اگر تمھارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو......۔'' یعنی جو تم نے کمایا اور حاصل کیا ہے، ﴿ وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ ﴾ ''اور تجارت جس کے مندہ پڑنے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو۔'' یعنی تم ان کی عمدگی اور خوبصورتی کی بنا پر محبت کرتے ہو، اگر یہ تمام چیزیں ﴿ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمھیں زیادہ عزیز ہیں تو انتظار کرو۔'' یعنی ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (عذاب) لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔''

محبتِ رسول ﷺ کا معیار: امام احمد نے زُہرہ بن مَعْبَد سے اور انھوں نے اپنے دادا (عبداللہ بن ہشام) سے روایت کیا ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ اس وقت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو تھامے ہوئے تھے، انھوں نے عرض کی: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! آپ مجھے میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يُؤْمِنُ

[1] السنن الکبرٰی للبیھقي، السیر، باب المسلم یتوقی فی الحرب قتل أبیه......:27/9 تفسیر ابن کثیر میں يَنْعَتُ الْاٰلِهَةَ ہے لیکن سنن بیہقی اور مستدرک حاکم میں یہ الفاظ اس طرح ہیں: يَنْصِبُ الْأَلَّ دیکھیے المستدرك للحاکم، معرفة الصحابة، ذکر مناقب أبي عبيدة بن الجراح رضی اللہ عنہ:265/3، حدیث:5152. اور ہم نے معنی بھی اسی کے مطابق کیے ہیں۔ ہاں، البتہ سنن بیہقی کے ادارۂ تالیفات اشرفیہ ملتان سے مطبوعہ نسخے میں ینصب الآلهة ہے جبکہ یہ روایت ضعیف ہے۔

لَقَدۡ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَوَاطِنَ كَثِیۡرَةٍ ۙ وَّیَوۡمَ حُنَیۡنٍ ۙ اِذۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ كَثۡرَتُكُمۡ فَلَمۡ

یقیناً اللہ نے بہت سے مواقع پر تمھاری مدد کی ہے اور حنین کے دن (بھی) جبکہ تمھاری کثرت نے تمھیں خوش فہمی میں

تُغۡنِ عَنۡكُمۡ شَیۡـًٔا وَّضَاقَتۡ عَلَیۡكُمُ الۡاَرۡضُ بِمَا رَحُبَتۡ ثُمَّ وَلَّیۡتُمۡ مُّدۡبِرِیۡنَ ﴿25﴾ ثُمَّ

ڈال دیا تھا، تو وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی، اور زمین فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیر کر پلٹے ﴿25﴾ پھر اللہ

اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِیۡنَتَهٗ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَعَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ

نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور اس نے ایسے لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور جن

الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿26﴾ ثُمَّ یَتُوۡبُ اللّٰهُ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَلٰی مَنۡ

لوگوں نے کفر کیا انھیں عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے ﴿26﴾ پھر اس کے بعد اللہ جس پر چاہے گا مہربانی فرمائے گا

یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿27﴾

اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿27﴾

أَحَدُكُم حَتّٰی أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيهِ مِنْ نَّفْسِهِ] ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ سمجھے۔'' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! اب آپ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلْآنَ يَا عُمَرُ!] ''اے عمر! اب (مومن ہو۔)''[1] اسے شیخین میں سے صرف امام بخاری رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔[2]

ترکِ جہاد کے نقصانات: امام احمد اور ابوداود نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ اور یہ الفاظ ابوداود کی روایت کے مطابق ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ، سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَّا يَنْزِعُهُ حَتّٰی تَرْجِعُوا إِلٰی دِينِكُمْ] ''جب تم بیع عینہ[3] کرنے لگو اور گائیوں کی دموں کو پکڑ لو اور کھیتی ہی پر رضا مند ہو جاؤ اور جہاد کو چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور اسے اس وقت تک دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین کی طرف نہ پلٹ آؤ گے۔''[4]

تفسیر آیات: 25-27

[1] مسند أحمد: 336/4. [2] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ؟ حديث: 6632.
[3] القاموس المحيط، مادة: العين میں ہے کہ بیع عینہ یہ ہے کہ ایک شخص کسی مدت مقررہ کے ادھار پر اپنا سودا کسی کو ایک متعین قیمت میں بیچے، پھر وہ اسی سے اس سے کم قیمت میں خود ہی (نقد) خرید لے۔ رافعی نے بیع عینہ کی صورت یہ بیان کی ہے کہ کسی کو اپنا سودا ایک مقرر قیمت میں ادھار بیچے اور وہ سودا خریدار کے سپرد بھی کر دے اور اس سے قیمت وصول کرنے سے قبل خود ہی کم قیمت نقد ادا کر کے اسے خرید لے۔ امام مالک، ابوحنیفہ اور امام احمد بیع عینہ کے عدم جواز کے قائل ہیں جبکہ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے اسے جائز قرار دیا ہے، تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں: نيل الأوطار، البيوع، باب ماجاء في بيع العينة: 234,233/5 (مترجم). [4] مسند أحمد: 42/2 وسنن أبي داود، البيوع، باب في النهي عن العينة، حديث: 3462.

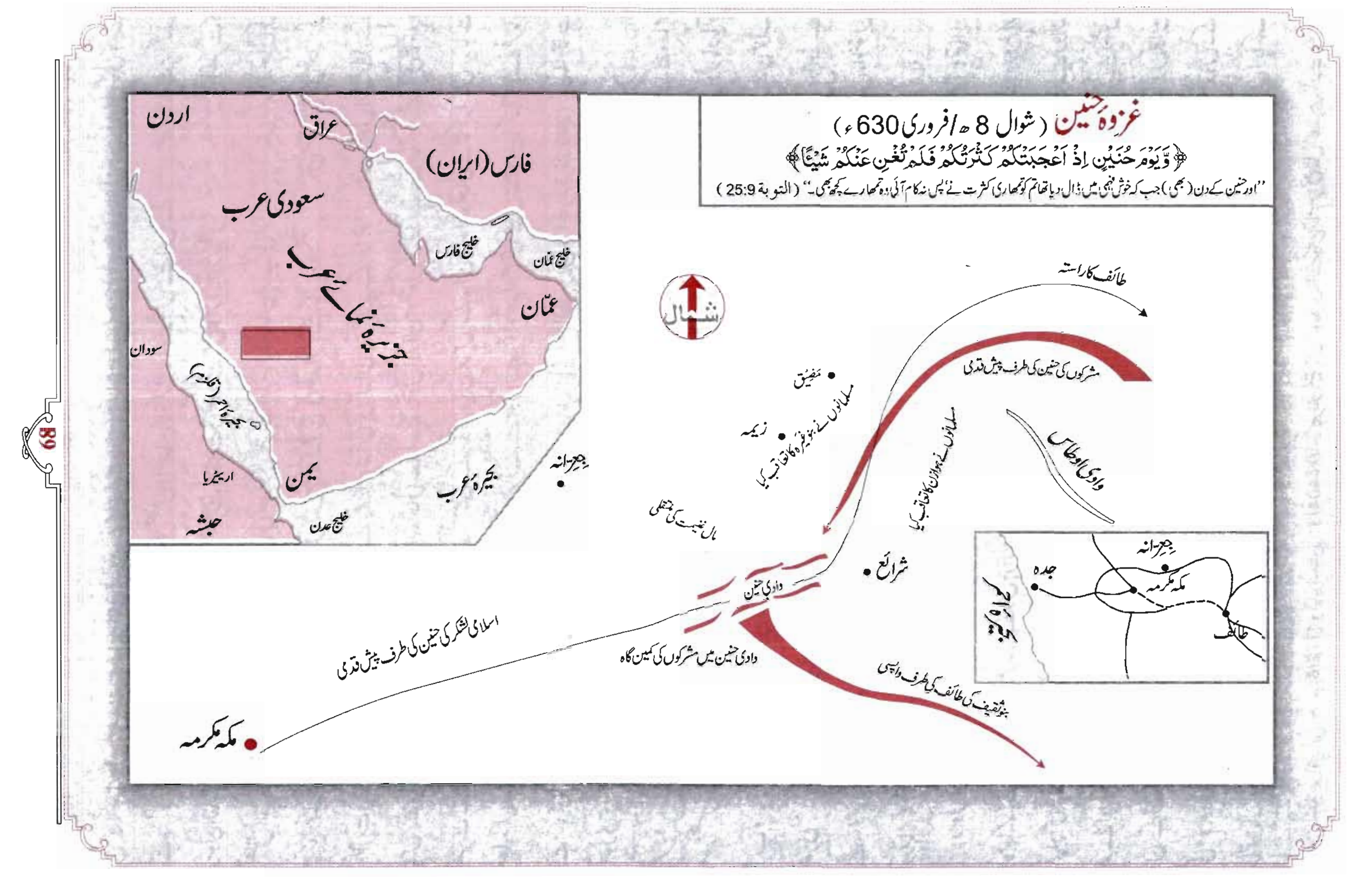
فتح کا انحصار غیبی نصرت پر ہے: ابن جریج نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ سورۂ براءت کی نازل ہونے والی پہلی آیت ہے۔[1] اس میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر اپنے اس فضل واحسان کا ذکر فرمایا ہے جس سے اس نے ... سے مقامات پر انھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے اپنی نصرت وحمایت کی صورت میں نوازا۔ اور یہ بھی ... فتح ونصرت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی تائید وحمایت سے ہے، فوجوں کی تعداد کی کثرت اور ساز وسامان حرب کی فرا... یں اگر اللہ تعالیٰ کی تائید وحمایت شامل حال ہو تو پھر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ فوج کی تعداد کم ہے یا زیادہ۔ حنـ... دن مسلمان اپنی تعداد کی کثرت پر نازاں تھے مگر تعداد کی یہ کثرت ان کے کچھ کام نہ آئی حتی کہ ان چند صحابہ کے سوا جو اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے، باقی سب پیٹھ پھیر کر پھر گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور ان مومنوں کو جو آپ کے ساتھ تھے، اپنی تائید و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔ جیسا کہ ہم عنقریب تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ تاکہ انھیں یہ بات معلوم کرا دے کہ فتح ونصرت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے، خواہ تعداد کم ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾ (البقرة 2:249) ”بسا اوقات تھوڑی سی جماعت اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر غالب آئی۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“

غزوۂ حنین: واقعۂ حنین فتح مکہ کے بعد شوال 8 ہجری میں پیش آیا تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ سے فارغ ہو گئے، تمام امور بحسن وخوبی پایۂ تکمیل کو پہنچ گئے، مکہ کے اکثر باشندے مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ نے انھیں آزاد فرما دیا تو آپ کو یہ خبر پہنچی کہ خاندان ہوازن کے لوگ آپ سے جنگ کرنے کے لیے جمع ہو رہے ہیں، ان کا امیر مالک بن عوف نصری[2] ہے، اس کے ساتھ سارا خاندان ثقیف، بنو جُشم اور بنو سعد بن بکر بھی ہیں، نیز بنو ہلال کے مختلف لوگ اور وہ تھوڑے تھے، بنو عمرو بن عامر اور عوف بن عامر کے کچھ لوگ بھی اس کے ساتھ ہیں اور یہ لوگ اپنی عورتوں، بچوں، بھیڑ بکریوں، اونٹوں اور تمام چھوٹوں بڑوں کو ساتھ لے کر نکلے تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان کے مقابلے کے لیے اپنے اسی لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے جو آپ کے ساتھ فتح مکہ کے لیے آیا تھا اور وہ مہاجرین وانصار اور قبائل عرب کے دس ہزار لوگوں پر مشتمل تھا، نیز اس میں اہل مکہ میں سے مسلمان ہونے والے وہ دو ہزار افراد بھی تھے جنھیں طُلَقاء کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا، آپ اپنے اس لشکر کے ہمراہ ان لوگوں کے مقابلے کے لیے روانہ ہوئے اور دونوں لشکروں کا مقابلہ مکہ وطائف کے درمیان ایک وادی میں ہوا جس کا نام حنین تھا۔ واقعہ صبح کے اندھیرے، یعنی دن کے ابتدائی حصے میں پیش آیا تھا، مسلمان جب اس وادی میں اترے تو اس میں بنو ہوازن چھپے ہوئے تھے، مسلمانوں کو ان کی موجودگی کا اس وقت علم ہوا جب انھوں نے اچانک حملہ کرتے ہوئے تیروں کی بوچھاڑ کر دی اور بے نیام تلواروں کے ساتھ ہلہ بول دیا اور اپنے بادشاہ کے حکم کے مطابق سب نے مل کر یک بارگی حملہ کیا گویا ایک ہی شخص کا حملہ ہو۔ اس اچانک

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 1772/6 والدر المنثور: 404/3. [2] تفسیر ابن کثیر میں ”نضری“ ہے لیکن تمام مراجع میں ”نصری“ ہے۔



غزوۂ حنین (شوال 8ھ/فروری 630ء)
﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنكُمْ شَيْئًا﴾
''اور حنین کے دن (بھی) جب کہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو تمھاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمھارے کچھ بھی۔'' (التوبة 25:9)
اردن
عراق
فارس (ایران)
سعودی عرب
خلیج فارس
خلیج عمان
عمان
جزیرہ نمائے عرب
سودان
یمن
اریٹریا
حبشہ
خلیج عدن
بحیرۂ عرب
جعرانہ
شمال
طائف کا راستہ
مشرکوں کی حنین کی طرف پیش قدمی
مضیق
زیمہ
مسلمانوں نے بنو نضرہ کا تعاقب کیا
مسلمانوں نے ہوازن کا تعاقب کیا
وادی اوطاس
مال غنیمت کی منتقلی
شرائع
وادی حنین
اسلامی لشکر کی حنین کی طرف پیش قدمی
وادی حنین میں مشرکوں کی کمین گاہ
بنوثقیف کی طائف کی طرف واپسی
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف

پیش آنے والی صورت حال سے گھبرا کر مسلمان پیٹھ پھیر کر پیچھے کی طرف مڑ گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

مگر رسول اللہ ﷺ پیکر شجاعت و بسالت بن کر میدان میں ڈٹے رہے، آپ اس وقت اپنے خچر شہباء پر جلوہ افروز تھے اور دشمن پر حملہ آور ہونے کے لیے اسے آگے بڑھا رہے تھے، آپ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ اس کی دائیں رکاب اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب اس کی بائیں رکاب کو تھامے ہوئے تھے اور اس پر بوجھ ڈال رہے تھے تاکہ آپ کی سواری زیادہ تیز نہ چلے مگر نبیٔ اکرم ﷺ اپنے نام کے ساتھ بلند آواز سے اعلان کر کے مسلمانوں کو لوٹ آنے کی دعوت دیتے ہوئے فرما رہے تھے: [إِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ، [1] إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ] ''اے بندگانِ الٰہی! میرے پاس آؤ، میرے پاس آؤ میں رسول اللہ تم سے مخاطب ہوں۔'' اس حال میں آپ یہ بھی فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں (اور) میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔''

اس سنگین صورتحال میں اسی (80) یا سو (100) کے قریب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ہمراہ ثابت قدم رہے، ان میں سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عباس، حضرت علی، فضل بن عباس، ابوسفیان بن حارث، ایمن بن ام ایمن اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہم وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں، پھر آپ نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو جن کی آواز بہت بلند تھی، حکم دیا کہ وہ یہ اعلان کریں کہ اے اصحابِ شجرہ! یعنی مہاجرین وانصار میں سے وہ مسلمان جنھوں نے درخت کے نیچے اس بات پر بیعتِ رضوان کی تھی کہ وہ آپ کو چھوڑ کر میدان سے نہ بھاگیں گے۔ اے ببول (کیکر) کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! اور کبھی وہ اس طرح اعلان کرتے: اے اصحابِ سورۂ بقرہ! شمع رسالت کے جاں نثار پروانوں نے یہ اعلان سنا تو وہ سب يَا لَبَّيْكَ، يَا لَبَّيْكَ کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر جمع ہو گئے۔

اور چشم فلک نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ تیروں کی بوچھاڑ کے باعث اگر کسی صحابی کا اونٹ واپس آنے پر تیار نہ ہوتا تو وہ اونٹ سے نیچے اتر آتا اور اپنی زرہ پہن کر پیدل ہی رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑتا۔ اس طرح حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک چھوٹی سی جماعت جب آپ کے پاس جمع ہو گئی تو آپ نے انھیں حکم دیا کہ ایک زبردست اور تابڑ توڑ حملہ کر دو، آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا کی: [اَللّٰهُمَّ أَنْجِزْلِي مَا وَعَدْتَنِي] ''اے اللہ! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا، اسے پورا فرما دے۔'' پھر آپ نے مٹی کی یہ مٹھی دشمن کی طرف پھینک دی جس سے دشمن کے ہر ہر فرد کی آنکھ اور اس کے منہ میں خاک پڑ گئی جس کی وجہ سے وہ جنگ کرنے کے قابل نہ رہے اور وہ شکست کھا کر بھاگ گئے، مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے ان میں سے بہت سے لوگوں کو قتل کر دیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا اور ان قیدیوں کو رسول اللہ ﷺ

[1] غزوۂ حنین کے ضمن میں یہ الفاظ ہمیں نہیں ملے، البتہ اس کے قریب تر الفاظ الكامل في التاريخ لابن الأثير: 136/2 میں یوں ہیں: [أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلَيَّ أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، أَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ] ''اے لوگو! میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں، میں عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں۔''

کی خدمت میں پیش کر دیا۔ [1]

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ان سے ایک شخص نے کہا: (اے ابو عُمارہ!) کیا تم حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو میدان کارزار میں ثابت قدم رہے تھے۔ بات یہ ہے کہ ہوازن کے لوگ تیر اندازی کے ماہر تھے جب ہم ان سے نبرد آزما ہوئے، ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا گئے اور لوگوں نے غنیمتوں کو جمع کرنا شروع کر دیا تو ہوازن نے ہم پر تیر برسانے شروع کر دیے جس کی وجہ سے مسلمان بھاگ اٹھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تیروں کی بوچھاڑ میں بھی پیکر شجاعت و بسالت بنے میدانِ کارزار میں ڈٹے رہے۔ ابوسفیان بن حارث نے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر کی لگام کو پکڑا ہوا تھا اور آپ فرما رہے تھے:

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

''میں اللہ کا (سچا) نبی ہوں، اس میں کچھ جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔'' [2]

یہ واقعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ شجاعت اور بے پناہ بہادری کی دلیل ہے کہ اس حالت میں جب دشمن نے زبردست حملہ کر رکھا تھا، لشکر اسلام تتر بتر ہو گیا تھا، آپ خچر پر سوار تھے جو تیز رفتار نہ تھا کہ بھاگنے دوڑنے میں زیادہ کام آئے اور نہ اس پر سواری کی حالت میں کوئی حملہ ہی کیا جا سکتا تھا مگر اس نازک صورتحال اور تیروں کی بوچھاڑ میں بھی آپ خچر کو ایڑ لگائے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے اور آپ اپنے اسم گرامی کے ساتھ بلند آواز سے اعلان فرما رہے تھے تاکہ وہ شخص بھی آپ کو پہچان لے جو (پہلے سے) نہیں جانتا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ دَائِمًا إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ.

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر مکمل اعتماد اور توکل کا نتیجہ تھا، آپ کا دل اس یقین سے سرشار تھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو فتح و نصرت سے ضرور سرفراز فرمائے گا اور اس مشن کو پورا کرے گا جس کے لیے اس نے آپ کو مبعوث فرمایا تھا، یعنی وہ آپ کے دین کو دنیا کے دیگر تمام ادیان پر غلبہ و سربلندی عطا فرمائے گا، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ﴾ ''پھر اللہ نے اپنے رسول پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔'' یعنی اطمینان اور ثابت قدمی ﴿ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور مومنوں پر بھی۔'' یعنی جو اس وقت آپ کے پاس تھے ﴿ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ ''اور (تمھاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر اتارے جنھیں تم نے نہیں دیکھا تھا۔''

امام ابوجعفر بن جریر نے اپنی سند کے ساتھ ایک ایسے شخص کی روایت بیان کی ہے جو حنین کے دن مشرکین کے ساتھ تھا کہ جب ہمارا اور مسلمانوں کا مقابلہ ہوا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے بھی ہمارے سامنے نہ ٹھہر سکے جب ہم نے انھیں شکست دی تو ہم نے

---

[1] غزوۂ حنین کی تفصیل کے لیے دیکھیے السیرۃ النبویۃ لابن ھشام، غزوۃ حنین فی سنۃ ثمان بعد الفتح:4/80-88 و تفسیر الطبری:10/129-132 و تفسیر ابن أبي حاتم:6/1773,1774۔ [2] صحیح البخاری، الجھاد والسیر، باب من قاد دابۃ غیرہ فی الحرب، حدیث:2864 لیکن [یَاأَبَاعُمَارَۃَ] کے الفاظ حدیث:4315 میں ہیں۔ وصحیح مسلم، الجھاد......، باب غزوۃ حنین، حدیث:(80)-1776۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ

اے ایمان والو! بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی پلید، لہٰذا وہ اپنے اس برس کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آنے پائیں۔ اور اگر تمھیں تنگ

هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ

دستی کا خوف ہے، تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، خوب حکمت

حَكِيْمٌ ﴿28﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

والا ہے ﴿28﴾ ان لوگوں سے لڑو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اس چیز کو حرام نہیں ٹھہراتے جسے اللہ نے اور

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا

اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے، اور دین حق کو قبول نہیں کرتے، وہ جو اہل کتاب میں سے ہیں، (ان سے لڑو) یہاں تک کہ

الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿29﴾ ع

وہ ذلیل ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں ﴿29﴾

ع 4 5 10

انھیں پیچھے کی طرف دھکیلنا شروع کر دیا حتی کہ ہم ایک شخص کے پاس پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے، وہ رسول اللہ ﷺ تھے، اس وقت آپ کے ساتھ گورے چٹے اور بہت حسین وجمیل لوگ تھے، انھوں نے ہم سے کہا کہ تمھارے چہرے خاک آلود ہو جائیں، واپس بھاگ جاؤ! ہم واپس بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمان ہمارے کندھوں پر سوار ہو گئے جس کی وجہ سے ہمیں شکست ہوگئی۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿27﴾ ﴾ ''پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے مہربانی فرمائے اور اللہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہوازن کے باقی ماندہ لوگوں پر مہربانی فرمائی اور وہ مسلمان ہوکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہو گئے جب آپ مکہ کے قریب جِعْرَانہ کے مقام پر تھے اور یہ واقعہ غزوۂ حنین کے بیس دن بعد کا ہے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ نے انھیں قیدیوں اور مالوں میں سے ایک چیز کے انتخاب کا اختیار دے دیا تو انھوں نے اپنے قیدیوں کو واپس لینا پسند کیا جن کی تعداد چھ ہزار بچوں اور عورتوں پر مشتمل تھی، آپ نے یہ قیدی واپس کر دیے اور اموال غنیمت مسلمانوں میں تقسیم فرما دیے اور تالیف قلب کے لیے طُلَقاء کو زیادہ مال دیا اور ان میں سے ایک ایک کو سو سو اونٹ عطا فرما دیے، مثلاً: مالک بن عوف نصری کو آپ نے سو اونٹ عطا فرمائے تھے اور انھیں حسب سابق اپنی قوم کا سربراہ بھی بنا دیا۔ اس سے متاثر ہوکر اس نے آپ کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں۔

مَا إِنْ رَّأَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهِ فِي النَّاسِ كُلِّهِمْ بِمِثْلِ مُحَمَّدٖ

''میں نے کائنات کے تمام لوگوں میں محمد ﷺ جیسا نہ کوئی دیکھا ہے اور نہ سنا۔''

---

[1] تفسير الطبري:134,133/10 و الدر المنثور:407/3 .

أَوْفَى وَأَعْطَى لِلْجَزِيلِ إِذَا اجْتُدِيَ   وَمَتَى تَشَأْ يُخْبِرْكَ عَمَّا فِي غَدٍ

''وہ انتہائی وفادار ہیں۔اور جب ان سے کوئی سوال کیا جائے تو فراخ دلی سے عطا کرتے ہیں اور جب تو چاہے تو وہ (وحی کی روشنی میں) تجھے آئندہ کی خبریں دیتے ہیں۔''

وَإِذَا الْكَتِيبَةُ عَرَّدَتْ أَنْيَابُهَا   بِالسَّمْهَرِيِّ وَضَرْبِ كُلِّ مُهَنَّدٍ

''اور جب دشمن کے لشکر کی کچلیاں مضبوط نیزوں اور تیز تلواروں کی ضرب کی صورت میں نکل آتی ہیں۔''

فَكَأَنَّهُ لَيْثٌ عَلَى أَشْبَالِهِ   وَسْطَ الْهَبَائَةِ خَادِرٌ فِي مَرْصَدٍ

''تو آپ اس شیر کی طرح ہوتے ہیں جو سنگ ریزوں کے درمیان کچھار میں اپنے بچوں کے لیے گھات لگائے ہوئے ہوتا ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 29,28

مشرکین کے لیے مسجد حرام میں داخلے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن اور دین وذات کے اعتبار سے پاک بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان مشرکوں کو جو دین کے اعتبار سے ناپاک ہیں، مسجد حرام سے دور ہٹا دیں اور اس آیت کریمہ کے نزول کے بعد انھیں مسجد حرام کے قریب نہ آنے دیں۔ یہ آیت 9 ہجری میں نازل ہوئی تھی، اسی وجہ سے اس سال رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ کے لیے بھیجا اور انھیں حکم دیا تھا کہ وہ یہ اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ ہی کوئی عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پورا فرما دیا اور شرعاً اور قدرًا اس کا حکم دے دیا۔ عبدالرزاق نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بارے میں روایت کیا ہے: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَٰذَا ﴾ ''مشرکین تو ناپاک ہیں، لہٰذا اس برس کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ جانے پائیں۔'' مگر کوئی کسی کا غلام یا ذمی ہو تو اسے اجازت ہے۔[2]

امام ابوعمرو اَوزاعی نے کہا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے تحریری طور پر یہ فرمان جاری کر دیا تھا کہ یہود ونصاریٰ کو مسلمانوں کی مسجدوں میں داخل ہونے سے منع کر دو اور انھوں نے اپنے اس فرمان کے آخر میں اس آیت کریمہ کو بھی لکھا: ﴿ إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ ﴾ ''بلاشبہ مشرک تو ہیں ہی ناپاک۔''[3] عطاء فرماتے ہیں کہ سارا حرم ہی مسجد ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ﴾ ''لہٰذا وہ بیت اللہ کے پاس نہ جائیں۔''[4] یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ مشرک نجس اور مومن پاک ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں بھی ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) [اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ] ''مومن ناپاک نہیں ہوتا۔''[5]

---

① السيرة النبوية لابن هشام، أمر أموال هوازن وسبايا......:134/4. ② تفسير عبدالرزاق:142/2، رقم:1069. ③ تفسير الطبري:136/10. ④ تفسير الطبري:136/10. ⑤ صحيح البخاري، الغسل، باب عرق الجنب وأن المسلم لا ينجس، حديث:283 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ ﴾ ’’اور اگر تمھیں مفلسی کا خوف ہو تو اگر اللہ چاہے گا تو تمھیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔‘‘ محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ اس لیے فرمایا ہے کہ لوگ کہتے تھے کہ اس طرح تو ہم بازاروں اور مارکیٹوں سے کٹ جائیں گے، ہماری تجارت تباہ ہو جائے گی اور جو سہولتیں ہمیں حاصل ہیں، ہم ان سے محروم ہو جائیں گے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے: ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ﴾ تا ﴿ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ نازل فرما دیا، یعنی اگر تمھیں کساد بازاری کا خدشہ ہے، اہل شرک سے تعلقات منقطع ہونے کی صورت میں تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ تمھیں اہل کتاب کی گردنیں جھکا کر تمھیں جزیہ دلا دے گا۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، قتادہ اور ضحاک رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ ﴾ ’’بے شک اللہ خوب جانتا ہے۔‘‘ یعنی تمھارے لیے بہتر کیا ہے؟ ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ ’’(اور) بڑی حکمت والا ہے۔‘‘ یعنی وہ جس بات کا بھی حکم دے اور جس سے منع فرمائے، وہ مبنی بر حکمت و مصلحت ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے افعال واقوال میں کامل اور اپنے خلق وامر میں عادل ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مشرکوں پر اس پابندی کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان کا اندیشہ تھا، اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے اہل ذمہ سے جزیہ دلا دیا۔

اہل کتاب سے جہاد جزیہ نہ دینے کی صورت میں: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴾ ’’جو لوگ (اہل کتاب میں سے) اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور نہ روز آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں اور نہ دین حق کو قبول کرتے ہیں، وہ جو اہل کتاب میں سے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں۔‘‘ کیونکہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے حقیقت میں ان کا کسی بھی پیغمبر اور ان کی شریعت پر ایمان نہیں رہا۔ یہ لوگ صرف اپنی آراء وخواہشات اور اپنے آباء واجداد کی اتباع کر رہے ہیں جن باتوں کو یہ اختیار کیے ہوئے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا دین اور اس کی شریعت ہرگز نہیں ہے کیونکہ اگر اپنے دین وشریعت پر ان کا صحیح ایمان ہوتا تو یہ حضرت محمد ﷺ پر بھی یقیناً ایمان لے آتے کیونکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو آپ کی تشریف آوری کی بشارت اور آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا مگر آپ جب تشریف لے آئے تو انھوں نے ایمان لانے کے بجائے کفر کو اختیار کیا، حالانکہ آپ تمام رسولوں سے اشرف وافضل ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا ایمان سابقہ انبیائے کرام کی شریعتوں کے مطابق بھی نہیں ہے بلکہ انھوں نے اپنی آراء اور خواہشات ہی کو اپنا دین وایمان بنا رکھا ہے، لہٰذا سید الانبیاء، افضل الانبیاء، خاتم الانبیاء اور اکمل الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لانے کی وجہ سے دیگر انبیاء کے ساتھ ایمان لانا ان کے کچھ کام نہ آئے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قَاتِلُوا

[1] تفسیر الطبری: 140/10. [2] تفسیر الطبری: 138,137/10 .

﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ جب مشرکین کا کام تمام کر دیا گیا اور لوگ غول در غول اللہ کے دین میں داخل ہو گئے تو اس کے بعد یہ پہلی آیت تھی جو اہل کتاب سے جہاد کے بارے میں نازل ہوئی۔

جب جزیرۃ العرب کا مسئلہ حل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اہل کتاب یہود اور نصاریٰ سے جہاد کا حکم دے دیا اور یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے خلاف جہاد کی تیاری کی اور لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی اور ان کے لیے اس راز کو ظاہر کر دیا۔ مدینہ کے اردگرد کے قبائل عرب کی طرف بھی آپ نے لڑائی کا پیغام بھیجا تو وہ بھی آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ اور اس طرح تیس ہزار جنگجوؤں کا لشکر آپ کی قیادت میں جمع ہو گیا۔ ہاں، البتہ مدینہ منورہ اور اس کے گردو پیش کے کچھ منافقوں وغیرہ نے اس میں شرکت نہ کی۔ یہ سال بھی قحط کا تھا اور موسم بھی شدید گرمی کا۔ رسول اللہ ﷺ رومیوں سے جہاد کے لیے سوئے شام روانہ ہوئے حتی کہ آپ تبوک پہنچ گئے اور تبوک کے چشمے پر آپ نے قریباً بیس دن قیام فرمایا، پھر آپ نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا اور لوگوں کی تنگی اور کمزوری کی وجہ سے اس سال واپس تشریف لے آئے جیسا کہ اس کی تفصیل ان شاء اللہ بعد میں بیان کی جائے گی۔[1]

جزیہ ذلت وکفر کی علامت ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ یعنی اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو جزیہ دیں ﴿عَنْ يَّدٍ﴾ ''اپنے ہاتھ سے'' یعنی مقہور اور مغلوب ہو کر ﴿وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ یعنی ذلیل وخوار اور رسوا ہو کر یہی وجہ ہے کہ اہلِ ذمہ کی عزت کرنا جائز نہیں اور نہ یہ جائز ہے کہ انھیں مسلمانوں پر کوئی فوقیت دی جائے بلکہ وہ تو ذلیل وحقیر اور بد بخت ہیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [لَاتَبۡدَأُوا الۡيَهُودَ وَلَا النَّصَارٰى بِالسَّلَامِ، وَإِذَا لَقِيتُمۡ أَحَدَهُمۡ فِي طَرِيقٍ فَاضۡطَرُّوهُ إِلٰى أَضۡيَقِهٖ] ''یہود ونصاریٰ کو سلام میں پہل نہ کرو اور جب رستے میں ان میں سے کسی سے ملاقات ہو تو اسے تنگ حصے کی طرف مجبور کر دو۔''[2] یہی وجہ ہے کہ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے توہین وتذلیل کی تمام معروف شرطیں ان پر عائد کر دی تھیں۔ ائمہ حفاظ نے عبدالرحمٰن بن غَنۡم اشعری کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام کے عیسائیوں سے مصالحت کی تو میں نے یہ دستاویز لکھی تھی:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: یہ امیر المؤمنین، اللہ کے بندے عمر کے لیے فلاں فلاں شہر کے نصاریٰ کی طرف سے معاہدہ ہے کہ جب تم ہمارے پاس آئے تو ہم نے تم سے اپنی جانوں، اولادوں، مالوں اور اہل ملت کے لیے امن طلب کیا اور تم سے یہ شرط طے کی کہ ہم اپنے شہر اور اس کے گردو پیش میں کوئی گرجا، کنیسہ نہ کسی راہب کی خانقاہ بنائیں گے، نہ کسی خراب گرجا وغیرہ کی مرمت ہی کریں گے اور مسلمان جہاں رہائش پذیر ہیں وہاں نئے بھی نہیں بنائیں گے

---

[1] دیکھیے التوبۃ، آیت: 117 کے تحت غزوہ تبوک کی تفصیل اور اس کا نقشہ۔ [2] صحیح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام……، حديث: 2167.

اور دن ہو یا رات ہم کسی وقت بھی اپنے کنیسوں میں داخل ہونے والے کسی مسلمان کو منع نہیں کریں گے، مسافروں اور راہ چلتے لوگوں کے لیے ان کے دروازوں کو کھلا رکھیں گے جو مسلمان ہمارے پاس آئے گا ہم تین دن تک اس کی مہمان نوازی کریں گے، ہم اپنے گرجوں اور گھروں میں کسی جاسوس کو جگہ نہیں دیں گے، مسلمانوں سے دھوکے فریب کی کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔

ہم اپنی اولاد کو قرآن نہیں سکھائیں گے، شرک کا اظہار نہیں کریں گے، نہ کسی کو اس کی دعوت دیں گے اگر ہمارے رشتے داروں میں سے کوئی اسلام کو قبول کرنا چاہے گا تو ہم اسے منع نہیں کریں گے، ہم مسلمانوں کی عزت کریں گے، جب وہ بیٹھنا چاہیں تو اپنی مجلسوں سے ان کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے، ہم ٹوپی، عمامہ، جوتوں اور بالوں کے سٹائل وغیرہ کسی چیز میں بھی مسلمانوں کی مشابہت اختیار نہیں کریں گے، ہم ان کی زبان نہیں بولیں گے، ان کی کنیتیں نہیں رکھیں گے، زین والے گھوڑے پر سوار نہیں ہوں گے، تلواریں نہیں لٹکائیں گے، کوئی بھی اسلحہ نہیں لیں گے اور نہ اسے اپنے ساتھ رکھیں گے، اپنی انگوٹھیوں پر عربی میں نقش نہیں کرائیں گے، شرابیں نہیں بیچیں گے، اپنے سروں کے اگلے بالوں کو کٹوا دیں گے، جہاں کہیں بھی ہوں گے صفائی کا خیال رکھیں گے، زُنّار (وہ پٹی جسے نصرانی کمر اور پیٹ پر باندھتے ہیں) اپنی کمروں پر ضرور لٹکائے رکھیں گے، صلیب کا نشان اپنے گرجوں پر ظاہر نہیں کریں گے اپنی صلیبوں اور کتابوں کو مسلمانوں کے راستوں اور بازاروں میں ظاہر نہیں کریں گے، اپنے گرجوں میں ناقوس بہت آہستہ آواز میں بجائیں گے، مسلمانوں کی موجودگی میں ہم اونچی آواز سے اپنی کتابوں کو نہیں پڑھیں گے۔

ہم اپنے مذہبی شعار، مثلاً: شَعَانِین اور بَاعُوث [1] راستوں میں انجام نہیں دیں گے ہم اپنے مردوں پر اونچی آواز میں بین نہیں کریں گے۔ اور نہ ان کے ساتھ مسلمانوں کے رستوں اور بازاروں میں آگ لے کر چلیں گے، قبرستان میں مسلمانوں کے پڑوس میں اپنے مردوں کو دفن نہیں کریں گے، مسلمانوں کے حصے میں آئے ہوئے غلام ہم نہیں لیں گے، ہم مسلمانوں کی خیر خواہی تو کرتے رہیں گے لیکن ان کے گھروں میں نہیں جھانکیں گے۔"

راوی کا بیان ہے کہ جب میں یہ معاہدہ لکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے اس میں یہ اضافہ بھی فرما دیا: "ہم کسی بھی مسلمان کو نہیں ماریں گے، ہم تمھاری طرف سے اپنے لیے اور اپنے اہل قبلہ وملت کے لیے ان شرائط کو قبول کر کے امان کو قبول کرتے ہیں۔ اگر ہم نے ان میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی جو ہم نے لگائی ہیں اور اپنے اوپر لاگو کی ہیں تو پھر ہم سے آپ کا ذمہ دور ہو جائے گا اور ہم اس سزا کے مستحق ہوں گے جو عہد شکنی کرنے والے معاندین اور اختلاف کو بڑھانے والے کو ملتی ہے۔" [2]

---

[1] شعانین نصاریٰ کی ایک اتوار کے دن کی عید جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیت المقدس میں داخل ہونے کی یاد منائی جاتی ہے، بَاعُوث عیسائیوں کے ہاں بارش کے لیے عبادت اور دعا وغیرہ۔ [2] المحلّٰی لابن حزم:7/346، 347 میں تقریباً اسی طرح ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ

اور یہودیوں نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا: عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے مونہوں کی بات ہے، یہ اس سے پہلے کے

بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿30﴾

کافروں کی بات کی رِیس کرتے ہیں، اللہ انھیں ہلاک کرے یہ کہاں پھرے جاتے ہیں ﴿30﴾ انھوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا

کو (اپنا) رب بنالیا اور مسیح ابن مریم کو (بھی)، حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود (اللہ) کی عبادت کریں، جس کے سوا کوئی

اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿31﴾

معبود نہیں، وہ اس شرک سے پاک ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿31﴾

تفسیر آیات: 31,30

یہود و نصاریٰ سے قتال ان کے کفر و شرک کی بنا پر ہے: اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو مشرکین، کفار، یہود اور نصاریٰ سے قتال پر ابھارا ہے کیونکہ انھوں نے بہت بری باتیں کیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر افترا پردازی کی، یہودیوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں کہا کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات بابرکات اس بات سے پاک اور بلند و بالا ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو اور عیسائیوں کی حضرت مسیح کے بارے میں گمراہی واضح ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جماعتوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ﴾ ''یہ ان کے مونہوں کی باتیں ہیں۔'' یعنی ان کے دعوے محض کذب و افتراء ہیں اور ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ ﴿يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ﴾ ''پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے۔'' یعنی جس طرح یہ لوگ گمراہ ہیں، اسی طرح پہلی امتوں کے لوگ بھی گمراہ تھے۔ ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ﴾ ''اللہ انھیں ہلاک کرے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔[1] ﴿اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿30﴾﴾ ''یہ کہاں پھرے جاتے ہیں؟'' یعنی یہ حق سے کیسے گمراہ ہیں، حالانکہ وہ ظاہر ہے اور حق کو چھوڑ کر یہ باطل کو اختیار کر رہے ہیں؟

نبیٔ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عدی بن حاتم کی گفتگو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ﴾ ''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔'' امام احمد، ترمذی اور ابن جریر نے کئی سندوں کے ساتھ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پہنچی تو وہ شام کی طرف بھاگ گئے۔ زمانۂ جاہلیت میں انھوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ان کی بہن اور قوم کے کچھ لوگوں کو گرفتار کر لیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بہن پر احسان کرتے ہوئے انھیں آزاد کر دیا اور اُسے کچھ عطا بھی کر دیا تو اس نے واپس جا کر اپنے بھائی کو اسلام قبول کرنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی دعوت دی تو عدی مدینہ میں آگئے،

[1] تفسیر الطبری: 145/10.

یہ اپنی قوم بنوطے کے سردار تھے،ان کے والد حاتم طائی جود وسخا میں بہت زیادہ مشہور تھے،ان کی مدینہ آمد پر لوگ باتیں کرنے لگے۔عدی جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کی گردن میں چاندی کی صلیب تھی۔رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے یہ آیت کریمہ پڑھی:

[﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ قَالَ: فَقُلْتُ: إِنَّهُمْ لَمْ يَعْبُدُوهُمْ. فَقَالَ: بَلٰى! إِنَّهُمْ حَرَّمُوا عَلَيْهِمُ الْحَلَالَ وَأَحَلُّوا لَهُمُ الْحَرَامَ فَاتَّبَعُوهُمْ، فَذٰلِكَ عِبَادَتُهُمْ إِيَّاهُمْ] ، [وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَاعَدِيُّ! مَاتَقُولُ؟ أَيُفِرُّكَ أَنْ يُّقَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ؟ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا أَكْبَرَ مِنَ اللّٰهِ؟ مَايُفِرُّكَ؟ أَيُفِرُّكَ أَنْ يُّقَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ فَهَلْ تَعْلَمُ مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ؟ ثُمَّ دَعَاهُ إِلَى الْإِسْلَامِ فَأَسْلَمَ وَشَهِدَ شَهَادَةَ الْحَقِّ، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ وَجْهَهُ اسْتَبْشَرَ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْيَهُودَ مَغْضُوبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارٰى ضَالُّونَ]

''انھوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا اپنا رب بنالیا۔'' عدی کہتے ہیں: میں نے عرض کی کہ یہ لوگ اپنے علماء ومشائخ کی عبادت تو نہیں کرتے تھے، آپ نے فرمایا:''ہاں، لیکن وہ جب ان کے لیے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیتے تو وہ ان کی پیروی شروع کر دیتے تھے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اے عدی! تم اس سے کیوں بھاگتے ہو کہ یہ کہا جائے کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔کیا تم جانتے ہو کہ اللہ سے بڑی کوئی چیز ہے۔پھر تم اس بات سے کیوں بھاگتے ہو کہ یہ کہا جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔'' پھر نبی مکرم ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس نے حق کی گواہی دی۔عدی کہتے ہیں: چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس سے حضور سرور کائنات ﷺ کا رخ انور جگمگا اٹھا، پھر آپ نے فرمایا:''یہود مغضوب علیہم اور نصاریٰ گمراہ ہیں۔''[1]

حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس اور دیگر کئی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح مروی ہے کہ انھوں نے حلال وحرام میں اپنے علماء ومشائخ کی باتوں کو اختیار کر لیا تھا۔[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ ﴾ ''حالانکہ انھیں یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں۔'' یعنی حرام وہ ہے جس کو اللہ نے حرام قرار دیا ہو اور حلال وہ ہے جس کو اللہ نے حلال قرار دیا ہو، اس نے جو شریعت نازل فرمائی، اس کی اتباع کی جائے گی اور اس نے جو حکم دیا اسے نافذ کیا جائے گا۔ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿31﴾ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔'' یعنی وہ ذات گرامی ہر شریک، نظیر، مددگار، اضداد اور اولاد سے پاک اور بلند وبالا ہے۔اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

[1] مسند أحمد:378/4 و جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة فاتحة الكتاب، حديث:2953 و تفسير الطبري:147/10 و دلائل النبوة للبيهقي:340/5 و السيرة النبوية لابن هشام:227/4 و تفسير ابن أبي حاتم:1784/6. البتہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان تمام ائمہ کے بیان کردہ الفاظ سے مختلف الفاظ بیان کیے ہیں۔ [2] تفسير ابن أبي حاتم:1784/6.

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ

وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھا دیں اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ اپنا نور پورا کرے، خواہ کافروں کو برا ہی

الْكٰفِرُوْنَ ﴿32﴾ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ

لگے ﴿32﴾ وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے،

كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿33﴾

خواہ مشرکین کو برا ہی لگے ﴿33﴾

النصف

تفسیر آیات: 33,32

اہل کتاب کی نور اسلام کو بجھا دینے کی کوشش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین واہل کتاب قسم کے کفار چاہتے ہیں: ﴿ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کے نور کو بجھا دیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو جس ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، یہ چاہتے ہیں کہ اسے محض لڑائی جھگڑے اور افترا پردازی کے ساتھ مٹا دیں، ان کی مثال اس طرح ہے، جیسے کوئی سورج یا چاند کی روشنی کو پھونک مار کر بجھا دینا چاہے، حالانکہ وہ ایسا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے جس دین کے ساتھ اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا وہ اسے یقیناً مکمل اور غالب کر کے چھوڑے گا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی خواہشوں اور ان کے ارادوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿32﴾ ﴾ ''اور اللہ انکار کرتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو پورا کرے اور اگرچہ کافر ناپسند ہی کریں۔''

''کافر'' کی وجہ تسمیہ: کافر اسے کہتے ہیں جو کسی چیز کو چھپا لے اور ڈھانپ لے، رات کو کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ چیزوں کو چھپا لیتی ہے اور کسان کو کافر اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ دانے کو زمین میں چھپا دیتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ﴾ ''کسانوں کو اس کا سبزہ بھلا لگتا ہے۔'' (الحدید 20:57)

اسلام تمام دینوں پر غالب آجائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ ''وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا۔'' ہدایت سے مراد وہ سچی خبریں، ایمان صحیح اور علم نافع ہے جسے لے کر رسول اللہ ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ اور دین حق سے مراد وہ صالح اور صحیح اعمال ہیں جو دنیا وآخرت میں منفعت بخش ہیں۔ ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ﴾ ''تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے۔'' جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ، (فَرَأَيْتُ) مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، (وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا تو میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھا، زمین کے جس جس حصے کو میرے لیے لپیٹا گیا، وہاں وہاں تک میری امت کی حکومت پہنچ جائے گی۔''[1]

[1] صحیح مسلم، الفتن، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، حديث: 2889 وسنن أبي داود، الفتن والملاحم، باب ذكر الفتن ودلائلها، حديث: 4252 ومسند أحمد: 278/5 جبکہ قوسین والے الفاظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ

اے ایمان والو! بے شک اکثر علماء اور درویش لوگوں کا مال ناحق ہی کھاتے ہیں اور وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

سے روکتے ہیں۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿34﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ

درد ناک عذاب کی خبر سنا دیں ﴿34﴾ جس دن اُسے دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کے ماتھوں،

جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ

ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا:) یہ وہ (مال) ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کر کے رکھا تھا،

فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿35﴾

لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے رہے تھے ﴿35﴾

امام احمد نے حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [لَيَبْلُغَنَّ هٰذَا الْأَمْرُ مَا بَلَغَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ، وَلَا يَتْرُكُ اللّٰهُ بَيْتَ مَدَرٍ وَّلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ (اللّٰهُ) هٰذَا الدِّينَ، (بِعِزِّ عَزِيزٍ أَوْ بِذُلِّ ذَلِيلٍ)، عِزًّا يُعِزُّ اللّٰهُ بِهِ الْإِسْلَامَ، وَذُلًّا يُذِلُّ اللّٰهُ بِهِ الْكُفْرَ] ''یہ دین وہاں وہاں تک پہنچ جائے گا جہاں جہاں دن اور رات ہے۔ اللہ تعالیٰ معزز کو عزت اور ذلیل کو ذلت دے کر شہر اور دیہات کے ہر ہر گھر میں اس دین کو داخل کر دے گا۔ عزت سے مراد وہ عزت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اسلام کو معزز کر دے گا اور ذلت سے مراد وہ ذلت ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفر کو ذلیل کر دے گا۔'' حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس بات کا خود اپنے اہل خانہ میں مشاہدہ کر لیا کہ ان میں سے جو مسلمان ہوا، اللہ تعالیٰ نے اسے خیر و بھلائی اور عزت و شرف سے نوازا اور جو حالت کفر پر رہا اللہ تعالیٰ نے اسے ذلت و رسوائی سے دوچار کر کے جزیہ ادا کرنے پر مجبور کر دیا۔[1]

تفسیر آیات: 35,34

علمائے سوء اور گمراہ صوفیوں سے بچنے کی تلقین: سدی کہتے ہیں کہ ﴿ الْاَحْبَارِ ﴾ ''علماء'' کا تعلق یہود سے اور ﴿ الرُّهْبَانِ ﴾ ''مشائخ'' کا تعلق نصاریٰ سے ہے۔[2] واقعی احبار سے مراد علمائے یہود ہیں جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ ﴾ (المآئدۃ 63:5) ''بھلا ان کے مشائخ اور علماء انھیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟'' اور ﴿ الرُّهْبَانِ ﴾ سے عیسائیوں کے مشائخ اور قِسّیسُونَ سے ان کے علماء مراد ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا ﴾ (المآئدۃ 82:5) ''یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور

[1] مسند أحمد: 103/4 و المستدرك للحاكم: 430/4، حديث: 8326 پہلی قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ فعل مضارع سے [یعز، یذل] مذکور ہیں۔ [2] تفسير الطبري: 151/10.

مشائخ بھی۔''

بہر حال مقصود علمائے سوء اور گمراہ مشائخ سے بچنے کی تلقین کرنا ہے جیسا کہ امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء میں سے جو خراب ہو گیا اس میں یہودیوں کی مشابہت موجود ہے، اور ہمارے مشائخ میں سے جو خراب ہوا اس میں نصاریٰ کی مشابہت موجود ہے۔ اور حدیث صحیح میں ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا): [(لَتَرْكَبُنَّ) سَنَنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ (حَذْوَ الْقُذَّةِ بِالْقُذَّةِ)] ''تم اپنے سے پہلے لوگوں کے نقش قدم پر ٹھیک اسی طرح چلو گے جس طرح تیر کا ایک پر دوسرے پر کے برابر ہوتا ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا پہلے لوگوں سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟ فرمایا: [فَمَنْ؟] ''تو اور کون؟''① ایک روایت میں ہے: کیا ان سے مراد ایرانی اور رومی (لوگوں جیسے لوگ) ہیں؟ فرمایا: [وَمَنِ النَّاسُ إِلَّا أُولٰئِكَ؟] ''اور ان کے علاوہ اور کون لوگ ہیں؟''②

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ان لوگوں کے اقوال واحوال کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لَيَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''لوگوں کے مال ناحق کھاتے اور (ان کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔'' دین کے بدلے دنیا کھاتے ہیں اور لوگوں میں اپنے جاہ ومنصب سے فائدہ اٹھا کر ان کے مالوں کو باطل طریقے سے کھاتے ہیں جیسا کہ علمائے یہود کو اہل جاہلیت پر شرف حاصل تھا اور اہل جاہلیت کی طرف سے انھیں خراج، تحائف اور ٹیکس وصول ہوتے رہتے تھے۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مبعوث فرما دیا تو پھر بھی یہ علمائے یہود اپنی ضلالت، کفر اور عناد پر برقرار رہے تاکہ ان کی سرداری اور چودھراہٹ کا یہ نظام باقی رہے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل نظام کو نور نبوت کے ساتھ بجھا دیا، ان کو عزت اور سربلندی سے محروم کر دیا اور اس کے عوض ذلت ونامرادی عطا کر دی، اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے یہ غضب الٰہی کے مستحق قرار پا گئے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور (ان کو) اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ مال حرام کھانے کے ساتھ ساتھ لوگوں کو اتباع حق سے بھی روکتے ہیں، حق وباطل کو خلط ملط کر دیتے ہیں جو جاہل ان کی پیروی کرتے ہیں یہ انھیں تأثر یہ دیتے ہیں کہ یہ خیر وبھلائی کی دعوت دیتے ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ یہ تو لوگوں کو جہنم کی دعوت دیتے

① صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب قول النبي ﷺ: [لتتبعن سنن......]، حديث: 7320 وصحيح مسلم، العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصارى، حديث: 2669 مذکورہ حوالوں میں پہلی قوسین والے الفاظ کے بجائے [لَتَتْبَعُنَّ] عن أبي سعيد رضی اللہ عنہ ہے۔ ہاں، البتہ مسند أحمد: 340/5 عن سهل بن سعد رضی اللہ عنہ میں [لتركبن] ہی ہے اور دوسری قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 125/4 عن شدّاد بن أوس رضی اللہ عنہ میں ہیں جبکہ ان الفاظ کی سند شواہد کے ساتھ حسن ہے۔ دیکھیے السلسلة الضعيفة: 913/7، حديث: 3312 . ② صحيح البخاري، الاعتصام......، باب قول النبي ﷺ: [لتتبعن سنن......]، حديث: 7319 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ لیکن ان الفاظ کا سیاق قدرے مختلف ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ نے اسے قرب قیامت کی علامت بتایا ہے۔

ہیں اور قیامت کے دن ان کی قطعاً کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔

کون سا ''کنز'' (خزانہ) عذاب کا باعث ہے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ''اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے، تو آپ انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔'' یہ لوگوں کے رہنماؤں کی تیسری قسم ہے، بے شک لوگ علماء، مشائخ اور اصحاب ثروت کے محتاج ہیں۔ اور اگر انھی تین طبقوں کے لوگ خراب ہو جائیں تو پھر سارے لوگ ہی خراب ہو جاتے ہیں جیسا کہ ابن مبارک نے فرمایا ہے:

وَهَلْ أَفْسَدَ الدِّينَ إِلَّا الْمُلُوكُ وَأَحْبَارُ سُوءٍ وَّرُهْبَانُهَا

''دین کو بادشاہوں، علمائے سوء اور مشائخ ہی نے تو خراب کیا ہے۔''

اَلْكَنْزُ کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ نے عبداللہ بن دینار سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ مال ہے جس کی زکاۃ ادا نہ کی جائے۔[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے زہری کی خالد بن اسلم سے حدیث کو بیان کیا ہے کہ ہم حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ نکلے تو انھوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ اس کا تعلق زکاۃ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کے دور سے ہے جب زکاۃ کا حکم نازل ہوا تو اسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے مال پاک کرنے کا ذریعہ بنا دیا۔[2] اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیز اور عراک بن مالک نے بھی فرمایا ہے کہ اس آیت کو ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ...... ﴾ الآیۃ (التوبۃ 103:9) آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔[3]

سونا اور چاندی کم سے کم رکھنے کی مدح اور زیادہ رکھنے کی مذمت میں بہت سی احادیث آئی ہیں، ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ آیت کریمہ ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ...... ﴾ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: [تَبًّا لِّلذَّهَبِ، تَبًّا لِّلْفِضَّةِ] ''سونے کے لیے بربادی ہے، چاندی کے لیے بربادی ہے۔'' آپ نے یہ تین مرتبہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرام پر یہ بات بہت گراں گزری، انھوں نے عرض کی: پھر ہم کون سا مال اختیار کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: میں تمھیں یہ بات معلوم کر کے بتاتا ہوں، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! صحابہ پر یہ بات گراں گزری ہے وہ پوچھتے ہیں کہ ہم کون سا مال اختیار کریں، آپ نے فرمایا: [لِسَانًا ذَاكِرًا وَّقَلْبًا شَاكِرًا وَّزَوْجَةً تُعِينُ أَحَدَكُمْ عَلٰى دِينِهٖ] ''ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور دین کے لیے تعاون کرنے والی تمھاری بیوی۔''[4]

---

[1] الموطأ للإمام مالك، الزكاة، باب ما جاء في الكنز: 108/1، حديث: 606. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ ...... ﴾ (التوبة 35:9)، حديث: 4661. [3] تفسير ابن أبي حاتم: 1789/6. [4] تفسير عبدالرزاق: 145/2 رقم: 1076 یہ روایت منقطع ہے، اس لیے مصباح المنیر (اردو) میں اس کے بعد والی صحیح روایت مفصل ابن کثیر سے لی گئی ہے۔

امام احمد نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب سونے اور چاندی کے بارے میں اللہ کا حکم نازل ہوا تو صحابۂ کرام نے کہا: ہم کس مال کو ذخیرہ کریں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں یہ بات معلوم کر کے تمھیں بتاتا ہوں، انھوں نے اپنی سواری کو دوڑایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پالیا اور میں ان کے پیچھے تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! ہم کس مال کو ذخیرہ کریں؟ فرمایا: [لِيَتَّخِذْ أَحَدُكُمْ قَلْبًا شَاكِرًا، وَّلِسَانًا ذَاكِرًا، وَّزَوْجَةً تُعِينُهُ عَلٰى أَمْرِالْآخِرَةِ] ''چاہیے کہ رکھے تم میں سے کوئی ایک شکر کرنے والا دل، ذکر کرنے والی زبان، آخرت کی تیاری میں مدد کرنے والی بیوی۔''[1] ارشاد الٰہی ہے:

﴿يَّوۡمَ يُحۡمٰى عَلَيۡهَا فِىۡ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوٰى بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوۡبُهُمۡ وَظُهُوۡرُهُمۡ‌ؕ هٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِاَنۡفُسِكُمۡ فَذُوۡقُوۡا مَا كُنۡتُمۡ تَكۡنِزُوۡنَ ۝۳۵﴾ ''جس دن اس (مال) پر دوزخ میں آگ دہکائی جائے گی، پھر اس سے ان (بخیلوں) کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا کہ) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لہٰذا (اب اس کا مزہ) چکھو جو تم جمع کرتے تھے۔'' یعنی یہ انھیں رُلانے، ڈانٹ پلانے اور مذاق کے طور پر کہا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ صُبُّوۡا فَوۡقَ رَاۡسِهٖ مِنۡ عَذَابِ الۡحَمِيۡمِ ؕ ذُقۡ ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡكَرِيۡمُ ۝﴾ (الدخان 44:48، 49)

''پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو (مزہ) چکھ! بے شک تو (تھا اپنے خیال میں) بڑا زبردست بڑا اکرم۔''

یعنی یہ ہے تمھارا وہ مال جسے تم جمع کر کے رکھتے تھے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جو کسی چیز سے اس قدر محبت کرے کہ اسے اللہ کی اطاعت پر ترجیح دے تو اسے اس کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ ان لوگوں نے ان مالوں کے جمع کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول پر ترجیح دی تھی، لہٰذا انھیں انھی مالوں کے ساتھ عذاب دیا جائے گا جیسا کہ ابولہب۔ لَعَنَهُ اللّٰهُ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرنے میں حد سے بڑھا ہوا تھا اور اس کی بیوی بھی اس سلسلے میں اس کی مدد کرتی تھی تو وہ روز قیامت اس کے عذاب میں بھی اس کی مددگار ہوگی اور اس کی گردن میں مونج کی رسی ہوگی، یعنی جہنم کے ایندھن کو وہ اکٹھا کرے گی اور اسے ابولہب کے اوپر پھینک دے گی تاکہ اس کے عذاب میں مزید اضافہ ہو، حالانکہ دنیا میں وہ اس کے لیے سب سے زیادہ شفیق تھی۔ اسی طرح جیسے یہ مال دنیا میں ان کے مالکان کے لیے بے حد عزیز ہیں، ایسے ہی آخرت میں یہ ان کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہوں گے، انھیں آتش دوزخ میں گرمایا جائے گا اور یہ آپ جانتے ہیں کہ اس کی حرارت کس قدر شدید ہوگی، پھر ان کے ساتھ ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

زکاۃ ادا نہ کرنے والے کا انجام: امام ابوجعفر ابن جریر نے حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: [مَنْ تَرَكَ بَعْدَهُ كَنْزًا، مُثِّلَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ زَبِيبَتَانِ، يَتْبَعُهُ يَقُولُ: وَيْلَكَ مَا أَنْتَ؟ فَيَقُولُ: أَنَا كَنْزُكَ الَّذِي تَرَكْتَهُ بَعْدَكَ، فَلَا يَزَالُ يَتْبَعُهُ حَتّٰى يُلْقِمَهُ يَدَهُ فَيَقْضِمَهَا، ثُمَّ يَتْبَعُهُ سَائِرُ

[1] مسند أحمد: 282/5.

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوۡرِ عِنۡدَ اللّٰهِ اثۡنَا عَشَرَ شَهۡرًا فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوۡمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

بے شک اللہ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ مہینے ہی ہے اللہ کی کتاب میں، جس دن (سے) اس نے آسمانوں اور زمین

وَالۡاَرۡضَ مِنۡهَاۤ اَرۡبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظۡلِمُوۡا فِيۡهِنَّ اَنۡفُسَكُمۡ

کو پیدا کیا، ان میں سے چار (مہینے) حرمت والے ہیں، یہی سیدھا دین ہے، چنانچہ تم ان (مہینوں) میں اپنے آپ پر ظلم

وَقَاتِلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوۡنَكُمۡ كَآفَّةً ؕ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿36﴾

نہ کرو۔ اور تمام مشرکین سے لڑو جیسے وہ سارے تم سے لڑتے ہیں۔ اور جان لو کہ بے شک اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ﴿36﴾

جَسَدِهٖ] ''جس نے اپنے بعد کوئی خزانہ چھوڑا تو اسے روز قیامت ایک گنجے سانپ کی شکل دے دی جائے گی جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے، وہ اس کے پیچھے بھاگے گا اور یہ کہے گا کہ تجھ پر افسوس! تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا: میں تیرا وہ خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا، وہ اس کا پیچھا کرتا رہے گا حتی کہ اس کے ہاتھ کو لقمہ بنا کر چبا جائے گا، پھر اس کا سارا جسم بھی اس کے پیچھے اس کے منہ میں چلا جائے گا۔''[1] امام ابن حبان نے اسے اپنی ''صحیح'' میں بروایت یزید از سعید بیان کیا ہے[2] اور اس حدیث کا اصل صحیحین میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود ہے۔[3]

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنۡ رَّجُلٍ لَّا يُؤَدِّي زَكَاةَ مَالِهٖ إِلَّا جُعِلَ (لَهُ) يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ صَفَائِحُ مِنۡ نَّارٍ]، [فَيُكۡوٰى بِهَا جَنۡبُهُ وَ(جَبۡهَتُهُ) وَظَهۡرُهُ...... فِي يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهُ خَمۡسِينَ أَلۡفَ سَنَةٍ، حَتّٰى يُقۡضٰى بَيۡنَ الۡعِبَادِ، ثُمَّ يُرٰى سَبِيلُهُ، إِمَّا إِلَى الۡجَنَّةِ، وَإِمَّا إِلَى النَّارِ] ''جو شخص اپنے مال کی زکاۃ ادا نہیں کرتا تو قیامت کے دن اس کے مال کو آگ کی تختیاں بنا کر ان سے اس کے پہلو، پیشانی اور پیٹھ کو...... اس دن داغا جائے گا جو پچاس ہزار سال کا دن ہو گا حتی کہ بندوں کا حساب مکمل ہو جائے، پھر اسے اس کا رستہ دکھایا جائے گا، جنت کی طرف یا جہنم کی طرف۔''[4] پھر امام مسلم نے باقی ساری حدیث بھی بیان کی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں زید بن وہب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں رَبَذہ میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو میں نے عرض کی کہ آپ اس جگہ کیوں مقیم ہیں۔ انھوں نے فرمایا: ہم شام میں تھے میں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿وَالَّذِيۡنَ يَكۡنِزُوۡنَ الذَّهَبَ وَالۡفِضَّةَ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَهَا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿34﴾﴾ تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت کا تعلق ہم

[1] تفسير الطبري: 160/10. [2] صحيح ابن حبان: 49/8، حديث: 3257. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث: 1403 صحیح مسلم میں اس طریق سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث: 988 میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے ایک طویل حدیث میں اس قسم کے الفاظ منقول ہیں، مزید دیکھیے صحيح ابن خزيمة، ذكر أخبار رويت عن النبي ﷺ......: 11/4، حديث: 2255. [4] پہلا حصہ مسند أحمد: 276/2 کے مطابق، البتہ قوسین والا لفظ صحيح ابن خزيمة: 12,11/4، حديث: 2256 میں ہے اور دوسرا حصہ صحيح مسلم، الزكاة، باب إثم مانع الزكاة، حديث: (26,24)-987 میں جبکہ قوسین والا لفظ مسند احمد کے مذکورہ حوالے کے مطابق ہے۔

سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تو اہل کتاب سے ہے۔ میں نے کہا: نہیں، اس کا تعلق ہم سے بھی ہے اور ان سے بھی۔ [1]

تفسیر آیت:36

حرمت والے چار مہینے: امام احمد نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا تھا: [أَلَا! إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا مِّنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُّتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَشَعْبَانَ] ''خبردار! زمانہ اپنی اسی حالت میں پلٹ آیا ہے جس حالت میں اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا، سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔'' پھر فرمایا: [أَلَا! أَيُّ يَوْمٍ هٰذَا؟] ''خبردار! یہ کون سا دن ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، ہم نے خیال کیا شاید آپ اس کا کوئی اور نام رکھیں گے، آپ نے فرمایا: [أَلَيْسَ يَوْمَ النَّحْرِ؟] ''کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: کیوں نہیں! پھر آپ نے فرمایا: [أَيُّ شَهْرٍ هٰذَا؟] ''یہ کون سا مہینہ ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے سکوت فرمایا، ہم نے خیال کیا شاید آپ اس کا کوئی اور نام تجویز فرمائیں گے، آپ نے فرمایا: [أَلَيْسَ ذَا الْحِجَّةِ؟] ''کیا یہ ذوالحجہ نہیں ہے؟'' ہم نے عرض کی: کیوں نہیں! پھر آپ نے فرمایا: [أَيُّ بَلَدٍ هٰذَا؟] ''یہ کون سا شہر ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ نے سکوت فرمایا۔ اور ہم نے خیال کیا کہ شاید آپ اسے کسی اور نام سے موسوم فرمائیں گے، آپ نے فرمایا: [أَلَيْسَتِ الْبَلْدَةَ؟] ''کیا یہ بلد حرام نہیں ہے۔'' ہم نے عرض کی: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا:

[فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ (قَالَ: وَأَحْسِبُهُ قَالَ: وَأَعْرَاضَكُمْ) عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا، فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا، فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا، وَسَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ أَعْمَالِكُمْ، أَلَا! فَلَا تَرْجِعُوا بَعْدِي ضُلَّالًا يَّضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ، أَلَا! هَلْ بَلَّغْتُ؟ أَلَا! لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ (مِنْكُمْ) الْغَائِبَ، فَلَعَلَّ مَنْ يُّبَلَّغُهُ يَكُونُ أَوْعٰى لَهُ مِنْ بَعْضِ مَنْ يَّسْمَعُهُ]

''بے شک تمھارے خون اور مال۔ میرے خیال میں آپ نے یہاں عزتوں کا بھی ذکر فرمایا تھا۔ تم پر اسی طرح حرام

---

[1] صحیح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ......﴾ (التوبة9:34)، حديث:4660.
نوٹ: حضرت ابوذر اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ﴾ کے بارے میں اختلاف ہو گیا تھا کہ اس کا تعلق اہل کتاب سے ہے یا امت محمدیہ سے کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا موقف یہ تھا کہ بیوی بچوں کے نان جویں سے زائد ذخیرہ کرنا حرام ہے اور وہ اس کو رواج دے رہے تھے چونکہ معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے، انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے خلاف خط لکھا تو امیر المؤمنین عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں مدینے بلایا، پھر انھیں ربذہ کی طرف بھیج دیا۔ اور وہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ربذہ ہی میں فوت ہوئے، تفصیل کے لیے دیکھیے صحیح البخاري، الزكاة، باب ما أدى ......، حديث:1406 و تفسير الطبري: 157/10.

ہیں جس طرح اس دن کی تمھارے اس مہینے اور تمھارے اس شہر میں حرمت ہے۔ عنقریب تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے تو وہ تم سے تمھارے اعمال کے بارے میں پوچھے گا۔ خبردار! میرے بعد گمراہ ہو کر ایک دوسرے کی گردنیں نہ اڑانے لگ جانا، کیا میں نے تم تک (اللہ کا دین) پہنچا دیا ہے؟ خبردار! تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں، وہ ان تک بھی یہ باتیں پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں ہیں، ممکن ہے کہ بعض لوگ جن تک ان باتوں کو پہنچا دیا جائے وہ سننے والوں سے بھی انھیں زیادہ یاد رکھنے والے ہوں۔‘‘[1] امام بخاری نے اسے کتاب التفسیر اور صحیح بخاری کی دیگر کتب میں بھی بیان کیا ہے اور امام مسلم نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔[2]

قمری مہینوں کے ناموں کی وجہ تسمیہ: شیخ علم الدین سخاوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب المَشْهُورُ فِي أَسْمَاءِ الْأَيَّامِ وَالشُّهُورِ میں ذکر کیا ہے کہ مُحَرَّم کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ حرمت والا مہینہ ہے لیکن میرے نزدیک اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس مہینے کی حرمت کی تاکید کے لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ عرب تبدیلی کرتے ہوئے اسے کبھی حلت والا اور کبھی حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے تھے۔ اس کی جمع مُحَرَّمَات، مَحَارِم اور مَحَارِيم ہے۔

صَفَر کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جنگوں اور سفروں کے لیے گھروں کے خالی ہو جانے کی وجہ سے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، کہا جاتا ہے: صَفِرَ الْمَكَانُ جب جگہ خالی ہو جائے، اس کی جمع أَصْفَار ہے، جیسے جَمَل کی جمع أَجْمَال ہے۔

رَبِيعُ الْأَوَّل کو اقامت اختیار کرنے کی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے، یہ اِرْتِبَاع سے مشتق ہے اور اِرْتِبَاع کے معنی موسم بہار کے لیے مخصوص کسی عمارت میں اقامت اختیار کرنے کے ہیں، اس کی جمع أَرْبِعَاء ہے، جیسے نَصِيب کی جمع أَنْصِبَاء ہے، نیز اس کی جمع أَرْبِعَةُ بھی ہے، جیسے رَغِيف کی جمع أَرْغِفَة۔ رَبِيعُ الْآخِر، ربیع الأوّل ہی کی طرح ہے۔

جُمادی اس مہینے میں پانی کے جم جانے کی وجہ سے اس نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ عربوں کے حساب کے مطابق مہینے بدلتے نہیں تھے لیکن ان کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اگر مہینوں کا تعلق چاند سے ہو تو پھر یہ قمری مہینے یقیناً بدل بدل کر مختلف موسموں میں آئیں گے، لہٰذا ہو سکتا ہے کہ ابتدائی طور پر اس کا نام بھی سردیوں میں پانی کے جم جانے کی وجہ سے رکھا گیا ہو جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔

وَلَيْلَةٍ مِّنْ جُمَادٰى ذَاتَ أَنْدِيَةٍ   لَّا يُبْصِرُ الْعَبْدُ فِي ظَلْمَآئِهَا الطُّنُبَا

لَا يَنْبَحُ الْكَلْبُ فِيهَا غَيْرَ وَاحِدَةٍ   حَتّٰى يُلِفَّ عَلٰى خُرْطُومِهِ الذَّنَبَا

---

[1] مسند أحمد:37/5. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللّٰهِ......﴾ (التوبة9:36)، حديث:4662 والأضاحي، باب من قال: الأضحى يوم النحر، حديث:5550 والتوحيد، باب قول الله تعالىٰ ﴿وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ......﴾ (القيٰمة75:22,23)، حديث:7447 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، حديث:1679 .

’’جمادی کی کتنی محفلوں والی ایسی راتیں بھی تھیں جن کے اندھیروں میں بندہ خیموں کی طنابیں بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، ان میں کتا بھی صرف ایک بار ہی بھونکتا تھا حتی کہ وہ دم کو اپنی تھوتھنی سے لپیٹ لیتا۔‘‘

جُمَادٰی کی جمع جُمَادَیَات ہے، جیسے حُبَارٰی کی جمع حُبَارَیَات ہے، یہ نام مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، یعنی جُمَادَی الْأُولٰی اور جُمَادَی الْأَول اور جُمَادَی الآخر اور جُمَادَی الآخرۃ.

رَجَب، تَرْجِیب سے مشتق ہے جس کے معنی تعظیم کے ہیں، اس کی جمع أَرْجَابُ، رِجَاب، رَجَبَات آتی ہے۔

شَعْبان، تَشَعَّبَ الْقَبَائِلُ کے محاورے سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹ مار کے لیے قبائل کے منتشر اور متفرق ہو جانے کے ہیں، اس کی جمع شَعَابِینَ اور شَعْبَانَات ہے۔

رَمَضَان، شِدَّۃُ الرَّمْضَاءِ سے ہے جس کے معنی حرارت کے ہیں، کہا جاتا ہے: رَمَضَتِ الْفِصَالُ اس وقت کہا جاتا ہے جب اونٹوں کے بچے پیاسے ہو جائیں۔[1] اس کی جمع رَمَضَانَات، رَمَاضِین اور أَرْمِضَۃ ہے۔ علامہ سخاوی نے لکھا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ رمضان، اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے تو یہ بات غلط اور ناقابل التفات ہے۔ میں کہتا ہوں اس سلسلے میں ایک حدیث بھی ہے جو ضعیف ہے[2] اور میں نے اسے کتاب الصیام کے شروع میں بیان کیا ہے۔

شَوَّال، شَالَتِ الْإِبِلُ کے محاورے سے مشتق ہے جس کے معنی اونٹوں کے جفتی کے لیے اپنی دموں کے اوپر اٹھانے کے ہیں، اس کی جمع شَوَاوِل، شَوَاوِیل اور شَوَّالَات ہے۔

اَلْقَعْدَۃِ قاف کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے، اس کے معنی بیٹھ جانے کے ہیں اور اس مہینے میں وہ لڑائی جھگڑے اور سفر کرنے سے بیٹھ جاتے تھے، اس کی جمع ذَوَات الْقَعْدَۃ ہے۔

اَلْحِجَّۃ بھی حاء کی فتحہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے، اس مہینے میں وہ حج کے لیے بیٹھ جاتے تھے، اس لیے اسے اس نام سے موسوم کیا گیا۔ اس کی جمع ذَوَاتُ الحجۃ ہے۔

دنوں کے عربی ناموں کی واحد جمع اور بعض ناموں کی وجہ تسمیہ: دنوں کے ناموں میں پہلا أَحَد ’’اتوار‘‘ ہے۔ اس کی جمع آحَاد، أُوحَاد اور وُحُود ہے، پھر یَومُ الْإِثْنَین ’’سوموار‘‘ ہے، اس کی جمع أَثَانِین ہے، پھر الثُّلَاثَاء ’’منگل‘‘ ہے اسے مد کے ساتھ مذکر اور مؤنث دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ اس کی جمع ثُلَاثَاوَات اور أَثَالِث ہے۔ پھر اَلْأَرْبِعَاء ’’بدھ‘‘ ہے یہ بھی مد کے ساتھ ہے، اس کی جمع أَرْبِعَاوَات اور أَرَابِیع ہے۔ اَلْخَمِیسُ ’’جمعرات‘‘ کی جمع أَخْمِسَۃ اور أَخَامِس ہے، پھر اَلْجُمُعَۃ

---

[1] عام طور پر اس محاورے کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کہ جب دھوپ کی حدت سے ریت کے انتہائی گرم ہونے کی بنا پر اونٹ کے بچوں کے پاؤں جلنے لگیں۔ [2] وہ ضعیف حدیث یہ ہے: [لَا تَقُولُوا رَمَضَانَ فَإِنَّ رَمَضَانَ اسْمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَلٰكِنْ قُولُوا: شَهْرَ رَمَضَانَ] ’’صرف رمضان نہ کہو کیونکہ رمضان اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہے لیکن تم کہو: رمضان کا مہینہ۔‘‘ دیکھیے مسند الفردوس: 25/5، حدیث: 7339 عن عائشۃ ﷝ و 52/5، حدیث: 7433 عن أبي هريرة ﷜ اور دیکھیے تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ لابن عراق الکنانی: 153/2.

ہے، میم کے ضمہ، سکون اور فتحہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے، اس کی جمع جُمَع اور جَمَاعَات ہے، پھر اَلسَّبْت ہے، جو اَلسَّبْت، سبت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ختم ہو جانے کے ہیں، اس پر ہفتے کے دن ختم ہو جاتے ہیں، اس لیے اس نام سے اسے موسوم کیا گیا ہے۔

عرب دنوں کو أَوَّل، أَهْوَن، جُبَار، دُبَار، مُؤْنِس، عَرُوبَة اور شِيَار کے ناموں سے بھی موسوم کرتے تھے۔ عاربہ متقدمین کے ایک عرب شاعر نے کہا ہے ۔

أُرَجِّي أَنْ أَعِيشَ وَإِنَّ يَوْمِي بِأَوَّلَ أَوْ بِأَهْوَنَ أَوْ جُبَارِ
أَوِ التَّالِي دُبَارِ فَإِنْ أَفُتْهُ فَمُؤْنِسٍ أَوْ عَرُوبَةَ أَوْ شِيَارِ

''میں امید کرتا ہوں کہ اگر میں زندہ رہا تو یقیناً (میری وفات کا دن) اتوار یا سوموار یا منگل یا اس کے بعد آنے والا بدھ ہے پس اگر میں اسے بھی گزار جاؤں تو پھر جمعرات یا جمعے یا ہفتے تک زندہ رہوں گا (آخر کار مر جاؤں گا۔)''

حرمت والے مہینے صرف چار ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ﴾ ''ان میں سے چار (مہینے) حرمت کے ہیں۔'' عرب زمانۂ جاہلیت میں بھی ان مہینوں کا احترام کرتے تھے اور جمہور عرب انھی چار مہینوں کو حرمت والے مہینے سمجھتے تھے۔ ہاں، البتہ ایک گروہ جسے بَسَل کہا جاتا تھا، وہ ازراہِ تعمق وتشدد سال کے آٹھ مہینوں کو حرمت والے مہینے قرار دیتا تھا۔

رجب کو رجبِ مُضر کیوں کہا گیا؟ آپ نے جو یہ فرمایا تھا: [ثَلَاثَةٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُو الْقَعْدَةِ وَذُو الْحِجَّةِ وَالْمُحَرَّمُ وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادَى وَشَعْبَانَ] ''ان میں سے تین مہینے تو متواتر ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور چوتھا مہینہ رجبِ مضر ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے۔''[1] رجب کی مضر کی طرف اضافت اس لیے کی تاکہ رسول اللہ ﷺ یہ بیان فرمادیں کہ یہ بات صحیح ہے کہ رجب سے مراد وہ مہینہ ہے جو جمادی اور شعبان کے درمیان ہے نہ کہ جو شعبان اور شوال کے درمیان ہے جیسا کہ خاندانِ ربیعہ کا خیال تھا کیونکہ شعبان اور شوال کے درمیان تو وہ مہینہ ہے جسے آج کل رمضان کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے وضاحت فرمادی کہ رجب سے مراد وہ مہینہ ہے جسے مضر نے رجب قرار دیا ہے نہ کہ وہ جسے ربیعہ نے رجب قرار دیا ہے۔

ان مہینوں کو حرمت والے قرار دیے جانے کی وجہ: بہر حال حرمت والے مہینے چار ہیں تین تو ان میں سے مسلسل ہیں اور ایک الگ ہے تاکہ حج وعمرہ کے مناسک کو ادا کیا جا سکے۔ حج سے پہلے ایک مہینے، یعنی ذوالقعدہ کو اس لیے حرمت والا قرار دیا گیا تاکہ وہ اس مہینے میں جنگ وجدال سے باز رہیں، ذوالحجہ کو اس لیے حرمت والا مہینہ قرار دیا تاکہ وہ اس میں مناسک حج ادا کر سکیں۔ اور اس کے بعد ماہ محرم کو اس لیے حرمت والا قرار دیا تاکہ امن وسکون سے اپنے اپنے علاقوں میں لوٹ جائیں۔ اور

---

[1] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ما جاء في سبع أرضين، حديث:3197 وصحيح مسلم، القسامة والمحاربين، باب تغليظ تحريم الدماء والأعراض والأموال، حديث:1679 عن أبي بكرة ﷺ مطوّلاً.

سال کے درمیان میں ماہ رجب کو اس لیے حرمت والا قرار دیا تاکہ جزیرۃ العرب کے دور دراز کے علاقوں میں سے آ کر اگر کوئی بیت اللہ کی زیارت اور عمرہ کرنا چاہے تو وہ زیارت و عمرے سے فارغ ہو کر امن سے اپنے وطن لوٹ جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۥ﴾ ''یہی سیدھا دین ہے۔'' یعنی یہی شریعت مستقیم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی جائے اور اس کے مقرر کردہ حرمت والے مہینوں کی حرمت کا پاس کیا جائے۔ اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے روز اول سے جو مقرر کر رکھا ہے، اس کی پابندی کی جائے۔

ان مہینوں میں نیکی کے ثواب اور گناہ کے عذاب میں اضافہ: ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''چنانچہ تم ان (مہینوں) میں (قتال ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا۔'' کیونکہ ان مہینوں میں ظلم کرنے اور جدال و قتال کا دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ گناہ ہے جیسا کہ بلد حرام میں ارتکاب معصیت زیادہ بڑا گناہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (الحج 25:22) ''اور جو اس میں شرارت سے کج روی (وکفر) کرنا چاہے، اس کو ہم دردناک عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔'' اسی طرح حرمت والے مہینوں میں بھی گناہوں کی سزا زیادہ سنگین ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ سال کے بارہ مہینے ہیں، ان میں سے کسی بھی مہینے میں ظلم نہ کرو اور ان میں سے چار مہینوں کو بطور خاص حرمت والے قرار دیا، ان کا بہت زیادہ ادب و احترام بجالانے کا حکم دیا اور ان میں گناہ کا ارتکاب کرنے کو بڑا جرم قرار دیا اور عمل صالح کو بھی بڑے اجر و ثواب کا موجب قرار دیا۔[1]

امام قتادہ نے بھی ﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں ظلم دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ بڑا گناہ ہے اگرچہ ظلم ہر حال میں اور ہر وقت ہی بڑا گناہ ہے لیکن ان مہینوں میں اس کی سنگینی اور گناہ میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے کیونکہ ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ نے قابل ادب و احترام قرار دیا ہے۔[2] اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے جسے چاہے منتخب فرمالے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرشتوں اور انسانوں میں سے پیغام پہنچانے والوں کو منتخب فرمالیا ہے، کلام میں سے اس نے اپنے ذکر کو منتخب فرمایا ہے، زمین میں سے اس نے مسجدوں کو اعزاز بخشا ہے، مہینوں میں سے اس نے رمضان اور حرمت والے مہینوں کو شرف بخشا ہے، دنوں میں سے اس نے جمعے کے دن کو اور راتوں میں سے لیلۃ القدر کو سرفراز فرمایا ہے، لہٰذا جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے تم بھی ان کا ادب و احترام بجالاؤ۔ بلاشبہ اربابِ عقل و دانش انھی چیزوں کو قابلِ تعظیم سمجھتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے محترم قرار دیا ہے۔

حرمت والے مہینوں میں قتال: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝﴾ ''اور تم تمام مشرکین سے لڑو، جیسے وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ اور جان لو! بے شک اللہ پرہیزگاروں

[1] تفسير الطبري :164/10. [2] تفسير ابن أبي حاتم :1793/6.

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا

بلاشبہ (کسی مہینے کو) آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے اس کی وجہ سے کافر گمراہ کیے جاتے ہیں، وہ ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال

لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ؕ

اسے حرام (خیال کرتے ہیں) تاکہ ان (مہینوں) کی تعداد پوری کریں جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں، پھر وہ حلال ٹھہرالیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا۔ ان

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿37﴾ ع

کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا ﴿37﴾

کے ساتھ ہے۔'' یعنی خوب جان لو کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ میں پہل کرنا حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ (المآئدۃ 2:5) ''مومنو! اللہ کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرنا اور نہ ماہ حرام کی۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْكُمْ ﴾ (البقرۃ 194:2) ''ماہ حرام، ماہ حرام کے بدلے میں ہے اور حرمتیں ایک دوسری کا بدلہ ہیں، پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اس پر کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ...... ﴾ الآیۃ (التوبۃ 5:9) ''تو جب حرمت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو قتل کر دو......۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِیْنَ كَآفَّةً كَمَا یُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ؕ ﴾ ''اور تم تمام مشرکوں سے لڑو، جیسے وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اجازت دی ہے کہ وہ حرمت والے مہینے میں بھی مشرکوں سے لڑائی کر سکتے ہیں، بشرطیکہ لڑائی کی ابتدا ان کی طرف سے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ ﴾ (البقرۃ 194:2) اور فرمایا: ﴿ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ...... ﴾ (البقرۃ 191:2) ''اور جب تک وہ تم سے مسجد محترم (خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں ان سے نہ لڑنا، پھر اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان کو قتل کر ڈالو......۔''

رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کا جو محاصرہ کیا اور حرمت والے مہینے کے شروع ہونے تک محاصرہ جاری رکھا تو وہ ہوازن اور ان کے حلیف ثقیف سے جنگ کا تتمّہ تھا اور ان لوگوں نے جنگ کا آغاز خود کیا تھا اور دوسرے لوگوں کو بھی جمع کر کے جنگ کی دعوت دی تھی، رسول اللہ ﷺ کو جب ان کی جنگ کی تیاری کا علم ہوا تو آپ ان کی سرکوبی کے لیے تشریف لے گئے اور جب یہ لوگ طائف کے قلعے میں بند ہو گئے تو آپ نے انھیں قلعے سے باہر نکالنے کے لیے کوشش فرمائی، انھیں مسلمانوں کی طرف سے گزند پہنچا کیونکہ مسلمانوں نے کافی لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔ منجنیقوں وغیرہ کے ساتھ محاصرہ قریباً چالیس دن تک جاری رہا اور اس کی ابتدا تو حلال مہینے سے ہوئی حتی کہ ماہ حرام شروع ہو گیا اور اس میں بھی کئی دن تک محاصرہ جاری رہا، پھر رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے اور اس صورت میں جنگ کا جاری رہنا قابل معافی ہے جبکہ حرمت والے مہینے میں جنگ کا آغاز

کرنا نا قابل معافی ہے۔ یہ طے شدہ اصول ہے اور اس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں۔[1] وَاللّٰہُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیت:37

شریعت میں رائے کے ساتھ تصرف کی مذمت: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی مذمت فرمائی ہے کہ وہ اللہ کی شریعت میں اپنی فاسد آراء کے ساتھ تصرف کرتے، اپنی بے ہودہ خواہشات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بدل دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جسے حرام قرار دیا ہے، اسے حلال اور جسے حلال قرار دیا اسے حرام ٹھہرا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی قوت غضبیہ، نخوت اور حمیّت کی وجہ سے ان تین مہینوں کی مدت کو بہت طویل سمجھتے تھے جو انھیں اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں رکاوٹ تھی، دشمنوں سے لڑائی وغیرہ کی صورت میں، یہی وجہ ہے کہ اسلام کی آمد سے پہلے ایک عرصے تک انھوں نے محرم کو حلال قرار دے لیا تھا اور اس کے بجائے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا تھا تا کہ حرمت والے چار مہینوں کی تعداد کو پورا کر لیں۔

﴿النَّسِیٓءُ﴾ کیا ہے؟ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ﴾ ''بلاشبہ (کسی مہینے کو ہٹا کر) آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جُنادہ بن عوف بن امیہ کنانی، جس کی کنیت ابوثمامہ تھی، موسم حج میں آتا اور اعلان کرتا کہ خبردار! لوگو ابوثُمامہ کی بات پر اعتراض کرنا نہ کوئی عیب لگانا، خبردار! اس سال صفر حلال ہے۔ اور اس طرح وہ ایک سال صفر کو حلال قرار دیتا اور ایک سال اسے حرمت والا مہینہ قرار دے دیتا اور ایک سال محرم کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتا، یہی ﴿النَّسِیٓءُ﴾ ہے اور اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿اِنَّمَا النَّسِیٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْكُفْرِ﴾ ''بلاشبہ (کسی مہینے کو ہٹا کر) آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرتا ہے۔'' یہ لوگ ایک سال محرم کو حلت والا اور ایک سال حرمت والا قرار دے دیتے تھے۔[2] عوفی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

اور لیث بن ابوسلیم نے مجاہد سے یہ روایت کیا ہے کہ ہر سال موسم حج میں بنو کنانہ کا ایک شخص اپنے گدھے پر سوار ہو کر آتا اور یہ اعلان کرتا لوگو! مجھ پر نہ کوئی عیب لگایا جا سکتا ہے نہ مجھے مجرم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے، ہم نے محرم کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور صفر کو مؤخر کر دیا ہے۔ پھر آئندہ سال بھی اسی طرح کی بات کرتے ہوئے کہتا کہ اس سال کے لیے ہم نے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور محرم کو مؤخر کر دیا ہے۔ اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ایسا اس لیے کرتے: ﴿لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ﴾ ''تا کہ وہ (حرمت کے مہینوں کی) جو اللہ نے حرام کیے ہیں، گنتی پوری کر لیں۔'' یعنی چار مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔ اور حرمت والے اس مہینے کو مؤخر کر کے اس حرمت والے مہینے کو حلال کر لیتے[4] یہ لوگ ایک سال محرم کو حلال قرار دے لیتے تھے، اس کے بدلے میں صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے تھے، پھر اس کے بعد کا مہینہ

---

[1] یہ مثالیں البقرۃ، آیات: 194 و 217 کے تحت دیکھی جا سکتی ہیں۔ [2] تفسیر الطبری: 169,168/10. [3] تفسیر الطبری: 169/10. [4] تفسیر الطبری: 169/10.

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ

اے ایمان والو! تمھیں کیا ہو گیا ہے، جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو، کیا تم

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ

آخرت کے مقابلے میں دنیاوی زندگی پر ریجھ گئے ہو؟ چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی حقیر ہے ﴿38﴾ اگر

اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿38﴾ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ

تم نہیں نکلو گے تو وہ (اللہ) تمھیں دردناک عذاب دے گا اور بدل کر تمھارے علاوہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے

وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿39﴾

اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿39﴾

ربیع ہے، وہ ربیع سے لے کر سال کے آخری مہینے تک تمام مہینوں کو اپنے نظام، شمار اور ناموں کے اعتبار سے پہلے ہی کی طرح بدستور برقرار رکھتے اور اگلے سال محرم کو بھی حرمت والا مہینہ ہی رہنے دیتے، پھر صفر اور اس کے بعد والے دیگر تمام مہینوں میں بھی کوئی تبدیلی نہ کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ؕ﴾ ''ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام تاکہ وہ (حرمت کے مہینوں کی) جو اللہ نے حرام کیے ہیں، گنتی پوری کر لیں اور جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں اس کو حلال ٹھہرائیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے چار مہینے حرمت والے قرار دیے ہیں مگر یہ لوگ مسلسل تین حرمت والے مہینوں میں سے تیسرے مہینے، یعنی محرم کو کبھی تو حرمت والا قرار دے دیتے اور کبھی اس کے بجائے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیتے تھے۔

رسمِ نسیء کا موجد: امام محمد بن اسحاق نے سیرت سے متعلق اپنی کتاب میں اس موضوع پر بہت ہی عمدہ اور نفیس انداز میں روشنی ڈالی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عربوں میں سب سے پہلے جس نے نسیء کی رسم کو ایجاد کیا اور اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ مہینے کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دیا وہ قَلَمَّس، یعنی حذیفہ بن عبد بن فُقَیم بن عدی بن عامر بن ثعلبہ بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ تھا، اس کے بعد اس کے بیٹے عَبّاد، اس کے بعد اس کے بیٹے قَلَع، اس کے بعد اس کے بیٹے امیہ، اس کے بعد اس کے بیٹے عوف، پھر اس کے بیٹے ابوثُمامہ جُنادہ بن عوف نے اس رسم کو جاری رکھا۔ ابوثمامہ ہی کا دور تھا جب اسلام کا آفتاب طلوع ہوا۔ عرب کے لوگ جب حج سے فراغت کے بعد اس کے پاس آ کر جمع ہو جاتے تو یہ انھیں خطاب کرتے ہوئے رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم کو حرمت والے مہینے قرار دیتا لیکن جب ان میں سے کسی کو حلال کرنا چاہتا تو ایک سال محرم کو حلال اور اس کی جگہ صفر کو حرام قرار دے دیتا تاکہ ادب کے ان مہینوں کی گنتی کو پورا کر لیں۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 39,38

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق، أول من ابتدع النسيء: 42/1.

17546

جہاد نہ کرنے پر سرزنش: یہاں سے ان لوگوں کی سرزنش کا آغاز ہوتا ہے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے اور جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے، یاد رہے! غزوۂ تبوک سخت گرمی کے موسم میں اس وقت پیش آیا تھا جب پھل پک چکے تھے اور گھنے سائے بہت فرحت بخش معلوم ہوتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''مومنو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو۔'' یعنی تمھیں اللہ کی راہ میں جہاد کی دعوت دی جاتی ہے۔ ﴿ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ﴾ ''تو تم (کاہلی کے سبب) زمین کی طرف بوجھل ہو جاتے ہو۔'' یعنی سستی و کاہلی کا مظاہرہ کرتے اور آسائش و خوشحالی اور پکے ہوئے پھلوں ہی میں رہنے کی طرف مائل ہوتے ہو۔ ﴿ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''کیا تم آخرت (کی نعمتوں) کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو؟'' یعنی تم نے ایسا کیوں کیا ہے؟ کیا تم آخرت کے بجائے دنیا کی زندگی پر خوش ہو؟ پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے دنیا سے بے رغبت کرتے اور آخرت کی رغبت دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿٣٨﴾ ﴾ ''چنانچہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تو آخرت (کے مقابلے) میں بہت ہی حقیر ہے۔'' امام احمد نے بنوفہر کے ایک شخص مُستَورِد کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا الدُّنيَا فِي الآخِرَةِ إِلَّا كَمِثْلِ مَا يَجعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هٰذِهِ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنظُرْ بِمَ تَرْجِعُ؟] ''آخرت کے مقابلے میں دنیا کی مثال اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی سمندر میں اپنی انگلی ڈبوئے پھر دیکھے کہ اس کی انگلی (سمندر میں سے) کتنا پانی لے کر لوٹتی ہے؟ (لگنے والے پانی کی کیا حیثیت ہے۔)'' اور آپ نے یہ بیان کرتے ہوئے انگشتِ شہادت کی طرف اشارہ فرمایا۔[1] اسے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2] امام ثوری نے اس آیت کی تفسیر میں اعمش کا قول نقل کیا ہے کہ دنیا کی مثال تو اس طرح ہے، جیسے کسی مسافر کے پاس تھوڑا سا زادِ راہ ہو۔[3]

دنیا کا سامان بہت قلیل ہے: عبدالعزیز بن ابو حازم نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ جب عبدالعزیز بن مروان کی وفات کا وقت قریب آیا تو کہنے لگے کہ میرے پاس وہ کفن لاؤ جو مجھے پہنایا جائے گا تاکہ میں اسے دیکھ لوں۔ جب کفن ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انھوں نے اسے دیکھا اور کہا: کیا میرے لیے اس سے بڑا کفن نہیں ہے کیا مجھے دنیا کی چیزوں میں سے صرف یہ کفن ہی ملے گا پھر انھوں نے رخ پھیر لیا اور رونے لگے اور یہ کہنے لگے: اے دنیا کے گھر تجھ پر بہت افسوس! تیرا زیادہ مال بھی تھوڑا ہے اور جو تھوڑا ہے، وہ تو بہت ہی تھوڑا ہے مگر افسوس! ہم ہی تیرے بارے میں دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں۔[4]

جہاد سے گریزاں لوگوں کو سرزنش: پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد ترک کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴾ ''اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ

---

[1] مسند أحمد :229/4. [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب فناء الدنيا وبيان الحشر يوم القيامة، حديث:2858. [3] تفسير ابن أبي حاتم :1797/6. [4] تفسير ابن أبي حاتم :1797/6.

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ

اگر تم اس (نبی) کی مدد نہیں کرو گے تو تحقیق اللہ نے اس کی (اس وقت) مدد کی (تھی) جب کافروں نے اس کو (مکہ سے) نکال دیا تھا، (وہ) دو میں دوسرا

إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ

تھا، جبکہ وہ دونوں غار (ثور) میں تھے، جب وہ (نبی) اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا: غم نہ کر، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے، پھر اللہ نے اس پر

بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ

اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکروں سے اس کی مدد کی جنھیں تم نے نہیں دیکھا، اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا، اور بات تو اللہ ہی کی

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿40﴾

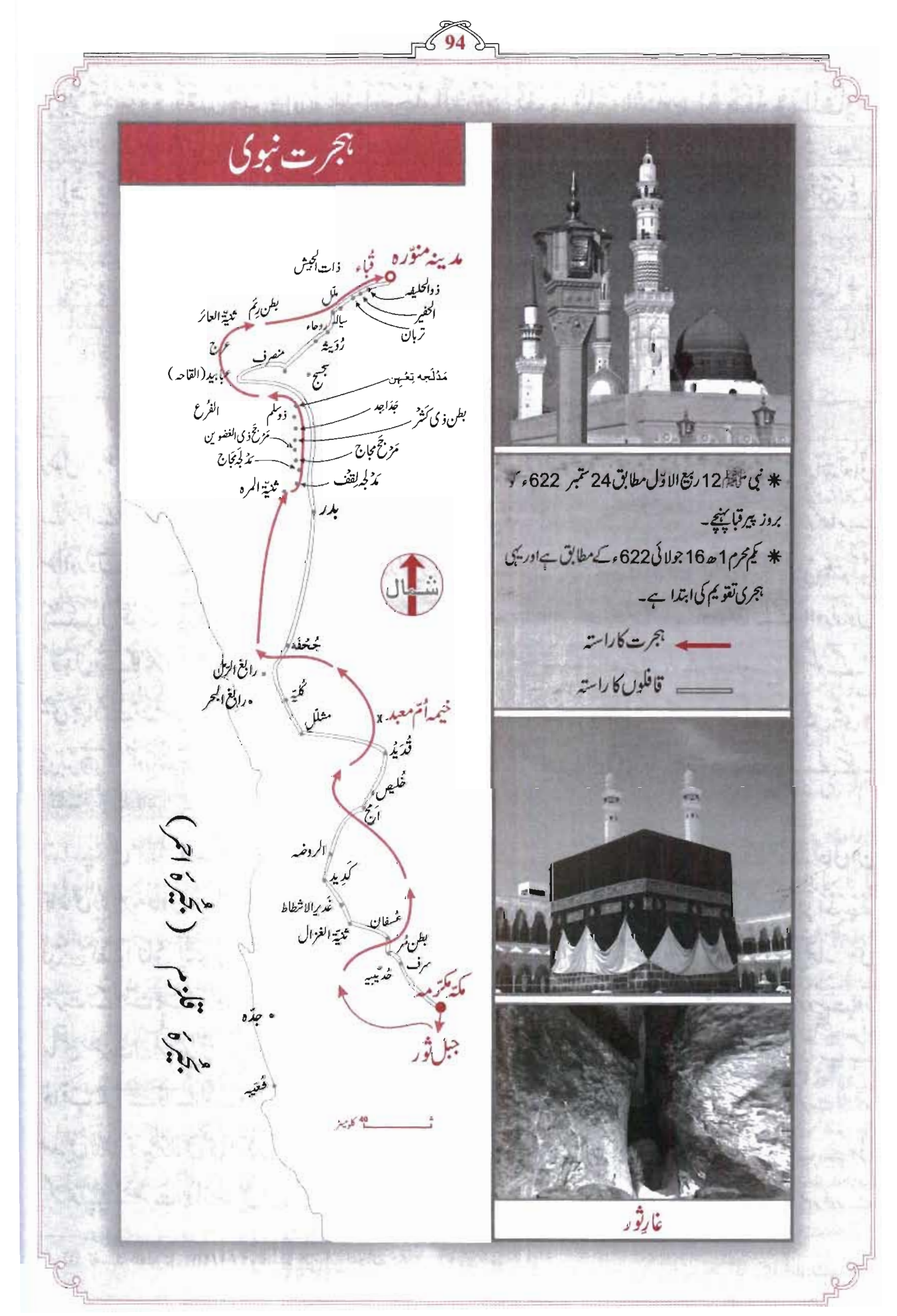
بلند ہے۔ اور اللہ بہت زبردست ہے، خوب حکمت والا ہے ﴿40﴾

رسول اللہ ﷺ نے عربوں کے ایک خاندان کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تو انھوں نے سستی و کاہلی کا ثبوت دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر انھیں بارش سے محروم کر دیا سو یہ ان کے لیے عذاب تھا۔[1] ﴿وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ﴾ ''اور تمھارے سوا اور لوگ بدل دے گا۔'' یعنی جو اس کے نبی کی مدد کریں اور اس کے دین کو قائم کریں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَإِن تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُم﴾ (محمد 38:47) ''اور اگر تم پھرو گے تو وہ تمھارے سوا اور لوگوں کو بدل دے گا پھر وہ تمھاری طرح کے نہیں ہوں گے۔'' ﴿وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ﴾ ''اور تم اس کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکو گے۔'' یعنی جہاد سے منہ موڑنے اور بزدلی و دوں ہمتی کا مظاہرہ کر کے اللہ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکو گے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿39﴾﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمھارے بغیر بھی وہ اپنے دشمنوں سے بدلہ لے سکے۔

تفسیر آیت: 40

اللہ اپنے نبی ﷺ کا مددگار ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ﴾ ''اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے'' تو اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر، معاون و مددگار اور محافظ و کارساز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی اس وقت بھی مدد فرمائی تھی: ﴿إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ ''جب ان کو کافروں نے (مکہ سے) نکال دیا تو (اس وقت) وہ دو میں سے دوسرا تھا۔'' یعنی ہجرت کے وقت جب مشرکوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ آپ کو قتل کر دیں یا قید کر دیں یا جلاوطن کر دیں مگر آپ اپنے دوست اور ساتھی حضرت ابوبکر صدیق بن ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ سے نکل کر پہلے غار ثور میں تین دن تک مقیم رہے تھے تاکہ آپ کے تعاقب میں نکلنے والے لوگ واپس چلے جائیں اور آپ پھر مدینہ کی طرف تشریف لے جائیں۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ فکر لاحق تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی جھانک کر دیکھ لے اور نبی اکرم ﷺ کو ان کی طرف سے کوئی گزند پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گھبراہٹ اور پریشانی کو دیکھ کر آپ انھیں تسلی دے رہے تھے اور ثابت قدم رکھ رہے

[1] تفسير الطبري :174/10 وتفسير ابن أبي حاتم :1797/6.



ہجرت نبوی
مدینہ منوّرہ
قُباء
ذات الجیش
ذوالحلیفہ
ملل
بدر
جُحفہ
رابغ البحر
خیمہ اُمِّ معبد
قُدَیْد
خُلیص
الروضہ
کَدِید
عُسفان
سرف
حُدَیبیہ
مکہ مکرّمہ
جبلِ ثور
جدّہ
شمال
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
* نبی ﷺ 12 ربیع الاوّل مطابق 24 ستمبر 622ء کو بروز پیر قبا پہنچے۔
* یکم محرم 1ھ 16 جولائی 622ء کے مطابق ہے اور یہی ہجری تقویم کی ابتدا ہے۔
ہجرت کا راستہ
قافلوں کا راستہ

غارِ ثور

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ

تم ہلکے (بھی) نکلو اور بوجھل (بھی)، اور اپنے مال اور اپنی جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو،

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾

یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ﴿41﴾

تھے، آپ نے فرمایا: [يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ، اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟] ''ابوبکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟'' جیسا کہ امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی جب ہم غار میں تھے کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا تو آپ نے فرمایا: [يَا أَبَا بَكْرٍ! مَا ظَنُّكَ بِاثْنَيْنِ، اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟] ''اے ابوبکر! ان دو آدمیوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟''[1] اسے امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ﴾ ''پھر اللہ نے ان پر اپنی تسکین نازل فرمائی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر تائید و نصرت کو نازل فرمایا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس ضمیر کا مرجع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ پھر فرمایا: ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے۔'' یعنی فرشتوں کو ان کی مدد کے لیے نازل فرما دیا۔ ﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۭ﴾ ''اور اس نے کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کافروں کی بات سے مراد شرک اور اللہ کی بات سے مراد لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ہے۔[3]

صحیحین میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ ایک شخص شجاعت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص حمیت کے لیے لڑتا ہے اور ایک شخص ریاکاری کے لیے لڑتا ہے تو ان میں سے اللہ کی راہ میں لڑنے والا کون ہے۔ آپ نے فرمایا: [مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''جو اس لیے لڑائی کرے تا کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو سر بلندی حاصل ہو تو وہ اللہ کے رستے میں لڑنے والا ہے۔''[4] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ﴾ ''اور اللہ بڑا زبردست ہے۔'' یعنی انتقام لینے اور مدد کرنے میں وہ بہت زبردست ہے جو اس کے باب عالی پر جھک جائے اور

[1] مسند أحمد:4/1. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين و فضلهم، حديث: 3653 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ، حديث:2381. [3] تفسير الطبري: 177/10. [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قوله تعالى: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171)، حديث: 7458 وصحيح مسلم، الإمارة، باب من قاتل لتكون كلمة الله هي العليا......، حديث: (150)-1904 واللفظ له.

اس کی کتاب مقدس سے لو لگا لے، وہ کبھی ذلیل و رسوا نہیں ہو سکتا۔ اور ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ ''وہ بڑی حکمت والا ہے۔'' اپنے تمام اقوال و افعال میں۔

تفسیر آیت :41

جہاد ہر حال میں فرض ہے: سفیان ثوری نے اپنے والد سے اور انھوں نے ابوالضحیٰ مسلم بن صُبَیح سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ سورۂ براءت کی یہ سب سے پہلی نازل ہونے والی آیت ہے۔[1] معتمر بن سلیمان نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ حضرمی کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کی گئی کہ لوگوں میں سے کوئی بیمار یا بہت بڑی عمر کا بھی ہو سکتا ہے۔ حضرمی کہتے ہیں کہ میرا گمان ہے آپ ﷺ نے فرمایا: [أَنَا لَا آثَمُ] ''میں ایسے لوگوں کو گنہگار نہیں ٹھہراتا۔'' تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ...... ﴾ الآیۃ ''تم سبک بار ہو یا گراں بار (مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت، گھروں سے) نکل آؤ......۔''[2] اللہ تعالیٰ نے سب مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ غزوۂ تبوک کے موقع پر نکلنے کا حکم دیا تھا تا کہ اللہ تعالیٰ کے دشمن رومیوں اور کفار اہل کتاب کے خلاف جہاد کریں اور مومنوں کے لیے ہر حال میں، خواہ خوشی ہو یا ناخوشی، تنگی ہو یا آسانی نکلنے کو فرض قرار دیا۔ اور فرمایا: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾۔

علی بن زید نے حضرت انس سے اور انھوں نے حضرت ابوطلحہ سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جہاد کے لیے نکلو، خواہ بوڑھے ہو یا جوان، اللہ تعالیٰ نے کسی کے عذر کو بھی قبول نہیں کیا، پھر وہ شام کی طرف تشریف لے گئے، جہاد میں حصہ لیا اور جام شہادت نوش فرما گئے۔[3] ایک روایت میں یہ ہے کہ ابوطلحہ سورۂ براءت پڑھتے ہوئے جب اس آیت کریمہ پر پہنچے: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''تم سبک بار ہو یا گراں بار (مال واسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت، گھروں سے) نکل آؤ اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑو۔'' تو انھوں نے کہا کہ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ ہمارے رب نے ہمیں نکلنے کے لیے کہا ہے، خواہ ہم بوڑھے ہوں یا جوان، لہٰذا اے بیٹو! مجھے تیار کر دو، ان کے بیٹوں نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، آپ کو تو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ کے ہمراہ جہاد کیا حتی کہ وہ وفات پا گئے، پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا حتی کہ وہ وفات پا گئے، پھر آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ جہاد میں حصہ لیا حتی کہ وہ بھی انتقال فرما گئے، لہٰذا اب آپ کے بجائے ہم جہاد کریں گے مگر انھوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ انھوں نے سمندری سفر اختیار کیا اور سمندر میں ہی تھے کہ وفات پا گئے، ساتھیوں کو کوئی ایسا جزیرہ نہ ملا جس میں وہ انھیں دفن کر سکیں، بالآخر نو دن کے بعد ایک جزیرہ ملا جس میں انھیں دفن کر دیا گیا، ساتھیوں نے دیکھا کہ نو دن گزر جانے کے باوجود ان کی میت میں قطعاً کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔[4]

[1] تفسیر الطبری :181/10. [2] تفسیر الطبری :180/10. [3] تفسیر الطبری :178/10. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 1802/6.

سدی نے ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ تم اللہ کے رستے میں نکلو، خواہ دولت مند ہو یا فقیر، طاقت ور ہو یا کمزور، اس دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا، راویوں کا خیال تھا کہ وہ مقداد تھے جو بہت موٹے اور قوی الجثہ تھے، انھوں نے اپنے موٹاپے کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت چاہی تو رسول اللہ ﷺ نے اجازت دینے سے انکار فرما دیا تھا تو اسی دن یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾ اور جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو لوگوں پر بہت گراں گزری، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کرتے ہوئے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ (التوبة 9:91) ”نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریکِ جہاد نہ ہوں) جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں۔“[1]

امام ابن جریر نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے حبان بن زید شَرْعَبِی نے بیان کیا کہ ہم والی حمص صفوان بن عمرو کے ہمراہ اُفْسُوس کی جانب مقام جَراجِمہ گئے تو وہاں میں نے ایک بہت زیادہ معمر شخص کو دیکھا جن کے ابروان کی آنکھوں پر ڈھلک گئے تھے، ان کا تعلق دمشق سے تھا اور وہ اپنی سواری پر سوار تھے اور دشمن پر حملہ کر رہے تھے، میں نے ان کے پاس جا کر عرض کی: چچا جان! اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو شریک جہاد نہ ہونے کی اجازت دی ہے، انھوں نے اپنے ابروؤں کو اوپر اٹھایا اور کہا: برادر زادے! اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا ہے، خواہ ہم سبک بار ہوں یا گراں بار۔ اور یہ بات بھی خوب سن لو! اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے محبت کرتا ہے، اسے آزمائش میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اسے لوٹا کر باقی رکھتا ہے اور یہ بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ان کو امتحان میں ڈالتا ہے جو شاکر، صابر اور ذاکر ہوں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔[2]

انفاق وقتال کی ترغیب: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں اپنی اور اپنے رسول کی رضا میں جان و مال خرچ کر دینے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ”اور اللہ کے رستے میں اپنے مالوں اور جانوں سے لڑو، یہی تمھارے حق میں بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔“ یعنی یہ دنیا و آخرت میں تمھارے لیے بہتر ہے کیونکہ تم تھوڑا سا مال خرچ کرو گے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کا مال تمھیں غنیمت میں دلا دے گا اور آخرت میں بے پایاں اجر وثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [(تَكَفَّلَ اللّٰهُ) لِلْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِهِ (إِنْ تَوَفَّاهُ) أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ......]، [أَوْ يَرُدَّهُ إِلَى (مَنْزِلِهِ) بِمَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ] ”اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے میں جہاد کرنے والے کا یہ ذمہ لیا ہے کہ اگر وہ اسے فوت کرے تو اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا اجر وثواب اور

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1803/6، 1804. [2] تفسير الطبري: 179/10.

لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوۡكَ وَلٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ

اگر مال (غنیمت) قریب الحصول اور سفر درمیانہ ہوتا تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے، اور لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہوگئی،

وَسَيَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسۡتَطَعۡنَا لَخَرَجۡنَا مَعَكُمۡ ۚ يُهۡلِكُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ۚ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ اِنَّهُمۡ

اور عنقریب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو تمھارے ساتھ ضرور نکلتے۔ وہ خود کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اور اللہ

لَكٰذِبُوۡنَ ﴿42﴾

جانتا ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں﴿42﴾

مال غنیمت کے ساتھ اسے اس کے گھر لوٹائے گا۔''[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ وَهُوَ كُرۡهٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـًٔا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ○﴾ (البقرۃ2:216) ''(مسلمانو!) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے، وہ تمھیں ناگوار تو ہوگا مگر عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو اور عجب نہیں کہ ایک چیز تم کو بھلی لگے اور وہ تمھارے لیے مضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' اسی قبیل سے وہ حدیث ہے جسے امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص سے فرمایا: [أَسۡلِمۡ] ''اسلام قبول کرلو۔'' اس نے عرض کی کہ مجھے یہ ناپسند ہے، آپ نے فرمایا: [أَسۡلِمۡ وَ إِنۡ كُنۡتَ كَارِهًا] ''اسلام قبول کرلو، خواہ یہ تمھیں ناپسند ہی کیوں نہ ہو۔''[2]

تفسیر آیت: 42

منافقوں کے پیچھے رہ جانے کا سبب: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے جو غزوۂ تبوک کے موقع پر رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے اور جھوٹے حیلے بہانوں سے اپنے آپ کو معذور ظاہر کر کے اجازت لے لی تھی، حالانکہ ان کے پاس کوئی سچا عذر نہ تھا، فرمایا: ﴿لَوۡ كَانَ عَرَضًا قَرِيۡبًا﴾ ''اگر مال غنیمت قریب الحصول ہوتا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ غنیمت آسانی سے حاصل ہونے والی ہوتی۔ ﴿وَّسَفَرًا قَاصِدًا﴾ ''اور سفر بھی ہلکا ہوتا۔'' یعنی سفر بھی قریب کا ہوتا[1] ﴿لَّاتَّبَعُوۡكَ﴾ ''تو وہ (منافق) آپ کے ساتھ ضرور چلتے۔'' یعنی جہاد کے لیے آپ کے ساتھ شریک ہوتے ﴿وَلٰكِنۡۢ بَعُدَتۡ عَلَيۡهِمُ الشُّقَّةُ ؕ﴾ ''اور لیکن کٹھن منزل ان پر دور ہوگئی۔'' اس آیت میں ﴿الشُّقَّةُ ؕ﴾ (کٹھن منزل) مَسافت سے مراد ملک شام کی

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، الجهاد والسير، باب: أفضل الناس مؤمن......، حديث:2787 کے مطابق لیکن پہلی قوسین والا جملہ صحیح البخاری، فرض الخمس، باب قول النبی ﷺ: أحلت لكم الغنائم، حديث:3123 و صحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد......، حديث:(104)-1876 میں ہے جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ المعجم الكبير للطبرانی: 100,99/8، حديث:7491 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ دوسرا حصہ صحیح البخاری، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿قُلۡ لَّوۡ كَانَ الۡبَحۡرُ ......﴾ (الكهف18:109) ، حديث:7463 کے مطابق ہے اور قوسین والا لفظ مسند أحمد:424/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [2] مسند أحمد:109/3. [3] تفسير ابن أبي حاتم:1804/6.

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿43﴾

(اے نبی!) اللہ نے آپ کو معاف کر دیا آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟ (آپ اجازت نہ دیتے) یہاں تک کہ آپ پر ظاہر ہو جاتے

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ

سچے لوگ اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے ﴿43﴾ (اے نبی!) جو لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ آپ سے اجازت نہیں مانگتے اس سے

وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿44﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

کہ وہ اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کریں۔ اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے ﴿44﴾ آپ سے اجازت تو صرف وہ لوگ مانگتے ہیں

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿45﴾

جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں، لہٰذا وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں ﴿45﴾

طرف مسافت ہے۔ ﴿ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ ﴾ ''اور اب وہ اللہ کی قسمیں کھائیں گے۔'' یعنی آپ کے سامنے جب آپ لوٹ کر آئیں گے۔ ﴿ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ﴾ ''(کہ) اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ ضرور نکل پڑتے۔'' یعنی یہاں اگر ہمارے پاس عذر نہ ہوتے تو ہم آپ کے ساتھ ضرور نکلتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿42﴾ ﴾ ''یہ (ایسے عذروں سے) خود کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بلا شک وشبہ وہ جھوٹے ہیں۔''

تفسیر آیات: 43-45

منافقوں کو اجازت دینے کی وجہ سے باز پرس: امام ابن ابو حاتم نے عون سے روایت کیا ہے کہ کیا تم نے کبھی اس سے بھی زیادہ احسن انداز میں باز پرس سنی ہے کہ باز پرس سے قبل ہی معافی کا اعلان ہو: ﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ﴾ ''معاف کرے اللہ آپ کو! آپ نے ان (منافقین) کو اجازت کیوں دی؟''[1] مُوَرِّق عجلی وغیرہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ جیسے تم سن رہے ہو باز پرس کی ہے لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں یہ حکم نازل فرما دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انھیں اجازت دے دیں۔ فرمایا: ﴿ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ ...... ﴾ الآية (النور 62:24) ''چنانچہ جب یہ لوگ آپ سے کسی کام کے لیے اجازت طلب کریں تو آپ ان میں سے جسے چاہیں اجازت دیں......۔''[3]

عطاء خراسانی سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کر لو اگر اجازت دے دیں تو بیٹھ رہو اور اگر اجازت نہ دیں تو پھر بھی بیٹھ رہو۔[5] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ﴾ ''حتی کہ آپ پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں۔'' یعنی عذر ظاہر کرنے میں ﴿ وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ ''اور آپ جھوٹوں کو جان لیتے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:1805/6. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:1805/6. [3] تفسیر الطبري:184,183/10. [4] تفسیر ابن أبي حاتم:1806/6. [5] تفسیر الطبري:183/10.

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ

اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان ضرور تیار کرتے لیکن اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ تھا، اس لیے اس نے انھیں ہلنے نہ دیا اور

اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿46﴾ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

(ان سے) کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو﴿46﴾ اگر وہ (منافق) تمھارے ساتھ نکلتے بھی تو وہ تمھیں خرابی ہی میں زیادہ کرتے اور تمھارے

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿47﴾

اندر فتنہ (کھڑا کرنے) کی خواہش لیے دوڑے دوڑے پھرتے۔ اور تم میں بعض ان کے جاسوس ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے﴿47﴾

انھوں نے آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے انھیں چھوڑ کیوں دیا، آپ ان میں سے کسی کو بھی پیچھے بیٹھ رہ جانے کی اجازت نہ دیتے تاکہ آپ کو معلوم ہو جاتا کہ آپ کی اطاعت بجالانے میں ان میں سے سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ اگر آپ انھیں اجازت نہ دیتے تو پھر بھی یہ جہاد سے منہ موڑ کر پیچھے بیٹھ رہ جانے پر ہی مصر تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس کا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہوگا وہ جہاد سے پیچھے رہ جانے کی اجازت طلب نہیں کرے گا، پس فرمایا: ﴿لَا يَسْتَاْذِنُكَ﴾ ''(اے نبی!) آپ سے اجازت طلب نہیں کرتے'' کہ جہاد سے پیچھے رہ جائیں۔ ﴿الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ﴾ ''جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں کہ اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کریں۔'' کیونکہ وہ تو جہاد کو تقرب الٰہی کے حصول کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ انھیں جب اس کی دعوت دی گئی تو انھوں نے اس پر فوراً لبیک کہا: ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿44﴾﴾ ''اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔''

﴿اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ﴾ ''بلاشبہ آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔'' جہاد سے پیچھے رہ جانے کی جبکہ ان کے پاس کوئی عذر بھی نہیں ہے ﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''وہی لوگ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔'' یعنی جنھیں آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اعمال کے ثواب ملنے کی امید نہیں ہے۔ ﴿وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ ''اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں۔'' آپ جس دین کو لائے ہیں، اس کے بارے میں انھیں شک ہے ﴿فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿45﴾﴾ ''لہٰذا وہ اپنے شک میں ڈانواں ڈول ہو رہے ہیں۔'' یعنی حیران و پریشان ہیں، ایک قدم آگے بڑھاتے اور ایک قدم پیچھے ہٹا لیتے ہیں، کسی چیز میں بھی یہ ثابت قدم نہیں ہیں، لہٰذا یہ حیران و پریشان ہی نہیں بلکہ تباہ و برباد بھی ہو رہے ہیں، یہ کسی ایک طرف بھی نہیں ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے، اسے کوئی رستہ نہیں دکھا سکتا۔

تفسیر آیات: 47,46

منافقین کے حالات کی پردہ دری: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ﴾ ''اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے۔'' یعنی آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ کرتے ﴿لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً﴾ ''تو اس کے لیے سامان تیار کرتے۔'' یعنی جہاد کے لیے بھرپور تیاری کرتے ﴿وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿46﴾﴾ ''اور

لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند ہی نہ کیا تو ان کو سست کر دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں (معذور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو ان کا مومنوں کے ساتھ نکلنا ناپسند کیوں ہے، فرمایا: ﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ﴾ ''اگر وہ (منافق) تم میں (شامل ہوکر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو وہ تمھیں خرابی ہی میں بڑھاتے۔'' کیونکہ یہ بزدل ذلیل وخوار لوگ ہیں۔ ﴿ وَّلَاْاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ﴾ ''اور تم میں فساد ڈلوانے کی غرض سے دوڑے دوڑے پھرتے۔'' یعنی تمھاری چغلی کرنے اور تم میں بغض اور فتنہ پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھتے ﴿ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ﴾ ''اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔'' جو ان کی اطاعت کرتے ہیں، ان کی باتوں کو اچھا سمجھتے ہیں، ان کی ہمدردی اور خیر خواہی چاہتے ہیں اگرچہ وہ ان کی حقیقت حال سے آگاہ نہیں ہیں مگر وہ اپنے اس طرز عمل سے مومنوں میں بے پناہ شر و فساد پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے: جیسا کہ مجھے روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کرنے والے عبداللہ بن اُبیّ ابن سلول اور جد بن قیس جیسے لوگ تھے جو اپنی قوم میں ممتاز اور صاحب حیثیت شمار ہوتے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں ہلنے جلنے ہی نہ دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اگر یہ لوگ آپ کے ساتھ نکلے تو وہ آپ کے لشکر کو خراب کریں گے۔[1] جبکہ آپ کے لشکر میں کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو ان سے محبت رکھتے اور ان کی اطاعت بجالاتے تھے کیونکہ یہ اپنی قوم کے ممتاز اور صاحبِ حیثیت لوگ تھے، اس لیے فرمایا: ﴿ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ﴾ ''اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے کامل علم سے خبر دی ہے، فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' وہ جانتا ہے جو ہوا جو ہوگا اور جو نہیں ہوا اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا؟

اسی لیے فرمایا: ﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ﴾ ''اگر وہ (منافق) تم میں (شامل ہوکر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو وہ تمھیں خرابی ہی میں بڑھاتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اگر وہ نکلتے تو کس طرح نکلتے، حالانکہ وہ تو نکلے ہی نہیں تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ (الأنعام 28:6) ''اور اگر یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا، وہی پھر کرنے لگیں اور کچھ شک نہیں کہ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴾ (الأنفال 23:8) ''اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) جانتا تو ان کو ضرور سنواتا اور اگر (بغیر صلاحیت و ہدایت کے) سنوا بھی دیتا تو وہ پھر جاتے، اس حال میں کہ وہ اعراض کرنے والے ہوتے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۙ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴾ (النسآء 4:66-68) ''اور یقیناً اگر ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے

[1] تفسير الطبرى :10/186.

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ

(اے نبی!) یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے معاملات بگاڑنے کی کوشش کی تھی، یہاں تک کہ حق آ گیا

اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿48﴾

اور اللہ کا حکم غالب ٹھہرا، جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے ﴿48﴾

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ

اور ان میں سے کوئی آپ سے کہتا ہے کہ مجھے اجازت دے دیں اور فتنے میں نہ ڈالیں۔ سن لو! وہ فتنے میں تو پڑ چکے ہیں۔

لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿49﴾

اور بے شک جہنم یقیناً کافروں کو گھیرنے والا ہے ﴿49﴾

آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھر چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے ہی ایسا کرتے اور اگر یہ اس نصیحت پر کار بند ہوتے جوان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور تب ہم ضرور ان کو اپنے ہاں اجر عظیم بھی عطا فرماتے اور ہم ضرور انھیں سیدھے رستے پر چلاتے۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

تفسیر آیت: 48

منافقوں کے ظاہری طور پر اسلام لانے کا سبب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کو منافقوں کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ ﴾ ''(اے نبی!) یقیناً انھوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ (پھیلانا) چاہا تھا اور آپ کے لیے معاملات کو الٹ پلٹ کرتے رہے۔'' یعنی انھوں نے اپنے افکار و آراء کو ایک مدت تک آپ کے اور آپ کے رفقاء کے خلاف تدبیریں کرنے اور آپ کے دین کو نقصان پہنچانے کے منصوبے بنانے میں وقف کر رکھا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری کے ابتدائی دور میں تمام عربوں نے آپ پر ایک ہی کمان سے تیر اندازی کے منصوبے بنائے اور مدینہ کے یہودیوں اور مخالفوں نے آپ کے خلاف جنگ میں حصہ لیا لیکن جب بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے آپ کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور آپ کے کلمے کو سر بلند کر دیا تو عبداللہ بن اُبی اور اس کے ساتھی کہنے لگے کہ اس دین کو تو غلبہ حاصل ہو گیا، لہٰذا ظاہری طور پر وہ دینِ اسلام میں داخل ہو گئے لیکن پھر جب بھی اسلام اور مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوتی تو اس سے انھیں بہت تکلیف پہنچتی اور مسلمانوں کی یہ کامیابی و کامرانی انھیں ایک آنکھ نہ بھاتی، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿48﴾ ﴾ ''یہاں تک کہ حق آ پہنچا اور اللہ کا حکم غالب ہوا جبکہ وہ ناپسند ہی کرتے رہے۔''

تفسیر آیت: 49

یہ آیت جدّ بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ منافقوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ اے نبی! ﴿ ائْذَنْ لِّيْ ﴾ ''مجھے تو اجازت ہی دیجیے'' کہ میں بیٹھ رہوں اور جہاد میں شرکت نہ کروں ﴿ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ ﴾

’’اور مجھے آفت میں نہ ڈالیے‘‘ کہ آپ کے ساتھ نکل کر کہیں میں رومی لڑکیوں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ﴾ ’’خبردار! یہ آفت میں پڑ گئے ہیں۔‘‘ یعنی اپنی اس بات کی وجہ سے یہ فتنے میں پڑ گئے ہیں جیسا کہ محمد بن اسحاق نے امام زہری، یزید بن رومان، عبداللہ بن ابوبکر اور عاصم بن عمر بن قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن دنوں جہاد کی تیاری فرما رہے تھے تو آپ نے خاندان بنوسلمہ کے ایک شخص جد بن قیس سے کہا: [هَلْ لَّكَ يَا جَدُّ! الْعَامَ فِي جِلَادِ بَنِي الْأَصْفَرِ؟] ’’جدّ! کیا اس سال رومیوں سے جہاد کے لیے چلو گے؟‘‘ تو اس نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے تو اجازت ہی دیجیے اور فتنے میں نہ ڈالیے۔ اللہ کی قسم! میری قوم کو معلوم ہے کہ مجھ سے بڑھ کر عورتوں کا کوئی رسیا نہیں، مجھے ڈر ہے کہ میں نے جب رومیوں کی عورتوں کو دیکھا تو میں صبر نہ کر سکوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس سے رخِ انور پھیر لیا اور فرمایا: [أَذِنْتُ لَكَ] ’’میں نے تجھے اجازت دے دی ہے۔‘‘ اسی جد بن قیس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ﴾ ...... الآیۃ ’’اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو یہ کہتا ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجیے اور آفت میں نہ ڈالیے۔‘‘ یہ مکمل آیت، یعنی اگر یہ رومیوں کی عورتوں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہونے سے ڈرتا ہے۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تو خود غرضی کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ کر جیسے فتنے میں یہ مبتلا ہوا ہے یہ تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر سے اسی طرح مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ جد بن قیس کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] یہ جد بن قیس بنوسلمہ کے سرداروں میں سے تھا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: [مَنْ سَيِّدُكُمْ يَا بَنِي سَلِمَةَ؟] ’’بنوسلمہ! تمھارا سردار کون ہے؟‘‘ انھوں نے جواب دیا کہ سردار تو جد بن قیس ہے مگر وہ بخیل ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَأَيُّ دَاءٍ أَدْوٰى مِنَ الْبُخْلِ؟ بَلْ سَيِّدُكُمْ بِشْرُ بْنُ الْبَرَاءِ بْنِ مَعْرُوْرٍ] ’’بخل سے بڑھ کر اور کیا بیماری ہو سکتی ہے؟ لہٰذا تمھارا سردار بشر بن براء بن معرور ہے۔‘‘[3] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝۴۹ ﴾ ’’اور بے شک دوزخ (سب) کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔‘‘ یعنی یہ اس سے جان چھڑا کر اور بھاگ کر کہیں نہ جا سکیں گے۔

---

[1] تفسیر الطبری:192,191/10. [2] تفسیر الطبری:191/10. [3] المستدرک للحاکم، معرفۃ الصحابۃ، ذکر مناقب بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ:219/3، حدیث:4965 و المعجم الکبیر للطبرانی:81/19، حدیث:163، بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ نے بنوسلمہ کا سردار عمرو بن جموح کو بنایا تھا، دیکھیے مجمع الزوائد، المناقب، باب فی عمرو بن الجَمُوح رضی اللہ عنہ: 315,314/9، حدیث:15743 و الأدب المفرد، باب البخل:153/1، حدیث:296. حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ بشر کے قصے کو عمرو کی شہادت کے بعد پر محمول کیا جائے گا، دیکھیے فتح الباری:179,178/5 بعد الحدیث: 2550.

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ‌ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا

(اے نبی!) اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو انھیں بری لگتی ہے۔ اور اگر آپ پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تو اپنے معاملے

مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿50﴾ قُلْ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا‌ۚ

میں پہلے ہی احتیاط برتی تھی۔ اور وہ خوش خوش لوٹ جاتے ہیں ﴿50﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: ہمیں تو صرف وہی (مصیبت) پہنچے گی جو اللہ نے

هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿51﴾

ہمارے لیے لکھ دی، وہی ہمارا کارساز ہے۔ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے ﴿51﴾

قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ‌ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے بس ایک (فتح یا شہادت) کا انتظار کرتے ہو اور ہم تمھارے حق میں یہ انتظار کرتے

اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا‌ ۖ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿52﴾ قُلۡ اَنۡفِقُوۡا

ہیں کہ اللہ تمھیں اپنے پاس سے عذاب دے یا ہمارے ہاتھوں (عذاب دلوائے)، چنانچہ تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں ﴿52﴾

طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ‌ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿53﴾ وَمَا مَنَعَهُمۡ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، بے شک تم نافرمان لوگ ہو ﴿53﴾ اور ان کے خرچ

اَنۡ تُقۡبَلَ مِنۡهُمۡ نَفَقٰتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا

کیے ہوئے مال قبول کیے جانے میں صرف یہ (امر) مانع ہے کہ انھوں نے اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔ اور وہ نماز کے لیے

وَهُمۡ كُسَالٰى وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿54﴾

سست ہو کر ہی آتے ہیں اور وہ ناگواری ہی سے خرچ کرتے ہیں ﴿54﴾

تفسیر آیات: 51,50

مومنوں پر مصیبتیں ٹوٹیں تو کافر خوش ہوتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو ان کی دشمنی سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ آپ کو جب بھی کوئی فتح ونصرت حاصل ہو جس سے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو مسرت حاصل ہو تو وہ ان کو بری معلوم ہوتی ہے۔ ﴿وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ﴾ ''اور اگر آپ پر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی (درست) کر لیا تھا۔'' یعنی ہم نے پہلے ہی آپ کی اتباع سے احتراز کر لیا تھا ﴿وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿50﴾﴾ ''اور خوشیاں مناتے ہوئے لوٹ جاتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ ان کی اس شدید دشمنی کے جواب میں یہ فرما دیں: ﴿قُلْ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا‌ۚ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی، سوائے اس کے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دی ہو۔'' یعنی ہم تو اسی کے ارادے اور مشیت کے تحت ہیں۔ ﴿هُوَ مَوۡلٰٮنَا‌ۚ﴾ ''وہی ہمارا کارساز ہے۔'' ہمارا آقا و مولیٰ ہے ﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿51﴾﴾ ''اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔'' اور ہم اسی پر بھروسا رکھے ہوئے ہیں، وہ ہمیں کافی ہے اور وہ

فَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا

چنانچہ ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں، یقیناً اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیاوی زندگی ہی میں عذاب

وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿55﴾

دے اور ان کی جانیں حالت کفر ہی میں نکلیں ﴿55﴾

بہت ہی اچھا کارساز ہے۔

تفسیر آیات: 52-54

مارے گئے تو شہید زندہ رہے تو غازی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہہ دیجیے'' اے نبی! ان سے ﴿ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ ﴾ ''کیا تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو؟'' یعنی شہادت یا تم پر فتح و نصرت کے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے فرمایا ہے۔[1] ﴿ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ اَنۡ يُّصِيۡبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنۡ عِنۡدِهٖۤ اَوۡ بِاَيۡدِيۡنَا ۖ﴾ ''اور ہم تمھارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ (یا تو) اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے یا ہمارے ہاتھوں سے (عذاب دلوائے۔)'' یعنی تم قیدی بن جاؤ یا قتل ہو جاؤ۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوۡۤا اِنَّا مَعَكُمۡ مُّتَرَبِّصُوۡنَ ﴿52﴾ ﴾ ''چنانچہ تم انتظار کرو، یقیناً ہم بھی تمھارے ساتھ منتظر ہیں۔''

کافر کی کوئی نیکی قابل قبول نہیں: پھر فرمایا: ﴿ قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ ﴿53﴾ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ تم (مال) خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا بے شک تم نافرمان لوگ ہو۔'' پھر ان کے مال کو قبول نہ کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوۡلِهٖ ﴾ ''بے شک انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا۔'' اور اعمال کی قبولیت کے لیے ایمان ضروری ہے۔ ﴿ وَلَا يَاۡتُوۡنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمۡ كُسَالٰى ﴾ ''اور نماز کو آتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر۔'' یعنی نہ تو ان کا قصد و ارادہ ہی صحیح ہے اور نہ کسی عمل کے لیے یہ اپنے اندر جوش، ولولہ اور ہمت ہی پاتے ہیں۔ ﴿ وَلَا يُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا وَهُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴿54﴾ ﴾ ''اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔''

صادق و مصدوق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [لَا يَمَلُّ اللّٰهُ حَتّٰى تَمَلُّوا] ''اللہ تعالیٰ (ثواب دیتے) نہیں اکتاتا، تم ہی (عمل کرتے کرتے) اکتا جاؤ گے۔''[2] [إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لَّا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا] ''اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک مال ہی قبول فرماتا ہے۔''[3] یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں اور منافقوں کے کسی خرچ کو قبول فرماتا ہے نہ کسی عمل کو کیونکہ وہ تو اپنے پرہیزگار بندوں کے عمل ہی کو شرفِ قبولیت سے نوازتا ہے۔

[1] تفسیر الطبری: 195,194/10. [2] صحیح البخاری، الإیمان، باب أحب الدین إلی اللّٰہ أدومه، حدیث: 43 و صحیح مسلم، الصلاۃ، باب فضیلة العمل الدائم......، حدیث: (221)-785 عن عائشة رضی اللہ عنہا. [3] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب و تربیتها، حدیث: 1015 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ.

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿56﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ

اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں، بلکہ وہ تو ڈرپوک لوگ ہیں ﴿56﴾ اگر وہ کوئی

مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿57﴾

پناہ کی جگہ یا غاریں یا کوئی اور گھس بیٹھنے کی جگہ پائیں تو اس کی طرف رسیاں تڑا کر ضرور بھاگ نکلیں ﴿57﴾

تفسیر آیت: 55

کفار کے مال واولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ ﴾ ”چنانچہ آپ کو ان کے مال اور اولاد حیرت میں نہ ڈالیں۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ۬ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ (طٰہٰ 131:20) ”اور آپ اپنی دونوں آنکھیں اس کی طرف دراز نہ کریں جس کو دنیاوی زندگی کی آرائش سے ہم نے کئی طرح کے لوگوں کو بہرہ مند کیا ہے تاکہ ہم انھیں اس دنیا میں آزمائیں اور آپ کے پروردگار کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 56,55:23) ”کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ یہ شعور ہی نہیں رکھتے۔“ اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ”بلاشبہ اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیاوی زندگی میں ان کو عذاب دے۔“ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انھیں ان کی زکاۃ ادا کرنا پڑتی اور اللہ کے رستے میں خرچ کرنا پڑتا ہے۔[1] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿55﴾ ﴾ ”اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں۔“ یعنی اللہ چاہتا ہے کہ جب یہ مریں تو حالتِ کفر ہی میں مریں تاکہ انھیں جہنم میں شدید ترین عذاب ہو۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ. دنیا کی زندگی میں اگر یہ عیش وعشرت میں مصروف ہیں تو یہ مہلت اور استدراج کے قبیل سے ہے۔

تفسیر آیات: 57,56

منافقوں کی گھبراہٹ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو منافقوں کے ڈر، خوف اور گھبراہٹ سے مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ یعنی وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں، درحقیقت وہ تم میں سے نہیں ہیں ﴿ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿56﴾ ﴾ ”اور لیکن وہ تو ڈرپوک لوگ ہیں۔“ اور اپنے ڈر اور خوف ہی کی وجہ سے یہ قسمیں کھاتے ہیں ﴿ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً ﴾ ”اگر وہ کوئی بچاؤ کی جگہ پالیں۔“ یعنی قلعہ جس میں وہ قلعہ بند ہو جائیں یا چھپنے کی کوئی اور جگہ تلاش کر لیں ﴿ اَوْ مَغٰرٰتٍ ﴾ ”یا غار“ وہ جو پہاڑوں میں ہوتے ہیں ﴿ اَوْ مُدَّخَلًا ﴾ ”یا (زمین

[1] تفسیر الطبری: 197/10.

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا

اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ آپ پر صدقات (کی تقسیم) میں عیب جوئی کرتے ہیں، چنانچہ اگر انھیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو

مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿58﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ

راضی رہتے ہیں اور اگر اس میں سے نہ دیا جائے تو وہ جھٹ ناراض ہو جاتے ہیں ﴿58﴾ اور (کیا ہی اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی رہتے جو اللہ

وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى

نے اور اس کے رسول نے انھیں دیا۔ اور کہتے کہ اللہ ہمارے لیے کافی ہے، جلد ہی اللہ ہمیں اپنے فضل سے دے گا اور اس کا رسول بھی،

اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿59﴾ ع

بے شک ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں ﴿59﴾

ع 7 17 13

کے اندر) گھسنے کی جگہ'' جیسے زمین میں کوئی سرنگ وغیرہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے ان تینوں الفاظ کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[1] ﴿لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿57﴾﴾ ''تو اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے پھر جائیں۔'' یعنی بھاگ کر تم سے دور چلے جائیں کیونکہ اگر وہ تم سے تعلق رکھتے ہیں تو از راہ محبت نہیں بلکہ انتہائی ناپسندیدگی کے ساتھ اور چاہتے یہ ہیں کہ تم سے کوئی تعلق نہ رکھیں لیکن مجبوراً انھیں تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ہر وقت غم اور فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں کیونکہ یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کو آئے دن فتح و نصرت، غلبہ اور سربلندی حاصل ہوتی جا رہی ہے، لہٰذا جب بھی مسلمانوں کو فرحت و مسرت کی کوئی بات حاصل ہوتی ہے تو وہ انھیں بہت بری لگتی ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ مومنوں سے میل جول نہ رکھیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿57﴾﴾ ''اگر وہ کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غاریں یا (زمین کے اندر) گھسنے کی جگہ پالیں تو اسی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے پھر جائیں۔''

تفسیر آیات: 59,58

منافقوں کی صدقات پر طعنہ زنی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنْهُمْ﴾ ''اور ان میں سے'' یعنی منافقوں میں سے ﴿مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ﴾ ''بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں آپ پر عیب جوئی کرتے ہیں۔'' حالانکہ وہ خود ایسے ہیں کہ ان پر طعنہ زنی کی جائے اور انھیں برا قرار دیا جائے، پھر یہ طعنہ زنی دین کے لیے نہیں بلکہ یہ تو اپنی نفسانی خواہشات کے لیے کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ﴿فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿58﴾﴾ ''تو اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل جائے تو خوش رہیں اور اگر (اس قدر) نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔'' یعنی ان کی ناراضی محض اپنے مفادات کی وجہ سے ہے۔ امام قتادہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم کی وجہ سے آپ پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔

[1] تفسیر الطبری:199/10.

خارجیوں کے متعلق پیش گوئیاں: (قتادہ کہتے ہیں:) ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت آیا جب آپ سونا اور چاندی تقسیم فرما رہے تھے اس نے کہا: اے نبی! اللہ کی قسم! اللہ نے اگر آپ کو عدل کرنے کا حکم دیا ہے تو آپ نے عدل نہیں کیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [وَيۡلَكَ! فَمَنۡ ذَا يَعۡدِلُ عَلَيۡكَ بَعۡدِي؟] ''تجھ پر افسوس! میرے بعد تجھ سے کون عدل و انصاف کرے گا؟'' پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: [اِحۡذَرُوا هٰذَا وَأَشۡبَاهَهُ! فَإِنَّ فِي أُمَّتِي أَشۡبَاهَ هٰذَا، يَقۡرَءُونَ الۡقُرۡآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمۡ، فَإِذَا خَرَجُوا فَاقۡتُلُوهُمۡ، ثُمَّ إِذَا خَرَجُوا فَاقۡتُلُوهُمۡ، ثُمَّ إِذَا خَرَجُوا فَاقۡتُلُوهُمۡ] ''اس شخص سے اور اس جیسے لوگوں سے بچ کر رہو، میری امت میں کچھ اس طرح کے لوگ ہوں گے جو قرآن تو پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلق سے آگے نہیں جائے گا جب اس طرح کے لوگ نکل آئیں تو ان سے قتال کرو، پھر جب یہ نکلیں تو ان سے لڑائی کرو، پھر جب یہ نکلیں تو پھر ان سے جنگ کرو۔'' ہم سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ فرمایا کرتے تھے: [وَالَّذِي نَفۡسِي بِيَدِهِ! مَا أُعۡطِيكُمۡ شَيۡئًا وَّلَا أَمۡنَعُكُمُوهُ، إِنَّمَا أَنَا خَازِنٌ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھیں (اپنی طرف سے) کوئی چیز دیتا ہوں نہ کسی چیز کو تم سے روکتا ہوں کیونکہ میں تو خازن ہوں۔''[1]

امام قتادہ نے جو یہ ذکر کیا ہے، یہ اس روایت کے مشابہ ہے جسے امام بخاری و مسلم رحمہ اللہ نے ابوسعید سے ذُوالخُوَیصِرَہ کے قصے میں بیان کیا ہے، اس کا نام حُرقُوص تھا، اس نے حنین کی غنیمتوں کی تقسیم کے موقع پر نبی اکرم ﷺ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا کہ انصاف کریں آپ نے انصاف نہیں کیا، تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا:

[......قَدۡ خِبۡتُ وَخَسِرۡتُ إِنۡ لَّمۡ أَكُنۡ أَعۡدِلُ!...... نَظَرَ إِلَيۡهِ وَهُوَ مُقَفٍّ وَّقَالَ: (إِنَّهُ يَخۡرُجُ مِنۡ ضِئۡضِيءِ هٰذَا قَوۡمٌ) يَّحۡقِرُ أَحَدُكُمۡ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمۡ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمۡ، يَقۡرَؤُنَ الۡقُرۡآنَ لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمۡ يَمۡرُقُونَ مِنَ الدِّينِ كَمَا يَمۡرُقُ السَّهۡمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ، (فَأَيۡنَمَا لَقِيتُمُوهُمۡ فَاقۡتُلُوهُمۡ)، (شَرُّ قَتۡلَى تَحۡتَ أَدِيمِ السَّمَاءِ)] ''......اگر میں عدل و انصاف نہ کروں تو (پھر تو میں) خائب و خاسر ہو گیا!...... جب یہ شخص واپس جا رہا تھا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا کہ اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے کہ تم میں سے ہر ایک اپنی نماز کو ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر سمجھے گا، چنانچہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر وہ ان کے حلقوں سے آگے نہیں جائے گا لیکن وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے، جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے، پھر جب تم ان لوگوں کو ملو تو قتل کر دو۔ آسمان کی چھت تلے قتل ہونے والے یہ بدترین لوگ ہوں گے۔''[2]

---

[1] تفسیر الطبری: 201/10. [2] صحیح البخاری، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حدیث: 3610، پہلی قوسین والے الفاظ کسی اور سیاق سے صحیح البخاری، المغازی، باب بعث علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ......، حدیث: 4351، دوسری قوسین والے الفاظ خوارج کے سیاق میں ہی صحیح البخاری، استتابة المرتدين......، باب قتل الخوارج، حدیث: 6930 و صحیح مسلم، الزکاة، باب التحريض على قتل الخوارج، حدیث: 1066 عن علي رضی اللہ عنہ میں ہیں جبکہ تیسری قوسین والے الفاظ بھی مختلف سیاق کے ساتھ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة آل عمران، حدیث: 3000 و مسند أحمد: 256/5 عن أبي أمامة رضی اللہ عنہ میں ہیں۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي

زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور

الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

گردنیں چھڑانے اور قرضہ داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) میں، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿60﴾

اور اللہ خوب جاننے والا، حکمت والا ہے ﴿60﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا جو ان کے لیے بہتر ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿59﴾ ﴾ ''اور یقیناً اگر وہ اس پر خوش رہتے جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور اللہ اپنے فضل سے اور اس کے پیغمبر (اپنی مہربانی سے) عنقریب ہمیں (پھر) دے دیں گے اور بلاشبہ ہم تو اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا۔)'' اس آیت کریمہ میں بہت بڑے ادب اور بہت بڑی راز کی بات یہ سکھائی گئی ہے کہ خوش اس پر ہونا چاہیے جو اللہ اور اس کا رسول عطا فرما دیں جبکہ توکل صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ذات گرامی پر کرنا چاہیے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ ﴾ ''اور وہ کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔'' اسی طرح صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ وہ اپنے رسول کی اطاعت، آپ کے احکام کے بجالانے، جن باتوں سے آپ نے منع فرمایا ہے ان سے باز رہنے، آپ نے جو خبریں دی ہیں ان کی تصدیق کرنے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر آیت :60

مصارفِ زکاۃ کا بیان: اللہ تعالیٰ نے جب جاہل منافقوں کی نبیٔ اکرم ﷺ پر اعتراض اور تقسیم صدقات کے سلسلے میں طعنہ زنی کا ذکر کیا تو اس آیت کریمہ میں یہ بیان فرما دیا ہے کہ صدقات کی تقسیم کا طریقہ اسی نے بیان فرمایا اور اس کا نظام اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، تقسیم صدقات کا اس نے کسی کو اختیار نہیں دیا بلکہ اس نے مذکورہ بالا مصارف میں اسے خود ہی تقسیم فرما دیا ہے۔ اور یہاں فقراء کو سب سے پہلے ذکر کیا کیونکہ وہ دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن بصری اور ابن زید سے مروی ہے اور ابن جریر اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے کہ فقیر سے مراد وہ محتاج ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور مسکین وہ ہے جو لوگوں کے پاس آئے جائے، ان کا پیچھا کرے اور ان سے سوال کرے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو جسمانی طور پر معذور ہو اور مسکین وہ ہے جو صحیح سالم ہو۔[2] اب ہم زکاۃ کے ان آٹھ مصارف سے متعلق احادیث ذکر کریں گے۔

---

[1] تفسير الطبري:203,202/10. [2] تفسير الطبري:203/10.

فقراء: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ، وَّلَا لِذِي مِرَّةٍ سَوِيٍّ] ''صدقہ کسی دولت مند یا ایسے شخص کے لیے حلال نہیں ہے جو مال دار، طاقت ور اور صحیح سالم ہو۔'' اسے امام احمد، ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔[1]

مساکین: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَيْسَ الْمِسْكِينُ بِهٰذَا الطَّوَّافِ الَّذِي يَطُوفُ عَلَى النَّاسِ، فَتَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ، وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ قَالُوا فَمَا الْمِسْكِينُ؟ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! قَالَ: الَّذِي لَا يَجِدُ غِنًى يُّغْنِيهِ، وَلَا يُفْطَنُ لَهُ، فَيُتَصَدَّقَ عَلَيْهِ، وَلَا يَسْأَلُ النَّاسَ شَيْئًا] ''مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے پاس چکر لگائے اور اسے ایک یا دو لقمے یا ایک یا دو کھجوریں لوٹا دیں۔ تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر مسکین کون ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ جس کے پاس دولت نہ ہو جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو اور نہ اس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ یہ ضرورت مند ہے تاکہ اسے صدقہ دیا جا سکے اور نہ وہ خود ہی لوگوں سے کوئی سوال کرے۔''[2]

کارکنانِ صدقات: کارکنانِ صدقات سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں لوگوں سے زکاۃ وصول کرنے اور جمع کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو تو وہ اپنی اس محنت کی وجہ سے مستحق قرار پاتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے قرابت داروں کے لیے یہ کام جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے لیے صدقہ حرام ہے، جیسے صحیح مسلم میں عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث سے روایت ہے کہ وہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ انھیں زکاۃ کی وصولی کے لیے کارکن مقرر کر دیا جائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتِ إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ، وَإِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَّلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ] ''یہ صدقات ہیں، یہ تو لوگوں کے میل کچیل ہیں، محمد اور آل محمد (ﷺ) کے لیے حلال نہیں ہیں۔''[3]

تالیف قلب: تالیف قلبی کی کئی قسمیں ہیں: کچھ لوگوں کو تو اس لیے دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے حنین کی غنیمتوں میں سے صفوان بن امیہ کو دیا تھا، غزوۂ حنین کے وقت یہ مشرک تھے اور ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے۔ یہ خود بیان کرتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ رسول اللہ ﷺ تھے مگر آپ مجھے اس قدر کثرت کے ساتھ عطا فرماتے رہے حتی کہ آپ کی ذات گرامی سے مجھے شدید ترین محبت ہوئی اور آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ پسندیدہ ہو گئے۔ جیسا کہ امام احمد نے صفوان بن امیہ کی روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے مجھے مال دیا، حالانکہ آپ میرے نزدیک سب لوگوں سے زیادہ ناپسندیدہ تھے مگر آپ مجھے اس قدر کثرت سے عطا فرماتے

---

[1] مسند أحمد: 164/2 وسنن أبي داود، الزكاة، باب من يعطى من الصدقة وحد الغنى، حديث: 1634 وجامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء من لا تحل له الصدقة، حديث: 652. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا﴾ (البقرة 2:273)، حديث: 1479 وصحيح مسلم، الزكاة، باب المسكين لا يجد غنى...... ، حديث: 1039 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الزكاة، باب ترك استعمال آل النبي على الصدقة، حديث: (168)-1072.

رہے کہ آپ کی ذات گرامی سے مجھے شدید ترین محبت ہوگئی۔ [1] اسے امام مسلم اور امام ترمذی نے بھی بیان کیا ہے۔ [2] کچھ لوگوں کو آپ اس لیے عطا فرماتے تاکہ ان کا اسلام پختہ ہو جائے اور ان کا دل اسلام پر جم جائے جیسا کہ آپ نے حنین کے دن کئی طُلَقاء اور سرداروں کو سو سو اونٹ عطا فرما دیے تھے، آپ نے فرمایا: [إِنِّي لَأُعْطِي الرَّجُلَ، وَغَيْرُهُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْهُ، خَشْيَةَ أَنْ يُكَبَّ فِي النَّارِ عَلٰى وَجْهِهِ] ''بے شک میں ایک شخص کو دیتا ہوں جبکہ کوئی اور مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے مگر میں اسے اس لیے دیتا ہوں تاکہ اسے اوندھے منہ جہنم میں (نہ) گرا دیا جائے (اور یہ پکا سچا مسلمان بن کر جہنم کی آگ سے بچ جائے۔)'' [3]

صحیحین میں حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے تھوڑا سا خام سونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو وہ آپ نے چار آدمیوں اَقرَع بن حابس، عیینہ بن بدر، عَلقَمہ بن عُلاثہ اور زید الخیر میں تقسیم کر دیا اور فرمایا: [إِنَّمَا أَتَأَلَّفُهُمْ] ''میں نے انھیں تالیفِ قلب کے لیے دیا ہے۔'' [4] کچھ لوگوں کو اس لیے دیا جاتا ہے کہ ان جیسے لوگوں کے اسلام لانے کی امید ہوتی ہے، کچھ لوگوں کو اس لیے دیا جاتا تاکہ وہ اپنے میل جول اور تعلق والے لوگوں کو دے دیں یا اس لیے دیا جاتا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کریں اور انھیں دشمنوں کے نقصان سے بچائیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

گردنیں آزاد کرنا: امام حسن بصری، مُقاتِل بن حَیّان، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن جبیر، نَخَعی، زہری اور ابن زید رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ یہاں گردنوں سے مراد وہ غلام ہیں جنھوں نے اپنے مالکان سے یہ معاہدہ کر لیا ہو کہ وہ ایک مقررہ رقم قسطوں کی صورت میں ادا کر دیں گے اور جب وہ رقم پوری ہو جائے گی تو وہ انھیں آزاد کر دیں گے۔ [5] حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [6] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ زکاۃ سے گردن کو آزاد کر دیا جائے۔ [7] یعنی گردن عام ہے، لہٰذا یہاں یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ زکاۃ مکاتب غلام کو دی جائے یا اس سے کسی غلام کو خرید کر مستقل طور پر آزاد کر دیا جائے۔ گردن آزاد کرنے کے ثواب کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں کہ اللہ تعالیٰ غلام کے جسم کے ایک ایک عضو کے بدلے میں اسے آزاد کرنے والے کے عضو کو آزاد کر دے گا حتی کہ شرم گاہ کے بدلے میں شرم گاہ کو آزاد کر دے گا۔ [8] کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہی ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَمَا تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كُنۡتُمۡ

---

[1] مسند أحمد:465/6. [2] صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث:2313 و جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في إعطاء المؤلفة قلوبهم، حديث:666. [3] صحيح البخاري، الزكاة، باب قول الله عزوجل: ﴿لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ﴾ (البقرة2:273)، حديث:1478 و صحيح مسلم، الإيمان، باب تألف قلب من يخاف على إيمانه ......، حديث:(237)-150. [4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا ؕ﴾ (الأعراف7:65)......، حديث: 3344 مفصلاً. و صحيح مسلم، الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، حديث: 1064 مفصلاً. [5] تفسير الطبري:210/10 و تفسير روح المعاني:178/10 و تفسير ابن أبي حاتم:1824,1823/6. [6] تفسير الطبري:210/10. [7] تفسير الطبري:210/10 و الدر المنثور:451/3. [8] صحيح البخاري، كفارات الأيمان، باب قول الله تعالى: ﴿اَوۡ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ ؕ﴾ (المآئدة5:89)......، حديث:6715.

تَعْمَلُوْنَ ﴿ (الصّٰفّٰت 39:37) ''اور تم کو بدلہ ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔''

گردن آزاد کرنے کی فضیلت: ''مسند'' میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) مجھے ایک ایسا عمل بتایئے جو جنت میں داخل کر دے؟ فرمایا: [......أَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَوَ لَيْسَا (وَاحِدًا؟) قَالَ: لَا، إِنَّ عِتْقَ النَّسَمَةِ أَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا، وَفَكَّ الرَّقَبَةِ أَنْ تُعِينَ فِي (ثَمَنِهَا)] ''......جان کو آزاد کر دو اور گردن کو چھڑا دو، اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ دونوں ایک ہی چیز نہیں ہیں؟ فرمایا: نہیں، جان سے آزاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ تم اکیلے ہی اسے آزاد کرو اور گردن چھڑانے سے مراد یہ ہے کہ تم اس کی (گردن چھڑانے کی) قیمت میں مدد کر دو۔''[1]

قرض دار: قرض داروں کی کئی قسمیں ہیں: کچھ تو وہ ہیں جنھوں نے کوئی بوجھ اٹھا لیا یا کسی کے قرض کے ضامن بن گئے اور اس کی وجہ سے ان کا سارا مال جاتا رہا یا انھیں قرض کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی تاوان ادا کرنا پڑا یا کسی گناہ کے کام کی وجہ سے سارا مال صرف ہو گیا، پھر اس نے اس گناہ سے توبہ کر لی تو ایسے تمام لوگوں کو زکاۃ دی جائے گی۔ اس سلسلے میں دلیل قبیصہ بن مُخارِق ہلالی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ میں نے ایک مالی بوجھ کی ذمے داری قبول کی، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تا کہ اس سلسلے میں تعاون کی درخواست کروں، آپ نے فرمایا:

[أَقِمْ حَتّٰى تَأْتِيَنَا الصَّدَقَةُ فَنَأْمُرَ لَكَ بِهَا. قَالَ: ثُمَّ قَالَ: يَا قَبِيصَةُ! إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ: رَّجُلٌ تَحَمَّلَ حَمَالَةً فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَهَا ثُمَّ يُمْسِكُ، وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ۔ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ۔ وَّرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُولَ ثَلَاثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ: لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ، حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ۔ أَوْ قَالَ سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ۔ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ (يَاقَبِيصَةُ) سُحْتًا يَّأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا]

''کچھ دیر ٹھہر جاؤ، ہمارے پاس جب زکاۃ کا مال آئے گا تو ہم حکم دے دیں گے کہ اس میں سے تمھیں دے دیا جائے، پھر آپ نے فرمایا: قبیصہ! سوال کرنا ایسے تین آدمیوں میں سے کسی ایک کے لیے ہی حلال ہے: (1) وہ شخص جس نے مالی ذمہ داری کا کوئی بوجھ اٹھا لیا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ وہ اپنی اس ذمہ داری کو پورا کر دے، پھر سوال نہ کرے۔ (2) وہ شخص جو کسی ایسی آفت میں مبتلا ہو گیا ہو جس نے اس کے سارے مال کو تباہ کر دیا ہو تو اس کے لیے سوال کرنا حلال ہے حتی کہ اسے گزر بسر کے لیے مناسب مال مل جائے اور (3) وہ شخص جو فاقے میں مبتلا ہو جائے حتی کہ اس کی قوم کے تین عقل مند آدمی یہ گواہی دیں کہ فلاں شخص فاقے میں مبتلا ہو گیا ہے تو اس کے لیے بھی سوال کرنا حلال ہے حتی کہ اسے بھی گزر بسر کے لیے مناسب مال مل جائے، قبیصہ ان صورتوں کے سوا سوال کرنا حرام ہے، لہٰذا سوال کرنے والا مال حرام کھاتا ہے۔'' اسے امام مسلم

[1] مسند أحمد :299/4 مفصلاً جبکہ قوسین والے الفاظ المستدرك للحاكم :217/2، حديث :2861 میں ہیں۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ

اور ان (منافقوں) میں سے بعض وہ ہیں جو نبی کو تکلیف دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ (تو صرف) کان ہے۔(ہر ایک کی سن اور مان لیتا ہے) آپ کہہ

بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ

دیجیے: وہ تمھارے لیے خیر کا کان ہے، وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور مومنوں (کی باتوں) پر یقین رکھتا ہے، اور تم میں سے جو ایمان لائے ان کے

رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿61﴾

لیے رحمت ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿61﴾

نے بیان کیا ہے۔[1]

ابوسعید (سعد بن مالک رضی اللہ عنہما) سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں پھل خریدے مگر وہ پھل تباہ ہو گئے اور وہ شخص بہت مقروض ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [تَصَدَّقُوا عَلَيْهِ] ''اس پر صدقہ کرو'' لوگوں نے صدقہ کیا مگر وہ اس کے قرض کے برابر نہ تھا تو آپ نے اس سے قرض لینے والوں سے فرمایا: [خُذُوا مَا وَجَدْتُّمْ، وَلَيْسَ لَكُمْ إِلَّا ذٰلِكَ] ''تمھیں جو ملے وہ لے لو اور بس تمھارے لیے یہی ہے۔'' اس کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2]

اللہ کی راہ میں: اس سے مراد وہ مجاہد بھی ہیں جنھیں سرکاری خزانے سے کوئی تنخواہ وغیرہ نہ ملتی ہو۔

مسافر: ''ابن سبیل'' سے مراد وہ مسافر ہے جو کسی شہر سے گزر رہا ہو اور اس کے پاس زادِ راہ نہ ہو تو اسے بھی بقدر ضرورت مالِ زکاۃ دیا جا سکتا ہے، خواہ اپنے شہر میں اس کے پاس مال موجود ہو۔ اسی طرح وہ شخص جو اپنے شہر سے سفر کا آغاز کرنا چاہتا ہو اور اس کے پاس زادِ سفر نہ ہو تو اسے بھی سفر کے آنے جانے کے اخراجات کے مطابق دیا جا سکتا ہے، اس کی دلیل ایک تو یہی آیت کریمہ ہے اور دوسری وہ حدیث جسے امام ابوداود اور ابن ماجہ نے معمر از زید بن اسلم از عطاء بن یسار از حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تَحِلُّ الصَّدَقَةُ لِغَنِيٍّ إِلَّا لِخَمْسَةٍ: لِّعَامِلٍ عَلَيْهَا، أَوْ رَجُلٍ اشْتَرَاهَا بِمَالِهِ، أَوْ غَارِمٍ أَوْ غَازٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ مِسْكِينٍ تُصُدِّقَ عَلَيْهِ مِنْهَا فَأَهْدٰى مِنْهَا لِغَنِيٍّ] ''کسی دولت مند شخص کے لیے صدقہ حلال نہیں ہے۔ ہاں، البتہ پانچ قسم کے لوگوں کے لیے حلال ہے: (1) کارکنانِ صدقات کے لیے۔ (2) اس شخص کے لیے جو اپنے مال کے ساتھ صدقے کی کوئی چیز خرید لے۔ (3) مقروض کے لیے۔ (4) اللہ کے رستے میں جہاد کرنے والے کے لیے۔ (5) یا کسی مسکین پر کوئی صدقہ کیا گیا تو اس نے اس میں سے کسی دولت مند کو کوئی تحفہ دے دیا۔''[3]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ﴾ ''اللہ کی طرف سے فرض ہے۔'' یعنی یہ حکم اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے اور اس

---

[1] صحیح مسلم، الزكاة، باب من تحل له المسألة؟ حديث:1044 قوسین والا لفظ تفسیر ابن کثیر میں نہیں ہے۔ [2] صحیح مسلم، المساقاة، باب استحباب الوضع من الدين، حديث:1556. [3] سنن أبي داود، الزكاة، باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني، حديث:1635 وسنن ابن ماجه، الزكاة، باب من تحل له الصدقة؟ حديث:1841 ومسند أحمد: 56/3 واللفظ له.

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

(اے مسلمانو!) وہ (منافقین) تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، تاکہ تمھیں راضی رکھیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہیں کہ

مُؤْمِنِيْنَ ﴿62﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ

وہ انھیں راضی رکھیں اگر یہ لوگ مومن ہیں ﴿62﴾ کیا انھیں معلوم نہیں ہوا کہ بے شک جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو بلاشبہ اس کے

خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿63﴾

لیے جہنم کی آگ ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہے گا، یہ بہت بڑی رسوائی ہے ﴿63﴾

طرح تقسیم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿60﴾ ﴾ ''اور اللہ بڑا جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ امور و معاملات کے ظاہر و باطن اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو جانتا ہے اور وہ اپنے قول و فعل اور تشریع و حکم میں حکمت والا ہے، اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

تفسیر آیت : 61

نبی ﷺ کو ایذا دینا منافقوں کی نشانی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض منافق ایسے بھی ہیں جو آپ کے بارے میں باتیں کر کے آپ کو ایذا دیتے اور کہتے ہیں ﴿ هُوَ اُذُنٌ ؕ ﴾ ''کہ یہ (شخص نرا) کان ہے۔'' یعنی ہمارے بارے میں اگر کوئی بات کرے تو آپ اسے سچا مان لیتے ہیں اور جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی بات کریں اور قسم کھالیں تو آپ ہمیں بھی سچا سمجھ لیتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ سے بھی اس کی تفسیر میں اسی طرح مروی ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ (وہ) کان (ہے تو) تمھاری بھلائی کے لیے۔'' یعنی وہ کان تمھاری بھلائی کے لیے ہے اور جانتا ہے کہ تم میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون۔ ﴿ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''وہ اللہ کا اور مومنوں (کی بات) کا یقین رکھتا ہے۔'' یعنی وہ مومنوں کی تصدیق کرتا ہے، ﴿ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ ﴾ ''اور جو لوگ تم میں ایمان لائے، ان کے لیے رحمت ہے۔'' اور کافروں کے خلاف حجت ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿61﴾ ﴾ ''اور جو لوگ رسول اللہ کو تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

تفسیر آیات : 63,62

جھوٹی قسموں کے ساتھ لوگوں کو خوش کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ ﴾ الآية ''مومنو! یہ (منافقین) لوگ تمھارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمھیں خوش کر دیں......'' اس آیت کی شان نزول کے بارے میں امام قتادہ نے کہا ہے کہ منافقوں میں سے ایک شخص نے کہا کہ ہمارے لوگ بہترین ہیں اور یہ ہمارے سردار ہیں اور

[1] تفسیر الطبری: 216/10.

يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ‌ؕ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا‌ۚ

منافقین (اس بات سے) ڈرتے ہیں کہ ان (مسلمانوں) پر کوئی سورت نازل کردی جائے جو انھیں (ہر بات) بتا دے، جو ان (منافقوں) کے دلوں میں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿64﴾

کہہ دیجیے: تم مذاق کرتے رہو، بے شک اللہ وہ باتیں ظاہر کرنے والا ہے جس سے تم ڈرتے ہو﴿64﴾

اگر محمد (ﷺ) جو بات کہتے ہیں، وہ حق ہے تو وہ (مسلمان) گدھوں سے بھی برے ہیں۔ اس منافق کی یہ بات ایک مسلمان نے سن لی تو اس نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک محمد ﷺ جو کہتے ہیں وہ حق ہے اور بلا شبہ تو گدھے سے بھی بدتر ہے اور اس بات کو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پہنچا دیا تو آپ نے پیغام بھیج کر اسے بلایا اور اس سے پوچھا کہ تو نے یہ بات کیوں کہی ہے؟ تو اس نے لعنتیں بھیجنا اور قسمیں کھانا شروع کر دیں اور کہا کہ نہیں، میں نے یہ بات نہیں کہی، یہ صورت حال دیکھ کر اس مسلمان نے دعا کی: اے اللہ! سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا ثابت کر دے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی۔[1]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡٓا اَنَّهٗ مَنۡ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ ﴾ ''کیا ان لوگوں نے جانا نہیں کہ جو شخص اللہ کی مخالفت کرتا ہے اور اس کے رسول کی۔'' یعنی کیا ان کو معلوم نہیں ہوا اور انھوں نے جانا نہیں کہ بے شک جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا اور جنگ کرتا ہے، وہ ایک طرف ہوتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دوسری طرف۔ ﴿ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيۡهَا‌ ؕ ﴾ ''تو بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔'' یعنی نہایت ذلت و رسوائی کے ساتھ اسے جہنم میں عذاب ہوتا رہے گا، ﴿ ذٰلِكَ الۡخِزۡىُ الۡعَظِيۡمُ ﴿63﴾ ﴾ ''یہ بہت بڑی رسوائی ہے۔'' بہت بڑی ذلت اور بہت بڑی شقاوت (بدبختی) ہے۔

تفسیر آیت: 64

راز کے فاش ہونے کا ڈر: امام مجاہد بیان کرتے ہیں کہ منافق آپس میں بیٹھے بری باتیں کرتے تھے، پھر کہتے امید ہے کہ اللہ ہمارے اس راز کو فاش نہیں کرے گا۔[2] یہ آیت اس آیت کریمہ سے مشابہ ہے: ﴿ وَاِذَا جَآءُوۡكَ حَيَّوۡكَ بِمَا لَمۡ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوۡلُوۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ لَوۡلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوۡلُ‌ ؕ حَسۡبُهُمۡ جَهَنَّمُ‌ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا‌ ۚ فَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ ○ ﴾ (المجادلة 8:58) ''اور جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے اللہ نے آپ کو دعا نہیں دی، اس سے آپ کو دعا دیتے ہیں اور اپنے نفسوں میں کہتے ہیں کہ (اگر یہ واقعی پیغمبر ہیں تو) جو کچھ ہم کہتے ہیں، اللہ ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا۔ (اے پیغمبر!) ان کو دوزخ (ہی کی سزا) کافی ہے، یہ اسی میں داخل ہوں گے سو وہ بری جگہ ہے۔'' اور اس آیت میں فرمایا: ﴿ قُلِ اسۡتَهۡزِءُوۡا‌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿64﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ تم ہنسی کیے جاؤ بے شک جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اس کو ضرور نکال (ظاہر کر) دے گا۔'' اللہ اپنے رسول پر وہ نازل فرما دے گا جس سے تمھاری رسوائی ہوگی اور اپنے رسول کے سامنے اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر الطبری: 218/10. [2] تفسیر الطبری: 219/10.

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ

اور البتہ اگر آپ ان سے پوچھیں تو وہ ضرور کہیں گے کہ ہم تو صرف شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے تھے۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ اور اس کی

تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿65﴾ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ

آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے؟﴿65﴾ (اب) بہانے مت بناؤ، یقیناً تم نے اپنے ایمان کے بعد کفر کیا ہے، اگر ہم تم میں سے

مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿66﴾ ع

ع 8 7 14

ایک گروہ کو معاف بھی کر دیں تو دوسرے گروہ کو اس وجہ سے عذاب دیں گے کہ وہ مجرم تھے﴿66﴾

تمھارے معاملے کو واضح کر دے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ فِيۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَنۡ لَّنۡ يُّخۡرِجَ اللّٰهُ اَضۡغَانَهُمۡ ۝ ﴾ تا ﴿ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِيۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ...... ﴾ الآية (محمد 30,29:47) ''کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، یہ خیال کیے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ہرگز (ظاہر) نہیں (کرے) نکالے گا۔ اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے اور آپ ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور آپ انھیں (ان کے) انداز گفتگو ہی سے پہچان لیں گے......'' امام قتادہ بیان کرتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس سورت کا ایک نام فَاضِحَة بھی ہے، یعنی منافقوں کو ذلیل و رسوا کرنے والی سورت۔ [1]

تفسیر آیات: 66,65

منافقوں کے حیلے بہانے اور باطل عذر: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں ایک مجلس میں ایک شخص نے کہا کہ میں نے اپنے ان علماء جیسا کسی کو نہیں دیکھا کہ پیٹ کے لیے انھیں بہت رغبت ہے، زبانوں کے یہ جھوٹے ہیں اور دشمن کے مقابلے کے وقت یہ بہت بزدل ثابت ہوتے ہیں، یہ سن کر مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو منافق ہے، میں رسول اللہ ﷺ کو یہ بات ضرور بتاؤں گا، بہر حال رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پہنچ گئی اور اس بارے میں قرآن بھی نازل ہو گیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے اسے دیکھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا، پتھروں سے اس کے پاؤں زخمی ہو رہے تھے اور وہ کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: ﴿ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿65﴾ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ ﴾ ''کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی مذاق کرتے تھے؟ اب بہانے مت بناؤ، یقیناً تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔'' [2]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ منافقوں کی ایک جماعت تھی جس میں ودیعہ بن ثابت بھی تھا جس کا تعلق بنو عمرو بن عوف سے تھا اور بنو سلمہ کے حلیف خاندان اشجع کا ایک آدمی بھی جس کا نام مُخَشِّن بن حُمَيِّر تھا، ابن ہشام کہتے ہیں کہ اُسے مَخۡشِيّ

[1] تفسير الطبری:219/10. [2] تفسير الطبری:220/10.

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ

منافق مرد اور منافق عورتیں ان کے بعض بعض سے ہیں (سب ایک جیسے ہیں) وہ برے کام کا حکم دیتے ہیں اور نیک کام سے روکتے ہیں اور

عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ؕ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ

(خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھ روک کے رکھتے ہیں۔ انھوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس نے بھی انھیں بھلا دیا۔ بے شک منافقین ہی نافرمان ہیں (67)

الْفٰسِقُوْنَ (67) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر رکھا ہے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہ (دوزخ) انھیں

فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (68)

کافی ہے۔ اور اللہ نے ان پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے (68)

کہا جاتا تھا، یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارے کر رہے تھے جبکہ آپ تبوک کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، انھوں نے آپس میں باتیں کرتے ہوئے کہا: کیا تم رومیوں سے جنگ کو بھی اسی طرح سمجھتے ہو، جیسے عربوں کی آپس میں لڑائی ہوتی ہے؟ اللہ کی قسم! یوں معلوم ہوتا ہے، گویا کل تم زنجیروں میں جکڑے جاؤ گے، انھوں نے یہ بات مومنوں کو ڈرانے اور بزدل بنانے کے لیے کی تھی، مخشن بن حمیر نے کہا کہ تم نے جو یہ بات کہی ہے اس کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے مارے جانا اور ہمارا جنگ میں مغلوب ہو جانا مجھے اس سے زیادہ بہتر ہے کہ اس کی وجہ سے ہمارے بارے میں قرآن نازل ہو جس سے ہماری یہ بات فاش ہو جائے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے جیسا کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے فرمایا تھا: [أَدْرِكِ الْقَوْمَ فَإِنَّهُمْ قَدِ احْتَرَقُوا، فَسَلْهُمْ عَمَّا قَالُوا، فَإِنْ أَنْكَرُوا، فَقُلْ: بَلٰى! قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا] ''ان لوگوں کو پکڑ لو، یہ جل گئے ہیں، ان سے پوچھو کہ انھوں نے کیا کہا ہے اگر یہ اپنی بات کا انکار کر دیں تو تم کہو کہ نہیں، تم نے یہ یہ بات کہی ہے۔'' حضرت عمار ان کے پاس گئے اور اس سلسلے میں ان سے بات کی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر معذرت کرنا شروع کر دی۔ ودیعہ بن ثابت نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ اپنی سواری پر تشریف فرما تھے اور وہ اس کی مہار پکڑے ہوئے کہہ رہا تھا: اے اللہ کے رسول! ہم تو یوں ہی گپ شپ میں مشغول تھے اور کھیل تماشا کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما دی: ﴿وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ﴾ ''اور اگر آپ ان سے (اس بارے میں) دریافت کریں تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے۔'' مخشن بن حمیر نے کہا: اے اللہ کے رسول! مجھے میرا اور میرے باپ کا نام لے بیٹھا۔ اس آیت میں جسے معاف کر دیا گیا وہ مخشن بن حمیر تھا، بعد میں اسے عبدالرحمٰن کے نام سے موسوم کیا گیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اسے اس طرح شہادت کی موت نصیب ہو کہ اس کی جگہ کے بارے میں بھی معلوم نہ ہو، اس کی یہ دعا قبول ہوئی اور یہ جنگ یمامہ کے دن شہید ہو گیا مگر اس کا کوئی نشان نہ ملا۔[1]

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق، غزوة تبوك......:603/2 و تفسير ابن أبي حاتم:1831/6 مختصرًا.

كَالَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ كَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡكُمۡ قُوَّةً وَّاَكۡثَرَ اَمۡوَالًا وَّاَوۡلَادًا ؕ فَاسۡتَمۡتَعُوۡا

(منافقو! تم) ان لوگوں کی طرح (ہو) جو تم سے پہلے تھے، وہ قوت میں تم سے کہیں زبردست اور مال و اولاد میں کہیں زیادہ تھے، چنانچہ وہ

بِخَلَاقِهِمۡ فَاسۡتَمۡتَعۡتُمۡ بِخَلَاقِكُمۡ كَمَا اسۡتَمۡتَعَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ بِخَلَاقِهِمۡ

(دنیا میں) اپنا حصہ برت چکے، پس تم نے (بھی) اپنا حصہ برت لیا جس طرح ان لوگوں نے اپنا حصہ برت لیا جو تم سے پہلے تھے۔ اور

وَخُضۡتُمۡ كَالَّذِىۡ خَاضُوۡا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ فِى الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ

تم (بھی) فضول باتوں میں الجھے رہے جس طرح وہ فضول باتوں میں الجھے رہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے

هُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ ﴿69﴾

اور یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں﴿69﴾

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ ؕ﴾ ''بہانے مت بناؤ یقیناً تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔'' اس بات کی وجہ سے جو تم نے مذاق اڑاتے ہوئے کہی، تم کافر ہو گئے ہو۔ ﴿اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآئِفَةً﴾ ''اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف بھی کر دیں تو ایک جماعت کو سزا دیں گے۔'' یعنی تم سب کو معاف نہیں کیا جائے گا بلکہ تم میں سے کچھ لوگوں کو سزا بھی ضرور دی جائے گی، ﴿بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿66﴾﴾ ''کیونکہ وہ مجرم تھے۔'' یعنی اس غلط اور فسق و فجور پر مبنی بات کے باعث وہ گناہ گار اور مجرم قرار پا گئے ہیں۔

تفسیر آیات: 68,67

منافقوں کی کچھ دیگر خصلتیں: مومنوں کی صفات تو یہ ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں مگر منافقوں کی عادات اس کے خلاف ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿يَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمُنۡكَرِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمَعۡرُوۡفِ وَيَقۡبِضُوۡنَ اَيۡدِيَهُمۡ ؕ﴾ ''برے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بند کیے رہتے ہیں۔'' یعنی اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے، ﴿نَسُوا اللّٰهَ﴾ ''انھوں نے اللہ کو بھلا دیا۔'' یعنی اللہ کی یاد کو بھلا دیا ﴿فَنَسِيَهُمۡ ؕ﴾ ''تو اللہ نے ان کو بھلا دیا۔'' یعنی ان سے اس طرح کا معاملہ کیا، گویا انھیں بھلا دیا ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقِيۡلَ الۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮكُمۡ كَمَا نَسِيۡتُمۡ لِقَآءَ يَوۡمِكُمۡ هٰذَا﴾ (الجاثیة 45:34) ''اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا، اسی طرح آج ہم تمھیں بھلا دیں گے۔'' اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿67﴾﴾ ''بے شک منافق نافرمان ہیں۔'' اور حق کے رستے سے خارج اور گمراہی کے رستے میں داخل ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ﴾ ''اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتش جہنم کا وعدہ کیا ہے۔'' ان کے ان کرتوتوں کی وجہ سے جن کا ابھی ابھی ذکر کیا گیا ہے۔ ﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ﴾ ''جس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔'' یعنی یہ بھی اور کافر بھی ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور جلتے رہیں گے، ﴿هِىَ حَسۡبُهُمۡ ۚ﴾ ''وہی ان کے لائق ہے۔'' اور انھیں عذاب دینے کے لیے کافی ہے، ﴿وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ﴾ ''اور اللہ نے ان پر

لعنت کر دی ہے۔'' انھیں اپنی بارگاہ سے دھتکار کر دور کر دیا ہے، ﴿ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ ﴾ ''اوران کے لیے ہمیشہ کا عذاب (تیار) ہے۔''

تفسیر آیت: 69

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے لیے بھی دنیا وآخرت میں اسی طرح عذاب ہے جس طرح ان سے پہلے لوگوں کے لیے تھا۔ اور فرمانِ الٰہی: ﴿ فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ ﴾ ''تو وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہو چکے۔'' میں ﴿ بِخَلَاقِهِمْ ﴾ کے معنی امام حسن بصری نے دین کے بیان کیے ہیں۔[1] اور ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا ﴾ ''اور جس طرح وہ (کذب وافتراء میں) مشغول رہے اسی طرح تم بھی مشغول رہے۔'' کذب اور باطل میں ﴿ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے۔'' اور ان کا انھیں کوئی ثواب نہیں ملے گا کیونکہ یہ فاسد ہیں ﴿ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ ﴾ ''دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' کیونکہ انھیں ان کے اعمال کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

یہود و نصاریٰ کی روش اور پیغمبر اسلام ﷺ کی امت: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ: ﴿ كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔'' پڑھ کر فرمایا: آج کی رات کل کی رات سے کس قدر مشابہت رکھتی ہے۔ ہمیں بنی اسرائیل سے تشبیہ دی گئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَتَّبِعُنَّهُمْ حَتّٰى لَوْ دَخَلَ الرَّجُلُ مِنْهُمْ جُحْرَ ضَبٍّ لَّدَخَلْتُمُوهُ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ان (بنی اسرائیل) کی ضرور اتباع کرو گے حتی کہ اگر ان میں سے کوئی شخص سانڈے کے بل میں داخل ہوا تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے۔''[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ، وَّذِرَاعًا بِذِرَاعٍ، وَّبَاعًا بِبَاعٍ، حَتّٰى لَوْ دَخَلُوا جُحْرَ ضَبٍّ لَّدَخَلْتُمُوهُ. قَالُوا: وَمَنْ هُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَهْلُ الْكِتَابِ؟ قَالَ: فَمَنْ؟] ''اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ضرور اپنے سے پہلے لوگوں کی عادات کی اس طرح پیروی کرو گے جس طرح بالشت، بالشت کے، ہاتھ، ہاتھ کے اور گز، گز کے برابر ہوتا ہے حتی کہ اگر وہ سانڈے کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ضرور اس میں داخل ہو گے، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ کا اشارہ اہل کتاب کی طرف ہے؟ فرمایا: تو (اور) کون؟''[3] صحیح (بخاری) میں اس حدیث کا شاہد بھی موجود ہے۔[4]

---

[1] تفسير الطبري:225/10. [2] تفسير الطبري:225/10. [3] تفسير الطبري:225/10. [4] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، حديث:3456 وصحيح مسلم، العلم، باب اتباع سنن اليهود والنصارى، حديث:2669.

اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ ۬ۙ وَ قَوۡمِ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ اَصۡحٰبِ

کیا ان کے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم اور مدین والے اور الٹی

مَدۡیَنَ وَ الۡمُؤۡتَفِکٰتِ ؕ اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ۚ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا

ہوئی بستیوں والوں کی۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے، پھر اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہ خود ہی اپنی

اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿70﴾

جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿70﴾

تفسیر آیت:70

منافقوں کو نصیحت کہ وہ پہلے لوگوں سے عبرت حاصل کریں: اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں اور رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ﴾ ''کیا ان کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے؟'' یعنی کیا تمھیں ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنھوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی؟ مثلاً: ﴿ قَوۡمِ نُوۡحٍ ﴾ قوم نوح کہ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسا زبردست طوفان آیا جس کی وجہ سے تمام اہل زمین غرق ہو گئے اور صرف وہ لوگ باقی بچے جو اللہ کے بندے اور رسول حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، ﴿ وَّ عَادٍ ﴾ اور قوم عاد کہ جب اس نے حضرت ہود علیہ السلام کی تکذیب کی تو وہ نامبارک اور انتہائی تند و تیز ہوا کے ساتھ ہلاک کر دی گئی، ﴿ وَّ ثَمُوۡدَ ﴾ اور قوم ثمود کہ جب اس نے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں تو زبردست چیخ اور چنگھاڑ سے ان کے دل پھٹ گئے، ﴿ وَ قَوۡمِ اِبۡرٰہِیۡمَ ﴾ اور قوم ابراہیم کہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے خلیل کی مدد فرمائی اور انھیں زبردست معجزات سے سرفراز فرمایا اور اس دور کے بادشاہ نُمرود بن کنعان بن کُوش کنعانی ملعون کو ہلاک کر دیا، ﴿ وَ اَصۡحٰبِ مَدۡیَنَ ﴾ اور اصحابِ مدین، یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کہ اسے زلزلے اور سائبان کے دن کے عذاب سے تباہ و برباد کر دیا گیا ﴿ وَ الۡمُؤۡتَفِکٰتِ ؕ ﴾ ''اور الٹی ہوئی بستیوں والوں کو۔'' قوم لوط کو تباہ و برباد کر دیا گیا جو کہ مدائن میں رہتے تھے، اور دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَ الۡمُؤۡتَفِکَۃَ اَہۡوٰی ﴿ۙ﴾ ﴾ (النجم 53:53) ''اور اسی نے الٹی ہوئی بستیوں کو دے ٹپکا۔'' اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اس نے الٹی ہوئی امت کو دے ٹپکا، نیز یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ اس نے ان کی مرکزی بستی، یعنی سدوم کو تباہ و برباد کر دیا۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی لوط علیہ السلام کی تکذیب کرنے اور ایسی فحاشی کی وجہ سے جس کا ان سے پہلے دنیا میں کسی نے ارتکاب نہیں کیا تھا، ہلاک کر دیا تھا۔

﴿ اَتَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ ۚ ﴾ ''ان کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے۔'' نشانیوں سے مراد قطعی دلائل و براہین ہیں۔ ﴿ فَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظۡلِمَہُمۡ ﴾ ''پس اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔'' انھیں ہلاک کر کے اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو بھیج کر اور تمام موانع کو دور کر کے ان پر حجت قائم کر دی تھی ﴿ وَ لٰکِنۡ کَانُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ ﴿70﴾ ﴾ ''اور لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔'' یعنی انھوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور حق کی مخالفت کی جس

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے

الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ

ہیں اور زکاۃ دیتے ہیں اور اللہ اوراس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا۔ بے شک

سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿71﴾

اللہ زبردست، خوب حکمت والا ہے﴿71﴾

کی پاداش میں ان پر عذاب بھیج کرانھیں ہلاک کر دیا گیا۔

تفسیر آیت:71

مومنوں کی صفاتِ محمودہ: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی مذموم صفات بیان کرنے کے بعد مومنوں کی صفات محمودہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ ﴾ ''اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' ایک دوسرے کی مدد کرتے اور ایک دوسرے کے دست و بازو بنتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا] ''مومن، مومن کے لیے ایک عمارت کے مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو مضبوط کرتا ہے۔'' آپ نے اپنے ہاتھ کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کر کے یہ بات سمجھائی۔ [1] اور صحیح حدیث ہی میں ہے: [مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ...... (كَمَثَلِ) الْجَسَدِ (الْوَاحِدِ)، إِذَا اشْتَكٰى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعٰى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى] ''آپس کی محبت اور رحم دلی...... کے اعتبار سے مسلمانوں کی مثال ایک جسم کے مانند ہے کہ اگر کسی ایک عضو کو تکلیف ہو تو بے خوابی اور بخار کے ساتھ سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔'' [2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ''اچھے کام کرنے کو کہتے اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ ...... ﴾ الآية (آل عمرٰن 3:104) ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے......''

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور نماز پڑھتے اور زکاۃ دیتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ

---

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب نصر المظلوم، حديث:2446 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تراحم المؤمنين ......، حديث:2585 عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه. [2] صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، حديث:6011 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تراحم المؤمنين......، حديث:2586 عن النعمان بن بشير رضي الله عنه، البتہ پہلی قوسین والا لفظ بخاری کے مذکورہ حوالے میں ہے جبکہ دوسری قوسین والا لفظ آداب الصحبة لأبي عبدالرحمن السُّلَمي: 39/1 (c-d) میں ہے اور مسند أحمد:276/4 میں كَرَجُلٍ وَّاحِدٍ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، وہ ہمیشہ ان

فِيۡهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِىۡ جَنّٰتِ عَدۡنٍ ؕ وَرِضۡوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكۡبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ

میں رہیں گے اور سدا بہار باغوں میں پاکیزہ محلات کا (وعدہ ہے) اور اللہ کی رضامندی سب سے بڑھ کر (نعمت) ہوگی،

الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿72﴾

یہی عظیم کامیابی ہے ﴿72﴾

ع 9/6 15

کی اطاعت کرتے اور اس کی مخلوق سے حسن سلوک کا معاملہ کرتے ہیں، ﴿ وَيُطِيۡعُوۡنَ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ ﴾ ''اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت کرتے ہیں۔'' جن باتوں کا اللہ نے حکم دیا ان کی اطاعت بجالاتے اور جن سے منع فرمادیا ہے، انھیں ترک کردیتے ہیں۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ سَيَرۡحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا۔'' یعنی جن میں یہ صفات ہوں گی، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق ہوں گے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ﴾ ''بے شک اللہ نہایت غالب ہے۔'' جو اس کی اطاعت کرے اسے عزت عطا فرمادیتا ہے کیونکہ عزت اللہ کی ہے اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی، ﴿ حَكِيۡمٌ ﴿71﴾ ﴾ ''بڑی حکمت والا ہے۔'' مومنوں کو یہ صفات عطا فرمانے اور منافقوں کو مذکورہ بالا صفات عطا کرنے میں وہ حکمت والا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال ہی حکمت پر مبنی ہیں۔

تفسیر آیت :72

مومنوں کو دائمی نعمتوں کی بشارت: یہاں اللہ تعالیٰ نے ان بھلائیوں اور ابدی نعمتوں کے بارے میں خبر دی ہے جو اس نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے تیار فرمائی ہیں: ﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً ﴾ ''اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (وہ) ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے۔)'' جن کی عمارتیں بہت حسین و جمیل ہوں گی اور جن میں زندگی بہت خوش گوار ہوگی جیسا کہ صحیحین میں ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [جَنَّتَانِ مِنۡ فِضَّةٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَجَنَّتَانِ مِنۡ ذَهَبٍ آنِيَتُهُمَا وَمَا فِيهِمَا، وَمَا بَيۡنَ الۡقَوۡمِ وَبَيۡنَ أَنۡ يَّنۡظُرُوا إِلٰى رَبِّهِمۡ إِلَّا رِدَاءُ الۡكِبۡرِيَاءِ عَلٰى وَجۡهِهٖ فِي جَنَّةِ عَدۡنٍ] ''دو بہشتیں چاندی کی ہوں گی کہ ان کے برتن اور دیگر سارا ساز و سامان بھی چاندی کا بنا ہوگا اور دو بہشتیں سونے کی ہوں گی کہ ان کے برتن اور دیگر سارا ساز و سامان بھی سونے کا بنا ہوگا۔ جنت عدن میں ان کے اور رب تعالیٰ کے دیدار کے مابین صرف کبریائی کی چادر ہوگی جو اللہ رب ذوالجلال کے چہرۂ اقدس پر ہوگی۔''[1]

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿ وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ ﴾ (القیٰمۃ 75:22،23)، حدیث:7444 و صحیح مسلم، الإیمان، باب إثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربہم سبحانہ و تعالٰی، حدیث:180.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [إِنَّ لِلْمُؤْمِنِ فِي الْجَنَّةِ لَخَيْمَةً مِّنْ لُّؤْلُؤَةٍ وَّاحِدَةٍ مُّجَوَّفَةٍ، طُولُهَا سِتُّونَ مِيلًا (فِي السَّمَآءِ)، لِلْمُؤْمِنِ فِيهَا أَهْلُونَ يَطُوفُ عَلَيْهِمُ الْمُؤْمِنُ، فَلَا يَرٰى بَعْضُهُمْ بَعْضًا] ''بے شک مومن کے لیے جنت میں ایک خیمہ ہوگا جو ایک جوف دار موتی سے بنا ہوگا، اس کا طول آسمان میں ساٹھ میل ہوگا، اسی خیمے میں مومن کے اہل وعیال ہوں گے، وہ ان کے پاس جائے گا لیکن وہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکیں گے۔'' اسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[1]

اور صحیحین ہی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَصَامَ رَمَضَانَ، كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يُّدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، هَاجَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ جَلَسَ فِي أَرْضِهِ الَّتِي وُلِدَ فِيهَا. قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَفَلَا نُنَبِّئُ النَّاسَ بِذٰلِكَ؟ قَالَ: إِنَّ فِي الْجَنَّةِ مِائَةَ دَرَجَةٍ أَعَدَّهَا اللّٰهُ لِلْمُجَاهِدِينَ فِي سَبِيلِهٖ، كُلُّ دَرَجَتَيْنِ مَا بَيْنَهُمَا كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ فَسَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ، فَإِنَّهٗ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ وَفَوْقَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ]

''جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لائے، نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے، خواہ وہ اللہ کے رستے میں ہجرت کرے یا اپنے اس وطن میں بیٹھ رہے جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! لوگوں کو ہم یہ بات بتا دیں؟ فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار فرمایا ہے، ان میں سے ہر دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان ہے جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ سب سے اعلیٰ اور افضل جنت ہے، اسی کے اوپر رحمان کا عرش ہے، اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔''[2]

وسیلہ کیا ہے؟ امام احمد نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَيَّ فَسَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ] ''جب تم مجھ پر درود بھیجو تو اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلے کا سوال کرو۔'' عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا: [أَعْلٰى دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ لَا يَنَالُهَا إِلَّا رَجُلٌ وَّاحِدٌ، وَّأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ] ''جنت کا سب سے بلند و بالا درجہ جو صرف ایک آدمی کو ملے گا اور امید ہے کہ وہ میں ہوں گا۔''[3]

---

① صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ما جاء فی صفة الجنة وأنها مخلوقة، حدیث:3243 و4879 وصحیح مسلم، الجنة و صفة نعیمها......، باب فی صفة خیام الجنة......، حدیث:2838 واللفظ له. لیکن قوسین والا جملہ بخاری کے مذکورہ حوالے اور مسلم، حدیث:(25)-2838 عن أبی موسی رضی اللہ عنہ میں ہے۔ ② صحیح البخاری، التوحید، باب: ﴿ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ ﴾ (ھود 11:7)......، حدیث:7423 صحیح مسلم میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ ③ مسند أحمد:265/2. یہ حدیث اس سند کے ساتھ ضعیف ہے، البتہ اس کا شاہد صحیح مسلم، الصلاة، باب استحباب القول......، حدیث:384 عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہما میں ہے۔

مسند امام احمد میں سعد ابومجاہد طائی نے ابوالمُدِلّہ سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں جنت کے بارے میں بتائیں کہ اسے کس طرح بنایا گیا ہے۔ فرمایا: [لَبِنَةُ ذَهَبٍ وَّلَبِنَةُ فِضَّةٍ، وَّمِلَاطُهَا الْمِسْكُ الْأَذْفَرُ وَحَصْبَاؤُهَا اللُّؤْلُؤُ وَالْيَاقُوتُ، وَتُرَابُهَا الزَّعْفَرَانُ. مَنْ يَّدْخُلُهَا يَنْعَمُ، وَلَا يَبْؤُسُ، وَيَخْلُدُ لَا يَمُوتُ، لَا تَبْلٰى ثِيَابُهُ وَلَا يَفْنٰى شَبَابُهُ] ''اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک اینٹ چاندی کی ہے، اس کا گارا انتہائی خوشبودار کستوری، اس کے کنکر موتی اور یاقوت ہیں اور اس کی مٹی زعفران ہے جو اس میں داخل ہوگا وہ شاداں و فرحاں ہوگا اور کبھی پریشان نہ ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اسے کبھی موت نہ آئے گی، نہ اس کا لباس کبھی بوسیدہ ہوگا اور نہ اس کا شباب کبھی ختم ہوگا۔''[1]

جنتیوں کے لیے سب سے بڑی نعمت: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ ''اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر نعمت ہے۔'' یعنی اہل جنت جن نعمتوں سے شادکام ہوں گے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ان سب سے بڑی، جلیل القدر اور عظیم الشان نعمت ہوگی جیسا کہ امام مالک رحمہ اللہ نے زید بن اسلم از عطاء بن یسار کی سند کے ساتھ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! فَيَقُولُونَ: لَبَّيْكَ رَبَّنَا وَسَعْدَيْكَ، وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ. فَيَقُولُ: هَلْ رَضِيتُمْ؟ فَيَقُولُونَ: وَمَا لَنَا لَا نَرْضٰى؟ يَارَبِّ! وَقَدْ أَعْطَيْتَنَا مَا لَمْ تُعْطِ أَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ، فَيَقُولُ: أَلَا أُعْطِيكُمْ أَفْضَلَ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُونَ: يَا رَبِّ! وَأَيُّ شَيْءٍ أَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ؟ فَيَقُولُ: أُحِلُّ عَلَيْكُمْ رِضْوَانِي فَلَا أَسْخَطُ عَلَيْكُمْ بَعْدَهُ أَبَدًا]

''بے شک اللہ عزوجل اہل جنت سے فرمائے گا: اے اہل جنت! وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم حاضر ہیں، اور تیری فرمانبرداری کے لیے تیار ہیں اور ہر قسم کی خیر و خوبی تیرے ہی ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تم خوش ہو؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ہم کیوں خوش نہ ہوں کہ تو نے ہمیں ان نعمتوں سے سرفراز فرما دیا ہے جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی عطا نہیں فرمائی ہوں گی، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا میں تمھیں ان سے بھی افضل ایک اور نعمت عطا نہ فرما دوں؟ وہ عرض کریں گے: اے ہمارے رب! ان سے افضل نعمت کون سی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں تمھارے لیے اپنی رضامندی کو حلال قرار دیتا ہوں اور اس کے بعد تم سے کبھی بھی ناراض نہیں ہوں گا۔'' امام بخاری و مسلم نے اس حدیث کو بروایت امام مالک ہی بیان کیا ہے۔[1]

[1] مسند أحمد: 305/2 اور مسند أحمد کے کئی نسخوں میں وَلَا يَمُوتُ ہے۔ [2] صحيح البخاري، التوحيد، باب كلام الرب مع أهل الجنة، حديث: 7518 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب إحلال الرضوان على أهل الجنة ......، حديث: 2829.

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ

اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا (اصل) ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ لوٹ کر جانے کی بدترین

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿73﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ

جگہ ہے ﴿73﴾ وہ (منافقین) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (کوئی بات) نہیں کہی، حالانکہ انھوں نے ضرور کلمۂ کفر کہا تھا

اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ

اور وہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے۔ اور انھوں نے وہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا جو وہ نہ کر سکے۔ اور انھوں نے غصہ نہیں نکالا،

فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا

مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے انھیں غنی کر دیا، پھر اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لیے بہتر ہو گا اور

اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿74﴾

اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انھیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور ان کا زمین میں کوئی حمایتی اور کوئی مددگار نہ ہو گا﴿74﴾

تفسیر آیات: 74,73

کفار و منافقین سے جہاد اور سختی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ اس نے مومنوں کے لیے شفقت کے ساتھ پہلو کو جھکانے کا حکم دیا ہے اور فرمایا کہ آخرت میں کافروں اور منافقوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ ''کافروں اور منافقوں سے لڑو'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان سے اپنے ہاتھ سے لڑو اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے لڑو اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے بُرا جانو اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو چہرے کے تاثرات سے سختی کا مظاہرہ کرو۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ تلوار سے اور منافقوں کے ساتھ زبان سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور ان کے ساتھ نرمی کے ساتھ برتاؤ کو ختم کر دیا ہے۔[2] ضحاک فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کفار کے ساتھ تلوار سے جہاد کرو اور منافقوں پر کلام کے ساتھ سختی کرو کہ ان کے خلاف یہی جہاد ہے۔[3] مُقاتل اور ربیع سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[4] حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے جہاد یہ ہے کہ ان پر حدود کو قائم کیا جائے۔[5] ان تمام اقوال میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ حسب حالات کفار و منافقین کے خلاف جہاد کے لیے کبھی ایک انداز اختیار کیا جاتا ہے اور کبھی دوسرا۔ و اللّٰہ أَعْلَمُ.

سببِ نزول: اموی نے مغازی میں لکھا ہے کہ ہم کو محمد بن اسحاق نے، انھوں نے زہری سے، انھوں نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کعب بن مالک سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے اپنے دادا سے روایت کیا ہے کہ منافقوں میں سے جو لوگ پیچھے بیٹھ رہے اور جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا تھا، ان میں سے ایک شخص جُلاس بن سُوید بن صامت بھی تھا جو عمیر بن سعد

---

[1] تفسیر الطبری :233/10. [2] تفسیر الطبری :234/10. [3] تفسیر الطبری :234/10. [4] تفسیر ابن أبی حاتم : 1842/6. [5] تفسیر ابن أبی حاتم :1841/6.

کی والدہ کا شوہر تھا اور عمیر اس وقت اس کی گود میں تھا۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں منافقوں کا ذکر کیا گیا تو جُلاس کہنے لگا کہ اگر یہ شخص اپنی باتوں میں سچا ہے تو پھر ہم گدھوں سے بھی برے ہیں۔ عمیر بن سعد نے اس کی اس بات کو سن لیا تو کہا: اے جُلاس! اللہ کی قسم! مجھے تم سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو، بے حد عزیز ہو اور میں پسند نہیں کرتا کہ تمھیں کوئی بری بات لاحق ہو لیکن تم نے ایک ایسی بات کہی ہے کہ اگر میں اسے ذکر کروں تو اس میں تیری رسوائی ہے اور اگر میں اسے چھپاؤں تو اس میں میری تباہی ہے اور ایک سے دوسری بڑھ کر تکلیف دہ ہے لیکن اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جلاس کی اس بات کا ذکر کر دیا جب جلاس کو معلوم ہوا کہ اس کی یہ بات رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئی ہے تو اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ کی قسم کھائی کہ اس نے وہ بات نہیں کہی جو عمیر بن سعد نے بیان کی ہے، اس نے میرے بارے میں جھوٹ بولا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی: ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ﴾ ”یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے (تو کچھ) نہیں کہا، حالانکہ انھوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہوگئے ہیں۔“[1] اس آیت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے رسول ﷺ کو اس کی اس بات کے بارے میں مطلع کر دیا۔ اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ بعد میں جلاس نے اچھے انداز میں توبہ کر لی تھی جس کی وجہ سے اس کی موت بھی اچھی حالت میں واقع ہوئی تھی۔

امام ابوجعفر ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک درخت کے سائے تلے تشریف فرما تھے کہ آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ سَيَأْتِيكُمْ إِنْسَانٌ فَيَنْظُرُ إِلَيْكُمْ بِعَيْنَيْ شَيْطَانٍ، فَإِذَا جَاءَ فَلَا تُكَلِّمُوهُ] ”عنقریب تمھارے پاس ایک ایسا انسان آئے گا جو تمھیں شیطان کی آنکھوں سے دیکھے گا، لہٰذا جب وہ تمھارے پاس آئے تو اس سے بات نہ کرنا۔“ ابھی تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ نیلی آنکھوں والا ایک شخص آیا، رسول اللہ ﷺ نے اسے بلا کر اس سے فرمایا: [عَلَامَ تَشْتُمُنِي أَنْتَ وَأَصْحَابُكَ؟] ”تم اور تمھارے ساتھی مجھے گالیاں کیوں دیتے ہو؟“ وہ شخص چلا گیا، پھر اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس آ گیا اور سب نے قسمیں کھا کر کہا کہ انھوں نے یہ بات نہیں کہی، لہٰذا آپ نے ان سے درگزر فرمایا، اسی بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی: ﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ﴾...... الآية.[2]

منافقین کا رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا ناپاک ارادہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ﴾ ”اور ایسی بات کا قصد کر چکے ہیں جسے پا نہیں سکے۔“ بیان کیا گیا ہے کہ یہ آیت جُلاس بن سُوید کے بارے میں نازل ہوئی ہے، اس لیے کہ اس نے اس وقت اپنی بیوی کے بیٹے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا جب اس نے یہ کہا تھا کہ میں رسول اللہ ﷺ کو تمھاری یہ بات بتا دوں گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبی کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اس نے رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دینے کا ناپاک ارادہ کر لیا تھا۔[3] سدی کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل

[1] تفسیر الطبری:236/10 تفسیر ابن أبي حاتم:1843/6 و الدر المنثور:463/3. [2] تفسیر الطبری:237/10. [3] تفسیر الطبری:238/10.

ہوئی ہے جنھوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ عبداللہ بن اُبی کی تاج پوشی کر دیں، خواہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند ہی کریں۔ [1] یہ بھی مروی ہے کہ کچھ منافقوں نے جن کی تعداد بارہ تھی غزوۂ تبوک کے موقع پر رات کی تاریکی میں آپ کی سواری کو ڈرا کر بھگا دینے کی سازش کی تھی تاکہ گر کر آپ شہید ہو جائیں، ضحاک کے بقول یہ آیت انھی منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [2]

حافظ ابو بکر بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے اس کے آگے چل رہا تھا اور عمار اسے پیچھے سے ہانک رہے تھے یا عمار آگے تھے اور میں پیچھے تھا حتی کہ جب ہم گھاٹی میں پہنچے تو وہاں بارہ سوار راستہ روکے ہوئے کھڑے تھے، میں نے انھیں ڈانٹا اور رسول اللہ ﷺ کو بھی ان کے بارے میں بتا دیا، رسول اللہ ﷺ نے انھیں للکارا تو وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[هَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ؟ قُلْنَا: لَا، يَارَسُولَ اللّٰهِ! كَانُوا مُتَلَثِّمِينَ، وَلٰكِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّكَابَ، قَالَ: هٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُونَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَهَلْ تَدْرُونَ مَا أَرَادُوا؟ قُلْنَا: لَا، قَالَ: أَرَادُوا أَنْ يَّزْحَمُوا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فِي الْعَقَبَةِ فَيَلْقُوهُ مِنْهَا. قُلْنَا: يَارَسُولَ اللّٰهِ! أَوَلَا تَبْعَثُ إِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ إِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ ؟ قَالَ: لَا، أَكْرَهُ أَنْ تَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا أَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ، حَتّٰى إِذَا أَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُهُمْ. ثُمَّ قَالَ: اللّٰهُمَّ! ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ. قُلْنَا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَمَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ: شِهَابٌ مِّنْ نَّارٍ يَّقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ أَحَدِهِمْ فَيَهْلِكُ]

’’کیا تم نے انھیں پہچان لیا ہے! ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم انھیں نہیں پہچان سکے کیونکہ وہ ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے، البتہ ہم نے سواریوں کو پہچان لیا ہے۔ فرمایا: یہ قیامت کے دن تک منافق ہیں اور کیا تم جانتے ہو کہ ان کا ارادہ کیا تھا۔ ہم نے عرض کی: جی نہیں۔ آپ نے فرمایا: ان کا ارادہ تھا کہ مزاحمت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اس گھاٹی میں گرا دیں۔ ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) کیا آپ ان کے خاندانوں کی طرف پیغام نہیں بھیجتے تاکہ ہر قبیلہ اپنے شخص کے سر کو آپ کی خدمت میں بھیج دے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ عرب یہ باتیں کرنے لگیں کہ محمد ﷺ نے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر اپنے مخالفوں سے جنگ کی حتی کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو غلبہ عطا کر دیا تو آپ نے انھی کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: اے اللہ! انھیں دبیلہ کے ساتھ تباہ کر دے ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! دبیلہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا: آگ کا انگارا جو ان میں سے ہر ایک کے دل کی رگ پر گرے گا، پھر اسے ہلاک کر دے گا۔‘‘ [3]

ولید بن جُمیع کہتے ہیں کہ ابوطفیل نے ہم سے بیان کیا کہ اہلِ عقبہ میں سے ایک شخص اور حضرت حذیفہ کے درمیان کچھ

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:1845/6. [2] الدر المنثور:464/3. [3] دلائل النبوۃ للبیہقی، باب رجوع النبی ﷺ من تبوک ......:261,260/5 و تفسیر ابن أبی حاتم:1844/6.

اختلاف تھا، اس نے کہا کہ میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اصحابِ عقبہ کی تعداد کتنی تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ پوچھ رہا ہے تو اِسے بتا دو، حضرت حذیفہ نے کہا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کی تعداد چودہ تھی اور اگر تم بھی ان میں شامل تھے تو پھر ان کی تعداد پندرہ تھی۔ میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ان میں سے بارہ کے خلاف اللہ اور اس کے رسول کی دنیا اور آخرت میں جنگ ہے۔ ان میں سے تین نے تو عذر پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے منادی کی آواز کو نہیں سنا تھا اور نہ ہمیں مسلمانوں کے ارادے کے بارے میں معلوم ہو سکا تھا۔ آپ نے اس وقت سخت گرمی کے موسم میں چلتے ہوئے یہ بھی فرمایا تھا کہ [إِنَّ الْمَآءَ قَلِيلٌ فَلَا يَسْبِقُنِي إِلَيْهِ أَحَدٌ] ''پانی کم ہے، لہٰذا مجھ سے پہلے پانی کے پاس کوئی نہ جائے۔'' مگر آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگ آپ سے پہلے وہاں چلے گئے ہیں تو آپ نے ان پر لعنت فرمائی۔ [1]

امام مسلم ہی نے عمار بن یاسر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھے حذیفہ نے بیان کیا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [فِي (أَصْحَابِي) اثْنَا عَشَرَ مُنَافِقًا، لَّا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ، وَلَا يَجِدُونَ رِيحَهَا حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ: ثَمَانِيَةٌ مِّنْهُمْ تَكْفِيكَهُمُ الدُّبَيْلَةُ، سِرَاجٌ مِّنَ النَّارِ يَظْهَرُ فِي أَكْتَافِهِمْ حَتّٰى يَنْجُمَ مِنْ صُدُورِهِمْ] ''میرے ساتھیوں میں سے بارہ منافق ہیں جو جنت میں داخل نہیں ہو سکیں گے بلکہ اس کی خوشبو بھی نہیں پا سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔ فرمایا: ان میں آٹھ کے لیے تو تمھارے بجائے دبیلہ ہی کافی ہوگا، دبیلہ جہنم کی آگ کا ایک ایسا انگارا ہوگا جو ان کے کندھوں کے درمیان ظاہر ہوگا حتی کہ ان کے سینوں میں پیوست ہو جائے گا۔'' [2] یہی وجہ ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ رازدان تھے اور ان کے پاس یہ راز تھا جسے کوئی اور نہیں جانتا تھا کہ منافقوں کی جماعت میں کون کون لوگ شامل ہیں۔ ان منافقوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے صرف حضرت حذیفہ ہی کو مطلع فرمایا تھا اور کسی کو نہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اور ان کو سارا غصہ نہیں ہے مگر اس بات پر کہ اللہ اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے ان کو دولت مند کر دیا ہے۔'' یعنی کیا ان کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا یہ گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی وساطت کی خیر و برکت سے انھیں دولت مند کر دیا ہے اور اگر سعادت ان کے مقدر میں ہوتی تو اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت بھی عطا فرما دیتا جیسا کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے انصار سے فرمایا تھا: [أَلَمْ أَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَكُنْتُمْ مُّتَفَرِّقِينَ فَأَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِي؟ وَعَالَةً فَأَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِي؟] ''کیا میں نے تمھیں گمراہ نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمھیں ہدایت عطا فرما دی؟ تم جدا جدا تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمھیں متحد کر دیا؟ اور تم فقیر تھے اللہ تعالیٰ نے میری وجہ سے تمھیں دولت مند کر دیا؟'' رسول اللہ ﷺ جب بھی کوئی بات فرماتے تو انصار جواب میں عرض کرتے:

[1] صحیح مسلم، کتاب وباب صفات المنافقین......، حدیث: (11)-2779. [2] صحیح مسلم، کتاب وباب صفات المنافقین ......، حدیث: (10)-2779. اور قوسین والا لفظ بھی صحیح مسلم، حدیث: (9)-2779 میں ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ

اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ نے اپنے فضل سے ہمیں عطا کیا تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے اور ہم

الصّٰلِحِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿76﴾

ضرور صالحین میں سے ہو جائیں گے ﴿75﴾ پھر جب اللہ نے اپنے فضل سے انھیں عطا کیا تو انھوں نے اس میں بخل کیا اور انھوں نے (حق سے) منہ موڑ لیا،

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ

اور وہ (اپنے عہد سے) منحرف ہو گئے ﴿76﴾ پھر اللہ نے ان کے دلوں میں نفاق ڈال کر انھیں اس دن تک کے لیے سزا دی (جس دن) وہ اللہ سے ملیں گے،

وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿77﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ

اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے ﴿77﴾ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ

اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿78﴾

ان کے بھیدوں اور ان کی سرگوشیوں کو جانتا ہے۔ اور بے شک اللہ غیب کی باتوں کو خوب جانتا ہے ﴿78﴾

اللہ اور اس کا رسول ہی سب سے زیادہ احسان فرمانے والے ہیں۔[1] یہ صیغہ اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی قصور نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ ﴾ (البروج 8:85) ''اور انھوں نے ان سے انتقام نہیں لیا مگر یہ کہ وہ اللہ کے ساتھ ایمان لائے۔''

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے انھیں توبہ کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''تو اگر یہ توبہ کر لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب دے گا۔'' یعنی اگر یہ اپنے اسی طریقے پر رہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں دنیا میں قتل اور غم وفکر کی صورت میں اور آخرت میں جہنم کی سزا اور ذلت ورسوائی کی صورت میں عذاب دے گا۔ ﴿ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿74﴾ ﴾ ''اور زمین میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔'' کوئی نہیں جو انھیں سعادت و کامرانی سے ہمکنار کر سکے اور انھیں خیر دلا سکے اور شر کو ان سے دور کر سکے۔

تفسیر آیات: 75-78

طلب مال اور صدقے میں بخل منافقوں کی نشانی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بعض منافقوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد و پیمان کیا تھا کہ اگر اس نے اپنے فضل وکرم سے انھیں دولت مند کر دیا تو وہ اپنے مال کو ضرور صدقہ کریں گے اور نیک بن جائیں گے لیکن انھوں نے نہ تو اپنے عہد کو پورا کیا اور نہ اپنے دعوے کو سچا ثابت کر دکھایا تو اس عہد شکنی اور بد عملی کی وجہ سے ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا جو قیامت کے دن تک ان کے دلوں میں گھر کیے رکھے گا۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

[1] صحيح البخاري، المغازي، باب غزوة الطائف في شوّال سنة ثمان، حديث:4330 وصحيح مسلم، الزكاة، باب إعطاء المؤلفة قلوبهم......، حديث:1061 عن عبدالله بن زيد رضی اللہ عنہ.

اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ

جو لوگ عیب جوئی کرتے ہیں کھلے دل سے خیرات کرنے والے مومنوں پر، (ان کے) صدقات کی بابت اور ان پر بھی جو اپنی (تھوڑی سی) محنت

اِلَّا جُهۡدَهُمۡ فَيَسۡخَرُوۡنَ مِنۡهُمۡ‌ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنۡهُمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ۞79

مزدوری کے سوا کچھ نہیں رکھتے، تو وہ ان کا مذاق اڑاتے ہیں، اللہ بھی ان کا مذاق اڑائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۞79

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بِمَاۤ اَخۡلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوۡهُ...... ﴾ الآیۃ ''اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا، اس کے خلاف کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق ان کی وعدہ خلافی اور کذب کی وجہ سے پیدا کیا جیسا کہ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے اور (3) جب امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَلَمۡ يَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُ سِرَّهُمۡ وَنَجۡوٰٮهُمۡ...... ﴾ الآیۃ ''کیا وہ جانتے نہیں کہ اللہ ان کے بھیدوں اور خفیہ مشوروں کو جانتا ہے......'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کے ظاہر و باطن اور ان کے دلوں کے بھیدوں کو جانتا ہے، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی دعویٰ کریں کہ اگر انھیں دولت حاصل ہو گئی تو وہ صدقہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں گے مگر اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں ان سے زیادہ بہتر جانتا ہے کیونکہ وہ علام الغیوب ہے، وہ ہر پوشیدہ اور ظاہر، بھید اور مشورے کو جانتا ہے۔

تفسیر آیت: 79

منافقوں کی کم یا زیادہ خرچ کرنے والوں پر طعنہ زنی: یہ بھی منافقوں کی نشانی ہے کہ کوئی بھی ان کی عیب جوئی اور طعنہ زنی سے محفوظ نہیں رہ سکتا حتی کہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرنے والے بھی ان سے بچ نہیں سکتے اگر کوئی زیادہ مال خرچ کرے تو کہتے ہیں کہ یہ ریاکار ہے اور اگر کوئی تھوڑا مال لے کر آئے تو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے صدقے سے بے نیاز ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے عبید اللہ بن سعید از ابونعمان بصری از شعبہ از سلیمان از ابووائل کی سند کے ساتھ ابومسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جب آیت صدقہ نازل ہوئی تو ہم اپنی پشتوں پر اٹھا کر لاتے تھے، ایک شخص آیا اور وہ صدقے کے لیے بہت زیادہ مال لایا تو منافقوں نے کہا کہ یہ تو ریاکار ہے اور ایک شخص آیا اور وہ صدقے کے لیے ایک صاع (تقریباً اڑھائی کلو) لایا تو کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے صدقے کی کیا ضرورت ہے تو اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ فِى الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ اِلَّا جُهۡدَهُمۡ ﴾ ''وہ لوگ جو (فراخ دلی سے) صدقات و خیرات کرنے والے مومنوں کی خیرات میں اور ان پر جو اپنی محنت و مزدوری کے سوا کچھ نہیں پاتے عیب جوئی کرتے ہیں۔'' امام مسلم نے بھی

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصائل المنافق، حديث: 59 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

اسے صحیح میں روایت کیا ہے۔ [1]

منافقوں کا مومنوں کی حوصلہ شکنی کا ایک انداز: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن لوگوں کے پاس تشریف لائے اور آپ نے لوگوں میں اعلان فرمایا: اپنے صدقات جمع کرو، لوگوں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے صدقات کو جمع کیا۔ پھر آخر میں ایک بہت غریب شخص مقدار بھر کھجوریں لے کر آیا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ ایک صاع کھجوریں ہیں، میں ساری رات رہٹ سے پانی کھینچتا رہا اور مزدوری کے طور پر مجھے دو صاع کھجوریں ملیں، ایک صاع میں گھر رکھ آیا ہوں اور ایک صاع آپ کی خدمت میں لے آیا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کھجوروں کو تمام صدقات پر بکھیر دیا جائے۔ کچھ لوگوں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کو اس کی کیا ضرورت ہے، وہ تمھارے ایک صاع کھجوروں کو لے کر کیا کریں گے، پھر عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے، جو قریش کے قبیلے بنوزہرہ سے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: کیا صدقہ کرنے والا کوئی اور شخص باقی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میرے پاس صدقے کے لیے سو اُوقیہ چاندی ہے؟ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: کیا تم مجنون ہو؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: جی نہیں، میں مجنون نہیں ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا تم جانتے ہو جو تم نے کہا؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: جی ہاں، میرا کل مال آٹھ ہزار ہے، چار ہزار میں نے اپنے رب کو قرض دے دیا ہے اور چار ہزار میں نے اپنے لیے رکھ لیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: [بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيمَا أَمۡسَكۡتَ وَفِيمَا أَعۡطَيۡتَ] ''جو تم نے اپنے پاس رکھا اور جو اللہ کے لیے دے دیا، اللہ تعالیٰ اس سارے مال میں برکت عطا فرما دے۔'' منافقوں نے طعنہ زنی کرتے ہوئے کہا کہ عبدالرحمٰن نے یہ مال ریا کاری کے لیے خرچ کیا ہے۔ یہ منافق جھوٹے تھے کیونکہ عبدالرحمٰن نے تو تقرب الٰہی کے حصول کے لیے خرچ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے عبدالرحمٰن اور ایک صاع کھجور صدقہ کرنے والے اس مسکین مسلمان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل فرما کر منافقوں کی اس طعنہ زنی کی مذمت فرمائی ہے: ﴿ اَلَّذِيۡنَ يَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِيۡنَ ...... ﴾ [2] مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ [3]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ دل کھول کر خرچ کرنے والے مسلمانوں میں سے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے کہ انھوں نے چار ہزار درہم صدقہ کر دیے تھے، نیز خاندان بنو عجلان کے عاصم بن عدی بھی انھی لوگوں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صدقہ کرنے کی ترغیب دی تو عبدالرحمٰن بن عوف کھڑے ہوئے اور انھوں نے چار ہزار درہم صدقہ کر دیے، اسی طرح عاصم بن عدی اٹھے اور انھوں نے ایک سو وسق کھجوریں صدقہ کر دیں (ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع اڑھائی کلو کا۔) منافقوں نے ان دونوں پر طعن کرتے ہوئے کہا کہ یہ تو ریا کاری ہے۔ اور ابوعقیل، جس کا تعلق بنو عمرو بن عوف کے حلیف

---

[1] صحيح البخاري، الزكاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة......، حديث:1415 و صحيح مسلم، الزكاة، باب الحمل بأجرة يتصدق بها......، حديث:1018. [2] تفسير الطبري:248,247/10. [3] تفسير الطبري:248/10.

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ

(اے نبی!) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (برابر ہے۔) اگر آپ ان کے لیے ستر بار (بھی) بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿80﴾

یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا﴿80﴾

بنو اُنَیف اَراشی سے تھا، محنت مزدوری سے کمائی ہوئی ایک صاع کھجوریں لایا اور انھیں صدقے کے تمام مال پر بکھیر دیا تو منافقوں نے ہنسی اڑاتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ ابو عقیل کے اس ایک صاع کھجوروں سے بے نیاز ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ﴾ ''پس منافق ان کی ہنسی اڑاتے ہیں تو اللہ بھی ان پر ہنسے گا۔'' یہ ان کے برے عمل اور مومنوں کے ساتھ مذاق کے جواب میں ہے کیونکہ جزا جنس عمل کے مطابق ہوتی ہے، گویا معاملہ ان سے اس طرح کیا گیا جس طرح ان سے مذاق کیا جارہا ہوتا کہ اس سے دنیا میں مسلمانوں کی مدد کی جائے اور آخرت میں منافقوں کو دردناک عذاب دیا جائے کیونکہ جزا وسزا جنس عمل کے مطابق ہی ہوتی ہے۔

تفسیر آیت:80

منافقوں کے لیے استغفار کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ منافق اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے لیے بخشش مانگی جائے اور اگر ان کے لیے ستر بار بھی بخشش مانگیں تو پھر بھی اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں فرمائے گا۔ کہا گیا ہے کہ ستر کا عدد اس لیے استعمال کیا گیا ہے تا کہ ان کے لیے بخشش طلب کرنے کی قطعی طور پر کوئی گنجائش ہی باقی نہ رکھی جائے کیونکہ عربوں کے ہاں یہ اسلوب ہے کہ وہ کلام میں مبالغہ پیدا کرنے کے لیے ستر کے عدد کو استعمال کرتے اور اس سے مقصود تحدید و تعیین نہیں ہوتی اور نہ یہ مقصود ہوتا ہے کہ ستر سے زائد اس کے خلاف ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں ستر کی تعداد ہی مقصود ہے جیسا کہ شعبی نے کہا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبیّ کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تو اس کا بیٹا عبداللہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی کہ میرے باپ کا آخری وقت ہے، میری خواہش ہے کہ آپ تشریف لائیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [مَا اسْمُكَ؟ قَالَ: اَلْحُبَابُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ، قَالَ: بَلْ أَنْتَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ، إِنَّ الْحُبَابَ اسْمُ شَيْطَانٍ] ''تمھارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا: میرا نام حباب بن عبداللہ (بن اُبیّ) ہے، آپ نے فرمایا: نہیں، تمھارا نام عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی ہے، حباب تو شیطان کا نام ہے۔'' آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے حتی کہ اس کے جنازے میں شرکت فرمائی اور اسے اپنی قمیص پہنائی اور وہ پسینے میں شرابور تھا اور آپ نے اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی: آپ اس کی نماز جنازہ پڑھاتے ہیں، حالانکہ وہ تو منافق ہے؟ آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ قَالَ: ﴿اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً﴾ ...... وَلَأَسْتَغْفِرَنَّ لَهُ سَبْعِينَ وَسَبْعِينَ

---

[1] تفسیر الطبری: 250/10.

فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ

جو لوگ پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے وہ رسول اللہ کے پیچھے اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے اور انھوں نے ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں

وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ؕ قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ

سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں اور انھوں نے (اوروں سے) کہا کہ گرمی میں کوچ نہ کرو۔ (اے نبی!) کہہ دیجیے: جہنم کی آگ (اس سے) کہیں

كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿81﴾ فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿82﴾

زیادہ گرم ہے۔ کاش! وہ یہ بات سمجھتے ﴿81﴾ چنانچہ انھیں چاہیے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ﴿82﴾

(وَسَبۡعِيۡنَ)] ''ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ ﴾ ''اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں گے تو اللہ انھیں ہرگز معاف نہیں کرے گا'' میں ضرور اس کے لیے ستر، ستر اور ستر دفعہ بھی بخشش مانگوں گا۔''[1] عروہ بن زبیر، مجاہد اور قتادہ بن دِعامہ سے بھی اسی طرح مروی ہے اور اسے ابن جریر نے کئی سندوں سے روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 82,81

غزوے میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے منافقوں کی خوشی: اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے پیچھے رہ گئے تھے اور وہ اس بات سے خوش تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد وہ بیٹھے رہے ہیں ﴿ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا ﴾ ''اور اس بات کو ناپسند کیا کہ جہاد کریں۔'' رسول اللہ ﷺ کی معیت میں، ﴿ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَالُوۡا ﴾ ''اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں سے اور کہنے لگے۔'' یعنی آپس میں ایک دوسرے سے: ﴿ لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ؕ ﴾ ''گرمی میں مت نکلنا'' کیونکہ غزوۂ تبوک گرمی کے موسم میں اس وقت پیش آیا جب سائے بہت گھنے تھے اور پھل پک چکے تھے، اسی لیے انھوں نے کہا کہ ﴿ لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ؕ ﴾ ''گرمی میں مت نکلنا۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہہ دیجیے'' ان سے ﴿ نَارُ جَهَنَّمَ ﴾ ''دوزخ کی آگ'' اپنی مخالفت کی وجہ سے جس میں تم گرو گے ﴿ اَشَدُّ حَرًّا ؕ ﴾ ''اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔'' یعنی جس گرمی سے تم بھاگتے ہو دوزخ کی آگ تو اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔

جیسا کہ امام مالک نے ابوزِناد سے، انھوں نے اعرج سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَارُ بَنِي آدَمَ الَّتِي يُوقِدُونَ، جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ نَّارِ جَهَنَّمَ] ''بنی آدم کی یہ آگ جسے وہ جلاتے ہیں جہنم کی آگ کا سترواں حصہ ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! عذاب کے لیے تو دنیا کی آگ ہی کافی

---

[1] تفسیر الطبری: 254,253/10. اس حدیث کے ابتدائی حصے [ماأسمك...... إن الحباب اسم شيطان] کی سند کئی وجوہات کی بنا پر ضعیف ہے، والله أعلم. جبکہ دوسرے حصے کی تائید صحیح بخاری و مسلم کی روایات سے ہوتی ہے اور قوسین والا لفظ تفسیر طبری کے مذکورہ حوالے میں ہے۔ دیکھیے التوبة، آیت: 84 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 255-253/10.

تھی؟ فرمایا: [إِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا] ''جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر گنا زیادہ سخت ہے۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

جہنم کی ہولناکیاں: اعمش نے ابو اسحاق سے اور انھوں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَهْوَنَ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا (يَوْمَ الْقِيَامَةِ) مَنْ لَّهُ نَعْلَانِ وَشِرَاكَانِ مِنْ نَّارٍ، يَّغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ كَمَا يَغْلِي الْمِرْجَلُ، مَا يَرٰى أَنَّ أَحَدًا أَشَدُّ مِنْهُ عَذَابًا، وَّإِنَّهُ لَأَهْوَنُهُمْ عَذَابًا] ''قیامت کے دن سب سے ہلکا عذاب اسے ہوگا جسے جہنم کی آگ کے دو جوتے اور دو تسمے پہنائے جائیں گے جن سے اس کا دماغ اس طرح کھولتا ہوگا جس طرح ہنڈیا کھولتی ہے، اس کے باوجود وہ یہ سمجھے گا کہ دوزخیوں میں سے اور کسی کو اس سے زیادہ سخت عذاب نہیں ہے، حالانکہ اسے سب سے ہلکا عذاب ہوگا۔''[3] اسے بھی امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی بہت سی احادیث و آثار نبوی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اپنی کتاب عزیز میں فرمایا ہے: ﴿كَلَّا ۭ اِنَّهَا لَظٰى ۝ نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰى ۝﴾ (المعارج 16,15:70) ''ایسا ہرگز نہیں ہوگا، بے شک وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے، کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔'' اور فرمایا: ﴿يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝﴾ (الحج 22:19-22) ''ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا، اس سے ان کے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی اور ان (کو مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (و تکلیف کی وجہ) سے دوزخ میں سے نکل جائیں تو پھر اسی میں لوٹا دیے جائیں گے اور (کہا جائے گا کہ) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ﴾ (النسآء 56:4) ''یقیناً جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا ان کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے جب ان کی کھالیں گل (اور جل) جائیں گی تو ہم ان کی اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ (ہمیشہ) عذاب (کا مزہ) چکھتے رہیں۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝81﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے، کاش! یہ (اس بات کو) سمجھتے۔'' اگر یہ اس بات کو جانتے اور سمجھتے تو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گرمی کے موسم میں بھی جہاد کے لیے نکلتے تاکہ جہنم کی اس گرمی سے بچ جاتے جو دنیا کی گرمی سے بدرجہا زیادہ گرم ہے۔

[1] الموطأ للإمام مالك، جهنم، باب ماجاء في صفة جهنم: 471/2، حديث: 1923. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب صفة النار وأنها مخلوقة، حديث: 3265 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2843. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنّار، حديث: 6561 وصحيح مسلم، الإيمان، باب أهون أهل النار عذابا، حديث: (364)-213 واللفظ له لیکن قوسین والے الفاظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے میں ہیں۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ

(اے نبی!) پھر اگر اللہ آپ کو واپس لے آئے ان (منافقین) میں سے کسی گروہ کی طرف پھر وہ آپ سے (جہاد پر) نکلنے کی اجازت مانگیں تو کہہ دیجیے:

اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا

تم اب میرے ساتھ کبھی بھی (جہاد پر) نہیں نکلو گے اور نہ کبھی میرے ساتھ (مل کر) دشمن سے لڑو گے، یقیناً تم پہلی بار (پیچھے) بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے

مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿83﴾

تھے تو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ﴿83﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کو ان کے اس برے عمل پر ڈانٹ پلاتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا﴾ ''چنانچہ انھیں چاہیے کہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنسیں۔'' ابن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی زندگی بہت قلیل ہے، یہ اس میں جس قدر چاہیں ہنس لیں جب دنیا ختم ہو جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچیں گے تو انھیں اس قدر رونا پڑے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ [1]

تفسیر آیت:83

منافقوں کو ساتھ لے کر جہاد کے لیے نکلنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ﴾ یعنی اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اس غزوے سے واپس لے آئے ﴿اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ﴾ ''ان میں سے کسی گروہ کی طرف'' قتادہ نے کہا ہے کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ منافقین بارہ تھے۔ [2] ﴿فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ﴾ ''پھر وہ آپ سے نکلنے کی اجازت طلب کریں۔'' یعنی آپ کے ساتھ کسی دوسرے غزوے میں شرکت کے لیے ﴿فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ؕ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ میرے ساتھ (مددگار رہ کر) دشمن سے لڑائی کرو گے۔'' یعنی بطور سزا انھیں یہ کہہ دیجیے، پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ''بے شک تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے پر راضی ہو گئے تھے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ...... ﴾ الآیة (الأنعام 110:6) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ پلٹ دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں گے)......'' کیونکہ برائی کی سزا بری ہے جیسا کہ نیکی کی جزا بھی بہت اچھی ہے جیسے عمرۂ حدیبیہ کے بارے میں فرمایا: ﴿سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○﴾ (الفتح 15:48) ''عنقریب جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے ہمیں بھی چھوڑ (اجازت) دو ہم تمھاری پیروی کریں۔ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے قول کو بدل دیں

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1855/6 عن إسماعيل بن سميع عن ابن عباس ﷺ. [2] تفسير الطبري: 259/10.

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اور (اے نبی!) ان میں سے جو مر جائے آپ اس کی نماز (جنازہ) ہرگز نہ پڑھیں اور نہ کبھی اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ بے شک انھوں نے اللہ اور

وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿84﴾

اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ حالت فسق میں مرے ﴿84﴾

کہہ دیجیے کہ تم ہرگز ہماری پیروی نہیں کر سکتے۔ اس طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے، پھر عنقریب وہ کہیں گے (نہیں) بلکہ تم تو ہم سے حسد کرتے ہو بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں مگر بہت کم۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿83﴾﴾ ''تو اب بھی تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اب بھی تم ان لوگوں کے ساتھ بیٹھے رہو جو جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے۔[1]

تفسیر آیت: 84

منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ منافقوں سے براءت کا اظہار کر دیں اور ان میں سے اگر کوئی مر جائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لیے بخشش طلب کریں اور نہ دعا کریں کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور کفر ہی پر ان کا خاتمہ ہوا ہے۔

یہ حکم عام ہے اور ہر اس منافق کے بارے میں ہے جس کا نفاق معلوم ہو۔ گو یہ آیت منافقوں کے سردار عبداللہ بن اُبیّ ابن سَلُول کے بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب عبداللہ بن اُبیّ فوت ہوا تو اس کا بیٹا عبداللہ بن عبداللہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے سوال کیا کہ آپ اسے اپنی قمیص عطا فرما دیں تا کہ اس میں وہ اپنے باپ کو کفن دے سکے تو آپ نے اسے اپنی قمیص عطا فرما دی۔ پھر اس نے درخواست کی کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں تو رسول اللہ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے تو حضرت عمر نے کھڑے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے دامن کو پکڑ لیا اور عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) آپ اس کا جنازہ پڑھنے لگے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اس کا جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا خَيَّرَنِي اللّٰهُ فَقَالَ: ﴿اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ﴾ (التوبة 80:9) وَسَأَزِيدُهُ عَلَى السَّبْعِينَ] ''میرے رب نے یقیناً مجھے اختیار دیتے ہوئے فرمایا ہے: ''(اے نبی) آپ ان کے لیے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں (بات ایک ہی ہے) اگر آپ ان کے لیے ستر دفعہ بھی بخشش مانگیں گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا۔'' اور میں ان کے لیے ستر سے زیادہ دفعہ بخشش مانگوں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ منافق ہے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کا جنازہ پڑھا دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ؕ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) ان میں

[1] تفسير الطبرى: 259/10.

وَلَا تُعۡجِبۡكَ اَمۡوَالُهُمۡ وَاَوۡلَادُهُمۡ ؕ اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الدُّنۡيَا

اور (اے نبی!) ان کے مال اور ان کی اولاد آپ کو حیرت میں نہ ڈالیں۔ بے شک اللہ تو چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے انھیں دنیا میں عذاب دے

وَتَزۡهَقَ اَنۡفُسُهُمۡ وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ﴿85﴾

اور ان کی جانیں حالت کفر میں نکلیں﴿85﴾

وَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِهِ اسۡتَاۡذَنَكَ اُولُوا

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے کہ تم اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ (مل کر) جہاد کرو تو ان کے دولت مند آپ سے اجازت مانگنے

الطَّوۡلِ مِنۡهُمۡ وَقَالُوۡا ذَرۡنَا نَكُنۡ مَّعَ الۡقٰعِدِيۡنَ ﴿86﴾ رَضُوۡا بِاَنۡ يَّكُوۡنُوۡا مَعَ الۡخَوَالِفِ

لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں چھوڑ دیجیے کہ ہم (گھروں میں) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہیں﴿86﴾ وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ پیچھے رہنے والی عورتوں

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ فَهُمۡ لَا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿87﴾

کے ساتھ رہیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے، لہٰذا وہ نہیں سمجھتے﴿87﴾

سے کوئی مر جائے تو کبھی اس کی نماز (جنازہ) نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے ہوں۔''[1] خود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھا دی۔ اس کے جنازے کے ساتھ بھی گئے اور اس کی قبر پر بھی کھڑے ہوئے حتی کہ اس سے فارغ ہو گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اس بات سے تعجب بھی ہوا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح جرأت سے بات کی، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں لیکن اللہ کی قسم! ابھی تھوڑی سی دیر ہی گزری تھی کہ یہ دو آیتیں: ﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤى اَحَدٍ مِّنۡهُمۡ مَّاتَ اَبَدًا...... ﴾ الآية. نازل ہو گئیں، پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی کسی منافق کا جنازہ پڑھایا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوئے حتی کہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے۔[3] امام ترمذی نے بھی اسے اسی طرح سنن کے (ابواب) التفسیر میں روایت کیا اور اسے حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔[4] نیز امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔[5]

تفسیر آیت: 85

اس آیت کریمہ جیسی ایک آیت کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[6] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

---

① صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ...... ﴾ (التوبة 9:80)، حديث: 4670 و صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل عمر رضی اللہ عنہ، حديث: 2400. ② صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ...... ﴾ (التوبة 9:80)، حديث: 4671. ③ مسند أحمد: 16/1. ④ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة التوبة، حديث: 3097. ⑤ صحیح البخاري، الجنائز، باب ما يكره من الصلاة على المنافقين......، حديث: 1366. ⑥ دیکھیے التوبة، آیت: 55 کے ذیل میں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ

لیکن رسول (ﷺ) اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے ، انھوں نے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کیا ، اور بھلائیاں بھی انھی لوگوں کے

لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿88﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

لیے ہیں اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں ﴿88﴾ اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ، وہ ان میں ہمیشہ

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿89﴾ ع 11 9 17

رہیں گے ، یہی عظیم کامیابی ہے ﴿89﴾

تفسیر آیات: 87،86

جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید اور مذمت کی ہے جنھوں نے قدرت و استطاعت کے باوجود جہاد سے منہ موڑا اور رسول اللہ ﷺ سے پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: ﴿ ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿86﴾ ﴾ ”ہمیں تو رہنے ہی دیجیے کہ ہم (گھروں میں) بیٹھنے والوں کے ساتھ رہیں گے۔“ انھوں نے اپنے لیے عار کو اور شہر میں عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنے کو پسند کیا کیونکہ لشکر کے نکلنے کے بعد عورتیں ہی پیچھے رہ جاتی ہیں۔ جب جنگ ہوتی ہے تو یہ سب لوگوں سے بزدل ثابت ہوتے ہیں لیکن جب حالتِ امن ہوتی ہے تو یہ سب سے زیادہ باتیں کرتے ہیں جیسا کہ ایک دوسری آیت میں بھی ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ ﴾ (الأحزاب 19:33) ”چنانچہ جب ڈر (کا وقت) آئے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں (اور) ان کی آنکھیں (اسی طرح) پھر رہی ہیں ، جیسے کسی کو موت سے غشی آرہی ہو ، پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کے ساتھ تمھارے بارے میں زبان درازی کریں۔“ تیز اور زور دار گفتگو کے ساتھ ان کی زبانیں چلتی ہیں لیکن جب جنگ کا وقت آتا ہے تو یہ سب سے زیادہ بزدل ثابت ہوتے ہیں۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ۚ﴿20﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ﴿21﴾ ﴾ (محمد 21،20:47) ”اور مومن لوگ کہتے ہیں: (جہاد کی) کوئی سورت کیوں نازل نہیں ہوئی؟ لیکن جب کوئی محکم سورت نازل ہوا اور اس میں جہاد کا بیان ہو تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے آپ ان کو دیکھیں کہ آپ کی طرف اس طرح دیکھنے لگیں ہیں جس طرح کسی پر موت کی بے ہوشی طاری ہو رہی ہو ، ان (کے حال) پر افسوس ہے۔ (خوب کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات کہنا (ہے) ، پھر جب (جہاد کی) بات پختہ ہوگئی تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہنا چاہتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔“

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ ”اور ان کے دلوں پر مہر لگادی گئی ہے۔“ جہاد کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ اللہ کے راستے میں نہ نکلنے کی وجہ سے ﴿ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿87﴾ ﴾ ”تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔“ یعنی اس بات کو کہ ان کے لیے

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ

اور دیہاتیوں میں سے بہانے باز آئے کہ انھیں اجازت دی جائے، اور وہ لوگ بیٹھ رہے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا،

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿90﴾

ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا انھیں جلد ہی دردناک عذاب آ پکڑے گا﴿90﴾

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ

ضعیفوں اور بیماروں پر اور جو لوگ کوئی چیز نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں، ان پر (پیچھے رہنے میں) کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے خیر

اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿91﴾ ۙ

خواہی کرتے ہیں۔ نیکی کرنے والوں پر (گرفت کی) کوئی راہ نہیں۔ اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے﴿91﴾ اور (اے نبی!) نہ ان لوگوں پر

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪

(کوئی گناہ ہے) جو آپ کے پاس آئے کہ آپ انھیں (سفر جہاد کے لیے) سواری دیں (اور) آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی سواری نہیں تو وہ اس حال

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿92﴾ ؕ اِنَّمَا

میں لوٹ گئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں جسے وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کریں﴿92﴾ (اے نبی!) (گرفت کی) راہ

السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ

ان لوگوں پر ہے جو آپ سے رخصت مانگتے ہیں، حالانکہ وہ مال دار ہیں۔ وہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ پیچھے (گھروں میں) رہنے والی عورتوں کے

الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿93﴾

ساتھ رہیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، چنانچہ وہ نہیں جانتے﴿93﴾

بہتری کس کام میں ہے کہ اسے سرانجام دیں اور نقصان اور خرابی کس کام میں ہے کہ اس سے اجتناب کریں۔

تفسیر آیات: 89,88

مومنوں پر انعامات الٰہیہ: منافقوں کے گناہ ذکر کرنے کے بعد اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف کی اور بتایا ہے کہ آخرت کی نعمتوں سے وہ شاد کام ہوں گے، فرمایا: ﴿لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿88﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿89﴾﴾ ”لیکن پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب اپنے مالوں اور جانوں سے لڑے، انھی لوگوں کے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد پانے والے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے، یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔“ یعنی آخرت میں انھیں جنت الفردوس اور بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ درجات نصیب ہوں گے۔

تفسیر آیت: 90

جہاد اور معذور لوگ: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو ترکِ جہاد کے سلسلے میں معذور تھے، اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے تاکہ آپ کی خدمت میں عذر اور جہاد کے لیے نہ نکلنے کے اسباب، یعنی اپنی کمزوری اور عدمِ استطاعت کو بیان کر سکیں، ان لوگوں کا تعلق مدینہ کے اردگرد کے صحرا نشین قبائل سے تھا۔ ضحاک نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تخفیف کے ساتھ اسے: [وَجَآءَ الْمُعْذِرُوْنَ] پڑھتے تھے، یعنی اہل عذر آئے۔ [1] کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا ہے: ﴿ وَقَعَدَ الَّذِیْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے۔'' یعنی وہ معذرت کرنے کے لیے نہیں آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں دردناک عذاب کی سزا سناتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴾ ''عنقریب جو لوگ ان میں سے کافر ہوئے ہیں، ان کو دردناک عذاب پہنچے گا۔''

تفسیر آیات: 91-93

جہاد میں عدمِ شرکت کا شرعی عذر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان عذروں کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے اگر کوئی جہاد میں شرکت نہیں کر سکتا تو کوئی حرج نہیں، ان میں سے کچھ عذر تو ایسے ہیں کہ جو ایک دفعہ لاحق ہو جائیں تو پھر دور ہی نہیں ہو سکتے، مثلاً: ایسی جسمانی کمزوری جس کی وجہ سے انسان جہاد میں کوئی جوش اور سرگرمی نہ دکھا سکے، نیز اندھا اور لنگڑا پن وغیرہ اور بعض عذر ایسے ہوتے ہیں جو وقتی طور پر پیش آنے والے کسی ایسے مرض کی صورت میں ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انسان اللہ کے رستے میں جہاد کے لیے نکل نہیں سکتا یا وہ ایسے فقر و فاقے کی صورت میں ہوتے ہیں جس کی وجہ سے انسان ساز و سامانِ حرب تیار نہیں کر سکتا تو اس طرح کے عذروں والے اگر جہاد کے لیے نہ نکل سکیں اور گھروں ہی میں رہیں تو کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے ہمدرد اور خیر خواہ ہوں، لوگوں میں بری خبریں نہ اڑائیں اور نہ انھیں جہاد کے لیے نکلنے سے روکیں اور وہ اس حال میں بھی نیکوکار ہوں، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ''نیکوکاروں پر کسی طرح کا (سزا کا) راستہ نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

امام اوزاعی نے لکھا ہے کہ لوگ نمازِ استسقا کے لیے نکلے تو ان میں بلال بن سعد کھڑے ہوئے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی اور فرمایا: اے حاضرین! کیا تم اپنے گناہوں کا اقرار نہیں کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں، انھوں نے کہا: اے اللہ! ہم نے سنا ہے کہ تو نے فرمایا: ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ ﴾ ''نیکوکاروں پر کسی طرح کا (سزا کا) راستہ نہیں ہے۔'' اے اللہ! ہم گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو ہمیں معاف فرما دے، ہمارے حال پر رحم فرما اور ہمیں بارش عطا فرما، انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھا دیے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے بارانِ رحمت عطا فرما دی۔ [2]

---

[1] تفسير الطبري: 266/10. [2] تفسير ابن أبي حاتم: 1862/6.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جذبۂ جہاد: عوفی نے اس آیت کریمہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آپ کے ساتھ جہاد کے لیے نکلیں، آپ کے پاس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آ گئی جن میں عبداللہ بن مُغَفَّل مُزَنی رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمارے لیے سواری کا انتظام فرما دیں، آپ نے ان سے فرمایا: [وَاللّٰہِ! مَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُکُمْ عَلَیْہِ] ''اللہ کی قسم! میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تم کو سوار کروں۔'' تو وہ روتے ہوئے واپس چلے گئے کیونکہ ان کے لیے یہ بات مشکل تھی کہ وہ جہاد میں حصہ نہ لیں اور گھروں میں بیٹھ رہیں لیکن ان کے پاس خرچ ہے نہ سواری۔ اللہ تعالیٰ نے جب یہ دیکھا کہ اللہ اور اس کے رسول سے انھیں کس قدر شدید محبت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عذر کے بارے میں نازل فرمادیا: ﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۙ۝۹۱ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۝۹۲ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۹۳ ﴾ ''نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریک جہاد ہوں) جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں نیکو کاروں پر کسی طرح کا (سزا کا) راستہ نہیں ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ ان (بے سروسامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ آپ کے پاس آئے کہ ان کو سوار کریں اور آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہ رہی تھیں۔ (سزا کا) راستہ تو صرف ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہیں اور (پھر) آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی) اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھ) رہیں۔ اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے، چنانچہ وہ جانتے ہی نہیں۔''[1]

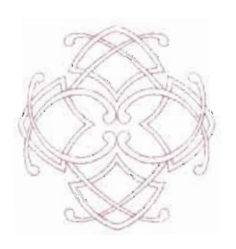
سفر نہ تکلیف، اجر میں برابر کے شریک: مجاہد نے: ﴿ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ﴾ کے بارے میں کہا کہ یہ آیت مُزَینہ کے بنی مُقَرِّن (قبیلے) کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] امام ابن ابوحاتم نے حسن کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَقَدْ خَلَّفْتُمْ بِالْمَدِینَةِ أَقْوَامًا، مَّا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ، وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِیًا، وَّلَا نِلْتُمْ مِّنْ عَدُوٍّ نَّیْلًا، إِلَّا وَقَدْ شَارَکُوکُمْ فِي الْأَجْرِ، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَاۤ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَاۤ اَجِدُ مَاۤ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ ...... ﴾ الآیة] ''بلاشبہ تم نے مدینہ میں کچھ ایسے لوگوں کو اپنے پیچھے چھوڑا ہے کہ تم نے جو بھی خرچ کیا یا جس وادی کو بھی طے کیا یا دشمن کی طرف سے جو دکھ اٹھایا وہ تمھارے ساتھ اجر و ثواب میں شریک ہیں، پھر آپ نے

[1] تفسیر الطبری:10/269. [2] تفسیر الطبری:10/269.

اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ''ان لوگوں پر (کوئی سزا کا راستہ) نہیں جو آپ کے پاس آئے کہ ان کو سوار کریں اور آپ نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر تم کو سوار کروں......۔''①

اس حدیث کا اصل صحیحین میں بروایت انس رضی اللہ عنہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَّا سِرْتُمْ مَّسِيرًا وَّلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا، إِلَّا كَانُوا مَعَكُمْ] ''بے شک مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم نے جب بھی کوئی وادی سر کی یا کوئی مسافت طے کی تو وہ تمھارے ساتھ تھے۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مدینہ میں ہوتے ہوئے وہ ہمارے ساتھ تھے؟ فرمایا: [وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ، حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ] ''اور وہ مدینہ میں اس لیے ہیں کہ انھیں عذر نے روک رکھا ہے۔''②

پھر اللہ تعالیٰ نے قابلِ ملامت ان لوگوں کو قرار دیا ہے جو دولت مند ہونے کے باوجود بیٹھ رہنے کی اجازت مانگتے ہیں اور ان پر تنقید کی کہ وہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں، گھروں میں بیٹھ رہیں، پھر فرمایا: ﴿ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے پس وہ جانتے ہی نہیں۔''



① تفسير ابن أبي حاتم: 6/1863. ② صحيح البخاري، المغازي، باب: 82، حديث:4423 و صحيح مسلم، الإمارة، باب ثواب من حبسه عن الغزو مرض ......، حديث:1911 عن جابر رضي الله عنه.

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ

وہ (منافق) تمھارے سامنے عذر پیش کریں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے: تم عذر پیش نہ کرو، ہم ہرگز تم پر

مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

یقین نہیں کریں گے، اللہ نے تمھارے حالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اور اللہ جلد تمھارے عمل دیکھ لے گا اور اس کا رسول بھی، پھر تم چھپی اور کھلی

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿94﴾ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ

(باتیں) جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمھیں بتا دے گا جو تم عمل کرتے رہے ﴿94﴾ عنقریب وہ تمھارے لیے اللہ کی قسمیں کھائیں گے

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ؕ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ز وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿95﴾

جب تم ان کی طرف پلٹو گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو، چنانچہ تم ان سے درگزر (ہی) کرو۔ بلاشبہ وہ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے، ان

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ج فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ

(کاموں) کے بدلے میں جو وہ کماتے رہے ﴿95﴾ وہ تمھارے لیے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ، سو اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو

الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿96﴾

بھی اللہ ان (لوگوں) سے راضی نہیں ہوتا جو نافرمان ہیں ﴿96﴾

تفسیر آیات :94-96

منافقوں کے مکر وفریب کا بیان: اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ جب مدینہ میں واپس آئے تو منافقوں نے عذر پیش کرنے شروع کر دیے، ﴿ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ ﴾ ''(اے نبی! ان سے) کہہ دیجیے: عذر مت کرو ہم ہرگز تم پر یقین نہیں کریں گے۔'' یعنی ہم تمھیں سچا نہیں مانیں گے۔ ﴿ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ ''تحقیق اللہ نے ہمیں تمھارے سب حالات بتا دیے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول تمھارے عملوں کو جلد دیکھیں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں لوگوں کے سامنے تمھارے سارے عملوں کو ظاہر کر دے گا، ﴿ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿94﴾ ﴾ ''پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ واحد) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو عمل تم کرتے رہے ہو وہ سب تمھیں بتائے گا۔'' یعنی وہ تمھارے اچھے اور برے سب عملوں کے بارے میں تمھیں بتائے گا اور انھی کے مطابق تمھیں بدلہ دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ عذر پیش کرتے ہوئے قسمیں بھی کھائیں گے تاکہ آپ ان سے درگزر کریں اور انھیں ملامت نہ کریں، پس ازراہِ حقارت ان کی طرف التفات نہ کریں کیونکہ یہ ناپاک ہیں، ان کا باطن ناپاک ہے اور ان کے اعتقادات بھی ناپاک ہیں اور آخرت میں ان کا ٹھکانا ﴿ جَهَنَّمُ ج جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿95﴾ ﴾ ''جہنم اس کے بدلے میں جو کام یہ کرتے ہیں۔'' یعنی یہ جہنم ان کے گناہوں اور خطاؤں کی سزا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کے قسمیں کھانے کی وجہ سے اگر آپ ان سے خوش ہو بھی جائیں، ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى

دیہاتی کفر اور منافقت میں زیادہ سخت ہیں اور اس امر کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ ان احکام کو نہ جان پائیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے،

رَسُوْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿97﴾ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا

اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے ﴿97﴾ اور کچھ دیہاتی اس کو تاوان سمجھتے ہیں جو وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور وہ تمھارے خلاف

وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿98﴾ وَمِنَ

زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں (مگر) منحوس گردش انھی کے خلاف ہے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿98﴾ اور کچھ دیہاتی وہ ہیں جو

الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ

اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قربتوں کا ذریعہ اور رسول کی دعاؤں (کے حصول) کا ذریعہ سمجھتے

وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ہیں۔ آگاہ رہو! یقیناً یہ (خرچ کرنا) ان کے لیے قربت کا ذریعہ ہے، اللہ جلد انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿99﴾ ع

رحم کرنے والا ہے ﴿99﴾

عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿96﴾ ''تو بے شک اللہ (ان) نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔'' یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت سے خارج ہو گئے ہیں۔ فسق کے معنی خارج ہونے اور باہر نکل جانے کے ہیں، چوہیا کو عربی میں فُوَيْسِقَةٌ اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے بل سے چیزوں کو خراب کرنے کے لیے باہر نکلتی ہے۔ فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ اس وقت کہا جاتا ہے جب کھجور اپنے خوشوں سے باہر نکل آئے۔

تفسیر آیات: 97-99

دیہاتی لوگ کفر و نفاق میں زیادہ شدید ہوتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتایا ہے کہ دیہاتی لوگوں میں کچھ کافر، کچھ منافق اور کچھ مومن ہیں۔ ان کے کافر و منافق اپنے کفر و نفاق میں دوسروں کی نسبت بہت سخت ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام شریعت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں، یہ ان سے واقف ہی نہ ہوں جیسا کہ اعمش نے ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ ایک دیہاتی زید بن صُوحان کے پاس آ کر اس وقت بیٹھ گیا جب وہ اپنے ساتھیوں سے بیان کر رہے تھے کہ جنگ نہاوند میں ان کا ہاتھ کٹ گیا تھا، اس اعرابی نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! تمھاری بات تو مجھے بہت اچھی لگتی ہے مگر تمھارے ہاتھ نے مجھے شک میں ڈال دیا ہے۔ زید نے کہا کہ تمھیں شک کیوں ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ میرا بایاں ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ اعرابی نے جواب دیا: اللہ کی قسم! یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ (چوری کی سزا میں) دایاں ہاتھ کاٹتے ہیں یا بایاں۔ زید بن صوحان نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ﴿ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ ﴾ ''بدوی کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور وہ اس بات کے زیادہ لائق ہیں کہ وہ ان احکام کو

نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کیے ہیں۔''[1]

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا، وَمَنِ اتَّبَعَ الصَّيْدَ غَفَلَ، وَمَنْ أَتَى السُّلْطَانَ افْتَتَنَ]''جو جنگل میں سکونت اختیار کرے گا وہ سخت دل ہو جائے گا اور جو شکار کے پیچھے لگے گا وہ غافل ہو جائے گا اور جو بادشاہ کے پاس جائے گا وہ فتنے میں مبتلا ہو جائے گا۔''[2] اسے امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[3]

ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ہدیہ دیا تو وہ اس وقت خوش ہوا جب آپ نے اس سے کئی گنا زیادہ اسے لوٹایا، اس وجہ سے آپ نے فرمایا تھا:[لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَّا أَقْبَلَ هَدِيَّةً إِلَّا مِنْ قُرَشِيٍّ أَوْ أَنْصَارِيٍّ أَوْ ثَقَفِيٍّ أَوْ دَوْسِيٍّ]''یقیناً میں نے ارادہ کیا ہے کہ آئندہ صرف کسی قریشی یا انصاری یا ثقفی یا دوسی ہی کا ہدیہ قبول کروں۔''[4] یہ لوگ مکہ، طائف، مدینہ اور یمن جیسے شہروں میں رہتے ہیں اور دیہاتی لوگوں کی نسبت یہ لطیف اخلاق کے مالک ہیں جبکہ دیہاتیوں کی طبیعت میں سختی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ بڑا جاننے والا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' وہ جانتا ہے کہ کون اس بات کا مستحق ہے کہ اسے ایمان اور علم سکھایا جائے اور اس نے اپنے بندوں میں علم، جہالت، ایمان، کفر اور نفاق کو تقسیم کر دیا ہے تو اس کے یہ فیصلے سراسر حکمت پر مبنی ہیں، اپنے علم و حکمت سے وہ جو فیصلہ فرماتا ہے اس کی بابت اس سے پوچھا نہیں جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان دیہاتی لوگوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں: ﴿ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ ﴾ ''جو خیال کرتے ہیں جو کچھ خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ کے رستے میں ﴿ مَغْرَمًا ﴾ ''(اسے) تاوان۔'' یعنی چٹی اور گھاٹا، ﴿ وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ﴾ ''اور تمھارے خلاف زمانے کی گردشوں کا انتظار کرتے ہیں۔'' یعنی تم پر حادثات و آفات کے منتظر ہیں، ﴿ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ﴾ ''مگر گردش کی برائی انھی کے خلاف ہے۔'' یعنی وہ انھی پر لوٹنے والی ہے اور وہ آفت اور برائی انھی پر لوٹے گی۔ ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ خوب سننے والا (اور) بڑا جاننے والا ہے۔'' وہ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے اور جانتا ہے کہ فتح و نصرت کا مستحق کون ہے اور رسوائی و ذلت کا مستحق کون۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ

[1] تفسير الطبري:7,6/11. [2] مسند أحمد:357/1. [3] سنن أبي داود، الصيد، باب في اتباع الصيد، حديث: 2859 وجامع الترمذي، الفتن، باب من أتى أبواب السلطان افتتن، حديث:2256 وسنن النسائي، الصيد، باب اتباع الصيد، حديث:4314. [4] سنن أبي داود، البيوع، باب في قبول الهدايا، حديث:3537 وجامع الترمذي، المناقب، باب في ثقيف وبني حنيفة، حديث:3945 واللفظ له وسنن النسائي، العمرى، باب عطية المرأة بغير إذن زوجها، حديث:3790 عن أبي هريرة رضي الله عنه.

وَالسّٰبِقُوۡنَ الۡاَوَّلُوۡنَ مِنَ الۡمُهٰجِرِيۡنَ وَالۡاَنۡصَارِ وَالَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُمۡ بِاِحۡسَانٍ ۙ

اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبول اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی

رَّضِىَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ وَاَعَدَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ تَحۡتَهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ

ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے،

فِيۡهَاۤ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿۱۰۰﴾

یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۰۰﴾

﴿الرَّسُوۡلِ ؕ﴾ ''اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کی قربتوں اور پیغمبر کی دعاؤں کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔'' یہ دیہاتی قابلِ ستائش ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رستے میں خرچ کرنے کو تقرب الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتے ہیں، نیز اللہ کے رستے میں خرچ کر کے اللہ کے رسول کی دعاؤں کے طلب گار ہیں۔ ﴿اَلَاۤ اِنَّهَا قُرۡبَةٌ لَّهُمۡ ؕ﴾ ''خبردار! وہ بلاشبہ ان کے لیے (موجب) قربت ہے۔'' یعنی انھیں یہ مقاصد حاصل ہو جائیں گے۔ ﴿سَيُدۡخِلُهُمُ اللّٰهُ فِىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۹۹﴾﴾ ''اللہ ان کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا، بے شک اللہ نہایت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔''

تفسیر آیت :100

مہاجرین وانصار رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کے فضائل ومناقب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین وانصار اور نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے خوش ہے اور وہ اپنے اللہ سے خوش ہیں کہ اس نے ان کے لیے ابدی وسرمدی نعمتوں کے باغات تیار فرما رکھے ہیں۔ شعبی کہتے ہیں کہ مہاجرین وانصار میں سے پہلے پہل سبقت کرنے والے وہ ہیں جنھوں نے حدیبیہ کے موقع پر بیعتِ رضوان کا شرف حاصل کیا تھا۔[1] ابوموسیٰ اشعری، سعید بن مسیّب، محمد بن سیرین، حسن اور قتادہ کا قول ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں جنھیں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دونوں قبلوں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی۔[2]

اللہ رب ذوالجلال نے اس مقام پر یہ فرمایا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین وانصار اور نیکوکاری کے ساتھ ان کی پیروی کرنے والوں سے خوش ہے تو کس قدر بد بخت ہیں وہ لوگ جو ان سے بغض رکھیں یا انھیں گالیاں دیں یا ان میں سے بعض سے بغض رکھیں اور انھیں گالیاں دیں، خصوصاً سارے صحابہ کے سردار اور رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے اشرف وافضل صدیق اکبر اور خلیفۂ اعظم حضرت ابوبکر بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہیں جیسا کہ یہ ملعون رافضی ٹولہ افضل صحابہ سے دشمنی اور بغض رکھتا اور انھیں دُشنام دیتا ہے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنۡ ذٰلِكَ.

[1] تفسیر الطبری:11/11. [2] تفسیر الطبری:11/11،12.

وَمِمَّنۡ حَوۡلَكُمۡ مِّنَ الۡاَعۡرَابِ مُنٰفِقُوۡنَ ۛؕ وَمِنۡ اَهۡلِ الۡمَدِيۡنَةِ ۛؔ مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ

اور تمھارے آس پاس جو دیہاتی ہیں ان میں بعض منافق ہیں، اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ (اے نبی!) آپ انھیں نہیں جانتے،

لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ سَنُعَذِّبُهُمۡ مَّرَّتَيۡنِ ثُمَّ يُرَدُّوۡنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيۡمٍ ۚ﴿101﴾

ہم انھیں جانتے ہیں۔ ہم جلد انھیں دوہری سزا دیں گے، پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ﴿101﴾

ان کا یہ طرز عمل اس بات کی دلیل ہے کہ ان کی عقلیں ٹیڑھی اور ان کے دل الٹے ہو چکے ہیں، حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گالی دینے کے بعد کیا ان کا قرآن پر ایمان باقی رہے گا۔ ان کے برعکس اہل سنت کا طرز عمل یہ ہے کہ وہ بھی حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے خوش ہیں کیونکہ ان سے اللہ تعالیٰ خوش ہے اور اسے گالی دیتے ہیں جسے اللہ اور اس کا رسول گالی دے، وہ اس کے دوست ہیں جس کا اللہ دوست ہو اور اس کے دشمن ہیں جس کا اللہ دشمن ہو کہ یہ متبع سنت ہیں بدعتی نہیں۔ یہ اقتدا کرتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہیں کرتے اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی کامیاب و کامران جماعت اور اس کے مومن بندے ہیں۔

تفسیر آیت :101

دیہات اور مدینہ کے منافق: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيۡهِ کو مطلع فرمایا ہے کہ مدینہ کے گردونواح کے قبائل عرب میں بلکہ خود اہل مدینہ میں بھی کچھ لوگ منافق ہیں ﴿مَرَدُوۡا عَلَى النِّفَاقِ﴾ ''وہ نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔'' نفاق کو اختیار کیے اور اسے باقی رکھے ہوئے ہیں، شیطان کو بھی مَرِید اور مَارِد کہا جاتا ہے جب کوئی شخص سرکش اور جابر ہو جائے تو کہتے ہیں: تَمَرَّدَ فُلَانٌ عَلَى اللّٰهِ. ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَا تَعۡلَمُهُمۡ ؕ نَحۡنُ نَعۡلَمُهُمۡ ؕ﴾ ''آپ انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔'' یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے منافی نہیں ہے: ﴿وَلَوۡ نَشَآءُ لَاَرَيۡنٰكَهُمۡ فَلَعَرَفۡتَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ؕ وَلَتَعۡرِفَنَّهُمۡ فِيۡ لَحۡنِ الۡقَوۡلِ ؕ﴾ (محمد 30:47) ''اور اگر ہم چاہتے تو وہ (منافق) لوگ آپ کو دکھا بھی دیتے اور آپ ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیں گے اور آپ انھیں (ان کے) اندازِ گفتگو ہی سے پہچان لیں گے۔'' اس آیت کریمہ میں ان کی ان نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ساتھ وہ پہچانے جا سکتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ متعین طور پر تمام اہل نفاق و شک کو جانتے ہیں۔ آپ کو معلوم تھا کہ اہلِ مدینہ کے بعض لوگوں میں سے منافق بھی ہیں اور آپ انھیں صبح شام دیکھتے بھی تھے۔ آیت کریمہ: ﴿وَهَمُّوۡا بِمَا لَمۡ يَنَالُوۡا ۚ﴾ (التوبۃ 74:9) کی تفسیر میں قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ آپ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو چودہ یا پندرہ منافقوں کا باقاعدہ متعین طور پر بتا دیا تھا۔[1] یہ ایک خاص پہلو تھا جس کے یہ معنی نہیں کہ آپ کو متعین طور پر تمام کے تمام منافقوں کے ناموں کا علم تھا۔ وَاللّٰهُ أَعۡلَمُ.

عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے قتادہ سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں یہ جاننے کا تکلف کرتے ہیں کہتے ہیں کہ فلاں جنت میں ہے اور فلاں جہنم میں ہے لیکن جب آپ ان میں

[1] دیکھیے التوبۃ، آیت: 74 کے ذیل میں۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ

اور کچھ دیگر لوگ ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کیا، انھوں نے ملا جلا عمل کیا، ایک اچھا اور دوسرا برا، امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ

يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿102﴾

قبول فرمائے گا، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿102﴾

سے کسی ایک سے خود اس کے اپنے بارے میں پوچھیں تو وہ کہے گا کہ مجھے معلوم نہیں، حالانکہ اللہ کی قسم! لوگوں کے احوال کی نسبت تو اپنے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے اور تو ایسی بات کا بوجھ اٹھا رہا ہے جس کا بوجھ تو انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی نہیں اٹھایا تھا۔ اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الشعرآء 26:112) ''اور مجھے کیا معلوم جو وہ کرتے ہیں۔'' اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴾ (ھود 11:86) ''اگر تم کو (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا (دیا ہوا) نفع ہی تمھارے لیے بہتر ہے اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ ﴾ ''آپ انھیں نہیں جانتے ہم انھیں جانتے ہیں۔''[1] مجاہد نے ﴿ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾ ''ہم جلد ان کو دوہرا عذاب دیں گے۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ دوہرے عذاب سے مراد قتل اور قید ہونے کا عذاب ہے۔[2] اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے بھوک اور قبر کا عذاب مراد ہے۔[3]

فرمایا: ﴿ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿101﴾ ﴾ ''پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔'' عبدالرحمٰن بن زید کہتے ہیں کہ ایک تو اموال واولاد کا دنیا میں عذاب ہوگا اور انھوں نے یہ آیت پڑھی: ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (التوبة 9:55) ''تو آپ ان کے مالوں اور اولاد سے تعجب نہ کریں، اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیاوی زندگی میں ان کو عذاب دے۔'' دنیا کے یہ مصائب ان کے لیے عذاب ہیں جبکہ مومنوں کے لیے یہ باعث اجر ہیں، پھر ان منافقوں کو آخرت میں آگ کا عذاب بھی ہوگا: ﴿ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿101﴾ ﴾ ''پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔'' اس بڑے عذاب سے مراد جہنم کی آگ کا عذاب ہے۔[4]

تفسیر آیت :102

سستی کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہ جانے والے مومن: اللہ تعالیٰ نے پہلے ان منافقوں کا حال بیان کیا جو بے رغبتی، تکذیب اور شک کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہے تھے، اور اب ان گناہ گاروں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو محض سستی اور راحت طلبی کی وجہ سے جہاد سے پیچھے رہے تھے، حالانکہ ان کا ایمان بھی تھا اور وہ حق کی تصدیق بھی کرتے تھے، فرمایا: ﴿ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ ''اور کچھ دیگر لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں۔'' اپنے گناہوں کا اقرار اور

① تفسیر الطبری:11/15,14 وتفسیر عبدالرزاق:2/162,161، رقم:1118. ② تفسیر الطبری:11/16. ③ تفسیر الطبری:11/16. ④ تفسیر الطبری:11/17.

اپنے رب کے حضور اعتراف کرتے ہیں اور ان کے اچھے اعمال بھی ہیں جنھیں انھوں نے برے عملوں کے ساتھ ملا جلا دیا ہے، ان کو اللہ تعالیٰ عفو اور بخشش سے نوازے گا۔ یہ آیت کریمہ اگر چہ کچھ مخصوص اور معین لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی لیکن اس کا حکم تمام گناہ گاروں، خطا کاروں اور اچھے اور برے عملوں کو ملا جلا دینے والوں کے لیے عام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ آیت ابولبابہ اور ان کے کچھ ایسے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر کے رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ بعض نے کہا ہے کہ ابولبابہ اور ان کے پانچ ساتھی تھے اور بعض نے ان کے ساتھیوں کی تعداد سات اور بعض نے نو بتائی ہے جب رسول اللہ ﷺ اپنے اس غزوے سے واپس تشریف لائے تو ان سب لوگوں نے اپنے آپ کو مسجد کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا اور قسمیں کھائیں کہ اب رسول اللہ ﷺ ہی انھیں کھولیں گے، اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ ......﴾ تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں کھول دیا اور معاف فرما دیا۔ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أَتَانِيَ اللَّيْلَةَ آتِيَانِ فَابْتَعَثَانِي، فَانْتَهَيَا بِي إِلٰى مَدِينَةٍ مَّبْنِيَّةٍ بِلَبِنِ ذَهَبٍ وَّلَبِنِ فِضَّةٍ، فَتَلَقَّانَا رِجَالٌ شَطْرٌ مِّنْ خَلْقِهِمْ كَأَحْسَنِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، وَّشَطْرٌ كَأَقْبَحِ مَا أَنْتَ رَاءٍ، قَالَا لَهُمْ: اذْهَبُوا فَقَعُوا فِي ذٰلِكَ النَّهْرِ، فَوَقَعُوا فِيهِ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَيْنَا قَدْ ذَهَبَ ذٰلِكَ السُّوءُ عَنْهُمْ فَصَارُوا فِي أَحْسَنِ صُورَةٍ، قَالَا لِي: هٰذِهِ جَنَّةُ عَدْنٍ وَّهٰذَاكَ مَنْزِلُكَ، قَالَا: وَأَمَّا الْقَوْمُ الَّذِينَ كَانُوا شَطْرٌ مِّنْهُمْ حَسَنٌ وَّشَطْرٌ مِّنْهُمْ قَبِيحٌ، فَإِنَّهُمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَّآخَرَ سَيِّئًا تَجَاوَزَ اللّٰهُ عَنْهُمْ]

''رات میرے پاس خواب میں دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر ایک ایسے شہر میں لے گئے جو (اس انداز سے) بنا ہوا تھا کہ اس کی ایک اینٹ سونے کی اور ایک چاندی کی تھی اور وہاں ہمیں کچھ ایسے آدمی بھی ملے جن کا نصف حصہ بے حد خوب صورت اور نصف بے حد بدصورت تھا، ان دونوں فرشتوں نے ان سے کہا کہ جاؤ اور اس نہر میں چھلانگ لگا دو، انھوں نے اس میں چھلانگ لگا دی۔ پھر جب وہ ہمارے پاس آئے تو ان کی بدصورتی ختم ہوگئی تھی اور اب ان کا سارا جسم ہی بے حد خوبصورت ہوگیا تھا۔ ان دونوں فرشتوں نے بتایا کہ یہ جنت عدن ہے اور یہ آپ کا مقام ہے اور انھوں نے یہ بھی بتایا کہ یہ لوگ جن کا نصف حصہ خوبصورت اور نصف بدصورت تھا، وہ تھے جنھوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا جلا دیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو معاف فرما دیا ہے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر میں اسی طرح اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ [2]

---

[1] تفسير الطبري:20,19/11. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ﴾ (التوبة 102:9)، حديث:4674.

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط اِنَّ صَلٰوتَكَ

(اے نبی!) ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے (تاکہ) آپ اس کے ذریعے سے انھیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ کریں اور ان کے لیے دعا کریں، بے شک

سَكَنٌ لَّهُمْ ط وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿103﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ

آپ کی دعا ان کے لیے سکون (کا باعث) ہے، اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿103﴾ کیا انھیں معلوم نہیں کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں

عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿104﴾

کی توبہ قبول فرماتا ہے اور وہی صدقات لیتا ہے اور یہ کہ بلاشبہ اللہ ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿104﴾

تفسیر آیات :104,103

زکاۃ وصول کرنے کا حکم اور اس کے فوائد کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ آپ ان مسلمانوں سے ان کے مالوں کی زکاۃ قبول کر کے انھیں ظاہری اور باطنی طور پر پاک کر دیں۔ یہ حکم عام ہے اگرچہ ﴿ اَمْوَالِهِمْ ﴾ کی ضمیر کا مرجع بعض لوگوں کے نزدیک یہی لوگ ہیں جنھوں نے اچھے اور برے دونوں طرح کے عمل کیے تھے اور اپنے گناہوں کا اعتراف کیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قبائل عرب کے بعض مانعین زکاۃ کا یہ عقیدہ تھا کہ اب امام کو زکاۃ ادا نہیں کی جائے گی کیونکہ یہ بات تو رسول اللہ ﷺ ہی کے ساتھ خاص تھی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ...... ﴾ الآیۃ. ''ان کے مالوں میں سے صدقہ وخیرات لیں......۔'' مگر ان کی اس تاویل اور فہم فاسد کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے رد کر دیا اور ان کے خلاف جہاد کیا تاکہ وہ مسلمانوں کے خلیفے کی خدمت میں اسی طرح زکاۃ ادا کریں، جیسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ادا کیا کرتے تھے حتی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے تو یہاں تک فرمایا تھا کہ اللہ کی قسم! اگر انھوں نے بکری کے اس ایک بچے۔[1] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ اونٹ کا گھٹنا باندھنے والی اس رسی۔ کو بطور زکاۃ دینے سے انکار کیا جسے یہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ادا کیا کرتے تھے تو اس انکار کی وجہ سے میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔[2]

﴿ وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ط ﴾ یعنی ان کے حق میں دعائے خیر کیجیے اور ان کے لیے گناہوں سے بخشش طلب کیجیے جیسا کہ امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں جب کسی قوم کی طرف سے مالِ زکاۃ پہنچتا تو آپ ان کے لیے دعائے خیر فرمایا کرتے تھے، میرے والد جب اپنی زکاۃ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى آلِ أَبِي أَوْفٰى] ''اے اللہ! آلِ ابواوفی پر رحمت نازل فرما۔''[3]

---

[1] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب وجوب الزکاۃ، حدیث:1400. [2] صحیح البخاری، الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب الاقتداء بسنن رسول اللہ ﷺ، حدیث:7285,7284 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الأمر بقتال الناس......، حدیث: 20 عن أبی هریرة رضی اللہ عنہ. [3] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب صلاۃ الإمام ودعائه لصاحب الصدقة......، حدیث:1497 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الدعاء لمن أتى بصدقة، حدیث:1078.

وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ

اور (اے نبی!) کہہ دیجیے: تم عمل کرو، پھر اللہ تمھارے عمل کو عنقریب دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی اور تم جلد اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿105﴾

چھپی اور کھلی (باتیں) جاننے والا ہے، پھر وہ تمھیں بتادے گا جو کچھ تم کرتے رہے ﴿105﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ صَلٰوتَكَ ﴾ "بلاشبہ آپ کی دعا۔" بعض نے اسے جمع کے صیغے کے ساتھ [صَلَوَاتِكَ] بھی پڑھا ہے اور باقی نے اسے مفرد کے صیغے کے ساتھ ﴿ صَلٰوتَكَ ﴾ پڑھا ہے۔ ﴿ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ ﴾ "بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ موجب رحمت ہے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ ﴾ "اور اللہ خوب سننے والا ہے۔" آپ کی دعا کو ﴿ عَلِيْمٌ ﴿103﴾ ﴾ "بڑا جاننے والا ہے" کہ آپ کی دعا کا مستحق اور اہل کون ہے۔

اللہ تعالیٰ توبہ کو قبول کرتا اور صدقات کی پرورش فرماتا ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ﴾ "کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (و خیرات) لیتا ہے۔" اس آیت کریمہ میں توبہ اور صدقے کی ترغیب دی گئی ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں جو گناہوں کو مٹا کر انسان کو پاک صاف کر دینے کا موجب بنتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے اور جو کسب حلال سے صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے قبول فرما کر اس طرح اسے پالتا پوستا ہے کہ ایک کھجور احد پہاڑ کے برابر ہو جاتی ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ يَقْبَلُ الصَّدَقَةَ وَيَأْخُذُهَا بِيَمِينِهِ فَيُرَبِّيهَا لِأَحَدِكُمْ، كَمَا يُرَبِّي أَحَدُكُمْ مُهْرَهُ، حَتّٰى إِنَّ اللُّقْمَةَ لَتَصِيرُ مِثْلَ أُحُدٍ] "بے شک اللہ تعالیٰ صدقے کو قبول فرما کر اسے اپنے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اسے اس طرح پالتا پوستا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھوڑے کے بچے کو پالتا ہے حتی کہ ایک لقمہ احد پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے۔" اور اس کی تصدیق کتاب اللہ کی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ ﴾ "کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ ہی اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا ہے اور صدقات (وخیرات) لیتا ہے۔" نیز اس آیت کریمہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے: ﴿ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۭ ﴾ (البقرۃ 276:2) "اللہ سود کو نیست و نابود (بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے۔"[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں آنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں آ جاتا ہے، پھر

[1] تفسير الطبري:25/11. [2] جامع الترمذي، الزكاة، باب ما جاء في فضل الصدقة، حديث:662 ومسند أحمد: 471/2 وتفسير الطبري:27/11.

انھوں نے اسی آیت کریمہ کی تلاوت کی۔[1]

تفسیر آیت :105

نافرمانوں کے لیے وعید: امام مجاہد کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہے۔[2] یعنی ان لوگوں کے لیے جو اس کے احکام کی مخالفت کرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول اور مومن (سب) تمھارے عملوں کو دیکھ لیں گے۔ اور قیامت کے دن ایسا یقیناً ہو کر رہے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝ ﴾ (الحآقة 69:18) ''اس روز تم (سب لوگوں کے سامنے) پیش کیے جاؤ گے اور تمھاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں رہے گی۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ ﴾ (الطارق 86:9) ''جس دن (دلوں کے) بھید جانچے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَحُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (العٰديٰت 100:10) ''اور جو (بھید) دلوں میں ہیں، وہ ظاہر کر دیے جائیں گے۔'' بسا اوقات اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی لوگوں کے سامنے ان کے سارے اعمال آشکارا کر دیتا ہے۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول بیان کیا ہے کہ جب کسی مرد مسلمان کا کوئی حسنِ عمل تمھیں اچھا لگے تو یہ کہو: ﴿ اِعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''تم عمل کرو، پھر اللہ تمھارے عمل کو دیکھے گا اور اس کا رسول اور مومنین بھی۔''[3] ایک حدیث کا بھی قریباً یہی مفہوم ہے۔ امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[لَا عَلَيْكُمْ أَنْ لَّا تَعْجَبُوا بِأَحَدٍ حَتّٰى تَنْظُرُوا بِمَ يُخْتَمُ لَهُ، فَإِنَّ الْعَامِلَ يَعْمَلُ زَمَانًا مِّنْ عُمْرِهٖ۔ أَوْ بُرْهَةً مِّنْ دَهْرِهٖ۔ بِعَمَلٍ صَالِحٍ لَّوْ مَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلًا سَيِّئًا، وَّإِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ الْبُرْهَةَ مِنْ دَهْرِهٖ بِعَمَلٍ سَيِّءٍ، لَّوْ مَاتَ عَلَيْهِ دَخَلَ النَّارَ، ثُمَّ يَتَحَوَّلُ فَيَعْمَلُ عَمَلًا صَالِحًا، وَّإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِعَبْدٍ خَيْرًا اسْتَعْمَلَهٗ قَبْلَ مَوْتِهٖ، قَالُوا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ يَسْتَعْمِلُهٗ؟ قَالَ: يُوَفِّقُهٗ لِعَمَلٍ صَالِحٍ، ثُمَّ يَقْبِضُهٗ عَلَيْهِ]

''کسی کے عمل سے تعجب نہ کرو حتی کہ یہ دیکھ لو کہ اس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے۔ ایک عمل کرنے والا اپنی عمر کے ایک زمانے تک نیک عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اگر اس وقت فوت ہو تو جنت میں داخل ہو جائے مگر پھر بدل کر وہ کوئی برا عمل کر بیٹھتا ہے، اسی طرح ایک شخص کچھ عرصے تک برے عمل کرتا رہتا ہے حتی کہ اگر اس وقت وہ فوت ہو تو جہنم میں داخل ہو جائے مگر پھر بدل کر وہ کوئی نیک عمل کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کے ساتھ خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو موت سے پہلے اس سے کام لے لیتا ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس سے کس طرح کام لیتا ہے؟ فرمایا: اسے عملِ صالح کی توفیق عطا فرما دیتا ہے، پھر اس حالت میں اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے۔'' اس حدیث کو صرف امام احمد ہی نے

[1] تفسير الطبري: 27/11. [2] تفسير الطبري: 28/11. [3] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ...... ﴾ (المآئدة 5:67)، قبل الحديث: 7530 تعليقًا.

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

اور کچھ دوسرے لوگ ہیں جن کا معاملہ اللہ کا حکم آنے تک مؤخر کر دیا گیا ہے، یا تو وہ انھیں سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کر لے گا۔

حَكِيْمٌ ﴿106﴾

اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے ﴿106﴾

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا

اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی تاکہ (مسلمانوں کو) ضرر پہنچائیں اور کفر پھیلائیں اور مومنوں کے درمیان تفرقہ ڈالیں اور اس شخص کے لیے

لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ

گھات لگائیں جو اس سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکا ہے۔ اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ تو نیک ہی تھا۔ اور اللہ گواہی دیتا

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿107﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى

ہے کہ بے شک وہ سراسر جھوٹے ہیں ﴿107﴾ (اے نبی!) آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں، البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد اول روز ہی سے

مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ

تقوے پر رکھی گئی ہے اس کی زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جو (اس بات کو) پسند کرتے ہیں کہ وہ پاک

يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿108﴾

صاف ہوں اور اللہ پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿108﴾

روایت کیا ہے۔[1]

تفسیر آیت: 106

غزوہ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معاملہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ضحاک رحمہم اللہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس آیت سے وہ تین لوگ مراد ہیں جن کی توبہ کی قبولیت کو مؤخر کر دیا گیا تھا اور وہ مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ تھے۔[2] اور وہ سستی، راحت طلبی، پکے پھلوں اور ٹھنڈے گھنے سایوں میں آرام کرنے کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے تھے۔ ان کی عدم شرکت شک اور نفاق کی وجہ سے نہیں تھی، ان میں سے کچھ لوگوں، مثلاً: ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں نے تو اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ باندھ لیا تھا اور کچھ لوگوں نے اپنے آپ کو اس طرح نہیں باندھا تھا، مثلاً: مذکورہ بالا تین حضرات کہ ان کی توبہ کی قبولیت کے معاملے کو مؤخر کر دیا گیا تھا حتی کہ ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ ......﴾ الآية (التوبة 9:117) ”یقیناً اللہ نے نبی اور مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی......“ اور ﴿وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ......﴾ الآية (التوبة 9:118) ”اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکم الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا حتی کہ جب زمین فراخی کے

[1] مسند أحمد: 120/3. [2] تفسير الطبري: 30,29/11.

باوجود ان پر تنگ ہوگئی......'' نازل ہوئی۔[1] جیسا کہ کعب بن مالک کی روایت میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر آگے آ رہا ہے۔

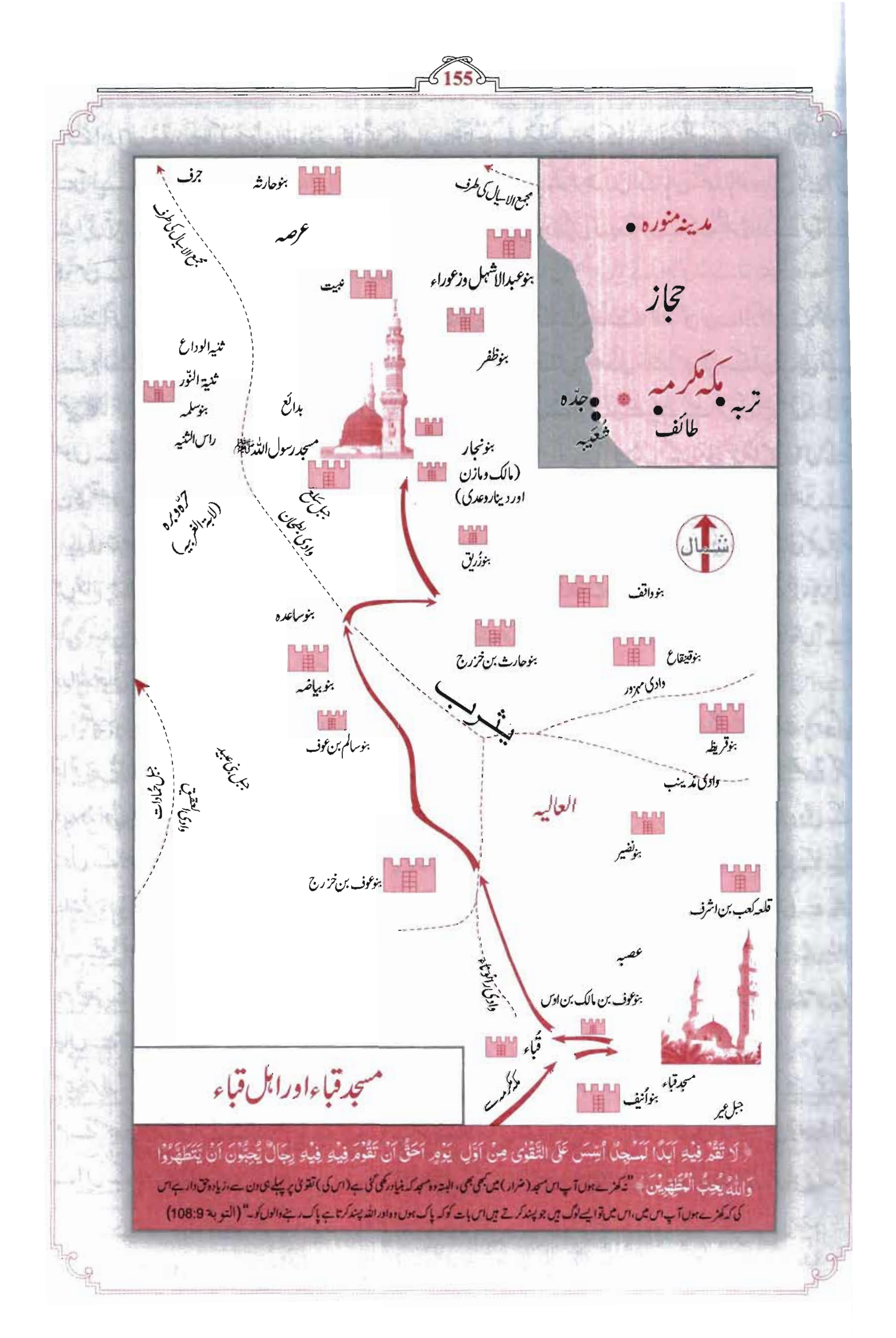
اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِمَّا يُعَذِّبُهُمۡ وَ اِمَّا يَتُوۡبُ عَلَيۡهِمۡ ﴾ ''چاہے ان کو عذاب دے اور چاہے رحمت کر دے۔'' وہ جو چاہے کر سکتا ہے لیکن اس کی رحمت اس کے عذاب پر غالب ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴾ ''اور اللہ خوب جاننے والا، بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ جانتا ہے کہ سزا کا مستحق کون ہے اور معافی کا مستحق کون۔ اور وہ اپنے تمام افعال اور اقوال میں حکمت والا ہے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَلَا رَبَّ سِوَاهُ.

تفسیر آیات: 108,107

مسجدِ ضرار اور مسجد تقویٰ: ان آیات کریمہ کا سببِ نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں خزرج کا ایک شخص تھا جس کا نام ابوعامر راہب تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہوگیا تھا اور اس نے اہل کتاب کے علم کو حاصل کیا تھا، زمانۂ جاہلیت میں یہ بہت عبادت کرتا تھا اور خزرج میں اسے بہت بلند مقام حاصل تھا، رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے جب مدینہ میں تشریف لے آئے، مسلمان آپ کے گرد جمع ہوگئے، اسلام کے کلمے کو سربلندی حاصل ہوگئی اور خصوصاً بدر کے دن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بے حد کامیابی سے سرفراز فرما دیا تو یہ ملعون ابوعامر غصے اور کینے سے تلملا اٹھا اور اس نے کھلم کھلا عداوت اور دشمنی سے کام لینا شروع کر دیا۔ یہ بھاگ کر کفار مکہ اور مشرکین قریش کے پاس گیا اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے خلاف جنگ پر اکسایا، کفار مکہ بھی ان قبائل عرب کے ساتھ شامل ہوگئے جنھوں نے اس سے اتفاق کر لیا تھا، پھر ان سب نے مل کر احد کے موقع پر مسلمانوں کے خلاف جنگ شروع کر دی، اس جنگ میں اگرچہ مسلمان سخت ابتلا اور آزمائش سے بھی گزرے، گو آخر کار کامیابی پرہیزگاروں ہی کو حاصل ہوتی ہے، اس فاسق نے دونوں صفوں کے درمیان بہت سے گڑھے بھی کھود دیے تھے جن میں سے ایک میں رسول اللہ ﷺ بھی گر گئے تھے، جنگ احد میں آپ کا چہرۂ اقدس بھی زخمی ہوگیا تھا، آپ کا سامنے والا دائیں طرف کا نیچے کا دانت ٹوٹ گیا، آپ کے سر مبارک پر بھی زخم آیا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيۡهِ.

دعوتِ مُبارَزت کے آغاز میں یہ ابوعامر انصار میں سے اپنے لوگوں کی طرف بڑھا اور انھیں مخاطب کر کے اپنی نصرت و موافقت پر آمادہ کرنا چاہا جب انھوں نے اس کی آواز کو پہچان لیا تو انھوں نے کہا: اے فاسق! اے اللہ کے دشمن! اللہ تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے، انھوں نے اسے گالیاں دیں اور یہ لوٹ گیا اور کہتا جا رہا تھا: اللہ کی قسم! میرے بعد میری قوم بری ہوگئی ہے۔ اس کے فرار ہونے سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے اللہ کے دین کی دعوت دی اور قرآن پڑھ کر سنایا تھا مگر اس نے سرکشی اختیار کی اور اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا فرمائی کہ یہ مردود و مغضوب ہو کر مرے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ دعا قبول ہوئی اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لوگ جب غزوۂ احد سے فارغ

[1] تفسیر الطبری: 29/11.



مدینہ منورہ
حجاز
مکہ مکرمہ
تربہ
طائف
جدّہ
شُعَیبہ
جرف
بنوحارثہ
مجمع الاسیال کی طرف
عرصہ
بنوعبدالاشہل وزعوراء
نبیت
بنوظفر
ثنیۃ الوداع
ثنیۃ النور
بنوسلمہ
راس الثنیہ
بدائع
مسجد رسول اللہ ﷺ
بنونجار
(مالک ومازن
اور دینار وعدی)
بنوزریق
شمال
بنوواقف
بنوساعدہ
بنوحارث بن خزرج
بنوقینقاع
وادی مہزور
بنوبیاضہ
یثرب
بنوقریظہ
بنوسالم بن عوف
وادی مذینب
العالیہ
بنونضیر
بنوعوف بن خزرج
قلعہ کعب بن اشرف
عصبہ
بنوعوف بن مالک بن اوس
قُباء
مسجد قباء
بنوانیف
جبل عیر
مسجد قباء اور اہل قباء
﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ﴾
"نہ کھڑے ہوں آپ اس مسجد (ضرار) میں کبھی بھی، البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی ہے (اس کی) تقویٰ پر پہلے ہی دن سے، زیادہ حق دار ہے اس کی کہ کھڑے ہوں آپ اس میں، اس میں تو ایسے لوگ ہیں جو پسند کرتے ہیں اس بات کو کہ پاک ہوں وہ اور اللہ پسند کرتا ہے پاک رہنے والوں کو۔" (التوبہ 9:108)

ہوئے اور اس نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کا مشن کامیاب ہوتا جا رہا ہے تو یہ روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس گیا تاکہ اس سے آپ کے خلاف مدد حاصل کرے، اس نے اس کی مدد کا وعدہ کیا اور یہ کچھ عرصہ اس کے ہاں مقیم رہا اور وہاں سے اس نے اپنی قوم کے ان لوگوں کو جو نفاق وشک میں مبتلا تھے خطوط لکھ کر امیدیں دلائیں کہ وہ عنقریب ایک لشکر جرار لے کر آئے گا جس کے ساتھ یہ رسول اللہ ﷺ سے جنگ کر کے غلبہ حاصل کر لے گا۔

نیز اس نے انھیں یہ بھی لکھا کہ وہ ایک ایسی محفوظ جگہ بنالیں جو ان کے لیے گھات کا کام بھی دے اور اس کے خطوط لانے والے لوگ بھی وہاں آکر انھیں اس کے خطوط پہنچا دیں تو انھوں نے اس مقصد کی خاطر مسجد قباء کے قریب ہی ایک مسجد بنانا شروع کر دی اور رسول اللہ ﷺ کے غزوۂ تبوک کے لیے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے اس کی تعمیر مکمل کر لی تو انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر مطالبہ کیا کہ آپ تشریف لائیں اور ان کی مسجد میں انھیں نماز پڑھائیں، اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ آپ کے نماز پڑھانے کو یہ اس مسجد کی بقا اور استحکام کے لیے بطور دلیل استعمال کر سکیں گے انھوں نے آپ کی خدمت میں بیان یہ کیا کہ ہم نے یہ مسجد ان کمزوروں اور بیماروں کے لیے بنائی ہے جو سردی کی راتوں میں مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے لیے نہیں جا سکتے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مسجد میں نماز پڑھانے سے محفوظ رکھا اور آپ نے فرمایا: [إِنَّا عَلٰى سَفَرٍ، وَّلٰكِنْ إِذَا رَجَعْنَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ] ''بے شک اس وقت تو ہم سفر کی تیاری کر رہے ہیں اور جب ہم واپس آئے اور اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم نماز پڑھائیں گے۔''

مگر جب آپ تبوک سے مدینہ منورہ واپس تشریف لا رہے تھے اور مدینہ ایک دن یا ایک دن سے بھی کم مسافت پر رہ گیا تھا تو جبریل وحی لے کر نازل ہوئے جس میں مسجد ضرار کی کیفیت بیان کر دی گئی تھی کہ اس کے بنانے والوں کا مقصد تو کفر اور روز اول سے تقوے کی بنیاد پر تعمیر کی جانے والی مسجد قباء کے مومنوں کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ اس وحی کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے ہی کچھ لوگوں کو اس مسجد کے گرا دینے کے لیے روانہ فرما دیا جیسا کہ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے: یہ انصار میں سے کچھ لوگ تھے جنھوں نے یہ مسجد بنائی تھی اور ان سے ابو عامر نے یہ کہا تھا کہ مسجد بناؤ اور مقدور بھر اسلحہ اور قوت جمع کرو، میں شاہِ روم قیصر کے پاس جا رہا ہوں اور اس سے ایک ایسا رومی لشکر لے کر آؤں گا جس کے ساتھ میں محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کو یہاں سے نکال دوں گا۔

مسجد ضرار میں نماز پڑھنے کی ممانعت: یہ لوگ جب مسجد کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر کہنے لگے کہ ہم نے مسجد کی تعمیر مکمل کر لی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ تشریف لا کر اس میں نماز پڑھائیں اور برکت کی دعا فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں: ﴿لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا﴾ تا ﴿الظّٰلِمِيْنَ﴾ (التوبة 9:108,109) تک آیات نازل فرما دیں۔[1]

[1] تفسير الطبري :11/33. ملحوظہ: مسجد ضرار کا مکمل واقعہ ملاحظہ فرمائیں تفسير الطبري :11/32,31 وتفسير ابن أبي حاتم: 6/1878-1880.

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَيَحْلِفُنَّ ﴾ ''اور قسمیں کھائیں گے'' جنھوں نے مسجد کو بنایا ہے: ﴿ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ﴾ ''ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی۔'' ہمارا اس مسجد کے بنانے سے مقصود تو بھلائی اور لوگوں کے ساتھ نرمی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک یہ جھوٹے ہیں۔'' یہ اپنا مقصد اور نیت بتانے میں جھوٹے ہیں، انھوں نے تو اس مسجد قباء کو نقصان پہنچانے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے، مومنوں میں تفریق وانتشار پیدا کرنے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں، ان کے لیے گھات کی جگہ بنانے کے لیے بنایا ہے۔ پہلے جنگ کرنے والوں سے مراد فاسق اور ملعون ابو عامر ہے جسے راہب کہا جاتا تھا۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ﴾ ''آپ اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو منع فرما دیا کہ اس میں کبھی بھی نماز نہ پڑھیں اور آپ کی اتباع میں آپ کی امت کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

مسجد قباء اور اس میں نماز کی فضیلت: پھر اللہ تعالیٰ نے مسجد قباء میں نماز پڑھنے کی ترغیب دی اور فرمایا کہ یہ وہ مسجد ہے جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے۔ تقوے سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت، مسلمانوں میں اتفاق واتحاد قائم کرنا اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے ٹھکانا مہیا کرنا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ﴾ ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے، اس قابل ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں۔'' سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد مسجد قباء ہی ہے اسی وجہ سے صحیح حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ كَعُمْرَةٍ] ''مسجد قباء میں نماز کا ثواب عمرے کے برابر ہے۔''[1] صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء کی زیارت کے لیے سوار اور پیادہ تشریف لایا کرتے تھے۔[2] حدیث میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب بنی عمرو بن عوف میں تشریف آوری کے وقت اس مسجد کو تعمیر فرمایا تو جبریل امین نے قبلے کی سمت کا تعین کیا تھا۔[3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

اہل قباء اور طہارت: امام احمد نے عُوَیم بن ساعِدہ انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ ان کے پاس مسجد قباء میں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَحْسَنَ عَلَيْكُمُ الثَّنَاءَ فِي الطُّهُورِ فِي قِصَّةِ مَسْجِدِكُمْ، فَمَا هٰذَا الطُّهُورُ الَّذِي تَطَهَّرُونَ بِهِ؟] ''بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھاری (اس) مسجد کے ذکر کے ضمن میں تمھاری پاکیزگی اور صفائی کی تعریف فرمائی تو تم نے پاکیزگی اور طہارت کے لیے کیا صورت اختیار کی ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں اس کے سوا اور کچھ معلوم نہیں کہ ہمارے پڑوس میں کچھ یہودی رہتے تھے اور

[1] جامع الترمذي، الصلاة، باب ما جاء في الصلاة في مسجد قباء، حديث: 324 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ما جاء في الصلاة في مسجد قباء، حديث: 1411 واللفظ له. [2] صحيح البخاري، فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، باب من أتى مسجد قباء كل سبت، حديث: 1193 وصحيح مسلم، الحج، باب فضل مسجد قباء......، حديث: 1399 عن ابن عمر رضي الله عنهما. [3] تاريخ المدينة المنورة: 39/1، رقم: 162.

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا

کیا بھلا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقویٰ اور (اس کی) رضا پر رکھی، (وہ) بہتر ہے یا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد (دریا کے)

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿109﴾ لَا يَزَالُ

ایک کھوکھلے گرنے والے کنارے پر رکھی؟ پھر وہ اسے جہنم کی آگ میں لے گرا؟ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا﴿109﴾ انھوں نے جو عمارت بنائی

بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿110﴾

تھی وہ ہمیشہ ان کے دلوں میں شک ڈالے رکھے گی الا یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے﴿110﴾

وہ قضائے حاجت کے بعد اپنی پیٹھوں کو دھوتے تھے تو ہم نے بھی انھی کی طرح دھونا شروع کر دیا۔[1] اسے ابن خذیمہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿108﴾﴾ ''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے، اس قابل ہے کہ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک رہنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔'' اس بات کی دلیل ہے کہ ان قدیم مسجدوں میں نماز ادا کرنا مستحب ہے۔ جو روزِ اول ہی سے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہیں اور یہ بھی مستحب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک، باعمل، وضو اور طہارت کی حفاظت کرنے والوں اور گندی اور ناپاک چیزوں سے دور رہنے والوں کی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی جائے۔

اچھے طریقے سے وضو نہ کرنے کا نقصان: امام احمد نے اصحابِ رسول اللہ ﷺ میں سے ایک شخص (ابوروح الکلاعی) کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے انھیں صبح کی نماز پڑھائی جس میں آپ نے سورۂ روم کی تلاوت شروع فرمائی مگر آپ اس میں بھولنے لگے اور جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: [إِنَّهُ يَلْبِسُ عَلَيْنَا الْقُرْآنَ أَنَّ أَقْوَامًا مِّنْكُمْ يُصَلُّونَ مَعَنَا، لَا يُحْسِنُونَ الْوُضُوءَ، فَمَنْ شَهِدَ الصَّلَاةَ مَعَنَا فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوءَ] ''بے شک ہمیں قرآن پڑھنے میں التباس ہو جاتا ہے اور یہ اس لیے کہ کچھ لوگ ہمارے ساتھ نماز تو پڑھتے ہیں مگر وہ اچھی طرح وضو نہیں کرتے، لہٰذا جو شخص ہمارے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے آئے تو اسے چاہیے کہ وہ وضو خوب اچھی طرح کرے۔''[3] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ کامل طریقے سے طہارت حاصل کرنا، عبادت میں قیام کو آسان کر دیتا ہے اور اسے آداب و شرائط کے ساتھ احسن اور اکمل انداز میں ادا کرنے کے لیے مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

تفسیر آیات: 110,109

مسجد قبا اور مسجد ضرار میں فرق: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اس کی رضا مندی پر

[1] مسند أحمد: 422/3. [2] صحيح ابن خزيمة، باب ذكر ثناء الله عزوجل على المتطهرين بالماء: 46,45/1، حديث: 83. [3] مسند أحمد: 472,471/3.

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ

بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں،

اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ أَوْفٰى

پھر وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں، یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ ہے تورات اور انجیل اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ اپنے عہد

بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿111﴾

کو پورا کرنے والا کون ہے؟ لہٰذا تم اپنے اس سودے پر خوش ہو جاؤ جو تم نے اس (اللہ) سے کیا، اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے﴿111﴾

رکھی اور وہ برابر نہیں ہو سکتا جس نے اس غرض سے مسجد بنائی کہ ضرر پہنچائے، کفر کرے، مومنوں میں تفرقہ ڈالے اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں، ان کے لیے گھات کی جگہ بنائے کیونکہ ان لوگوں نے تو اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی اور وہ اس کو دوزخ کی آگ میں لے گری۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿109﴾﴾ ''اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' یعنی فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کا عمل صحیح نہیں ہو سکتا۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد ضرار سے دھواں نکلتے ہوئے دیکھا ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''یہ عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں میں (موجب) خلجان رہے (اور ان کو متردد رکھے) گی۔'' یعنی ان کے دلوں میں شک اور نفاق رہے گا کیونکہ انھوں نے بدترین جرم کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ بچھڑے کے پجاریوں کے دلوں میں گائے کے بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی، ارشاد باری تعالیٰ: ﴿إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ؕ﴾ ''مگر یہ کہ ان کے دل پاش پاش ہو جائیں۔'' یعنی ان کی موت واقع ہو جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، زید بن اسلم، سدی، حبیب بن ابی ثابت، ضحاک، عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم اور کئی ایک علمائے سلف رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔[2] ﴿وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ خوب جاننے والا'' اپنی مخلوق کے اعمال کو ﴿حَكِيْمٌ ﴿110﴾﴾ اور ''بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی اپنے بندوں کے اعمال کا اچھا یا برا بدلہ دینے میں۔

تفسیر آیت: 111

اللہ تعالیٰ نے جنت کے بدلے میں مومنوں کے جان و مال کو خرید لیا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب اس کے مومن بندے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو اس کی راہ میں خرچ کریں گے تو وہ انھیں اس کے معاوضے میں جنت عطا فرمائے گا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا خاص احسان ہے کہ اس نے جنت اور اس کی دائمی اور ابدی نعمتوں کے معاوضے کے طور پر ایسی چیزوں کو قبول فرما لیا ہے جن کا درحقیقت وہ خود ہی مالک ہے مگر از راہِ لطف و کرم اس نے وہ چیزیں اپنے اطاعت گزار اور وفا شعار بندوں کو عطا فرما رکھی ہیں۔ امام حسن بصری اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے سودا کیا اور انھیں

[1] تفسير الطبري: 45/11. [2] تفسير الطبري: 47,46/11.

بہت ہی گراں قیمت ادا فرمادی ہے۔[1] شِمر بن عَطِیّہ کہتے ہیں کہ ہر مسلمان کی گردن میں اللہ تعالیٰ کی بیعت ہے، خواہ وہ اسے پورا کرے یا اس پر فوت ہو جائے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی۔[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ کے رستے میں حملہ کرنے والے کے لیے کہا جاتا ہے: بَایِعَ اللّٰہَ یعنی اس نے اس عقد بیع کو قبول کر لیا اور اُسے پورا کیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَ يُقْتَلُوْنَ ﴾ ''یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں۔'' یعنی خواہ وہ کافروں کو ماریں یا خود مریں یا انھیں یہ دونوں باتیں ہی حاصل ہو جائیں ان کے لیے ہر صورت میں جنت واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ مجاہد کا کفیل ہے: صحیحین کی حدیث میں آیا ہے: [تَكَفَّلَ اللّٰهُ لِمَنْ خَرَجَ فِي سَبِيلِهِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا جِهَادٌ فِي سَبِيلِي وَتَصْدِيقٌ بِرُسُلِي بِأَنْ تَوَفَّاهُ أَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ، أَوْ يَرْجِعَهُ إِلٰى مَنْزِلِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ، نَائِلًا مَّا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ] ''اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ذمہ داری قبول فرمائی ہے جو اس کے رستے میں نکلے (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اسے اگر میرے رستے میں نکالنے والی میرے رستے میں جہاد اور میرے رسولوں کی تصدیق کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے (تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) کہ اسے فوت کرے گا اور اسے جنت میں داخل فرمائے گا یا وہ جس گھر سے نکلا تھا اس گھر میں اسے اجر و ثواب یا غنیمت کے ساتھ لوٹائے گا۔''[3]

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ﴾ ''(یہ) تورات اور انجیل اور قرآن میں اس کے ذمے سچا وعدہ ہے۔'' یہ ﴿ حَقًّا ﴾ اس ﴿ وَعْدًا ﴾ کی تاکید مزید ہے، نیز اس نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ اس بات کو اس نے اپنی ذات بابرکات کے لیے لازم ٹھہرالیا ہے اور اسے اپنی ان بڑی بڑی کتابوں میں بھی ذکر فرمایا ہے جسے اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمایا تھا، مثلاً: تورات میں جسے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا، انجیل میں جسے اس نے عیسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا اور قرآن مجید میں جسے اس نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟'' یعنی وہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ (النسآء 122:4) ''اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون (ہوسکتا) ہے؟'' اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''تو جو سودا تم نے اس سے کیا ہے، اس سے خوش رہو اور یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔'' جو شخص اس عقدِ بیع کے تقاضوں کو پورا کرے اور اس عہد کو وفا کرے تو اسے بڑی کامیابی اور جنت کی ابدی و سرمدی نعمتوں پر خوش ہونا چاہیے۔

---

[1] تفسیر الطبری: 49/11. [2] تفسیر الطبری: 49/11. [3] صحیح البخاری، فرض الخمس، باب قول النبی ﷺ: أحلت لکم الغنائم، حدیث: 3123 وصحیح مسلم، الإمارة، باب فضل الجهاد والخروج فی سبیل اللّٰه، حدیث: 1876. حدیث کے یہ الفاظ صحیحین کے مختلف طرق سے لیے گئے ہیں۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ

وہ (مومن) توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے، نیکی کا حکم کرنے

بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾

والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور (اے نبی!) مومنوں کو خوشخبری سنا دیجیے ﴿112﴾

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ

نبی اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان کے متعلق یہ

مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿113﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ

واضح ہو جانے کے بعد کہ وہ بلاشبہ دوزخی ہیں ﴿113﴾ اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش کی دعا کرنا بس ایک وعدے کے باعث تھا جو وعدہ

مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ

انھوں نے اس سے کیا تھا، پھر جب ابراہیم پر واضح ہو گیا کہ یقیناً وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔ بے شک ابراہیم بڑے نرم دل،

لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿114﴾

بہت تحمل والے تھے ﴿114﴾

تفسیر آیت: 112

مومنوں کی صفات جمیلہ: یہ ان مومنوں کی تعریف ہے جن کی ان صفات جمیلہ اور خصائل جلیلہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان سے ان کی جانوں اور مالوں کو خرید لیا ہے۔ ﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ ﴾ ''توبہ کرنے والے۔'' تمام گناہوں سے توبہ کرنے والے اور فواحش و منکرات کو ترک کرنے والے ﴿ الْعٰبِدُوْنَ ﴾ ''عبادت کرنے والے۔'' یعنی اپنے رب کی عبادت کو قائم کرنے والے اور اس کی حفاظت کرنے والے۔ عبادات اقوال و افعال کے مجموعے کا نام ہے، اقوال میں سب سے خاص صورت اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ الْحٰمِدُوْنَ ﴾ ''حمد کرنے والے۔'' اور افضل اعمال میں سے روزہ ہے، اور روزہ کھانے، پینے اور جنسی لذت کے ترک کرنے کا نام ہے اور یہاں سیاحت سے مراد روزہ ہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ السَّآئِحُوْنَ ﴾ ''روزہ رکھنے والے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ اکرم ﷺ کی ازواج مطہرات کی تعریف میں بھی فرمایا ہے: ﴿ سٰٓئِحٰتٍ ﴾ (التحریم 5:66) ''روزہ رکھنے والیاں۔'' اسی طرح افضل اعمال میں سے رکوع و سجود بھی ہیں اور وہ نماز سے عبارت ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ ﴾ ''رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے۔''

اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو فائدہ بھی پہنچاتے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ذریعے سے اطاعتِ الٰہی کی طرف ان کی راہنمائی بھی کرتے ہیں، پھر انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ کون سا کام کرنا ہے اور کون سا نہیں کرنا، یعنی حلال و حرام کے بارے میں وہ حدودِ الٰہی کو جانتے بھی ہیں اور ان کے مطابق عمل بھی کرتے ہیں، یعنی حق سبحانہ و تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں اور اس کی مخلوق کی ہمدردی و خیر خواہی بھی کرتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿112﴾ ﴾ ''اور (اے

پیغمبر!) مومنوں کو (بہشت کی) خوش خبری سنا دیں۔'' کیونکہ ایمان ان ساری باتوں کو شامل ہے اور انتہائی سعادت منداور خوش بخت ہیں وہ لوگ جو ان صفات حمیدہ سے متصف ہوں۔

تفسیر آیات: 114,113

مشرکین کے لیے دعا کی ممانعت: امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسیّب سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت تھا تو نبیٔ اکرم ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور اس وقت اس کے پاس ابوجہل اور عبداللہ بن ابوامیہ بھی بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَيْ عَمِّ! قُلْ: لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ] ''اے چچا! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دیں، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جس کے ساتھ میں آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھگڑا کروں گا۔'' یہ سن کر ابوجہل اور عبداللہ بن ابواُمیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین کو چھوڑتے ہو؟ وہ ہمیشہ اُسے ورغلاتے رہے حتی کہ آخری بات ابوطالب نے یہ کی کہ میں عبدالمطلب ہی کے دین پر ہوں، نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ] ''میں اس وقت تک آپ کے لیے بخشش کی دعا کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا جائے۔'' تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿113﴾ ﴾ ''پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ بے شک مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔'' نیز اس سلسلے میں یہ آیت بھی نازل ہوئی تھی: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص 56:28) ''(اے نبی!) بے شک آپ جس کو پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔''[1] اسے امام بخاری اور مسلم رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

ابن جریر نے سلیمان بن بریدہ سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ جب مکہ میں تشریف لائے تو آپ ایک قبر کے نشان کے پاس گئے، وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، پھر اشکبار ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے، ہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ نے جو کیا ہم نے بھی اسے دیکھا ہے، آپ نے فرمایا: [إِنِّي اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي زِيَارَةِ قَبْرِ أُمِّي فَأَذِنَ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي الْاِسْتِغْفَارِ لَهَا فَلَمْ يَأْذَنْ لِّي] ''بے شک میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مانگی تھی تو اس نے مجھے اجازت عطا فرما دی، اور میں نے ان کی بخشش کے لیے دعا کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت عطا نہ فرمائی۔'' اس دن جس قدر کثرت کے ساتھ آپ روئے اس طرح کبھی نہیں روئے تھے۔[3]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کریمہ: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا...... ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ نے اپنی والدہ کے لیے بخشش مانگنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا تھا، آپ نے بارگاہ الٰہی

---

[1] مسند أحمد:433/5. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (التوبة 113:9)، حديث:4675 وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على صحة إسلام من حضره الموت......، حديث: 24.

[3] تفسير الطبري:58/11.

میں عرض کی: [إِنَّ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلَ اللّٰهِ علیہ السلام قَدِ اسْتَغْفَرَ لِأَبِيهِ......] ''بے شک حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے تو اپنے باپ کے لیے بخشش طلب کی تھی......۔'' تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ...... ﴾ ''اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش طلب کرنا تو ایک وعدے کے سبب تھا، جو وعدہ اس (ابراہیم) نے اس (باپ) سے کیا تھا......۔''[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ لوگ مشرکین کے لیے بھی بخشش کی دعا کیا کرتے تھے حتی کہ یہ آیت نازل ہوگئی تو انھوں نے فوت شدگان مشرکین کی بخشش کے لیے دعا کرنا ترک کر دیا لیکن انھیں زندہ مشرکین کے لیے دعا سے منع نہیں کیا گیا تھا تاوقتیکہ وہ فوت نہ ہو جائیں، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ...... ﴾ الآية.[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ ﴾ ''پھر جب ان کو معلوم ہو گیا کہ بے شک وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کی وفات تک بخشش کی دعا کرتے رہے اور جب آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب وہ فوت ہوا، تب آپ کو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے۔[3] مجاہد، ضحاک، قتادہ اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[4] عبید بن عمیر اور سعید بن جبیر نے یہ کہا ہے کہ آپ اس سے بیزاری کا اظہار قیامت کے دن اس وقت کریں گے جب آپ اس سے ملیں گے اور دیکھیں گے کہ اس کے چہرے پر سیاہی اور غبار ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اے ابراہیم! میں نے پہلے تمھاری بات ماننے سے انکار کر دیا تھا مگر آج انکار نہیں کروں گا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہیں گے کہ اے اللہ! کیا تو نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ تو مجھے قیامت کے دن رسوا نہیں کرے گا۔ تو میرے لیے اس سے بڑھ کر رسوائی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ میرے باپ کو رحمت سے دور کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اس وقت کہا جائے گا کہ ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھیں، آپ دیکھیں گے کہ خاک و خون میں تڑپتی ہوئی بجو کی ایک لاش ہے، پھر اسے پاؤں سے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔[5]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ ﴾ ''بے شک ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ أَوَّاهٌ کے معنی کثرت سے دعا کرنے والے کے ہیں، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ معنی کئی سندوں سے مروی ہے۔[6] أَوَّاهٌ کے اور بھی کئی معانی بیان کیے گئے ہیں، مثلاً: الحاح وزاری کرنے والے، رحم دل، صاحبِ یقین و ایمان اور تسبیح

---

① تفسير الطبري:58/11. ② تفسير الطبري:59/11. ③ تفسير الطبري:62/11 و تفسير ابن أبي حاتم:1894/6.
④ تفسير الطبري:63/11. ⑤ عبید بن عمیر و سعید بن جبیر سے تو یہ روایت ہمیں نہیں ملی، البتہ یہ روایت بالفاظ دیگر صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ دیکھیے صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ ﴾ (النسآء 125:4)...... ، حديث:3350. ⑥ تفسير الطبري:64/11.

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًۢا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰىهُمۡ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمۡ مَّا يَتَّقُوۡنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ

اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک کہ ان کے لیے وہ چیزیں واضح نہ کر دے جن سے وہ بچیں۔

شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿115﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے ﴿115﴾ بے شک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے،

مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿116﴾

اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ﴿116﴾

بیان کرنے والے وغیرہ۔[1]

تفسیر آیات:116,115

مؤاخذہ اتمام حجت کے بعد ہی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک اور اپنے مبنی برعدل وانصاف فیصلے کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ وہ کسی قوم کو پیغام پہنچانے اور ان پر حجت تمام کرنے کے بعد ہی گمراہ کرتا ہے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿وَ اَمَّا ثَمُوۡدُ فَهَدَيۡنٰهُمۡ ......﴾ الآية (حٰمٓ السجدة 17:41) ''اور جو ثمود تھے تو ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا......'' امام مجاہد کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوۡمًۢا بَعۡدَ اِذۡ هَدٰىهُمۡ﴾ میں جو یہ فرمایا ہے کہ اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب تک مومنوں کے لیے یہ بات بیان نہ فرما دے کہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا نہیں کرنا اور یہ واضح نہ فرما دے کہ اس کی معصیت کیا ہے اور اطاعت کیا، لہٰذا تم چاہو تو اس کام کو کرو اور اگر چاہو تو چھوڑ دو۔[2] ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے مشرک مردوں کے لیے طلب بخشش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمھیں گمراہ قرار دینے کا فیصلہ نہیں کرے گا جبکہ اس نے تمھیں ہدایت سے سرفراز فرمایا اور اپنے اور اپنے رسول پر ایمان لانے کی توفیق بخشی ہے اور جب وہ تمھیں اس سے منع فرما دے تو اس سے رک جاؤ اور اس کی ممانعت سے پہلے اگر تم نے بخشش کی دعا کی ہو تو اس کی وجہ سے وہ تمھیں گمراہ قرار نہیں دے گا کیونکہ طاعت ومعصیت کا انحصار تو امر اور نہی پر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ نے حکم نہ دیا یا منع نہ کیا ہو تو کام کرنے والے کو فرمانبردار اور نہ کرنے والے کو نافرمان قرار نہیں دیا جا سکتا۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يُحۡىٖ وَيُمِيۡتُ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ﴿116﴾﴾ ''بے شک اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہی زندگانی بخشتا اور (وہی) موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ترغیب دی ہے کہ وہ مشرکوں اور کافر بادشاہوں سے جہاد کریں، آسمانوں اور زمین کے بادشاہ اللہ تعالیٰ کی نصرت

① تفسير الطبرى:11/64-70. ② تفسير الطبرى:11/73. ③ تفسير الطبرى:11/73.

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ

یقیناً اللہ نے نبی اور ان مہاجرین وانصار پر مہربانی فرمائی جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں آپ کی پیروی کی، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ

مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿117﴾

کے دل بہک جانے کو تھے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر بہت شفقت کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿117﴾

پر اعتماد کریں اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی اور دوست یا مددگار نہیں ہے۔ [1]

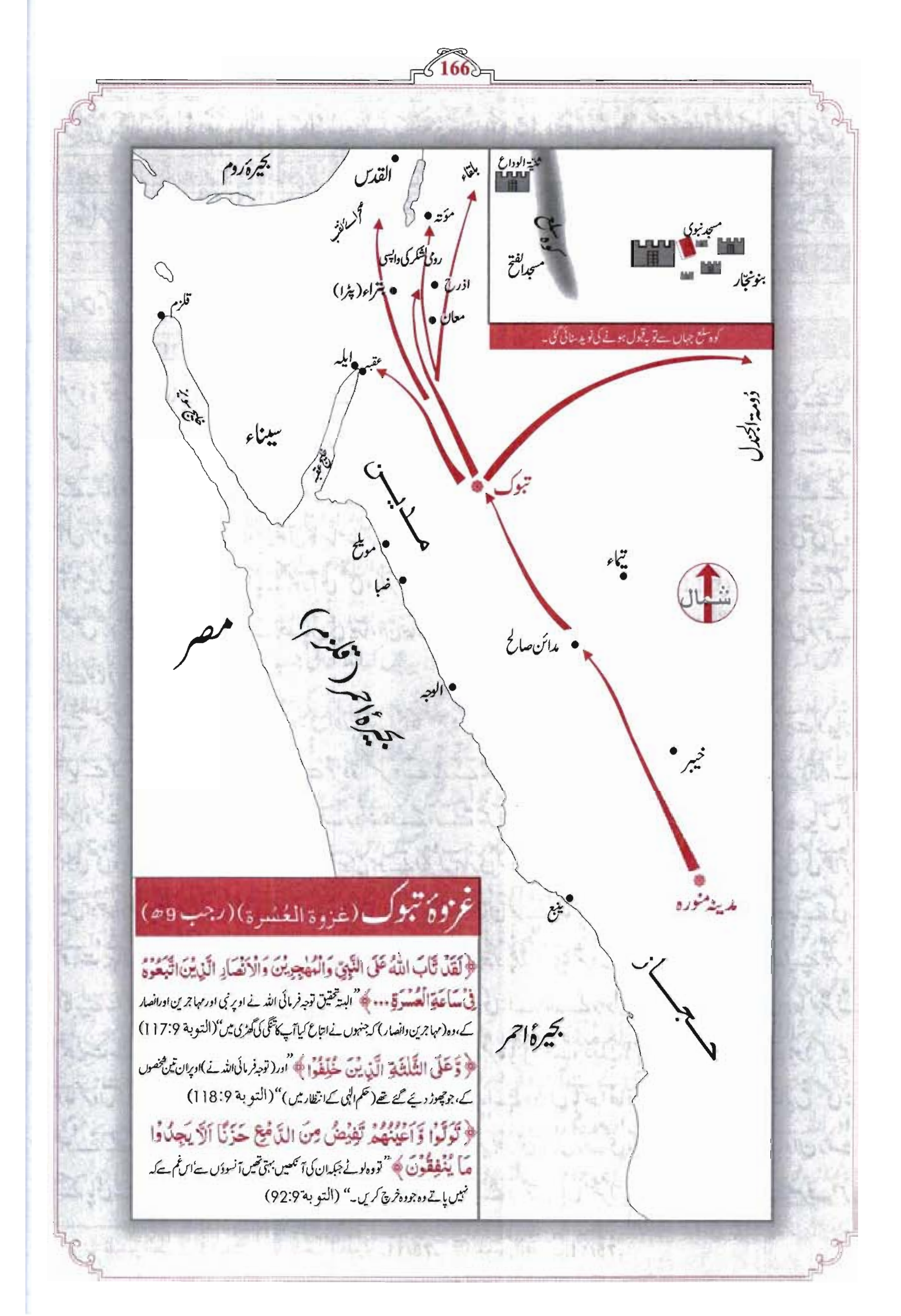
تفسیر آیت: 117

غزوۂ تبوک: مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوۂ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ [2] صحابۂ کرام اس غزوے کے لیے قحط سالی، شدید گرمی، زادِ راہ اور پانی کی کمی جیسے شدید حالات میں اپنے گھروں سے نکلے تھے۔ قتادہ نے کہا ہے کہ صحابۂ کرام شدید ترین گرمی اور بے حد مشکلات میں غزوۂ تبوک کے لیے شام کی طرف نکلے تھے۔ اس غزوے میں انھیں بے پناہ تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کھانے پینے کی بھی اس قدر شدید کمی تھی کہ دو آدمیوں کے حصے میں صرف ایک کھجور آتی تھی، پھر کئی آدمیوں کے حصے میں صرف ایک کھجور آنے لگی، ان میں سے ایک شخص کھجور کو چوس لیتا اور اس کے بعد پانی پی لیتا، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حالات پر رحم فرمایا اور انھیں غزوے سے لوٹا دیا۔ [3]

تپتے صحراء، دشوار راہ، منزل کی دوری اور مجاہدین کا صبر وثبات: ابن جریر نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے غزوۂ عُسرہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے بتایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سخت گرمی کے موسم میں تبوک کی طرف روانہ ہوئے، رستے میں ایک جگہ ہم نے جب پڑاؤ ڈالا تو ہمیں شدید پیاس لگی ہوئی تھی، پیاس کی شدت کے باعث یوں محسوس ہونے لگا کہ ہماری گردنیں کٹ جائیں گی، آدمی بے قرار ہو کر پانی کی تلاش میں ادھر ادھر جاتا مگر اسے کہیں پانی نظر نہ آتا تو واپس آجاتا اور گمان کرنے لگتا کہ بس اب اس کی زندگی تمام ہو جائے گی۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ لوگوں نے اونٹ ذبح کر کے ان کی اوجھ کو نچوڑ کر پینا شروع کر دیا اور جو باقی بچتا اسے اپنے جگر پر لگا لیتے۔ اس صورت حال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے، آپ ہمارے لیے دعا فرمائیے؟ آپ نے فرمایا: [تُحِبُّ ذٰلِكَ؟] ''کیا تم یہ پسند کرتے ہو (کہ میں دعا کروں؟)'' انھوں نے عرض کی: جی ہاں! آپ نے دعا کے لیے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے اور ابھی دعا سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ آسمان سے موسلا دھار بارش برسنے لگی، پھر تھوڑی دیر بعد ہی بارش رک گئی، لوگوں نے اپنے برتن بارانِ رحمت کے پانی سے بھر لیے، پھر ہم جب اپنے پڑاؤ کی اس جگہ سے باہر نکلے تو کہیں پانی نظر نہیں آیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف اس

---

[1] تفسیر الطبری: 74/11. [2] تفسیر الطبری: 75/11. [3] تفسیر الطبری: 75/11.



بحیرۂ روم
القدس
بلقاء
ثنیۃ الوداع
مؤتہ
رومی لشکر کی واپسی
مسجد نبوی
مسجد الفتح
بنو نجار
اذرح
بتراء (پٹرا)
معان
قلزم
کوہ سلع جہاں سے توبہ قبول ہونے کی نوید سنائی گئی۔
عقبہ
ایلہ
دومۃ الجندل
سیناء
تبوک
مدین
مویلح
تیماء
ضبا
شمال
مصر
بحیرۂ احمر (قلزم)
مدائن صالح
الوجہ
خیبر
مدینہ منورہ
ینبع
حجاز
بحیرۂ احمر
غزوۂ تبوک (غزوۃ العُسرۃ) (رجب 9ھ)
﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ...﴾ ”البتہ تحقیق توجہ فرمائی اللہ نے اوپر نبی اور مہاجرین اور انصار کے، وہ (مہاجرین وانصار) کہ جنہوں نے اتباع کیا آپ کا تنگی کی گھڑی میں“ (التوبة 9:117)
﴿وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا﴾ ”اور (توجہ فرمائی اللہ نے) اوپر ان تین شخصوں کے، جو چھوڑ دیے گئے تھے (حکم الٰہی کے انتظار میں)“ (التوبة 9:118)
﴿تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴾ ”تو وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ خرچ کریں۔“ (التوبہ 9:92)

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

اور ان تین افراد پر بھی (مہربانی فرمائی) جنھیں (حکمِ الٰہی کے انتظار میں) چھوڑ دیا گیا تھا، حتی کہ جب زمین فراخی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ

جانیں (بھی) ان پر تنگ ہوگئیں، اور انھوں نے سمجھا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا ان کے لیے کوئی جائے پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر

عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿118﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ

14 ع 8 3

مہربانی کی، تاکہ وہ توبہ کریں۔ بے شک اللہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿118﴾ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو

وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿119﴾

اور سچ بولنے والوں کے ساتھ ہو جاؤ ﴿119﴾

لشکر ہی کو پانی سے نوازا تھا۔ [1]

ابن جریر نے آیت کریمہ: ﴿ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ ﴾ ''بے شک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو مشکل گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے تھے۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ گھڑی نفقہ وخرچہ، سواری، زادراہ اور پانی نہ ہونے کی وجہ سے مشکل تھی۔ [2] ﴿ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''بعد اس کے کہ قریب تھا ان میں سے ایک گروہ کے دل ٹیڑھے ہو جاتے۔'' یعنی وہ حق سے پھر جانے کو تھے، رسول اللہ ﷺ کے دین کے بارے میں انھیں شک پیدا ہونے لگا تھا، سفر اور اس غزوے میں پیش آنے والی ناقابل برداشت شدت اور مشقت کی وجہ سے انھیں شک پیدا ہونے لگا تھا، ﴿ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ ﴾ ''پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔'' یعنی اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے اور اپنے دین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما دی۔ ﴿ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿117﴾ ﴾ ''بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' [3]

تفسیر آیات: 119,118

ان تین صحابہ ؓ کا قصہ جن پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ کر دی گئی: امام احمد نے روایت کیا ہے کہ عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا۔ اور یہ عبداللہ حضرت کعب کے بیٹوں میں سے اس وقت ان کا رہبر تھا جب وہ نابینا ہو گئے تھے۔ کہ میں نے (اپنے والد) کعب بن مالک کو اپنا وہ واقعہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے جب وہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے۔ حضرت کعب نے بیان کیا کہ میں غزوۂ تبوک کے سوا اور کسی بھی غزوے میں رسول اللہ ﷺ سے کبھی بھی پیچھے نہیں رہا تھا۔ ہاں، البتہ غزوۂ بدر میں بھی پیچھے رہ گیا تھا لیکن غزوۂ بدر میں پیچھے رہ جانے والے کسی شخص پر بھی ناراضی کا اظہار نہیں کیا گیا تھا کیونکہ اس غزوے میں تو رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلے کے تعاقب میں نکلے تھے حتی کہ

[1] تفسیر الطبری: 76/11. [2] تفسیر الطبری: 74/11. [3] تفسیر الطبری: 74/11.

اللہ تعالیٰ نے ان کواوران کے دشمن کو پہلے سے کسی طے شدہ پروگرام کے بغیر ایک دوسرے کے مقابل صف آرا کر دیا تھا۔عقبہ کی رات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس اس وقت حاضر تھا جب ہم نے اسلام پر آپ سے پیمان وفا باندھا تھا۔اگر چہ بدر کا چرچا اوراس کی شہرت لوگوں میں زیادہ ہے لیکن بدر کی حاضری کی نسبت مجھے عقبہ کی رات کی حاضری زیادہ عزیز ہے۔

اور غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے میرے پیچھے رہ جانے کا واقعہ اس طرح ہے کہ میں اتنا زیادہ قوی اور اتنا زیادہ خوش حال کبھی نہیں تھا جتنا کہ اس وقت تھا جب میں غزوۂ تبوک میں آپ کے ساتھ شریک نہ ہوسکا تھا، اللہ کی قسم! میرے پاس کبھی بھی دوسواریاں نہیں تھیں جبکہ اس موقع پر میرے پاس دوسواریاں تھیں (میرے پاس جسمانی یا مالی اعتبار سے پیچھے رہ جانے کا کوئی جواز نہ تھا) ایسا کبھی کم ہی ہوا ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی غزوے کا ارادہ فرمایا ہواور توریے سے کام نہ لیا ہو مگر اس غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے توریے سے کام نہیں لیا تھا (اپنے سفر اور پروگرام کے بارے میں کسی بھی بات کو مخفی نہیں رکھا تھا) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ غزوہ فرمایا سخت گرمی کا موسم تھا، سفر بھی بہت دور کا اور جنگل بیابانوں کا تھا، پھر جس دشمن سے مقابلہ تھا اس کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، اس لیے آپ نے مسلمانوں کے سامنے ساری صورت حال کو واضح فرما دیا تھا تا کہ وہ دشمن کے مقابلے کے لیے پوری پوری تیاری کرلیں، آپ نے وہ سمت بھی بتا دی جس کی طرف جانے کا ارادہ تھا۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، تاہم ایسا کوئی رجسٹر وغیرہ نہیں تھا جس میں تمام مسلمانوں کے نام لکھے ہوئے ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا اس لیے اگر کوئی شخص جنگ سے غیر حاضر رہتا تو وہ یہی سمجھتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے مخفی رہے گا اور وحی الٰہی کے بغیر اس کا معاملہ آپ ﷺ کے علم میں نہیں آئے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ غزوہ اس وقت فرمایا تھا جب پھل پک چکے تھے اور درختوں کے سائے گھنے اور ٹھنڈے تھے اور میرا زیادہ میلان انھی (پھلوں اور سایوں) کی طرف تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ مومنوں نے بھی اس غزوے کی تیاری کر لی اور میرا حال یہ تھا کہ صبح کو پروگرام بناتا کہ تیاری کروں مگر سارا دن گزر جاتا اور کوئی تیاری نہ کر پاتا اور اپنے دل میں یہ سوچتا کہ میں جب چاہوں گا جہاد میں شریک ہو جاؤں گا کیونکہ میرے پاس تمام وسائل موجود ہیں، میری صورتحال یہی رہی اور لوگوں نے جہاد کی تیاری مکمل کر لی حتی کہ ایک دن صبح سویرے رسول اللہ ﷺ اور مسلمان کشاں کشاں سوئے منزل روانہ ہو گئے اور میں ابھی تک قطعاً کوئی تیاری نہ کر سکا تھا، میں نے کہا کہ میں تو ایک یا دو دن بعد بھی تیاری کر کے آپ کے ساتھ مل جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے روانہ ہونے کے بعد میں نے تیاری کا پروگرام بنایا مگر پھر بھی کوئی تیاری نہ کر سکا، یہ دن گزر گیا، دوسرے دن کی صبح ہوگئی اور میں پھر بھی کوئی تیاری نہ کر سکا، میری یہی صورتحال رہی اور مجاہدین تیز رفتاری کے ساتھ سوئے منزل رواں دواں تھے اور غزوے میں شریک ہونے کا وقت بھی ختم ہو گیا، میں نے پھر بھی ارادہ کیا کہ سفر پر روانہ ہو جاؤں اور ان کو جاملوں اورا ے کاش! کہ میں ایسا کر لیتا لیکن مجھے اس کی توفیق نہ ملی۔

رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد جب میں لوگوں میں نکلتا تو یہ دیکھ کر میں غمگین ہو جاتا کہ اب اگر کوئی نظر

آ تا ہے تو یا ایسا شخص جس پر نفاق کا الزام ہے یا وہ کمزور جسے اللہ تعالیٰ نے جہاد میں شرکت سے معذور قرار دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے رستے میں یاد نہ فرمایا حتی کہ آپ جب تبوک تشریف لے گئے اور وہاں صحابۂ کرام کے جلو میں تشریف فرما تھے تو آپ نے فرمایا: [مَا فَعَلَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ؟] ''کعب بن مالک کو کیا ہوا؟'' بنوسَلِمہ کے ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! اسے اس کی دونوں چادروں اور اپنے دونوں پہلوؤں کو دیکھنے نے روک لیا ہے؟ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا کہ تم نے بہت بری بات کہی ہے۔ اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول! ہمیں اس کے بارے میں خیر کے سوا اور کچھ معلوم نہیں، یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے سکوت فرما لیا۔

کعب بن مالک نے بیان کیا جب مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک سے واپسی کا سفر شروع فرما دیا ہے تو مجھ پر غم واندوہ کی کیفیت چھا گئی اور میں جھوٹے حیلے بہانے سوچنے لگا اور دل میں کہنے لگا کہ کل آپ کی ناراضی سے کس طرح بچوں گا۔ اور اس کے بارے میں، میں اپنے گھر کے ہر صاحبِ رائے شخص سے بھی مدد لینے لگا اور جب مجھے یہ بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ اب (مدینہ میں) تشریف لانے ہی والے ہیں تو (جھوٹے حیلے بہانوں کا) خیال باطل میرے دل سے محو ہو گیا اور یہ حقیقت مجھ پر آشکار ہو گئی کہ میں جھوٹ بول کر کبھی بھی آپ سے بچ نہیں سکوں گا، لہٰذا میں نے آپ سے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔

بالآخر وہ صبح جاں نواز آ پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ سفر سے جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرماتے، پھر لوگوں کے سامنے بیٹھ جاتے۔ اس سفر سے واپسی پر بھی جب آپ نے ایسا ہی کیا تو پیچھے رہ جانے والوں نے آ کر آپ کے سامنے قسمیں کھا کھا کر اپنے عذر پیش کرنے شروع کر دیے، ان لوگوں کی تعداد 80 سے کچھ زیادہ تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہری عذر قبول فرمائے، ان کے لیے بخشش کی دعا کی اور ان کی باطنی حالتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دیا حتی کہ میں نے بھی آپ کی خدمت اقدس میں حاضری دی، میں نے سلام عرض کی: تو آپ اس طرح مسکرائے کہ جس میں ناراضی کی آمیزش تھی، پھر آپ نے مجھے فرمایا: [تَعَالَ] ''(آگے) آجاؤ'' میں آگے آ کر آپ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا: [مَا خَلَّفَكَ، أَلَمْ تَكُنْ قَدِ اسْتَمَرَّ ظَهْرُكَ؟] ''تم (جہاد سے) پیچھے کیوں رہے؟ تمھارے پاس سواری موجود نہیں تھی؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! اگر میں دنیا کے کسی اور شخص کے سامنے بیٹھا ہوتا تو یقیناً کوئی جھوٹا عذر پیش کر کے اس کی ناراضی سے بچ جاتا کیونکہ مجھے بحث وتکرار کرنے میں بڑا ملکہ حاصل ہے لیکن اللہ کی قسم! مجھے یہ معلوم ہے کہ اگر آج میں آپ کے سامنے جھوٹ بول کر کوئی ایسی بات کروں کہ آپ مجھ سے خوش ہو جائیں تو عنقریب اللہ تعالیٰ (مطلع فرما کر) آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر میں آپ سے سچی بات عرض کروں تو آپ یقیناً مجھ سے ناراض ہو جائیں گے لیکن اس صورت میں مجھے اللہ تعالیٰ سے اچھے انجام کی امید ہے۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میرے پاس کوئی عذر نہ تھا، اللہ کی قسم! میں اتنا طاقت ور اور خوش حال کبھی نہ تھا جتنا

میں اس وقت تھا جب آپ سے پیچھے رہا۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَمَّا هٰذَا فَقَدْ صَدَقَ، فَقُمْ حَتّٰى يَقْضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيكَ] ''اس شخص نے سچی بات کہی ہے، پھر فرمایا: جاؤ تم یہاں سے کھڑے ہو جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے بارے میں فیصلہ فرما دے۔'' میں کھڑا ہو گیا تو میرے ساتھ بنوسَلِمہ کے کچھ لوگ بھی کھڑے ہو گئے اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلے آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! ہمیں نہیں معلوم کہ آپ نے اس سے پہلے کبھی کوئی گناہ کیا ہو تو تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس طرح کا کوئی عذر کیوں نہ پیش کر سکے جیسے عذر جہاد سے پیچھے رہ جانے والے دوسرے لوگوں نے کیے تھے۔ تمھارے اس گناہ سے معافی کے لیے تو یہی بات کافی تھی کہ رسول اللہ ﷺ تمھاری بخشش کے لیے دعا فرما دیتے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میری سچائی پر وہ اس قدر مسلسل مجھے ملامت کرتے رہے کہ میرے جی میں آیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں واپس جا کر اپنی پہلی بات کی تکذیب کر دوں لیکن پھر میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اس طرح کا معاملہ کسی اور کے ساتھ بھی پیش آیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: ہاں، اس طرح کا معاملہ دو اور لوگوں کے ساتھ بھی پیش آیا ہے اور انھوں نے بھی وہی بات کہی جو تم نے کہی ہے۔ اور ان سے بھی وہی کہا گیا ہے جو تم سے کہا گیا ہے، میں نے پوچھا کہ وہ دو آدمی کون ہیں۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک مُرارہ بن رَبیع عَمرِی اور دوسرے ہلال بن امیہ واقفی، انھوں نے ایسے دو نیک آدمیوں کا نام لیا جنھیں غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور میرے لیے وہ نمونہ تھے۔ جس وقت انھوں نے ان دونوں آدمیوں کا میرے سامنے ذکر کیا تو میں اپنے سابقہ موقف پر جم گیا۔

رسول اللہ ﷺ نے پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہم تینوں سے مسلمانوں کو گفتگو کرنے سے منع فرما دیا۔ جس کی وجہ سے لوگوں نے کنارہ کشی کر لی اور وہ ہمارے لیے بالکل ہی بدل گئے حتی کہ مجھے زمین بھی اجنبی محسوس ہونے لگی، گویا یہ وہ زمین نہ تھی جسے میں جانتا تھا، پچاس راتیں ہم نے اسی طرح گزاریں، میرے دوسرے دونوں ساتھی تو عاجز ہو کر اپنے گھروں میں بیٹھے روتے رہے لیکن میں بالکل جوان اور تندرست و توانا تھا، لہٰذا میں مسلمانوں کے ساتھ نماز میں بھی حاضر ہوتا اور بازاروں میں بھی آتا جاتا تھا لیکن مجھ سے کوئی بھی کلام نہیں کرتا تھا، میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی اس وقت حاضر ہوتا جب نماز سے فراغت کے بعد آپ اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے، میں سلام عرض کرتا اور اپنے دل میں کہتا کہ سلام کے جواب میں آپ نے اپنے مبارک لبوں کو جنبش دی ہے یا نہیں۔ پھر میں آپ کے قریب ہی نماز پڑھتا اور نظریں چرا کر آپ کی طرف دیکھتا جب میں نماز میں مشغول ہوتا تو آپ میری طرف دیکھتے اور جب میں آپ کی طرف دیکھتا تو آپ مجھ سے اعراض فرما لیتے حتی کہ جب میرے ساتھ مسلمانوں کا یہ بائیکاٹ طول اختیار کر گیا تو ایک روز میں ابوقتادہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر چلا گیا، وہ میرا چچا زاد بھائی اور محبوب ترین دوست تھا۔ میں نے اسے سلام کہا لیکن اللہ کی قسم! اس نے میرے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے اس سے کہا: ابوقتادہ! تجھے اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا تو جانتا

ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ وہ خاموش رہا، میں نے دوبارہ قسم دے کر پوچھا، وہ پھر بھی خاموش رہا، پھر میں نے تیسری بار قسم دے کر جب یہی سوال دوہرایا تو وہ پھر بھی خاموش ہی رہا اور اس نے صرف اس قدر کہا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، اس سے میری آنکھیں اشکبار ہوگئیں اور میں دیوار پھاند کر لوٹ آیا۔

ایک دن میں مدینہ کے بازار میں جا رہا تھا کہ میں نے اہل شام کے کسانوں میں سے ایک کسان کو یہ کہتے ہوئے سنا جو مدینہ میں کھانا بیچنے کے لیے لایا تھا کہ کون ہے جو کعب بن مالک کی طرف میری رہنمائی کرے۔ لوگ اشارے سے اسے میرے بارے میں بتانے لگے، وہ میرے پاس آ گیا اور اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک خط دیا، میں پڑھا لکھا تھا، اس لیے میں نے جب اسے پڑھنا شروع کیا تو اس میں لکھا تھا:

اما بعد! ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ تمھارے ساتھی نے تم پر ظلم کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمھیں ذلت کے گھر میں رہنے یا ضائع ہونے کے لیے پیدا نہیں کیا، لہٰذا تم ہمارے پاس آ جاؤ ہم تم سے پوری پوری ہمدردی کریں گے۔

جس وقت میں نے یہ خط پڑھا تو کہا کہ یہ بھی ایک آزمائش ہے، میں نے اُسے تنور میں ڈال کر جلا دیا۔ جب پچاس دنوں میں سے چالیس دن گزر گئے تو میرے پاس رسول اللہ ﷺ کے ایک قاصد نے آ کر یہ پیغام دیا کہ تم اپنی بیوی سے بھی علیحدگی اختیار کر لو، میں نے پوچھا کہ اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں۔ اس نے کہا: نہیں، طلاق نہ دو بلکہ اس سے دور رہو اور اس کے قریب نہ جاؤ، آپ نے میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کی طرف بھی اس طرح پیغام ارسال فرمایا تھا۔ میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ اور انھی کے پاس رہو حتی کہ اللہ تعالیٰ اس معاملے کا جو چاہے فیصلہ فرما دے۔ ہلال بن امیہ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہلال بہت ہی بوڑھے ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں ہے، کیا اگر میں ان کی خدمت کروں تو یہ بات آپ کو ناپسند ہے۔ فرمایا: [لَا، وَلٰكِنۡ لَّا يَقۡرَبَنَّكِ] ''نہیں، لیکن وہ تم سے مقاربت نہ کریں۔'' اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اب ان میں کسی چیز کی طرف حرکت کی طاقت ہی نہیں ہے۔ اللہ کی قسم! جب سے یہ معاملہ شروع ہوا ہے، ان کا سارا وقت روتے ہوئے گزرتا ہے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے بھی میرے بعض گھر والوں نے کہا کہ تم بھی رسول اللہ ﷺ سے اپنی بیوی کے بارے میں اجازت حاصل کر لو، رسول اللہ ﷺ نے ہلال بن امیہ کی بیوی کو ان کی خدمت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ میں نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! میں اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب نہیں کروں گا، میں جوان آدمی ہوں جب اجازت طلب کروں تو معلوم نہیں رسول اللہ ﷺ مجھے کیا جواب دیں۔

اس طرح دس راتیں اور گزر گئیں اور اس وقت سے لے کر اب تک پوری پچاس راتیں ہوگئی تھیں جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہم سے کلام کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ پچاسویں رات کی صبح کی نماز میں نے اپنے گھروں میں سے ایک گھر کی چھت پر ادا کی اور میں اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں ذکر فرمایا ہے، میرا دل بھی مجھ پر

تنگ ہوگیا اور زمین بھی اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہوگئی تھی۔

اچانک میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی جو کوہ سَلع [1] پر چڑھ کر بلند آواز سے یہ کہہ رہا تھا: اے کعب بن مالک! تمھیں بشارت ہو۔ میں اسی وقت سجدے میں گر گیا اور مجھے معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کو قبول کرتے ہوئے پریشانی کو دور فرما دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر سے فراغت کے بعد لوگوں کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری توبہ کو قبول فرما لیا ہے۔ لوگوں نے ہمیں خوشخبری سنانے کے لیے آنا شروع کر دیا۔ خوش خبری سنانے والے میرے دوسرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی گئے۔ ایک شخص نے نہایت تیزی سے میری طرف گھوڑا دوڑایا، اسلم قبیلے کا ایک شخص بھی میری طرف دوڑا آیا اور پہاڑ پر چڑھ گیا اور اس کی آواز گھوڑے سے بھی تیز رفتار تھی، پس جب میرے پاس وہ شخص آیا جس کی خوشخبری کی آواز میں نے سنی تھی تو میں نے اس کے خوش خبری سنانے کے بدلے میں اپنے جسم سے دونوں کپڑے اتار کر اسے پہنا دیے۔ اللہ کی قسم! اس روز ان کے علاوہ میں کسی اور چیز کا مالک بھی نہیں تھا اور میں نے دو کپڑے مستعار لے کر پہنے۔

پھر میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے قصد سے چل پڑا۔ رستے میں لوگ مجھے فوج در فوج ملتے اور توبہ کی قبولیت پر مبارک باد دیتے اور کہتے کہ تمھیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمھاری توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔ حتی کہ میں مسجد نبوی میں داخل ہوگیا تو اس وقت رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اور لوگ آپ کے گرد ہالہ کیے ہوئے تھے، پس طلحہ بن عبید اللہ لپکتے ہوئے کھڑے ہوگئے، انھوں نے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد پیش کی۔ اللہ کی قسم! مہاجرین میں سے ان کے علاوہ کوئی اور کھڑا نہیں ہوا۔ کعب، طلحہ کی اس بات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرتے تھے۔

حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں سلام عرض کیا تو اس وقت خوشی سے آپ کا چہرۂ اقدس دمک رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: [أَبْشِرْ بِخَيْرِ يَوْمٍ مَّرَّ عَلَيْكَ مُنْذُ وَلَدَتْكَ أُمُّكَ، قَالَ: قُلْتُ: أَمِنْ عِنْدِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَمْ مِّنْ عِنْدِاللّٰهِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ] ”تمھیں یہ دن مبارک ہو جب سے تمھاری ماں نے تمھیں جنم دیا ہے یہ تمھاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ خوشخبری آپ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔“ حضرت کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ اقدس اس طرح گلنار ہو جاتا، گویا کہ وہ چاند کا ایک ٹکڑا ہے اور اس سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ اس وقت آپ خوش ہیں۔

جب میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میری توبہ کا یہ بھی حصہ ہے کہ میں اپنا سارا مال اللہ اور اس کے رسول کے رستے میں صدقہ کرتا ہوں، آپ نے فرمایا: [أَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ] ”اپنا کچھ مال اپنے لیے بھی رکھ لو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔“ میں نے عرض کی کہ میں اپنا وہ حصہ رکھ لیتا ہوں جو خیبر میں ہے، پھر میں

[1] یہ پہاڑ مسجد نبوی کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس کا نقشہ اسی سورت کی آیت : 117 کے تحت دیکھیے۔

نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ نجات سچ بولنے کی وجہ سے عطا فرمائی ہے، اس لیے یہ بھی میری توبہ کا ایک حصہ ہے کہ جب تک میری زندگی ہے، میں ہمیشہ سچ ہی بولتا رہوں گا۔ اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس عہد کا ذکر کیا میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کے صلے میں وہ بہتر انعام فرمایا ہو جس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نوازا۔ اللہ کی قسم! جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا ہے، اب تک میں نے جھوٹ نہیں بولا اور مجھے امید ہے کہ باقی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ مجھے اس سے محفوظ رکھے گا۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بارے میں جو آیات نازل فرمائی تھیں، وہ یہ ہیں: ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿117﴾ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿118﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿119﴾﴾ ''بے شک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین اور انصار پر جو باوجود اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دل قریب تھا کہ ٹیڑھے ہو جاتے، مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے، پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی۔ بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) بڑا مہربان ہے اور ان تینوں پر جو پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور انھوں نے جان لیا کہ اللہ (کے غضب) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں، پھر اللہ نے ان پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔''

حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، اللہ کی قسم! جب سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اسلام کی ہدایت سے نوازا، اس وقت سے لے کر اب تک میرے نزدیک سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے مجھے سرفراز فرمایا یہ ہے کہ اس نے مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائی اور میں نے جھوٹ نہ بولا ورنہ میں بھی اسی طرح ہلاک ہو جاتا جس طرح جھوٹ بولنے والے ہلاک ہوئے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب وحی نازل فرمائی تو جھوٹ بولنے والوں کو اس طرح برا بھلا کہا کہ اس طرح کبھی بھی کسی کو نہیں کہا ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: ﴿سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ○ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ○﴾ (التوبۃ 9:95,96) ''جب تم ان کی طرف لوٹو گے تو تمھارے روبرو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگزر کرو سو ان کی طرف التفات نہ کرنا، یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں، ان کے بدلے ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ یہ تمھارے آگے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے خوش ہو جاؤ لیکن اگر تم ان سے خوش ہو جاؤ گے تو اللہ ان نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔'' حضرت کعب نے فرمایا: ہم تینوں پیچھے

رکھے گئے ان لوگوں کے معاملے سے جن کی جھوٹی قسموں کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرما لیا تھا اور ان سے بیعت لی اور ان کی بخشش کے لیے دعا بھی فرمائی اور ہمارے معاملے کو رسول اللہ ﷺ نے مؤخر فرما دیا حتی کہ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ﴾ یہ جو پیچھے رکھے جانے کا اس آیت میں ذکر ہے تو اس سے ہمارا غزوے میں پیچھے رہ جانا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا معنی ہمارے معاملے کو ان لوگوں کے معاملے سے مؤخر اور ملتوی کر دینا ہے جنھوں نے آپ کے سامنے قسمیں کھائیں، عذر پیش کیے اور آپ نے ان کے عذر قبول فرما لیے تھے۔[1]

یہ حدیث صحیح، ثابت اور متفق علیہ ہے، امام بخاری و مسلم نے بھی اسے اسی طرح روایت فرمایا ہے۔[2] اس حدیث سے اس آیت کریمہ کی نہایت احسن اور مفصل انداز میں تفسیر ہوگئی ہے۔ کئی ایک ائمۂ سلف سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے جیسا کہ امام اعمش نے ابوسفیان سے اور انھوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں تین شخصوں سے مراد کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم ہیں اور ان سب کا تعلق انصار سے ہے۔[3]

سچ بولنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے جب یہ بیان فرمایا کہ اس نے ان تینوں کی اس مشکل اور تنگی کو کس طرح دور فرمایا جب مسلمانوں نے پچاس دنوں تک ان سے قطعی طور پر ہر قسم کا تعلق منقطع کر لیا تھا حتی کہ ان کی اپنی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں اور تمام تر وسعت کے باوجود زمین بھی انھیں تنگ محسوس ہونے لگی اور انھیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا کہ وہ کیا کریں لیکن انھوں نے ان تمام کٹھن حالات میں بھی صبر کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑا، اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر اطاعت جھکائے رکھا اور ہر طرح صبر و ثبات کا مظاہرہ کیا تو اپنے پیچھے رہ جانے کے بارے میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے جو سچ بولا تھا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کی تمام مشکلات آسان فرما دیں، یہ چونکہ بغیر کسی شرعی عذر کے جہاد سے پیچھے رہے تھے، اس لیے پچاس دن کے مقاطعہ کی صورت میں انھیں یہ سزا دی گئی لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور ان کے سچ بولنے کا انجام بالآخر ان کے لیے بہتر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی توبہ کو قبول فرما لیا بلکہ مومنوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۱۱۹ ﴾ ”اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔“ یعنی سچ بولو اور سچ کو اختیار کرو تاکہ تم بھی اہل صدق میں سے ہو جاؤ اور مشکلات سے نجات پا جاؤ، سچ سے اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تمام مشکلات اور پریشانیوں سے بچ نکلنے کی تدبیر فرما دے گا۔

امام احمد نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ صِدِّيقًا، وَّإِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ،

---

[1] مسند أحمد: 456/3-459. [2] صحيح البخاري، المغازي، باب حديث كعب بن مالك......، حديث: 4418 وصحيح مسلم، التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك وصاحبيه، حديث: 2769. [3] تفسير الطبري: 77/11.

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا

اہل مدینہ اور ان کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں کے لائق نہیں تھا کہ وہ (جہاد میں) رسول اللہ سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ (جائز) کہ اپنی جانوں

يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ

کو نبی کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں، یہ اس لیے کہ یہ بلاشبہ وہ (لوگ) ہیں کہ انھیں اللہ کی راہ میں جو بھی پیاس اور تھکاوٹ اور بھوک (کی تکلیف)

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ

پہنچتی ہے، اور وہ جو بھی ایسی جگہ روندتے ہیں، جو کافروں کو سخت ناگوار ہو، اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے ہیں، اس کے بدلے میں ان

عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿120﴾

کے لیے نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿120﴾

وَإِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا]

''سچ کو اختیار کرو، بے شک سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے، اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سچا لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک بدی جہنم کی راہ دکھاتی ہے، اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک جھوٹے شخص کے طور پر لکھا جاتا ہے۔''[1] اسے بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت :120

غزوے کے لیے نکلنے کی جزا: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش کی ہے جو اہل مدینہ اور گردونواح کے قبائل عرب میں سے تھے اور وہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ سے پیچھے رہ گئے تھے اور آپ کو جو تکلیف پہنچی اس میں شریک ہونے اور غم خواری کرنے کے بجائے اپنی جانوں کو زیادہ عزیز رکھتے تھے تو یقیناً انھوں نے اپنے اجر و ثواب کو کم کر لیا اس لیے کہ ﴿لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا﴾ یہ وہ (لوگ) ہیں کہ بے شک انھیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ قیام کرتے ہیں جو کافروں کو مرعوب کر دے۔ ﴿وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا﴾ اور وہ دشمن سے جو بھی کامیابی حاصل کرتے یا غلبہ پاتے ہیں تو ان کے ان اعمال کی وجہ سے جو ان کی مقدور میں نہیں ہیں بلکہ ان سے رونما ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی اعمال صالحہ اور ثواب جزیل میں لکھ لیتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿120﴾﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿30﴾﴾ (الکهف 18:30) ''بے شک ہم نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔''

① مسند أحمد: 384/1. ② صحيح البخاري، الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (التوبة9:119)...........، حديث: 6094 وصحيح مسلم، البر والصلة، باب قبح الكذب وحسن الصدق وفضله، حديث: (105)-2607 واللفظ له.

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ

اور وہ جو بھی چھوٹا اور بڑا خرچ کرتے ہیں اور وہ جو بھی وادی طے کرتے ہیں وہ (سب) ان کے لیے لکھا جاتا ہے، تاکہ اللہ انھیں ان

اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿121﴾

کاموں کی بہترین جزا دے جو وہ کرتے ہیں ﴿121﴾

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْ لَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا

اور مومنوں کے لیے مناسب نہیں کہ وہ سب ہی نکل کھڑے ہوں، تو ہر فرقے میں سے ایک گروہ دین میں سمجھ حاصل کرنے کے لیے کیوں نہ

فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿122﴾ ع

نکلا، تاکہ وہ جب اپنے قبیلے میں واپس جائیں تو انھیں خبردار کریں، تاکہ وہ (پیچھے والے بھی اللہ سے) ڈریں ﴿122﴾

15 ع 4 4

تفسیر آیت:121

سخاوتِ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ ''اور وہ خرچ نہیں کرتے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرنے والے مجاہد ﴿ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً ﴾ ''کوئی خرچ تھوڑا اور نہ زیادہ'' ﴿ وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا ﴾ ''اور کوئی میدان طے نہیں کرتے ہیں۔'' یعنی دشمنوں تک پہنچنے کے لیے ﴿ اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ﴾ ''مگر سب کچھ ان کے لیے (اعمال صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے۔'' (ابھی پہلے ﴿ كُتِبَ لَهُمْ ﴾ کے ساتھ ﴿ بِهٖ ﴾ گزرا ہے مگر) اس جگہ [بِهٖ] نہیں کہا کیونکہ (پہلے جن اعمال کا ذکر ہوا ہے وہ ان سے صادر نہیں ہوئے تھے اور) یہ افعال خود ان سے صادر ہوئے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿121﴾ ﴾ ''تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے۔'' امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ سے بہرہ وافر نصیب ہوا تھا کیونکہ انھوں نے اس غزوے میں بے پناہ بیش بہا مال خرچ کیا تھا۔

عبداللہ نے عبدالرحمٰن بن سَمُرہ سے روایت کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جیشِ عُسرہ کی تیاری فرما رہے تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے کپڑے میں ایک ہزار دینار لے کر آئے اور انھوں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھولی میں ڈال دیا، راوی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اپنے دست مبارک سے الٹ پلٹ رہے اور فرما رہے تھے: [مَا ضَرَّ ابْنَ عَفَّانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ] ''عفان کے بیٹے (عثمان) آج کے بعد جو عمل بھی کریں، انھیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔'' آپ یہ کلمات بار بار ارشاد فرما رہے تھے۔ [1] قتادہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ ﴾ ''اور وہ کوئی وادی طے کرتے ہیں تو (یہ سب کچھ) ان کے لیے (اعمال صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے۔'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ جو کوئی قوم اللہ کے رستے میں اپنے اہل و عیال سے جس قدر دور ہوتی ہے، وہ اسی قدر اللہ تعالیٰ سے نزدیک ہوتی ہے۔ [2]

تفسیر آیت:122

دین سیکھنے کی ضرورت و اہمیت: اللہ تعالیٰ کا یہ بیان ان قبائل کے متعلق ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

[1] مسند أحمد:63/5. [2] تفسير الطبري:89/11.

نکلے تھے،سلف کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے نکلیں تو پھر ہر مسلمان کے لیے بھی نکلنا واجب ہے،اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا ﴾ (التوبة 41:9) ''تم سبک بار ہو یا گراں بار (مال و اسباب تھوڑا رکھتے ہو یا بہت گھروں سے) نکل آ ؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ...... ﴾ الآية (التوبة 120:9) ''اہل مدینہ اور جوان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کے لائق نہ تھا......'' مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ساتھ اس حکم کو منسوخ کر دیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ بیان فرمایا ہے کہ تمام قبائل نکلیں تو اس سے یہ مراد ہے کہ اگر تمام قبائل پورے کے پورے نہ نکلیں تو پھر ہر قبیلے سے ایک جماعت تو ضرور نکلے تاکہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی وحی کو سیکھ لے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئے تو انھیں دشمن کے بارے میں خبر دار کرے تو اس سفر میں ان کے لیے دونوں امر، یعنی جہاد اور تعلیم دین یکجا ہو جائیں گے، اور نبیٔ اکرم ﷺ کے بعد جو جماعت نکلے گی تو وہ علم دین سیکھنے کے لیے یا جہاد کے لیے نکلے گی کیونکہ اب ان دونوں کاموں کے لیے نکلنا فرض کفایہ ہے۔

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام مومنوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ سب کے سب نکل جائیں اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ جائیں، ﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ ﴾ سب کو نہیں بلکہ ایک جماعت کو اور وہ بھی آپ کی اجازت سے نکلنا چاہیے اور جب یہ لوگ جہاد سے واپس آئیں اور ان کے بعد قرآن کا کچھ حصہ نازل ہوا ہو جسے رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھ رہنے والوں نے سیکھ لیا ہو اور وہ ان سے یہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے بعد اپنے نبی پر قرآن کا یہ حصہ نازل فرمایا ہے جسے ہم نے سیکھ لیا ہے تو یہ مجاہدین بھی اسے سیکھنے کے لیے رک جائیں اور ان کے بجائے دوسرے مجاہدین کو جہاد کے لیے روانہ کر دیا جائے جیسے فرمان الٰہی ہے: ﴿ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ﴾ ''تاکہ علم دین سیکھ لیں۔'' یعنی اسے سیکھ لیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر نازل فرمایا ہے اور مجاہدین کو بھی ان کی واپسی پر سکھا دیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ ﴾ ''تاکہ وہ ڈریں۔''[1]

امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان صحابہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو دیہاتوں کی طرف نکل گئے تھے، لوگوں نے ان سے اچھا سلوک کیا، زمین کی سرسبزی و شادابی سے بھی انھوں نے فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو جب انھوں نے ہدایت قبول کرنے کی دعوت دی تو لوگوں نے ان سے کہا کہ تم اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس آ گئے ہو تو انھوں نے اسے محسوس کیا اور دیہاتوں سے آ کر نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ ﴾ ''تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے۔''

[1] تفسير الطبرى:90/11.

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان کافروں سے لڑو جو تمھارے قرب وجوار میں ہیں اور چاہیے کہ وہ تمھارے اندر سختی پائیں اور جان لو کہ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿123﴾

یقیناً اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ﴿123﴾

جو خیر کو تلاش کرتے، ﴿ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ ﴾ ''تاکہ دین کا علم سیکھتے'' اور لوگوں کے بارے میں سنتے اور جو اللہ تعالیٰ نے ان (جہاد پر جانے والوں) کے بعد نازل کیا ہے، اسے بھی توجہ سے سنتے۔ ﴿ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿122﴾ ﴾ ''اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی طرف لوٹیں تاکہ وہ (پیچھے والے بھی اللہ سے) ڈریں۔''[1]

امام قتادہ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب جہاد کے لیے لشکر روانہ فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ بھی جہاد میں اللہ کے نبی کے ساتھ شامل ہو جائیں اور کچھ لوگ دین سیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہی رہیں اور کچھ لوگ نکل جائیں تاکہ اپنی اپنی قوم کو دین کی دعوت دیں اور پہلے لوگوں کے حالات وواقعات بیان کر کے انھیں عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔[2] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ ﴾ ''اور مومنوں کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ سب کے سب نکل آئیں۔'' اس کا تعلق جہاد سے نہیں ہے بلکہ جب رسول اللہ ﷺ نے خاندان مُضر کے لیے قحط سالی کی بددعا فرمائی تھی تو ان کے علاقے میں قحط پڑ گیا تو ان میں سے ہر ایک قبیلے نے اپنے تمام افراد سمیت مدینہ میں آنا شروع کر دیا تاکہ یہاں بھی مشکل صورت حال پیدا ہو جائے اور یہ لوگ از راہ جھوٹ اسلام قبول کرنے کا دعویٰ بھی کرتے تھے، مدینہ میں آ کر جب انھوں نے صحابۂ کرام کو مشکل صورت حال سے دوچار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان کے بارے میں یہ بتا دیا کہ یہ مومن نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو ان کے خاندانوں میں لوٹا دیا اور انھیں وارننگ بھی دی کہ آئندہ ایسا نہ کرنا یہی معنیٰ ہیں ان الفاظ کے۔ ﴿ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ ﴾ ''اور تاکہ وہ اپنی قوم کو ڈرائیں جب ان کی طرف واپس جائیں۔''

تفسیر آیت :123

نزدیک رہنے والے کفار سے جہاد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ جو کفار مرکزِ اسلام کے جس قدر زیادہ قریب ہیں پہلے انھی سے جہاد کیا جائے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی پہلے جزیرۃ العرب کے مشرکین کے خلاف جہاد فرمایا تھا اور جب آپ جزیرۃ العرب کے مشرکوں سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ، مدینہ، طائف، یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حَضَر مَوت اور جزیرۃ العرب کے دیگر تمام علاقوں پر فتح عطا فرما دی اور تمام قبائل عرب کے لوگ فوج در فوج دائرۂ اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تو پھر آپ نے اہل کتاب کے خلاف جہاد شروع فرمایا اور اس کا آغاز رومیوں کے خلاف جہاد سے

[1] تفسیر الطبری: 89/11. [2] تفسیر الطبری: 93/11 بالفاظ دیگر۔

کیا کیونکہ وہ جزیرۃ العرب کے سب سے زیادہ قریب تھے، لہٰذا اس بات کے زیادہ حق دار تھے کہ انھیں اسلام کی دعوت دی جائے کیونکہ وہ اہل کتاب تھے، اسی سلسلے میں آپ تبوک بھی تشریف لے گئے لیکن لوگوں کی مشقت، قحط سالی اور حالات کی تنگی کے باعث واپس تشریف لے آئے اور یہ 9 ہجری کا واقعہ ہے، پھر 10 ہجری میں حجۃ الوداع میں آپ مصروف ہو گئے اور حج کے صرف 81 دن بعد راہ گزار ملک جاوداں ہو گئے۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِ.

آپ کے وصال کے بعد آپ کے وزیر، صدیق اور خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی قیادت کے فرائض سرانجام دیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے باعث دین کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ تھا مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ دین کو ثابت قدمی عطا فرمائی، انھوں نے دین کی بنیادوں اور ستونوں کو نہایت مضبوط و مستحکم کر دیا، دین سے بھاگنے اور مرتد ہونے والے لوگوں کو پھر سے دین کی طرف لوٹا دیا جنھوں نے زکاۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا، انھیں پھر سے زکاۃ ادا کرنے پر مجبور کر دیا، جاہلوں کے سامنے حق کو واضح کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی حیثیت سے جن ذمہ داریوں کو قبول کیا تھا انھیں بدرجہ اتم پورا کیا، پھر آپ نے صلیب کے پجاری رومیوں اور آگ کے پجاری ایرانیوں کے خلاف جہاد کے لیے اسلامی لشکروں کی شیرازہ بندی کی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اخلاص کی برکت سے ان ملکوں پر مسلمانوں کو فتح و نصرت عطا فرمائی اور قیصر و کسریٰ اور ان کے پیروکاروں کو ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑا، آپ نے مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں تقسیم فرما دیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے بارے میں پیش گوئی فرمائی تھی۔

اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد آپ کے وصی اور ولی عہد، فاروق اواب، شہید محراب، امیر المؤمنین ابوحفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اسلامی فتوحات کا مشن پایۂ تکمیل تک پہنچ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی برکت سے کافروں اور ملحدوں کی ناکیں خاک آلودہ ہو گئیں، انھوں نے باغیوں اور منافقوں کا کام تمام کر دیا اور مشرق و مغرب کے ملکوں پر اسلامی پرچم لہرانے لگا، قریب و بعید کے تمام ملکوں کا مال و دولت اور خزانوں کے انبار آپ کے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے شرعی طریقے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق ان تمام مالوں اور ان تمام خزانوں کو اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تقسیم فرما دیا۔

جب آپ نے سعادتوں اور کامرانیوں سے بھرپور زندگی بسر کرنے کے بعد جام شہادت نوش فرمایا تو مہاجرین و انصار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے شہید دار، امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اتفاق فرما لیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی اسلام کو شان و شوکت نصیب ہوئی، انھوں نے دنیا بھر کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی اس زبردست حجت (اسلام) کو غالب کر دیا اور مشرق و مغرب کے تمام ملکوں میں اسلام غالب آ گیا، اللہ تعالیٰ کے کلمے اور اس کے دین کو سربلندی نصیب ہو گئی، ملتِ اسلامیہ کو اللہ تعالیٰ کے تمام دشمنوں کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو گئی۔ مسلمان جب بھی کسی قوم پر

فتح ونصرت حاصل کرتے تو پھر اس کے بعد اس کے قرب وجوار میں بسنے والے اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان دیگر لوگوں کی طرف رخ کر لیتے تاکہ حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ پر عمل پیرا ہو سکیں۔

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ﴾ ''اے اہل ایمان! اپنے نزدیک کے (رہنے والے) کافروں سے جنگ کرو اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی (محنت وقوت جنگ) پائیں۔'' یعنی تم کفار سے اس قدر زبردست قوت وطاقت سے جہاد کرو کہ انھیں معلوم ہو جائے کہ مسلمان بہت جری، بہادر اور طاقت ور ہیں۔ ایک مومن کامل کی شان ہی یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے مومن بھائی کے لیے حریر و پرنیاں اور کافر دشمن کے مقابلے میں صفتِ فولاد ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ز ﴾ (المآئدۃ 5:54) ''تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن سے وہ محبت کرے اور جس سے وہ محبت کریں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں۔'' اور فرمایا: ﴿ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ ﴾ (الفتح 48:29) ''محمد اللہ کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِیْنَ وَ اغْلُظْ عَلَیْهِمْ ؕ ﴾ (التوبۃ 9:73 و التحریم 66:9) ''اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑیں اور ان پر سختی کریں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۲۳﴾ ﴾ ''اور جان رکھو! بے شک اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔'' یعنی کافروں سے لڑائی کرو، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر توکل کرو اور یاد رکھو کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس کی اطاعت بجا لاتے رہے تو اس کی تائید وحمایت تمھارے شامل حال رہے گی۔ اسلامی تاریخ کی ابتدائی تین صدیوں میں جو اس امت کی بہترین صدیاں تھیں، معاملہ اسی طرح تھا کیونکہ وہ لوگ استقامت کے پہاڑ تھے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں سرِ مو فرق نہ آنے دیتے تھے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے شامل حال تھی اور وہ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں ہمیشہ کامیاب وکامران تھے۔ مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ آگے بڑھتا رہا اور کافر پیچھے ہٹتے اور ناکام ونامراد ہوتے رہے۔

پھر جب مسلمان بادشاہوں میں فتنے، خواہشات اور اختلافات رونما ہو گئے تو دشمنوں نے اطراف بلاد کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے نہ صرف دیکھنا شروع کر دیا بلکہ انھوں نے ان کی طرف پیش قدمی بھی شروع کر دی اور بادشاہوں کے باہمی اختلاف کی وجہ سے ان کے آگے بند نہ باندھا جا سکا حتی کہ اطراف کے کئی علاقوں کو فتح کرنے کے بعد انھوں نے مرکز اسلام کی طرف پیش قدمی شروع کر دی اور مسلمانوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ جما لیا۔ پہلے بھی اور بعد میں بھی سارا معاملہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

مسلمان بادشاہوں میں سے جب بھی کوئی دشمنوں کے مقابلے کے لیے شجاعت وجواں مردی سے کھڑا ہوتا، اللہ تعالیٰ

وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان (منافقین) میں سے بعض ایسے ہیں جو (طنزاً) کہتے ہیں: تم میں سے کس کو اس (سورت) نے ایمان میں

اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿124﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

زیادہ کیا ہے؟ چنانچہ جو لوگ ایمان لائے ہیں، اس (سورت) نے ان کو ایمان میں زیادہ کیا ہے، اور وہ خوش ہوتے ہیں ﴿124﴾ لیکن جن لوگوں کے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿125﴾

دلوں میں روگ ہے، تو اس (سورت) نے ان کی (پہلی) پلیدی پر مزید پلیدی کا اضافہ کر دیا اور وہ مرتے دم تک کافر ہی رہے ﴿125﴾

کے احکام کی اطاعت بجا لاتا اور اس کی ذات گرامی پر توکل کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیتا اور وہ چھینے ہوئے علاقے دشمنوں سے واپس لے لیتا۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے اور امید بھی کہ وہ مسلمانوں کو کافروں اور دشمنوں کی پیشانیوں کو پکڑنے کی پھر توفیق عطا فرما دے گا، پھر سے تمام دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی عظمت کا ڈنکا بجنے لگے گا۔ اِنَّهٗ جَوَّادٌ كَرِيْمٌ.

تفسیر آیات :125,124

مومن کے ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِذَا مَاۤ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے۔'' یعنی آپس میں ایک دوسرے سے یہ پوچھتے ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿124﴾﴾ ''چنانچہ جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ ائمہ و علماء میں سے اکثر سلف و خلف کا یہی مذہب ہے بلکہ کئی ایک اہل علم نے بیان کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ ہم نے صحیح بخاری کی شرح کی ابتدا میں اس مسئلے پر نہایت شرح وبسط سے روشنی ڈالی ہے۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى......﴾ ''اور جن کے دلوں میں مرض ہے ان کی (پہلی) پلیدی پر مزید پلیدی کا اضافہ کر دیا......'' یعنی ان کے شک اور ریب میں اس سے اضافہ ہی ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ......﴾ الآية (بنیٓ إسرآءيل 82:17) ''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا ہے......'' اور فرمایا: ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ؀﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہرا پن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے ان کو (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' یہ ان کی شقاوت اور بدبختی

اَوَ لَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ

کیا وہ (مومن) نہیں دیکھتے کہ بے شک وہ (منافق) ہر سال ایک یا دو بار فتنے میں مبتلا کیے جاتے ہیں۔ پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ وہ نصیحت

يَذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ

پکڑتے ہیں﴿126﴾ اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ہیں کہ کہیں کوئی (مسلمان) تمھیں دیکھ تو نہیں رہا، پھر

انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾

(چپکے سے) کھسک جاتے ہیں۔ اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے، اس لیے کہ بے شک وہ لوگ سمجھتے نہیں﴿127﴾

کی انتہا ہے کہ جو چیز دلوں کے لیے ہدایت ہے، وہی ان کی ضلالت اور تباہی و بربادی کا سبب ہے جیسا کہ ہیضے کے مریض کے لیے اچھی سے اچھی غذا بھی مزید بیماری اور خرابی ہی کا سبب بنتی ہے۔

تفسیر آیات:127,126

منافقوں کی آزمائش: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کیا یہ منافق نہیں دیکھتے: ﴿اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ﴾ ''بلاشبہ یہ آزمائے جاتے ہیں۔'' ﴿فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿126﴾﴾ ''ہر سال ایک یا دو بار پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔'' نہ اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور نہ مستقبل کے لیے نصیحت پکڑتے ہیں۔ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ان کی قحط سالی اور بھوک کے ساتھ آزمائش کی جاتی ہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿127﴾﴾ ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (اور پوچھتے ہیں:) بھلا تمھیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر (چپکے سے) پھر جاتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر رکھا ہے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔'' یہ بھی منافقوں ہی کے بارے میں خبر ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ﴿نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ ﴿هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ﴾ ''بھلا تمھیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر (چپکے سے) پھر جاتے ہیں۔'' یعنی حق سے دور ہو جاتے ہیں اور پھر جاتے ہیں اور دنیا میں ان کا یہ حال ہے کہ نہ حق کو قبول کرتے، نہ اس پر ثابت قدم رہتے اور نہ اسے سمجھتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝﴾ (المدثر 74:49-51) ''پھر ان کو کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں۔ گویا بدکے ہوئے گدھے ہیں (یعنی) شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ۝ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ۝﴾ (المعارج 70:36,37) ''پھر ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ آپ کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں (اور) دائیں بائیں سے گروہ گروہ ہو کر (جمع ہوتے جاتے ہیں۔)'' یعنی یہ لوگ حق سے

[1] تفسیر الطبری: 98/11.

لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِيۡصٌ عَلَيۡكُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ

(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا)

رَءُوۡفٌ رَّحِيۡمٌ ﴿128﴾ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِيَ اللّٰهُ ۖ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَهُوَ

حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے ﴿128﴾ پھر بھی اگر وہ پھریں تو کہہ دیجیے: مجھے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق)

رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ﴿129﴾

نہیں، اسی پر میں نے بھروسا کیا ہے اور وہی عرش عظیم کا رب ہے ﴿129﴾

بھاگتے اور باطل کو اختیار کرتے ہوئے، آپ سے دائیں بائیں ہو جاتے ہیں اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ انۡصَرَفُوۡا ؕ صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ ﴾ ''پھر (چپکے سے) پھر جاتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَمَّا زَاغُوۡۤا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ ؕ ﴾ (الصّف 5:61) ''پھر تو جب ان لوگوں نے کج روی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے۔'' ﴿ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿127﴾ ﴾ ''کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے کام نہیں لیتے۔'' یعنی اللہ کے فرمان کو سمجھتے نہیں اور نہ سمجھنے کی کوشش ہی کرتے ہیں بلکہ اس سے نفرت کرتے اور دور ہوتے ہیں، لہٰذا وہ اپنے اس بدترین انجام سے دوچار ہوتے ہیں۔

تفسیر آیات: 128،129

رسول اللہ ﷺ کی بعثت اللہ کا احسان ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے مومنوں پر یہ عظیم الشان احسان فرمایا کہ انھی میں سے اپنے ایک رسول مبعوث فرمائے جو انھی کی جنس میں سے ہیں اور انھی کی زبان بولتے ہیں جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی دعا فرمائی تھی: ﴿ رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ ﴾ (البقرۃ 129:2) ''اے ہمارے پروردگار! اور ان (لوگوں) میں انھیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِهِمۡ ﴾ (اٰل عمرٰن 164:3) ''یقیناً اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ لَقَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ ﴾ ''(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔'' یعنی جو تمھاری جنس میں سے ہیں اور تمھاری بولی بولتے ہیں جیسا کہ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی سے اور مغیرہ بن شعبہ نے کسریٰ کے سفیر سے یہ کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسے رسول مبعوث فرمائے ہیں جن کے حسب و نسب، اوصاف و اطوار اور جن کی آمد و رفت اور صداقت و امانت کو ہم خوب جانتے ہیں۔[1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ عَزِيۡزٌ عَلَيۡهِ مَا عَنِتُّمۡ ﴾ ''تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے۔'' یعنی آپ کو وہ چیز بہت گراں معلوم ہوتی ہے جس کی وجہ سے آپ کی امت مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [إِنَّ الدِّيْنَ يُسْرٌ] ''بے شک دین بہت آسان ہے۔''[2] اس کی تمام شریعت بھی بہت سہل، آسان اور کامل ہے اور اس کے لیے

[1] مسند أحمد: 202/1 و 291/5 اور مغیرہ بن شعبہ کے قول کے لیے دیکھیے تاریخ الطبری، ذکر ابتداء أمر القادسية: 123/4.

[2] صحيح البخاري، الإيمان، باب الدين يسر، حديث: 39 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ.

اس کے مطابق عمل کرنا تو بہت ہی آسان ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ اسے آسان بنا دے۔ ﴿ حَرِيصٌ عَلَيْكُم ﴾ ”تمھارے لیے (بھلائی کے) بہت خواہش مند ہیں۔“ یعنی آپ اس بات کے شدید خواہش مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھیں ہدایت اور دنیا و آخرت کی کامیابیوں اور کامرانیوں سے سرفراز فرمائے۔ امام احمد نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ حُرْمَةً إِلَّا وَقَدْ عَلِمَ أَنَّهُ سَيَطَّلِعُهَا مِنْكُمْ مُّطَّلِعٌ، أَلَا! وَإِنِّي آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ أَنْ تَهَافَتُوا فِي النَّارِ كَتَهَافُتِ الْفَرَاشِ أَوِ الذُّبَابِ] ”بے شک اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو بھی حرام قرار نہیں دیا مگر اسے معلوم ہے کہ تم میں سے کوئی نہ کوئی اس کی طرف ضرور جھانکے گا اور میں تمھیں تمھاری کمروں سے پکڑ رہا ہوں تاکہ تم جہنم کی آگ میں اس طرح نہ گرنے لگو جس طرح پروانے یا مکھیاں آگ میں گرتی ہیں۔“ [1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴾ ”مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) بڑے مہربان ہیں۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:215-217) ”اور جو مومن آپ کے پیرو ہو گئے ہیں ان کے لیے آپ اپنے (مشفقانہ) بازو جھکائے رکھیں۔ پھر اگر وہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے کہ میں تمھارے اعمال سے بے تعلق ہوں اور (اللہ) غالب (اور) مہربان پر بھروسا رکھیں۔“

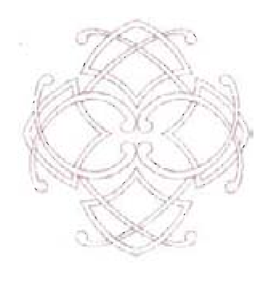
اسی طرح اس آیت کریمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَإِن تَوَلَّوْا ﴾ ”پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں۔“ یعنی اگر یہ لوگ اس عظیم، پاک، کامل اور جامع شریعت سے پھر جائیں جو آپ ان کے پاس لائے ہیں ﴿ فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ﴾ ”تو کہہ دیجیے کہ اللہ مجھے کفایت کرتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں۔“ یعنی مجھے اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی کی ذات گرامی پر توکل کیا ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ۝ ﴾ (المزمل 73:9) ”(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔“ ﴿ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴾ ”اور وہی عرشِ عظیم کا مالک ہے۔“ یعنی وہ ہر چیز کا مالک و خالق ہے کیونکہ وہ عرشِ عظیم کا مالک ہے اور وہ عرشِ عظیم تمام مخلوقات کی چھت ہے۔ تمام مخلوقات، آسمان، زمین اور جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے وہ بھی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ بھی اور جو کچھ عرش کے نیچے ہے، تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے مغلوب ہیں، اس کا علم ہر ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے، اس کی تقدیر ہر چیز میں نافذ ہے اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے۔

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے حضرت اُبَی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ آیت کریمہ: ﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ ﴾ ...... الآیۃ قرآن مجید کی نازل ہونے والی سب سے آخری آیت ہے۔ [2]

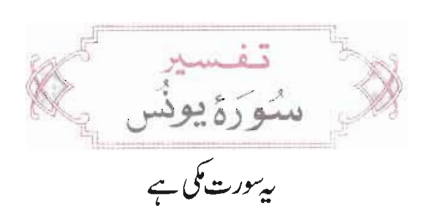
[1] مسند أحمد: 390/1. [2] مسند أحمد: 117/5.

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ حضرت زید نے کہا کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت مجھے خزیمہ بن ثابت یا ابوخزیمہ سے ملی۔[1] اور قبل ازیں ہم نے یہ بیان کر دیا ہے کہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت نے یاد کیا کہ انھوں نے بھی اس آیت کریمہ کو رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا جیسا کہ خزیمہ بن ثابت نے اس آیت کی ابتدا میں کہا تھا۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

سورۂ توبہ کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.



① صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ ......﴾ (التوبة9:128)، حدیث:4679. ② دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر مذکورہ آیت کے ذیل میں۔



یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۚ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ① اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ

الٓرٰ، یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں ① کیا لوگوں کے لیے یہ تعجب (کی بات) ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک آدمی کی طرف وحی بھیجی کہ آپ

اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ

لوگوں کو ڈرائیں اور ان لوگوں کو خوشخبری دیں جو ایمان لائے کہ بے شک ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سچائی کا مرتبہ ہے۔ کافروں نے کہا:

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ②

بے شک یہ تو یقیناً صاف جادوگر ہے ②

تفسیر آیات :2,1

بعض سورتوں کے آغاز میں مذکورہ حروف مقطعات کے بارے میں بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں ہو چکی ہے۔[1] لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔ ﴿ تِلۡكَ اٰيٰتُ الۡكِتٰبِ الۡحَكِيۡمِ ① ﴾ ''یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں۔'' یعنی یہ نہایت محکم اور روشن کتاب قرآن مجید کی آیات ہیں۔

رسول آدمی ہی ہوسکتا ہے: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ﴾ ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا؟'' اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کفار کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ انسانوں میں سے رسول بھیجے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انھوں نے بھی از راہِ تعجب یہ کہا تھا: ﴿ اَبَشَرٌ يَّهۡدُوۡنَنَا ۫ ﴾ (التغابن 6:64) ''کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں؟'' حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام[2] نے اپنی اپنی قوم سے کہا تھا:

[1] دیکھیے البقرۃ، آیت: 1 کے ذیل میں۔ [2] یہاں عبارت سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت ہود اور صالح علیہما السلام کے اپنی اپنی قوموں سے اس کے متعلق کہے گئے الفاظ ایک جیسے ہیں لیکن قرآن پاک میں حضرت ہود علیہ السلام کے ان الفاظ جیسے الفاظ حضرت نوح علیہ السلام سے منقول ہیں نہ کہ صالح علیہ السلام سے، دیکھیے الأعراف، آیت:63. ممکن ہے کہ تفسیر ابن کثیر کے کسی ناسخ سے ''نوح'' کے بجائے ''صالح'' لکھا گیا ہو جو تا حال چلا آ رہا ہے، البتہ صالح علیہ السلام کی قوم کی طرف سے یہ اعتراض موجود ہے: ﴿ ءَاُلۡقِيَ الذِّكۡرُ عَلَيۡهِ مِنۡۢ بَيۡنِنَا ﴾ (القمر 25:54) ''کیا (یہ) نصیحت ہمارے درمیان اسی (صالح) پر نازل کی گئی ہے؟''

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ

بے شک تمھارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر وہ عرش پر مستوی ہوگیا، وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے۔

الْاَمْرَ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③

کوئی سفارشی نہیں (بن سکتا) بغیر اس کی اجازت کے۔ یہی اللہ ہے تمھارا رب، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟③

﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ ﴾ (الأعراف 69:7) ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ذریعے سے تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے پاس نصیحت آئی ہے۔'' کفارِ قریش کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ کہا تھا: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ○ ﴾ (صٓ 5:38) ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔'' ضحاک رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو تمام یا بعض عربوں نے آپ کے رسول ہونے کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسا کوئی بشر اس کا رسول ہو۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا ...... ﴾ الآیۃ ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا......؟''[1]

اور فرمایا: ﴿ اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ ''بے شک ان کے پروردگار کے ہاں ان کے لیے سچائی کا مرتبہ ہے۔'' اس جملے کی تفسیر میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ ان کے بارے میں لوحِ محفوظ ہی میں سعادت لکھ دی ہے۔[2] اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں اچھا اجر و ثواب ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ قَدَمَ صِدْقٍ ﴾ سے مراد نماز، روزہ، صدقہ و خیرات اور تسبیح جیسے اعمالِ صالحہ ہیں، پھر یہ بھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت بھی فرمائیں گے۔[3]

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ② ﴾ ''کافر کہتے ہیں کہ بے شک یہ تو صریح جادوگر ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے تو انھی کی جنس میں سے ایک بشر کو ان کی ہدایت کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا رسول بنا کر بھیجا ہے مگر ان کافروں نے انھیں رسول تسلیم کرنے کے بجائے صریح جادوگر قرار دیا، حالانکہ کافر اس بارے میں جھوٹے ہیں۔

تفسیر آیت:3

اللہ تعالیٰ ہی کائنات کا خالق، رب اور متصرف ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تمام کائنات کا پروردگار ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے۔ ان چھ دنوں کے بارے میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ ہمارے دنیا کے ان دنوں

---

① تفسیر الطبری :107/11. ② تفسیر الطبری :109/11. ③ تفسیر الطبری :109,108/11.

ہی کی طرح تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک دن ہماری دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر تھا۔ اس کی تفصیل سورۂ اعراف (کی آیت: 54) میں گزر چکی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''پھر عرش پر مستوی ہوا۔'' عرش تمام مخلوقات میں سے بڑی مخلوق اور تمام مخلوقات کی چھت ہے۔ ﴿ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾ ''وہی (ہر) کام کا انتظام کرتا ہے۔'' ﴿ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ﴾ (سبا 3:34) ''ذرہ برابر بھی چیز اس سے پوشیدہ نہیں آسمانوں میں اور نہ زمین میں۔'' نہ کوئی کام اسے کسی دوسرے کام سے مشغول کر سکتا ہے، نہ مسائل اس سے کوئی غلط کام کروا سکتے ہیں، نہ وہ فریاد کرنے والوں کی گریہ وزاری سے تنگ دل ہوتا ہے اور نہ ہی پہاڑوں، سمندروں، آبادیوں اور جنگلوں کے کسی بڑے کام کا انتظام اسے کسی چھوٹے کام سے غافل کر سکتا ہے۔ ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ (ھود 6:11) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

دَراوَرْدِی نے سعد بن اسحاق بن کعب بن عُجرہ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ...... ﴾ الآیة ''بے شک تمھارا رب وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا......'' نازل ہوئی تو انھیں ایک بہت بڑی جماعت ملی جس کے بارے میں ان کا خیال یہ تھا کہ یہ عربوں کی جماعت ہے لیکن جب انھوں نے ان سے یہ پوچھا کہ تم کون ہو تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم جن ہیں، ہم مدینہ سے نکلے ہیں اور ہمیں اس آیت نے نکالا ہے۔[1]

سفارش اس کے لیے ہوگی جس کے حق میں اللہ چاہے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ﴾ یعنی (کوئی اس کے پاس) اس کی اجازت ملے بغیر کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اسی طرح یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ﴾ (البقرة 255:2) ''کون ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر اس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ۝ ﴾ (النجم 26:53) ''اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ (سبا 23:34) ''اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔'' ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ ''یہی اللہ تمھارا پروردگار ہے، چنانچہ تم اسی کی عبادت کرو، بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟'' یعنی صرف اور صرف اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کرو اور اے مشرکو! تم اس بات پر غور کیوں نہیں کرتے کہ تم غیر اللہ کی بھی عبادت کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو کہ ساری مخلوق کو صرف اسی نے پیدا فرمایا ہے تو اس بات کا بھی صرف وہی مستحق ہے کہ تمام مخلوق

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1924/6.

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ط وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ط اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ

تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اللہ کا وعدہ سچا ہے، بے شک وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے لوٹائے (زندہ کرے) گا،

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ط وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ

تاکہ ان لوگوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے پینے کو کھولتا ہوا

اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④

پانی اور دردناک عذاب ہوگا، اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے ④

اسی کی عبادت کرے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (الزخرف 87:43) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے۔ تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے!'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 87,86:23) ''(اے نبی! ان سے) پوچھیں کہ سات آسمانوں کا کون مالک ہے اور عرش عظیم کا (کون) مالک (ہے۔) یقیناً (بے ساختہ) کہہ دیں گے کہ (یہ چیزیں) اللہ ہی کی ہیں! کہہ دیجیے کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں۔'' اسی طرح اس سے پہلی اور بعد والی آیات میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر آیت: 4

جزا و سزا کے لیے سب نے اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمام مخلوق نے روزِ قیامت اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے، وہ اپنی ہر ہر مخلوق کو دوبارہ اسی طرح زندہ کر دے گا جس طرح اس نے اسے پہلی بار پیدا فرمایا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ط ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔'' ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ط ﴾ ''تاکہ وہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔'' قسط کے معنی عدل و انصاف اور پوری پوری جزا کے ہیں۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④ ﴾ ''اور جو کافر ہیں ان کے لیے پینے کو نہایت کھولتا ہوا پانی اور درد دینے والا عذاب ہو گا کیونکہ وہ (اللہ کا) انکار کرتے تھے۔'' یعنی کفر و انکار کے سبب انھیں قیامت کے دن دوزخ کی لپٹ اور کھولتے ہوئے گرم پانی اور سیاہ دھوئیں کے بادلوں کی صورت میں مختلف قسم کے عذاب دیے جائیں گے اور ان سے کہا جائے گا: ﴿ هٰذَا لا فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝ ط ﴾ (صٓ 58,57:38) ''یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ (ہے اب) اس (کے مزے) کو چکھو اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے۔)'' اور فرمایا: ﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ ﴾ (الرحمٰن 44,43:55) ''یہی وہ جہنم ہے جسے مجرم جھٹلاتے تھے، وہ اس (دوزخ) اور شدید کھولتے ہوئے پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔''

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ

وہی ہے (اللہ) جس نے سورج کو نہایت روشن بنایا اور چاند کو نور اور اس کی منزلیں مقرر کیں، تا کہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کر سکو۔ یہ (سب کچھ)

وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ⑤ اِنَّ فِیْ

اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ وہ (اپنی) آیتیں تفصیل سے ان لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے جو جانتے ہیں ⑤ بے شک رات اور دن کے (بدل

اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ ⑥

بدل کر) آنے جانے میں اور جو کچھ اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ہے (اس میں بھی)، البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ⑥

تفسیر آیات: 6،5

ہر چیز اللہ کی قدرت کی شاہد ہے: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نشانیوں کو بیان کیا ہے جنھیں اس نے پیدا فرمایا اور اپنی کمالِ قدرت اور عظیم سلطنت کے لیے نشان بنا دیا ہے، مثلاً: اس نے سورج سے نکلنے والی شعاعوں کو ضیاء بنا دیا ہے اور چاند سے نکلنے والی شعاعوں کو نور بنا دیا ہے۔ ضیاء ایک الگ چیز ہے اور نور ایک الگ، [1] دونوں میں فرق رکھا تا کہ ایک دوسرے سے مشتبہ نہ ہو جائیں۔ دن کو اس نے سورج کا راج قائم کر دیا اور رات کو چاند کا، پھر چاند کی اس نے منزلیں مقرر فرما دیں کہ ابتدا میں جب چاند طلوع ہوتا ہے تو بہت چھوٹا ہوتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اس کے وجود اور اس کے نور میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے حتی کہ وہ بدرِ کامل، یعنی چودھویں رات کا چاند بن جاتا ہے، پھر وہ آہستہ آہستہ کم ہونا شروع ہو جاتا ہے حتی کہ مہینے کے پورے ہونے پر وہ اپنی پہلی اور ابتدائی حالت کی طرف لوٹ آتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ ○ لَا الشَّمْسُ یَنْۢبَغِیْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36: 39، 40) ''اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے، نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب (اپنے اپنے) مدار میں تیر رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ﴾ (الأنعام 6: 96) ''اور سورج اور چاند کو (ذریعۂ) حساب بنایا ہے۔''

اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ ﴾ یعنی چاند کی منزلیں مقرر کیں ﴿ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ ﴾ ''تا کہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب جان لو۔'' سورج کے ساتھ دن اور چاند کے ساتھ مہینے اور سال معلوم کیے جاتے ہیں۔

نہیں نکمی کوئی چیز قدرت کے کارخانے میں: ﴿ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ ''یہ (سب کچھ) اللہ نے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے۔'' یعنی اس نے اسے عبث پیدا نہیں کیا بلکہ اس میں عظیم الشان حکمت و مصلحت کارفرما ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ

[1] نور وہ روشنی ہے جس میں روشنی اور چمک تو ہو مگر حرارت، تپش اور رنگ میں سرخی نہ ہو۔ اگر روشنی بھی ہو اور ساتھ حرارت، تپش اور سرخی بھی ہو تو وہ ضیاء ہے، دیکھیے مترادفات القرآن، ص: 547 از عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ۔ اس طرح سے بھی فرق کیا جاتا ہے کہ ضیاء تیز روشنی کو اور نور اس سے کم روشنی کو کہتے ہیں۔

ہے: ﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ؕ﴾ (صٓ 27:38) ”اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (کائنات) ان میں ہے اس کو بے کار نہیں پیدا کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں تو کافروں کے لیے آگ کی (صورت میں) بڑی ہلاکت ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝﴾ (المؤمنون 23:115,116) ”کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (اس کی شان اس سے) بلند و بالا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، (وہی) عزت والے عرش کا مالک ہے۔“

﴿ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ”وہ (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔“ آیتوں سے یہاں دلائل و براہین مراد ہیں۔

﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ⑤ ﴾ ”ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔“ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ﴾ ”بے شک دن اور رات کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں۔“ یعنی جب دن چلا جاتا ہے تو رات آجاتی ہے اور جب رات چلی جاتی ہے تو دن آجاتا ہے، کوئی چیز بھی اپنے وقت سے مؤخر نہیں ہوتی جیسا کہ فرمایا: ﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ﴾ (الأعراف 7:54) ”وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ ...... ﴾ الآية (یٰس 36:40) ”نہ تو سورج ہی سے یہ ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے ......“ اور فرمایا: ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا ﴾ (الأنعام 6:96) ”(وہی رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالنے والا ہے اور اس نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا۔)“

ایمان و تقویٰ اور عقل و دانش سے بہرہ ور لوگوں کے لیے ہر سو پھیلی ہوئی قدرت کی نشانیاں: فرمایا ﴿ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ”اور جو چیزیں اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں۔“ یعنی وہ نشانیاں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝﴾ (یوسف 12:105) ”اور آسمان و زمین میں کتنی زیادہ نشانیاں ہیں جن پر سے وہ گزرتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بے دھیان ہوتے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝﴾ (یونس 10:101) ”(ان کفار سے) کہہ دیجیے کہ دیکھو تو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے۔ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے نشانیاں اور ڈراوے ان کے کچھ کام نہیں آتے۔“ اور فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝﴾ (سبا 34:9) ”کیا انھوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور پیچھے ہے (یعنی) آسمان اور زمین؟ اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان سے کچھ ٹکڑے گرا دیں، یقیناً اس میں ہر رجوع کرنے والے بندے کے لیے ضرور نشانی ہے۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۝ۙ﴾ (آل عمرٰن 3:190)

إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ

بے شک وہ لوگ جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور وہ دنیاوی زندگی پر راضی اور اسی پر مطمئن ہیں اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل

عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ⑦ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ⑧

ہیں ⑦ وہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے ان (عملوں) کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے ⑧

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کا رب ان کے ایمان کی وجہ سے انھیں (جنت کے باغوں کی) راہ دکھائے گا جن کے

فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ⑨ دَعْوَاهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۚ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ

نیچے نہریں بہتی ہوں گی، نعمتوں کے باغات میں ⑨ اس (جنت) میں ان کی پکار ہوگی: اے اللہ! تو پاک ہے۔ اور اس میں ان کی دعا ہوگی: سلام۔

أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ⑩ ع

اور ان کی آخری پکار یہ ہوگی کہ تمام تعریفیں اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہیں ⑩

''بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور رات اور دن کے آنے جانے میں یقیناً عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' ارشاد باری ہے: ﴿لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ⑥﴾ ''(البتہ نشانیاں ہیں) ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں۔'' یعنی ان کے لیے جو اللہ کی سزا، ناراضی اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 8,7

منکرینِ قیامت کا ٹھکانا جہنم ہے: اللہ تعالیٰ نے ان بدبخت اور بدنصیب لوگوں کا حال بیان کیا ہے جنھوں نے روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کیا، وہ دنیا کی زندگی پر خوش ہوگئے اور اسی پر ان کے دل مطمئن ہوگئے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! انھوں نے دنیا کو اس لیے مزین کیا اور اسے اس لیے اٹھایا کہ وہ اس سے خوش تھے۔[1] اور یہی لوگ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کونیہ ''کائنات میں پھیلی ہوئی نشانیوں'' سے غافل تھے کہ ان میں غور نہیں کرتے تھے اور آیاتِ شرعیہ سے بھی غافل تھے کہ ان کے مطابق عمل نہیں کرتے تھے، قیامت کے دن ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہوگا جو ان کے کمائے ہوئے برے اعمال، گناہوں، غلطیوں اور جرموں کی سزا ہوگی اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بدنصیب اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور یومِ آخرت کا انکار بھی کرتے تھے۔

تفسیر آیات: 10,9

اہلِ ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو اچھا بدلہ ملے گا: یہ ان سعادت مند لوگوں کا حال بیان کیا جا رہا ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے رسولوں کی تصدیق کی، احکامِ الٰہی کی پابندی کی اور نیک اعمال بجا لائے تو ان کے ایمان کے سبب اللہ تعالیٰ ان کو راہ دکھائے گا، اس بات کا احتمال ہے کہ ﴿بِإِيمَانِهِمْ﴾ کی ''با'' سببیہ ہو اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ

[1] تفسير ابن أبي حاتم: 1928/6.

ان لوگوں کے دنیا میں ایمان لانے کے سبب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں مستقیم اور سیدھی راہ (پل صراط) دکھا دے گا حتی کہ وہ اسے عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ یہ ''با'' استعانت کے لیے ہو جیسا کہ امام مجاہد نے اس آیت: ﴿ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ﴾ کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ ان کے لیے نور ہوگا جس کی مدد سے وہ چلیں گے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ دَعْوٰىهُمْ فِيهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''ان کی دعا ان (جنتوں) میں (یہ) ہوگی: پاک ہے تو اے اللہ! اور آپس میں ان کی دعا سلام علیکم ہوگی اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی حمد (اور اس کا شکر) ہے۔'' یعنی یہ اہل جنت کا حال ہے۔

اس آیت کریمہ کی حسبِ ذیل آیات سے مشابہت ہے: ﴿ تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ﴾ (الأحزاب 44:33) ''جس روز وہ اس سے ملیں گے تو ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا تَأْثِيْمًا ۙ إِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ﴾ (الواقعة 26,25:56) ''وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ ہاں، ان کا کلام سلام سلام (ہوگا۔)'' اور فرمایا: ﴿ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ﴾ (یٰس 58:36) ''پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے گا۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ (الرعد 24,23:13) ''اور فرشتے (بہشت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو۔''

ازل سے ابد تک اللہ تعالیٰ ہی حمد و ثنا کا مستحق ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی حمد (اور اس کا شکر) ہے۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابد الآباد تک اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی محمود ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وہی معبود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب اللہ نے مخلوق کی پیدائش کے آغاز کا ذکر کیا، اسی طرح تخلیق کا عمل مسلسل جاری رکھنے کے موقع پر، اسی طرح اپنی کتاب مقدس کے آغاز اور جہاں اس کے نزول کا ذکر ہے وہاں بھی حمد کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ (الکھف 1:18) ''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر (یہ) کتاب نازل کی۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (الأنعام 1:6) ''ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لائق ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔'' اس طرح اور بھی بہت سے احوال میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ گرامی کی حمد بیان کی ہے، ان کا ذکر موجبِ طوالت ہوگا۔ بہر حال ابتدا میں بھی آخر میں بھی، دنیا میں بھی آخرت میں بھی اور ہر ہر حال میں وہی حمد و ثنا کا مستحق ہے۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ أَهْلَ الْجَنَّةِ...... يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالتَّحْمِيدَ، كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفَسَ] ''یقیناً اہل جنت...... کو تسبیح و تحمید کا الہام ہوگا جس طرح انھیں ان کا سانس الہام کیا جاتا ہے۔''[2] اور یہ اس لیے کہ وہ دیکھیں گے کہ

---

[1] تفسیر الطبری: 117/11. [2] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب فی صفات الجنة وأهلها......، حدیث: 2835 عن جابر ؓ.

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ

اور اگر اللہ لوگوں کو برائی پہنچانے میں جلدی کرتا جیسے وہ بھلائی مانگنے میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی میعاد پوری ہو چکی ہوتی ، چنانچہ ہم ان لوگوں کو جو

لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪

ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے ، چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں ⑪

ان پر ہر لحہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں اضافہ ہو رہا ہے اور انھیں بار بار ایسی نعمتوں سے سرفراز کیا جا رہا ہے جن کی نہ کوئی انتہا ہے اور نہ وہ کبھی ختم ہی ہوں گی۔ پس اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ کوئی پروردگار!

تفسیر آیت : 11

اللہ تعالیٰ بددعا کو بھلائی کی دعا کی طرح جلد قبول نہیں فرماتا: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ اپنے حلم اور لطف و کرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب تنگی یا غصے کی حالت میں اپنے لیے یا اپنے مال و اولاد کے لیے بددعا کرتے ہیں تو وہ ان کی اس بددعا کو قبول نہیں فرماتا کیونکہ وہ خوب جانتا ہے کہ ان کا ارادہ اس شر کا نہیں ہے، لہٰذا وہ از راہ لطف و کرم غصے اور ناراضی کی حالت میں کی گئی بددعا کو اس طرح قبول نہیں فرماتا جس طرح اپنے لیے یا اپنے مال و اولاد کے لیے ان کی خیر و بھلائی اور برکت کی دعا کو جلد قبول فرمالیتا ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ ﴾ ”اور اگر اللہ بہت جلدی بھلائی دینے کی طرح لوگوں کے لیے جلدی برائی دے، تو ان کی طرف ان کی مدت ضرور پوری کر دی جائے۔“ یعنی اگر وہ ان کی بددعا کو اسی طرح قبول کر لیتا جس طرح انھوں نے کی ہوتی ہے تو وہ انھیں ہلاک کر دیتا۔

اس لیے کثرت سے بددعا نہیں کرنی چاہیے جیسا کہ حافظ ابوبکر بزار رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا تَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلٰى أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوا عَلٰى أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبَ لَكُمْ] ”تم اپنے لیے بددعا نہ کرو اور نہ اپنی اولاد اور مالوں کے لیے بددعا کرو، ہوسکتا ہے کہ تمھاری یہ بددعا کسی ایسی گھڑی میں ہو جس میں عطا ہی عطا ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرما لے۔“[1] اسے امام ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[2] یہ آیت اسی طرح ہے جیسے یہ آیت ہے: ﴿ وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ ﴾ (بنی إسرآء یل 11:17) ”اور انسان جس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے، اسی طرح برائی مانگتا ہے۔“

امام مجاہد رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ: ﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ ...... ﴾ الآیۃ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان غصے

① صحیح مسلم، الزھد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصة أبی الیَسَر، حدیث:3009 مطولا. جبکہ مسند البزار میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ ② سنن أبی داود، الوتر، باب النھی أن یدعوالإنسان علی أھله ومالہ، حدیث:1532 اس میں عَلٰی خَدَمِکُمْ ”اپنے خادموں کے لیے بھی (بددعا مت کرو۔)“ کے الفاظ بھی ہیں۔ ابن کثیر میں [ساعة فیھا إجابة] ہے۔ جبکہ اس سے قریب ترین الفاظ موارد الظمآن :53,52/8، حدیث:2411 میں اس طرح ہیں: [مِنَ الْإِجَابَةِ السَّاعَةَ].

وَاِذَا مَسَّ الۡاِنۡسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنۡۢبِهٖۤ اَوۡ قَاعِدًا اَوۡ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفۡنَا عَنۡهُ

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے، اپنے پہلو پر (لیٹے) یا بیٹھے یا کھڑے ہوئے، پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں تو

ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا

وہ (یوں) گزر جاتا ہے جیسے اس نے خود کو تکلیف پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا، اسی طرح حد سے گزر جانے والوں کے لیے ان کے (برے) عمل

يَعۡمَلُوۡنَ ﴿12﴾

پرکشش بنا دیے گئے ﴿12﴾

کی حالت میں اپنی اولاد یا اہل کے لیے یہ کہہ دیتا ہے کہ اے اللہ! اس میں برکت نہ دینا اور وہ ان پر لعنت بھیجنے لگ جاتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کی بددعا کو بھی اسی طرح قبول فرمانے لگ جائے جس طرح ان کی دعا کو قبول فرماتا ہے تو انھیں ہلاک کر ڈالے۔ [1]

تفسیر آیت :12

انسان تکلیف میں اللہ کو یاد کرتا ہے اور فراخی وخوشحالی میں اُسے فراموش کر دیتا ہے: اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو قلق واضطراب میں اپنے رب کو پکارتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوۡ دُعَآءٍ عَرِيۡضٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 51:41) ''اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی دعائیں کرنے لگتا ہے۔'' عریض اور کثیر کے معنی ایک ہی ہیں۔ انسان کو جب کوئی سختی پہنچتی ہے تو وہ قلق واضطراب میں مبتلا ہو جاتا، جزع فزع کرتا اور کثرت سے دعائیں مانگتا ہے۔ لیٹے، بیٹھے، کھڑے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتا ہے کہ وہ اس کی تکلیف اور پریشانی کو دور فرما دے اور جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف اور پریشانی کو دور فرما دیتا ہے تو وہ منہ موڑ لیتا اور پہلو پھیر کر اس طرح چل دیتا ہے: ﴿ مَرَّ كَاَنۡ لَّمۡ يَدۡعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ ﴾ ''اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی ایسی تکلیف پر جو اسے پہنچی تھی، ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے اس قُماش کے لوگوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلۡمُسۡرِفِيۡنَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿12﴾ ﴾ ''اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو ان کے (برے) اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ جسے ہدایت، راست روی اور سلامتی کی توفیق عطا فرما دے، وہ اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ ﴾ (ھود 11:11) ''سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے صبر کیا اور نیک اعمال کیے۔'' اور جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ [عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ (لَا يَقْضِي اللّٰهُ لَهُ قَضَاءً إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ) إِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ فَصَبَرَ كَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ فَشَكَرَ كَانَ خَيْرًا لَّهُ ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ] ''مومن کا معاملہ بہت تعجب انگیز ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے جو فیصلہ بھی فرماتا ہے، وہ اس کے لیے بہتر ثابت ہوتا ہے اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور صبر کرنا اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی مسرت حاصل ہو تو شکر کرتا

[1] تفسیر الطبری 122,121/11.

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا

اور البتہ ہم نے ان امتوں کو ہلاک کر دیا جو تم سے پہلے تھیں، جب انھوں نے ظلم کیا، اور ان کے پاس ان کے رسول واضح دلیلوں کے ساتھ

لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ

آئے، اور وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے۔ مجرم لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیتے ہیں⑬ پھر ان کے بعد ہم نے تمھیں زمین میں جانشین بنایا، تاکہ

بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭

ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو⑭

ہے اور شکر ادا کرنا بھی اس کے لیے بہتر ہے اور یہ مومن ہی کی شان ہے (کہ اس کی زندگی صبر اور شکر کا حسین امتزاج ہے۔)‘‘[1]

تفسیر آیات: 14,13

پہلی امتوں کی ہلاکت باعثِ عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے پہلی امتوں کو اس وقت کس طرح ہلاک کر دیا تھا جب انھوں نے اپنے ان پیغمبروں کی تکذیب کی جو ان کے پاس واضح دلائل و براہین لے کر آئے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بعد ان کو یہاں خلیفہ بنایا، بسایا اور ان کی طرف اپنے رسول کو بھیجا تاکہ وہ یہ معلوم کر لے کہ یہ لوگ اس کی اطاعت اور اس کے رسول کی اتباع کرتے ہیں یا نہیں۔ صحیح مسلم میں ابونضرہ کی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الدُّنيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ، وَّإِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ] ’’بے شک دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک دوسرے کے بعد اس میں بسایا ہے اور وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم کس طرح کے عمل کرتے ہو، چنانچہ تم دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنے) سے بھی احتراز کرو کیونکہ بنی اسرائیل میں بھی سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی وجہ سے تھا۔‘‘[2]

عوف بن مالک رحمہ اللہ کا خواب: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ سے روایت کیا ہے کہ عوف بن مالک نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے خواب میں یہ دیکھا ہے کہ آسمان سے گویا ایک رسی لٹکائی گئی ہے جس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اوپر اٹھا لیا گیا، پھر اس رسی کو دوبارہ لٹکا دیا گیا اور اس کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اوپر اٹھا لیا گیا، پھر منبر کے اردگرد لوگوں کی پیمائش کی گئی تو عمر رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کی نسبت تین ہاتھ منبر کی جانب آگے بڑھ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا: بس رہنے دو اپنا خواب! ہمیں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے، پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو انھوں نے فرمایا: عوف! وہ تمھارا خواب کیا تھا؟ انھوں نے عرض کی: کیا آپ کو میرے خواب کی کوئی ضرورت ہے۔ کیا آپ نے مجھے خواب

---

① صحيح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: 2999 اور قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 24/5 کے مطابق ہیں، البتہ مسند احمد میں [شيئا] ہے اور [قضاء] کے لیے دیکھیے مسند أبي يعلى الموصلي: 221/7. ② صحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء، وأكثر أهل النار النساء، وبيان الفتنة بالنساء، حديث: 2742.

وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۙ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ

اور جب ان پر ہماری واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ لوگ، جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں: تو اس کے علاوہ کوئی (دوسرا)

هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا

قرآن لے آیا اسے (کچھ) بدل دے۔ کہہ دیجیے: مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو

مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ⑮ قُلْ لَوْ

میری طرف وحی کی جاتی ہے، بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے⑮ کہہ دیجیے:

شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ

اگر اللہ چاہتا تو میں اس (قرآن) کی تم پر تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ (اللہ) تمھیں اس کی خبر دیتا، چنانچہ میں اس (نبوت) سے پہلے تمھارے اندر ایک مدت

قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ⑯

ٹھہرا ہوں، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟⑯

سناتے وقت ڈانٹا نہیں تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر افسوس ہو! تم کو تو میں نے اس لیے خواب سنانے سے منع کیا تھا کہ میں نہیں چاہتا تھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کو خود ان کے سامنے ان کی موت کی خبر سناؤ۔ اس کے بعد عوف نے اپنا خواب بیان کرنا شروع کر دیا، پھر جب وہ خواب بیان کرتے ہوئے لوگوں کی پیمائش کیے جانے اور اس پیمائش میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین ہاتھ کے بقدر آگے بڑھنے تک پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ ان تینوں ہاتھوں میں سے ایک تو خلیفہ ہونے کی طرف اشارہ ہے اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور تیسرا یہ کہ وہ شہید ہیں، پھر انھوں نے کہا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ⑭ ﴾ ''پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔'' ام عمر کے بیٹے! اب تمھیں خلیفہ بنا دیا گیا ہے، لہٰذا اب دیکھو کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ خواب میں جو یہ کہا گیا ہے کہ میں اللہ کے بارے میں کسی ملامت گر کی ملامت سے نہیں ڈرتا تو یہ اسی صورت میں ہے کہ جب اللہ چاہے، اور جو شہادت کی بات کہی گئی ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کو شہادت کیسے مل سکتی ہے جبکہ مسلمان ہر وقت ان کے گرد و پیش جمع رہتے ہیں۔ ①

تفسیر آیات: 16,15

سرداران قریش کی ہٹ دھرمی: اللہ تعالیٰ نے قریش کے سرداروں، مشرکوں، انکار کرنے والوں اور حق سے اعراض کرنے والوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں اللہ کی کتاب اور اس کے روشن دلائل پڑھ کر سناتے ہیں تو وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن بنا لاؤ، یعنی اس قرآن کو لے جاؤ اور کسی اور انداز کا قرآن لے آؤ یا اسے بدل دو تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ﴿ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ

① تفسیر الطبری: 124/11 و الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 331/3.

﴿ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ ﴾ ''ان سے کہہ دیں کہ مجھے اختیار نہیں ہے کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔'' یعنی مجھے اس کا کوئی اختیار نہیں ہے کیونکہ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کے حکم کا پابند ہوں اور اس کا رسول ہوں اور جو وحی اللہ کی طرف سے مجھ پر نازل ہوتی ہے، میں اسے بلاکم وکاست پہنچا دیتا ہوں۔

﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮ ﴾ ''میں تو اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو یقیناً مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔''

قرآن مجید کی صداقت کا ثبوت: اس کے بعد ان پر حجت قائم کرتے ہوئے اس بات کی دلیل دی ہے کہ آپ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ صحیح ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ ﴾ ''(یہ بھی) کہہ دیجیے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر نہ سناتا اور نہ اللہ تمھیں اس کی خبر دیتا۔'' یعنی تمھارے پاس میں یہ قرآن اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کے ارادۂ ومشیت سے لے کر آیا ہوں۔ اور اس بات کی دلیل کہ اسے میں نے خود اپنی طرف سے نہیں بنایا، یہ ہے کہ بے شک تم اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہو اور تم میری ولادت سے بعثت تک میری صداقت وامانت کے بارے میں بھی خوب جانتے ہو، تم نے کبھی مجھ پر ذرا بھی تنقید نہیں کی جس کی وجہ سے تمھیں میرے بارے میں کوئی شبہ ہو یا مجھ میں کوئی عیب نکال سکو، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑯ ﴾ ''(اے نبی! کہہ دیجیے) کہ بے شک میں نے (نبوت سے پہلے) تمھارے اندر ایک عمر گزاری ہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔'' یعنی کیا تم میں عقل نہیں ہے جس کے ساتھ تم حق وباطل میں فرق کر سکو؟

اسی لیے ہرقل شاہِ روم نے جب نبیٔ اکرم ﷺ کے بارے میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کچھ سوال پوچھے تھے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا: دعوائے نبوت سے قبل تم نے ان پر جھوٹ کا کبھی کوئی الزام لگایا تھا؟ ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس کا جواب یہ دیا تھا کہ جی نہیں، حالانکہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس وقت کافروں کے سردار اور مشرکوں کے سربراہ تھے لیکن اس کے باوجود وہ آپ کی صداقت کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے وَالْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْأَعْدَاءُ ''اور خوبی وہ ہے جس کا دشمن بھی اعتراف کریں۔'' ابوسفیان کے اس جواب پر تبصرہ کرتے ہوئے ہرقل نے کہا: مجھے معلوم ہے، یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں کے معاملے میں تو جھوٹ نہ بولیں مگر اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ جھوٹ بولنے لگ جائیں۔[1]

اسی طرح جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جن کی صداقت وامانت اور جن کے نسب کو ہم خوب جانتے ہیں۔[2] اور آپ ﷺ نے نبوت سے قبل چالیس برس کا عرصہ

① ملخص از صحیح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله......؟ حديث: 7 ودلائل النبوة للبيهقي، باب الهجرة الأولى إلى الحبشة......:302/2. ② مسند أحمد:202/1 ودلائل النبوة للبيهقي، باب الهجرة الأولى إلى الحبشة ثم الثانية ......:302/2 والسيرة النبوية لابن هشام، باب إحضار النجاشي للمهاجرين......:336,335/1.

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰

پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا یا اس کی آیتوں کو جھٹلایا؟ بے شک مجرم فلاح نہیں پاتے ⑰

ان میں گزارا تھا۔ اور یہی مشہور اور صحیح ترین قول ہے۔

تفسیر آیت: 17

نبوت کا جھوٹا دعویدار بہت بڑا ظالم ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی زیادہ ظالم و سرکش اور بڑا مجرم نہیں ہوسکتا، ﴿ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ﴾ ”جو اللہ پر جھوٹ و افتراء باندھے۔“ اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے اور وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہو تو ایسے شخص سے بڑھ کر نہ کوئی بڑا مجرم ہوسکتا ہے اور نہ بڑا ظالم۔ اس طرح کے شخص کا معاملہ تو نہایت غبی اور کند ذہن لوگوں پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایسے شخص کا حال انبیاء کے ساتھ مشتبہ ہو جائے۔ جو شخص بھی ایسی بات کرے، خواہ وہ سچا ہو یا جھوٹا تو اللہ تعالیٰ اس کے سچے یا جھوٹے ہونے کے ایسے دلائل مہیا فرما دیتا ہے جو اظہر من الشمس ہوتے ہیں، مثلاً: اگر کوئی شخص ایک طرف رسولِ رحمت محمد ﷺ کا مشاہدہ کرے اور دوسری طرف مُسَیلمہ کذاب کو دیکھے تو اسے دونوں میں فرق اس سے بھی زیادہ واضح نظر آئے گا جیسے آفتاب نصف النہار کی روشنی اور شب دیجور کی تاریکی میں فرق ہوتا ہے۔ جس شخص میں ادنیٰ سی بھی بصیرت ہو وہ عادات واطوار اور کردار و گفتار ہی سے یہ معلوم کرلے گا کہ رسولِ اکرم حضرت محمد ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور مسیلمہ کذّاب، سَجاح اور اسود عنسی جھوٹے اور کذاب ہیں۔

یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا: عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ منورہ کو قدوم میمنت لزوم سے نوازا تو لوگ دیوانہ وار آپ کے استقبال کے لیے دوڑے، میں بھی انھی لوگوں میں شامل تھا جوں ہی میری نظر آپ کے چہرۂ اقدس پر پڑی تو مجھے فوراً معلوم ہوگیا کہ یہ نورانی چہرہ کسی جھوٹے شخص کا نہیں ہوسکتا اور سب سے پہلے آپ کی کوثر و تسنیم میں ڈھلی ہوئی زبان مبارک سے میں نے جو الفاظ سنے وہ یہ تھے: [(يَا أَيُّهَا النَّاسُ!) أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصِلُوا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوا (بِاللَّيْلِ) وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ] ”اے لوگو! سلام پھیلاؤ (کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کہا کرو) اور لوگوں کو کھانا کھلاؤ، صلہ رحمی سے کام لو اور رات کو اس وقت نماز پڑھا کرو جب لوگ سوئے ہوئے ہوں تو (ان کاموں کے کرنے کی وجہ سے) تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔“[1]

ضِمام بن ثعلبہ جب اپنی قوم بنوسعد بن بکر کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے آپ سے جو گفتگو کی اس میں یہ بات بھی تھی کہ اس نے پوچھا: آسمان کو کس نے بلند کیا؟...... آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ] ”اللہ نے“ اس نے

① جامع الترمذی، الزهد، باب حدیث: أفشوالسلام، حدیث: 2485 جبکہ قوسین والا جملہ سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فی قیام اللیل، حدیث: 1334 میں ہے۔ و مسند أحمد: 451/5 واللفظ له.

پوچھا: ان پہاڑوں کو کس نے کھڑا کیا؟ اور جو ان پہاڑوں میں رکھا ہے جو رکھا ہے؟ فرمایا: [اَللّٰہُ] ''اللہ نے'' پھر اس نے پوچھا کہ اس زمین کو کس نے بچھایا؟ آپ نے فرمایا: [اَللّٰہُ] ''اللہ نے'' اس نے کہا: اس ذات کی قسم! جس نے آسمان کو بلند کیا، پہاڑوں کو (زمین میں) نصب کیا اور زمین کو بچھایا، کیا اللہ نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف (رسول بنا کر) بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا: [اَللّٰھُمَّ! نَعَمْ] ''جی ہاں! اللہ کی قسم!'' پھر اس نے آپ سے نماز، زکاۃ، حج اور روزے کے بارے میں بھی سوالات پوچھے اور وہ ہر سوال اسی طرح کی قسم دے کر پوچھتا تھا تو رسول اللہ ﷺ بھی قسم ہی کے ساتھ اسے جواب دیتے تھے (اپنے تمام سوالات کے جواب سے مطمئن ہو کر) اس نے کہا: آپ سچ فرماتے ہیں۔ اس ذات اقدس کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں ان باتوں میں کوئی اضافہ کروں گا نہ کمی۔[1] اس شخص نے محض انھی سوالات و جوابات پر اکتفا کیا اور اسے ان دلائل و براہین سے جن کا اس نے مشاہدہ کیا تھا، آپ ﷺ کی صداقت کا پورا پورا یقین ہو گیا۔

''چہ نسبت خاک را با عالم پاک'': مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ ایک بار عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسیلمہ کے پاس گئے جو کہ زمانۂ جاہلیت میں اس کے دوست تھے اور ابھی تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، مُسَیلمہ نے کہا: عمرو! یہ بتاؤ کہ تمھارے ساتھی پر اب کیا نازل ہوا ہے؟ یعنی اس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ پر تازہ وحی کیا نازل ہوئی ہے۔ عمرو نے جواب دیا کہ میں نے آج کل آپ ﷺ کے صحابہ کو ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا ہے جو اگرچہ ایک چھوٹی سی سورت ہے مگر ہے بہت عظیم الشان! مسیلمہ نے پوچھا: وہ کونسی سورت ہے؟ عمرو نے کہا: ﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ ...... ﴾ (العصر 103:1,2) تو مسیلمہ نے کچھ دیر غور و فکر کیا، پھر کہنے لگا کہ اس طرح کی ایک سورت تو مجھ پر بھی نازل ہوئی ہے، عمرو نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ وہ سورت یہ ہے: یَا وَبْرُ! یَا وَبْرُ! إِنَّمَا أَنْتَ أُذُنَانِ وَصَدْرٌ، وَّسَائِرُكَ حَقْرٌ نَقْرٌ. ''اے جنگلی چوہے! اے جنگلی چوہے! تیرے دو کان اور ایک سینہ ہے اور باقی تیرا سارا جسم حقیر، بے ہنگم اور بے ڈول ہے۔'' پھر اس نے کہا کہ عمرو! اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے۔ عمرو نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! یہ بات تو تجھے بھی معلوم ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ تو سراسر جھوٹ بولتا ہے۔[2]

اس واقعہ کے بیان کرنے سے مقصود یہ ہے کہ اس وقت عمرو بن عاص مشرک تھے مگر حالتِ شرک میں بھی انھیں ذرہ بھر شبہ نہ تھا کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور مسیلمہ ملعون کذاب ہے تو اصحاب دانش و بینش اور اربابِ عقل و بصیرت سے یہ بات کس طرح مخفی رہ سکتی ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ ﴾ (الأنعام 6:93) ''اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ گھڑے یا یہ کہے کہ میری طرف وحی کی گئی، حالانکہ اس کی طرف کوئی شے بھی وحی نہ کی گئی ہو اور جو یہ کہے کہ جو اللہ نے

---

[1] ماخوذ از صحیح البخاری، العلم، باب ماجاء فی العلم، حدیث: 63 و صحیح مسلم، الإیمان، باب السؤال عن أرکان الإسلام، حدیث: 12، مزید دیکھیے زاد المعاد: 647/3. [2] البدایة والنهایة، مقتل مسیلمة الکذاب لعنه الله: 331/6.

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا

اور وہ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نہ نقصان دیتی ہیں اور نہ نفع دیتی ہیں، اور وہ کہتے ہیں: یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی

عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى

ہیں۔ کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ آسمانوں میں نہیں جانتا اور نہ زمین میں؟ وہ پاک اور بلند ہے ان سے جن کو وہ شریک

عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

ٹھہراتے ہیں⑱ اور پہلے لوگ ایک ہی امت تھے، پھر انھوں نے (باہم) اختلاف کیا، اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑲

سے طے ہو چکی ہے تو ان میں اس چیز کے متعلق یقیناً فیصلہ کر دیا جاتا جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں⑲

نازل کیا ہے میں بھی اس جیسا نازل کروں گا۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ⑰ ﴾ ''تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اور اس کی آیتوں کو جھٹلائے؟ بے شک مجرم فلاح نہیں پائیں گے۔'' اس طرح جو شخص اس حق کی تکذیب کرے جسے اللہ کے پیغمبر لے کر آئے ہیں اور اس حق کی تائید میں دلائل و براہین بھی موجود ہوں تو اس سے بڑا ظالم اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

تفسیر آیات: 19,18

مشرکوں کا اپنے خداؤں کے بارے میں اعتقاد: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر جھوٹے خداؤں کی بھی عبادت شروع کر دی تھی اور وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی شفاعت ان کے کام آئے گی، ان کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ تو نفع و نقصان یا کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں۔ اور ان کے بارے میں جو لوگ اس قسم کے عقائد رکھتے ہیں، ان میں سرے سے ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں اور نہ کبھی آئندہ ہوگی، اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کو وہ نہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟'' ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کو ایسی خبر بتاتے ہو جو کبھی نہ آسمانوں میں ہو سکتی ہے اور نہ زمین میں۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کو ان کے شرک اور کفر سے پاک قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ⑱ ﴾ ''وہ پاک ہے اور (اس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔''

شرک ایک نئی ایجاد ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ شرک ایک نئی ایجاد ہے، پہلے لوگوں میں شرک نہیں تھا اور سب لوگ ایک ہی دین، یعنی دین اسلام پر تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان کی دس

[1] تفسیر الطبری: 129/11.

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ

اور وہ کہتے ہیں: اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ تو آپ کہہ دیجیے: یقیناً غیب تو اللہ ہی کے لیے ہے،

مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ⑳

پھر تم انتظار کرو، بے شک میں (بھی) تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ⑳

صدیوں کے سب لوگ دین اسلام پر تھے۔[1] پھر لوگوں میں اختلاف رونما ہو گیا اور بتوں، مجسموں اور شریکوں کی پوجا پاٹ کی جانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے روشن دلائل اور قوی و مضبوط براہین کے ساتھ اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، ﴿ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ﴾ (الأنفال 42:8) ”تا کہ جو ہلاک ہو واضح دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ رہے واضح دلیل سے زندہ رہے۔“

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ ”اور اگر ایک بات جو آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی۔“ یعنی اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ حجت پوری کیے بغیر کسی کو عذاب نہ دیتا اور یہ کہ اس نے مخلوق کو ایک محدود مدت تک کے لیے پیدا کیا ہے تو اس اختلاف کی وجہ سے ان کا فیصلہ کر دیا جاتا جس سے وہ مومنوں کو کامیاب و کامران کر دیتا اور کافروں کو ناکام و نامراد ٹھہراتا ہے۔

تفسیر آیت: 20

مشرکوں کا نشانی کا مطالبہ: تکذیب کرنے، ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لینے والے یہ کافر کہتے ہیں کہ محمد (ﷺ) پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی، نشانی سے ان کی مراد یہ تھی جیسا کہ قوم ثمود کو اونٹنی کی نشانی دی گئی تھی یا تو ان کے لیے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا مکہ کے پہاڑوں کو ہٹا کر ان کی جگہ باغات بنا دیے اور نہریں جاری کر دی جائیں یا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس طرح کی کوئی اور نشانی دکھا دے۔[2] (اللہ تعالیٰ اس طرح کی نشانیاں دکھانے پر قادر ہے) لیکن وہ اپنے تمام افعال و اقوال میں حکمت سے کام لیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ○ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَاَعْتَدْنَا

[1] یہ الفاظ الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 42/1 میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ اور تفسیر الطبری: 455/2 میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ منقول ہیں: كَانَ بَيْنَ نُوحٍ وَّ آدَمَ عَشَرَةُ قُرُونٍ كُلُّهُمْ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ ”حضرت نوح اور آدم علیہما السلام کے مابین دس صدیوں یا نسلوں کا فاصلہ ہے۔ وہ سب کے سب شریعتِ حقہ پر (کار بند) تھے۔“ صحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر الإخبار عما کان بین آدم و نوح: 69/14، حدیث: 6190 میں اس معنی کی مرفوع روایت بھی ہے جو حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ آیا آدم علیہ السلام پیغمبر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [نَعَمْ مُكَلَّمٌ] ”ہاں! وہ ایسے نبی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام بھی فرمایا تھا۔“ وہ پھر پوچھنے لگا کہ حضرت آدم اور نوح علیہ السلام کے درمیان کتنی مدت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: [عَشَرَةُ قُرُونٍ] ”دس صدیاں یا نسلیں۔“ مزید دیکھیے المستدرک للحاکم، التفسیر، باب من سورۃ البقرۃ: 262/2، حدیث: 3039. [2] مزید دیکھیے بنیٓ إسرآءیل 17: 90-93.

لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴾ (الفرقان 25:10، 11) ''وہ (اللہ) بہت بابرکت ہے وہ اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دے (یعنی) باغات جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، نیز آپ کے محل بنا دے بلکہ یہ تو قیامت ہی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے بھڑکتا دوزخ تیار کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴾ (بنيّ إسرآء يل 17:59) ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمودیوں کو بطور واضح نشانی کے اونٹنی دی لیکن انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم تو لوگوں کو دھمکانے کے لیے ہی نشانیاں بھیجتے ہیں۔''

پیغمبر رحمت ﷺ کا حلم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میری سنت یہ ہے کہ جب میں لوگوں کے مطالبے پر کوئی نشانی بھیج دوں اور وہ اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں تو بہت بہتر ورنہ میں انھیں بہت جلد اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہوں، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اختیار دیا گیا کہ ان لوگوں کو ان کے مطالبے کے مطابق نشانیاں دکھا دی جاتی ہیں اور نشانیاں دیکھ کر بھی اگر یہ ایمان نہ لائے تو انھیں عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا یا نشانیاں دکھانے کے بجائے انھیں مہلت دے دی جاتی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے اس بات کو پسند فرمایا تھا کہ انھیں مہلت دے دی جائے، اسی طرح اور بھی کئی ایک مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ حلم و بردباری اور دور اندیشی کا معاملہ فرمایا تھا۔ [1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا کہ ان کے جواب میں یہ فرما دیں: ﴿ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ غیب (کا علم) تو اللہ ہی کو ہے۔'' یعنی تمام امور و معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور وہی ان کے انجام کو جانتا ہے۔

سب سے بڑی نشانی: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴾ ''چنانچہ تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔'' یعنی اگر تم اس وقت تک ایمان نہیں لاؤ گے جب تک اپنے سوال کے مطابق نشانی نہ دیکھ لو تو پھر میرے اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرو۔ یہ ان کافروں کی محض ہٹ دھرمی تھی کیونکہ یہ تو (اب) اپنے اس سوال سے بھی بڑی نشانی اس سے پہلے اس وقت دیکھ چکے تھے جب آپ نے ان کی موجودگی میں انھی کے مطالبے پر چودھویں رات کے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا تھا، ایک ٹکڑا (حراء) پہاڑ کے پیچھے تھا اور دوسرا دوسری طرف۔ [2] یہ ان تمام زمینی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی تھی جن کا انھوں نے سوال کیا تھا یا ان کے بارے میں سوال

---

[1] جیسا کہ طائف کے سفر میں ہوا، دیکھیے صحیح البخاري، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدكم آمين والملائكة في السماء ......، حديث: 3231 و صحيح مسلم، الجهاد......، باب مالقي النبي ﷺ من أذى المشركين والمنافقين، حديث: 1795.

[2] واقعۂ شقِ قمر کے لیے دیکھیے صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ﴾ ...... (القمر 54:1،2)، حديث: 4864 و صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب انشقاق القمر، حديث: 2800 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ.

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ط

اور جب ہم (ان کافر) لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو فوراً ہی ہماری آیتوں میں ان کے لیے چالیں ہوتی

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ط اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿21﴾ هُوَ الَّذِيْ

ہیں (جو وہ چلتے ہیں)، کہہ دیجیے: اللہ سب سے تیز تر ہے چال (چلنے) میں۔ بے شک ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لکھتے جاتے ہیں جو تم مکر و فریب

يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ج وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ

کرتے ہو ﴿21﴾ وہی ہے (اللہ) جو تمھیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے، حتیٰ کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں (سواروں کو) پاکیزہ (موافق) ہوا

طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

کے ساتھ لیے چلتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں، تو اچانک ان (کشتیوں) پر طوفانی ہوا آ پہنچتی ہے اور لہریں ان پر ہر طرف سے امڈ آتی ہیں اور

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ لا دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ج لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ

وہ خیال کرتے ہیں کہ بے شک وہ (طوفان میں) گھیر لیے گئے ہیں (تو اس وقت) خالص اللہ ہی کی عبادت کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں کہ اگر تو نے

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿22﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ

ہمیں اس (طوفان) سے نجات دی تو ہم ضرور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں گے ﴿22﴾ پھر جب اس (اللہ) نے انھیں نجات دے دی تو وہ فوراً ہی

الْحَقِّ ط يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ لا مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ز ثُمَّ اِلَيْنَا

زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمھاری سرکشی (کا وبال) تمھاری (اپنی ہی) جانوں پر ہے، (تم) دنیاوی زندگی کا فائدہ (اٹھالو)، پھر

مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿23﴾

تمھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ہم تمھیں بتائیں گے جو عمل تم کیا کرتے تھے ﴿23﴾

نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے مطالبے کے مطابق نشانیاں کیوں نہیں نازل فرمائیں، اگر اس وقت بھی ان کا مطالبہ رہنمائی اور دین میں ثابت قدمی کے لیے ہوتا تو اللہ تعالیٰ ان کو یہ نشانیاں دکھا دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ ان کا یہ مطالبہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنیاد پر ہے اور ان نشانیوں کو دیکھ کر بھی ان میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

جیسا کہ فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾ (یونس 10:96,97) ''یقیناً جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آ جائے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ......﴾ الآیة (الأنعام 6:111) ''اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کرتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہاں، اگر اللہ ہی چاہے (تو اور بات ہے۔)......'' کیونکہ ان میں ضد اور ہٹ دھرمی بہت زیادہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا

اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا...... الآية (الحجر15:14,15) ’’اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں اور یہ وہاں چڑھنے بھی لگ جائیں، تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بند کر دی گئی ہے......‘‘ اور فرمایا: ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَآءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ○﴾ (الطور52:44) ’’اور اگر یہ آسمان (سے عذاب) کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں تب بھی کہہ دیں گے کہ یہ تہ بہ تہ بادل ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○﴾ (الأنعام6:7) ’’اور اگر ہم آپ پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے، پھر یہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف) صریح جادو ہے۔‘‘ یعنی یہ لوگ اس قابل ہی نہیں کہ انھیں ان کے سوالوں کا جواب دیا جائے کیونکہ انھیں جواب دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس کا کوئی نتیجہ نہیں، اس لیے کہ اپنے گناہوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے یہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی ہی پر جمے رہیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ⑳﴾ ’’چنانچہ تم انتظار کرو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔‘‘

تفسیر آیات:21-23

تکلیف کے بعد راحت آنے پر انسان کا بدل جانا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ جب لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد اپنی رحمت سے آسائش کا مزہ چکھا دیتا ہے، مثلاً: تنگ دستی کے بعد خوش حالی، قحط سالی کے بعد رزق کی فراوانی اور خشک سالی کے بعد بارانِ رحمت سے نواز دیتا ہے تو ﴿اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْۤ اٰيَاتِنَا ؕ﴾ ’’تب وہ ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔‘‘ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ مذاق اڑانے اور تکذیب کرنے لگتے ہیں۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ﴾ (یونس10:12) ’’اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو پہلو کے بل (لیٹا) یا بیٹھا یا کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے، پھر جب ہم اس کی تکلیف اس سے ہٹا دیتے ہیں تو وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ گویا اس نے اپنی تکلیف کے لیے جو اسے پہنچی تھی کبھی ہمیں پکارا ہی نہ تھا۔‘‘

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صبح کی نماز پڑھائی جبکہ اس رات بارش ہوئی تھی، آپ نے فرمایا: [هَلْ تَدْرُونَ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمُ (اللَّيْلَةَ) ؟ قَالُوا: اللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: قَالَ: أَصْبَحَ مِنْ عِبَادِي مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ، فَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ فَذٰلِكَ مُؤْمِنٌ بِي وَكَافِرٌ بِالْكَوْكَبِ، وَأَمَّا مَنْ قَالَ: مُطِرْنَا بِنَوْءِ كَذَا وَكَذَا، فَذٰلِكَ كَافِرٌ بِي مُؤْمِنٌ بِالْكَوْكَبِ] ’’کیا تم جانتے ہو کہ (آج رات) تمھارے رب نے کیا فرمایا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ہی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: میرے بندوں میں سے کچھ مومن اور کچھ کافر ہو گئے ہیں جن لوگوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے ہم پر بارش ہوئی ہے تو وہ مومن ہیں اور جنھوں نے یہ کہا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی ہے تو ان کا میرے ساتھ کفر اور ستارے کے

[1] تفسیر الطبری:130/11.

ساتھ ایمان ہے۔'' [1]

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُ اَسۡرَعُ مَكۡرًا ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ تدبیر کرنے میں تیز تر ہے۔'' یعنی وہ بہت زیادہ مہلت دے دیتا ہے حتی کہ مجرم لوگ یہ گمان کرنے لگ جاتے ہیں کہ وہ انھیں عذاب نہیں دے گا، حالانکہ درحقیقت انھیں مہلت دی گئی ہوتی ہے، پھر وہ اچانک اللہ تعالیٰ کے عذاب کی گرفت میں آ جاتے ہیں، کراماً کاتبین نے ان کے تمام افعال لکھ رکھے ہوتے ہیں، پھر وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے چھوٹے بڑے، ذرہ بھر اور معمولی، الغرض! تمام اعمال کے مطابق انھیں بدلہ دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ الَّذِیۡ یُسَیِّرُكُمۡ فِی الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ ﴾ ''وہی تو ہے جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔'' یعنی خشکی اور دریا میں تمھاری حفاظت کرتا اور تمھیں اپنی نگہداشت میں رکھتا ہے، ﴿ حَتّٰۤی اِذَا كُنۡتُمۡ فِی الۡفُلۡكِ ۚ وَ جَرَیۡنَ بِهِمۡ بِرِیۡحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوۡا بِهَا ﴾ ''یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ ان سے خوش ہوتے ہیں۔'' کہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہے ہیں وہ اسی کیفیت میں ہوتے ہیں، ﴿ جَآءَتۡهَا رِیۡحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الۡمَوۡجُ مِنۡ كُلِّ مَكَانٍ ﴾ ''تو ناگہاں زنّاٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے ان (کشتیوں) پر (جوش مارتی ہوئی) آنے لگتی ہیں۔'' اور دریا اور سمندر ان پر ٹوٹ پڑتا ہے، ﴿ وَّ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ اُحِیۡطَ بِهِمۡ ۙ ﴾ ''اور وہ خیال کرتے ہیں کہ بلاشبہ (اب تو لہروں میں) انھیں گھیر لیا گیا ہے۔'' یعنی ہلاک ہو گئے، ﴿ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ ﴾ ''(تو اس وقت) اطاعت و فرماں برداری اللہ کے لیے خاص کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں۔'' یعنی اس وقت کسی صنم یا بت سے دعا نہیں کرتے بلکہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کے حضور گڑگڑاتے اور اس سے دعا مانگتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الۡبَحۡرِ ضَلَّ مَنۡ تَدۡعُوۡنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمۡ اِلَی الۡبَرِّ اَعۡرَضۡتُمۡ ؕ وَ كَانَ الۡاِنۡسَانُ كَفُوۡرًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 67:17) ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارا کرتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ دَعَوُا اللّٰهَ مُخۡلِصِیۡنَ لَهُ الدِّیۡنَ ۚ لَئِنۡ اَنۡجَیۡتَنَا مِنۡ هٰذِهٖ لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیۡنَ ﴿22﴾ ﴾ ''(تو اس وقت) اطاعت و فرماں برداری اللہ کے لیے خاص کرتے ہوئے اسی کو پکارتے ہیں کہ (اے اللہ!) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے تو ہم ضرور (تیرے) شکر گزاروں میں سے ہوں گے۔'' یعنی اگر تو نے اس حالت سے نجات دی، تو ہم کسی کو تیرا شریک نہیں بنائیں گے، صرف تیری ہی عبادت کریں گے جیسا کہ اب صرف تجھ ہی سے دعا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَمَّاۤ اَنۡجٰىهُمۡ ﴾ ''پھر جب وہ ان کو نجات دے دیتا ہے۔''

[1] صحیح البخاري، الأذان، باب: یستقبل الإمام الناس……، حدیث: 846 وصحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کفر من قال مطرنا بالنوء، حدیث: 71 واللفظ له عن زید بن خالد الجُهَني ﷺ اور قوسین والا لفظ سنن النسائي، الاستسقاء، باب کراھیة الاستمطار بالکوکب، حدیث: 1526 میں ہے۔

اِنَّمَا مَثَلُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا کَمَآءٍ اَنۡزَلۡنٰہُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخۡتَلَطَ بِہٖ نَبَاتُ الۡاَرۡضِ مِمَّا

بے شک دنیاوی زندگی کی مثال تو اس پانی کی سی ہے جسے ہم نے آسمان سے اتارا، پھر اس کے ساتھ زمین کی نباتات مل جل گئیں جس میں سے

یَاۡکُلُ النَّاسُ وَالۡاَنۡعَامُ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَہَا وَازَّیَّنَتۡ وَظَنَّ اَہۡلُہَاۤ

انسان اور چوپائے کھاتے ہیں، حتی کہ جب زمین نے اپنی رونق پکڑی اور مزین ہوگئی اور زمین والوں نے سمجھا کہ بے شک وہ اس (فصل کاٹنے)

اَنَّہُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡہَاۤ ۙ اَتٰىہَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَہَارًا فَجَعَلۡنٰہَا حَصِیۡدًا کَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ

پر قادر ہیں تو اس کو ہمارا حکم (عذاب) رات یا دن کو (اچانک) آ گیا، چنانچہ ہم نے اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیا، گویا کل وہ تھی ہی نہیں، اسی طرح ہم

بِالۡاَمۡسِ ؕ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿24﴾ وَاللّٰہُ یَدۡعُوۡۤا اِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ؕ

(اپنی) آیتیں کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں ﴿24﴾ اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے، اور وہ جسے

وَیَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿25﴾

چاہتا ہے صراط مستقیم کی ہدایت دیتا ہے ﴿25﴾

اس مشکل سے ﴿اِذَا ہُمۡ یَبۡغُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ﴾ ''تو وہ زمین میں فوراً ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں۔'' گویا پہلے کچھ ہوا ہی نہیں تھا (اسی لیے فرمایا:) ﴿مَرَّ کَاَنۡ لَّمۡ یَدۡعُنَاۤ اِلٰی ضُرٍّ مَّسَّہٗ ؕ﴾ (یونس 12:10) ''اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا اس نے کسی ایسی تکلیف پر جو اسے پہنچی تھی، ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغۡیُکُمۡ عَلٰۤی اَنۡفُسِکُمۡ﴾ ''لوگو! یقیناً تمھاری سرکشی کا وبال تمھاری ہی جانوں پر ہوگا۔'' یعنی اپنی اس بغاوت کا مزہ تم خود ہی چکھو گے اور اس سے کسی اور کو نقصان نہیں پہنچا سکو گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [مَا مِنۡ ذَنۡبٍ أَجۡدَرُ أَنۡ یُّعَجِّلَ اللّٰہُ لِصَاحِبِہِ الۡعُقُوبَةَ فِي الدُّنۡیَا مَعَ مَا یَدَّخِرُ لَہُ فِي الۡآخِرَةِ ، مِنَ الۡبَغۡيِ وَقَطِیعَةِ الرَّحِمِ] ''ظلم و زیادتی اور قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جس کا ارتکاب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی جلد سزا دے اور اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی عذاب دے۔''[1]

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿مَّتَاعَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۫﴾ یعنی تمھارے لیے اس حقیر و ذلیل اور گھٹیا دنیا ہی کی زندگی میں فائدہ ہے۔ ﴿ثُمَّ اِلَیۡنَا مَرۡجِعُکُمۡ﴾ ''پھر تمھارا لوٹنا ہماری طرف ہی ہے۔'' یعنی تمھارا انجام اور ٹھکانا ہمارے پاس ہی ہے۔ ﴿فَنُنَبِّئُکُمۡ﴾ ''پھر ہم تم کو بتائیں گے۔'' ہم تمھیں تمھارے اعمال کے بارے میں بتائیں گے اور ان کے مطابق تمھیں بدلہ دیں گے۔ جو شخص خیر و بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جو کسی اور صورت حال سے دوچار ہو تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔[2]

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، حديث:4902 و جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في عظم الوعيد على البغي......، حديث:2511 و اللفظ له وسنن ابن ماجه، الزهد، باب البغي، حديث:4211 عن أبي بكرة ﷺ. [2] یہ اقتباس صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2577 سے لیا گیا ہے۔

تفسیر آیات : 25,24

دنیاوی زندگی کی مثال: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی سج دھج اور زیب وزینت، پھر اس کے جلد ختم اور زوال پذیر ہو جانے کی مثال اس نبات سے دی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے ساتھ اگایا جسے اس نے آسمان سے برسایا اور مختلف انواع و اقسام کی ان فصلوں اور پھلوں کو پیدا فرمایا جنھیں انسان کھاتے ہیں، نیز اس نے چارا وغیرہ بھی اگایا جسے حیوان کھاتے ہیں۔ ﴿حَتّٰۤی اِذَاۤ اَخَذَتِ الۡاَرۡضُ زُخۡرُفَهَا وَ ازَّیَّنَتۡ﴾ ''یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی۔'' اور گلہائے رنگارنگ بہار دکھانے لگے ﴿وَ ظَنَّ اَهۡلُهَاۤ﴾ ''اور زمین والوں نے خیال کیا۔'' جنھوں نے اسے کاشت کیا تھا: ﴿اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡهَاۤ ۙ﴾ ''بے شک وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔'' اور وہ جلد ہی فصلوں اور پھلوں کو حاصل کر لیں گے مگر اچانک زبردست طوفان یا شدید آندھی یا زبردست یخ بستہ ہوا چلتی ہے جو پتوں کو خشک اور پھلوں کو تلف کر دیتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَتٰىهَاۤ اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا﴾ ''ناگہاں رات کو یا دن کو اسے ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اسے کاٹ ڈالا۔'' اور سرسبزی وشادابی کے بعد اسے اس طرح خشک کر دیا، ﴿كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ بِالۡاَمۡسِ ؕ﴾ ''گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔'' گویا اس سے پہلے وہاں کسی سرسبزی وشادابی کا کوئی نام ونشان ہی نہ تھا۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ گویا وہاں کسی نعمت کا وجود ہی نہ تھا۔[1]

اور زوال پذیر ہو جانے کے بعد اموریوں ہی محسوس ہوتے ہیں کہ گویا کبھی موجود ہی نہ تھے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [يُؤْتٰى بِأَنْعَمِ أَهْلِ الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً، ثُمَّ يُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ ؟ فَيَقُولُ: لَا، وَاللّٰهِ! يَا رَبِّ! وَيُؤْتٰى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا ، مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ فَيُصْبَغُ صَبْغَةً فِي الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: يَا ابْنَ آدَمَ! هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟...... فَيَقُولُ: لَا،......] ''قیامت کے دن جہنمیوں میں سے دنیا کے سب سے زیادہ خوش حال شخص کو لایا جائے گا اور اسے جہنم میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کبھی کوئی خیر وبھلائی دیکھی ہے؟ کیا کبھی کوئی نعمت تیرے پاس سے بھی گزری ہے؟ تو وہ جواب دے گا: نہیں، اللہ کی قسم! اے میرے رب! اس کے بعد ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جو اہل جنت میں سے ہوگا جس کی دنیا کی زندگی تنگ حالی میں گزری ہوگی، اسے جنت میں ایک غوطہ دیا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: اے ابن آدم! کیا تو نے کوئی تکلیف دیکھی ہے......؟ وہ کہے گا: نہیں......۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہلاک شدہ اقوام کے بارے میں بھی فرمایا ہے: ﴿فَاَصۡبَحُوۡا فِیۡ دِیَارِهِمۡ جٰثِمِیۡنَ ۙ۝ كَاَنۡ لَّمۡ

[1] تفسير الطبری:135/11. [2] صحیح مسلم، صفات المنافقين......، باب صبغ أنعم أهل الدنيا......، حديث:2807 و مسند أحمد:203/3 عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، تفسیر ابن کثیر میں [صبغ] کے تمام صیغوں کے بجائے [غمس] کے صیغے ہیں، اس کے لیے دیکھیے سنن ابن ماجه، الزهد، باب صفة النار، حديث:4321 .

يَغْنَوْا فِيْهَا ط ﴾ (هود 11:68,67) ''تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے گویا (کبھی) ان میں بسے ہی نہ تھے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔'' یعنی دلائل و براہین بیان کرتے ہیں، ﴿ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''ان لوگوں کے لیے جو غور کرنے والے ہیں۔'' تاکہ وہ اس مثال سے دنیا کے دنیا والوں سے جلد زوال پذیر ہو جانے سے عبرت حاصل کریں۔

مگر دنیا والے دنیا کے بارے میں فریب خوردہ ہیں اور یہاں ڈیرے جمائے اور اس دنیا پر اعتماد کیے ہوئے ہیں، حالانکہ دنیا کی عادت یہ ہے کہ یہ اس سے بھاگتی ہے جو اس کا طلب گار ہو اور جو اس سے بھاگے یہ اس کی طلب گار بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اور بھی کئی ایک مقامات پر دنیا کے جلد فانی اور زوال پذیر ہو جانے کی مثال زمین کی نباتات کے ساتھ بیان فرمائی ہے، مثلاً: سورۂ کہف میں فرمایا: ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ط وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ○ ﴾ (الكهف 18:45) ''اور ان سے دنیاوی زندگی کی مثال بھی بیان کر دیجیے (وہ ایسی ہے) جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی، پھر وہ چورا چورا ہو گئی کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' سورۂ زمر[1] اور سورۂ حدید[2] میں بھی اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کی مثال اسی طرح بیان فرمائی ہے۔

غیر فانی نعمتوں کی ترغیب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ط ﴾ ''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے۔'' جب اللہ تعالیٰ نے دنیا کے جلد فنا اور زوال پذیر ہونے کا ذکر فرمایا تو اب جنت کی ترغیب دی اور اس کی طرف دعوت دی ہے اور اسے دارالسلام کے نام سے موسوم فرمایا ہے، یعنی ایسا گھر جو آفتوں، مصیبتوں اور نقائص سے سلامتی میں ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ط وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿25﴾ ﴾ ''اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ نے فرمایا:

[إِنِّي رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ كَأَنَّ جِبْرَائِيلَ عِنْدَ رَأْسِي، وَمِيكَائِيلَ عِنْدَ رِجْلَيَّ، يَقُولُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ: اِضْرِبْ لَهُ مَثَلًا، فَقَالَ: اِسْمَعْ، سَمِعَتْ أُذُنُكَ، وَاعْقِلْ، عَقَلَ قَلْبُكَ، إِنَّمَا مَثَلُكَ وَمَثَلُ أُمَّتِكَ كَمَثَلِ مَلِكٍ اتَّخَذَ دَارًا، ثُمَّ بَنٰى فِيهَا بَيْتًا، ثُمَّ جَعَلَ فِيهَا مَأْدُبَةً، ثُمَّ بَعَثَ رَسُولًا يَّدْعُو النَّاسَ إِلٰى طَعَامِهِ، فَمِنْهُمْ مَّنْ أَجَابَ الرَّسُولَ، وَمِنْهُمْ مَّنْ تَرَكَهُ، فَاللّٰهُ الْمَلِكُ، وَالدَّارُ الْإِسْلَامُ، وَالْبَيْتُ الْجَنَّةُ، وَأَنْتَ يَا مُحَمَّدُ! رَسُولٌ، فَمَنْ أَجَابَكَ دَخَلَ الْإِسْلَامَ، وَمَنْ دَخَلَ الْإِسْلَامَ دَخَلَ الْجَنَّةَ ، وَمَنْ دَخَلَ الْجَنَّةَ أَكَلَ مِنْهَا]

''میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ جبریل میرے سر کے پاس ہیں اور میکائیل میرے دونوں پاؤں کے پاس اور ان میں

[1] الآية:21. [2] الآية:20.

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ

جن لوگوں نے نیک کام کیے ان کے لیے بھلائی ہے اور مزید (دیدار الٰہی) ہے، اور ان کے چہروں کو سیاہی اور ذلت نہیں ڈھانپے گی، یہی لوگ

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿26﴾

جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿26﴾

سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ ﷺ کے لیے مثال بیان کیجیے تو اس نے کہا: سنیں آپ کے کان سنتے ہیں اور غور فرمائیں آپ کا دل سمجھتا ہے، آپ کی اور آپ کی امت کی مثال اس بادشاہ کی سی ہے جس نے ایک محل بنایا، پھر اس میں ایک گھر (کمرہ) بنایا، پھر اس گھر میں ایک دسترخوان سجایا، پھر ایک پیغمبر کو بھیج دیا تا کہ وہ لوگوں کو بادشاہ کی طرف سے دعوتِ طعام دے تو کچھ لوگوں نے اس دعوت کو قبول کر لیا اور کچھ نے انکار کر دیا، چنانچہ (اس مثال کی وضاحت یہ ہے کہ) اللہ بادشاہ ہے، محل اسلام ہے، گھر جنت ہے اور اے نبی (ﷺ!) آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو آپ کی دعوت کو قبول کرے گا، وہ اسلام میں داخل ہو جائے گا جو مشرف بہ اسلام ہو گا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا اور جو جنت میں داخل ہو گیا تو وہ اس (جنت کی نعمتوں) سے شاد کام ہو گا۔'' اس روایت کو امام ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[1]

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ يَوْمٍ طَلَعَتْ فِيهِ شَمْسُهُ إِلَّا وَبِجَنْبَتَيْهَا مَلَكَانِ يُنَادِيَانِ يَسْمَعُهُ خَلْقُ اللّٰهِ كُلُّهُمْ إِلَّا الثَّقَلَيْنِ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! هَلُمُّوا إِلَى رَبِّكُمْ، إِنَّ مَا قَلَّ وَكَفٰى، خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى، قَالَ: وَأَنْزَلَ ذٰلِكَ فِي الْقُرْآنِ فِي قَوْلِهِ] ''ہر روز جب اس دن کا سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کے دونوں طرف دو فرشتے ہوتے ہیں جو اعلان کرتے ہیں جسے جنوں اور انسانوں کے سوا اللہ تعالیٰ کی باقی ساری مخلوق سنتی ہے (وہ اعلان یہ ہے:) اے لوگو! اپنے رب کی طرف آؤ!، بے شک جو مال کم ہو اور کفایت کرے، وہ اس سے بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غافل کر دے، فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیت کریمہ: ﴿ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿25﴾ ﴾ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اسے امام ابن ابوحاتم اور ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیت :26

نیکوکاروں کا اجر و ثواب: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے کہ جس نے دنیا کی زندگی میں ایمان اور عمل صالح کو اختیار کیا، آخرت میں اس کے لیے ﴿ الْحُسْنٰى ﴾ ''خیر و بھلائی'' ہو گی جیسا کہ فرمایا: ﴿ هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ۚ ﴾ (الرحمٰن 60:55) ''نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔'' ﴿ وَزِيَادَةٌ ؕ ﴾ ''اور (مزید برآں) اور بھی۔'' یعنی

---

[1] تفسير الطبري: 137/11، مزید دیکھیے صحیح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7281 و جامع الترمذي، الأمثال، باب ماجاء في مثل الله عزوجل لعباده، حديث: 2860. [2] تفسير الطبري: 136/11 و تفسير ابن أبي حاتم: 1943,1942/6، مزید دیکھیے مسند أحمد: 197/5 لیکن یہاں آیت کے بجائے [اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقاً خَلَفاً] کا ذکر ہے و المستدرك للحاكم، التفسير: 445,444/2، حديث: 3662 .

اعمال صالحہ کا ثواب دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ عطا کیا جائے گا۔[1] اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ بجا لانے والوں کو جنت میں محلات، حوروں اور اپنی خوشنودی سے سرفراز فرمائے گا، مزید برآں آنکھوں کو ٹھنڈک بخشنے والی ایسی ایسی نعمتوں سے مالا مال کرے گا جو ان سے چھپا کر رکھی گئی ہیں۔[2] جنت کی تمام نعمتوں سے سب سے افضل اور اعلیٰ نعمت دیدارِ الٰہی کی سعادت ہوگی، اس عظیم الشان نعمت کے مقابلے میں جنت کی دیگر تمام نعمتیں ہیچ ہوں گی۔ اہل جنت اپنے کسی عمل کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رحمت سے اس نعمت کے مستحق قرار پائیں گے۔

دیدارِ الٰہی: ﴿ زِيَادَةٌ ط﴾ سے دیدارِ الٰہی مراد ہے۔ اور اس کی یہ تفسیر حضرت ابوبکر صدیق، حذیفہ بن یمان، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم، سعید بن مسیّب، عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ، عبدالرحمٰن بن سابط، مجاہد، عکرمہ، عامر بن سعد، عطاء، ضحاک، حسن، قتادہ، سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر کئی ائمۂ سلف وخلف رحمہم اللہ سے منقول ہے۔[3]

اور اس کے بارے میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث مبارکہ بھی وارد ہیں، مثلاً: امام احمد نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ط﴾...... اور فرمایا:

[إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ نَادٰی مُنَادٍ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ إِنَّ لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ مَوْعِدًا يُّرِيدُ أَنْ يُّنْجِزَكُمُوهُ فَيَقُولُونَ: وَمَا هُوَ؟ أَلَمْ يُثْقِلْ مَوَازِينَنَا وَيُبَيِّضْ وُجُوهَنَا وَيُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَيُجِرْنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيُكْشَفُ لَهُمُ الْحِجَابُ، فَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، قَالَ: فَوَاللّٰهِ مَا أَعْطَاهُمْ شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِّنَ النَّظَرِ إِلَيْهِ، وَلَا أَقَرَّ لِأَعْيُنِهِمْ]

''جب اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا کہ اے جنت والو! اللہ تعالیٰ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا اور اب وہ اس وعدے کو پورا فرمانا چاہتا ہے، جنتی عرض کریں گے: کون سا وعدہ؟ کیا اس نے ہمارے (نیک اعمال کے) وزنوں کو بھاری نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمارے چہروں کو روشن نہیں کر دیا؟ کیا اس نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور جہنم سے بچا نہیں لیا؟ آپ نے فرمایا (کہ اہل جنت اس طرح تعجب کا اظہار کر رہے ہوں گے) کہ پردہ ہٹا دیا جائے گا اور وہ دیدارِ الٰہی کی سعادت سے فیض یاب ہوں گے۔ آپ نے فرمایا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت میں کوئی بڑی سے بڑی نعمت بھی ایسی عطا نہیں فرمائی ہوگی جو انھیں دیدارِ الٰہی سے زیادہ پسند اور ان کی آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈک بخشنے والی ہو۔''[4] اسی طرح امام مسلم رحمہ اللہ اور محدثین کی ایک جماعت نے بھی اس حدیث کو اسی طرح

[1] ماخوذ از صحیح البخاری، الإیمان، باب حسن إسلام المرء، حدیث:42,41 وصحیح مسلم، الإیمان، باب إذاهم الإنسان بحسنة......، حدیث: (128)-131. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ......﴾ (السجدة 32:17)، حدیث:4779. [3] تفسیر الطبری:11/137-142. [4] مسند أحمد:4/333.

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ

اور جن لوگوں نے برے کام کیے تو برائی کا بدلہ اس (برائی) کے برابر ہی ہے اور انھیں ذلت ڈھانپ لے گی۔ کوئی انھیں اللہ (کے

اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

عذاب) سے بچانے والا نہیں ہوگا، یوں لگے گا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں، یہی (لوگ) دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿27﴾

ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿27﴾

بیان کیا ہے۔[1]

روز قیامت گردوغبار اور سیاہیوں سے محفوظ، رونق افروز چہرے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ ﴾ ''اور ان کے مونہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی۔'' یعنی عرصۂ محشر میں ان لوگوں کے چہروں پر اس طرح کا کوئی غبار یا سیاہی نہیں ہوگی جس طرح کافروں اور فاجروں کے چہروں پر سیاہی اور غبار ہوگا۔ ﴿ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ ﴾ ''اور نہ رسوائی۔'' یعنی کسی قسم کی ذلت ورسوائی بھی نہیں ہوگی، الغرض! نہ باطنی طور پر انھیں کوئی پریشانی ہوگی اور نہ ظاہری طور پر بلکہ وہ اس طرح ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا ہے: ﴿ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۚ﴾ (الدھر 11:76) ''تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور تازگی اور خوش دلی عنایت فرمائے گا۔'' یعنی ان کے چہروں پر تازگی ہوگی اور ان کے دلوں میں خوشی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل ورحمت کے ساتھ ہمیں بھی اپنے انھی بندوں میں سے بنا دے۔ آمین!

تفسیر آیت: 27

مجرموں کی سزا: اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے ان سعادت مند بندوں کا ذکر فرمایا جن کی نیکیوں کا بہت اچھا بدلہ بلکہ ان کی محنت سے بھی بڑھ کر صلہ دیا جائے گا اور اب ان بدبخت لوگوں کا ذکر کیا جارہا ہے جنھوں نے برے کام کیے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ بھی عدل کرے گا اور ان کی برائی کا بدلہ اتنا ہی دے گا جتنی برائی ہوگی، برائی کا بدلہ برائی سے زیادہ نہیں دے گا، ﴿ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ ﴾ ''اور ان (کے چہروں) پر ذلت چھا جائے گی۔'' ان کے اپنے گناہوں اور ان (کی سزا) کے خوف کی وجہ سے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَرٰىهُمْ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا خٰشِعِيْنَ مِنَ الذُّلِّ ﴾ (الشوریٰ 45:42) ''اور آپ ان کو دیکھیں گے کہ جب دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے، ذلت کے مارے جھکے جارہے ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ مُهْطِعِيْنَ

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب إثبات رؤیة المؤمنین فی الآخرة......، حدیث: 181 وجامع الترمذی، صفة الجنة، باب ماجاء فی رؤیة الرب تبارك وتعالی، حدیث: 2552 والسنن الکبریٰ للنسائی، التفسیر، سورة یونس: 362,361/6، حدیث: 11234.

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا

اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے، پھر ہم ان لوگوں سے، جنھوں نے شرک کیا، کہیں گے: تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر

بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿28﴾ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تو کرتے ہی نہیں تھے ﴿28﴾ چنانچہ ہمارے اور تمھارے درمیان

اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿29﴾ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

اللہ کافی گواہ ہے، بے شک ہم تمھاری عبادت سے بالکل غافل تھے ﴿29﴾ وہاں ہر نفس (شخص) جانچ لے گا جو کچھ اس نے آگے بھیجا تھا اور وہ اللہ کی

مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿30﴾

طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے، اور (وہ سب کچھ) ان سے گم ہو جائے گا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے ﴿30﴾

مُقْنِعِىْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿ (إبراهيم 14:42,43) ''اور آپ مت خیال کریں کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے بے خبر ہے، وہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جبکہ (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدانِ قیامت کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے، ان کی نگاہ اپنی طرف بھی نہ پھر سکے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے۔''

اور فرمان باری تعالیٰ: ﴿مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ﴾ ''کوئی ان کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا'' جیسا کہ فرمایا: ﴿يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍ اَيْنَ الْمَفَرُّ ۚ كَلَّا لَا وَزَرَ ؕ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَىِٕذِ ِالْمُسْتَقَرُّ ؕ﴾ (القيمة 75:10-12) ''اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ جاؤں! ہرگز نہیں کہیں پناہ، اس روز پروردگار ہی کے پاس ٹھکانا ہے۔'' ﴿كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ﴾ ''یوں لگے گا کہ ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں۔'' یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آخرت میں ان کے چہرے کالے سیاہ پڑ جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○﴾ (ال عمرٰن 3:106,107) ''جس دن بہت سے چہرے سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ تو جن لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے اللہ فرمائے گا:) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ تو (اب) اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو۔ اور جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے، وہ اللہ کی رحمت (کے باغوں) میں ہوں گے اور ان میں ہمیشہ رہیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ۙ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۚ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۙ﴾ (عبس 80:38-40) ''کتنے چہرے اس روز چمک رہے ہوں گے، خنداں و شاداں (یہ نیکوکار ہیں) اور کتنے چہرے ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہوگی۔''

تفسیر آیات: 28-30

مشرکوں کے خداؤں کا مشرکوں سے اظہارِ براءت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا﴾ ''اور جس دن

ہم ان تمام کو جمع کریں گے۔'' یعنی روئے زمین کے تمام جنوں، انسانوں اور نیک و بدلوگوں کو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ (الکہف 18:47) ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' ﴿ ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ ﴾ ''پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔'' یعنی تم اور تمھارے شریک ایک معین جگہ پر ٹھہر جاؤ اور مومنوں کے مقام سے الگ ہو جاؤ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ (یٰسٓ 36:59) ''اور مجرمو! تم آج الگ ہو جاؤ۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ﴾ (الروم 30:14) ''اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز وہ (مومن اور کافر) الگ الگ ہو جائیں گے۔'' اور ایک دوسری آیت میں ہے: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴾ (الروم 30:43) ''اس روز (سب) لوگ الگ الگ ہو جائیں گے۔'' یعنی دو جماعتوں میں بٹ جائیں گے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اللہ تبارک و تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لیے آئے گا۔

اسی لیے تو اس امتیاز سے پہلے[1] مومن اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارشی تلاش کر رہے ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ فیصلے فرمانے کے لیے تشریف لائے اور ہمیں اس مشکل مقام سے نجات دے جس میں ہم اس وقت کھڑے ہیں۔[2] ایک دوسری حدیث میں ہے: [نَحْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى كَوْمٍ فَوْقَ النَّاسِ] ''ہم قیامت کے دن لوگوں سے بلند ایک ٹیلے پر ہوں گے۔''[3]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ وہ قیامت کے دن مشرکوں اور ان کے بتوں سے فرمائے گا: ﴿ مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴾ ''تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم ان میں تفرقہ ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تو کرتے ہی نہیں تھے۔'' یعنی وہ ان کی عبادت کا انکار کر کے ان سے براءت کا اظہار کر دیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَلَّا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ (مریم 19:82) ''ہرگز نہیں! وہ (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا ﴾ (البقرۃ 2:166) ''جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے بیزاری ظاہر کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ (الأحقاف 46:5,6) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب

---

[1] تفسیر ابن کثیر کے بعض نسخوں میں یہاں بیاض ہے۔ اور تمام نسخوں میں بیاض سے پہلے قيل ذٰلك ہے، سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن باز رحمہ اللہ نے تفسیر ابن کثیر پر تعلیق میں اس کے متعلق بہت عمدہ اور اقرب توجیہ کی ہے کہ یہاں قبل ذٰلك ''اس امتیاز سے پہلے'' تھا۔ اور اسی توجیہ کے پیش نظر ہم نے ترجمہ بھی یہی کیا ہے۔ واللہ أعلم. [2] حدیث شفاعت دیکھیے صحیح البخاري، التفسیر، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ (البقرۃ 2:31)، حدیث: 4476 و صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة ......، حدیث: 193 عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ. [3] مسند أحمد: 3/345، مزید دیکھیے صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة......، حدیث: 191 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ.

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: تمھیں آسمان اور زمین سے کون رزق دیتا ہے یا کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے اور کون زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو

الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ

زندہ سے نکالتا ہے، اور کون ہے جو (دنیا کے) کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ تو وہ (کافر) ضرور کہیں گے: اللہ! تو کہہ دیجیے: کیا پھر تم (اللہ سے) ڈرتے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿31﴾ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿32﴾

نہیں؟﴿31﴾ یہی تو اللہ جو تمھارا حقیقی رب ہے، پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا کیا ہے؟ پھر تم کدھر پھیرے جاتے ہو؟﴿32﴾ اسی طرح آپ کے رب کا

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾

کلمہ ان لوگوں کے بارے میں ثابت ہو کر رہا جنھوں نے نافرمانی کی کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿33﴾

نہ دے سکے جبکہ انھیں ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کے منکر ہوں گے۔''

معبودان باطلہ کی بابت فرمایا ہے کہ جب ان کی عبادت کرنے والے ان کی عبادت کا دعویٰ کریں گے تو معبودان باطلہ انھیں یہ جواب دیں گے: ﴿ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے۔'' یعنی ہمیں تو اس بات کا کوئی شعور اور علم ہی نہ تھا کہ تم ہماری عبادت کرتے رہے ہو اور ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ ہے کہ ہم نے تمھیں کبھی بھی اس بات کی دعوت نہیں دی تھی کہ تم ہماری عبادت کرو، ہم نے نہ کبھی تمھیں اس بات کا حکم دیا اور نہ ہم اس کو پسند ہی کرتے تھے۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ ﴾ ''وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کر لے گا۔'' یعنی روز قیامت حساب کے وقت ہر ہر شخص پرکھ لے گا اور جان لے گا کہ اس نے کون سے اچھے یا برے عمل آگے بھیجے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۝ ﴾ (الطارق 9:86) ''جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَىِٕذٍۢ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ۝ ﴾ (القیٰمة 13:75) ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 14,13:17) ''اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اسے نکال دکھائیں گے، جسے وہ کھلا ہوا پائے گا (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىھُمُ الْحَقِّ ﴾ ''اور وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے۔'' یعنی ان کے تمام امور اللہ تعالیٰ حاکم و عادل کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ ان میں فیصلے فرمائے گا اور اس فیصلے کے نتیجے میں اہل جنت کو جنت میں اور اہل دوزخ کو دوزخ میں پہنچا دے گا۔ ﴿ وَضَلَّ عَنْھُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿30﴾ ﴾ ''اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے، سب ان سے جاتا رہے گا۔'' یعنی مشرکین اللہ تعالیٰ پر افترا باندھتے

ہوئے اس کے سوا جن کی پوجا کرتے تھے، وہ سب ان پوجا کرنے والوں سے لاتعلق ہو کر چلتے بنیں گے۔

تفسیر آیات: 31-33

مشرکین کا اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت کا اعتراف: مشرکین جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی ربوبیت کا اعتراف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراف کو اپنی الوہیت میں یکتائی کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ ''(اے نبی! ان سے) پوچھیے کہ تم کو آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے۔'' یعنی کون ہے جو آسمان سے بارانِ رحمت کو نازل فرماتا اور اس کے ذریعے سے اپنی قدرت اور مشیت کے ساتھ زمین کو پھاڑتا اور اس سے (یہ چیزیں) پیدا فرماتا ہے: ﴿ حَبًّا ۙ وَّ عِنَبًا وَّقَضۡبًا ۙ وَّزَيۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ۙ وَّحَدَآئِقَ غُلۡبًا ۙ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۙ ﴾ (عبس 80:27-31) ''اناج اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے گھنے باغ اور پھل اور چارا۔'' ﴿ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ ﴾ (النمل 27:60) ''تو کیا اس اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے؟'' بہر حال ان سے یہ سوال کیا جائے کہ تمہارا روزی رساں اور کون ہے۔ ﴿ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ ۚ ﴾ ''تو یقیناً کہہ دیں گے کہ اللہ ہی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِيۡ يَرۡزُقُكُمۡ اِنۡ اَمۡسَكَ رِزۡقَهٗ ۚ ﴾ (الملک 67:21) ''بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کرلے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟''

اور اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ اَمَّنۡ يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ ﴾ ''(تمھارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے؟'' یعنی وہی تو ہے جس نے تمھیں یہ قوت سماعت اور یہ قوت بصارت عطا فرمائی ہے اور اگر وہ چاہے تو ان قوتوں کو سلب کر کے تمھیں ان سے محروم کر دے جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ هُوَ الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ ...... ﴾ الآیة (الملک 67:23) ''کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان اور آنکھیں بنائیں......'' اور فرمایا: ﴿ قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ اَخَذَ اللّٰهُ سَمۡعَكُمۡ وَاَبۡصَارَكُمۡ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوۡبِكُمۡ مَّنۡ اِلٰهٌ غَيۡرُ اللّٰهِ يَاۡتِيۡكُمۡ بِهٖ ؕ ﴾ (الأنعام 6:46) ''(ان کافروں سے) کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمھارے کان اور آنکھیں چھین لے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے تو بتاؤ اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمھیں یہ (چیزیں) لا دے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَمَنۡ يُّخۡرِجُ الۡحَيَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَيُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَيِّ ﴾ ''اور بے جان سے جان دار کون پیدا کرتا ہے اور جان دار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے؟'' یہ اسی کی عظیم قدرت اور بہت بڑے احسان کی کرشمہ سازی ہے۔

ہر کوئی اللہ کے در کا سوالی ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنۡ يُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ ﴾ ''اور (تمام) کاموں کا انتظام کون کرتا ہے؟'' یعنی کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے؟ اور کون ہے جو پناہ دیتا ہے؟ اور اس کے مقابل کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا اور وہ کون حاکم ہے کہ جس کا تصرف اس کائنات میں اس طرح کار فرما ہے کہ کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا اور نہ اس کے کسی کام کے بارے میں سوال ہی کیا جا سکتا ہے جبکہ ان سب لوگوں سے باز پرس کی جائے گی جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَسۡـَٔلُهٗ مَنۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ كُلَّ يَوۡمٍ هُوَ فِيۡ شَاۡنٍ ۚ ﴾ (الرحمٰن 55:29) ''آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، سب اسی سے

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

کہہ دیجیے: کیا تمھارے (بناوٹی) شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلی بار مخلوق کو پیدا کرے، پھر اسے لوٹا (دوبارہ پیدا کر) دے؟ کہہ دیجیے: اللہ ہی پہلی بار مخلوق

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿34﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ

کو پیدا کرتا ہے، پھر وہی لوٹائے گا، لہٰذا تم کہاں بہکائے جاتے ہو؟﴿34﴾ کہہ دیجیے: کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہو؟

اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ

کہہ دیجیے: اللہ ہی حق کی ہدایت دیتا ہے، پھر کیا جو حق کی طرف ہدایت دیتا ہے وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ (حق دار)

يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿35﴾ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ

ہے جو خود ہدایت یافتہ نہیں، مگر یہ کہ اسے (حق کی) ہدایت دی جائے؟ چنانچہ تمھیں کیا ہوا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟﴿35﴾ اور ان (کافروں) میں سے اکثر

مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾

گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ بے شک گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے جو کچھ وہ کررہے ہیں﴿36﴾

مانگتے ہیں، وہ ہر روز ایک شان میں ہوتا ہے۔'' عُلوی وسِفلی تمام کائنات اور اس میں موجود ایک ایک چیز، خواہ وہ فرشتے ہوں، انسان ہوں یا جن، سب اسی کی بارگاہ کے فقیر، اس کے بندے اور اسی کے حضور عاجزی اور انکسار کرنے والے ہیں۔

﴿فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ﴾ یعنی جب ان سے پوچھا جاتا ہے تو یہ جواب میں فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ سارے کام اللہ ہی کے ہیں، یعنی یہ جانتے اور اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ ﴿فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿31﴾﴾ یعنی پس کہہ دیجیے تم اس سے ڈرتے کیوں نہیں ہو کہ ازراہِ جہالت محض اپنی رائے سے اس کے ساتھ غیروں کی بھی پوجا پاٹ کررہے ہو۔ ﴿فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ﴾ ''پس یہی اللہ تو تمھارا پروردگار برحق ہے۔'' جیسا کہ تم نے خود بھی اعتراف کیا کہ ان سب کاموں کو کرنے والا اللہ ہی ہے اور وہی تمھارا رب اور معبود حقیقی ہے اور اس بات کا مستحق ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے، ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚۖ﴾ یعنی اس کے سوا ہر معبود باطل ہے، معبود حقیقی صرف وہی وحدہ لاشریک ہی ہے۔ ﴿فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿32﴾﴾ ''تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟'' یعنی اس کی عبادت چھوڑ کر غیروں کی تم کس طرح عبادت کرتے ہو، حالانکہ تم جانتے بھی ہو کہ اسی رب العالمین نے ہر ہر چیز کو پیدا فرمایا اور ہر ہر چیز میں صرف اسی کا تصرف کارفرما ہے۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿33﴾﴾ ''اسی طرح اللہ کا ارشاد ان نافرمانوں پر ثابت ہو کر رہا کہ بے شک وہ ایمان نہیں لائیں گے۔'' یعنی جس طرح ان مشرکین نے کفر کیا، اللہ کے ساتھ شرک کرتے اور غیر اللہ کی عبادت کرتے رہے، حالانکہ یہ اس بات کا اعتراف بھی کرتے تھے کہ وہی خالق، رازق اور کائنات میں وہ اکیلا ہی متصرف ہے، اسی نے اپنی توحید کی دعوت دینے کے لیے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، لہٰذا ان نافرمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ثابت ہو کر رہا کہ یہ بدبخت جہنم رسید ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

یہ خود ہی اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (الزمر 71:39)
''انھوں نے کہا: کیوں نہیں! اور لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا۔''

تفسیر آیات: 34-36

کیا معبودوں میں پیدا کرنے، لوٹانے اور ہدایت سے نوازنے کی صلاحیت ہے؟ ان لوگوں نے اللہ کے ساتھ جو شرک کیا اور غیر اللہ کی جو عبادت کی، اسے باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ ﴾ ''(ان سے) پوچھیے کہ بھلا تمھارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو پہلی بار مخلوقات کو پیدا کرے، پھر اس کو لوٹائے۔'' یعنی کون ہے جس نے ان آسمانوں اور زمین کو پہلی بار پیدا کیا، پھر ان میں بہت سی مخلوقات کو پیدا کیا، آسمانوں اور زمین کے وجود کو الگ الگ کر دیا (اور پھر) ان میں موجود تمام چیزوں کو فنا کر کے ان کو بدل دے گا، پھر تمام مخلوق کو از سرِ نو پیدا فرمائے گا۔ ﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ ''کہہ دیجیے: اللہ!'' ہی ہے جو یہ سارے کام کرتا اور صرف وہی وحدہ لاشریک اور خود مختار ہے۔ ﴿ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ ﴾ ''لہٰذا تم کہاں بہکائے جا رہے ہو؟'' یعنی پھر تم رشد و بھلائی کے رستے کو چھوڑ کر باطل راہ کی طرف کیوں جا رہے ہو؟ ﴿ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ ﴾ ''پوچھیے کہ بھلا تمھارے شریکوں میں کون ایسا ہے کہ حق کا رستہ دکھائے۔ کہہ دیجیے کہ اللہ ہی حق کا رستہ دکھاتا ہے۔'' اور تم یہ خوب جانتے ہو کہ تمھارے شرکاء کسی گمراہ کو ہدایت دینے کی قدرت نہیں رکھتے بلکہ حیران و پریشان اور گمراہ لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہی اس بات پر قادر ہے کہ دلوں کو گمراہی سے رشد و بھلائی کی طرف پھیر دے۔ ﴿ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ ﴾ ''بھلا جو حق کا رستہ دکھائے، وہ اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ کہ جب تک اسے رستہ نہ بتایا جائے، رستہ نہ پائے۔'' کیا بندہ اس کی پیروی کرے جو حق کی طرف رہنمائی کرے اور اندھے پن سے بصارت عطا فرمائے یا اس کی پیروی کرے جو کسی چیز کی طرف بھی راہنمائی نہ کر سکے اور وہ گونگا بہرہ ہونے کی وجہ سے خود اس بات کا محتاج ہو کہ اس کی رہنمائی کی جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ ﴾ (مریم 42:19) ''اے میرے باپ! تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے؟'' اور انھوں نے اپنی قوم سے بھی یہ کہا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 96,95:37) ''تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو تم خود تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو ان کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے؟'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ﴾ ''تو تم کو کیا ہوا ہے، کیسے فیصلے کرتے ہو؟'' یعنی تمھیں کیا ہوا ہے؟ تمھاری عقلیں کہاں چلی گئی ہیں؟ تم نے اللہ اور اس کی مخلوق کو برابر کیسے قرار دے دیا؟ تم نے خالق اور مخلوق کو ایک جیسا کیسے سمجھ لیا اور خالق کے ساتھ مخلوق کی عبادت کیوں شروع کر دی؟ تم نے رب تعالیٰ جل جلالہ، مالک، حاکم اور گمراہی سے ہدایت

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

اور یہ قرآن (ایسا) نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ توان کتابوں کی تصدیق (کرتا) ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور ان تمام کتابوں کی

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿37﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا

تفصیل (بیان کرتا) ہے، اس میں کوئی شک نہیں، (یہ) رب العالمین کی طرف سے ہے﴿37﴾ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے گھڑ لیا

بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿38﴾ بَلْ كَذَّبُوْا

ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: تو تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور (اس میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو﴿38﴾ بلکہ

بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ

انھوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا اپنے علم سے وہ احاطہ نہ کر سکے اور ابھی تک اس کی اصل حقیقت بھی ان پر نہیں کھلی تھی، اسی طرح ان لوگوں نے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿39﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ

(بھی) جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے تھے، پھر دیکھیے ظالموں کا انجام کیسا ہوا!﴿39﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور ان

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿40﴾ ع

میں سے بعض وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے۔ اور آپ کا رب ان فساد کرنے والوں کو خوب جانتا ہے﴿40﴾

دینے والے ہی کو مستحق عبادت کیوں نہ سمجھا؟ صرف اسی کو کیوں نہ پکارا اور صرف اسی کی طرف رجوع کیوں نہ کیا؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے یہ جو دین اختیار کر رکھا ہے، اس کی ان کے پاس کوئی دلیل بھی نہیں ہے بلکہ ان کا سارا انحصار محض وہم وگمان پر ہے اور وہم وگمان تو انسان کے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾﴾ ’’بے شک اللہ ان کے (سب) اعمال سے خوب واقف ہے۔‘‘ یہ ان کے لیے زبردست سرزنش اور نہایت شدید وعید ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ ان کے تمام اعمال سے واقف ہے اور وہ انھیں ان کی پوری پوری سزا دے گا۔

تفسیر آیات: 40-37

قرآن اللہ کا سچا کلام ہے: یہ قرآن مجید کے اعجاز کا بیان ہے اور اس بات کا ذکر کہ یہ انسانوں کے بس میں نہیں ہے کہ وہ اس جیسا قرآن پیش کر سکیں، مکمل قرآن تو بہت دور کی بات ہے، وہ اس جیسی دس سورتیں [1] بلکہ اس جیسی ایک سورت بھی نہیں بنا سکتے کیونکہ اس طرح کی فصاحت وبلاغت، اس طرح کی رعنائی وزیبائی اور جامع اختصار، اس طرح کی حلاوت وشیرینی اور ایسے معانی ومطالب کی وسعت پر مشتمل ہونا جو دنیا وآخرت میں نفع بخش ہوں، صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی کی طرف سے ہو سکتا ہے جس کی ذات وصفات اور جس کے افعال واقوال میں کسی بھی چیز کو ذرہ بھر مشابہت نہیں ہے، لہٰذا اس کا پاکیزہ کلام بھی مخلوق کے کلام کے مشابہ نہیں ہو سکتا، اسی لیے تو اس نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ’’اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو (اپنی طرف سے) بنا لائے۔‘‘ یعنی اس طرح کا عظیم الشان

[1] دیکھیے ہود، آیت:13 کے ذیل میں۔

قرآن تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوسکتا ہے، کسی بشر کے کلام میں یہ تاب ہی نہیں کہ وہ اس کی مشابہت اختیار کر سکے۔

﴿ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ''اور لیکن (یہ اللہ کا کلام ہے) جو اس سے پہلے ہے اس کی تصدیق (کرتا) ہے۔'' یعنی سابقہ کتابوں کی۔ یہ ان پر نگہبان ہے اور ان میں جو تحریف، تاویل اور تبدیلی کی جا چکی ہے، اسے بیان کرتا ہے۔

﴿ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ ''اور انھی کتابوں کی (اس میں) تفصیل ہے، اس میں کچھ شک نہیں، (یہ) رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔'' یعنی اس میں تمام احکام اور حلال وحرام کا شافی بیان ہے اور یہ بات بالکل حق، سچ اور ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا ہے کہ یہ اللہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنالیا ہے کہہ دیجیے کہ اگر تم سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا بھی لو۔'' یعنی اگر تم نے افترا سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا ہے اور تمھیں اس کے ''کتاب اللہ'' ہونے میں شک ہے اور جھوٹ بولتے ہوئے تم یہ کہہ رہے ہو کہ یہ محمد ﷺ کا کلام ہے تو محمد ﷺ تو تمھارے جیسے بشر ہیں، تمھارے باطل گمان کے مطابق اگر انھوں نے یہ قرآن بنایا ہے تو تم اس قرآن جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو اور ان تمام جنوں اور انسانوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو جن سے مدد لینا تمھارے لیے ممکن ہے۔

قرآن پاک کے چیلنج کا تیسرا مقام: قرآن مجید کا یہ تیسرا مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں چیلنج کیا اور یہ دعوت دی ہے کہ اگر وہ اپنے اس دعوے میں سچے ہیں کہ یہ قرآن مجید محمد ﷺ نے خود اپنی طرف سے بنایا ہے تو یہ سب کافر جسے انھوں نے تن تنہا بنایا ہے مل کر اس کا مقابلہ کر دکھائیں اور جن جن سے وہ اس سلسلے میں مدد لینا چاہیں بلاشک مدد بھی لے لیں، اس چیلنج کے ساتھ ساتھ قرآن مجید نے یہ پیش گوئی بھی کی ہے کہ وہ کبھی بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے کیونکہ انھیں اس بات کی قدرت ہی نہیں، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 88:17) ''کہہ دیجیے کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی ہوں۔'' پھر قرآن نے چیلنج میں اور تخفیف کر دی اور سورۂ ہود کے آغاز میں فرمایا کہ اس جیسی دس سورتیں ہی پیش کر کے دکھا دو۔

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ (ہود 13:11) ''کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنا لیا ہے، کہہ دیجیے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو، بلا بھی لو۔'' پھر قرآن نے چیلنج میں اور کمی کر دی، لہٰذا یہاں اس سورت میں فرمایا کہ تم اس جیسی صرف ایک ہی سورت بنا کر دکھا دو: ﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ﴾ ''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے، کہہ

دیجیے کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکتے ہو، بلا بھی لو۔'' اسی طرح سورۂ بقرہ میں بھی جو مدنی سورت ہے یہ چیلنج کیا کہ اس جیسی ایک ہی سورت بنالاؤ اور ساتھ ہی یہ پیش گوئی بھی دی (جو قرآن مجید کا ایک دوسرا معجزہ ہے) کہ یہ کبھی بھی قرآن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے، فرمایا: ﴿ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ ﴾ (البقرۃ 2:24) ''چنانچہ اگر تم نے (ایسا) نہ کیا اور ہرگز کر بھی نہیں سکو گے تو آگ سے بچو۔''

قرآن مجید ایک معجز نما کتاب ہے: قرآن نے عربوں کو یہ چیلنج دیا، فصاحت و بلاغت جن کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، ان کے اشعار اور معلقات فصاحت و بلاغت کی انتہا تک پہنچے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس ایک ایسی کتاب آئی کہ جس کے مقابلے کی ان میں سے کسی کو بھی تاب نہ تھی، ان میں سے جن لوگوں نے قرآن کی فصاحت و بلاغت، شیرینی و حلاوت، رعنائی و زیبائی، عمدگی و خوبی اور افادیت کو پہچان لیا تو وہ ایمان لے آئے، وہ قرآن کو زیادہ جانتے، پہچانتے، سمجھتے اور قرآن مجید کی تعلیمات کے مطابق نہایت سختی سے عمل کرتے تھے جیسا کہ جادوگری اور شعبدہ بازی سے واقفیت کی وجہ سے جادوگروں کے سامنے یہ حقیقت واضح ہوگئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے جو کام کر دکھایا ہے[1] یہ کسی جادوگر کا کام نہیں ہو سکتا، یہ تو ایسی شخصیت کا کام ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید اور مکمل رہنمائی حاصل ہے اور یہ (موسیٰ علیہ السلام) مرسل ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کسی بشر کی یہ استطاعت نہیں ہے کہ وہ یہ کام کر دکھائے، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ایک ایسے دور میں ہوئی جس میں طب اور علاج معالجے کا فن عروج پر تھا اور اس فن کے بہت سے ماہرین موجود تھے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب اللہ کے حکم سے برص اور جذام کے مریضوں کا علاج کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے[2] تو ان ماہرین طب نے اس حقیقت کو معلوم کر لیا کہ یہ کام طب اور علاج معالجے کے دائرے سے باہر ہے اور اسی سے انھیں یہ معلوم ہو گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا مِنْ نَبِيٍّ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ إِلَّا وَقَدْ أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا آمَنَ عَلٰى مِثْلِهِ الْبَشَرُ ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ہر نبی کو ایسی نشانیاں عطا فرمائی گئیں کہ ان جیسی نشانیوں کو دیکھ کر لوگ ایمان لے آتے تھے، مجھے جو نشانی عطا فرمائی گئی ہے وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے، مجھے امید ہے کہ روز قیامت تمام انبیائے کرام کے پیروکاروں کی نسبت میری اتباع کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہو گی۔[3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلۡ كَذَّبُوۡا بِمَا لَمۡ يُحِيۡطُوۡا بِعِلۡمِهٖ وَلَمَّا يَاۡتِهِمۡ تَاۡوِيۡلُهٗ ﴾ ''بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) جس چیز

[1] دیکھیے الأعراف، آیات:106-126 و طٰہٰ، آیات:56-73 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے ال عمرٰن، آیات:49-52 و المائدۃ، آیات:110،111 کے ذیل میں۔ [3] صحیح البخاري، فضائل القرآن، باب: کیف نزل الوحي......؟ حدیث:4981 وصحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ......، حدیث:152 وشرح السنۃ، الفضائل، باب فضائل سید الأولین والآخرین محمد ﷺ......:13/195،196، حدیث:3615، اللفظ لہ عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا

اور اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو کہہ دیجیے: میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔ تم اس سے بری ہو جو میں عمل کرتا ہوں اور میں اس

تَعْمَلُوْنَ ﴿41﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا

سے بری ہوں جو تم عمل کرتے ہو ﴿41﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، پھر کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں اگرچہ وہ

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿42﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿43﴾

عقل نہ رکھتے ہوں؟ ﴿42﴾ اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف دیکھتے ہیں، کیا پھر آپ اندھوں کو راہ دکھا سکتے ہیں اگرچہ وہ نہ دیکھتے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿44﴾

ہوں؟ ﴿43﴾ بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، مگر لوگ اپنے آپ پر (خود ہی) ظلم کرتے ہیں ﴿44﴾

کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔'' یعنی انھوں نے قرآن کی تکذیب کی ہے، حالانکہ انھوں نے ابھی اسے نہ سمجھا ہے اور نہ پہچانا ہے، ﴿ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ ﴾ ''اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔'' جب انھوں نے از راہ جہالت و بے وقوفی قرآن کو جھٹلا دیا ہے تو یہ اس ہدایت اور دین حق سے محروم ہیں جس پر قرآن مشتمل ہے۔ ﴿ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے، انھوں نے بھی تکذیب کی تھی۔'' یعنی پہلی امتوں کے لوگوں نے، ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿39﴾ ﴾ ''پھر دیکھیے ظالموں کا کیسا انجام ہوا؟'' یعنی دیکھیے ہم نے انھیں اس وقت کس طرح ہلاک کر دیا تھا جب انھوں نے ظلم و زیادتی، کفر و سرکشی اور جہالت سے کام لیتے ہوئے ہمارے رسولوں کی تکذیب کی تھی، لہٰذا محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والو! تم بھی ڈرو کہیں تمھارا انجام بھی انھی جیسا نہ ہو۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ﴾ ''اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس پر ایمان لے آئے ہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) جن لوگوں کی طرف آپ بھیجے گئے ہیں، ان میں سے کچھ اس قرآن پر ایمان لے آئے ہیں، آپ کی اتباع کر رہے اور آپ کے لائے ہوئے دین سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ ﴾ ''اور کچھ ان میں سے ایسے ہیں کہ اس پر ایمان نہیں لاتے۔'' بلکہ کفر پر مرتے ہیں اور وہ کفر پر ہی اٹھائے جائیں گے۔

﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿40﴾ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار شریروں سے خوب واقف ہے۔'' اور وہ خوب جانتا ہے کہ ہدایت کا مستحق کون ہے تو اسے وہ ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور ضلالت کا مستحق کون ہے تو اسے وہ گمراہی میں مبتلا رہنے دیتا ہے اور وہ عادل ہے، کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا بلکہ ہر ایک سے اسی طرح کا معاملہ کرتا ہے جس کا وہ مستحق ہو، اس کی ذات پاک بابرکت، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ.

تفسیر آیات:41-44

مشرکوں سے اظہارِ براءت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ اگر یہ مشرک آپ کی تکذیب کریں تو آپ بھی ان مشرکوں اور ان کے عمل سے براءت کا اظہار کر دیں، ﴿ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ ﴾ ''تو کہہ دیجیے کہ میرے لیے میرا

عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۙ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ ...... ﴾ (الکٰفرون 109:1,2) ''(اے پیغمبر! ان منکرین اسلام سے) کہہ دیجیے کہ اے کافرو! جن کو تم پوجتے ہو، ان کو میں نہیں پوجتا......'' تا آخر سورت۔ اور اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں نے اپنی قوم کے مشرکوں سے کہا تھا: ﴿ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ز ...... ﴾ الآية (الممتحنة 60:4) ''بے شک ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، بے تعلق ہیں......''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ط ﴾ ''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں۔'' یعنی وہ آپ کے کلام بلاغت نظام کو، قرآن عظیم کو اور صحیح و فصیح، قلوب وابدان اور ادیان کے لیے نافع احادیث مبارکہ کو سنتے ہیں اور اسی میں بہت کفایت ہے لیکن اس سلسلے میں نہ آپ کا کوئی اختیار ہے اور نہ ان کا کیونکہ یہ آپ کی استطاعت میں نہیں ہے کہ بہروں کو سنا سکیں اور ان لوگوں کو ہدایت سے بہرہ ور کر سکیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت عطا فرما دے۔ ﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ط ﴾ ''اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔'' یعنی ان میں سے بعض لوگ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شان و شوکت، حسن و جمال اور خلق عظیم سے اس قدر بہرہ وافر عطا فرمایا ہے کہ وہ اصحاب بصیرت و دانش کے لیے آپ کی نبوت کی واضح دلیل ہے لیکن یہ لوگ اس طرح دیکھتے ہیں جس طرح دوسرے لوگ دیکھتے ہیں لیکن انھیں اس طرح ہدایت حاصل نہیں ہوتی جس طرح دوسروں کو حاصل ہوتی ہے، مومن تو آپ کی طرف نظر وقار سے دیکھتے ہیں جبکہ کافر نظر حقارت سے دیکھتے ہیں، (جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:) ﴿ وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ط ...... ﴾ الآيتان (الفرقان 25:41,42) ''اور (اے نبی!) یہ لوگ جب آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کی ہنسی ہی اڑاتے ہیں......''

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ کسی پر بھی قطعاً ظلم نہیں کرتا گو اس نے اس قرآن کے ساتھ بہت سے لوگوں کو ہدایت فرما دی، نابینا پن کے بجائے بصارت عطا فرما دی ہے، اندھی آنکھوں، بند کانوں اور پردوں میں لپٹے ہوئے دلوں کو کھول دیا اور دوسرے بہت سے لوگوں کو اس نے گمراہ بھی رہنے دیا، وہ حاکم اور مالک و مختار ہے جو چاہے اپنی ملکیت میں تصرف فرمائے، وہ جو بھی کرے اس سے پوچھا نہیں جا سکتا جبکہ ان سب سے پوچھا جائے گا۔ اس ذات گرامی کا ہر ہر کام علم و حکمت اور عدل پر مبنی ہے، اسی لیے اس نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۴ ﴾ ''بے شک اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔''

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [يَا عِبَادِي ! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِي وَ جَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا فَلَا تَظَالَمُوا۔ إِلٰى أَنْ قَالَ فِي آخِرِهِ۔ يَا عِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ ، ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا ، فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُومَنَّ إِلَّا نَفْسَهُ] ''اے میرے بندو! بے شک میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام قرار دے رکھا ہے اور تمھارے لیے بھی ظلم کو

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ

اور جس دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا (تو انھیں یوں لگے گا) جیسے وہ (دنیا میں) دن کی ایک گھڑی سے زیادہ نہ رہے تھے۔ وہ باہم ایک دوسرے کو پہچان

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿45﴾

لیں گے۔ یقیناً وہ لوگ خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا، اور وہ ہدایت یافتہ نہ تھے ﴿45﴾

حرام قرار دے دیا ہے، لہٰذا آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ اور اس حدیث قدسی کے آخر میں فرمایا کہ اے میرے بندو! یہ تمھارے اعمال ہیں جو میں تمھارے لیے شمار کر رہا ہوں پھر تمھیں ان کا پورا پورا بدلہ عطا کروں گا، جو شخص خیر و بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے اور جو کسی اور صورت حال سے دوچار ہو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔'' اس مفصل روایت کو امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیت:45

حشر میں احساس ہوگا کہ دنیا کی زندگی بہت مختصر تھی: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو قیامت کے برپا ہونے اور قبروں سے نکل کر میدانِ حشر میں جمع ہونے کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ ﴾ ''اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۭ ﴾ (الأحقاف 35:46) ''جس دن یہ اس چیز کو دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تو (خیال کریں گے کہ) گویا (دنیا میں) رہے ہی نہ تھے مگر دن کی ایک گھڑی۔'' اور فرمایا: ﴿ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 46:79) ''جس دن وہ اس کو دیکھیں گے تو (ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ڻ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ۝ ﴾ (طٰهٰ 20:102-104) ''جس روز صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن گناہ گاروں کو اکٹھا کریں گے اور ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی (تو) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس دن ہی رہے ہو جو باتیں یہ کریں گے ہم خوب جانتے ہیں، اس وقت ان میں سے سب سے اچھے طریقے والا کہے گا کہ (نہیں بلکہ) صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔'' اور فرمایا ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ڏ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ۭ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۡ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الروم 30:55,56) ''اور جس دن قیامت ہوگی، مجرم قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) گھڑی بھر کے سوا نہیں ٹھہرے، اسی طرح وہ (دنیا میں) بہکے رہے۔ اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا وہ کہیں گے: یقیناً تم تو جیسا کہ اللہ کی کتاب (لوحِ محفوظ) میں ہے، دوبارہ اٹھانے کے دن (قیامت) تک ٹھہرے رہے، چنانچہ یہی دوبارہ اٹھنے کا دن ہے، لیکن تم تو (اسے حق)

[1] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحریم الظلم، حدیث:2577.

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ

اور (اے نبی!) اگر ہم ایسا کوئی عذاب آپ کو دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں، تو انھیں ہماری ہی طرف لوٹنا

عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿46﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

ہے، پھر اللہ ان کاموں پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں ﴿46﴾ اور ہر امت کا ایک رسول ہے، پھر جب ان کا رسول آ گیا تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿47﴾

کر دیا گیا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ﴿47﴾

نہیں جانتے تھے۔''

یہ تمام آیات کریمہ اس بات کی دلیل ہیں کہ آخرت کے مقابلے میں دنیا کی یہ زندگی بہت ہی مختصر ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ○ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ○ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:112-114) ''(اللہ) پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے۔ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے، شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے (اللہ) فرمائے گا (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے کاش! تم جانتے ہوتے۔'' اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''آپس میں ایک دوسرے کی شناخت بھی کریں گے۔'' یعنی بیٹے، [1] باپ اور دیگر رشتے دار ایک دوسرے کو اسی طرح پہچانتے ہوں گے جس طرح دنیا میں جانتے تھے لیکن ہر ایک پر نفسا نفسی کی کیفیت طاری ہوگی (اسی لیے تو فرمایا:) ﴿ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ ﴾ (المؤمنون 23:101) ''پھر جب صور میں پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں رہیں گی اور نہ وہ باہم سوال ہی کر سکیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ○ ...... ﴾ الآيات (المعارج 70:10-15) ''اور کوئی گرم جوش دوست کسی دوست کا پرسانِ حال نہ ہوگا......۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''یقیناً جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا وہ خسارے میں پڑ گئے اور راہ یاب نہ ہوئے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○ ﴾ (المطففين 83:10) ''ہلاکت ہے اس دن جھٹلانے والوں کے لیے۔'' کیونکہ (حقیقت میں یہی لوگ ہیں) جنھوں نے ﴿ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ○ ﴾ (الزمر 39:15) ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو قیامت کے دن خسارے میں رکھا، خبردار! یہ کھلّم کھلا خسارہ ہے۔'' اور اس سے بڑھ کر اور کوئی خسارہ نہیں ہو سکتا کہ حسرت وندامت کے دن انسان اور اس کے پیاروں کی راہیں الگ الگ ہو جائیں۔

تفسیر آیات: 47,46

[1] بعض نسخوں میں الأبناء والآباء ہے، اس لیے ترجمے میں یہ بات ملحوظ رہی۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿48﴾ قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا

اور وہ (کافر) کہتے ہیں یہ (عذاب کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا، اگر تم سچے ہو؟﴿48﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: میں اپنی ذات کے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا

اور نہ نفع کا مگر جو اللہ چاہے، ہر امت کے لیے ایک مقررہ وقت ہے۔ جب ان کا مقررہ وقت آجاتا ہے تو وہ (اس سے) ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں

يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿49﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ

ہو سکتے﴿49﴾ کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اگر اس کا عذاب تم پر رات کو یا دن کو آجائے (تو کیا بچاؤ کرلو گے؟ آخر) کیا چیز ہے جس کے لیے مجرم جلدی مچا رہے

الْمُجْرِمُوْنَ ﴿50﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿51﴾ ثُمَّ قِيْلَ

ہیں؟﴿50﴾ کیا پھر جب (عذاب) واقع ہو جائے گا (تب) اس پر ایمان لاؤ گے؟ (اس وقت کہا جائے گا:) کیا اب (ایمان لاتے ہو؟) حالانکہ تم تو یقیناً اسے جلدی

لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿52﴾

مانگتے تھے﴿51﴾ پھر جنھوں نے ظلم کیا ان سے کہا جائے گا: تم دائمی عذاب (کا مزہ) چکھو، تمھیں انھی کاموں کا بدلہ دیا جائے گا جو تم (دنیا میں) کماتے رہے﴿52﴾

مجرموں سے دنیا یا آخرت میں ضرور انتقام لیا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ ﴾ ''اور (اے نبی!) اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں، آپ کو دکھا دیں۔'' یعنی آپ کی زندگی ہی میں ان سے انتقام لے لیں تاکہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ﴾ ''یا آپ کی مدتِ حیات پوری کر دیں تو ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔'' یعنی ان کا ٹھکانا اور لوٹنے کی جگہ ہمارے پاس ہی ہے اور آپ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے باخبر ہے۔

﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ ﴾ ''اور ہر ایک امت کے لیے ایک پیغمبر ہے، پھر جب ان کا پیغمبر آئے گا۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن آئے گا۔[1] ﴿ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾ ''تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 69:39) ''اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے چمک اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر اور گواہ حاضر کیے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی۔'' چنانچہ ہر امت کو اس کے رسول کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا اور کتابِ اعمال رکھی جائے گی جس میں ان کے اچھے برے سب اعمال لکھے ہوں گے، اور ان کی گواہی دے گی۔ علاوہ ازیں کراماً کاتبین بھی گواہی دیں گے، اسی طرح ایک ایک امت کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ امت محمدیہ اگرچہ ترتیب کے اعتبار سے سب سے آخری امت ہے لیکن روز قیامت سب سے پہلے اس امت کا فیصلہ کیا جائے گا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ، [الْمَقْضِيُّ

[1] تفسیر الطبری: 158/11.

لَھُمْ قَبْلَ الْخَلاَئِقِ] ’’ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن قیامت کے دن سب سے سبقت لے جانے والے ہوں گے جن کا فیصلہ تمام مخلوقات سے پہلے کیا جائے گا۔‘‘[1] امت محمدیہ کو یہ فضیلت اپنے رسول کے شرف کی وجہ سے حاصل ہوگی۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلاَمُہُ عَلَیْہِ دَائِماً إِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ .

تفسیر آیات :48-52

منکرین، قیامت کے جلدی وقوع پذیر ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ مشرکوں کے اس کفر کی بابت کہ وہ عذاب (قیامت) کے جلد آنے کا اور اس کے وقت کی تعیین کا سوال کرتے ہیں جس میں ان کا کوئی فائدہ نہیں، خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ یَسْتَعْجِلُ بِھَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِھَا ۚ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْھَا ۙ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّھَا الْحَقُّ ؕ ﴾ (الشوریٰ 18:42) ’’جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ اس کو جلدی طلب کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔‘‘ اور یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے والا ہے، گو انھیں اس کے معین وقت کا علم نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی رہنمائی فرمائی کہ انھیں اس انداز سے جواب دیا جائے: ﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴾ ’’کہہ دیجیے کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا۔‘‘ میں صرف وہی کہتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سکھایا ہے اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہی پاس رکھا ہے، ان کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے مطلع فرما دے، میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور تمھاری طرف اس کا رسول ہوں۔

میں نے تمھیں یہ بتا دیا ہے کہ قیامت آئے گی اور ضرور آئے گی، ویسے اس کا وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے نہیں بتایا لیکن ﴿ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ ﴾ ’’ہر ایک امت کے لیے (موت کا) ایک وقت مقرر ہے۔‘‘ یعنی ہر امت کی مدت مقرر ہے اور جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی، ﴿ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ ﴾ ’’تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَنْ یُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُھَا ؕ ﴾ (المنفقون 11:63) ’’اور جب کسی کی موت کا وقت آجاتا ہے تو اللہ اس نفس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔‘‘

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کے پاس اچانک آجائے گا، چنانچہ ارشاد گرامی ہے: ﴿ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَیَاتًا اَوْ نَھَارًا مَّاذَا یَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ﴾ ’’کہہ دیجیے کہ بھلا دیکھو تو اگر اس کا عذاب تم پر (ناگہاں) آجائے رات کو یا دن کو تو پھر مجرم لوگ کس بات کی جلدی کریں گے کیا جب وہ آ واقع ہوگا تب اس پر ایمان لاؤ گے۔ (اس وقت کہا جائے گا کہ) اور اب (ایمان لائے۔) اسی کے لیے تو تم جلدی مچایا کرتے تھے۔‘‘ یعنی جب ان کے پاس عذاب آجائے گا تو یہ کہیں گے: ﴿ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا

[1] صحیح البخاري، الجمعة، باب هل علی من لم یشهد الجمعة ......؟ حدیث: 896 عن أبي هریرة رضی اللہ عنہ و صحیح مسلم، الجمعة، باب هدایة هذه الأمة لیوم الجمعة ، حدیث: 855 اور اس حدیث کا دوسرا جز صحیح مسلم، حدیث: 856 عن حذیفة رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے جو صحیح بخاری میں ہمیں نہیں ملا۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿53﴾ وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ

اور (اے نبی!) وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا وہ (عذاب) واقعی سچ ہے؟ (آپ) کہہ دیجیے: ہاں! میرے رب کی قسم! وہ سچ ہے، اور تم (اللہ کو)

نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ

عاجز نہیں کر سکتے ﴿53﴾ اور اگر بلاشبہ ہو ہر ظالم شخص کے پاس جو کچھ زمین میں ہے تو وہ اسے (عذاب سے بچنے کے لیے) ضرور فدیہ دے دے گا اور مجرم

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿54﴾

جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے ﴿54﴾

وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ○ (السجدۃ 12:32) ''اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا، اور سن لیا، لہٰذا ہمیں واپس بھیج کہ ہم نیک عمل کریں بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ○ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ○ (المؤمن 85,84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس کا انکار کیا لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھاٹے میں پڑ کر رہ گئے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ ''پھر ظالم لوگوں سے کہا جائے گا کہ عذاب دائمی (کا مزہ) چکھو۔'' یہ انھیں قیامت کے دن ذلیل و رسوا کرنے کے لیے کہا جائے گا جیسا کہ فرمایا: يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ؕ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ اَفَسِحْرٌ هٰذَاۤ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۚ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ○ (الطور 52:13-16) ''جس دن وہ آتشِ جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جائے جائیں گے، یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر ہی نہیں آتا؟ اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) ان ہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔''

تفسیر آیات: 54,53

قیامت برحق ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں: اَحَقٌّ هُوَ ؕ ''آیا یہ سچ ہے؟'' یعنی جب جسم مٹی بن جائیں گے تو انھیں پھر قبروں سے اٹھایا جائے گا اور قیامت کا دن برپا کیا جائے گا؟ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ؔؕ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿53﴾ ''کہہ دیجیے: ہاں، اللہ کی قسم! سچ ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکو گے۔'' یعنی تمھارا مر کر مٹی ہو جانا اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکے گا کہ تمھیں دوبارہ اسی طرح پیدا کر دے جس طرح اس نے پہلی دفعہ تمھیں عدم سے وجود بخشا تھا کیونکہ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ (یٰس 36:82) ''اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

آگاہ رہو! بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، آگاہ رہو! بلاشبہ اللہ کا وعدہ حق ہے، لیکن ان کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے ﴿55﴾

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾ هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿56﴾

وہی زندہ کرتا اور (وہی) مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿56﴾

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ

اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے نصیحت اور شفا، ان (بیماریوں) کے لیے جو سینوں میں ہیں، اور مومنوں کے لیے ہدایت اور

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿57﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ

رحمت آگئی ہے ﴿57﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: (یہ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، لہٰذا (لوگوں کو) چاہیے کہ وہ اسی کے ساتھ خوش

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿58﴾

ہوں، یہ ان چیزوں سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ﴿58﴾

ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔"

اس آیت کریمہ کی نظیر قرآن مجید کی صرف دو اور آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ قیامت کا انکار کرنے والوں کے سامنے آپ قسم اٹھا کر یہ بیان فرما دیں کہ قیامت ضرور آئے گی، چنانچہ سورۂ سبا میں فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ﴾ (سبا 34:3) "اور کافر کہتے ہیں کہ (قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی کہہ دیجیے کیوں نہیں (آئے گی۔) میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی۔" اور سورۂ تغابن میں فرمایا: ﴿زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○﴾ (التغابن 64:7) "جو لوگ کافر ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ (دوبارہ) ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کہہ دیجیے کہ ہاں ہاں، میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے، پھر جو جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمھیں بتائے جائیں گے اور یہ (بات) اللہ کو آسان ہے۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ جب قیامت قائم ہوگی تو کافر خواہش کریں گے کہ اے کاش! زمین بھر کر سونا دے دیں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچ جائیں۔ ﴿وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿54﴾﴾ "اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (پچھتائیں گے اور) ندامت کو چھپائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور (کسی طرح کا) ان پر ظلم نہیں ہوگا۔" ﴿بِالْقِسْطِ﴾ سے مراد ہے: حق کے ساتھ۔

تفسیر آیات: 56,55

ہر چیز اللہ کے روبرو حاضر ہوگی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے اور اس کا وعدہ برحق ہے جو ہر صورت میں پورا ہو کر رہے گا، وہی زندگی عطا فرماتا اور موت دیتا ہے اور سب نے لوٹ کر اسی کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہونا

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ

کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو، اللہ نے تمھارے لیے جو رزق نازل کیا، پھر تم نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال ٹھہرالیا۔

آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿59﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کہہ دیجیے: کیا اللہ نے تمھیں (یہ) حکم دیا ہے یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو؟ ﴿59﴾ اور کیا گمان ہے ان لوگوں کا جو اللہ پر جھوٹ

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿60﴾ ع 7/11

باندھتے ہیں، روز قیامت کے بارے میں؟ بے شک اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے اور لیکن ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے ﴿60﴾

ہے اور وہ اس پر پوری طرح قادر ہے، وہ جسموں سے جدا ہو کر زمینوں، دریاؤں، سمندروں اور جنگلوں میں بکھر جانے والے تمام ذرات کو جانتا ہے (اور انھی کو یکجا کر کے، انسانوں کو دوبارہ زندگی عطا فرما کر اپنے دربار میں حاضر کر لے گا۔)

تفسیر آیات: 58,57

قرآن نصیحت، شفا، ہدایت اور رحمت ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے قرآن عظیم کو اپنے رسول کریم ﷺ پر نازل فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''لوگو! تمھارے پاس تمھارے پروردگار کی طرف سے نصیحت آ پہنچی ہے۔'' (یعنی قرآن) جو فواحش و منکرات سے منع کرتا ہے۔ ﴿ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ ﴾ ''اور دلوں کی بیماریوں کی شفا ہے۔'' یعنی دلوں میں پیدا ہونے والے شکوک و شبہات اور گندگی و نجاست کو زائل کرتا ہے۔ ﴿ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ﴾ ''اور ہدایت اور رحمت۔'' یعنی اس کتاب سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت اور رحمت حاصل ہوتی ہے لیکن یہ ہدایت و رحمت مومنوں، تصدیق کرنے والوں اور جو کچھ اس میں ہے اس پر یقین کرنے والوں کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ﴾ (بنی إسرآءیل 82:17) ''اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور وہ ظالموں کو نقصان ہی میں بڑھاتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ؕ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''کہہ دیجیے کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے۔'' اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں۔'' یعنی انھیں اس ہدایت اور دین حق سے خوش ہونا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس آیا ہے کیونکہ یہی سب سے بہتر وہ چیز ہے جس پر خوشی کا اظہار کیا جائے۔ ﴿ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿58﴾ ﴾ ''یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔'' یعنی دنیا کے سامان اور اس عارضی اور فانی دنیا کی آسائشوں سے یہ یقیناً بدرجہا بہتر ہے۔

تفسیر آیات: 60,59

اللہ تعالیٰ کے سوا حلال یا حرام قرار دینے کا اختیار کسی اور کو نہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک، قتادہ، اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے (تقریباً اس طرح کا مفہوم بیان) فرمایا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان مشرکوں کی تردید میں نازل ہوئی

ہے جنھوں نے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ کی رسموں کے لیے حلال وحرام کے ضابطے خود مقرر کر رکھے تھے [1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الۡحَرۡثِ وَالۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا ...... ﴾ الآية (الأنعام 136:6) ''اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں، یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں......'' امام احمد نے مالک بن نَضلہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے:

[أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَأَنَا قَشِفُ [2] الْهَيْئَةِ فَقَالَ: هَلْ لَّكَ مَالٌ ؟ قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: مِنْ أَيِّ الْمَالِ؟ قَالَ: قُلْتُ: مِنْ كُلِّ الْمَالِ، مِنَ الْإِبِلِ وَالرَّقِيقِ وَالْخَيْلِ وَالْغَنَمِ، فَقَالَ: إِذَا آتَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَلْيُرَ عَلَيْكَ، ثُمَّ قَالَ: هَلْ تُنْتَجُ إِبِلُ قَوْمِكَ صِحَاحًا آذَانُهَا، فَتَعْمِدُ إِلٰى مُوسٰى فَتَقْطَعُ آذَانَهَا، فَتَقُولُ: هٰذِهِ بُحُرٌ، وَّتَشُقُّهَا أَوْ تَشُقُّ جُلُودَهَا وَتَقُولُ هٰذِهِ صُرُمٌ، وَّتُحَرِّمُهَا عَلَيْكَ وَعَلٰى أَهْلِكَ ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: فَإِنَّ مَا آتَاكَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَكَ (حِلٌّ)، ...... وَسَاعِدُ اللّٰهِ أَشَدُّ مِنْ سَاعِدِكَ، وَمُوسَى اللّٰهِ أَحَدُّ مِنْ مُّوسَاكَ]

''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں پراگندہ حال تھا، آپ نے فرمایا: تمھارے پاس کچھ مال ہے؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: کس قسم کا مال؟ میں نے عرض کی: ہر قسم کا مال، یعنی اونٹ، غلام، گھوڑے اور بکریاں۔ آپ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تمھیں مال سے نوازے تو اس کا اثر تم پر نظر آنا چاہیے، پھر آپ نے فرمایا: کیا یہ بات نہیں ہے کہ تمھاری قوم کے اونٹ جب اپنے بچوں کو جنم دیتے ہیں تو ان کے کان صحیح ہوتے ہیں مگر تم لوگ استرے سے ان کے کان کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ بحیرہ ہیں، ان (کانوں) کو یا ان کی کھالوں کو کاٹ دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ صُرُم (کان کٹے) ہیں، پھر انھیں اپنے اور اپنے اہل وعیال کے لیے حرام قرار دے دیتے ہو؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں جو مال عطا فرمائے وہ تمھارے لیے حلال ہے، ...... اللہ تعالیٰ کا بازو تمھارے بازو سے زیادہ مضبوط ہے اور اللہ تعالیٰ کا استرا تمھارے استرے سے زیادہ تیز ہے'' [3] ...... پھر انھوں نے باقی حدیث بھی بیان کی، یہ حدیث جید اور اس کی سند قوی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو بغیر کسی حجت اور دلیل کے محض اپنی آراء اور خواہشات سے اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے لیتے ہیں، پھر قیامت کے دن کی سرزنش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا ظَنُّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ پر افترا باندھتے ہیں، وہ قیامت کے دن کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟'' یعنی ان کا کیا خیال ہے کہ قیامت کے دن جب ہمارے پاس آئیں گے تو ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ ﴾ ''بے شک اللہ لوگوں پر مہربان ہے۔'' ابن جریر فرماتے

[1] تفسير الطبرى: 167,166/11 و تفسير ابن أبى حاتم: 1961,1960/6. [2] یہاں رَثٌّ تھا معنی تقریباً ایک ہی ہے۔ یہ لفظ بعض دوسرے طرق میں ہے دیکھیے جامع الترمذی، البر والصلة، باب ماجاء فی الإحسان والعفو، حديث: 2006. [3] مسند أحمد: 473/3 اور قوسین والا لفظ حوالۂ مذکورہ ہی میں دوسری حدیث میں آیا ہے۔ وسنن أبی داود، اللباس، باب فی الخلقان وفی غسل الثوب، حديث: 4063 مختصرًا .

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ

اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے جو کچھ بھی پڑھتے ہیں، اور تم لوگ

اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ

جو بھی عمل کرتے ہو، اس وقت ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔ اور آپ کے رب سے ذرہ بھر کوئی

ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿61﴾

چیز بھی چھپی نہیں ہوتی، زمین میں اور نہ آسمان میں، اور نہ کوئی اس سے چھوٹی (چیز) اور نہ بڑی مگر (وہ) واضح کتاب میں (درج) ہے ﴿61﴾

ہیں کہ وہ مہربان ہے کہ وہ لوگوں کو جلد (دنیا ہی میں) سزا نہیں دیتا۔[1] اور میرے خیال میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس جملے کا یہ مفہوم ہو کہ وہ مہربان ہے کہ اس نے اپنی پیدا کردہ ان چیزوں کو حلال قرار دے دیا جو دنیا میں مفید ہیں اور صرف انھی چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جو دنیا یا دین کے اعتبار سے نقصان دہ ہیں۔ ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿60﴾﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔“ بلکہ ان چیزوں کو اپنے لیے حرام قرار دے لیتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے احسان فرماتے ہوئے ان کے لیے حلال قرار دیا ہے اور اس طرح یہ خود اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کرتے ہوئے از خود بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ مشرکین نے اپنے لیے جو شرعی ضابطے مقرر کیے اور اہل کتاب نے اپنے دین میں جن بدعات کو ایجاد کیا تھا، ان میں انھوں نے اسی طرز عمل کو اختیار کیا تھا۔

تفسیر آیت:61

ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مطلع کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ ہر لمحہ، ہر گھڑی اور ہر لحظہ آپ کے، آپ کی امت کے اور تمام مخلوقات کے تمام حالات کو جانتا ہے۔ اور اس کے علم، اس کی نظر سے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ بھی مخفی نہیں ہے بلکہ ہر چھوٹی بڑی چیز کتاب روشن میں لکھی ہوئی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○﴾ (الأنعام 59:6) ”اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے خشکی اور سمندر کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ درختوں اور تمام جمادات کی حرکتوں تک سے آگاہ ہے، اسی طرح تمام جانداروں کی ہر ہر حرکت سے بھی خوب واقف ہے، اس کا اظہار اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ﴾...... الآية (الأنعام 38:6) ”اور زمین پر چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں کے ساتھ اڑنے

[1] تفسیر الطبری:167/11.

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا

آگاہ رہو! بے شک اولیاء اللہ پر کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ﴿62﴾ (یعنی) وہ لوگ جو ایمان لائے اور (اللہ سے)

يَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ

ڈرتے رہے ﴿63﴾ ان کے لیے دنیاوی زندگی میں خوشخبری ہے اور آخرت میں (بھی)، اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں ہوتی،

اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿64﴾

یہی بہت بڑی کامیابی ہے ﴿64﴾

والا کوئی پرندہ ایسا نہیں جو تمھاری طرح الگ امت نہ ہو......'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا...... ﴾ الآية (هود 11:6) ''اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے......'' یعنی اگر ان چیزوں کی حرکات کے بارے میں اس کے علم کی یہ کیفیت ہے تو ان بندوں کے بارے میں اس کے علم کی شان کیا ہوگی جنھیں اس کی عبادت کا حکم دیا اور پابند کیا گیا ہے؟ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِىْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِى السّٰجِدِيْنَ ۝ ﴾ (الشعراء 26:217-219) ''اور (اللہ) نہایت غالب (اور) بڑے مہربان پر بھروسا رکھیں جو آپ کو جب آپ کھڑے ہوتے ہیں دیکھتا ہے اور نمازیوں میں آپ کے پھرنے کو بھی۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِىْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ ﴾ ''اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں اور اللہ کی طرف سے (نازل شدہ) قرآن میں سے کچھ بھی پڑھتے ہیں اور تم لوگ جو بھی کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو تب ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔'' یعنی جب تم اس طرح کے کام کررہے ہوتے ہو تو ہم مشاہدہ کررہے، تمھیں دیکھ رہے اور تمھاری تمام باتوں کو سن رہے ہوتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت جبریل نے جب نبیٔ اکرم ﷺ سے احسان کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا: [أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ] ''تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو، گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھتے تو بلاشبہ وہ تمھیں ضرور دیکھ رہا ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 62-64

اولیاء اللہ کی پہچان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے دوست وہ ہیں جو ایمان دار اور پرہیزگار ہیں جیسا کہ اولیاء اللہ کا تعارف کراتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے خود ہی یہ فرمایا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص جو پرہیزگار ہوگا، وہ اللہ کا دوست ہوگا، لہٰذا ﴿ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ ''ان کو کچھ خوف نہ ہوگا۔'' یعنی مستقبل میں پیش آنے والے آخرت کے ہولناک

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان......، حديث: 50 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان الإيمان والإسلام ......، حديث: 9,8 عن أبي هريرة ﷺ.

حالات کے بارے میں انھیں کوئی خوف نہ ہوگا ﴿ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴾ ''اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔'' یعنی دنیا میں اپنے پیچھے چھوڑے ہوئے حالات کے بارے میں بھی انھیں کوئی غم نہ ہوگا۔

انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے! ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ مِنۡ عِبَادِ اللّٰهِ عِبَادًا يَّغۡبِطُهُمُ الۡأَنۡبِيَاءُ وَالشُّهَدَاءُ ، قِيلَ : مَنۡ هُمۡ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَلَعَلَّنَا نُحِبُّهُمۡ ؟ قَالَ: هُمۡ قَوۡمٌ تَحَابُّوا فِي اللّٰهِ مِنۡ غَيۡرِ أَمۡوَالٍ وَّلَا أَنۡسَابٍ، وُّجُوهُهُمۡ مِنۡ نُّورٍ عَلٰى مَنَابِرَ مِنۡ نُّورٍ، لَّا يَخَافُونَ إِذَا خَافَ النَّاسُ، وَلَا يَحۡزَنُونَ إِذَا حَزِنَ النَّاسُ] ''یقیناً کچھ بندگانِ الٰہی ایسے بھی ہوں گے جن پر انبیاء وشہداء بھی رشک کریں گے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون (سعادت مند) لوگ ہوں گے تاکہ ہم بھی ان سے محبت کریں۔ فرمایا: وہ لوگ جو کسی مالی لالچ یا نسبی تعلق کے بغیر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہوں گے، ان کے چہرے نور سے (منور) ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر جلوہ افروز ہوں گے جب لوگ خوف میں مبتلا ہوں گے تو انھیں کوئی خوف نہیں ہوگا اور جب لوگ غم ناک ہوں گے تو انھیں کوئی غم نہ ہوگا۔'' پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ اَوۡلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴾ ''آگاہ رہو! بے شک جو اللہ کے دوست ہیں، ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غم ناک ہوں گے۔''[1]

''بُشریٰ'' سے مراد سچے خواب ہیں: امام ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَفِى الۡاٰخِرَةِ ﴾ ''ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔'' ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ آخرت کی بشارت سے مراد جنت ہے لیکن یہ فرمائیں کہ دنیا کی بشارت سے کیا مراد ہے۔ فرمایا: [اَلرُّؤۡيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الۡعَبۡدُ أَوۡ تُرٰى لَهٗ وَهِيَ جُزۡءٌ مِّنۡ أَرۡبَعَةٍ وَّأَرۡبَعِينَ جُزۡءًا أَوۡ سَبۡعِينَ جُزۡءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ] ''اس سے مراد نیک خواب ہے جسے کوئی بندہ دیکھتا ہے یا اس کے لیے کوئی خواب دیکھا جاتا ہے، یہ نبوت کے چوالیس یا ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔''[2]

امام احمد نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) آدمی ایک نیک کام کرتا ہے تو اس کی وجہ سے لوگ اس کی تعریف اور ستائش کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تِلۡكَ عَاجِلُ بُشۡرَى الۡمُؤۡمِنِ] ''یہ وہ بشارت ہے جو مومن کو جلد مل جاتی ہے۔''[3] اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[4]

---

[1] تفسیر الطبری: 172,171/11 اور دیکھیے سنن أبی داود، البیوع، باب فی الرهن، حدیث: 3527 عن عمر رضی اللہ عنہ. [2] تفسیر الطبری: 176/11 مزید دیکھیے جامع الترمذی، الرؤیا، باب قوله: ﴿ لَهُمُ الۡبُشۡرٰى فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾، حدیث: 2275 وسنن ابن ماجه، تعبیر الرؤیا، باب الرؤیا الصالحة یراها المسلم......، حدیث: 3898. [3] مسند أحمد: 156/5. [4] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب: إذا أثنی علی الصالح فهی بشرٰی ولا تضره، حدیث: 2642 اور اس میں [وَيَعۡمَلُ الۡعَمَلَ مِنَ الۡخَيۡرِ] کے الفاظ ہیں۔

پریشان کن خواب آئے تو......: امام احمد رحمہ اللہ ہی نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ [قَالَ: الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يُبَشَّرُهَا الْمُؤْمِنُ، هِيَ جُزْءٌ مِّنْ تِسْعَةٍ وَّأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ، فَمَنْ رَّأٰى ذٰلِكَ فَلْيُخْبِرْبِهَا، وَمَنْ رَّأٰى سِوٰى ذٰلِكَ، فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَهُ، فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَّسَارِهٖ ثَلَاثًا، وَّلْيَسْكُتْ وَلَا يُخْبِرْ بِهَا أَحَدًا] ”ان کے لیے دنیا کی زندگی میں خوشخبری ہے۔“ فرمایا: ”سچا خواب مومن کے لیے بشارت ہے اور وہ نبوت کے انچاس حصوں میں سے ایک حصہ ہے جو شخص اچھا خواب دیکھے، وہ اس کے بارے میں بتا دے اور جو اس کے علاوہ کوئی اور خواب دیکھے تو وہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے تا کہ اسے غم میں مبتلا کر دے، اس طرح کے خواب کے دیکھنے پر وہ بائیں طرف تین بار پھونک مار دے، خاموش رہے اور کسی کو بھی اس خواب کے بارے میں نہ بتائے۔“[1] اصحاب کتب ستہ نے اس روایت کو بیان نہیں کیا۔

”بُشْرٰی“ کا ایک اور مفہوم: یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس بشارت سے مراد موت کے وقت فرشتوں کا مومن کو مغفرت اور جنت کی بشارت دینا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۗ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:30-32) ”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے، ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ، ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمھارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمھارے جی چاہیں گے، تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی (یہ) بخشنے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔“

مومن کے دنیا میں آخری لمحات اور روز قیامت بشارتیں: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: [أَنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا حَضَرَهُ الْمَوْتُ جَاءَهٗ مَلَائِكَةٌ بِيضُ الْوُجُوهِ (بِيضُ الثِّيَابِ) فَقَالُوا: أُخْرُجِي أَيَّتُهَا الرُّوحُ الطَّيِّبَةُ إِلٰى رَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّرَبٍّ غَيْرِ غَضْبَانَ، فَتَخْرُجُ مِنْ فَمِهٖ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فَمِ السِّقَاءِ] ”بے شک مومن کی موت کا جب وقت آتا ہے تو اس کے پاس سفید چہروں اور سفید کپڑوں والے فرشتے آتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اے پاک روح! تو نکل کر نعمتوں، خوشبو اور پھولوں اور ایسے رب کی طرف آ جا جو ناراض نہیں ہے تو روح اس کے منہ سے اس طرح نکل آتی ہے جس طرح مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے۔“[2] اور آخرت میں ان کے لیے بشارت یہ ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ

---

[1] مسند أحمد: 219/2 تفسیر ابن کثیر میں لِيَسْكُتْ کے بجائے لِيُكَبِّرْ ہے۔ اور دیکھیے صحيح البخاري، التعبير، باب الرؤيا من الله، حديث: 6985-6989. [2] یہ روایت بالفاظ دیگر مختلف کتب احادیث میں موجود ہے، دیکھیے سنن النسائي، الجنائز، باب مايلقى به المؤمن من الكرامة عند خروج نفسه، حديث: 1834 و مسند أحمد: 287/4، 288 و المستدرك للحاكم، الجنائز: 352/1، 353 وشعب الإيمان للبيهقي، فصل في عذاب القبر: 356/1، حديث: 395 جبکہ قوسین والے الفاظ ہمیں نہیں ملے۔

وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿65﴾ اَلَاۤ اِنَّ

اور (اے نبی!) ان کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں، بے شک عزت تو ساری اللہ ہی کے لیے ہے، وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿65﴾ آگاہ

لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ

رہو! بے شک اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں میں جو (مخلوق) ہے اور جو زمین میں ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں، وہ (کسی اور چیز

اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿66﴾ هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ

کی) پیروی نہیں کرتے مگر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ محض قیاس کے گھوڑے دوڑاتے ہیں ﴿66﴾ وہی ہے (اللہ) جس نے تمھارے لیے

لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿67﴾

رات بنائی، تاکہ اس میں سکون (حاصل) کرو اور دن کو روشن بنایا۔ بے شک اس میں یقیناً بہت بڑی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں ﴿67﴾

نے فرمایا ہے: ﴿لَا يَحۡزُنُهُمُ الۡفَزَعُ الۡاَكۡبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ؕ هٰذَا يَوۡمُكُمُ الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ تُوۡعَدُوۡنَ ۝﴾ (الأنبیآء 103:21) ”ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان سے (یہ کہہ کر) ملیں گے کہ یہی وہ دن ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔“ اور فرمایا: ﴿يَوۡمَ تَرَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ يَسۡعٰى نُوۡرُهُمۡ بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَبِاَيۡمَانِهِمۡ بُشۡرٰٮكُمُ الۡيَوۡمَ جَنّٰتٌ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا ؕ ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ۚ﴾ (الحدید 12:57) ”جس دن آپ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھیں گے کہ ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف چل رہا ہے (تو ان سے کہا جائے گا:) تم کو بشارت ہو کہ آج (تمھارے لیے) باغ ہیں جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں، ان میں ہمیشہ رہیں گے، یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔“

﴿لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ﴾ ”اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔“ یعنی اس وعدے میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی، نہ اس کی خلاف ورزی کی جائے گی بلکہ یہ ایک حتمی اور یقینی وعدہ ہے جو ہر صورت میں پورا ہو کر رہے گا۔ ﴿ذٰلِكَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِيۡمُ ﴿64﴾﴾ ”یہی تو بڑی کامیابی ہے۔“

تفسیر آیات: 67-65

ساری عزت اللہ ہی کے لیے ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ۘ﴾ ”اور (اے پیغمبر!) آپ ان لوگوں کی باتوں سے آزردہ نہ ہوں۔“ یعنی ان مشرکوں کی باتوں سے۔ اور ان کے خلاف اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرنا اور اسی کی ذات گرامی پر توکل کرنا۔ ﴿اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ؕ﴾ ”بے شک عزت سب اللہ ہی کے لیے ہے۔“ یعنی عزت تو سب کی سب اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مومنوں کی ہے۔ ﴿هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿65﴾﴾ ”وہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے۔“ یعنی اپنے بندوں کے اقوال کو سنتا اور ان کے تمام احوال کو جانتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت بھی اسی کی ہے جبکہ مشرکین بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور بت کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں، لہٰذا اس بات کی بھی قطعاً کوئی دلیل نہیں ہے کہ ان کی عبادت کی جائے، اس سلسلے میں

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ

انھوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے۔ وہ (اولاد سے) پاک ہے، وہ بے پروا ہے، اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں

عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ

ہے، تمھارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم جانتے نہیں؟ ﴿68﴾ (اے نبی!) کہہ دیجیے: بلاشبہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿69﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ

باندھتے ہیں، وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿69﴾ دنیا میں (تھوڑا سا) فائدہ اٹھانا ہے، پھر انھیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے، پھر ان کے کفر کرنے کی وجہ سے

نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾

ہم انھیں شدید عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے ﴿70﴾

ع 7 10 12 الثلثة

ان کا سارا انحصار اپنے وہم و گمان اور کذب و افترا پر ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے اپنے بندوں کے لیے رات کو بنایا تاکہ اس میں سکون کریں اور تھکاوٹ اور مشقت کو دور کرنے کے لیے آرام کریں۔ ﴿وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ﴾ ”اور دن کو روشن (بنایا۔)“ یعنی دن کو کسبِ معاش، جدوجہد، سفر اور ضرورت کے دیگر کاموں کے لیے روشن بنا دیا، ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿67﴾﴾ ”بے شک جو لوگ سنتے ہیں، ان کے لیے ان میں نشانیاں ہیں۔“ یعنی ان کے لیے جو ان دلائل و براہین کو سنتے، ان سے عبرت حاصل کرتے اور ان سے ان کے خالق، ان کے اندازے مقرر کرنے والے اور انھیں چلانے والے کی ذات گرامی کے بارے میں استدلال کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 70-68

اللہ تعالیٰ بیوی اور بچوں سے پاک ہے: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے جنھوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اللہ نے اولاد بنائی ہے، فرمایا کہ وہ ذات اولاد سے پاک ہے، وہ اپنے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہے جبکہ کائنات کی ہر ہر چیز اس کی ذات پاک کی محتاج ہے۔ ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ﴾ ”جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے، سب اسی کا ہے۔“ تو اس نے جس کو پیدا فرمایا ہے، اس میں سے اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے؟ جبکہ کائنات کی ہر ہر چیز اس کی مملوک اور اسی کی غلام ہے۔ ﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ﴾ ”(اے افترا پردازو!) تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔“ یعنی یہ جو تم کذب و بہتان سے کام لیتے ہوئے کہہ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا ہے، تمھارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾﴾ ”کیا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کہتے ہو جو جانتے نہیں؟“ یہ ان کی اس بات کی تردید، زبردست وعید اور نہایت شدید سرزنش ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۙ ○ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ ○ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ○ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ ○ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ؕ ○ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ؕ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○﴾ (مریم 19:88-95) ”اور کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد بنائی ہے، البتہ تحقیق (ایسا کہنے والو! یہ تو

وقف لازم

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ

اور (اے نبی!) آپ انھیں نوح کا قصہ سنا دیجیے: جب اس نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم! اگر تمھیں میرا قیام اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ نصیحت

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

کرنا ناگوار ہے تو میں نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے، چنانچہ تم اور تمھارے شریک مل کر (میرے خلاف) فیصلہ کر لو، پھر تمھارا فیصلہ تم میں (کسی سے) پوشیدہ

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿71﴾ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ

نہ رہے، پھر مجھ پر تم نافذ کر دو اور مجھے مہلت نہ دو ﴿71﴾ پھر اگر تم (حق سے) پھر جاؤ، تو میں نے تم سے کسی اجر کا سوال نہیں کیا، میرا اجر تو اللہ کے پاس

مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿72﴾ فَكَذَّبُوْهُ

ہے، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہو جاؤں ﴿72﴾ پھر انھوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور ان لوگوں کو نجات دی جو

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ

اس کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے، اور ہم نے انھیں (ان کا) جانشین بنا دیا، اور ہم نے ان لوگوں کو غرق کر دیا جنھوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، پھر

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾

(اے نبی!) دیکھیے ان لوگوں کا کیسا انجام ہوا جنھیں ڈرایا گیا تھا؟ ﴿73﴾

تم ناپسندیدہ و نازیبا بات (زبان پر) لاتے ہو قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ دھماکے کے ساتھ گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز کی اور اللہ کو شایان نہیں کہ کسی کو اولاد بنائے جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو غلام ہو کر آئیں گے، یقیناً اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹے اور افترا پردازوں کو — جنھوں نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے — سرزنش کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دنیا و آخرت میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے، دنیا میں اللہ تعالیٰ جب انھیں مہلت دے گا تو انھیں تھوڑے عرصے کے لیے دنیا کے ساز و سامان سے بھی نواز دے گا۔ ﴿ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝﴾ (لقمٰن 31:24) ''پھر ہم انھیں عذابِ شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' جیسا کہ یہاں فرمایا ہے: ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا﴾ ''(ان کے لیے) جو فائدے ہیں، دنیا میں (ہیں۔)'' یعنی تھوڑی سی مدت کے لیے، ﴿ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ ''پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن، ﴿ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿70﴾﴾ ''اس وقت ہم ان کو عذابِ شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ وہ کفر کیا کرتے تھے۔'' یعنی ان کے کفر، افترا اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے کی وجہ سے انھیں شدید عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

تفسیر آیات: 71-73

حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ سے فرمایا ہے: ﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ﴾

"اور آپ ان کو سنا دیں۔" یعنی ان کفار مکہ کو جو آپ کی تکذیب اور مخالفت کر رہے ہیں، یہ قصہ سنا دیں۔ ﴿ نَبَاَ نُوْحٍ ﴾ "نوح (علیہ السلام) کا قصہ" یعنی انھیں نوح علیہ السلام کا اپنی قوم کے ساتھ قصہ سنا دیں کہ جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت نوح علیہ السلام کی تکذیب کی تو اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو غرق کر کے کس طرح تباہ و برباد کر دیا تھا تاکہ یہ لوگ بھی ڈر جائیں کہ کہیں یہ بھی ان کی طرح عذاب میں مبتلا کر کے تباہ و ہلاک نہ کر دیے جائیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ یعنی جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمھیں میرا قیام اور اللہ کے دلائل و براہین سے نصیحت کرنا ناگوار ہو، ﴿ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ "تو میں تو اللہ پر بھروسا رکھتا ہوں۔" یہ بات تمھیں ناگوار گزرے یا نہ گزرے مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے اور نہ میں اس سے رک سکتا ہوں۔

فرمایا: ﴿ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ﴾ "چنانچہ تم اپنے شریکوں کے ساتھ مل کر ایک کام کا (جو میرے بارے میں کرنا چاہو) فیصلہ کر لو۔" اور تم اور تمھارے وہ تمام شریک جمع ہو جائیں، اللہ کو چھوڑ کر جن کو تم پکارتے ہو، خواہ وہ بت ہوں یا کچھ اور ﴿ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ﴾ "پھر وہ (فیصلہ) تمھاری تمام جماعت (کو معلوم ہو جائے اور کسی) سے پوشیدہ نہ رہے۔" یعنی اپنے کام کو پوشیدہ نہ رکھو بلکہ میرے ساتھ اپنے معاملے کو واضح طور پر بیان کر دو اور اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم حق پر ہو تو پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو، ﴿ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿71﴾ ﴾ "اور تم مجھے مہلت نہ دو۔" یعنی مجھے ایک لمحے کے لیے بھی مہلت نہ دو، الغرض! جس قدر بھی تمھارا بس چلتا ہے، تم کر گزرو، مجھے تمھاری کچھ پروا نہیں، میں تم سے قطعاً نہیں ڈرتا کیونکہ تم قطعی طور پر راہ راست پر نہیں ہو جیسا کہ ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۙ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ ﴾ (ھود 11:54-56) "یقیناً میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو، بے شک میں ان سے بیزار ہوں (جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو اور مجھے مہلت نہ دو، بے شک میں اللہ پر جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں۔"

اسلام ہی تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ "پھر اگر تم پھر گئے۔" یعنی تکذیب کی اور اطاعت سے منہ موڑ لیا ﴿ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ ﴾ "تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا۔" یعنی اس نصیحت کا جو میں تمھیں کرتا رہتا ہوں۔ ﴿ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿72﴾ ﴾ "میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔" یعنی میں تو اس حکم کی اطاعت بجا لاتا ہوں کہ مسلمان بن کر رہوں، یاد رہے! اول سے لے کر آخر تک تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا دین اسلام ہی تھا، گو ان کی شریعتیں اور طریقے الگ الگ اور متعدد تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ ﴾ (المآئدۃ 5:48) "ہم نے تم میں سے ہر ایک (گروہ) کے لیے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ ﴾

(المآئدۃ 48:5) کے معنی رستے اور طریقے کے ہیں۔[1]

اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی (یہاں) فرمایا ہے: ﴿ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۷۲﴾ ﴾ ''اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذۡ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ وَوَصّٰی بِهَاۤ اِبۡرٰهٖمُ بَنِیۡهِ وَیَعۡقُوۡبُ ؕ یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰی لَكُمُ الدِّیۡنَ فَلَا تَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:131،132) ''جب (بھی) ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا کہ فرمانبردار ہو جا تو انھوں نے عرض کی کہ میں رب العالمین کے آگے سر اطاعت خم کرتا ہوں اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنے فرزندوں سے یہی کہا کہ) میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے یہی دین پسند فرمایا ہے مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔''

حضرت یوسف علیہ السلام نے دعا کی تھی: ﴿ رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَ عَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ○ ﴾ (یوسف 12:101) ''اے میرے پروردگار! بے شک تو نے مجھے کچھ حکومت سے بہرہ ور کیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا۔''

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ یٰقَوۡمِ اِنۡ كُنۡتُمۡ اٰمَنۡتُمۡ بِاللّٰهِ فَعَلَیۡهِ تَوَكَّلُوۡۤا اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِیۡنَ ○ ﴾ (یونس 10:84) ''میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسا رکھو اگر تم (دل سے) فرمانبردار ہو۔'' جادوگروں نے بھی کہا تھا: ﴿ رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ ○ ﴾ (الأعراف 7:126) ''اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر و استقامت کے دہانے کھول دے اور ہمیں اس حال میں فوت کر کہ ہم مسلمان ہوں۔''

بلقیس نے کہا تھا: ﴿ رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ وَ اَسۡلَمۡتُ مَعَ سُلَیۡمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ○ ﴾ (النمل 27:44) ''میرے پروردگار! بے شک میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی ہوں اور (اب) میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کی فرماں بردار ہو گئی ہوں۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِیۡهَا هُدًی وَّ نُوۡرٌ ۚ یَحۡكُمُ بِهَا النَّبِیُّوۡنَ الَّذِیۡنَ اَسۡلَمُوۡا ﴾ (المآئدۃ 5:44) ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے، اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے فیصلے کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ اِذۡ اَوۡحَیۡتُ اِلَی الۡحَوَارِیّٖنَ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِیۡ وَ بِرَسُوۡلِیۡ ۚ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا وَ اشۡهَدۡ بِاَنَّنَا مُسۡلِمُوۡنَ ○ ﴾ (المآئدۃ 5:111) ''اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ، وہ کہنے لگے کہ (پروردگار!) ہم ایمان لائے اور تو شاہد رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔''

اور خاتم الرسل، سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ﴿ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُكِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ لَا شَرِیۡكَ

[1] تفسیر الطبری: 367/6.

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا

پھر ہم نے اس (نوح) کے بعد کئی رسول ان کی (اپنی اپنی) قوم کی طرف بھیجے، چنانچہ وہ ان کے پاس واضح دلائل لے کر آئے، تو (پھر بھی) نہ ہوئے کہ

كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿74﴾

وہ اس (ہدایت) پر ایمان لے آتے جسے وہ پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حد سے گزرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں ﴿74﴾

لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿ (الأنعام6: 163,162) ''یقیناً میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔'' یعنی اس امت میں سے سب سے پہلا فرمانبردار میں ہوں، چنانچہ آپ سے مروی ایک حدیث میں بھی ہے: [اَلْأَنْبِيَاءُ أَوْلَادُ عَلَّاتٍ...... وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ] ''انبیاء علاتی بھائی ہیں......اور ان کا دین ایک ہے۔''[1] یعنی تمام انبیائے کرام کا دین یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے گو ہماری شریعتیں مختلف ہیں۔ آپ ﷺ کے فرمان: [أَوْلَادُ عَلَّاتٍ] کا یہی مطلب ہے۔ اور علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کی مائیں مختلف اور باپ ایک ہو۔

مجرموں کا بدترین انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ ﴾ ''پھر ان لوگوں نے ان (نوح علیہ السلام) کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے، (طوفان سے) بچالیا۔'' یعنی ان لوگوں کو جو ان کے دین پر تھے۔ ﴿ فِي الْفُلْكِ ﴾ یعنی ان کے ساتھ کشتی میں (سوار) تھے۔ ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ ﴾ یعنی انھیں زمین میں خلیفہ بنا دیا۔ ﴿ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿73﴾ ﴾ ''اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا، ان کو غرق کر دیا تو دیکھیے! جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا کیسا انجام ہوا؟'' یعنی اے محمد (ﷺ!) دیکھیے کہ ہم نے مومنوں کو کس طرح نجات دی اور جھٹلانے والوں کو کس طرح ہلاک کر دیا تھا۔

تفسیر آیت :74

دلوں پر مہر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے اور بھی بہت سے پیغمبر اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے تھے جو اپنی نبوت کی صداقت کے دلائل و براہین بھی لوگوں کے پاس لے کر آئے تھے۔ ﴿ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ ''تو وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی اس سے پہلے تکذیب کر چکے تھے، اس پر ایمان لے آتے۔'' یعنی امتیں اس دین و شریعت پر ایمان لانے والی نہ تھیں جو ان کے رسول ان کے پاس لائے تھے، اس لیے کہ اس کی اس وقت تکذیب کر چکے تھے جب پہلی مرتبہ اسے ان کے پاس بھیجا گیا تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الأنعام 6:110) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں جس طرح یہ پہلی بار اس پر ایمان نہیں لائے تھے۔'' اور یہاں

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ...... ﴾ (مريم19: 16)، حدیث: 3442 و صحیح مسلم، الفضائل، باب فضائل عيسى عليه السلام، حدیث: 2365 کے مطابق ہے اور آخری حصہ صحیح البخاري، حدیث: 3443 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡىِٕهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

پھر اس کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کی طرف بھیجا تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ

وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿75﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا

مجرم لوگ تھے ﴿75﴾ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ گیا تو انھوں نے کہا: بے شک یہ تو یقیناً کھلا جادو ہے ﴿76﴾ موسیٰ نے کہا: کیا تم حق

لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿76﴾ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ

کے بارے میں (یہ) کہتے ہو جب وہ تمھارے پاس آ گیا؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو فلاح نہیں پاتے ﴿77﴾ انھوں نے کہا: کیا تو ہمارے

السّٰحِرُوْنَ ﴿77﴾ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي

پاس آیا ہے کہ ہمیں اس (طریقے) سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور تم دونوں کے لیے زمین میں اقتدار ہو؟ جبکہ ہم تم دونوں

الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿78﴾

پر ایمان لانے والے نہیں ﴿78﴾

فرمایا ہے: ﴿كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿74﴾﴾ ”اسی طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔“ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور وہ اپنی سابقہ تکذیب کی وجہ سے ایمان نہ لائے، اس طرح اللہ تعالیٰ ان کے بعد آنے والے ان لوگوں کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتا ہے جو ان کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان (زیادتی کرنے والوں) کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتا ہے، اس لیے: ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝﴾ (یونس 10:88) ”چنانچہ وہ جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔“

اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو جھٹلانے والی امتوں کو ہلاک کر دیا اور نجات صرف انھی سعادت مند لوگوں کو بخشی جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے اور اس بات کا تعلق حضرت نوح علیہ السلام کے دور کے بعد سے ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لوگ دینِ اسلام پر تھے، اس وقت تک دینِ اسلام ہی پر رہے جبکہ انھوں نے بتوں کی پوجا نہ شروع کر دی تھی۔ جب انھوں نے بتوں کی پوجا شروع کر دی تو ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا، اس وجہ سے قیامت کے دن مومن ان سے یہ کہیں گے کہ آپ اللہ کے وہ پہلے رسول ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیاں تھیں اور ان صدیوں کے لوگ دین اسلام پر تھے۔[1]

[1] یہ الفاظ الطبقات الکبرٰی لابن سعد: 42/1 میں حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ اور تفسیر الطبری: 455/2 میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ الفاظ: [كَانَ بَيْنَ نُوحٍ وَّ آدَمَ عَشَرَةُ قُرُونٍ ، كُلُّهُمْ عَلٰى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْحَقِّ] منقول ہیں صحیح ابن حبان وغیرہ میں اس معنی کی مرفوع روایت بھی ہے۔ دیکھیے صحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر الأخبار عما كان بين آدم ونوح ......: 69/14، حدیث: 6190 والمستدرك للحاكم، التفسير، من سورة البقرة: 262/2، حديث: 3039.

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿79﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى اَلْقُوْا مَآ

اور فرعون نے کہا: تم میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آؤ ﴿79﴾ پھر جب تمام جادوگر آگئے تو ان سے موسیٰ نے کہا: ڈالو جو کچھ تم ڈالنے

اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿80﴾ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ

والے ہو ﴿80﴾ پھر جب انھوں نے ڈالا تو موسیٰ نے کہا: جو کچھ تم لائے ہو (یہ) جادو ہے۔ بے شک اللہ جلد اسے باطل کر دے گا۔

اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿81﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿82﴾ ع 8/12/13

بے شک اللہ فساد کرنے والوں کا کام نہیں سنوارتا ﴿81﴾ اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ساتھ ثابت کرتا ہے، اگرچہ مجرم لوگ ناپسند کریں ﴿82﴾

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ ...... ﴾ الآية (بنيٓ إسرآءيل 17:17) ''اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک کر ڈالا......۔'' اس میں ان مشرکین عرب کے لیے زبردست ڈراوا تھا جنھوں نے سید الرسل، خاتم الانبیاء والمرسلین حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ جب پہلے زمانوں میں انبیائے کرام علیہم السلام کی تکذیب کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مختلف خوفناک قسم کے عذابوں میں مبتلا کر کے تباہ و برباد کر دیا تھا تو ان لوگوں کا اپنے بارے میں کیا گمان ہے جو ان سے بڑھ کر گناہوں کا ارتکاب کر رہے اور اللہ تعالیٰ کے سب سے عظیم اور محبوب پیغمبر حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کو تسلیم نہ کرنے کے جرم عظیم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

تفسیر آیات :75-78

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنَا ﴾ ''پھر ہم نے (ان رسولوں کے بعد) بھیجا۔'' ﴿ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا ﴾ یعنی موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں (دلائل و براہین) دے کر فرعون اور اس کے سرداروں (قوم) کی طرف (بھیجا۔) ﴿ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿75﴾ ﴾ ''تو انھوں نے تکبر کیا اور وہ گناہ گار لوگ تھے۔'' یعنی انھوں نے حق کو قبول کرنے اور اس کی اتباع کرنے سے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔ ﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿76﴾ ﴾ ''پھر جب ان کے پاس ہمارے ہاں سے حق آ گیا تو کہنے لگے کہ بے شک یہ تو صریح جادو ہے۔'' ان ملعونوں نے گویا قسمیں کھا کھا کر اسے جادو قرار دیا، حالانکہ وہ خود بھی یہ جانتے تھے کہ ان کی یہ بات محض جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ ﴾ (النمل 14:27) ''اور انھوں نے ظلم اور غرور کی وجہ سے ان کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دلوں نے ان کو تسلیم کیا۔'' ﴿ قَالَ مُوْسٰى ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿77﴾ ﴾ ''کیا تم حق کے بارے میں یہ کہتے ہو جب وہ تمھارے پاس آ گیا کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو فلاح نہیں پاتے۔'' ﴿ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ﴾ ''انھوں نے کہا: کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ جس (طریقے) پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے اس سے ہمیں پھیر دو۔'' یعنی اس دین سے ہمیں دور کر رہے ہو جس پر وہ تھے، ﴿ وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ ﴾ اور تم دونوں ہی کی، یعنی تمھاری اور ہارون کی عظمت اور سرداری ہو جائے، ﴿ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا

بِمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿78﴾ ''زمین میں جبکہ ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔''

تفسیر آیات :79-82

موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا مقابلہ: اللہ تعالیٰ نے جادوگروں کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے کے قصے کو سورۂ اعراف میں تفصیل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے اور اس کے بارے میں وہاں بحث کی جا چکی ہے۔[1] اسی طرح اس قصے کو اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں، نیز سورۂ طٰہٰ[2] اور سورۂ شعراء میں بھی بیان فرمایا ہے[3] جس کا خلاصہ یہ ہے کہ فرعون ملعون نے یہ پروگرام بنایا کہ وہ لوگوں کے سامنے اپنی دھاک بٹھائے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جس واضح حق کو لے کر آئے ہیں، اسے جادوگروں کے جادو اور شعبدہ بازوں کے کرتبوں سے مغلوب کر دے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی ساری تدبیریں الٹ دیں، اس کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور کھلے میدان میں جب مقابلہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دلائل و براہین کو غلبہ عطا کر کے موسیٰ علیہ السلام کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما دیا۔ ﴿فَاُلۡقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيۡنَ ○ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ○ رَبِّ مُوۡسٰى وَهٰرُوۡنَ ○﴾ (الشعرآء 46:26-48) ''تب جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم تمام جہانوں کے مالک پر ایمان لائے، جو موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) کا مالک ہے۔'' فرعون کا گمان تھا کہ وہ جادوگروں کے تعاون سے اللہ ذو الجلال کے رسول پر غالب آ جائے گا مگر وہ دنیا میں بھی خائب و خاسر رہا اور آخرت میں بھی جنت سے محروم ہو کر جہنم رسید ہوگا۔ اسی واقعے کا یہاں ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ فِرۡعَوۡنُ ائۡتُوۡنِيۡ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيۡمٍ ﴿79﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمۡ مُّوۡسٰۤى اَلۡقُوۡا مَاۤ اَنۡتُمۡ مُّلۡقُوۡنَ ﴿80﴾﴾ ''اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کامل جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ، پھر جب تمام جادوگر آ گئے تو موسیٰ نے ان سے کہا کہ ڈالو جو کچھ تم ڈالنے والے ہو۔'' یہ اس لیے کہا کہ جب جادوگروں کا انتخاب ہو گیا اور کامیابی کی صورت میں فرعون کی طرف سے ان کے لیے انعام و اکرام کا وعدہ کر لیا گیا تو ﴿قَالُوۡا يٰمُوۡسٰۤى اِمَّاۤ اَنۡ تُلۡقِيَ وَاِمَّاۤ اَنۡ نَّكُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَلۡقٰى ○ قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا ج﴾ (طٰہٰ 65:20،66) ''(ان جادوگروں نے) کہا: اے موسیٰ! یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم ہی (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں، موسیٰ نے کہا: (نہیں) بلکہ تم ہی ڈالو۔'' موسیٰ علیہ السلام نے یہ پروگرام بنایا کہ ابتدا ان کی طرف سے ہو تاکہ لوگ بھی دیکھ لیں کہ انھوں نے کیا کیا ہے، پھر ان کی جادوگری و شعبدہ بازی کے بعد حق کا مظاہرہ ہو جو ان کے باطل کا ستیاناس کر دے۔

جادوگروں نے جب اپنی چیزوں کو ڈالا تو انھوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا، ان پر خوف طاری کر دیا اور بہت بڑے جادو کا مظاہرہ کیا تو ﴿فَاَوۡجَسَ فِيۡ نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً مُّوۡسٰى ○ قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى ○ وَاَلۡقِ مَا فِيۡ يَمِيۡنِكَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ط اِنَّمَا صَنَعُوۡا كَيۡدُ سٰحِرٍ ط وَلَا يُفۡلِحُ السَّاحِرُ حَيۡثُ اَتٰى ○﴾ (طٰہٰ 67:20-69) ''پھر موسیٰ نے اپنے دل میں خوف محسوس کیا، ہم نے کہا: خوف نہ کرو، بلاشبہ تم ہی غالب رہو گے اور جو چیز (لاٹھی) تمھارے دائیں ہاتھ میں ہے،

[1] دیکھیے الأعراف، آیات :103-126 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے طٰہٰ، آیات :63-71 کے ذیل میں۔ [3] دیکھیے الشعرآء، آیات: 38-48 کے ذیل میں۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهِمْ اَنْ

چنانچہ موسیٰ پر اس کی قوم کے چند نوجوانوں کے سوا کوئی بھی ایمان نہ لایا، فرعون اور اس کے درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں وہ انھیں فتنے میں

يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿83﴾

نہ ڈال دے، اور بے شک فرعون سرزمین (مصر) میں سرکش (بنا ہوا) تھا، اور بے شک وہ حد سے گزرنے والوں میں سے تھا﴿83﴾

اسے ڈال دو کہ جو کچھ انھوں نے بنایا ہے، اس کو نگل جائے گی جو کچھ انھوں نے بنایا ہے وہ تو جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں سے بھی آئے (جو چاہے کر لے) فلاح نہیں پائے گا۔'' جادوگروں نے جب اپنی چیزوں کو ڈالا تو اسی موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ فرمایا تھا: ﴿مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿81﴾ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿82﴾﴾ ''جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو (یہ) جادو ہے، یقیناً اللہ اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا۔ بے شک اللہ شریروں کا کام سنوارا نہیں کرتا اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو ثابت کرتا ہے اگرچہ مجرم برا ہی مانیں۔''

تفسیر آیت :83

قوم فرعون کے چند لڑکے ہی ایمان لائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان آیات بینات اور مضبوط و مستحکم دلائل و براہین کو دیکھنے کے باوجود جو حضرت موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے، قوم فرعون کے صرف چند لڑکے ہی ان پر ایمان لائے تھے اور وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے کہ کہیں وہ پھر ان کو اس کفر کی طرف لوٹا نہ دیں جس میں یہ پہلے مبتلا تھے، اس لیے کہ یہ فرعون ملعون بہت ہی جابر اور سرکش بادشاہ تھا اور اس نے ظلم و استبداد کا بازار گرم کر رکھا تھا جس کی وجہ سے اس کی رعایا اس سے بہت زیادہ ڈرتی اور خوف کھاتی تھی۔ عوفی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے علاوہ فرعون کی قوم کے صرف چند لوگ ہی ایمان لائے تھے اور ان میں سے فرعون کی بیوی، مومن آلِ فرعون، خازنِ فرعون اور اس خازن کی بیوی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔[1]

بنی اسرائیل کے بارے میں یہی بات مشہور ہے کہ وہ سب کے سب ایمان لے آئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس کامیابی پر بہت خوش ہوئے تھے کیونکہ وہ اپنی سابقہ کتب کی روشنی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نشانیوں اور بشارتوں کو جانتے تھے اور اس بات کو بھی جانتے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انھیں فرعون کی غلامی سے نجات عطا فرما دے گا اور فرعون کے مقابلے میں انھیں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔ فرعون کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس نے اس سے بچاؤ کی ہر احتیاطی تدبیر اختیار کی مگر اس نے اسے کچھ فائدہ نہ دیا اور جب موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ہوئی تو فرعون نے بنی اسرائیل کو بہت شدید ایذائیں دینا شروع کر دیں اور بنی اسرائیل کہنے لگے: ﴿قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا

[1] تفسیر الطبری:194/11.

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿84﴾

اور موسیٰ نے کہا: اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر توکل کرو اگر تم فرماں بردار ہو ﴿84﴾ چنانچہ انھوں نے کہا:

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿85﴾ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ

ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا ہے۔اے ہمارے رب! تو ہمیں ظالم قوم کے ہاتھوں آزمائش میں نہ ڈال ﴿85﴾ اور تو ہمیں اپنی رحمت

مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿86﴾

کے ساتھ کافر قوم سے نجات دے ﴿86﴾

جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 129:7) ”وہ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ ہمارے پاس تمھارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور تمھارے آنے کے بعد بھی، موسیٰ علیہ السلام نے کہا: قریب ہے کہ تمھارا پروردگار تمھارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمھیں زمین میں خلیفہ بنائے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔“

حسبِ ذیل ارشادِ باری تعالیٰ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام بنی اسرائیل مومن ہی تھے۔ (دیکھیے آیت: 84)

تفسیر آیات: 84-86

موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو توکل علی اللہ کی ترغیب دی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿84﴾ ﴾ ”اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسا رکھو اگر تم (دل سے) فرمانبردار ہو۔“ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھے تو پھر اللہ اس کے لیے کافی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ۭ ﴾ (الزمر 36:39) ”کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟“ اور فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ ﴾ (الطلاق 3:65) ”اور جو اللہ پر بھروسا رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا۔“ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بہت سے مقامات پر عبادت اور توکل کا اکٹھے ذکر فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ ﴾ (ہود 123:11) ”چنانچہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر بھروسا رکھیں۔“ ﴿ قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا ۚ ﴾ (الملك 29:67) ”کہہ دیجیے کہ وہ (جو اللہ) رحمٰن ہے ہم اسی پر ایمان لائے اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔“ ﴿ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ○ ﴾ (المزّمّل 9:73) ”(وہی) مشرق و مغرب کا مالک ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ۔“ اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اس بات کا بھی حکم دیا ہے کہ وہ اپنی تمام نمازوں میں اس کے حضور اس بات کا اعتراف کیا کریں: ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۭ ﴾ (الفاتحة 5:1) ”(اے پروردگار!) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔“

چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کی اطاعت بجالاتے ہوئے عرض کی: ﴿ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ”ہم اللہ ہی پر بھروسا رکھتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں ظالم لوگوں کے لیے

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ

اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر بناؤ، اور تم اپنے گھروں کو قبلہ (رو) بناؤ اور نماز قائم کرو،

قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿87﴾

اور مومنوں کو خوشخبری دے دیجیے ﴿87﴾

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

اور موسیٰ نے کہا: اے ہمارے رب! بے شک تو نے فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کو دنیاوی زندگی میں شان وشوکت اور مال وزر دے رکھا

رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

ہے، اے ہمارے رب! تاکہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے بھٹکا دیں۔ اے ہمارے رب! ان کے مال وزر غارت کر دے اور ان کے دل سخت کر

فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿88﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

دے، پس وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب (نہ) دیکھ لیں ﴿88﴾ اللہ نے کہا: یقیناً تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے، چنانچہ تم دونوں

فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿89﴾

ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی مت کرو جو علم نہیں رکھتے ﴿89﴾

فتنہ نہ بنا۔'' یعنی انھیں ہمارے خلاف کامیابی نہ دے اور انھیں ہم پر مسلط نہ فرما تاکہ وہ اس گمان میں مبتلا نہ ہوں کہ وہ اس لیے ہم پر مسلط ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور ہم باطل پر ہیں اور اس طرح وہ دوسرے لوگوں کو بھی فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔ ابومجلز اور ابوضحیٰ نے بھی اس آیت کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔[1] امام عبدالرزاق نے مجاہد کا یہ قول بیان کیا ہے کہ انھیں ہم پر مسلط نہ فرما تاکہ وہ ہمیں فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔[2] ﴿ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ ﴾ ''اور تو ہمیں اپنی رحمت سے نجات بخش'' یعنی اپنی رحمت اور اپنے فضل وکرم کے ساتھ ہمیں نجات عطا فرما، ﴿ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿86﴾ ﴾ ''قوم کفار سے'' یعنی ان لوگوں سے جنھوں نے حق کے ساتھ کفر کیا اور اسے چھپایا جبکہ ہم تیرے ساتھ ایمان لے آئے ہیں اور تجھی پر بھروسا کیے ہوئے ہیں۔

تفسیر آیت:87

گھروں میں نماز ادا کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل کو کس طرح فرعون اور اس کی قوم سے نجات عطا فرمائی تھی۔ اس نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون علیہما السلام کو یہ حکم دیا کہ اپنے لوگوں کے لیے مصر میں گھر بناؤ، ﴿ وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ ''اور اپنے گھروں کو قبلہ (مسجدیں) ٹھہراؤ۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تھا کہ فرعونیوں کی موجودگی میں ہم اپنی نماز ادا نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اجازت عطا فرما دی کہ وہ اپنے گھروں ہی میں نماز ادا کر لیں اور اپنے گھروں ہی کو قبلہ بنا لیں۔[3] مجاہد نے ﴿ وَّاجْعَلُوْا

[1] تفسیر الطبری:197/11. [2] تفسیر الطبری:197/11 وتفسیر عبدالرزاق: 179/2، رقم:1170 میں ہے کہ وہ ''ہمیں قتل نہ کر دیں۔'' [3] تفسیر الطبری:200/11.

﴿ بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً ﴾ کی تفسیر میں یہ بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل نے جب یہ خوف محسوس کیا کہ فرعون کہیں انھیں کنیسوں میں نماز ادا کرتے ہوئے قتل ہی نہ کرا دے تو انھیں یہ حکم دے دیا گیا کہ وہ اپنے گھروں ہی کو قبلہ رخ مسجدیں قرار دے لیں اور ان میں چھپ کر نماز ادا کر لیا کریں، قتادہ اور ضحاک سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [1]

تفسیر آیات : 89,88

موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے بددعا: یہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے اس بددعا کا ذکر فرمایا ہے جو انھوں نے اس وقت کی تھی جب انھوں نے حق قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے عناد، دشمنی، سرکشی، بغاوت اور ظلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ضلالت اور کفر ہی پر اصرار کیا تھا تو موسیٰ نے بددعا کی: ﴿ رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! بے شک تو نے فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کو زینت دی ہے۔'' دنیا کے ساز وسامان سے نوازا ہے، ﴿ وَّ اَمْوَالًا ﴾ ''اور (بہت سا) مال وزر (دے رکھا ہے۔)'' ﴿ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا١ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ١ۚ ﴾ ''دنیا کی زندگی میں۔ ہمارے پروردگار! تاکہ وہ (لوگوں کو) تیری راہ سے گمراہ کر دیں۔'' بعض قراءتوں میں یہ لفظ [لِيَضِلُّوا] یا کے فتحہ کے ساتھ ہے ''تاکہ وہ گمراہ ہو جائیں۔'' یعنی تو نے انھیں یہ سب کچھ اس لیے دیا ہے، حالانکہ تو جانتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ ایمان نہیں لائیں گے جس کے ساتھ تو نے مجھے ان کی طرف بھیجا ہے مگر اس کے باوجود تو نے انھیں مہلت دیتے ہوئے (استدراجًا) دنیا کے ساز وسامان اور مال ومنال سے نواز رکھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ١ؕ ﴾ ''تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں۔'' (طٰہٰ 131:20)

دوسرے قراء نے اسے ﴿ لِيُضِلُّوْا ﴾ یا کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے، یعنی تاکہ تو نے ان کو جو دیا ہے، اس کے ذریعے وہ لوگ تیرے بندوں میں سے جن کو تو چاہے فتنہ میں ڈال دیں تاکہ جسے تو گمراہ کرنا چاہے وہ یہ خیال کرے کہ تو نے انھیں یہ دنیوی مال واسباب اس لیے دیا ہے کہ تجھے ان سے محبت اور ایک خاص تعلق ہے۔ ﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤى اَمْوَالِهِمْ ﴾ ''ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو برباد کر دے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿ اطْمِسْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اسے ہلاک کر دے۔ [2] ضحاک، ابو العالیہ اور ربیع کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کی اس بددعا کے نتیجے میں ان کے یہ مال اسی طرح منقوش پتھروں کی صورت میں تبدیل ہو گئے جس طرح ان کی پہلی حالت تھی۔ [3] ﴿ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر لگا دے۔ [4] ﴿ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ۝۸۸ ﴾ ''چنانچہ یہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ عذاب الیم دیکھ لیں۔''

موسیٰ علیہ السلام کی بددعا اور اس کی قبولیت: موسیٰ علیہ السلام نے یہ بددعا اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی وجہ سے فرعون اور اس کے ان

[1] تفسیر الطبری:11/200,201. [2] تفسیر الطبری:11/205. [3] تفسیر الطبری:11/204,205. [4] تفسیر الطبری:11/205.

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا، پھر فرعون اور اس کی فوجوں نے سرکشی اور ظلم کرتے ہوئے ان کا پیچھا کیا، حتی کہ جب اسے غرق ہونے

اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ

نے پالیا، تو پکار اٹھا: میں ایمان لاتا ہوں کہ بے شک اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں مسلمانوں میں سے

وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿90﴾ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿91﴾ فَالْيَوْمَ

ہوں ﴿90﴾ (اللہ نے فرمایا:) کیا اب (ایمان لاتا ہے؟) جبکہ تو پہلے نافرمان تھا اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا ﴿91﴾ چنانچہ آج ہم تجھے نجات دیں گے

نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا

تیرے بدن سمیت (تیرا جسم بچا کر سمندر سے باہر نکال پھینکیں گے)، تا کہ تو اپنے پیچھے والوں کے لیے نشان (عبرت) ہو، اور بے شک بہت سے لوگ

لَغٰفِلُوْنَ ﴿92﴾ ع

ع 9 10 14

ہماری نشانیوں سے البتہ غافل ہیں ﴿92﴾

سرداروں کے لیے کی تھی جن کے بارے میں واضح ہو گیا تھا کہ ان میں خیر و بھلائی کا کوئی شمہ باقی نہیں ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم پر یہ بددعا کی تھی: ﴿رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝﴾ (نوح 71:26,27) ''اے میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے، بے شک اگر تو ان کو رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور ان کی (آئندہ) اولاد بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔'' اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی اس بددعا کو جس پر ان کے بھائی ہارون نے بھی آمین کہی تھی، قبولیت سے نوازا اور فرمایا: ﴿قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا﴾ ''یقیناً تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی ہے۔'' یعنی تمھاری اس دعا کو ہم نے قبول کر لیا کہ آل فرعون کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ ﴿فَاسْتَقِيْمَا﴾ ''تو تم دونوں ثابت قدم رہنا۔'' یعنی جس طرح میں نے تمھاری دعا کو قبول کیا ہے، تم نے بھی میرے حکم پر ثابت قدم رہنا ہوگا۔ ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ثابت قدم رہنا اور میرے حکم کی اطاعت بجالاتے رہنا، اسی کو استقامت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 90-92

بنی اسرائیل کا نجات پانا اور آل فرعون کی غرقابی: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے لشکروں کو غرق کرنے کی کیفیت کو بیان فرمایا ہے۔ بنی اسرائیل جب موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں مصر سے نکل گئے اور جیسا کہ کہا گیا ہے کہ بچوں وغیرہ کو چھوڑ کر ان کے صرف جنگجوؤں کی تعداد اس وقت چھ لاکھ تھی۔ قبطیوں سے انھوں نے بہت سے زیورات مستعار لے رکھے تھے، انھیں بھی یہ اپنے ساتھ ہی لے گئے، بنی اسرائیل کے نکلنے سے فرعون کے غیض و غضب میں اور بھی بے پناہ اضافہ ہو گیا

[1] تفسیر الطبری: 209/11.

اور اس نے مختلف شہروں میں نقیب روانہ کر دیے تا کہ وہ اس کے لشکروں کو جمع کریں اور اس طرح فرعون بڑے کرّوفر اور لشکر ہائے جرار کے ساتھ بنی اسرائیل کے تعاقب میں نکلا۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ بھی اب ان سے اپنے ارادے ومشیت کے مطابق عمل کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے فرعون کی ساری سلطنت میں سے کوئی قابل ذکر شخص بھی ایسا نہ تھا جو اس موقع پر اس کے ساتھ شامل نہ ہوا ہو۔ یہ فرعونی لشکر طلوع آفتاب کے وقت بنی اسرائیل سے جا ملے۔

﴿ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۚ﴾ (الشعرآء 26:61) ''جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھی کہنے لگے: یقیناً ہم تو پکڑ لیے گئے۔'' اس لیے کہ وہ جب ساحلِ سمندر پر پہنچے تو فرعون ان کے پیچھے تھا اور اب اس کے بغیر اور کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا کہ دونوں فوجوں میں جنگ ہو، اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھیوں نے اصرار کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام سے یہ پوچھا کہ اب اس حال میں نجات کی کیا صورت ہوگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے تو حکم دیا گیا تھا کہ میں چل کر یہاں تک آ جاؤں۔ ﴿ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴾ (الشعرآء 26:62) ''ہرگز نہیں! بلاشبہ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے، وہ ضرور مجھے رستہ بتائے گا۔'' جب معاملہ تنگ ہو گیا تو اس میں وسعت اور کشادگی پیدا ہوگئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنا عصا سمندر پر ماریں، موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد باری تعالیٰ کی تعمیل کرتے ہوئے جب سمندر پر اپنے عصا کو مارا تو وہ (سمندر) پھٹ گیا۔ ﴿ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۚ﴾ (الشعرآء 26:63) ''چنانچہ (سمندر کا) ہر ٹکڑا ایک عظیم پہاڑ جیسا ہو گیا۔'' اور اس میں بارہ رستے بن گئے اور ہر خاندان کے لیے ایک الگ الگ رستہ تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہوا کو حکم دیا تو اس نے رستوں کی زمین کو خشک کر دیا۔ ﴿ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴾ (طٰہٰ 20:77) ''پھر ان کے لیے سمندر میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بنا دو، پھر تم کو نہ تو (فرعون کے) آ پکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔'' رستوں کے درمیان پانی نے پھٹ کر کھڑکیوں کی شکل اختیار کر لی تا کہ رستوں پر چلتے ہوئے ایک دوسرے کو دیکھ بھی لیں اور یہ گمان نہ کریں کہ شاید دوسرے لوگ ہلاک نہ ہو گئے ہوں۔

اس طرح بنی اسرائیل نے سلامتی کے ساتھ بحرِ قُلزُم کو عبور کر لیا اور جب آخری بنی اسرائیلی شخص بھی بحر قلزم سے باہر نکل گیا تو دوسری طرف فرعون اپنے لشکروں سمیت بحرِ قُلزُم کے ساحل پر پہنچ گیا۔ فرعون کے لشکر میں دیگر رنگوں کے علاوہ سیاہ رنگ کے ایک لاکھ گھوڑے تھے۔ اس نے جب یہ دیکھا تو گھبرا گیا، اور ڈر کر رک گیا اور ارادہ کیا کہ اب پیچھے واپس ہو جائے مگر اب کیسے لوٹ سکتا تھا، اب تو وہ تقدیر کی گرفت میں آ گیا تھا اور اس کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی بددعا قبول ہو چکی تھی۔

اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام گھوڑے کی خواہشمند، غیر حاملہ خوبصورت گھوڑی پر آئے اور وہ فرعون کے گھوڑے کے پاس سے گزرے، فرعون کا گھوڑا اس گھوڑی کو دیکھ کر ہنہنایا، جبریل علیہ السلام نے اپنی گھوڑی بحر قلزم میں ڈال دی، گھوڑا بھی اس کے پیچھے بحر قلزم میں کود پڑا اور فرعون اسے تھام نہ سکا مگر سرداروں کے سامنے اپنی بہادری کا تاثر دیتے ہوئے ان سے کہنے لگا: بنی اسرائیل اس سمندر کے ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہیں، لہٰذا سب کے سب اس سمندر میں داخل ہو گئے۔ پیچھے سے حضرت میکائیل علیہ السلام بھی

فرعون کے لشکر کو دھکیل رہے تھے انھوں نے ایک ایک شخص کو دھکیل دھکیل کر آگے کر دیا جب سب کے سب مکمل طور پر سمندر میں داخل ہو گئے اور ان میں سے سب سے آگے والا شخص سمندر سے نکلنے کے قریب تھا تو قدرتوں کے مالک اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دے دیا کہ وہ پھر سے جڑ جائے، سمندر جڑ گیا اور اس طرح ایک فرعونی بھی زندہ نہ بچ سکا، تمام کے تمام سمندر میں غرق ہو کر مر گئے، سمندر کی موجیں کبھی بلند اور کبھی پست ہو رہی تھیں، خصوصاً فرعون کے اوپر کی موجوں میں تو بہت زیادہ مدوجزر پیدا ہو گیا تھا اور اس پر سکرات موت طاری ہو رہی تھی اور اب وہ کہنے لگا: ﴿ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝۹۰ ﴾ ”میں ایمان لاتا ہوں کہ بے شک اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔“ فرعون اس وقت ایمان لایا جب ایمان لانا کچھ کام نہیں آتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ○ فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ ۚ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (المؤمن 85,84:40) ”پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس کا انکار کرتے ہیں، پھر جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ بھی فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی عادت (ہے) جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور اس (عذاب کے) موقع پر کافر گھاٹے میں پڑ کر رہ گئے۔“

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس بات کے جواب میں فرمایا: ﴿ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ ﴾ ”کہ اب (ایمان لاتا ہے) حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا۔“ یعنی اس وقت یہ بات کہتا ہے اور اس سے پہلے تو تو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہی کرتا رہا۔ ﴿ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ۝۹۱ ﴾ یعنی تو زمین میں فساد برپا کرتا رہا اور ان لوگوں میں شامل رہا جو لوگوں کو گمراہ کرتے رہے۔ ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ○ ﴾ (القصص 41:28) ”اور ہم نے انھیں (لوگوں کو) آگ کی طرف بلانے والے سرغنے بنا دیا اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔“ موت کے وقت کی اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی اس بات کو جو بیان فرمایا ہے تو یہ ان اسرارِ غیب میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو معلوم کروا دیے تھے۔

امام ابوداود طیالسی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ لِي جِبْرِيلُ: يَا مُحَمَّدُ! لَوْ رَأَيْتَنِي وَأَنَا آخُذُ مِنْ حَالِ الْبَحْرِ فَأَدُسُّهُ فِي فِي فِرْعَوْنَ مَخَافَةَ أَنْ تُدْرِكَهُ الرَّحْمَةُ] ”جبریل نے مجھ سے کہا: اے محمد (ﷺ!) کاش! آپ مجھے دیکھتے جب میں سمندر کی تہ سے گارا پکڑ کر اس (فرعون) کے منہ میں ٹھونس رہا تھا، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہو جائے۔“[1] امام ترمذی اور ابن جریر طبری نے بھی اس حدیث کو دوسری

[1] مسند أبي داود الطيالسي: 411/4، حديث: 2816.

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى

اور یقیناً ہم نے بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانا دیا اور ہم نے انھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا، پھر انھوں نے (باہم) اختلاف نہیں کیا حتی کہ ان

جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿93﴾

کے پاس علم آگیا۔ (اے نبی!) بے شک آپ کا رب ان کے درمیان روز قیامت ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿93﴾

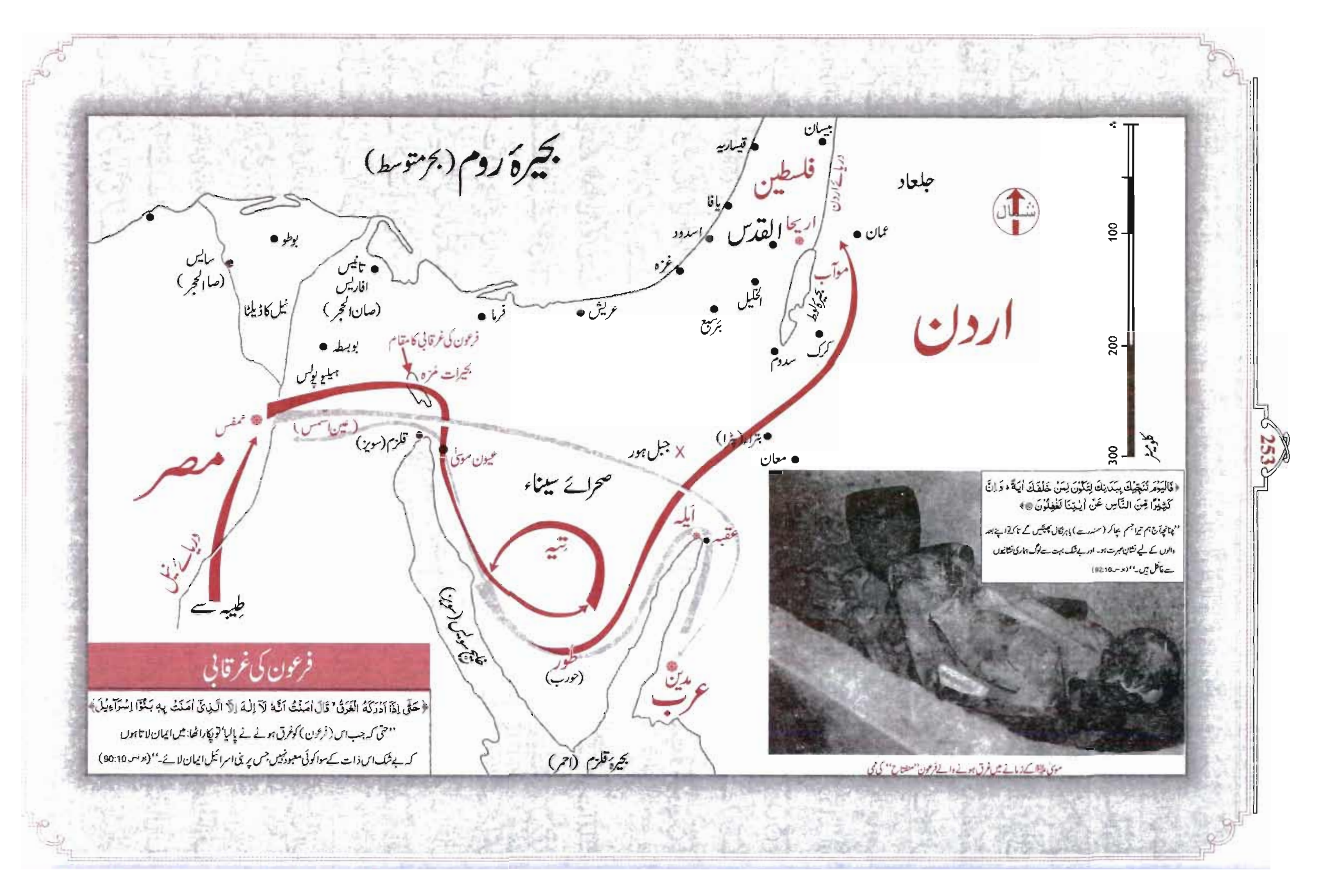
سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح قرار دیا ہے۔[1]

فرعون کا جسم نشانِ عبرت بنا دیا گیا: اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ ﴾ ’’تو آج ہم تیرے بدن کو بچا کر (سمندر سے) نکال لیں گے تاکہ تو پچھلوں کے لیے نشانِ عبرت ہو۔‘‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی سلف نے فرمایا ہے کہ بعض بنی اسرائیل کو فرعون کی موت کے بارے میں شک تھا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا کہ وہ اس کے جسم کو صحیح سلامت لیکن روح کے بغیر نکال دے، اس نے اس وقت اپنی مشہور زرہ پہن رکھی تھی، سمندر نے باہر نکال کر اسے ایک اونچی جگہ پر پھینک دیا تاکہ لوگوں کو اس کی موت اور ہلاکت کے بارے میں یقین ہو جائے[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ ﴾ یعنی آج ہم تجھے اونچی زمین پر ڈال دیں گے۔ ﴿ بِبَدَنِكَ ﴾ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بدن کے معنی جسم کے ہیں۔[3] ﴿ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ ﴾ یعنی تاکہ یہ بنی اسرائیل کے لیے تیری موت اور ہلاکت کی دلیل ہو اور بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، ہر جان دار کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی چیز اس کے غضب کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ وَإِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿92﴾ ﴾ ’’تاکہ تو پچھلوں کے لیے عبرت ہو اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔‘‘ اور وہ ان سے نصیحت اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔

فرعون کی ہلاکت عاشوراء کے دن ہوئی: فرعونیوں کی ہلاکت کا یہ واقعہ عاشوراء کے دن پیش آیا تھا جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں تشریف لائے تو یہودی عاشوراء کے دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا: [(مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِي تَصُومُونَهُ ؟) فَقَالُوا: هٰذَا يَوْمٌ ظَهَرَ فِيهِ مُوسٰى عَلٰى فِرْعَوْنَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ لِأَصْحَابِهِ : أَنْتُمْ أَحَقُّ بِمُوسٰى مِنْهُمْ فَصُومُوهُ] ’’تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا: اس دن موسیٰ علیہ السلام فرعون پر غالب آگئے تھے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے فرمایا: ان کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کے تم زیادہ حقدار ہو، لہٰذا تم بھی اس دن روزہ رکھا کرو۔‘‘[4]

---

[1] جامع الترمذی، التفسیر، باب ومن سورة یونس، حدیث: 3107 وتفسیر الطبری: 211/11. [2] تفسیر الطبری: 215,214/11. [3] تفسیر الطبری: 215/11. [4] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ الْبَحْرَ ...... ﴾ (یونس 10:90)......، حدیث: 4680 البتہ حدیث کا پہلا جز صحیح مسلم، الصیام، باب صوم یوم عاشوراء، حدیث: 1130-(128) کے مطابق ہے۔



فرعون کی غرقابی

﴿حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ﴾

"حتی کہ جب اس (فرعون) کو غرق ہونے نے پا لیا تو پکار اٹھا: میں ایمان لاتا ہوں کہ بے شک اس ذات کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔" (یونس 10:90)

﴿فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ﴾

"چنانچہ آج ہم تیرا جسم بچا کر (سمندر سے) باہر نکال پھینکیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے نشانِ عبرت ہو۔ اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔" (یونس 10:92)

موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں غرق ہونے والے فرعون "منفتاح" کی ممی

تفسیر آیت :93

بنی اسرائیل کو عمدہ جگہ اور پاکیزہ رزق ملنا: اللہ تعالیٰ اپنی ان دنیوی واخروی نعمتوں کا ذکر فرما رہا ہے جن سے اس نے بنی اسرائیل کو نوازا تھا۔ ﴿ مُبَوَّاَ صِدۡقٍ ﴾ ''عمدہ جگہ'' سے مراد بلاد مصر وشام، بیت المقدس اور اس کے گردونواح کے علاقے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرعون اور اس کے تمام لشکروں کو ہلاک کر دیا تو تمام بلاد مصر پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حکومت قائم ہوگئی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَوۡرَثۡنَا الۡقَوۡمَ الَّذِیۡنَ کَانُوۡا یُسۡتَضۡعَفُوۡنَ مَشَارِقَ الۡاَرۡضِ وَ مَغَارِبَهَا الَّتِیۡ بٰرَکۡنَا فِیۡهَا ؕ وَ تَمَّتۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ الۡحُسۡنٰی عَلٰی بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ۬ۙ بِمَا صَبَرُوۡا ؕ وَ دَمَّرۡنَا مَا کَانَ یَصۡنَعُ فِرۡعَوۡنُ وَ قَوۡمُهٗ وَ مَا کَانُوۡا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾ ﴾ (الأعراف 137:7) ''اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے، ان کو زمین (شام) کے مشرق ومغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی، وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (کارخانے) بناتے اور (محلات کی عمارتیں) اُٹھاتے تھے، سب کو ہم نے تباہ کر دیا'' اور دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَاَخۡرَجۡنٰهُمۡ مِّنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿ۙ۵۷﴾ وَّ کُنُوۡزٍ وَّ مَقَامٍ کَرِیۡمٍ ﴿ۙ۵۸﴾ کَذٰلِکَ ؕ وَ اَوۡرَثۡنٰهَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ۵۹﴾ ﴾ (الشعرآء 26:57-59) ''تو ہم نے ان (فرعونیوں) کو باغوں اور چشموں سے نکال دیا اور خزانوں اور نفیس مکانات سے (ان کے ساتھ ہم نے) اسی طرح (کیا) اور ان چیزوں کا وارث بنی اسرائیل کو کر دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ کَمۡ تَرَکُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوۡنٍ ﴿ۙ۲۵﴾ ﴾ (الدخان 25:44) ''وہ لوگ بہت سے باغات اور چشمے چھوڑ گئے۔''

لیکن اس کے بعد ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی معیت میں بلاد بیت المقدس کا رخ کیا کیونکہ یہ علاقے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے تھے، اس لیے موسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں سمیت بیت المقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ ان دنوں بیت المقدس پر قوم عمالقہ کی حکومت تھی، چنانچہ بنی اسرائیل نے ان کے خلاف جہاد کرنے سے انکار کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے بطور سزا انھیں صحرا میں بھیج دیا جہاں یہ چالیس سال تک بھٹکتے پھرے، اسی صحرا ہی میں پہلے حضرت ہارون، پھر حضرت موسیٰ علیہما السلام نے بھی انتقال فرمایا۔ یہ لوگ حضرت ہارون وموسیٰ علیہما السلام کی وفات کے بعد یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں اس صحرا سے باہر نکلے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں بیت المقدس پر فتح عطا فرما دی اور اس طرح ایک عرصے تک بیت المقدس پر انھی لوگوں کا قبضہ رہا۔

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ رَزَقۡنٰهُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ ﴾ ''اور ہم نے انھیں (کھانے کو) پاکیزہ چیزیں عطا کیں۔'' ایسا حلال، طیب اور نافع رزق عطا کیا جو طبعی اور شرعی دونوں اعتبار سے بہت پاکیزہ تھا۔

فرقہ بندیاں: اور فرمایا: ﴿ فَمَا اخۡتَلَفُوۡا حَتّٰی جَآءَهُمُ الۡعِلۡمُ ؕ ﴾ ''پس انھوں نے اپنے پاس علم آجانے کے بعد اختلاف کیا۔'' یعنی علم آنے کے بعد انھوں نے مسائل میں اختلاف کیا، حالانکہ انھیں اختلاف نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حق کو واضح کر کے ہر قسم کے شک وشبہ کو دور کر دیا تھا۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ الْيَهُودَ اخْتَلَفُوا عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَّإِنَّ النَّصَارٰى اخْتَلَفُوا عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً ، وَّسَتَفْتَرِقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ

فَإِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

پھر اگر آپ (اس کتاب کے متعلق) شک میں ہوں جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تو ان لوگوں سے پوچھیے جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں،

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿94﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ

یقیناً آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں ﴿94﴾ اور آپ ہرگز ان لوگوں میں سے نہ

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿95﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ

ہوں جنھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا، ورنہ آپ خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے ﴿95﴾ بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب

رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿97﴾

کا حکم (عذاب) صادر ہو چکا وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿96﴾ خواہ ان کے پاس ساری نشانیاں آ جائیں، حتی کہ وہ دردناک عذاب (بھی) دیکھ لیں ﴿97﴾

فِرْقَةً ، مِّنْهَا وَاحِدَةٌ فِي الْجَنَّةِ ، وَاثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ، قِيلَ: مَنْ هُمْ يَارَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي] ''بے شک یہودی آپس میں اختلاف کرتے ہوئے اکہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور عیسائی آپس میں اختلاف کرتے ہوئے بہتر فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور (ہماری) یہ امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور ان میں سے صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا اور بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے، عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! وہ کون ہوں گے؟ فرمایا: وہ جن کا عمل اس کے مطابق ہوگا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔'' امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''مستدرک'' میں انھی الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔[1] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿93﴾ ﴾ ''بے شک آپ کا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔''

تفسیر آیات :94-97

سابقہ کتابوں میں قرآن مجید کی تصدیق: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾ (الأعراف 157:7) ''وہ لوگ جو اس رسول امی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' اپنی کتابوں کے اس علم کی روشنی میں اللہ

[1] المستدرك للحاكم، العلم، فصل في توقير العالم: 129/1، حديث: 444 میں یہ الفاظ ہیں: [...... إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقُوا عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ مِلَّةً، وَّتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَّاحِدَةً، فَقِيلَ لَهُ: مَا الْوَاحِدَةُ ؟ قَالَ: مَاأَنَا عَلَيْهِ الْيَوْمَ وَأَصْحَابِي] عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ۔ جبکہ مستدرک حاکم کے متداولہ نسخوں میں بالخصوص اور ہمارے ہاں مُیسر کتب حدیث میں بالعموم ابن کثیر کے ذکر کردہ الفاظ کے مطابق روایت ہمیں نہیں ملی، اور اس بات کا بھی قوی احتمال ہے کہ بهذا اللفظ ''اس لفظ کے ساتھ۔'' سے ابن کثیر کی مراد حدیث کا آخری جملہ ہو، یعنی [مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي] جو مستدرک میں [اليوم] کے اضافے کے ساتھ اور جامع الترمذي، الإيمان ، باب ماجاء في افتراق هذه الأمة، حديث: 2641 اس کے بغیر ہے جبکہ دیگر کتب حدیث میں [وَهِيَ الْجَمَاعَةُ] کے الفاظ کے ساتھ نقل ہے، دیکھیے مسند أحمد: 102/4 و سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث: 4596.

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ۭ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا

پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی کہ وہ (عذاب سے پہلے) ایمان لائی ہو، پھر اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو، سوائے قوم یونس کے۔ جب وہ ایمان

عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿98﴾

لے آئے تو ہم نے ان سے دنیاوی زندگی میں ذلت کا عذاب ٹال دیا، اور ہم نے ایک (مقرر) وقت تک انھیں (اس سے) فائدہ (اٹھانے) دیا﴿98﴾

کے نبی کو یہ اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے مگر اس کے باوجود تسلیم نہیں کرتے تھے بلکہ تحریف و تبدیلی سے کام لیتے اور آپ پر ایمان نہیں لاتے تھے، حالانکہ ان پر حجت قائم ہو چکی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿96﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿97﴾ ﴾ ”بے شک جن لوگوں کے بارے میں آپ کے رب کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ عذاب الیم (نہ) دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس (ہر طرح کی) نشانی آ جائے۔“ یعنی ان کا ایسا ایمان نہیں ہوگا جو ان کے لیے مفید ہو بلکہ اس وقت کسی کا ایمان لانا اس کے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون اور اس کے سرداروں کے لیے بددعا کی تو کہا تھا: ﴿ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓي اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:88) ”اے ہمارے پروردگار! ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے، چنانچہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک عذاب الیم (نہ) دیکھ لیں۔“ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:111) ”اور اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیتے اور مردے ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے۔ ہاں، مگر اللہ ایسا چاہتا۔ اور لیکن ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (دیکھیے آیت: 98)

تفسیر آیت: 98

نزولِ عذاب کے وقت ایمان لانے نے قوم یونس کے سوا اور کسی کو فائدہ نہیں دیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سابقہ امتوں میں سے جن کی طرف اے نبی! ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں کو بھیجا تھا، کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ مکمل طور پر ایمان لے آتی بلکہ ہر بستی کے تمام یا اکثر لوگوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب ہی کی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰحَسْرَةً عَلَي الْعِبَادِ ۚ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:30) ”بندوں پر افسوس! کہ ان کے پاس جو بھی رسول آتا رہا وہ اس کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔“ اور فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ ﴾ (الذّٰریٰت 51:52) ”اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو جادوگر یا دیوانہ کہتے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا عَلٰٓي اُمَّةٍ وَّاِنَّا

عَلٰۤی اٰثٰرِهِمۡ مُّقۡتَدُوۡنَ ﴿ (الزخرف 23:43) ''اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے متکبر خوش حال لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور بے شک ہم قدم بقدم انھی کے پیچھے چلتے ہیں۔''

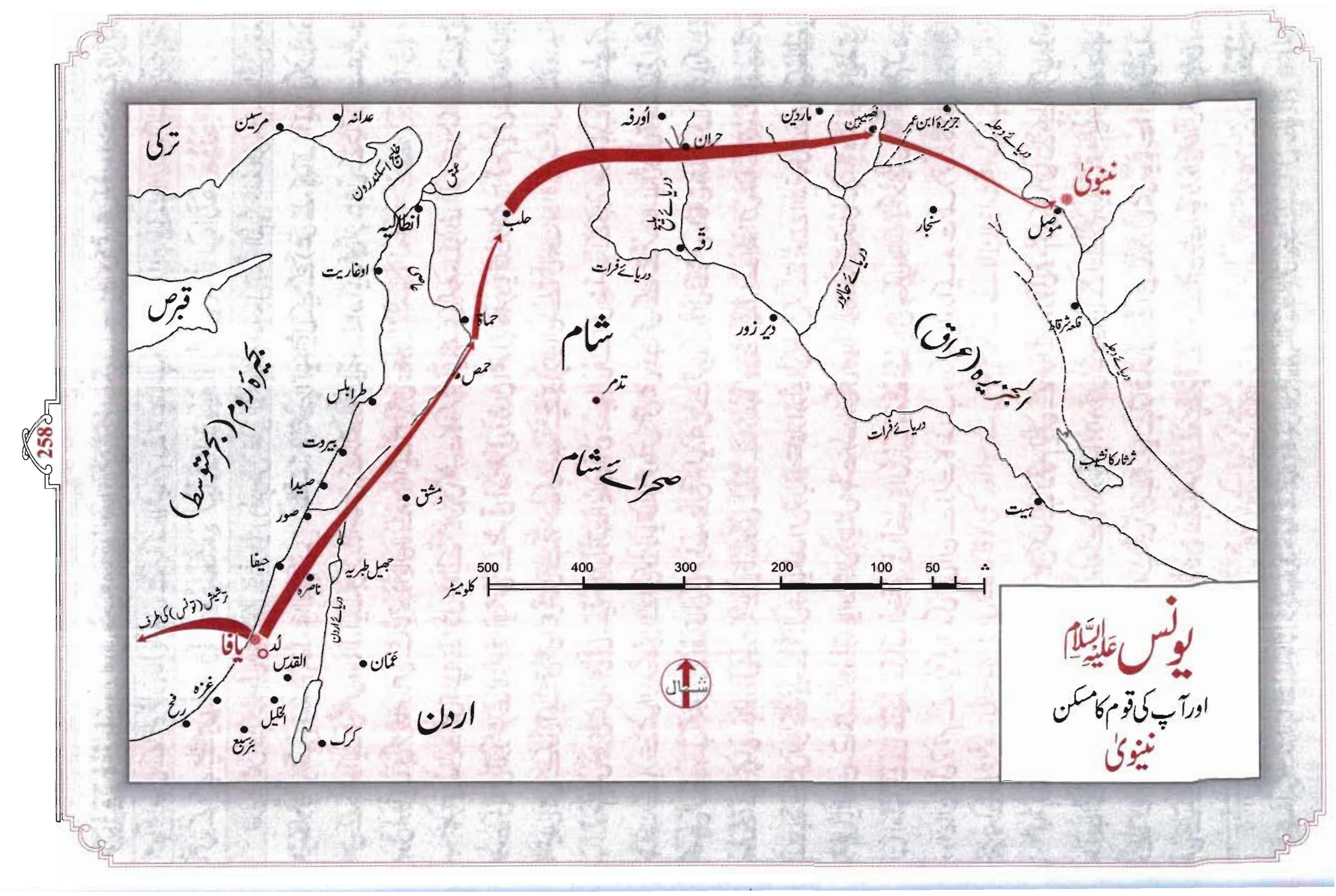
حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(عُرِضَ عَلَیَّ الْأَنْبِیَاءُ) فَجَعَلَ یَمُرُّ النَّبِیُّ مَعَهُ الرَّجُلُ، وَالنَّبِیُّ مَعَهُ الرَّجُلَانِ، وَالنَّبِیُّ مَعَهُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِیُّ لَیْسَ مَعَهُ أَحَدٌ] ''مجھ پر انبیاء پیش کیے گئے (میں نے دیکھا کہ) ایک نبی گزرتا اور اس کے ساتھ ایک ہی شخص ہوتا اور ایک نبی گزرتا اور اس کے ساتھ دو شخص ہوتے اور ایک نبی گزرتا اس کے ساتھ ایک جماعت ہوتی اور ایک نبی گزرتا اور اس کے ساتھ (ایمان لانے والا) ایک شخص بھی نہ ہوتا۔''[1]

پھر اسی حدیث میں آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے متبعین کی کثرت کا ذکر فرمایا، پھر نبیٔ اکرم صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَیْهِ نے اپنی امت کی اس قدر کثرت کا ذکر فرمایا جس نے مشرقی اور مغربی دونوں افقوں کو بھر دیا تھا۔ الغرض! قوم یونس کے سوا سابقہ بستیوں میں سے کوئی ایک بستی بھی ایسی نہیں ہے جو سب کی سب اپنے نبی پر ایمان لے آئی ہو۔

قوم یونس نینوی میں رہتی تھی۔ یہ قوم اس وقت ایمان لائی جب اس نے اس عذاب کے آثار اور اسباب دیکھ لیے جس عذاب کے بارے میں ان کے نبی نے ان کو ڈرایا تھا اور خود اس بستی میں سے نکل گئے تھے مگر عذاب الٰہی کی آمد کے اثرات کو محسوس کر کے جب انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا، اس سے فریاد کی، اس کے حضور الحاح وزاری کی اور فریاد کرتے ہوئے اپنے بچوں، جانوروں اور مویشیوں تک کو بھی لے آئے اور دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! اس عذاب کو دور فرما دے جس کے بارے میں ان کے نبی نے انھیں ڈرایا تھا۔ اس توبہ واستغفار اور ایمان کو قبول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے حال پر رحم فرمایا اور ان سے عذاب کو دور فرما دیا اور انھیں دنیا میں مہلت دے دی گئی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا قَوۡمَ یُوۡنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا کَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡیِ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَ مَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۹۸﴾ ''مگر یونس علیہ السلام کی قوم کہ جب وہ ایمان لائی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فوائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مند رکھا۔''

امام قتادہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ قوم یونس کے سوا ایسی اور کوئی قوم نہیں کہ اس نے پہلے کفر کیا ہو اور عذاب الٰہی کو دیکھنے کے بعد ایمان لائی ہو اور اسے چھوڑ دیا گیا ہو اور اس کے ایمان نے اسے نفع دیا ہو۔ قوم یونس نے جب یہ دیکھا کہ ان کے نبی موجود نہیں ہیں اور عذاب الٰہی قریب آ گیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ اب ان کے لیے توبہ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے تو انھوں نے پھٹے پرانے کپڑے پہن لیے، جانوروں کو ان کے بچوں سے

[1] اس کا پہلا حصہ المعجم الکبیر للطبرانی: 241/18، حدیث: 605 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے اور باقی حصہ صحیح البخاری، الطب، باب من لم یرق، حدیث: 5752 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق ہے۔


یونس علیہ السلام
اور آپ کی قوم کا مسکن
نینویٰ
ترکی
مرسین
عدانہ
خلیج اسکندرون
انطاکیہ
اوغاریت
قبرص
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
طرابلس
بیروت
صیدا
صور
حیفا
ناصرہ
جھیل طبریہ
دریائے اردن
ترشیش (تونس) کی طرف
یافا
لد
القدس
الخلیل
غزہ
رفح
بئر سبع
کرک
عمان
اردن
دمشق
حمص
حماۃ
حلب
شام
تدمر
صحرائے شام
رقہ
دریائے فرات
حران
اورفہ
ماردین
نصیبین
جزیرۂ ابن عمر
دریائے دجلہ
نینویٰ
موصل
سنجار
دیر زور
دریائے خابور
الجزیرہ (عراق)
قلعہ شرقاط
ثرثار کا نشیب
ہیت
شمال
کلومیٹر
500
400
300
200
100
50

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو جو لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب، سارے ہی ایمان لے آتے، پھر کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ

يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ

مومن ہو جائیں؟ (99) اور کسی شخص کے لیے (ممکن) نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے، اور وہ (اللہ) ان لوگوں پر پلیدی (عذاب) ڈال

عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۞

دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے (100)

الگ کر دیا اور چالیس دن اللہ تعالیٰ کے سامنے فریادیں کرتے رہے جب اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ اپنی سابقہ کوتاہیوں کی تلافی کے لیے صدق دل سے توبہ اور ندامت کا اظہار کر رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سروں پر منڈلاتے ہوئے عذاب کو دور فرما دیا۔ امام قتادہ رحمہ اللہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ قوم یونس موصل کی بستی نینوٰی کی رہنے والی تھی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، مجاہد، سعید بن جبیر رحمہ اللہ اور کئی ایک ائمۂ سلف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

تفسیر آیات: 100,99

اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایمان پر مجبور نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ﴾ ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا'' تو اے نبی! آپ کے آنے کے بعد آپ کا رب تمام روئے زمین کے لوگوں کو اجازت دے دیتا اور وہ سب کے سب آپ پر ایمان لے آتے لیکن اس کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور موجود ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝﴾ (ھود 11:118,119) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو یقیناً تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت بنا دیتا لیکن وہ ہمیشہ (باہم) اختلاف کرتے رہیں گے، سوائے ان لوگوں کے جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اسی لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں، سب سے بھر دوں گا۔'' اور فرمایا: ﴿اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ﴾ (الرعد 13:31) ''تو کیا مومنوں نے نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے رستے پر چلا دیتا۔''

ہدایت نہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں ہے اور نہ ہی آپ کے ذمے ہے: یہاں فرمایا ہے: ﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۞﴾ یعنی کیا پھر آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتی کہ وہ مومن ہو جائیں؟ یہ نہ آپ کا حق ہے اور نہ یہ آپ پر فرض ہے بلکہ یہ تو اللہ رب ذوالجلال کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ ﴿يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۖ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ﴾ (فاطر 35:8) ''چنانچہ وہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے، لہٰذا ان

[1] تفسیر الطبری: 11/221-223.

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: دیکھو (اور غور کرو) جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، اور نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں دیتے جو ایمان

لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿101﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ

نہیں لاتے ﴿101﴾ تو یہ لوگ بھی (گویا) ان لوگوں کے سے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزر ے۔ کہہ دیجیے: پھر تم انتظار کرو،

فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿102﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں ﴿102﴾ پھر ہم نجات دیتے ہیں اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اسی

كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ ع

طرح ہم پر لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں ﴿103﴾

10 ع 11 15

لوگوں پر افسوس کرتے ہوئے آپ کی جان نہ جاتی رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ (البقرۃ 2:272) ''(اے نبی!) آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:3) ''(اے پیغمبر!) شاید اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے آپ خود کو ہلاک ہی کرلیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ ﴾ (القصص 28:56) ''(اے نبی!) بے شک جس کو آپ پسند کرتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ ﴾ (الرعد 13:40) ''آپ کا کام تو صرف (ہمارے احکام) پہنچا دینا ہے اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ ﴾ (الغاشیۃ 88:21،22) ''چنانچہ آپ نصیحت کرتے رہیں، آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہی ہیں، آپ ان پر داروغے نہیں ہیں۔''

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے وہی کرتا ہے، وہ جسے چاہے ہدایت عطا فرمائے اور اپنے علم و حکمت اور عدل کی وجہ سے جسے چاہے ہدایت سے محروم رکھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿100﴾ ﴾ ''اور کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے اور وہ (اللہ) ان لوگوں پر پلیدی (عذاب) ڈال دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔'' ان پر وہ ذلت اور ضلالت کی نجاست ڈال دیتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے دلائل و براہین کو نہیں سمجھتے جبکہ اس کی ذات گرامی سراپا عدل ہے، خواہ وہ کسی کو ہدایت عطا فرمائے یا اس سے محروم رکھے۔

تفسیر آیات: 101-103

آسمانوں اور زمین کی تخلیق میں غور کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی ہے کہ وہ اس کی نعمتوں کے بارے میں غور کریں اور دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں عقل والوں کے لیے کس قدر روشن دلائل مہیا فرما رکھے ہیں، مثلاً: آسمانوں میں روشن نجوم و کواکب (جو) ثابت و سیارہ ہیں، شمس و قمر، رات اور دن اور ان کا ایک دوسرے کے بعد آنا

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ شَكٍّ مِّنۡ دِيۡنِىۡ فَلَاۤ اَعۡبُدُ الَّذِيۡنَ تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ

کہہ دیجیے: اے لوگو! اگر تم میرے دین سے (متعلق) شک میں ہو تو میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، لیکن میں تو

اللّٰهِ وَلٰـكِنۡ اَعۡبُدُ اللّٰهَ الَّذِىۡ يَتَوَفّٰٮكُمۡ ‌ۖۚ وَاُمِرۡتُ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَۙ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنۡ اَقِمۡ

اللہ کی عبادت کرتا ہوں وہ جو تمھیں وفات دیتا ہے اور مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہو جاؤں ﴿104﴾ اور یہ کہ آپ یکسو ہو کر

وَجۡهَكَ لِلدِّيۡنِ حَنِيۡفًا ۚ وَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدۡعُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اپنا چہرہ دین (اسلام) کی طرف سیدھا رکھیں اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں ﴿105﴾ اور آپ اللہ کے سوا انھیں مت پکاریں جو نہ آپ کو نفع دے سکتے

مَا لَا يَنۡفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنۡ فَعَلۡتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاِنۡ

ہیں اور نہ آپ کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، پھر اگر آپ نے ایسا کیا تو بے شک آپ بھی اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے ﴿106﴾ اور اگر اللہ آپ کو کوئی

يَّمۡسَسۡكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ‌ ۚ وَاِنۡ يُّرِدۡكَ بِخَيۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِهٖ‌ ؕ

تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی بھی اسے دور کرنے والا نہیں، اور اگر اللہ آپ کے ساتھ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو کوئی بھی اس کے فضل کو رد

يُصِيۡبُ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ‌ ؕ وَهُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِيۡمُ‏ ﴿۱۰۷﴾

کرنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس (فضل) سے نوازتا ہے، اور وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے ﴿107﴾

جانا، پھر ایک کا دوسرے میں داخل ہونا اور گھٹنا بڑھنا اور آسمان کی بلندی، وسعت اور حسن و زینت اور آسمان سے اللہ تعالیٰ کا بارش نازل فرما کر مردہ زمین کو زندہ کر دینا اور اس سے مختلف انواع و اقسام کے پھلوں، فصلوں، پھولوں اور جڑی بوٹیوں کو پیدا فرمانا، پھر زمین میں مختلف شکلوں، رنگوں اور فائدوں پر مشتمل جانوروں کا پیدا فرمانا اور زمین میں پہاڑوں، میدانوں، جنگلوں، آبادیوں اور صحراؤں کے یہ وسیع و عریض سلسلے اور دریاؤں اور سمندروں کی موجیں اور ان کے عجائبات اور اس کے باوجود ان کا دریاؤں اور سمندروں میں سفر کرنے والوں کے لیے مسخر ہونا اور ان کی کشتیوں کو اٹھانا اور انھیں سہولت اور آسانی کے ساتھ (ساحلِ مراد تک) چلانا، یہ سب کچھ اس قادر و قدیر ذات گرامی کی قدرت کاملہ ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں جس کے سوا اور کوئی نہ معبود ہے اور نہ پروردگار۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا تُغۡنِى الۡاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنۡ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ ﴾ ”اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے، ان کو نشانیاں اور ڈراوے کچھ فائدہ نہیں دیتے۔“ یعنی جو لوگ ایمان نہیں لاتے، ان کے نہ تو یہ زمین و آسمان کی نشانیاں ہی کام آتی ہیں اور نہ وہ آیات اور دلائل و براہین ہی کچھ کام آتے ہیں جو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی صداقت کی دلیل ہوتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيۡنَ حَقَّتۡ عَلَيۡهِمۡ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۙ ﴾ (یونس 96:10) ”بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“ ﴿ فَهَلۡ يَنۡتَظِرُوۡنَ اِلَّا مِثۡلَ اَيَّامِ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ‌ ؕ ﴾ ”تو یہ لوگ بھی (گویا) ان لوگوں کے سے دنوں کا انتظار کر رہے ہیں جو ان سے پہلے گزرے۔“ یعنی اے نبی! آپ کی تکذیب کرنے والے یہ لوگ کیا اس طرح کی سزاؤں اور عذابوں کا انتظار کر رہے ہیں جس طرح کی سزاؤں اور عذابوں

قُلْ يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ

کہہ دیجیے: اے لوگو! یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے، چنانچہ جس (شخص) نے ہدایت پائی تو یقیناً وہ اپنے ہی لیے

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿108﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى

ہدایت پاتا ہے، اور جس نے گمراہی اختیار کی تو یقیناً وہ اپنے ہی لیے گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور میں تمھارا وکیل نہیں ہوں ﴿108﴾ اور آپ کی طرف جو

اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿109﴾

وحی کی جاتی ہے آپ اس کی اتباع کیجیے، اور صبر کیجیے، حتی کہ اللہ فیصلہ کر دے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿109﴾

میں وہ قومیں مبتلا ہوئی تھیں جنھوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی۔ ﴿ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿102﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''کہہ دیجیے: پھر تم بھی انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور مومنوں کو نجات دیتے رہیں گے۔'' ﴿ كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿103﴾ ﴾ ''اسی طرح ہم پر لازم ہے کہ ہم مومنوں کو نجات دیں۔'' یہ وہ حق ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی پر واجب قرار دے رکھا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ ﴾ (الأنعام 54:6) ''تمھارے رب نے اپنی ذات (پاک) پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔''

تفسیر آیات: 104-107

اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اسی پر توکل کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ یہ اعلان فرما دیں کہ اے لوگو! اگر تمھیں اس دین حنیف کے بارے میں ذرہ بھر بھی شک ہے جسے میں تمھارے پاس لایا ہوں اور جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کے ذریعے سے بھیجا ہے تو سن لو! جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا کیونکہ میں تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرتا ہوں۔ وہی تم پر موت طاری کرے گا جس طرح اس نے تمھیں پیدا فرمایا ہے۔ اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اگر تمھارے یہ معبود جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، سچے ہیں تو میں اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت نہیں کر سکتا۔ اگر یہ کچھ طاقت رکھتے ہیں تو تم انھیں کہو کہ یہ مجھے نقصان پہنچائیں لیکن یہ تو کسی نفع و نقصان کے مالک ہی نہیں ہیں، نفع و نقصان تو صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں میں ہو جاؤں۔'' ﴿ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ ﴾ ''اور یہ کہ آپ اپنا رخ یکسو ہو کر دین (اسلام) کی طرف سیدھا رکھیں۔'' یعنی شرک سے کنارہ کش ہو کر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں۔ ﴿ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿105﴾ ﴾ ''اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہوں۔'' یہ جملہ ﴿ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ پر عطف ہے۔

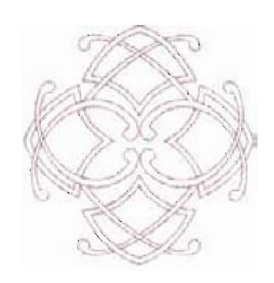
ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ ...... ﴾ الآیۃ ''اور اگر اللہ آپ کو کوئی تکلیف پہنچائے......'' اس جملے میں اس کی مزید تفصیل بیان کی جا رہی ہے کہ خیر و شر اور نفع و نقصان صرف اللہ وحدہ لاشریک کے قبضۂ اختیار میں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، لہٰذا صرف اسی وحدہ لاشریک کی ذات گرامی عبادت کی مستحق ہے، اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَهُوَ الْغَفُوْرُ

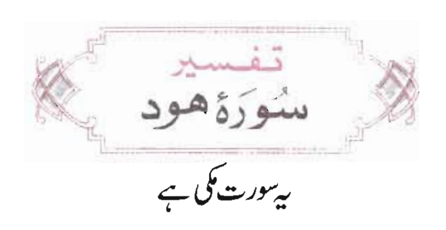
﴿ الرَّحِیْمُ ﴾ ''اور وہ نہایت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' یعنی (ان لوگوں کو) جو اس کے حضور صدقِ دل سے توبہ کر لیں، خواہ انھوں نے کتنا بڑا گناہ کیا ہو حتی کہ شرک کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا ہو تو وہ ان کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔

تفسیر آیات: 109,108

انبیائے کرام علیہم السلام بھی وحیٔ الٰہی کے تابع ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس جو دین آیا وہی حق ہے، اس میں قطعًا کوئی شک وشبہ نہیں ہے، لہٰذا جو اس سے ہدایت حاصل کرے اور اس کی اتباع کرے تو اس کا اسے ہی فائدہ حاصل ہوگا اور جو گمراہی اختیار کرے تو گمراہی کا وبال بھی اسی پر ہوگا۔ ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ﴾ ''اور میں تم پر نگران نہیں ہوں۔'' مجھے تم پر اس طرح مسلط نہیں کیا گیا کہ تم ضرور ایمان لاؤ بلکہ میرا کام تو تمھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرا دینا ہے اور تمھیں ہدایت دینا یا نہ دینا یہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ وَاصْبِرْ ﴾ ''اور (اے پیغمبر!) آپ کو جو حکم بھیجا جاتا ہے، اسی کی پیروی کیجیے اور (تکلیفوں پر) صبر کریں۔'' اللہ تعالیٰ نے آپ پر جس دین کو نازل کیا اور وحی فرمایا ہے، اسے مضبوطی سے تھام لیں اور مخالفت کرنے والے لوگوں کی مخالفت پر صبر کریں۔ ﴿ حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔'' یعنی آپ کے اور ان کے درمیان۔ ﴿ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴾ ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' یعنی اپنے عدل وحکمت کے ساتھ بہترین فتح عطا کرنے والا ہے۔





یہ سورت مکی ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ قف كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا

الٓرٰ، (یہ وہ) کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر تفصیل سے بیان کی گئی ہیں، بڑی حکمت والے، بہت خبر رکھنے والے کی طرف سے ① یہ کہ تم

اللّٰهَ ط اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ

اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک میں تمھارے لیے اسی کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں ② اور یہ کہ تم اپنے رب سے

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ

بخشش مانگو، پھر تم اسی کی طرف توبہ کرو، وہ تمھیں بہت اچھا فائدہ دے گا ایک مقرر وقت تک، اور ہر صاحبِ فضل کو اس کا فضل بخشے گا۔ اور اگر تم منہ موڑو

اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ③ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ج وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ④

گے تو بے شک میں تم پر ایک بڑے (ہولناک) دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ③ تمھارا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ④

اس سورت نے نبیِ اکرم ﷺ کو بوڑھا کر دیا: امام ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ تو بوڑھے ہو گئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: [شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَّالْوَاقِعَةُ وَالْمُرْسَلَاتُ وَ ﴿عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ وَ ﴿اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾] ''سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، سورۂ نبا اور سورۂ تکویر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے۔''[1] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [شَيَّبَتْنِي هُودٌ وَّأَخَوَاتُهَا] ''مجھے ہود اور اس جیسی دیگر سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔''[2]

تفسیر آیات :1-4

قرآن پاک کی آیات محکم اور مفصل ہیں: حروف مقطعات کے بارے میں اللہ کی توفیق سے سورۂ بقرہ کے آغاز میں بحث ہو چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾

① جامع الترمذي، تفسير القرآن......، باب ومن سورة الواقعة، حديث:3297. ② مجمع الزوائد، التفسير، سورة هود ﷺ:37/7، حديث:11073 عن عقبة بن عامر رضي الله عنه.

''یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر بالتفصیل بیان کر دی گئی ہیں۔'' یعنی قرآن مجید کی آیات کریمہ الفاظ کے اعتبار سے محکم اور معانی کے اعتبار سے مفصل ہیں، یعنی صوری و معنوی ہر اعتبار سے کامل ہیں۔ امام مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ سے ان الفاظ کے یہی معنی مروی ہیں اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی انھی کو اختیار کیا ہے۔[1] ﴿ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ① ﴾ ''اللہ بڑی حکمت والے، خوب خبر رکھنے والے کی طرف سے۔'' یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو اپنے اقوال و احکام میں حکیم ہے اور تمام امور و معاملات کے انجام سے باخبر ہے۔

قرآن مجید اور دعوتِ توحید: ﴿ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔'' یعنی یہ محکم و مفصل قرآن مجید اس لیے نازل ہوا ہے تاکہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○ ﴾ (الأنبيآء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا تم میری ہی عبادت کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور طاغوت (بتوں وغیرہ کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

معلم کائنات ﷺ بحیثیت بشیر و نذیر: فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ② ﴾ ''بے شک میں اسی کی طرف سے تم کو ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔'' یعنی اگر تم نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کی تو میں تمھیں اس کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور اگر تم نے اس کی اطاعت کی تو میں تمھیں اجر و ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کوہِ صفا پر تشریف لے گئے اور آپ نے درجہ بدرجہ قریب کے تمام قبائلِ قریش کو دعوت دی جب وہ جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا: [يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَيْلًا تُصَبِّحُكُمْ أَلَسْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟ فَقَالُوا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ كَذِبًا، قَالَ: فَإِنِّي نَذِيرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ] ''اے گروہ قریش! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ ایک لشکر صبح (یا شام) تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری بات کی تصدیق نہ کرو گے؟ ان سب نے جواب دیا کہ ہم آپ کی ضرور تصدیق کریں گے کیونکہ ہم نے آپ کو کبھی جھوٹ بولتے ہوئے نہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا: (یہ تو تمھیں سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی، لہٰذا تم میری اس بات کی بھی تصدیق کرو کہ) میں تمھیں (اللہ تعالیٰ کے) پیش آمدہ شدید عذاب سے ڈراتا ہوں۔''[2]

استغفار کے ثمرات اور اس سے روگردانی کے نقصانات: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ﴾ ''اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو،

---

[1] تفسیر الطبری: 232/11:11. [2] ملخص از صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ○ ﴾ (سبا 46:34)، حديث: 4801 و صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 214:26)، حديث: 208 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

أَلَآ إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ أَلَا حِينَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ

آگاہ رہو! بے شک وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں تاکہ اس (اللہ) سے چھپ جائیں۔ آگاہ رہو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تب بھی) وہ

مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑤

(اللہ) جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے ⑤

پھر اسی کی طرف توبہ کرو وہ تمھیں بہت اچھا فائدہ دے گا ایک وقت مقرر تک اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل دے گا۔'' یعنی میں تمھیں یہ حکم بھی دیتا ہوں کہ اپنے سابقہ گناہوں کی بخشش طلب کرو، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرو اور یہ اقرار کرو کہ تم اپنی اس توبہ پر قائم رہو گے۔ ﴿يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ﴾ ''وہ تم کو ایک وقت مقرر تک (دنیا میں) بہت اچھے فائدے سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل دے گا۔'' یعنی آخرت میں جیسا کہ امام قتادہ کا قول ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ......﴾ الآية (النحل 16:97) ''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے......''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ③﴾ ''اور اگر تم روگردانی کرو گے تو بے شک مجھے تمھارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔'' یہ شدید ترین وعید ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کرے اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرے کہ وہ روز قیامت یقیناً عذاب الٰہی میں مبتلا ہوگا۔ ﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ﴾ ''تم (سب) کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ④﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' یعنی وہ ہر چیز پر قادر ہے اور اس پر بھی کہ اپنے دوستوں سے جتنا چاہے اچھا سلوک کرے، اپنے دشمنوں سے جس قدر چاہے انتقام لے اور قیامت کے دن ساری مخلوق کو دوبارہ پیدا فرما دے۔ یہ مقام ترہیب ہے جیسا کہ پہلا مقام ترغیب تھا۔

تفسیر آیت: 5

اللہ تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ لوگ عام حالات میں اور مباشرت کرتے وقت اپنی شرمگاہوں کو آسمان کی طرف کرنے کو ناپسند کرتے تھے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔[2] امام بخاری نے ابن جریج از محمد بن عباد بن جعفر از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کریمہ کی (اس طرح): [أَلَا! إِنَّهُمْ تَثْنَوْنِي صُدُورُهُمْ] ''خبردار! بے شک وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں۔''[3] تلاوت کی تو میں نے ان کی خدمت میں عرض کی کہ سینوں کو دوہرا کرنے سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ آدمی اپنی بیوی سے مباشرت کرتے ہوئے یا قضائے حاجت کے

① تفسیر الطبری: 11/235,234. ② تفسیر ابن أبی حاتم: 6/1998. ③ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے۔

﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ

اور زمین پر چلنے والے ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے، اور وہ جانتا ہے اس کی قرار گاہ اور اس کے دفن ہونے کی جگہ کو۔ ہر چیز

كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ⑥﴾

واضح کتاب میں (تحریر) ہے ⑥

وقت حیا محسوس کرتا تھا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ﴾ ''دیکھو! بے شک وہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تا کہ اللہ سے پردہ کریں۔''[1] اور ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کچھ لوگ رفع حاجت کے وقت آسمان کی طرف شرمگاہ کے ظاہر ہونے سے حیا محسوس کرتے تھے، نیز اپنی بیویوں سے مقاربت کرتے وقت بھی آسمان کی طرف شرمگاہ کے ظاہر ہونے سے حیا محسوس کرتے تھے تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿يَسْتَغْشُونَ﴾ کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ وہ اپنے سروں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔[3]

تفسیر آیت:

تمام مخلوقات کا رزق اللہ کے ذمے ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ چھوٹی بڑی تمام مخلوقات کا رزق اس کے ذمے ہے، خواہ وہ زمین میں رہ رہی ہوں یا دریاؤں اور سمندروں میں اور وہ ان کے رہنے اور سونپے جانے کی جگہ کو بھی جانتا ہے، یعنی وہ جانتا ہے کہ وہ زمین میں کہاں تک چلیں گی، پھر کہاں آ کر وہ رک جائیں گی اور ٹھہر جائیں گی۔ ﴿مُسْتَوْدَعَهَا ۚ﴾ سے مراد گھونسلے اور رہنے سہنے کے مقامات ہیں۔ علی بن ابوطلحہ وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ جانتا ہے کہ ان کا ٹھکانا کون سا ہے اور ﴿مُسْتَوْدَعَهَا ۚ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ وہ کہاں مریں گے۔[4] یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتاب روشن میں بڑی تفصیل سے لکھا ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ۝﴾ (الأنعام 38:6) ''اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا پرندہ ہے، ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں، ہم نے کتاب (لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی، پھر سب اپنے پروردگار کی طرف جمع کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمَاتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ

① صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ ......﴾ (ھود 11:5)، حدیث: 4682.
② صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ ......﴾ (ھود 11:5)، حدیث: 4681.
③ صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿أَلَا إِنَّهُمْ يَثْنُونَ صُدُورَهُمْ لِيَسْتَخْفُوا مِنْهُ ۚ ......﴾ (ھود 11:5)، حدیث: 4683.
④ تفسیر الطبري: 4/12.

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور اس کا عرش پانی پر تھا، تاکہ وہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون زیادہ

اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَىِٕنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اچھے عمل کرتا ہے۔ اور (اے نبی!) اگر آپ کہیں کہ تمھیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا تو جن لوگوں نے کفر کیا وہ ضرور کہیں گے کہ یہ تو

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ⑦ وَلَىِٕنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا

کھلا جادو ہے ⑦ اور اگر ہم ان سے گنی چنی مدت تک عذاب مؤخر کر دیں تو البتہ وہ (کافر) ضرور کہیں گے کہ کیا چیز اسے روکے ہوئے ہے۔

يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑧ ع 1/8

خبردار! جس دن وہ (عذاب) ان کے پاس آئے گا (پھر) ان سے ٹلے گا نہیں اور انھیں وہ (عذاب) گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ⑧

مُّبِيْنٍ ○﴾ (الأنعام 59:6) ''اور اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اسے جنگلوں اور دریاؤں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تر یا خشک چیز نہیں ہے مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

تفسیر آیات: 8,7

آسمانوں اور زمین کی پیدائش سے قبل عرش الٰہی پانی پر تھا: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا فرمایا۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا جیسا کہ امام احمد نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا بَنِي تَمِيمٍ ! قَالَ: قَالُوا: قَدْ بَشَّرْتَنَا، فَأَعْطِنَا، قَالَ: اِقْبَلُوا الْبُشْرٰى يَا أَهْلَ الْيَمَنِ! قَالَ: قُلْنَا قَدْ قَبِلْنَا، فَأَخْبِرْنَا عَنْ أَوَّلِ هٰذَا الْأَمْرِ كَيْفَ كَانَ؟ قَالَ: كَانَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ، وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَاءِ، وَكَتَبَ فِي اللَّوْحِ ذِكْرَ كُلِّ شَيْءٍ] ''اے بنو تمیم! بشارت قبول کرلو، انھوں نے عرض کی: آپ نے ہمیں بشارت دی ہے، پھر (اب کچھ) عطا فرمائیے، آپ نے فرمایا: اے اہل یمن! تم بشارت قبول کرلو، انھوں نے عرض کی: ہم نے اسے قبول کرلیا، آپ یہ فرمائیں کہ اس کائنات کی سب سے پہلے ابتدا کس طرح ہوئی تھی؟ آپ نے فرمایا: ہر چیز سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تھی، اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور اس نے لوح محفوظ میں ہر چیز کا ذکر لکھ دیا تھا۔'' اسی اثنا میں ایک شخص نے آکر مجھے یہ بتایا کہ عمران! تمھاری اونٹنی کی رسی کھل گئی ہے تو یہ بات سن کر میں باہر چلا گیا۔ اس وقت اونٹنی دور جا چکی تھی، میں اس کی تلاش میں نکلا، مجھے معلوم نہیں کہ میرے بعد آپ نے کیا فرمایا تھا۔[1] یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم میں بھی بہت سے الفاظ کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔[2]

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [كَتَبَ اللّٰهُ مَقَادِيرَ

---

① مسند أحمد: 432,431/4. ② صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ما جاء في قول الله تعالى: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ...... ﴾ (الروم 27:30)، حديث: 3191 و 7418 صحیح مسلم میں یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔

الْخَلَائِقِ قَبْلَ أَنْ يَّخْلُقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ بِخَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ، قَالَ: وَعَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ] ”اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کی تقدیر کو آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے سے پچاس ہزار سال پہلے لکھ دیا تھا اور فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔“[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: أَنْفِقْ أُنْفِقْ عَلَيْكَ] ”اللہ عزوجل نے فرمایا: تم خرچ کرو! میں تم پر خرچ کروں گا۔“ آپ نے فرمایا: [يَدُ اللّٰهِ مَلْأَى لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ] ”اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، رات دن مسلسل خرچ کرنا بھی اسے کم نہیں کر سکتا۔“ آپ نے فرمایا: [أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي يَدِهِ، وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ، وَبِيَدِهِ الْمِيزَانُ يَخْفِضُ وَيَرْفَعُ] ”ذرا غور کرو کہ اس نے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے لے کر اب تک جو کچھ خرچ کیا ہے بلا شبہ اس سے ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوا جو اس کے ہاتھ میں ہے، اس کا عرش پانی پر تھا، اسی کے ہاتھ میں میزان ہے وہی نیچے جھکاتا اور اوپر اٹھاتا ہے۔“[2]

مقصد حیات: ارشاد الٰہی ہے: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔“ یعنی اس نے آسمانوں اور زمین کو اپنے بندوں کی منفعت کے لیے پیدا فرمایا ہے جنھیں اس نے محض اس لیے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ شرک نہ کریں۔ اس نے اس کائنات کو بے معنی پیدا نہیں فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۭ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ۝﴾ (صٓ 27:38) ”اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کو بے کار پیدا نہیں کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں، سو کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔“ اور فرمایا: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝﴾ (المؤمنون 23:115,116) ”کیا تم نے خیال کر لیا ہے کہ محض ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ بے شک تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟ چنانچہ اللہ جو سچا بادشاہ (اور) برتر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش کریم کا مالک ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝﴾ (الذّٰریٰت 51:56) ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔“

احسن عمل کون سا ہے؟ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”تاکہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے۔“ قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں عمل کے ساتھ اکثر کا نہیں بلکہ احسن کا لفظ استعمال کیا ہے اور کوئی بھی عمل اس وقت تک احسن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خالص اللہ عزوجل ہی کے لیے نہ ہو اور رسول اللہ ﷺ کی شریعت کے مطابق

---

[1] صحیح مسلم، القدر، باب حجاج آدم وموسٰی صلی اللہ علیہما وسلم، حدیث: 2653. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (ھود 11:7)، حدیث: 4684 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی النفقة وتبشیر المنفق بالخلف، حدیث: 993.

نہ ہو، اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہوگی تو عمل رائیگاں اور باطل ہو جائے گا۔

بعث بعد الموت کے متعلق مشرکین کا جھگڑا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ ''اور اگر آپ کہیں کہ بے شک تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو البتہ ضرور کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے نبی! اگر آپ ان مشرکوں کو یہ بتائیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں موت کے بعد دوبارہ اسی طرح اٹھائے گا جیسا کہ اس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (الزخرف 87:43) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے تو البتہ وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ نے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ (العنکبوت 61:29) ''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تمھارے لیے مسخر کیا تو البتہ وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے!'' لیکن اس کے باوجود یہ لوگ بعث بعد الموت اور قیامت کے دن دوبارہ اٹھائے جانے کے منکر ہیں، حالانکہ دوبارہ زندہ کرنا پہلی دفعہ پیدا کرنے کی نسبت زیادہ آسان ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ﴾ (الروم 27:30) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اس کے لیے بہت آسان ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ (لقمٰن 28:31) ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور تمھیں دوبارہ اٹھانا صرف ایک شخص (کے پیدا کرنے) کی طرح ہے۔'' اور وہ کہتے تھے ﴿ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ ''یہ تو کھلا جادو ہے۔'' یعنی یہ لوگ کفر اور سرکشی اختیار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم آپ کی اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ بھی اٹھنا ہے، ایسی بات تو صرف وہی شخص تسلیم کر سکتا ہے جس پر آپ نے جادو کر دیا ہو۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ...... ﴾ الآیۃ ''اور اگر ایک مدت معین تک ہم ان سے عذاب روک دیں......'' اس فرمان باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر ہم ان مشرکوں سے مؤاخذہ اور عذاب ایک مدت مقررہ تک روک دیں اور اس مدت کے بارے میں ان سے وعدہ کر لیں ﴿ لَيَقُوْلُنَّ ﴾ تو یہ تکذیب کرتے اور جلد بازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فوراً کہہ دیں گے کہ ﴿ مَا يَحْبِسُهٗ ﴾ یعنی اس عذاب کو آنے سے کس چیز نے روکا ہے کیونکہ تکذیب اور شک ان کی طبیعت ثانیہ بن چکا ہے، اس سے اب یہ چھٹکارا حاصل کر ہی نہیں سکتے۔

''اُمَّة'' کے متعدد معانی: لفظ امت قرآن وسنت میں متعدد معانی کے لیے استعمال ہوا ہے، مثلاً: مدت کے معنی میں جیسا کہ مذکورہ بالا آیت کریمہ: ﴿ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ ﴾ میں ہے، نیز جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ﴾ (یوسف 45:12) ''اور بولا وہ شخص جو دونوں (قیدیوں) میں سے رہائی

پا گیا تھا اور جسے ایک مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی۔'' اسی طرح یہ لفظ اس امام کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جس کی اقتدا کی جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ﴾ (النحل 120:16) ''بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' اسی طرح ملت اور دین کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝﴾ (الزخرف 23:43) ''بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا ہے اور بلاشبہ ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔'' یہ لفظ جماعت کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۬﴾ (القصص 23:28) ''اور جب وہ مدین کے پانی (کے کنویں) پر پہنچا تو اس نے پایا کہ وہاں لوگوں کی ایک جماعت ہے جو (اپنے مویشیوں کو) پانی پلا رہی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾ (النحل 36:16) ''اور یقیناً ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور تم بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝﴾ (یونس 47:10) ''اور ہر ایک جماعت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا جب ان کا پیغمبر آ گیا تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر کچھ ظلم نہیں کیا گیا۔''

یہاں امت (جماعت) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف رسول بھیجا جاتا ہے، خواہ وہ لوگ مومن ہوں یا کافر جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ] ''اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت کا جو یہودی اور عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر وہ اس حال میں مر جائے کہ اس پر ایمان نہ لایا جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ جہنم رسیدہ لوگوں میں سے ہوگا۔''[1] امت کے وہ افراد جو آپ ﷺ کی اتباع اور تصدیق کرنے والے ہیں، ان کے لیے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ﴾ (آل عمرٰن 110:3) ''(مومنو!) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہو۔'' صحیح حدیث میں (بھی یہ لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا) ہے: [فَأَقُولُ: أُمَّتِي أُمَّتِي] ''میں کہوں گا: (اے اللہ!) میری امت (کو بچالے)، میری امت (کو بچالے۔)''[2] امت کا لفظ فرقہ اور طائفہ کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمدﷺ......، حدیث: 153 عن أبی هریرةؓ.
[2] صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنٰی أهل الجنة منزلة فیها......، حدیث: 193 و مسند أحمد: 144/3 واللفظ له عن أنس بن مالكؓ.

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ

اور اگر ہم انسان کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھائیں، پھر وہ اس سے چھین لیں، تو بے شک البتہ وہ بڑا ناامید، بہت ناشکرا ہو جاتا ہے ⑨ اور اگر ہم اسے

نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ⑩ اِلَّا

تکلیف پہنچنے کے بعد نعمتیں چکھائیں تو وہ ضرور کہے گا: مجھ سے سختیاں دور ہو گئیں، بے شک وہ (اس وقت) اترانے والا اور فخر جتانے والا ہو جاتا

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪

ہے ⑩ مگر جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے، انھی کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر ہے ⑪

بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 159:7) ''اور قوم موسیٰ میں سے ایک گروہ (ایسا) ہے جو حق کا رستہ بتاتا اور اسی (حق) کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ ...... ﴾ الآية (آل عمرٰن 113:3) ''(ان) اہل کتاب میں سے ایک گروہ (حق پر) قائم ہے......''

تفسیر آیات:9-11

خوشی اور غمی میں انسان کا بدل جانا: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی ان مذموم صفات کا ذکر فرمایا ہے جن سے اس کے صرف وہ مومن بندے ہی محفوظ رہتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا ہو۔ اور وہ یہ کہ اسے آسائش اور نعمت کے بعد جب کوئی تکلیف پہنچے تو وہ مستقبل میں خیر و بھلائی سے مایوس اور ناامید ہو جاتا ہے اور حالِ جاری میں کفر و انکار کی روش اختیار کر لیتا ہے، گویا اس نے کبھی کوئی خیر و بھلائی دیکھی ہی نہ تھی اور موجودہ مشکلات سے نکلنے کی گویا کوئی امید ہی نہیں ہے۔ اور اسی طرح اگر اسے تکلیف کے بعد آسائش اور سہولت حاصل ہو تو ﴿ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ ﴾ ''تو البتہ وہ ضرور کہے گا: سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔'' یعنی اب مجھے کوئی تکلیف اور پریشانی لاحق نہ ہوگی۔ ﴿ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ⑩ ﴾ ''بے شک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔'' یعنی اس کے پاس جو نعمتیں موجود ہوتی ہیں ان پر وہ خوشیاں مناتا اور دوسروں کے سامنے فخر کا اظہار کرتا ہے۔

مومن کے لیے خیر ہی خیر ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ﴾ ''مگر وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا۔'' یعنی آلام و مصائب پر ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ ﴾ ''اور نیک عمل کیے۔'' یعنی صحت و عافیت اور آسائش و راحت کے اوقات میں ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بخشش ہے۔'' یعنی انھیں دنیا میں پہنچنے والی تکلیفیں ان کی بخشش کا سبب بن جاتی ہیں۔ ﴿ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪ ﴾ ''اور اجر عظیم ہے۔'' یعنی ان اعمالِ صالحہ کی وجہ سے جو انھوں نے خوشحالی اور آسائش کے دور میں سرانجام دیے تھے جیسا کہ حدیث میں بھی آیا ہے: [لَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ هَمٌّ، وَّلَا غَمٌّ، وَّلَا نَصَبٌ، وَّلَا وَصَبٌ، وَّلَا حَزَنٌ، حَتَّى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا مِنْ خَطَايَاهُ] ''مومن کو جب کوئی پریشانی، غم و فکر، تکلیف و مشقت اور حزن و ملال لاحق ہوتا ہے حتی کہ جب اسے کوئی کانٹا بھی چبھتا ہے تو اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ

تو (اے نبی!) شاید کہ آپ اس وحی سے کچھ چھوڑنے والے ہوں جو آپ کی طرف (نازل) کی جاتی ہے اور آپ کا سینہ اس سے تنگ ہونے والا ہو کہ

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ ⑫

وہ (کافر) کہیں گے کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ (کیوں نہیں) آیا۔ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

پر نگران ہے ⑫ کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجیے: پھر تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑬ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ

جنھیں (مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بلا لو، اگر تم سچے ہو ⑬ پھر اگر وہ تمھیں جواب نہ دیں تو جان لو کہ یقیناً یہ (قرآن) اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور یہ

بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭

کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، پھر (اے لوگو!) کیا تم مسلمان ہوتے ہو؟ ⑭

گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔''[1] اور صحیح حدیث میں ہے: [فَوَاللّٰهِ! لَا يَقْضِي اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِ قَضَاءً إِلَّا كَانَ خَيْرًا لَّهُ]، [إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ]، [وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ] ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو فیصلہ بھی فرماتا ہے، وہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اگر اسے کوئی آسائش حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے، مومن کے سوا کسی اور کے لیے یہ بات نہیں ہے (ایک مومن کی زندگی صبر وشکر کا حسین امتزاج ہوتی ہے۔)''[2] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
﴿ وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ ﴾ (العصر 103:1-3) ''زمانے کی قسم! یقیناً انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا ۝ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا ۝ ﴾ (المعارج 70:19,20) ''کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے اور جب اسے شر پہنچے تو گھبرا جاتا ہے۔''

تفسیر آیات: 12-14

مشرکوں کی باتوں سے رسول اللہ ﷺ کا دل گرفتہ ہونا اور اللہ کی طرف سے آپ کو تسلی: مشرکین رسول اللہ ﷺ

[1] مذکورہ الفاظ صحیح بخاری ومسلم اور مسند احمد کی مختلف روایات سے لیے گئے ہیں، دیکھیے صحیح البخاري، المرضی، باب ما جاء في كفارة المرض، حديث: 5642,5641 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض......، حديث: 2573 ومسند أحمد: 335/2 و38/3 وصحيح ابن حبان، الجنائز، ذكر تكفير الله جل وعلا بالهموم......: 166/7، حديث: 2905 عن أبي سعيد الخدري وأبي هريرة ﷺ. [2] حدیث کے الفاظ بالترتیب مسند الشهاب: 348/1، حديث: 596 وصحيح مسلم، الزهد، باب المؤمن أمره كله خير، حديث: 2999 وصحيح ابن حبان، الجنائز، ذكر إثبات الخير للمسلم......: 156,155/7، حديث: 2896 کے مطابق ہیں۔ والله تعالى أعلم.

کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنایا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس طرح کی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:7,8) ''اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ہمراہ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا؟ یا اس پر (آسمان سے) خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے وہ کھایا کرتا اور ظالم (مومنوں سے) کہتے ہیں کہ تم تو بس ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔''

رسول اللہ ﷺ مشرکین کی اس طرح کی باتوں سے دل آزردہ ہو جایا کرتے تھے، اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی ہے اور رہنمائی فرمائی ہے کہ آپ ان کی باتوں سے دل گرفتہ نہ ہوں، نہ ان کی وجہ سے دعوت الی اللہ کے کام کو چھوڑیں بلکہ اپنے مشن کی تکمیل کے لیے دن رات مصروفِ عمل رہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:97) ''اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ بے شک ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا ﴾ ''تو (اے نبی!) شاید کہ آپ اس وحی سے کچھ چھوڑنے والے ہوں جو آپ کی طرف نازل کی جاتی ہے اور آپ کا سینہ اس سے تنگ ہونے والا ہو کہ وہ (کافر) کہیں گے'' یعنی ان کے یہ کہنے کی وجہ سے (کہ آپ پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا گیا یا آپ کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا، آپ کا دل تنگ نہ ہو) کیونکہ آپ تو نذیر ہیں، سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے کہ ان کی بھی تکذیب کی گئی، انھیں بھی طرح طرح کی تکلیفیں دی گئی تھیں مگر انھوں نے صبر کیا حتی کہ فتح و نصرتِ الٰہی سے شاد کام ہوئے۔

اعجازِ قرآن: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اعجاز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ کسی انسان کے بس میں نہیں کہ وہ قرآن مجید جیسی کتاب پیش کر سکے بلکہ یہ بھی کسی کے مقدور میں نہیں کہ وہ اس جیسی دس سورتیں یا ایک ہی سورت بھی پیش کر سکے کیونکہ رب تعالیٰ کے پاک کلام سے مخلوق کے کلام کو کوئی نسبت یا مشابہت نہیں ہو سکتی جیسا کہ صفاتِ الٰہی سے مخلوق کی صفات کو کوئی موافقت و مناسبت نہیں ہو سکتی، اس کی ذاتِ بابرکات اس بات سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے کہ کوئی بھی چیز اس کے مشابہ ہو، اس کے سوا کوئی معبود ہے نہ پروردگار۔ پھر فرمایا: ﴿ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ ﴾ ''پھر اگر وہ تمھاری بات قبول نہ کریں۔'' یعنی چیلنج کو قبول نہ کر سکیں اور قرآن کا جواب پیش نہ کر سکیں تو پھر خوب جان لو! یہ لوگ قرآن مجید کے مقابلے سے عاجز و قاصر ہیں کیونکہ یہ پاک کلام تو اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ اور اس کے علم اور اس کے اوامر و نواہی پر مشتمل ہے۔ ﴿ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''اور یہ کہ اس کے سوا کوئی برحق معبود نہیں، پھر (اے لوگو!) کیا تم مسلمان (ہوتے) ہو؟''[1]

[1] اعجازِ قرآن کی تفصیل کے لیے دیکھیے یونس، آیت: 38 کے ذیل میں۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا

جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے تو ہم انھیں ان کے اعمال کا پورا بدلہ اسی (دنیا) میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی

لَا يُبْخَسُوْنَ ⑮ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا

نہیں کی جاتی⑮ یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں، اور برباد ہوگیا جو کچھ انھوں نے اس (دنیا) میں کیا تھا اور جو عمل

فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑯

وہ کرتے رہے، ضائع ہو گئے⑯

تفسیر آیات: 16,15

محض دنیا کے طلب گار کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ریاکاروں کو ان کی نیکیوں کا دنیا ہی میں بدلہ دے دیا جائے گا، اس لیے کہ ان پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص بھی نماز، روزہ یا تہجد وغیرہ کوئی عمل بھی دنیا کے لیے کرتا ہے تو میں اس کی خواہش کے مطابق اسے دنیا ہی میں اس کا صلہ ادا کر دیتا ہوں، پھر اس کا وہ عمل اکارت ہو جاتا ہے اور آخرت میں وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔[1] امام مجاہد، ضحاک اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[3] مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ یہ ریاکاروں کے بارے میں ہے۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ جس کا ارادہ و نیت طلب دنیا ہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں کا اسے دنیا ہی میں بدلہ عطا فرما دیتا ہے اور آخرت میں ایسے شخص کے پاس کوئی ایسی نیکی نہ ہوگی جس کا اسے بدلہ دیا جائے جبکہ مومن کو اس کی نیکیوں کا صلہ دنیا میں بھی ملتا ہے اور آخرت میں اجر و ثواب بھی اسے ضرور ملے گا۔[5]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ○ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓىِٕكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ○ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ○ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ○ ﴾ (بنی إسرآءیل 17:18-21) ”جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ مذموم اور دھتکارا ہوا داخل ہوگا۔ اور جو شخص آخرت کا خواستگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے جبکہ وہ مومن بھی ہو تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش قابلِ قدر ہے۔ ہم ان کو اور ان کو بھی سب کو آپ کے پروردگار کی بخشش سے مدد دیتے ہیں اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں۔ دیکھیں! ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے؟ اور

---

[1] تفسیر الطبری:16/12. [2] تفسیر الطبری:18,17/12. [3] تفسیر الطبری:18/12. [4] تفسیر الطبری:18/12.

[5] تفسیر الطبری:17/12.

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ

کیا بھلا جو شخص اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہو اور اس کے بعد اللہ کی طرف سے ایک گواہ (قرآن) بھی آجائے، جبکہ اس سے پہلے موسیٰ

مُوْسٰۤى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ

کی کتاب بھی رہنما اور رحمت (رہی) ہو (وہ قرآن کا انکار کر سکتا ہے؟) ایسے لوگ ہی تو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور ان گروہوں میں سے جو کوئی

فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ

اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔ چنانچہ (اے نبی!) آپ اس سے شک میں نہ پڑیں، بے شک یہ (قرآن) آپ کے رب کی طرف سے

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑰

حق ہے، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ⑰

آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور فضیلت میں کہیں بڑھ کر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۙ وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝ ﴾ (الشوریٰ 42:20) ''جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہو اس کے لیے ہم اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو، اس کو ہم اس میں سے کچھ دے دیتے ہیں اور اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔''

تفسیر آیت:17

قرآن پر ان کا ایمان ہے جو اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر اپنے ان مومن بندوں کا حال بیان فرمایا ہے جو اس فطرت پر قائم ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے کہ وہ اس بات کا اعتراف کریں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ ...... ﴾ الآية (الروم 30:30) ''چنانچہ (اے نبی!) آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف سیدھا رکھیں، اللہ کی فطرت (اختیار کریں) جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے......''

دین فطرت: صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّونَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ؟] ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ ہر جانور صحیح سالم بچے کو جنم دیتا ہے، کیا تم نے کبھی محسوس کیا ہے کہ کوئی بچہ کان کٹا پیدا ہو؟''[1]

صحیح مسلم میں عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کا فرمان نقل کرتے ہیں: [إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ،

① صحيح البخاري، الجنائز، باب: إذا أسلم الصبي فمات......، حديث: 1359 اور [كُلُّ مَوْلُودٍ] کے الفاظ حدیث: 1385 کے ہیں۔ و صحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود على الفطرة......، حديث: 2658.

وَ أَمَرَتْهُمْ أَنْ يُّشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا] ''میں نے اپنے سارے بندوں کو دین حنیف پر پیدا فرمایا تھا، شیطان ان کے پاس آئے اور انھوں نے انھیں اپنے دین سے دور ہٹا دیا اور ان چیزوں کو ان کے لیے حرام قرار دے دیا جن کو میں نے ان کے لیے حلال قرار دیا تھا۔ اور شیطانوں نے انھیں یہ بھی حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ اسے شریک کریں جس کی میں نے کوئی سند نازل نہیں کی تھی۔''[1] جبکہ مومن کی زندگی اسی فطرت کے مطابق ہی رہتی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ ''اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی ہو۔'' یعنی دلیل روشن کے ساتھ ساتھ ان کے پاس ایک آسمانی گواہ بھی ہو، اس آسمانی گواہ سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاک شریعتیں مراد ہیں جو انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کی گئیں اور جو شریعت محمدیہ کے نازل ہونے کے بعد اپنی آخری ارتقائی، تکمیلی اور اختتامی صورت اختیار کر گئیں۔

مومن اس قدر سلیم الفطرت ہوتا ہے کہ فی الجملہ تو اس کی فطرت شریعت کی شاہد ہوتی ہے، جبکہ تمام تفصیلات شریعت ہی سے حاصل کی جاتی ہیں اور فطرت ان کی تصدیق کرتی اور ان پر ایمان لاتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ ﴾ ''کیا پس جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ ایک (آسمانی) گواہ بھی اس کی جانب سے ہو۔'' گواہ سے مراد قرآن مجید ہے جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور نبی مکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی امت تک پہنچا دیا۔

پھر فرمایا: ﴿ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى ﴾ ''اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب'' یعنی قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب (تورات) ﴿ اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ ﴾ ''پیشوا اور رحمت تھی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لیے پیشوا بنا کر نازل کیا تھا تاکہ وہ اس کتاب کے مطابق عمل کریں، نیز یہ کتاب ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باعثِ رحمت تھی۔ چنانچہ جس شخص کا اس کتاب پر صحیح صحیح ایمان ہو تو یہ ایمان لانا اسے قرآن مجید پر ایمان لانے کی طرف بھی رہنمائی کرے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ ﴾ ''یہی لوگ تو اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں۔''

پھر جو شخص قرآن کی یا قرآن کے کسی حصے کی تکذیب کرے تو اسے وعید دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ ﴾ ''اور گروہوں میں سے جو کوئی اس کے ساتھ کفر کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔'' یعنی تمام روئے زمین کے لوگوں میں سے، خواہ وہ مشرک، کافر یا اہل کتاب ہوں یا انسانی معاشرے کے کسی بھی طبقے یا جنس سے ان کا تعلق ہو، ان کا کوئی رنگ اور کوئی شکل ہو اور انھیں قرآن پہنچ جائے اور وہ اس کا انکار کریں تو ان کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ ﴾ (الأنعام 19:6) ''تاکہ اس کے ذریعے سے میں تمھیں اور جس کو یہ پہنچے سب کو ڈراؤں (خبردار کروں۔)''

---

[1] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث: 2865 مفصلا.

عالمگیر رسول ﷺ: اور فرمایا: ﴿ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ﴾ (الأعراف 158:7) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں (اس کا رسول ہوں۔)'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ ''اور ان گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہی ہے۔'' صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهٖ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ] ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اس امت میں سے جو یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر اس حال میں مر جائے کہ اس چیز کے ساتھ ایمان نہ لائے جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے تو وہ جہنم رسیدہ لوگوں میں سے ہوگا۔''[1]

ہر حدیث کا مصداق قرآن میں موجود ہے: ایوب سختیانی نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ میں جب بھی نبیٔ اکرم ﷺ کی کسی حدیث کو اس کی اصلی صورت میں سنتا تو مجھے قرآن مجید سے بھی اس کا مصداق یا اس کی تصدیق ضرور مل جاتی، مجھے جب نبیٔ اکرم ﷺ کی یہ حدیث پہنچی: [لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَلَا يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ] ، [فَلَا يُؤْمِنُ بِي إِلَّا دَخَلَ النَّارَ] ''اس امت میں سے کوئی ایک یا یہودی یا عیسائی میرے بارے میں سنے، پھر مجھ پر ایمان نہ لائے تو وہ جہنم رسید ہوگا۔'' میں نے سوچنا شروع کیا کہ کتاب اللہ میں اس حدیث کے مصداق کون سی آیت ہوگی؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ کا جب بھی کوئی فرمان سنا ہے مجھے کتاب اللہ سے اس کی تصدیق ضرور ملی ہے، میں اس بات پر غور کر ہی رہا تھا کہ مجھے یہ آیت کریمہ مل گئی: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ﴾ ''اور ان گروہوں میں سے جو کوئی اس کے ساتھ کفر کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے۔'' گروہوں سے مراد یہاں تمام امتیں اور تمام ملتیں ہیں۔[2] اور فرمایا: ﴿ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ...... ﴾ الآیۃ ''تو آپ اس (قرآن) سے شک میں نہ ہوں، بلاشبہ یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے......'' یعنی قرآن مجید تو بلاشک وشبہ حق اور اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ الٓمّٓ ۟ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۟ ﴾ (السجدة 2,1:32) ''الٓمّٓ - کتاب کا، جس میں کچھ شک نہیں، نازل کیا جانا رب العالمین کی طرف سے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ الٓمّٓ ۟ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛۚ فِيْهِ ۛۚ ﴾ (البقرة 2,1:2) ''الٓمّٓ - یہ کتاب (قرآن مجید) جس میں کچھ شک نہیں (کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔)''

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد ﷺ......، حدیث: 153 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ۔ ملحوظہ: صحیح مسلم میں ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ اسے امام طیالسی رحمہ اللہ نے مسند أبی داود: 410/1، حدیث: 511 میں اور امام نسائی نے السنن الکبرٰی، التفسیر، باب قولہ تعالٰی: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ ...... ﴾: 364,363/6، حدیث: 11241 میں بیان کیا ہے مگر اس سند میں انقطاع ہے، جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث اس کی شاہد ہے۔ [2] تفسیر الطبری: 27/12 اور دیکھیے المستدرک للحاکم، التفسیر، تفسیر سورۃ ہود: 342/2، حدیث: 3309 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوسکتا ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا؟ یہی لوگ اپنے رب کے سامنے پیش کیے جائیں گے

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِيْنَ ⑱ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ

اور گواہ (فرشتے) کہیں گے کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ گھڑا تھا، سن لو! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے⑱ وہ جو اللہ

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ

کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں، اور وہی آخرت کا انکار کرنے والے ہیں⑲ یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) عاجز

فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا

وقف لازم

کرنے والے نہ تھے اور ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہ تھا۔ ان کے لیے عذاب دوگنا کردیا جائے گا۔ ان میں (حق) سننے کی تاب

يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ⑳ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

نہیں تھی اور نہ وہ دیکھتے تھے⑳ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور ان سے گم ہوگیا جو وہ افترا باندھتے تھے㉑

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ㉑ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ㉒

بلاشبہ یقیناً وہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ خسارہ پانے والے ہیں㉒

کیا اکثریت معیار حق ہو سکتی ہے؟ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑰ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (الأنعام 117:6) ''اور اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کی اطاعت کریں تو وہ آپ کو اللہ کا رستہ بھلا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (سبا 20:34) ''اور البتہ تحقیق شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا، چنانچہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ سب اس کے پیچھے چل پڑے۔''

تفسیر آیات: 18-22

اللہ پر جھوٹ باندھنے والے اور اس کے رستے سے روکنے والے ہی خائب وخاسر ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی ذات گرامی کے بارے میں جھوٹ باندھنے والوں کے حال کو بیان فرما رہا ہے کہ آخرت میں انھیں فرشتوں، رسولوں، پیغمبروں اور تمام جنوں اور انسانوں کے سامنے بے پناہ ذلت ورسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ امام احمد نے صفوان بن مُحرِز کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ہاتھ کو پکڑا ہوا تھا کہ ان کے سامنے ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی: قیامت کے دن سرگوشی کے بارے میں آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يُدْنِي الْمُؤْمِنَ، فَيَضَعُ عَلَيْهِ كَنَفَهُ، وَيَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، وَيُقَرِّرُهُ بِذُنُوبِهِ وَيَقُولُ لَهُ: أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ أَتَعْرِفُ ذَنْبَ كَذَا؟ حَتّٰى إِذَا قَرَّرَهُ بِذُنُوبِهِ وَرَأٰى فِي نَفْسِهِ أَنَّهُ قَدْ هَلَكَ، قَالَ: فَإِنِّي قَدْ سَتَرْتُهَا عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا، وَإِنِّي أَغْفِرُهَا لَكَ الْيَوْمَ ثُمَّ يُعْطٰى كِتَابَ حَسَنَاتِهِ، وَأَمَّا الْكُفَّارُ وَالْمُنَافِقُونَ، فَيَقُولُ الْأَشْهَادُ]

''بے شک اللہ عزوجل مومن کو قریب کرے گا اور اس پر اپنے پہلو کو رکھ کر اسے تمام لوگوں سے چھپا لے گا، پھر اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرائے گا اور فرمائے گا کہ کیا تو فلاں گناہ کا اقرار کرتا ہے؟ کیا تو فلاں گناہ کا اعتراف کرتا ہے؟ کیا تو اپنے فلاں گناہ کا بھی اعتراف کرتا ہے؟ حتی کہ اللہ تعالیٰ جب اس سے اس کے سارے گناہوں کا اقرار کرا لے گا اور مومن اپنے دل میں یہ خیال کرنے لگے گا کہ وہ تو بس اب تباہ ہو گیا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے دنیا میں تیرے ان گناہوں کی پردہ پوشی کی تھی اور آج میں تیرے ان سارے گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پھر اسے نیکیوں کی کتاب دے دی جائے گی۔ اور جہاں تک کفار اور منافقوں کا تعلق ہے تو ان کے بارے میں گواہ کہیں گے: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا، خبردار! ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ ﴾ ''جو اللہ کے رستے سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔'' یعنی لوگوں کو حق کی اتباع اور ہدایت کے اس رستے سے روکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اور اس طرح انھیں جنت سے محروم کر دیتے ہیں۔ ﴿ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ ﴾ ''اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔'' یعنی وہ چاہتے ہیں کہ ان کا رستہ ٹیڑھا ہو، سیدھا نہ ہو۔ ﴿ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ ''اور وہ آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں۔'' یعنی آخرت کے منکر ہیں اور اس کے وقوع پذیر ہونے کی تکذیب کرتے ہیں۔ ﴿ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ ﴾ ''یہ لوگ زمین میں (کہیں بھاگ کر اللہ کو) ہرا نہیں سکتے اور نہ اللہ کے سوا کوئی ان کا حمایتی ہے۔'' بلکہ یہ اسی کے قبضہ و تسلط اور غلبہ و اقتدار میں ہیں اور وہ آخرت سے پہلے دنیا ہی میں ان سے انتقام لینے پر قادر ہے۔ ﴿ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴾ (ابراھیم 42:14) ''بلاشبہ وہ انھیں صرف اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' صحیحین میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''بے شک اللہ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔''[2]

اسی لیے فرمایا: ﴿ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ ﴾ ''ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا۔'' ان کو دگنا عذاب اس لیے دیا جائے گا

---

[1] صحيح البخاري، المظالم، باب قول الله تعالى: ﴿ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾، حديث: 2441 و صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى على المؤمنين......، حديث: 2768 و مسند أحمد: 74/2 واللفظ له.

[2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ...... ﴾ (هود 102:11)......، حديث: 4686 و صحيح مسلم، البر و الصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2583.

کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں کان، آنکھیں اور دل دیے تھے مگر کان، آنکھیں اور دل ان کے کچھ کام نہ آئے بلکہ حق سننے سے یہ بہرے بنے رہے، حق کی اتباع کرنے کے بجائے یہ اندھے بنے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے جہنم میں داخل ہونے کے متعلق فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْٓ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ○ ﴾ (الملك 10:67) ''اور وہ کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ ...... ﴾ الآية (النحل 88:16) ''جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا، ہم ان کو عذاب پر عذاب زیادہ دیں گے......'' ہر اس حکم کی وجہ سے جسے انھوں نے ترک کر دیا اور ہر اس ممانعت کی وجہ سے جس کا انھوں نے ارتکاب کیا ہوگا، انھیں عذاب دیا جائے گا۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اور جو کچھ وہ افترا باندھتے تھے، ان سے جاتا رہا۔'' یعنی انھوں نے اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچایا کہ اپنے آپ کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ کا مستحق بنا دیا جس میں ان کو ہمیشہ ہمیشہ اور مسلسل عذاب دیا جائے گا کہ لمحہ بھر کے لیے بھی اسے روکا نہیں جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 97:17) ''جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لیے) اور بھڑکا دیں گے۔''

روزِ قیامت اور معبودانِ باطلہ: ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ''اور جو وہ جھوٹ باندھتے تھے ان سے جاتا رہا۔'' یعنی اللہ کے سوا جن معبودوں اور بتوں کو یہ پکارتے رہے، وہ ان کے کچھ کام تو نہ آسکیں گے، البتہ ہر طرح کے نقصان اور خسارے کا سبب ضرور قرار پائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 6:46) ''اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ○ ﴾ (البقرة 166:2) ''اس دن پیشوا اپنے پیروکاروں سے بے زاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذابِ (الٰہی) دیکھ لیں گے اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔''

اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں جو ان لوگوں کی تباہی و بربادی پر دلالت کرتی ہیں، اسی لیے تو یہاں فرمایا ہے: ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''بلاشبہ یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے انجام کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اور خسارہ اٹھانے والے یہی لوگ ہوں گے کیونکہ انھوں نے اپنے لیے بلندیوں کے بجائے پستیوں کو پسند کر لیا تھا اور جنت کی نعمتوں کے بجائے جہنم کے گرم کھولتے ہوئے پانی کو، جنت کی سربمہر خالص شراب کے بجائے جہنم کی نہایت گرم ہوا، کھولتے پانی اور سیاہ ترین دھویں کو، موٹی موٹی آنکھوں والی خوبصورت حوروں کے بجائے تھوہر کے کھانے کو اور جنت کے بلند و بالا محلات کے بجائے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور اپنے رب کے حضور عاجزی کی، وہی جنتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ﴿23﴾

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿23﴾ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ

دونوں فریقوں کی مثال ایسے ہے جیسے اندھا اور بہرا، اور دیکھنے والا اور سننے والا، کیا (اس) وصف میں دونوں برابر ہیں؟ کیا پھر تم نصیحت

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿24﴾

حاصل نہیں کرتے؟ ﴿24﴾

جہنم کے گڑھوں کو پسند کر لیا تھا، اللہ رحمٰن کے تقرب اور اس کے دیدار کے حصول کے بجائے انھوں نے قہار کے غضب اور اس کی سزاؤں کو اپنے لیے پسند کر لیا تھا، بلاشک وشبہ یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

تفسیر آیات: 24,23

اہلِ ایمان کا صلہ: بدبخت لوگوں کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند لوگوں کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے۔ جن کے دل ایمان سے لبریز تھے اور جن کے اعضاء قولاً اور فعلاً اعمالِ صالحہ بجالاتے رہے۔ جنھوں نے نیکیوں کو سرانجام دیا اور برائیوں سے اجتناب کیا تو وہ لوگ اپنے اس پاکیزہ طرزِ عمل کے باعث جنتوں کے وارث بن جائیں گے جن میں بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ بالاخانے، اونچے اونچے بچھے ہوئے تخت، جنت کے پھلوں سے لدی پھندی اور جھکی ہوئی درختوں کی شاخیں، عالی شان بچھونے، خوبصورت اور بہترین حوریں، انواع واقسام کے پھل، پسندیدہ کھانے اور لذت وفرحت بخش مشروبات ہوں گے، پھر ان تمام عظیم الشان نعمتوں سے بڑھ کر خالقِ ارض وسما کی ذات گرامی کے دیدار کی سعادت۔ اور وہ ان ابدی وسرمدی نعمتوں سے بھرپور جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہاں موت ہوگی اور نہ بڑھاپا، نہ بیماری اور نہ نیند، نہ بول وبراز اور نہ بلغم اور تھوک، بس کستوری کی خوشبو جیسا ہلکا سا پسینہ آئے گا (جس سے کھایا پیا سب ہضم ہو جائے گا۔)

مومنوں اور کافروں کی مثال: پھر اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ ﴾ ''دونوں فریقوں کی مثال۔'' جن میں سے پہلا فریق وہ ہے جس کی بدبختی اور شقاوت کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا اور دوسرا فریق ان مومنوں کا ہے جو سعادت وکامرانی سے بہرہ ور ہوگا۔ ﴿ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ ﴾ ''ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو۔'' جبکہ مومن تو دیکھنے اور سننے والے انسان کی طرح ہیں اور کافر دنیا وآخرت میں حق سے اندھے ہیں، یہ خیر وبھلائی کے رستے کو نہ جانتے ہیں اور نہ اس پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ لوگ دلائل وبراہین کے سننے سے بہرے ہیں، لہٰذا یہ ایسی باتوں کو سنتے ہی نہیں جو ان کے لیے مفید ہوں۔ ﴿ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ...... ﴾ الآية (الأنفال 23:8) ''اور اگر اللہ ان میں کوئی خیر دیکھتا تو انھیں ضرور سننے کی توفیق بخشتا......'' رہا مومن تو وہ ہوشیار، ہونہار اور عقل مند ہوتا ہے۔ وہ حق کو دیکھتا اور حق وباطل میں پہچان کرتا ہے۔ وہ خیر وبھلائی کو اختیار کرتا اور شر وبدی کو ترک کر دیتا ہے، وہ دلیل کو سنتا ہے اور دلیل اور

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ ۙ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿25﴾ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ

اور البتہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا (اس نے کہا:) بے شک میں تمھیں صاف صاف ڈرانے والا ہوں ﴿25﴾ یہ کہ تم اللہ کے سوا کسی کی

اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿26﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا

عبادت نہ کرو۔ بے شک میں تم پر دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ﴿26﴾ پھر اس کی قوم کے وڈیرے بولے: ہم تجھے بس اپنے ہی جیسا بشر

بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ

دیکھتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بس انھی لوگوں نے بے سوچے سمجھے تیری پیروی کی ہے جو ہمارے کمین ہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ تمھیں ہم پر

عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿27﴾

کوئی فضیلت نہیں بلکہ ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں ﴿27﴾

ہے میں فرق کرتا ہے۔ مردِ مومن پر باطل کا جادو نہیں چل سکتا تو پھر کیا مومن اور کافر برابر ہو سکتے ہیں؟ ﴿ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟'' اور ان دونوں جماعتوں میں فرق کیوں نہیں کرتے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ لَا یَسْتَوِیْۤ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآىِٕزُوْنَ ○ ﴾ (الحشر 59:20) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ ○ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۙ○ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ ۚ○ وَمَا یَسْتَوِی الْاَحْیَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ ○ اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ ○ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا ؕ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیْهَا نَذِیْرٌ ○ ﴾ (فاطر 35:19-24) ''اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں اور نہ اندھیرا اور روشنی اور نہ سایہ اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں، اللہ جس کو چاہتا ہے سنوا دیتا ہے اور آپ ان کو جو قبروں میں (مدفون) ہیں سنا نہیں سکتے، آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں۔ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گزر چکا ہے۔''

تفسیر آیات :25-27

حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ اور قوم کے ساتھ آپ کی گفتگو: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے قصے کو بیان فرمایا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے رسول تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کے مشرکوں اور بت پرستوں کی طرف مبعوث فرمایا تھا۔ انھوں نے اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ﴿ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿25﴾ ﴾ یعنی اگر تم غیر اللہ کی عبادت کرو گے تو میں تمھارے لیے بالکل واضح ڈرانے والا ہوں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿26﴾ ﴾ ''اللہ کے سوا تم کسی کی عبادت نہ کرو، بے شک مجھے تمھاری نسبت بہت دردناک عذاب کا خوف ہے۔'' یعنی اگر تم اپنی اسی روش پر چلتے رہے تو اللہ تعالیٰ آخرت میں تمھیں زبردست دردناک عذاب دے گا۔

﴿ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ﴾ ''تو اس کی قوم کے سردار، جو کافر تھے، کہنے لگے۔'' مَلَأ سے کافروں کے

سردار اور بڑے لوگ مراد ہیں۔ ﴿ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ﴾ ''ہم تم کو اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں۔'' یعنی آپ فرشتے تو نہیں ہیں بلکہ ہمارے جیسے بشر ہی ہیں تو پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے بجائے آپ ہی کی طرف وحی کیسے بھیجی ہے؟

کفار کے ہاں کمزور، گھٹیا اور رذیل لوگوں کا تصور: پھر ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ﴾ ''اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپ کے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں۔'' مثلاً: بے نوا، کمزور، کنگھال، جولاہے اور ان جیسے دیگر لوگ۔ [1] اور اشراف اور سرداروں میں سے تو کسی نے بھی تمھاری پیروی نہیں کی اور یہ تمھاری پیروی کرنے والے جو لوگ ہیں انھوں نے بھی سوچے سمجھے بغیر ہی پیروی کی ہے، غور و فکر سے کام نہیں لیا، بس آپ نے انھیں دعوت دی اور انھوں نے اسے قبول کر کے آپ کی پیروی شروع کر دی۔

اس لیے انھوں نے کہا: ﴿ وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ ﴾ ''اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ آپ کے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے (نہ غور و تعمق سے۔)'' ﴿ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ ''اور ہم تمھارے لیے اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے۔'' وہ (ایمان والوں سے) کہتے کہ جب سے تم لوگ اپنے اس دین میں داخل ہوئے ہو تو ہم نے تمھارے لیے اپنے اوپر جسمانی، اخلاقی اور مالی کسی طرح کی کوئی فضیلت بھی تو نہیں دیکھی۔ ﴿ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴾ ''بلکہ ہم تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔'' یعنی ہم تمھیں تمھارے اس دعوے میں جھوٹا خیال کرتے ہیں کہ تمھیں آخرت میں جانے کے بعد تو خیر و بھلائی اور عبادت الٰہی کے صلے میں سعادت و کامرانی میسر آئے گی۔

ادنیٰ واعلیٰ کا صحیح معیار: حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے پیروؤں پر کافروں کا یہ اعتراض تھا جو ان کی جہالت اور علم و عقل کی کمی کی دلیل ہے کیونکہ حق کے لیے یہ کوئی عار کی بات تو نہیں ہے کہ اسے ماننے والے ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں کیونکہ حق تو بذات خود صحیح اور قیمتی چیز ہے، خواہ اسے قبول کرنے والے ادنیٰ درجے کے لوگ ہوں یا اعلیٰ درجے کے بلکہ بلا شک و شبہ حق یہی ہے کہ حق کے ماننے والے ہی اشراف اور اعلیٰ درجے کے لوگ ہیں، خواہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہوں اور جو لوگ حق کا انکار کریں وہی ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں، خواہ وہ دولت مند ہی کیوں نہ ہوں لیکن اکثر و بیشتر ہوتا یہ ہے کہ کمزور لوگ ہی حق کی اتباع کرتے ہیں اور اشراف اور سرداروں کی اکثریت حق کی مخالف ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ﴾ (الزخرف 23:43) ''اور اسی طرح ہم نے آپ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ

---

[1] یہ مثالیں دے کر امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے کفار کے ہاں رذیل اور گھٹیا لوگوں کا تصور پیش کیا ہے وگرنہ اسلام نے عزت و شرف کا بالکل واضح معیار مقرر کیا ہے کہ ﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ﴾ (الحجرات 13:49) ''بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت والا اللہ کے نزدیک وہی ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقوے والا ہے۔'' خواہ متقی کا تعلق کسی بھی ذات یا برادری سے ہو۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ

نوح نے کہا: اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت (نبوت) بخشی ہو،

فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿28﴾

پھر وہ تم (اندھوں) سے چھپا دی گئی ہو، تو کیا ہم تم پر (زبردستی) چپکا دیں گے اسے جبکہ تم اسے ناپسند کرتے ہو؟﴿28﴾

بے شک ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور بے شک ہم قدم بقدم ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔'' اور شاہِ روم ہرقل نے جب ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے میں سوالات کیے تو ان میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ اعلیٰ درجے کے لوگوں نے ان کی پیروی کی ہے یا ادنیٰ درجے کے لوگوں نے؟ تو انھوں نے یہی جواب دیا تھا کہ کمزور لوگوں نے آپ کی پیروی کی ہے تو یہ جواب سن کر ہرقل نے کہا تھا کہ پیغمبروں کے پیروکار کمزور لوگ ہی ہوتے ہیں۔[1]

حق کے آشکار ہونے کے بعد مزید غور و فکر کی حاجت نہیں رہتی: انھوں نے جو یہ کہا: ﴿بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ﴾ ''وہ بھی ظاہر رائے سے (نہ کہ غور و تعمق سے۔)'' تو یہ بھی کوئی قابل مذمت یا عیب کی بات نہیں ہے کیونکہ حق جب واضح ہو جائے تو پھر غور و فکر کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی بلکہ اس وقت تو حق کو قبول کرنے کے سوا اور کوئی چارۂ کار ہی نہیں ہوتا۔ ذہین و فطین لوگ تو حق واضح ہونے کے بعد اسے فوراً قبول کر لیتے ہیں جبکہ اس وقت غبی اور جاہل لوگ غور کرتے ہیں اور تمام انبیائے کرام صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ تو نہایت واضح اور روشن حق کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ ''اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت بھی نہیں دیکھتے۔'' وہ فضیلت اس لیے نہیں دیکھتے تھے کہ وہ خود حق سے اندھے تھے، حق کو نہ سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے بلکہ وہ اپنے شکوک و شبہات ہی میں غلطاں و پیچاں تھے اور جہالت کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے تھے اور یہ لوگ بہت ہی افترا پرداز، جھوٹے، معمولی اور رذیل تھے اور آخرت میں بھی یہی بہت زیادہ نقصان پانے والے ہوں گے۔

تفسیر آیت: 28

حضرت نوح علیہ السلام کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی اس بات کا یہ جواب دیا: ﴿اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''(اے قوم!) دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں۔'' یعنی اگر میرے پاس یقین، امر جلی اور سچی نبوت ہے جو کہ میرے لیے اور ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت ہے۔ ﴿فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ﴾ ''پھر وہ تم پر پوشیدہ کر دی گئی۔'' یعنی تم پر وہ مخفی رہ گئی اور تم نے اس کی طرف رستہ نہ پایا اور نہ اس کی قدر و قیمت کو پہچان سکے بلکہ جلد اس کی تکذیب و تردید کرنے لگ گئے۔ ﴿اَنُلْزِمُكُمُوْهَا﴾ یعنی کیا ہم اس کے لیے

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ ......؟ حديث: 7 وصحيح مسلم، الجهاد، باب: كتب النبي ﷺ إلى هرقل ......، حديث:1773.

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ

اور اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی مال نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے۔ اور میں ان لوگوں کو دھتکارنے والا نہیں جو ایمان لے آئے،

اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿29﴾ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

بے شک وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو ﴿29﴾ اور اے میری قوم! اگر میں انھیں دھتکار دوں تو

طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿30﴾

کون مجھے اللہ (کے عذاب) سے بچائے گا؟ کیا پھر تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ ﴿30﴾

تمھیں مجبور کر سکتے ہیں جبکہ تم اسے قبول کرنا پسند ہی نہیں کرتے؟

تفسیر آیات: 30,29

کمزور مومنین کی طرف داری: حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تمھیں جو نصیحت کر رہا ہوں، اس پر تم سے بطور اجرت مال کا سوال نہیں کرتا بلکہ میں تو اپنے اللہ تعالیٰ ہی سے اجر و ثواب کا طلب گار ہوں۔ ﴿وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، میں ان کو دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں۔'' معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے حضرت نوح علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مومنوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں کیونکہ وہ اپنی نفاست، حشمت اور وقار کی وجہ سے ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ انھی جیسے لوگوں نے خاتم الرسل والانبیاء حضرت محمد ﷺ سے بھی یہی کہا تھا کہ آپ کمزور صحابہ کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں اور ان کے ساتھ خصوصی مجلس کریں (جس میں ان کمزور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نہ آنے دیں) تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا: ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ ...... ﴾ الآية (الأنعام 52:6) ''اور جو لوگ صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں، ان کو (اپنے پاس سے) مت نکالیے......''[1] اور فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ○ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ۙ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○﴾ (الأنعام 54,53:6) ''اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے کہ (جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ (اللہ نے فرمایا:) بھلا اللہ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ اور جب وہ لوگ آپ کے پاس آئیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو۔ تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، بے شک تم میں سے جو شخص جہالت سے برا عمل کرے، پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کر لے تو یقیناً وہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

[1] ملخص از صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضی اللہ عنہ، حديث:2413 عن سعد رضی اللہ عنہ.

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ

اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں غیب جانتا ہوں، اور نہ میں کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں اور نہ میں

لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ

انھیں، جنھیں تمھاری آنکھیں حقیر دیکھتی ہیں، (یہ) کہتا ہوں کہ اللہ انھیں کوئی بھلائی نہیں دے گا۔ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے نفسوں میں

اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿31﴾

ہے۔ بے شک (اگر میں نے یہ باتیں کہیں) تب میں ضرور ظالموں میں سے ہوں گا ﴿31﴾

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ

انھوں نے کہا: اے نوح! تو ہم سے جھگڑ چکا ہے، پس ہمارے ساتھ بہت زیادہ جھگڑا کر چکا ہے، چنانچہ تو ہم پر وہ (عذاب) لے ہی آ جس کا ہم

الصّٰدِقِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿33﴾ وَلَا

سے وعدہ کرتا ہے اگر تو سچا ہے ﴿32﴾ نوح نے کہا: یقیناً اللہ ہی تم پر وہ (عذاب) لائے گا اگر اس نے چاہا، اور تم (اسے) عاجز کرنے والے نہیں ﴿33﴾

يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ

اور تمھیں میری نصیحت نفع نہیں دے گی اگر میں چاہوں کہ تمھیں نصیحت کروں جبکہ اللہ تمھیں گمراہ کرنا چاہتا ہو، وہی تمھارا رب ہے اور اسی کی

هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿34﴾ؕ

طرف تم لوٹائے جاؤ گے ﴿34﴾

تفسیر آیت:31

نبی کے پاس خزانے ہوتے ہیں نہ وہ عالم الغیب ہوتا ہے: آپ انھیں خبر دے رہے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے اور آپ اس کام پر ان سے کسی اجرت کا سوال بھی نہیں کرتے بلکہ آپ ہر اس شخص کو یہ دعوت دیتے ہیں جس سے بھی آپ کی ملاقات ہو، خواہ وہ اعلیٰ درجے کا ہو یا ادنیٰ کا۔ جو آپ کی دعوت پر لبیک کہے گا، وہ نجات پا جائے گا اور آپ نے یہ بھی بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کرنے کی آپ کو کوئی قدرت نہیں ہے اور نہ آپ غیب جانتے ہیں، آپ کو صرف اسی بات کا علم ہے جس سے اللہ تعالیٰ آپ کو مطلع فرما دے۔ اسی طرح آپ فرشتے بھی نہیں ہیں بلکہ آپ بشر، اللہ تعالیٰ کے رسول اور معجزات کے ساتھ مؤید ہیں۔ اسی طرح آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ لوگ جن کو تم حقیر اور کم حیثیت سمجھتے ہو، میں ان کے بارے میں یہ نہیں کہتا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ﴾ ''جو ان کے دلوں میں ہے، اسے اللہ خوب جانتا ہے۔'' اگر وہ باطن میں بھی مومن ہیں جیسا کہ ان کے ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے تو انھیں اچھا بدلہ ملے گا اور اگر ان کے ایمان لانے کے بعد کوئی بھی ان کے بارے میں بری بات کہتا ہے تو وہ ظالم ہے اور ایسی بات کہتا ہے جس کا اسے کوئی علم ہی نہیں ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ؏ ﴿35﴾

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے اس (قرآن) کو خود گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی!) کہہ دیجیے: اگر میں نے اسے خود گھڑا ہے تو میرا جرم مجھ ہی پر ہے، اور میں اس سے بری ہوں جو تم جرم کرتے ہو ﴿35﴾

تفسیر آیات: 34-32

قومِ نوح کا مطالبۂ عذاب اور نوح علیہ السلام کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قوم نوح نے اللہ تعالیٰ کے قہر، عذاب اور ناراضی کے جلد آنے کا مطالبہ کر دیا۔ وَالْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ ''اور مصیبت انسان کی گفتگو ہی سے آتی ہے'': ﴿قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا﴾ ''انھوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے جھگڑا تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا۔'' لیکن ہم تمھاری پیروی نہیں کریں گے۔ ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ﴾ ''چنانچہ تم جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو، وہ ہم پر لا نازل کر دو۔'' یعنی قہر و عذابِ الٰہی کو نازل کرو، ہمارے بارے میں جو چاہو بددعا کرو اور جو تم بددعا کرو وہ اب ہمارے بارے میں قبول ہو ہی جانی چاہیے۔ ﴿اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿33﴾﴾ ''اگر تم سچے ہو۔ نوح نے کہا کہ اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) عاجز نہیں کر سکتے۔'' یعنی جو تمھیں سزا دے گا اور اسے جلد تمھارے لیے لے آئے گا، وہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے جسے کوئی ہرا نہیں سکتا۔

﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ﴾ ''اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمھاری خیر خواہی کروں جبکہ اللہ یہ چاہے کہ تمھیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہی تمھیں گمراہ اور تباہ و برباد کرنا چاہے تو میرا تمھیں سمجھانا، ڈرانا اور نصیحت کرنا تمھارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ ﴿هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿34﴾﴾ ''وہی تمھارا پروردگار ہے اور تمھیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' وہی تمام امور کا مالک ہے، وہ متصرف، حاکم اور عادل ہے جو ظلم نہیں کرتا، اسی نے مخلوق کو پیدا فرمایا اور اسی کا حکم کارفرما ہے، اسی نے پہلی مرتبہ کائنات کو پیدا فرمایا اور وہی اسے دوبارہ پیدا کرے گا اور صرف وہی دنیا و آخرت کا مالک ہے۔

تفسیر آیت: 35

رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا بیان: اس قصے کے درمیان میں، اس کی تاکید و وضاحت کے لیے یہ جملہ معترضہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ یہ کافر اور منکر بھی کہتے ہیں کہ اس پیغمبر نے یہ قرآن از خود گھڑ لیا اور اپنے پاس سے بنا لیا ہے۔ ﴿قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ اگر میں نے اسے خود گھڑا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر ہے۔'' یعنی میں گنہگار ہوں ﴿وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿35﴾﴾ ''اور جو گناہ تم کرتے ہو، اس سے میں بری الذمہ ہوں۔'' یعنی یہ چیز جعلی یا از خود گھڑی ہوئی نہیں ہے۔ اور میں یہ جانتا ہوں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کرے، اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا سزا ہے۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا

اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم میں سے کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا، سوائے اس کے جو (پہلے) ایمان لا چکا ہے، چنانچہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں

كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿36﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ

تو اس پر غم نہ کھا ﴿36﴾ اور تو ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا، اور مجھ سے ان لوگوں کے متعلق بات مت کرنا جنھوں نے ظلم

ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿37﴾ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ

(کفر) کیا، بے شک وہ غرق کیے جانے والے ہیں ﴿37﴾ اور نوح کشتی بناتا تھا، اور جب بھی اس کی قوم کے وڈیرے اس کے پاس سے گزرتے تو وہ اس

سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿38﴾ فَسَوْفَ

سے مذاق کرتے، نوح نے کہا: اگر تم (آج) ہم سے مذاق کرتے ہو تو بے شک (ایک روز) ہم بھی تم سے مذاق کریں گے جیسے تم مذاق کرتے ہو ﴿38﴾ پھر

تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿39﴾

تم جلد جان لو گے کہ کس شخص پر ایسا عذاب آتا ہے جو اسے (دنیا میں) رسوا کر دے گا اور (آخرت میں) اس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوگا ﴿39﴾

تفسیر آیات: 36-39

قوم کے انجام کے بارے میں حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ اس نے حضرت نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی۔ جب قومِ نوح نے عذابِ الٰہی کے جلد آ جانے کا مطالبہ کیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی جس کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے: ﴿ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴾ (نوح 71:26) ”میرے پروردگار! کسی کافر کو روئے زمین پر بستا نہ رہنے دے۔“ اور فرمایا: ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (القمر 54:10) ”تو انھوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ میں (ان کے مقابلے میں) کمزور ہوں تو (ان سے) بدلہ لے۔“ اس وقت اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی طرف یہ وحی کی: ﴿ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ ﴾ ”کہ تمھاری قوم میں سے جو لوگ (پہلے) ایمان لا چکے ان کے سوا اور کوئی ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔“ لٰہذا ان کے بارے میں غم نہ کھائیں اور ان کی کوئی فکر نہ کریں۔

سفینۂ نوح: ﴿ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ ﴾ ”اور تو کشتی بنا۔“ فُلک سے مراد کشتی ہے۔ ﴿ بِاَعْيُنِنَا ﴾ یعنی ہمارے سامنے ﴿ وَوَحْيِنَا ﴾ ”اور ہمارے حکم سے۔“ یعنی جس طرح ہم نے آپ کو کشتی بنانا سکھا دیا ہے۔ ﴿ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿37﴾ ﴾ ”اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا، بے شک انھیں غرق کر دیا جائے گا۔“ محمد بن اسحاق نے تورات کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ ساج کی لکڑی سے ایک ایسی کشتی بنائیں جس کا طول (لمبائی) اسی (80) ہاتھ اور عرض (چوڑائی) پچاس (50) ہاتھ ہو، اس کی اندرونی اور بیرونی سطح کو تارکول سے پینٹ کر دیں اور کشتی کا اگلا حصہ اس طرح تیز دھار بنائیں جو پانی کو پھاڑتا چلا جائے، یہ کشتی تیس (30) ہاتھ اونچی اور تین منزلہ تھی، ہر منزل دس ہاتھ تھی، سب سے نچلی منزل جانوروں اور مویشیوں کے لیے، درمیانی انسانوں کے لیے اور

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ

حتی کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور نے جوش مارا تو ہم نے (نوح سے) کہا: اس (کشتی) میں ہر قسم (کے جانوروں) کا جوڑا، دو (نر اور مادہ) سوار کر لے اور

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿40﴾

اپنے گھر والوں کو، سوائے اس شخص کے جس کی بابت پہلے حکم ہو چکا، اور ان کو بھی جو ایمان لا چکے ہیں، اور اس پر تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے تھے ﴿40﴾

بالائی پرندوں کے لیے تھی، کشتی کا دروازہ اس کے عرض کے رخ تھا اور اس کشتی کے لیے ایک پردہ تھا جس کے ساتھ اسے چاروں طرف سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔[1]

اپنے پیغمبروں کو بھی تمسخر کا نشانہ بناتے رہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ﴾ ”اور نوح نے کشتی بنانا شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے۔“ یعنی مذاق اڑاتے اور آپ انھیں غرق ہونے کی جو وعید سناتے تو اس کی وہ تکذیب کرتے۔ ﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ﴾ ”وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو یقیناً (ایک وقت) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے۔“ یہ شدید وعید اور زبردست سرزنش تھی۔ ﴿مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ﴾ ”کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا؟“ یعنی دنیا میں اسے رسوا کرے گا۔ ﴿وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿39﴾﴾ یعنی کس پر دائمی، ابدی اور ہمیشہ ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے؟

تفسیر آیت: 40

طوفان کا آغاز: یہ حضرت نوح علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا ذکر ہے کہ جب مسلسل اور موسلا دھار بارش اور نہ تھمنے اور نہ رکنے والے زبردست اور خوفناک طوفان کا وقت آ گیا تو کیفیت یہ تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝ؗۖ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝ۚ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝﴾ (القمر54:11-14) ”چنانچہ ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیے۔ اور ہم نے زمین میں چشمے جاری کر دیے تو پانی ایک کام کے لیے، جو مقدر ہو چکا تھا، جمع ہو گیا اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر، جو تختوں اور میخوں سے تیار کی گئی تھی، سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی، (یہ سب کچھ) اس شخص کے انتقام کے لیے (کیا گیا) جس کا انکار کیا گیا تھا۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ﴾ ”اور تنور جوش مارنے لگا۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تنور سے مراد سطح زمین ہے۔[2] یعنی زمین جوش مارتے ہوئے چشموں کی صورت اختیار کر گئی حتی کہ وہ تنور جو آگ کی جگہ ہوتی ہے وہاں سے بھی پانی پھوٹنے لگا۔ جمہور علمائے سلف و خلف کا یہی قول ہے۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ تمام جاندار مخلوقات میں سے ایک ایک جوڑا (ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے کر

[1] تفسیر الطبری:12/46-48. [2] تفسیر الطبری:12/51.

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿41﴾ وَهِيَ

اور نوح نے کہا: اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ، اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ بے شک میرا رب البتہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا

تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَنَادٰى نُوْحُ ِۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ

ہے ﴿41﴾ اور وہ (کشتی) انھیں لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلتی جاتی تھی اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا، اور وہ (سب سے) الگ تھلگ تھا: پیارے

ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿42﴾ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ

بیٹے! تو (بھی) ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں میں شامل نہ ہو ﴿42﴾ وہ بولا میں ابھی کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لیتا ہوں، وہ مجھے پانی سے بچا لے

قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ

گا۔ (نوح نے) کہا: آج اللہ کے حکم (عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر جس پر اللہ رحم فرمائے، اور ان دونوں کے درمیان لہر حائل ہو گئی، تو وہ غرق

مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾

ہونے والوں میں سے ہو گیا ﴿43﴾

کشتی میں سوار ہو جائیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جاندار مخلوقات کی طرح آپ کو ہر قسم کی نباتات میں سے بھی ایک ایک جوڑا (نر مادہ) ساتھ لے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے جس جانور کو کشتی میں داخل کیا وہ چھوٹا طوطا تھا اور جسے سب سے آخر میں داخل کیا وہ گدھا تھا۔ گدھے نے اپنی اگلی ٹانگیں کشتی میں رکھیں تو شیطان اس کی دم سے چمٹ گیا، گدھا جب بھی (اپنی پچھلی ٹانگوں کو اٹھانا چاہتا تو) شیطان اس کی دم کو کھینچ لیتا، نوح علیہ السلام نے گدھے سے کہا کہ تجھ پر افسوس! جلدی سے داخل ہو جاؤ۔ گدھا اٹھنے کی کوشش کرتا مگر اٹھ نہ سکتا، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ جلدی سے داخل ہو جاؤ، خواہ ابلیس تمھارے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، پس اس طرح گدھا اور ابلیس دونوں کشتی میں سوار ہو گئے۔ [1]

صرف اسّی (80) مرد وزن ایمان لائے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ ﴾ ''اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اس کشتی میں سوار کر لو۔'' یعنی اس کشتی میں اپنے گھر والوں اور رشتے داروں کو بھی سوار کر لو۔ ہاں، البتہ جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے کہ وہ ہلاک ہو جائے گا کیونکہ وہ ایمان نہیں لایا، اسے سوار نہ کرنا۔ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے والوں میں ان کا اپنا بیٹا ''یام'' بھی تھا جو آپ سے الگ ہو گیا تھا، اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایمان نہیں لائی تھی بلکہ کافرہ تھی۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ ﴾ ''اور جو ایمان لایا ہو۔'' یعنی جو تمھاری قوم میں سے ایمان لے آیا ہو، اسے بھی اپنے ساتھ سوار کر لو ﴿ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿40﴾ ﴾ یعنی بہت ہی قلیل تعداد میں لوگ ایمان لائے تھے، حالانکہ آپ نے ان کے مابین ساڑھے نو سو سال کا طویل عرصہ گزارا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے

[1] تفسیر الطبری:12/48,49 .

والے تمام مردوں (اور عورتوں) کی تعداد اسی (80) تھی۔[1]

تفسیر آیات: 41-43

کشتی میں سوار ہونا اور ہولناک موجوں میں اس کا چلنا: اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے ان لوگوں سے کہا جنھیں اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر لینے کا انھیں حکم دیا گیا تھا: ﴿ اِرْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ﴾ ''اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے، اس میں سوار ہو جاؤ۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پاک نام ہی سے یہ پانی کی سطح پر چلے گی اور اللہ تعالیٰ کے پاک نام ہی سے یہ ٹھہرے گی، ابورجاء عطاردی نے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [بِسْمِ اللّٰهِ مُجْرِيهَا وَمُرْسِيهَا] ''اللہ کا نام لے کر جو اسے چلانے والا اور وہی اسے ٹھہرانے والا ہے (اس میں سوار ہو جاؤ۔)''[2] اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:28,29) ''اور جب تم اور تمھارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔ اور (یہ بھی) دعا کرنا کہ اے پروردگار! ہمیں مبارک جگہ اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا ہے۔'' یہی وجہ ہے کہ تمام امور کے آغاز میں اور کشتی اور جانور پر سواری کے وقت اللہ تعالیٰ کا پاک نام لینا مستحب ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ...... ﴾ الآية (الزخرف 43:12,13) ''اور جس نے سب جوڑے پیدا کیے اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو......'' سنت میں بھی اس بات کی بہت ترغیب آئی ہے جیسا کہ سورۂ زخرف کی تفسیر میں بیان کیا جائے گا۔[3] إِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَبِهِ الثِّقَةُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۴۱ ﴾ ''بے شک میرا پروردگار البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے جب تمام کافروں کو غرق کر کے ان سے انتقام لے لیا تو اس موقع پر مناسب تھا کہ یہ بھی بیان کر دیا جاتا کہ وہ بخشنے والا اور مہربان بھی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ﴾ (الأعراف 7:167) ''بے شک آپ کا پروردگار البتہ جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک البتہ وہ خوب بخشنے والا، نہایت مہربان بھی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ﴾ (الرعد 13:6) ''اور یقیناً آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار البتہ سخت عذاب دینے والا ہے۔'' اسی طرح اور بھی بہت سی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور اپنے انتقام کو یکجا بیان فرمایا ہے۔

[1] تفسیر الطبری :12/57. [2] تفسیر الطبری :12/58. [3] دیکھیے مفصل تفسیر ابن کثیر، الزخرف، آیات :13,14 کے ذیل میں۔

وَقِيلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ

اور کہا گیا: اے زمین! تو اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان! تو (برسنے سے) تھم جا، اور پانی اتار (کر غائب کر) دیا گیا، اور (کافروں کا) کام تمام کر دیا

عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿44﴾

گیا، اور (کشتی) جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہری، اور کہا گیا: ظالم قوم کے لیے دوری (لعنت) ہے ﴿44﴾

سفینۂ نوح موجوں کی روانی میں: اور فرمایا: ﴿ وَهِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ﴾ ''اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں پر چلنے لگی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے۔)'' یعنی کشتی اس پانی کی سطح پر چلنے لگی جس نے تمام روئے زمین کو ڈھانپ لیا تھا حتی کہ وہ پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی پندرہ (15) ہاتھ[1] اور ایک قول کے مطابق اسی (80) میل بلند تھا[2] اور یہ کشتی اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اس کی عنایت وحفاظت اور اس کے فضل وکرم سے، اتنے زبردست پانی کی سطح پر رواں دواں رہی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۝ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَّتَعِيَهَآ اُذُنٌ وَّاعِيَةٌ ۝ ﴾ (الحآقة 12,11:69) ''بے شک جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم لوگوں کو کشتی میں سوار کر لیا تاکہ ہم تمھارے لیے اس (فعل) کو نصیحت بنا دیں اور (تاکہ) یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝ تَجْرِيْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝ وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَآ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ ﴾ (القمر 54:13-15) ''اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میخوں سے (تیار کی گئی) تھی، سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی اس شخص کے انتقام کے لیے جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور یقیناً ہم نے اس کو ایک نشانی بنا چھوڑا، پھر کیا کوئی نصیحت پکڑنے والا ہے؟''

مجبور رہا محبوب ترا، کشتی میں پسر کو بٹھا نہ سکا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ ﴾ ''اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔'' یہ حضرت نوح علیہ السلام کا چوتھا بیٹا تھا جس کا نام ''یام'' تھا اور یہ کافر تھا۔ کشتی پر سوار ہوتے وقت بھی اس کے باپ نے اسے دعوت دی کہ وہ ایمان لے آئے، ان کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے اور کافروں کی طرح غرق نہ ہو مگر اس نے جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ﴾ ''میں ابھی کسی پہاڑ کی طرف پناہ لے لیتا ہوں۔ وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔'' اپنی جہالت کے باعث اس کا یہ خیال تھا کہ یہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں تک نہیں پہنچے گا، لہٰذا وہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر غرق ہونے سے بچ جائے گا۔ اس کا یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ﴾ ''آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں (اور نہ کوئی بچ سکتا ہے) مگر جس پر اللہ رحم کرے۔'' یعنی آج کوئی چیز اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گی۔ (باپ اور بیٹے کے درمیان یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ) ﴿ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿43﴾ ﴾ ''اور اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہوگئی تو وہ غرق شدہ لوگوں میں سے ہو گیا۔''

تفسیر آیت: 44

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2036/6. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2036/6.

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا، چنانچہ اس نے کہا: اے میرے رب! بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے، اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو

الْحٰكِمِیْنَ ﴿45﴾ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا

سب فیصلے کرنے والوں سے بڑھ کر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿45﴾ اللہ نے کہا: اے نوح! بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں، بے شک اس کا عمل نیک

تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿46﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ

نہیں، لہٰذا تو مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کر جس کا تجھے کوئی علم نہیں۔ بے شک میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے (نہ) ہو جائے ﴿46﴾ نوح

اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ

نے کہا: اے میرے رب! بے شک میں تیری پناہ میں آتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے اس چیز کا سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں، اور اگر تو نے

مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿47﴾

میری بخشش نہ کی اور مجھ پر رحم (نہ) کیا تو میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا ﴿47﴾

طوفان کا اختتام: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے جب کشتی والوں کے سوا دیگر تمام اہل زمین کو غرق کر دیا تو اس نے زمین کو حکم دیا کہ وہ اپنے اس پانی کو نگل لے جو اسی سے پھوٹ کر اس پر جمع ہو گیا تھا اور آسمان سے فرمایا کہ اب بارش برسانے سے تھم جا۔ ﴿ وَغِیْضَ الْمَآءُ ﴾ یعنی کم ہونا شروع ہو گیا۔ ﴿ وَقُضِیَ الْاَمْرُ ﴾ ''اور کام تمام کر دیا گیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ روئے زمین کے ان تمام لوگوں کے خاتمے سے فارغ ہو گیا جنھوں نے اس کی ذاتِ گرامی کے ساتھ کفر کیا تھا۔ اور ان میں سے اس نے کسی ایک کو بھی باقی نہ رہنے دیا۔ ﴿ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ ﴾ ''اور (کشتی کوہِ) جودی پر جا ٹھہری۔'' اپنے ان تمام سواروں سمیت جو اس میں سوار تھے۔

جودی پہاڑ کا عجز و انکسار: امام مجاہد فرماتے ہیں کہ ''جودی'' الجزیرہ کے علاقے کا ایک پہاڑ ہے۔ اس دن جب دیگر تمام پہاڑ اپنے آپ کو غرق ہونے سے بچانے کے لیے اپنی چوٹیوں کو بلند اور لمبا کر رہے تھے تو یہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کے سامنے تواضع و انکسار کا اظہار کر رہا تھا، اس لیے یہ غرق نہ ہوا اور اسی پر حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آ کر ٹھہر گئی۔[1] امام قتادہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کشتی اس پہاڑ پر ایک مہینہ ٹھہری رہی حتی کہ پھر لوگ اس سے اتر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کو نشانی اور عبرت بنا کر سرزمین الجزیرہ کے اس جودی پہاڑ کی چوٹی پر باقی رکھا۔[2] حتی کہ ہماری اس امت کے ابتدائی لوگوں نے بھی اس کشتی کو دیکھا تھا، حالانکہ اس کے صدیوں بعد بننے والی کتنی ہی کشتیاں تباہ و برباد ہو کر خاک میں مل گئی تھیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں کے لیے دوری (لعنت) ہے۔'' یعنی ان کے لیے ہلاکت، نقصان اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے کہ یہ سب کے سب ہلاک ہو گئے اور ان میں سے کوئی بھی باقی نہ بچا۔

---

[1] تفسیر الطبری: 63/12. [2] تفسیر الطبری: 63,62/12.



نوح علیہ السلام
﴿وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ﴾ ''اور وہ (سفینہ) جودی (پہاڑ) پر جا ٹھہرا۔''
(ھود 44:11)
• جنوبی عراق میں قوم نوح کا علاقہ جہاں آج کوفہ آباد ہے۔
• کوہ جودی (ترکی) جہاں سفینہ نوح ٹھہرا۔
شمال
شام
صحرائے شام
عراق
الجزیرہ
موجودہ ماردین
موجودہ نصیبین
جزیرہ ابن عمر
کوہ جودی
موجودہ سنجار
موقع نینویٰ
دریائے فرات
وادی ثرثار
نشیب ثرثار
حبانیہ
موجودہ بغداد
موقع بابل
موجودہ کوفہ
قوم نوح
دریائے دجلہ
سواد
سعدیہ
جبل کبیر
دریائے دیالیٰ
دریائے زاب صغیر
دریائے زاب کبیر
کوہستان کردستان
جھیل اورمیہ
زرینہ
دریائے قزل اوزون
فارس (ایران)
کوہستان زاغروس
دریائے سیمرہ
دریائے کرخہ
دریائے کارون

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ

کہا گیا: اے نوح! اتر تو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تجھ پر اور تیرے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی) ہیں، اور کچھ جماعتیں

ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿48﴾

ہوں گی کہ ہم انھیں (دنیا میں) فائدہ دیں گے، پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا ﴿48﴾

تفسیر آیات: 45-47

حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے گفتگو: یہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف سے اپنے اس بیٹے کی، جو غرق ہو گیا تھا، حقیقتِ حال جاننے اور معلوم کرنے کے لیے سوال کیا تھا، ﴿ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ ﴾ ''پس کہا کہ پروردگار! بے شک میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے (تو اس کو بھی نجات دے۔)'' کیونکہ تو نے میرے گھر والوں کو نجات دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا تو وہ کیوں غرق ہو گیا جبکہ تو تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ ﴿ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ ۚ ﴾ ''اللہ نے فرمایا: اے نوح! وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔'' یعنی جن کو میں نے نجات دینے کا وعدہ کیا ہے کیونکہ میں نے تو تیرے اہل میں سے ان کو نجات دینے کا وعدہ کیا ہے جو تیرے ساتھ ایمان لائیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَھْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ ﴾ (المؤمنون 23:27) ''اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے (کہ ہلاک ہو جائے گا) اس کو چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کو (سوار کر لو۔)'' اور نوح علیہ السلام کے اس بیٹے کے بارے میں بھی یہ حکم ہو چکا تھا کہ اپنے باپ اور اللہ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کفر کرنے اور ان کی مخالفت کرنے کی وجہ سے غرق ہو جائے گا۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِكَ ۚ ﴾ ''بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔'' یعنی تیرے اس اہل سے نہیں جن کی نجات کا میں نے تجھ سے وعدہ کیا ہے۔

امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ یہ بیٹا تو نوح علیہ السلام ہی کا تھا مگر اس نے اپنے عمل اور نیت سے باپ کی مخالفت کی، لہٰذا اس کے اہل میں سے ہونے کی نفی کر دی گئی۔ عکرمہ نے کہا ہے کہ بعض قراءات کے مطابق ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا گیا ہے: [إِنَّهُ عَمِلَ عَمَلًا غَيْرَ صَالِحٍ] ''بے شک اس نے غیر صالح عمل کیا ہے۔''[1]

تفسیر آیت: 48

سلامتی و برکت کے ساتھ کشتی سے اترنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب کشتی کوہِ جودی پر ٹھہری تو نوح علیہ السلام کو ان کے مومن ساتھیوں اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک آنے والے ہر مومن کو سلام کہا گیا جیسا کہ محمد بن کعب کا قول ہے کہ یہ سلام قیامت تک آنے والے ہر مومن مرد و عورت کے لیے ہے جیسا کہ عذاب اور دنیوی فوائد قیامت تک آنے والے ہر کافر مرد اور عورت کے لیے ہیں۔[2]

[1] تفسیر عبدالرزاق: 191/2، رقم: 1217,1216. [2] تفسیر الطبری: 73/12.

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ

(اے نبی!) یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، اس لیے آپ

هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿49﴾

صبر کریں، بے شک (بہترین) انجام متقین ہی کے لیے ہے ﴿49﴾

امام محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اب طوفان تھم جائے تو اس نے زمین پر ہوا چلا دی، پانی ٹھہر گیا، زمین کے چشمے اور آسمانوں کے دروازے بند ہو گئے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ ﴾ (ھود11:44) ''اور حکم دیا گیا کہ اے زمین! اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان! تھم جا تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا اور (کشتی کوہِ) جودی پر جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں کے لیے دوری ہے۔'' اس سے پانی کم ہونا، اترنا اور خشک ہونا شروع ہو گیا اور کشتی جودی پہاڑ پر آ کر ٹھہر گئی۔ اہل تورات کے بقول یہ سال کے ساتویں مہینے کی سترہ تاریخ تھی، پھر اس کے بعد دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ اور جب اس کے بعد چالیس دن اور گزر گئے تو نوح علیہ السلام نے کشتی کا وہ سائبان کھولا جو کشتی میں بنایا ہوا تھا۔ پھر کوے کو بھیجا کہ وہ پانی کی صورت حال کو معلوم کرے مگر وہ واپس نہ آیا تو آپ نے کبوتر کو بھیج دیا، وہ واپس آ گیا اور اس نے بتایا کہ اسے پاؤں رکھنے کے لیے زمین پر کوئی خشک جگہ نہیں ملی، آپ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کبوتر کو پکڑ لیا اور اسے پھر کشتی میں داخل کر دیا۔ پھر سات دن اور گزرنے کے بعد اسے دوبارہ بھیجا تو یہ شام کے وقت واپس آیا اور اس کے منہ میں زیتون کا ایک پتا تھا، اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ سطحِ زمین پر پانی کم ہو گیا ہے۔ پھر سات دن بعد کبوتر کو بھیجا تو وہ واپس نہ آیا، اس سے حضرت نوح علیہ السلام کو یہ معلوم ہو گیا کہ اب زمین (سے پانی چلا گیا ہے اور وہ) واضح ہو گئی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے طوفان کو بھیجنے سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے کبوتر بھیجنے تک پورا ایک سال مکمل ہو گیا اور دوسرے سال کے پہلے مہینے کا پہلا اتوار آیا تو روئے زمین ظاہر ہو گیا، (نظر آنے لگا) اور خشکی ظاہر ہو گئی اور حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی سے پردے کو ہٹا دیا اور زمین کا چہرہ دیکھا اور دوسرے سال کے دوسرے مہینے کی یہ ستائیس تاریخ تھی جب ﴿ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿48﴾ ﴾ ''حکم ہوا کہ نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو تم پر اور تمھارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی) ہیں، اتر آؤ اور کچھ جماعتیں ہوں گی جن کو ہم (دنیا کے فوائد سے) محظوظ کریں گے، پھر ان کو ہماری طرف سے بہت دردناک عذاب پہنچے گا۔''[1]

تفسیر آیت: 49

[1] تفسیر الطبری:64/12.

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

اور (ہم نے) عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو (بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، تمھارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تم

مُفْتَرُوْنَ ﴿50﴾ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا

تو محض جھوٹ گھڑنے والے ہو﴿50﴾ اے میری قوم! میں تم سے اس (تبلیغ) پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو اسی ذات کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا

تَعْقِلُوْنَ ﴿51﴾ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

کیا، پھر کیا تم عقل نہیں رکھتے ؟﴿51﴾ اور اے میری قوم! تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اس کی طرف توبہ کرو، وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿52﴾

گا اور تمھاری قوت پر قوت بڑھائے گا اور تم مجرم بن کر (حق سے) منہ نہ موڑو﴿52﴾

یہ واقعات رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ یہ اور اس طرح کے دیگر واقعات ﴿مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ﴾ ”من جملہ غیب کی خبروں کے ہیں۔“ یعنی غیب کی گزشتہ خبروں میں سے ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف اس طرح وحی کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں، گویا آپ ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ﴿نُوْحِيْهَاۤ اِلَيْكَ ۚ﴾ ”ہم انھیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔“ یعنی ہم آپ کی طرف وحی بھیج کر آپ کو یہ واقعات بتاتے ہیں۔ ﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ؕ﴾ ”اس سے پہلے نہ آپ ہی ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم (ہی ان سے واقف تھی۔)“ یعنی ان واقعات کا اس سے پہلے نہ آپ کو علم تھا اور نہ آپ کی قوم میں سے کسی کو۔ آپ کی تکذیب کرنے والا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان واقعات کو آپ نے فلاں شخص سے سیکھا ہے بلکہ ان واقعات سے تو اللہ تعالیٰ نے مطلع فرمایا اور صحیح صحیح اسی طرح مطلع فرمایا ہے جس طرح یہ رونما ہوئے تھے، پھر سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابیں بھی ان واقعات کی شاہد ہیں۔ لہٰذا آپ کی قوم میں سے جو آپ کی تکذیب کرے اور آپ کو ایذا پہنچائے تو آپ صبر کریں، ہم آپ کو اپنی نصرت واعانت سے سرفراز فرمائیں گے اور دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی سے آپ اور آپ کی فرمانبرداری کرنے والے ہی شادکام ہوں گے جیسا کہ سابقہ پیغمبروں کو بھی ہم ہی نے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں فتح ونصرت سے نوازا تھا، چنانچہ فرمایا: ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......﴾ (المؤمن 51:40) ”بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں......۔“

اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 172,171:37) ”اور یقیناً اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ پہلے ہی ہو چکا ہے کہ وہی (مظفر و) منصور ہیں۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿فَاصْبِرْ ؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿49﴾﴾ ”اس لیے صبر کیجیے بے شک انجام پرہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔“

تفسیر آیات: 50-52

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا قصہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ﴾ ”اور ہم نے عاد کی طرف

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ

انھوں نے کہا: اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لایا اور ہم (صرف) تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم تجھ پر ایمان

بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ

لانے والے (بھی) نہیں﴿53﴾ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے (دماغی) خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔ (ہود نے) کہا: بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا

وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾

ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں بری ہوں ان سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو﴿54﴾ سوائے اللہ کے، چنانچہ تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ

تدبیر کرلو، پھر تم مجھے مہلت نہ دو﴿55﴾ بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے جو میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے، (زمین پر) چلنے پھرنے والا کوئی (جاندار ایسا)

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿56﴾

نہیں جسے اس نے اس کی پیشانی سے نہ پکڑ رکھا ہو، بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے﴿56﴾

ان کے بھائی ہود کو (بھیجا۔)'' تاکہ وہ انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیں اور انھیں بتوں کی پوجا پاٹ سے منع کریں جنھیں انھوں نے خود بنایا اور مختلف خدائی ناموں سے موسوم کر رکھا تھا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اس نصیحت اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کے پہنچانے پر ان سے کسی اجرت کا مطالبہ بھی نہیں کرتے بلکہ اللہ سے اجر وثواب کے طلب گار ہیں جس نے انھیں پیدا فرمایا ہے۔ ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿51﴾ ﴾ ''بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟'' کہ وہ کون ہے جو تمھیں بغیر کسی اجرت کے مطالبے کے ایسے کام کی دعوت دے رہا ہے جو تمھاری دنیا و آخرت کو بہتر کر دینے والا ہے۔ پھر آپ نے انھیں حکم دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ استغفار کرو کہ اس سے سابقہ گناہ معاف ہو جائیں گے اور توبہ کرو کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کرو گے۔ اور جو شخص توبہ واستغفار کو اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے رزق کے حصول کو آسان کر دیتا ہے اور اس کی حفاظت فرماتا ہے، اس لیے یہ بھی فرمایا: ﴿ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ﴾ ''وہ تم پر خوب برسنے والے بادل بھیجے گا۔''

تفسیر آیات: 53-56

حضرت ہود علیہ السلام اور قوم عاد کی گفتگو: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ قوم عاد نے اپنے نبی سے کہا: ﴿ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ ﴾ ''تم ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں لائے۔'' یعنی تم نے اپنے دعوے کی کوئی مضبوط دلیل اور کوئی حجت و برہان پیش نہیں کی۔ ﴿ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ ﴾ ''اور ہم (صرف) تمھارے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔'' یعنی تم نے جو یہ کہا ہے کہ انھیں چھوڑ دو تو ہم تمھاری اتنی سی بات سن کر انھیں چھوڑ دیں؟ ﴿ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿53﴾ ﴾ ''اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں۔'' یعنی نہ تمھاری تصدیق کرنے والے ہیں۔ ﴿ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ ﴾ ''ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں آسیب پہنچا (کر دیوانہ کر) دیا ہے۔'' وہ کہتے تھے ہمارا خیال ہے کہ تم ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے جو منع کرتے اور اسے معیوب قرار دیتے ہو تو اس سے ناراض ہو کر ہمارے کسی

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ

پھر اگر تم (حق سے) منہ موڑو گے تو میں نے وہ (پیغام) تمھیں پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا تھا، اور میرا رب تمھارے سوا ایک

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿57﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا

اور قوم کو (تمھارا) جانشین بنا دے گا، اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ بے شک میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿57﴾ اور جب ہمارا حکم

هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿58﴾ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ۙ

(عذاب) آ گیا تو ہم نے ہود اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت سے نجات دی اور ہم نے انھیں شدید عذاب سے نجات دی ﴿58﴾ اور

جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿59﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ

(دیکھو) یہ عاد ہیں، انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا تھا، اور اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی، اور ہر سرکش (اور حق سے) عناد رکھنے والے کے

هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا

حکم کی پیروی کی ﴿59﴾ اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور روز قیامت کو بھی (لگی رہے گی۔) آگاہ رہو! بے شک (قوم) عاد نے اپنے رب

لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿60﴾ ع

5 ع 11 5

کا انکار کیا۔ خبردار! دوری ہے ہود کی قوم عاد کے لیے ﴿60﴾

معبود نے تمھاری عقل کو ماؤف کر کے تمھیں جنون میں مبتلا کر دیا ہے۔ ﴿ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ مِنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ بے شک میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو بے شک میں ان سے بیزار ہوں سوائے اللہ کے۔'' یعنی میں تمھارے ان تمام معبودانِ باطلہ سے اور ان تمام بتوں سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں۔ ﴿ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ﴾ ''تو تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کر لو۔'' یعنی اگر تم اور تمھارے یہ معبودانِ باطلہ سچے ہیں تو تم سب مل کر میرے بارے میں جو تدبیر کرنی چاہتے ہو کر لو ﴿ ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿55﴾ ﴾ ''پھر تم مجھے مہلت نہ دو۔'' یعنی ایک لمحے کی بھی۔ ﴿ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ ﴾ ''بلاشبہ میں اللہ پر، جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے، بھروسا رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ (اللہ) اس کو چوٹی سے پکڑے ہوئے ہے۔'' یعنی کائنات کی ہر چیز صرف اسی کے غلبہ و تسلط میں ہے اور وہ حاکم و عادل ہے جو اپنے کسی فیصلے میں بھی ظلم نہیں کرتا کیونکہ وہ سیدھے رستے پر ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ اس بات کی حجتِ بالغہ اور دلیلِ قاطعہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے جس بات کو پیش کیا وہ اس میں سچے تھے اور ان کی وہ قوم باطل پر تھی جو بتوں کی پجاری تھی جو کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں بلکہ وہ تو ایسی بے جان چیزیں ہیں جو سننے اور دیکھنے اور کسی سے دوستی یا دشمنی کرنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتیں جبکہ اللہ وحدہ لاشریک کی ذات گرامی ہی اس بات کی مستحق ہے کہ اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کی جائے کیونکہ صرف اسی کے ہاتھ میں کائنات کی بادشاہت ہے اور صرف اسی کا تصرف کارفرما ہے، کوئی بھی چیز اس کی ملکیت اور اس کے غلبہ و تسلط کے دائرے

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا)۔ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، اسی

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَیْهِ ؕ اِنَّ رَبِّیْ

نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اسی نے تمھیں اس میں آباد کیا، چنانچہ تم اس سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو۔ بے شک میرا رب بہت

قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ﴿61﴾

قریب ہے، (دعائیں) قبول کرنے والا ہے ﴿61﴾

سے باہر نہیں ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود ہے نہ کوئی پروردگار۔

تفسیر آیات: 57 - 60

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کو وارننگ: حضرت ہود علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ ''اگر تم روگردانی کرو گے۔'' اس بات سے جسے میں تمھارے سامنے پیش کر رہا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کرو جبکہ تم پر حجت تمام ہو چکی ہے اور میں نے تم تک اللہ تعالیٰ کا وہ پیغام پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ اس نے مجھے تمھاری طرف بھیجا ہے۔ ﴿ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ﴾ ''اور میرا پروردگار تمھاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا۔'' جو اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے اور اس کے ساتھ شرک نہیں کریں گے اور اسے تمھاری کوئی پروا بھی نہیں ہوگی کیونکہ تم کفر کے ساتھ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے بلکہ تمھارے اس کفر کا وبال تمھی پر پڑے گا۔ ﴿ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿57﴾ ﴾ ''بے شک میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے اقوال و افعال کا شاہد بھی ہے اور محافظ بھی۔ پھر وہ انھی کے مطابق اپنے بندوں کو جزا دے گا، اعمال و اقوال اچھے ہوئے تو اچھی جزا اور اگر برے ہوئے تو بری سزا۔

قوم عاد کی تباہی اور مومنوں کی نجات: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا ﴾ ''اور جب ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا'' اور وہ اس نامبارک ہوا کی صورت میں تھا جس نے ساری قوم عاد کو ہلاک کر دیا اور اس سخت ترین عذاب سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے پیروکار ہی محفوظ رہے۔ ﴿ وَتِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ ''یہ (وہی) عاد ہیں جنھوں نے اللہ کی نشانیوں کا انکار کیا۔'' یعنی ان کے ساتھ کفر کیا ﴿ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ ﴾ ''اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی۔'' یہاں جمع کا صیغہ رسل اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے کسی ایک نبی کے ساتھ کفر کرے تو اس نے گویا تمام انبیاء کے ساتھ کفر کیا کیونکہ وجوبِ ایمان کے اعتبار سے کسی نبی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ قومِ عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ کفر کیا تھا تو ان کے اس کفر کو اس طرح بیان کیا گیا ہے، جیسے انھوں نے تمام رسولوں کے ساتھ کفر کیا ہو۔ ﴿ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ﴿59﴾ ﴾ ''اور ہر سرکش و متکبر کا کہا مانا۔'' اپنے نیک پیغمبر کی اتباع کو ترک کر دیا اور ہر سرکش و متکبر کی پیروی شروع کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ان کا جب بھی ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اور مومنوں کی طرف سے ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے۔ اور روزِ قیامت تمام مخلوقات کے سامنے ان کے بارے میں اعلان کیا جائے گا: ﴿ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

انھوں نے کہا: اے صالح! تحقیق تو اس سے پہلے ہم میں امیدوں کا مرکز تھا۔ کیا تو ہمیں اس بات سے روکتا ہے کہ ہم ان کی عبادت کریں جن کی

وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿62﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى

ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ اور بلاشبہ جس چیز (توحید) کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ہم اس کے متعلق ایسے شک میں ہیں جو اضطراب میں

بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا

ڈالنے والا ہے ﴿62﴾ صالح نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿63﴾

رحمت (نبوت) دی ہو، پھر اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ (کے عذاب) سے میری مدد کون کرے گا؟ تم تو میرا نقصان ہی بڑھا رہے ہو ﴿63﴾

﴿بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿60﴾﴾ ''دیکھو! عاد نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو! ہود کی قوم عادیوں پر پھٹکار ہے۔''

تفسیر آیت: 61

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ ''اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو (بھیجا۔)'' قوم ثمود کے لوگ تبوک اور مدینہ کے درمیان حجر کے شہروں میں رہتے تھے۔ یہ لوگ قوم عاد کے بعد ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ان کے بھائی حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا، انھوں نے انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ ''اس نے تم کو زمین سے پیدا کیا۔'' یعنی تمھاری تخلیق کی ابتدا زمین (مٹی) سے کی اور تمھارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو زمین (مٹی) سے پیدا کیا۔ ﴿وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا﴾ ''اور تمھیں اس میں آباد کیا۔'' یعنی تمھیں زمین میں بسا دیا، تم اس میں بستے ہو اور اس سے فائدے اٹھاتے ہو۔ ﴿فَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾ ''تو تم اس سے مغفرت مانگو۔'' اپنے سابقہ گناہوں کی۔ ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ﴾ ''پھر تم اسی کی طرف توبہ کرو۔'' کہ آئندہ ان کا ارتکاب نہیں کرو گے۔ ﴿اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿61﴾﴾ ''بے شک میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا قبول کرنے والا (بھی) ہے۔'' جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ﴾ ...... الآیة (البقرة 186:2) ''اور (اے پیغمبر!) جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دیجیے کہ) بے شک میں تو (تمھارے) قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں......''

تفسیر آیات: 63,62

حضرت صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کی گفتگو: یہاں اللہ تعالیٰ نے اس گفتگو کو بیان فرمایا ہے جو حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کے مابین ہوئی تھی اور قوم نے کس طرح جہالت اور سرکشی سے کام لیتے ہوئے ان سے کہا: ﴿قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ﴾ ''اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے۔'' یعنی اس بات سے پہلے ہمیں تمھارے بارے میں یہ امید تھی کہ تم عقل مند ہو گے۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ

اور اے میری قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمھارے لیے بطور نشانی ہے، لہٰذا تم اسے چھوڑ دو کہ کھاتی (چرتی) پھرے اللہ کی زمین میں اور تم اسے برائی سے

فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿64﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ

نہ چھونا، ورنہ تمھیں جلد عذاب پکڑ لے گا ﴿64﴾ پھر انھوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں، تو (صالح نے) کہا: تم اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھا

ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿65﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

لو۔ یہ ایسا وعدہ ہے جس میں جھوٹ نہیں بولا جائے گیا ﴿65﴾ پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آگیا تو ہم نے صالح اور اس کے ساتھ ایمان لانے والوں

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِىِٕذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿66﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ

کو اپنی رحمت سے نجات دی، اور اس (قیامت کے) دن کی رسوائی سے بھی (نجات دی)، بے شک آپ کا رب، وہی ہے نہایت قوی، بہت

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿67﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ

زبردست ﴿66﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آ پکڑا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿67﴾ جیسے کبھی ان میں بسے

ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿68﴾ ع

ہی نہ تھے۔ آگاہ رہو! بے شک ثمود (قوم) نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سن لو! پھٹکار (لعنت) ہے ثمود کے لیے ﴿68﴾

﴿ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ﴾ ”کیا تم ہمیں ان کو پوجنے سے منع کرتے ہو جنھیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے آئے ہیں۔“ یعنی جن کی پرستش کو ہمارے بزرگوں نے اختیار کر رکھا تھا۔ ﴿ وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿62﴾ ﴾ ”اور بلاشبہ ہم اس بات کے بارے میں جس کی طرف تو ہمیں دعوت دیتا ہے یقیناً ایک بے چین رکھنے والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“ یعنی بہت زیادہ شک۔ ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ﴾ ”(صالح نے) کہا: اے میری قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل پر ہوں۔“ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یقین و برہان کے ساتھ تمھاری طرف بھیجا ہے۔ ﴿ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ﴾ ”اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت (نبوت) دی ہو تو اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اللہ (کے عذاب) سے میری مدد کون کرے گا؟“ اور میں حق کی اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی تمھیں دعوت دینا ترک کر دوں اور اگر میں اللہ کو چھوڑ بیٹھوں تو تم مجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکو گے اور مجھے نقصان ہی میں زیادہ کرو گے۔

تفسیر آیات: 64 - 68

اس قصے (اونٹنی کا بطور نشانی ظہور، پھر اس کے مارے جانے) کے بارے میں تفصیل کے ساتھ بحث سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔[1] وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ.

---

[1] دیکھیے آیات: 73-78 کے ذیل میں۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ

اور البتہ تحقیق ہمارے قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے۔ انھوں نے کہا: (آپ پر) سلام ہو۔ ابراہیم نے کہا: (تم پر بھی) سلام ہو۔

جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿69﴾ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ط

پھر دیر کیے بغیر وہ ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا﴿69﴾ پھر جب اس نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (بچھڑے) کی طرف نہیں پہنچتے تو انھیں اجنبی سمجھا اور (دل

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴿70﴾ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا

میں) ان سے خوف محسوس کیا۔ انھوں نے کہا: (ہم سے) نہ ڈر، بے شک ہمیں تو قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے﴿70﴾ اور ابراہیم کی بیوی (قریب) کھڑی

بِاِسْحٰقَ لا وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿71﴾ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ

تھی تو وہ ہنس پڑی، پھر ہم نے اسے اسحق کی خوشخبری دی اور اسحق کے بعد یعقوب (پوتے) کی﴿71﴾ وہ بولی: ہائے ہائے! کیا (اب) میں بچہ جنوں گی،

شَيْخًا ط اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ ﴿72﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ

حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہے؟ بے شک یہ تو بہت ہی عجیب چیز ہے﴿72﴾ انھوں نے کہا: کیا تو اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہے! اللہ

عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ط اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿73﴾

کی رحمت اور برکتیں ہوں تم پر اے اہل بیت! بے شک اللہ قابل تعریف، نہایت بزرگی والا ہے﴿73﴾

تفسیر آیات: 69-73

فرشتوں کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آمد اور اسحاق و یعقوب علیہما السلام کی بشارت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى﴾ ”اور البتہ تحقیق ہمارے قاصد (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے۔“ ایک قول تو یہ ہے کہ فرشتوں نے حضرت اسحاق کے بارے میں خوشخبری دی۔[1] اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس بشارت کا تعلق قوم لوط کی ہلاکت سے تھا۔[2] ان میں سے پہلے قول کی تائید حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے ہوتی ہے: ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿74﴾﴾ (ہود 11:74) ”تو جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑا کرنے لگے۔“

﴿قَالُوْا سَلٰمًا ط قَالَ سَلٰمٌ﴾ ”انھوں نے سلام کہا، ابراہیم (علیہ السلام) نے بھی (جواب میں) سلام کہا۔“ یعنی تم پر بھی سلام ہو۔ ماہرین علم بیان کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سلام فرشتوں کے سلام سے زیادہ بہتر تھا، اس لیے کہ مرفوع ہونا (جملہ اسمیہ) ثبوت اور دوام پر دلالت کرتا ہے۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلام کے معنی یہ ہیں کہ فرشتو! تم پر ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔)

آداب ضیافت: ﴿فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿69﴾﴾ ”ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے۔“ یعنی آپ جلدی سے تشریف لے گئے اور سامان ضیافت لے آئے اور وہ گائے کے بچھڑے کا گوشت تھا جو گرم پتھروں پر بھنا ہوا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام قتادہ اور کئی ائمۂ تفسیر سے ان الفاظ کے یہی معنی مروی ہیں۔[3] جیسا کہ

[1] تفسیر الطبری: 89/12. [2] تفسیر الطبری: 89/12. [3] تفسیر الطبری: 91,90/12.

ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍۙ فَقَرَّبَهٗٓ اِلَيْهِمْ قَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴾ (الذّٰریٰت 27,26:51) ''پھر وہ چپکے سے اپنے اہل کی طرف گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لائے۔ پھر (کھانے کے لیے) ان کے قریب کر دیا، کہنے لگے کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟'' اس آیت کریمہ سے بہت سے آداب ضیافت بھی معلوم ہو رہے ہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ ﴾ ''پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس (کھانے) کی طرف نہیں جاتے (تو) انھیں اجنبی سمجھا۔'' اور ان سے کچھ بدگمان سے ہو گئے۔ ﴿ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ﴾ ''اور (دل میں) ان سے خوف محسوس کیا۔'' کیونکہ فرشتوں کو کھانے کی ہمت ہے نہ شوق اور نہ وہ کھانا کھاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ دیکھا کہ یہ کھانے سے اعراض کر رہے ہیں اور اس کی طرف قطعاً کوئی توجہ ہی نہیں دے رہے تو آپ انھیں اجنبی سمجھتے ہوئے دل میں خوف محسوس کرنے لگے۔

ابراہیم علیہ السلام اس کے مستحق ہیں کہ اللہ انھیں اپنا دوست قرار دے: سدی نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو قوم لوط کی تباہی کے لیے بھیجا تو وہ نوجوان لڑکوں کی صورت میں چلتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آ گئے اور اپنے آپ کو مہمانوں کے طور پر پیش کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنے ان مہمانوں کو دیکھا تو ان کی عزت افزائی کی: ﴿ فَرَاغَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ فَجَآءَ بِعِجْلٍ سَمِيْنٍۙ ﴾ (الذّٰریٰت 26:51) ''پھر چپکے سے اپنے اہل کی طرف چلے گئے اور ایک (بھنا ہوا) موٹا تازہ بچھڑا لائے۔'' پھر اسے ذبح کر کے، گرم پتھروں پر بھون کر لے آئے اور خود بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ نے کھانا ان کے سامنے پیش کیا اور فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ابراہیم! ہم تو قیمت ادا کر کے کھانا کھاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں، اس کھانے کی بھی ایک قیمت ہے۔ انھوں نے پوچھا کہ وہ کیا؟ آپ نے فرمایا: وہ یہ کہ کھانا شروع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرو اور جب ختم کر لو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ یہ سن کر حضرت جبریل نے میکائیل کی طرف دیکھا اور کہا کہ واقعی یہ اس بات کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنا دوست (خلیل) قرار دے، پھر جب آپ نے انھیں دیکھا کہ وہ کھانا نہیں کھا رہے ہے تو آپ نے انھیں اجنبی سمجھتے ہوئے اپنے دل میں خوف سا محسوس کیا۔ حضرت سارہ علیہا السلام نے بھی جب یہ دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے مہمانوں کی بہت زیادہ عزت افزائی فرمائی ہے اور وہ بھی ان کی خدمت کے لیے کھڑی ہیں تو ہنس پڑیں اور فرمانے لگیں کہ ہمارے یہ مہمان بھی عجیب ہیں کہ ہم ان کی خدمت وعزت کے لیے دیدہ ودل فرشِ راہ کیے ہوئے ہیں اور وہ ہمارے کھانے کو تناول ہی نہیں کر رہے![1]

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے بعد ﴿ قَالُوْا لَا تَخَفْ ﴾ ''(فرشتوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجیے۔'' یعنی انھوں نے کہا کہ ہم سے مت ڈریے ﴿ اِنَّآ ﴾ ''بے شک ہم'' فرشتے ہیں۔ ﴿ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ﴾ ''ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' تاکہ ہم ان کو ہلاک کر دیں۔ حضرت سارہ ان کی ہلاکت کی خوشخبری سن کر ہنسنے لگیں کیونکہ وہ بہت بڑے مفسد اور بہت

[1] تفسیر الطبری:94/12 .

سخت قسم کے کافر تھے۔ چنانچہ مایوسی کے بعد انھیں بچے کی بشارت بھی دے دی گئی۔

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴾ ''تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔'' یعنی ہم نے انھیں بشارت دی کہ ان کے ہاں بیٹا ہوگا اور اس بیٹے سے آگے نسل کا سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ حضرت یعقوب، حضرت اسحاق ہی کے بیٹے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کی آیت میں فرمایا ہے: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ 2:133) ''بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے؟ جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔''

ذبیح، اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں: اسی سے بعض لوگوں نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ ذبیح حضرت اسحاق ہوں کیونکہ ان کے بارے میں جب بشارت دی گئی تو ساتھ ہی یہ خوشخبری بھی سنائی گئی تھی کہ ان کے ہاں یعقوب نامی بیٹا بھی پیدا ہوگا تو پھر یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ ان کے بچپن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کے ذبح کر دینے کا حکم دیا جاتا جبکہ ان کے ہاں ابھی یعقوب نامی وہ بچہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا جس کے بارے میں وعدہ کیا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے جس میں کسی قسم کی وعدہ خلافی نہیں، لہٰذا یہ ممکن نہیں تھا کہ اس حالت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق کے ذبح کر دینے کا حکم دیا جاتا۔ اس سے یہ بات یقینی طور پر واضح ہوگئی کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔ واقعی یہ بہت خوب صورت، صحیح اور نہایت واضح استدلال ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴾ ''اس نے کہا: ہائے ہائے! کیا میں بچہ جنوں گی، حالانکہ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں؟ بے شک یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔'' اس آیت میں آپ کے قول کو بیان کیا گیا ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ فَاَقْبَلَتِ امْرَاَتُهٗ فِيْ صَرَّةٍ فَصَكَّتْ وَجْهَهَا وَقَالَتْ عَجُوْزٌ عَقِيْمٌ ○ ﴾ (الذّٰریٰت 51:29) ''تو ابراہیم کی بیوی چیختی چلاتی سامنے آئی اور پھر اپنا منہ پیٹ کر کہنے لگی: (میں) بانجھ، بڑھیا ہوں (اولاد کیسے؟)'' حضرت سارہ کا یہ قول و فعل بالکل اسی طرح تھا جس طرح تعجب کے وقت عورتوں کی عادت ہوتی ہے۔ ﴿ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ﴾ ''انھوں نے کہا: کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟'' یعنی فرشتوں نے حضرت سارہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب نہ کرو کیونکہ وہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے اگرچہ تم بڑھیا اور بانجھ ہو اور تمھارے میاں بھی بہت بوڑھے ہیں تو پھر بھی تعجب نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿74﴾ اِنَّ

پھر جب ابراہیم سے خوف چلا گیا اور اس کے پاس خوشخبری آ گئی تو وہ ہم سے قوم لوط کی بابت جھگڑنے لگا﴿74﴾ بے شک ابراہیم بہت بردبار، بہت

اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿75﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ

زیادہ آہ و زاری کرنے والا، (ہماری طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا﴿75﴾ (ہم نے کہا:) اے ابراہیم! اس (بات) کو جانے دو، بے شک تمھارے رب

رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿76﴾

کا حکم آ پہنچا ہے اور بے شک ان لوگوں پر (ایسا) عذاب آنے والا ہے جو (ان سے) پھیرا نہیں جائے گا﴿76﴾

﴿ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿73﴾ ﴾ ''اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں، یقیناً وہ سزاوار تعریف، بزرگ وار ہے۔'' یعنی وہ اپنے تمام افعال واقوال میں قابلِ تعریف اور اپنی ذات و صفات میں قابل ستائش و تعظیم ہے۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہمیں یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ ہم آپ پر سلام کس طرح بھیجیں لیکن ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ آپ پر درود کس طرح بھیجیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہو: [اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ، اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى آلِ إِبْرَاهِيمَ...... إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ] ''اے اللہ! تو محمد اور آل محمد پر رحمت نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم پر رحمت نازل فرمائی ہے بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بزرگی کا مالک ہے اور محمد اور آل محمد پر برکتیں نازل فرما جس طرح تو نے ابراہیم اور آل ابراہیم کو برکتوں سے نوازا ہے، بے شک تو ہی تعریف کے لائق، بزرگی کا مالک ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 74-76

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قومِ لوط کے بارے میں جھگڑا: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان سے خوف جاتا رہا، وہ خوف جو انھوں نے فرشتوں کے کھانا نہ کھانے کی وجہ سے محسوس کیا تھا اور فرشتوں نے انھیں بیٹے کی بشارت بھی سنا دی تو پھر انھوں نے آپ کو یہ خبر دی کہ وہ قومِ لوط کو ہلاک کرنے کے لیے بھی آئے ہیں۔ سعید بن جبیر نے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام اور جو ان کے ساتھ آئے تھے انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ﴿ اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ﴾ (العنکبوت 29:31) ''یقیناً ہم اس بستی (سَدُوم) کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے ہیں۔'' تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: کیا تم اس بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہو جس میں تین سو مومن ہوں؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اس بستی کو جس میں دو سو مومن ہوں؟ انھوں نے کہا: نہیں، آپ نے فرمایا: اس بستی کو جس

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب، حدیث:3370 وصحیح مسلم، الصلاة، باب الصلاة علی النبیﷺ بعد التشهد، حدیث: 405 واللفظ له. لیکن اس روایت میں [وعلی آل محمد] ہے اور [إنك حمید مجید] سے پہلے [في العَالَمِينَ] کا اضافہ ہے جو حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ذکر نہیں کیا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ

اور جب ہمارے قاصد (فرشتے) لوط کے پاس آئے تو وہ ان کی وجہ سے غمگین ہوا اور ان سے دل میں تنگ ہوا اور بولا: یہ انتہائی سخت دن ہے (77) اور اس

عَصِيْبٌ ﴿77﴾ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ

کی قوم کے لوگ دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے، جبکہ وہ پہلے ہی سے برے عمل کرتے تھے۔ اس نے کہا: اے میری قوم! یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں

يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ

(ان سے نکاح کرلو)، یہ تمھارے لیے پاکیزہ تر ہیں، لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟ (78)

رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿78﴾ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿79﴾

انھوں نے کہا: یقیناً تو جانتا ہے کہ ہمارے لیے تیری (قوم کی) بیٹیوں میں کوئی حق (دلچسپی) نہیں اور بلاشبہ تو یقیناً جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں (79)

میں چالیس مومن ہوں؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، فرمایا: تیس؟ جواب دیا: نہیں، حتی کہ آپ اس طرح پانچ تک پہنچ گئے تو انھوں نے یہی جواب دیا کہ نہیں، تو آپ نے فرمایا: اچھا تم یہ بتاؤ کیا اس بستی کو ہلاک کردو گے جس میں ایک مسلمان شخص موجود ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا: نہیں، ہم اسے بھی ہلاک نہیں کریں گے تو اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتایا: ﴿اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ڡ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۫ ...... ﴾ الآية (العنكبوت 32:29) ”بے شک اس میں تو لوط بھی ہیں، وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں (رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں، یقیناً ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیں گے سوائے ان کی بیوی کے......“ فرشتوں کی یہ بات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہوگیا اور آپ نے خاموشی اختیار فرمالی۔[1]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفاتِ جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿75﴾﴾ ”بے شک ابراہیم بڑے تحمل والا، نرم دل، رجوع کرنے والا تھا۔“ پھر قومِ لوط کے بارے میں آپ سے فرمایا گیا: ﴿يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ﴾ ”اے ابراہیم! اس سے باز آجاؤ، بے شک تمھارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے۔“ یعنی ان کے بارے میں فیصلہ کردیا گیا ہے، اس عذاب، ہلاکت اور تباہی و بربادی کا فیصلہ جسے مجرموں کی قوم سے ٹالا نہیں جاسکتا۔

تفسیر آیات: 77-79

فرشتوں کی حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آمد: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے بھیجے ہوئے فرشتوں نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ بتا دیا کہ آج رات اللہ تعالیٰ قومِ لوط کو ہلاک کردے گا تو فرشتے آپ کے پاس سے فارغ ہوکر حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آگئے۔ حضرت لوط اس وقت اپنی زمین میں یا اپنے گھر میں تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابتلا و آزمائش کے طور پر فرشتے بہت ہی خوبصورت لڑکوں کی صورت میں آئے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ہر کام حکمت و حجت بالغہ پر مبنی ہوتا ہے۔

[1] تفسير الطبري: 103,102/12 عن سعيد بن جبير و ابن إسحاق رحمهما الله نحوه.

حضرت لوط علیہ السلام ان خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر افسردہ ہو گئے اور اپنے دل میں تنگی محسوس کرنے لگے، آپ یہ خوف محسوس کر رہے تھے کہ اگر آپ نے ان مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کی تو کوئی اور ان کی مہمان نوازی کے لیے تیار ہو جائے گا اور کہیں ایسا نہ ہو کہ پھر وہ ان سے بدسلوکی کرے۔ ﴿ وَ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴾ ''اور وہ کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بہت سخت آزمائش کا دن ہے۔[1] کیونکہ آپ کو یہ معلوم تھا کہ آپ ان مہمانوں کا ضرور خیال رکھیں گے اور اس میں آپ کو کافی مشقت اٹھانا پڑے گی۔

قتادہ نے بیان کیا ہے کہ فرشتے جس وقت آپ کے پاس آئے، اس وقت آپ اپنی زمین پر تھے۔ فرشتوں نے اپنے آپ کو آپ کے سامنے مہمانوں کے طور پر پیش کیا، آپ نے شرم وحیا کا مظاہرہ فرمایا اور گھر جانے کے لیے ان کے آگے آگے چلنے لگے، رستے میں اشارے کنایے سے آپ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ آپ لوگ یہاں سے چلے جائیں کیونکہ اللہ کی قسم! مجھے نہیں معلوم کہ روئے زمین پر اس بستی کے لوگوں سے زیادہ خبیث لوگ ہوں، تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ نے یہ بات پھر فرمائی حتی کہ رستے میں آپ نے اسے چار بار دوہرایا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کو یہ حکم تھا کہ وہ اس وقت تک ان لوگوں کو ہلاک نہ کریں جب تک ان کا نبی بھی ان کے بارے میں گواہی نہ دے دے۔[2]

نبی قوم کے لیے باپ کی حیثیت رکھتا ہے: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ﴾ ''قوم کے لوگ ان کے پاس دوڑتے ہوئے آئے۔'' اور خوشی ومسرت کی وجہ سے اچھلتے اور کودتے ہوئے آئے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ ''اور یہ لوگ پہلے ہی سے برے عمل کیا کرتے تھے۔'' یعنی وہ اس بری عادت میں مبتلا تھے حتی کہ وہ اسی میں پکڑے گئے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ﴾ ''(لوط نے) کہا کہ اے میری قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمھارے لیے (جائز اور) بہت پاکیزہ ہیں۔'' یعنی آپ نے انھیں ان کی عورتوں کی طرف رہنمائی فرمائی۔ انھیں اپنی بیٹیاں اس لیے قرار دیا کہ نبی اپنی امت کے لیے والد کی طرح ہوتا ہے۔ آپ نے ایک ایسے کام کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی جو ان کے لیے دنیا وآخرت دونوں کے اعتبار سے مفید تھا جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۭ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:165,166) ''کیا تم (جنسی تسکین کی خاطر) جہان (والوں) میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟ اور تمھارے پروردگار نے جو تمھارے لیے تمھاری بیویاں پیدا کی ہیں، ان کو چھوڑ دیتے ہو، بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) تم حد سے نکل جانے والے ہو۔'' اس کے جواب میں انھوں نے کہا: ﴿ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:70) ''وہ بولے کیا ہم نے تجھے جہانوں (کی حمایت وطرف داری) سے منع نہیں کیا؟'' یعنی تجھے مردوں کی ضیافت سے منع نہیں کیا؟ ﴿ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۭ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:71,72) ''اس نے کہا کہ یہ

[1] تفسیر الطبری:12/108. [2] تفسیر الطبری:12/106.

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿80﴾ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

اس (لوط) نے کہا: کاش! میرے لیے تمھارے مقابلے میں کوئی قوت ہوتی یا میں کسی مضبوط سہارے کی پناہ لیتا﴿80﴾ (فرشتوں نے) کہا: اے لوط!

لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا

بے شک ہم تیرے رب کے قاصد ہیں، وہ تیری طرف ہرگز نہیں پہنچیں گے، چنانچہ تو اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے چل، اور تم میں

امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ

سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، سوائے تیری بیوی کے، بے شک اسے (وہ عذاب) پہنچنے والا ہے جو ان (لوگوں) کو پہنچے گا۔ بے شک ان کے وعدے

بِقَرِيْبٍ ﴿81﴾

(عذاب) کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟﴿81﴾

میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح کرلو) اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔ (اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی (گمراہی) میں مدہوش (ہورہے) تھے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ ﴾ ''یہ (جو) میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں، یہ تمھارے لیے (جائز اور) بہت پاکیزہ ہیں۔'' امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی اپنی حقیقی لڑکیاں نہ تھیں بلکہ یہ آپ کی امت کی لڑکیاں تھیں اور ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے۔[1] امام قتادہ اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2]

لوط علیہ السلام کی قوم کو نصیحت اور قوم کی ہٹ دھرمی: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ ﴾ ''لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں میں مجھے رسوا نہ کرو۔'' یعنی عورتوں پر اکتفا کرنے کے بارے میں میری بات کو قبول کرلو۔ ﴿ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿78﴾ ﴾ ''کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟'' یعنی جس میں خیر و بھلائی ہو اور وہ اس بات کو قبول کرے جس کا میں حکم دیتا ہوں اور اس بات کو ترک کردے جس سے میں منع کرتا ہوں۔ ﴿ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ﴾ ''وہ بولے یقیناً تم کو معلوم ہے کہ تمھاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں۔'' یعنی تم خوب جانتے ہو کہ عورتوں کی ہمیں نہ کوئی حاجت ہے اور نہ خواہش۔ ﴿ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿79﴾ ﴾ ''اور جو ہماری غرض ہے، اسے بلاشبہ تم خوب جانتے ہو۔'' یعنی ہماری غرض صرف لڑکوں سے متعلق ہے اور اس بات کو تم بھی خوب جانتے ہو، لہٰذا اس سلسلے میں ہم سے ایک ہی بات بار بار کرنے کی تمھیں کیا ضرورت ہے؟

تفسیر آیات: 81,80

حضرت لوط علیہ السلام کی عاجزی اور قوت کی تمنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا: ﴿ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً ﴾ ''اے کاش! مجھے تمھارے مقابلے کی طاقت ہوتی'' تو میں اور میرا خاندان تمھیں سزا دیتا، اسی لیے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَحْمَةُ

[1] تفسير الطبری:110/12. [2] تفسير الطبری:110/12.

اللّٰهِ عَلٰى لُوطٍ (لَّقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلٰى رُكْنٍ شَدِيدٍ) مَا بَعَثَ اللّٰهُ بَعْدَهُ نَبِيًّا إِلَّا فِي ثَرْوَةٍ مِّنْ قَوْمِهِ] ’’اللہ تعالیٰ کی حضرت لوط علیہ السلام پر رحمت ہو کہ وہ مضبوط سہارے کو پکڑنا چاہتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا سہارا اختیار کیے ہوئے تھے۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اپنی قوم کے صاحب حیثیت لوگوں میں سے مبعوث فرمایا۔‘‘[1]

فرشتوں کا آپ کو حقیقت سے مطلع کرنا: جب صورتِ حال یہاں تک پہنچی تو فرشتوں نے آپ کو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انھیں ان کی قوم کی تباہی کے لیے بھیجا گیا ہے اور وہ انھیں قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ ﴿ قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ ﴾ ’’(فرشتوں نے) کہا کہ لوط! بے شک ہم تمھارے پروردگار کے فرشتے ہیں، یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے۔‘‘ یعنی فرشتوں نے آپ سے کہا کہ رات کے آخری حصے میں اپنے اہل خانہ کو لے کر نکل جائیں اور آپ خود ان سب کے پیچھے ہوں، یعنی اپنے اہل کو ہانکنے والے بن جائیں۔

﴿ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ ﴾ ’’اور تم میں سے کوئی (شخص) پیچھے مڑ کر نہ دیکھے۔‘‘ یعنی جب ان پر نازل ہونے والے عذاب کی آواز کو سنو تو پیچھے مڑ کر نہ دیکھو اور ان خوفناک آوازوں کی طرف دھیان نہ دو بلکہ آگے ہی بڑھتے چلے جاؤ ﴿ اِلَّا امْرَاَتَكَ ط ﴾ ’’سوائے تمھاری بیوی کے۔‘‘ اکثر لوگوں نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ تمھاری بیوی تمھارے ساتھ نہیں جائے گی بلکہ اپنے گھر ہی میں رہے گی اور ہلاک ہو جائے گی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ پیچھے مڑ کر ضرور دیکھے گی۔ ان لوگوں کے بقول آپ کی بیوی بھی آپ کے ساتھ نکل گئی تھی لیکن اس نے جب عذاب کی آواز کو سنا تو پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا: ہائے میری قوم! یہ کہنا تھا کہ آسمان سے ایک پتھر آیا اور اس نے اس کا کام تمام کر دیا۔

پھر فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو بشارت دیتے ہوئے یہ بھی بتایا کہ ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت قریب ہی ہے کیونکہ آپ نے ان سے کہا تھا کہ انھیں فوراً ہلاک کر دو تو فرشتوں نے جواب دیا: ﴿ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ط اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴾﴿81﴾ ’’بے شک ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں؟‘‘ قومِ لوط کے لوگ حضرت لوط علیہ السلام کے دروازے پر کھڑے تھے اور ہر طرف سے ان کی طرف دوڑ دوڑ کر چلے آ رہے تھے، حضرت لوط علیہ السلام دروازے پر کھڑے تھے، انھیں دور ہٹا رہے، ڈانٹ پلا رہے اور اس بری بات سے منع فرما رہے تھے جس میں وہ مبتلا تھے مگر وہ ان کی بات کو قبول ہی نہیں کر رہے تھے بلکہ آپ کو ڈراتے اور دھمکاتے تھے۔ تو اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام ان کی طرف نکلے اور ان کے چہروں پر اپنے پر کو مارا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا، پھر جب وہ اپنے گھروں کی طرف واپس جا رہے تھے تو انھیں رستہ نظر نہیں آ رہا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِيْ وَنُذُرِ ○ ﴾ (القمر 37:54) ’’اور یقیناً انھوں نے لوط کو ان کے مہمانوں کے بارے میں پھسلانا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں

---

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة يوسف، حديث:3116 قوسین والے الفاظ صحیح بخاری اور مسلم کے ہیں، دیکھیے صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله: ﴿ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ○ ﴾ (الحجر 51:15)......، حديث: 3372 و صحيح مسلم، الإيمان، باب زيادة طمأنينة القلب بتظاهر الأدلة، حديث:151.

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ مَّنْضُوْدٍ ﴿82﴾

پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آ گیا تو ہم نے اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو نیچے والا (حصہ) کر دیا، اور ان پر کھنگر کے پتھر تہ بہ تہ برسائے ﴿82﴾

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿83﴾

جو آپ کے رب کے ہاں سے نشان زدہ تھے۔ اور وہ (پتھر یا سزا یا بستی) ان ظالموں (قریش مکہ) سے دور نہیں ﴿83﴾

مٹا دیں، چنانچہ (اب) تم میرے عذاب اور ڈراوے (کے مزے) کو چکھو۔"

تفسیر آیات: 83,82

قوم لوط کی بستی کی ہلاکت و تباہی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا﴾ "پھر جب ہمارا حکم (عذاب) آیا" اور یہ طلوعِ آفتاب کا وقت تھا تو ﴿جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾ "ہم نے اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو (الٹ کر) نیچے کر دیا۔" بستی کا نام سَدُوم تھا۔ یہ جملہ اس جملے کی طرح ہے: ﴿فَغَشّٰىهَا مَا غَشّٰى﴾ (النجم 54:53) "پھر اس کو ڈھانپ لیا اس (تباہی اور بربادی) نے جس نے ڈھانپا۔" یعنی ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ اور فارسی میں ﴿سِجِّيْلٍ﴾ مٹی کے پتھروں کو کہتے ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ کا قول ہے۔[1]

بعض نے کہا ہے کہ لفظ ﴿سِجِّيْلٍ﴾ دراصل فارسی کا لفظ سنگ گل ہے۔ فارسی میں پتھر کو سنگ اور مٹی کو گل کہتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ﴾ (الذّٰريٰت 33:51) "مٹی کے پتھر (کھنگر)۔" یعنی بڑے سخت اور مضبوط پتھر تھے اور بقول بعض شدید ترین گرم پتھر تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿سِجِّيْلٍ﴾ کے معنی بہت سخت اور بہت بڑے پتھر کے ہیں۔ سِجِّيلٌ اور سِجِّينٌ کے معنی ایک ہیں۔ تمیم بن مُقبل کا شعر ہے ۔

وَرَجْلَةٍ يَّضْرِبُوْنَ الْبَيْضَ ضَاحِيَةً ضَرْبًا (تَوَاصٰى) بِهِ الْأَبْطَالُ سِجِّينَا

"بعض پیادے دن دِہاڑے خود پر ضرب لگاتے ہیں ایسی ضرب جس کی سختی کے لیے بڑے بڑے پہلوان اپنے شاگردوں کو وصیت کیا کرتے ہیں۔"[2]

پتھروں کی بارش: ارشاد باری تعالیٰ: ﴿مَّنْضُوْدٍ﴾ کے معنی بعض علماء نے یہ بیان کیے ہیں کہ یہ پتھر آسمان میں اسی مقصد کی خاطر تیار کیے گئے تھے اور بعض نے اس لفظ کے معنی تہ بہ تہ بیان کیے ہیں، یعنی وہ ان پر آسمان سے پے در پے اور مسلسل برس رہے تھے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ یعنی ان پتھروں پر نشان بھی لگے ہوئے تھے اور جن ظالموں کو وہ پتھر لگنے تھے، ان پر ان کے نام بھی لکھے ہوئے تھے۔ امام قتادہ اور عکرمہ کہتے ہیں کہ وہ پتھر نوکیلے تھے جو قدرے سرخ رنگ کے تھے۔[3] انھوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ﴿مُّسَوَّمَةً﴾ یہ پتھر شہر والوں پر بھی برسے اور گرد و نواح کی بستیوں پر بھی۔ ان میں سے ایک شخص لوگوں کے درمیان کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ اچانک اس پر آسمان سے ایک پتھر گرا جس نے اسے ہلاک کر دیا، پھر اس

[1] تفسیر الطبری:122/12. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ﴾ (هود11:7)، بعد الحدیث: 4684، البتہ ابن کثیر میں تواصی کے بجائے تَوَاصَتْ ہے۔ [3] تفسیر الطبری:125/12.

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا

اور (ہم نے) مدین (والوں) کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود

تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿84﴾

نہیں، اور تم ناپ تول کم نہ کرو، بے شک میں تمھیں خوشحال دیکھتا ہوں، اور بے شک مجھے تم پر گھیر نے والے عذاب کے دن سے خوف آتا ہے ﴿84﴾

وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ

اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف سے پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو، اور تم زمین میں فسادی بن کر نہ پھرو ﴿85﴾ اللہ کی

مُفْسِدِیْنَ ﴿85﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ۬ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿86﴾

بچت (جائز نفع) تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو، اور میں تم پر محافظ نہیں ہوں ﴿86﴾

کے بعد دیگر تمام شہروں اور بستیوں پر مسلسل پتھر برسنے لگے جن کی وجہ سے یہ تمام لوگ تباہ و برباد ہو گئے اور ان میں سے ایک شخص بھی زندہ باقی نہ بچا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ﴿83﴾ ﴾ ''اور وہ ان ظالموں سے دور نہیں۔'' اس کا یہ مفہوم بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ عبرت ناک سزا جو ان ظالموں کو دی گئی، اس طرح کے ظلم کا ارتکاب کرنے والوں سے کچھ بعید نہیں ہے، انھیں بھی اسی طرح کی سزا دی جا سکتی ہے۔ کتب سنن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی مرفوع حدیث میں ہے: [مَنْ وَّجَدْتُّمُوْهُ یَعْمَلُ عَمَلَ قَوْمِ لُوطٍ فَاقْتُلُوا الْفَاعِلَ وَالْمَفْعُولَ بِهٖ] ''تم جس شخص کو قوم لوط جیسا کام کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔''[1]

تفسیر آیت: 84

مدین کا قصہ اور حضرت شعیب علیہ السلام کی دعوت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے مدین کی طرف بھی رسول بھیجا۔ اور مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا، یہ لوگ مَعان کے قریب حجاز اور شام کے درمیان رہتے تھے۔ اور ان کا علاقہ مدین کے نام سے مشہور تھا۔ اور نسب کے اعتبار سے یہ اس علاقے کا ایک اشرف قبیلہ تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ ﴾ ''(مدین کی طرف) ان کے بھائی شعیب (کو بھیجا۔)'' تاکہ وہ انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کا حکم دیں اور ناپ تول میں کمی سے منع کریں۔ انھوں نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ ﴾ ''بے شک میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں۔'' یعنی معیشت اور رزق کی فراوانی کی وجہ سے تم خوشحال ہو، لہٰذا کہیں ایسا نہ ہو کہ گناہوں کے ارتکاب کی وجہ سے تم ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤ۔ ﴿ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿84﴾ ﴾ ''اور بے شک مجھے تمھارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔'' یعنی آخرت میں۔

---

[1] سنن أبي داود، الحدود، باب فیمن عمل عمل قوم لوط، حدیث:4462 وجامع الترمذي، الحدود، باب ماجاء في حد اللوطي، حدیث:1456 وسنن ابن ماجه، الحدود، باب من عمل عمل قوم لوط، حدیث:2561.

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا

انھوں نے کہا: اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے یہ حکم کرتی (سکھاتی) ہے کہ ہم ان (معبودوں) کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا اپنے

مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿87﴾

مالوں میں وہ نہ کریں جو کرنا چاہیں؟ بلاشبہ تو تو بڑا نرم مزاج، بڑا سمجھ دار ہے ﴿87﴾

تفسیر آیات: 86,85

ڈکیتی، راہزنی اور ناپ تول میں کمی کرنے والی قوم: حضرت شعیب علیہ السلام نے انھیں پہلے تو اس بات سے منع کیا کہ وہ جب لوگوں کو دیں تو ناپ تول میں کمی نہ کریں، پھر حکم دیا کہ لیتے اور دیتے وقت ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو، نیز آپ نے انھیں زمین میں فتنہ وفساد برپا کرنے سے بھی منع فرمایا، اس لیے کہ وہ لوگ ڈکیتی اور رہزنی بھی کیا کرتے تھے۔ امام ابوجعفر بن جریر نے ﴿ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''اللہ کا دیا ہوا (نفع ہی) تمھارے لیے بہتر ہے'' کے بارے میں لکھا ہے کہ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ لوگوں کو پورا پورا ناپ تول دینے کے بعد جو خالص نفع بچ جائے، وہ لوگوں کے مال لینے کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔[1] انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ مفہوم ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔[2] میں کہتا ہوں کہ یہ آیت، حسب ذیل آیت کریمہ کے مشابہ ہے: ﴿ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ...... ﴾ الآية (المآئدة 100:5) ''کہہ دیجیے کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوسکتیں اور اگرچہ ناپاک چیزوں کی کثرت تمھیں بھلی ہی لگے......۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿86﴾ ﴾ ''اور میں تمھارا نگہبان نہیں ہوں۔'' یعنی میں تمھارا نگہبان ہوں نہ محافظ۔ یعنی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے کرو، اس لیے نہ کرو کہ لوگ تمھیں دیکھیں بلکہ اس لیے کرو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے۔

تفسیر آیت: 87

قومِ شعیب کا جواب: ان ملعون لوگوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَصَلٰوتُكَ ﴾ ''کیا تمھاری نماز؟'' اعمش نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ کیا تمھاری قراءت[3] ﴿ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ ﴾ ''تمھیں یہ حکم دیتی (سکھاتی) ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں، ہم ان کو ترک کر دیں۔'' یعنی اوثان واصنام کو۔ ﴿ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ﴾ ''یا ہم اپنے مالوں میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں؟'' یعنی تیرے کہنے پر ناپ تول میں کمی ترک کر دیں جبکہ یہ ہمارا اپنا مال ہے، ہم جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ: ﴿ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ ﴾ کا یہ مفہوم بیان کیا ہے: اللہ کی قسم! شعیب کی نماز انھیں یہ حکم دیتی ہے کہ وہ ان بتوں کو ترک کر دیں جن کی پوجا پاٹ ان کے باپ دادا کرتے تھے۔[4] اور امام ثوری نے بیان کیا ہے کہ مال میں تصرف کرنے کی جو بات انھوں نے کی تو اس سے ان کا زکاۃ دینے سے انکار کرنا تھا۔[5] ﴿ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿87﴾ ﴾

---

[1] تفسير الطبري:131/12. [2] تفسير الطبري:131/12. [3] تفسير الطبري:134/12. [4] تفسير ابن أبي حاتم: 2072/6. [5] تفسير ابن أبي حاتم:2073/6.

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا

اس (شعیب) نے کہا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو، اگر میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا

حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا

ہو (تو کیسے اس کی نافرمانی کروں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تمھاری مخالفت کروں (اس طرح کہ) وہ کام کروں جن سے تمھیں روکتا ہوں۔ میں کچھ نہیں

الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ

چاہتا سوائے (تمھاری) اصلاح کے جہاں تک مجھ سے ہو سکے۔ اور مجھے (اس کی) توفیق ملنا اللہ کی مدد کے سوا (ممکن) نہیں۔ میں نے اسی پر بھروسا کیا

اُنِيْبُ ﴿88﴾

ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ﴿88﴾

''بے شک تم تو بڑے نرم دل، راست باز ہو!'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، میمون بن مہران، ابن جریج، ابن اسلم اور ابن جریر رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اللہ کے ان دشمنوں نے یہ بات ازراہِ مذاق کہی تھی۔[1] اللہ تعالیٰ انھیں تباہ کرے اور یقیناً اپنی رحمت سے دور کرے اور یقیناً اللہ نے ایسا کر دیا۔

تفسیر آیت: 88

حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنی قوم کو جواب: حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم! دیکھو تو ﴿ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ ﴾ ''اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں۔'' یعنی تمھیں علی وجہ البصیرت یہ دعوت دے رہا ہوں۔ ﴿ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ ﴾ ''اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے اچھا رزق دیا ہو (تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا؟)'' کہا گیا ہے کہ اس میں دونوں ہی باتوں کا احتمال ہے کہ ﴿ رِزْقًا حَسَنًا ؕ ﴾ سے نبوت یا رزق حلال یا دونوں ہی چیزیں مراد ہوں۔ ﴿ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ ﴾ ''اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری مخالفت کروں (اس طرح کہ) وہ کام کروں جن سے میں تمھیں روکتا ہوں۔'' امام ثوری کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ شعیب علیہ السلام نے فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمھیں ایک بات سے منع کروں، پھر خفیہ طور پر خود اسے کرنے لگوں۔ امام قتادہ نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمھیں ایک کام سے منع کروں، پھر خود اس کا ارتکاب کرنے لگوں۔[2]

تبلیغ دین سے کیا مقصود ہونا چاہیے؟ ﴿ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ ﴾ ''میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمھارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں۔'' یعنی میں تمھیں جو بھی حکم دیتا ہوں یا جس بات سے بھی تمھیں منع کرتا ہوں تو اس سے میری مقدور بھر کوشش تمھاری اصلاح ہی ہے۔ ﴿ وَمَا تَوْفِيْقِيْ ﴾ ''اور مجھے توفیق کا ملنا۔'' یعنی اس حق کے پا لینے میں جسے میں چاہتا ہوں ﴿ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ﴾ ''اللہ ہی (کے فضل) سے ہے، میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں۔'' اپنے تمام امور و معاملات میں ﴿ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿88﴾ ﴾ ''اور میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' امام مجاہد نے اس کے معنی

[1] تفسیر الطبری: 135/12 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2073/6. [2] تفسیر الطبری: 135/12.

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ

اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں (ایسے کام پر) نہ اکسائے کہ تم پر ویسا عذاب آئے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا، اور لوط کی

اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿89﴾ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ

قوم (کا علاقہ بھی) تم سے کچھ دور نہیں ﴿89﴾ اور تم اپنے رب سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب بڑا رحم کرنے والا، نہایت محبت

اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿90﴾

کرنے والا ہے ﴿90﴾

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

انھوں نے کہا: اے شعیب! جو تو کہتا ہے ہم اس میں سے بہت کچھ نہیں سمجھتے اور بے شک ہم تجھے اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔ اور اگر تیرا قبیلہ نہ

لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿91﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ

ہوتا تو ہم یقیناً تجھے سنگسار کر دیتے، اور تو ہم پر کوئی غلبہ نہیں رکھتا ﴿91﴾ شعیب نے کہا: اے میری قوم! کیا میرا قبیلہ تم پر اللہ سے زیادہ دباؤ والا ہے؟ اور

وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿92﴾

تم نے اس (اللہ) کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔ بے شک تم جو عمل کرتے ہو میرا رب انھیں گھیرنے والا ہے ﴿92﴾

رجوع کرنے کے ہی بیان کیے ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 90,89

﴿ شِقَاقِيْٓ ﴾ کا معنی ومفہوم: آپ نے فرمایا: ﴿ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ ﴾ ''اور اے میری قوم! میری مخالفت تمھیں (ایسے کام پر) نہ ابھارے۔'' یعنی میری عداوت اور دشمنی کی وجہ سے تم کفر اور فساد کو اختیار نہ کرو ورنہ تم بھی اس تباہی و بربادی اور عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے جس میں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط مبتلا ہوئی تھی۔ امام قتادہ رحمہ اللہ ﴿ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: کوئی چیز تمھیں میری جدائی پر نہ اُبھارے۔[2] سدی نے اس لفظ کے معنی عداوت کے بیان کیے ہیں۔[3] یعنی میرے ساتھ دشمنی کی وجہ سے تم ضلالت اور کفر کی روش کو اختیار نہ کرو ورنہ تم بھی اس عذاب کی گرفت میں آ جاؤ گے جس میں سابقہ قومیں مبتلا ہوئی تھیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿89﴾ ﴾ ''اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔'' یعنی وہ لوگ تو ابھی کل تمھارے سامنے ہلاک ہوئے ہیں۔ اس میں دونوں ہی احتمال ہیں کہ قوم لوط کا زمانہ تم سے کچھ دور نہیں ہے یا یہ کہ قوم لوط کا علاقہ تم سے کچھ دور نہیں ہے یا دونوں (زمان اور مکان) مراد ہیں۔ ﴿ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ﴾ ''اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو'' اپنے سابقہ گناہوں کی ﴿ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ ﴾ ''پھر اس کے آگے توبہ کرو'' کہ آئندہ ایسے برے عمل نہیں کرو گے۔ ﴿ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿90﴾ ﴾ یعنی جو توبہ کرے، وہ اس پر رحم فرماتا اور اس سے محبت کرتا ہے۔

[1] تفسیر الطبری: 136/12. [2] تفسیر الطبری: 136/12. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 2075/6.

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ جلد تم جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم

وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿93﴾ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ

انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں ﴿93﴾ اور جب ہمارا حکم (عذاب) آیا تو ہم نے نجات دی شعیب کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے

اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿94﴾

والوں کو اپنی رحمت سے، اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آ پکڑا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ﴿94﴾ جیسے وہ ان میں

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿95﴾

کبھی بسے ہی نہ تھے۔ سنو! پھٹکار ہے (اہل) مدین پر جیسے ثمود پر پھٹکار پڑی ﴿95﴾

تفسیر آیات: 92,91

قوم شعیب کا جواب: انھوں نے کہا: ﴿ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا ﴾ ”شعیب! تمھاری بہت سی (باتیں) ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔“ امام ثوری فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام اس قدر قادر الکلام تھے کہ آپ کو خطیب الانبیاء کہا جاتا ہے۔[1] ﴿ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ﴾ ”اور بے شک ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو۔“ سدی کہتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم اکیلے ہو۔[2] ابوروق کہتے ہیں کہ تم ذلیل ہو، اس لیے کہ تمھارا قبیلہ تمھارے دین پر نہیں ہے۔[3] ﴿ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ﴾ ”اور اگر تمھارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے۔“ یعنی اگر تمھاری قوم کی عزت کا پاس نہ ہوتا تو ہم تمھیں پتھر مار مار کر سنگسار کر دیتے۔ اس کے ایک معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ہم تمھیں گالیاں دیتے۔[4] ﴿ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿91﴾ ﴾ ”اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔“ اور نہ تمھاری ہمارے نزدیک کوئی عزت ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا قوم کو جواب: ﴿ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ”انھوں نے کہا: اے میری قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے؟“ یعنی کیا تم مجھے میری قوم کی وجہ سے چھوڑ دینا چاہتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی وجہ سے نہیں چھوڑتے اور اس کے نبی سے تم برا سلوک کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی جسے ﴿ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ﴾ ”تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے۔“ اور اس کی تعظیم کرتے ہو نہ اطاعت بجا لاتے ہو۔ ﴿ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿92﴾ ﴾ ”بے شک میرا پروردگار تو تمھارے سب اعمال پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔“ یعنی وہ تمھارے سب اعمال کو جانتا ہے اور تمھارے اعمال کے مطابق ہی وہ تمھیں سزا دے گا۔

تفسیر آیات: 93-95

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو سرزنش: اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام جب اپنی قوم کی طرف سے مایوس ہو گئے تو فرمانے

---

[1] تفسير الطبري:12/138. [2] تفسير ابن أبي حاتم:6/2076. [3] تفسير ابن أبي حاتم:6/2076. [4] تفسير الطبري:12/138.

لگے: ﴿ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ﴾ ''اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔'' یعنی اپنے طریقے کے مطابق کام کیے جاؤ، یہ زبردست سرزنش کا ایک انداز ہے۔ ﴿ اِنِّيْ عَامِلٌ ط ﴾ ''بے شک میں (اپنی جگہ) کام کیے جاتا ہوں۔'' یعنی میں اپنے طریقے کے مطابق عمل کرتا ہوں۔ ﴿ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ لا مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ط ﴾ ''تمھیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے۔'' یعنی مجھ میں اور تم میں سے۔ ﴿ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿93﴾ ﴾ ''اور تم بھی انتظار کرو بے شک میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

قومِ شعیب پر مختلف قسم کے عذاب: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿94﴾ ﴾ ''اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، ان کو تو اپنی رحمت سے بچا لیا اور جو ظالم تھے ان کو زبردست چیخ نے آ دبوچا تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' ﴿ جٰثِمِيْنَ ﴿94﴾ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ وہ بے حس و حرکت پڑے تھے۔ یہاں ﴿ الصَّيْحَةُ ﴾ کا لفظ ہے جس کے معنی زبردست چیخ کے ہیں۔ سورۂ اعراف میں ﴿ الرَّجْفَةُ ﴾ (الأعراف 78:7) کا لفظ ہے جس کے معنی بھونچال کے ہیں اور سورۂ شعراء میں ﴿ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ط ﴾ (الشعرآء 189:26) ''سائبان کے دن کے عذاب'' کے الفاظ ہیں۔ حالانکہ یہ ایک ہی امت کی بات ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عذابِ الٰہی کی ان تینوں صورتوں میں مبتلا ہوئے تھے۔ اور ہر جگہ سیاق کی مناسبت سے الفاظ کو بیان کر دیا گیا ہے۔

سورۂ اعراف میں ہے کہ قومِ شعیب نے جب یہ کہا: ﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ ﴾ (الأعراف 88:7) ''شعیب! ہم تم کو اور جو لوگ تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو اپنے شہر سے ضرور نکال دیں گے۔'' تو اس مناسبت سے ﴿ الرَّجْفَةُ ﴾ (الأعراف 78:7) کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اس زمین پر زلزلہ طاری ہو گیا تھا جس میں انھوں نے ظلم کا بازار گرم کر رکھا تھا اور جس سے اللہ کے نبی کو نکالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ اور یہاں اپنے نبی سے گفتگو کرتے ہوئے جب ان کی بے ادبی کا ذکر ہوا تو ﴿ الصَّيْحَةُ ﴾ کا لفظ استعمال کیا گیا جس نے انھیں بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ اور سورۂ شعراء میں ہے کہ جب انھوں نے یہ کہا: ﴿ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ (الشعرآء 187:26) ''پھر اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔'' تو اس مناسبت سے یہ الفاظ ذکر کر دیے گئے ہیں: ﴿ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ط اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ (الشعرآء 189:26) ''پس سائبان کے دن کے عذاب نے ان کو آ پکڑا، بے شک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔'' اس مذکورہ نکتے کا تعلق انتہائی لطیف اسرار و رموز سے ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ كَثِيْرًا دَائِمًا.

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ط ﴾ ''گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے۔'' یعنی جیسے وہ اپنے گھروں میں کبھی زندہ رہے ہی نہ تھے۔ ﴿ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿95﴾ ﴾ ''خبردار! اہل مدین کے لیے دوری ہے جیسے ثمود (رحمت سے) دور ہوئے۔'' ثمود علاقے کے اعتبار سے ان کے پڑوسی تھے، کفر اور راہ زنی و ڈکیتی میں ان جیسے تھے اور نسلاً انھی کی طرح عرب تھے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿96﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو اپنی آیات اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا﴿96﴾ فرعون اور اس (کی قوم) کے سرداروں کی طرف، پھر انھوں نے فرعون

فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿97﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ

کے حکم کی اتباع کی، اور فرعون کا حکم کوئی رشد و بھلائی والا نہیں تھا﴿97﴾ وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، پھر انھیں آگ میں جا داخل

وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿98﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ

کرے گا، اور برا ہے وہ گھاٹ جس پر (پینے کے لیے) آیا جائے﴿98﴾ اور اس (دنیا) میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی،

الْمَرْفُوْدُ ﴿99﴾

اور برا ہے وہ انعام جو دیا جائے﴿99﴾

تفسیر آیات:96-99

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نشانیوں اور بڑے زبردست معجزات کے ساتھ فرعون۔ جو قبطیوں کا بادشاہ تھا۔ اور اس کے سرداروں کی طرف مبعوث فرمایا۔ ﴿ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ ﴾ ''تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے۔'' یعنی انھوں نے بغاوت اور سرکشی میں اسی کے مسلک، طریقے اور اسلوب کو اختیار کیا۔ ﴿ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿97﴾ ﴾ ''اور فرعون کا کوئی حکم بھلائی والا نہیں تھا۔'' یعنی اس میں کوئی رشد و بھلائی اور ہدایت نہ تھی بلکہ وہ جہالت، ضلالت، کفر اور سرکشی پر مبنی تھا۔ اور ان لوگوں نے جس طرح دنیا میں اس کی پیروی کی، اسی طرح آخرت میں بھی وہ ان کا سربراہ ہوگا اور ان کی قیادت کرتے ہوئے ان سب کو لے کر جہنم میں داخل ہو جائے گا۔ جہنم کی سزاؤں اور عذاب اکبر سے انھیں خوب حصہ وافر ملے گا اور جہنم کے لہو اور پیپ کے حوضوں سے یہ پئیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ ﴾ (المزمّل 16:73) ''چنانچہ فرعون نے (ہمارے) پیغمبر کا کہا نہ مانا تو ہم نے اس کو نہایت سختی سے پکڑ لیا۔''

اور فرمایا: ﴿ فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۝ فَحَشَرَ فَنَادٰى ۝ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:21-26) ''تو اس نے (اسے) جھٹلا دیا اور نہ مانا۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا۔ پھر (لوگوں کو) اکٹھا کیا پھر پکارا۔ پس کہنے لگا کہ تمھارا سب سے بڑا رب میں ہوں۔ تب اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت (دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ بے شک جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہے، اس کے لیے اس (قصے) میں عبرت ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ ﴾ ''وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا، پھر ان کو دوزخ میں جا اتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ برا ہے۔'' غلط کاموں میں پیشواؤں کا یہی انجام ہوگا کہ انھیں روز قیامت بہت زیادہ عذاب دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:38) ''(تم میں سے) ہر ایک کے لیے دوگنا (عذاب) ہے اور لیکن تم نہیں

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ ﴿100﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ

(اے نبی!) یہ کچھ خبریں ان (تباہ شدہ) بستیوں کی ہیں جو ہم آپ کو سناتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو قائم ہیں اور کچھ تہس نہس کر دی گئیں ﴿100﴾ اور ہم نے

ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا

ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے (خود ہی) اپنے آپ پر ظلم کیا تھا، تو ان کے وہ معبود جنھیں وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے ان کے کسی کام نہ آئے، جب

جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾

آپ کے رب کا حکم (عذاب) آ پہنچا بلکہ انھوں نے ان کو تباہی میں ہی زیادہ کیا ﴿101﴾

جانتے۔" اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ جہنم میں کہیں گے: ﴿ رَبَّنَاۤ اِنَّاۤ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَاۤ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ...... ﴾ الآية (الأحزاب 68,67:33) "اے ہمارے پروردگار بلاشبہ! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہمیں رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دوگنا عذاب دے......"

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ﴾ "اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی۔)" یعنی جہنم کے عذاب کے ساتھ دنیا و آخرت میں ان پر لعنت بھی کی اور یہ انعام جو ان کو ملا ہے، برا ہے۔ امام مجاہد کا قول ہے کہ قیامت کے دن ان کی لعنت میں اور بھی اضافہ کر دیا جائے گا گویا ان پر دو لعنتیں برسیں گی۔[1] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿99﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے دنیا و آخرت کی لعنت مراد ہے۔[2] ضحاک اور قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَا يُنْصَرُوْنَ ○ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِيْنَ ○ ﴾ (القصص 42,41:28) "اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا، وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بدحالوں میں سے ہوں گے۔" اور فرمایا: ﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ ﴾ (المؤمن 46:40) "آتشِ (جہنم) کہ صبح شام اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہو گی (حکم ہوگا کہ) فرعون کی آل اولاد کو سخت عذاب میں داخل کرو۔"

تفسیر آیات: 101,100

تباہ شدہ بستیوں سے عبرت: اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے اپنی امتوں کے ساتھ واقعات، کافروں کی تباہی و بربادی اور مومنوں کی نجات کے ذکر کے بعد فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى ﴾ "یہ (پرانی) بستیوں کے (تھوڑے سے) حالات ہیں۔" یعنی ان کے کچھ واقعات ہیں۔ ﴿ نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ ﴾ "(جو) ہم آپ سے بیان کرتے ہیں، ان میں

[1] تفسير الطبري: 144/12. [2] تفسير الطبري: 145/12. [3] تفسير الطبري: 146,145/12.

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾

اور (اے نبی!) آپ کے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔ بے شک اس کی پکڑ نہایت دردناک (اور) شدید ہے ﴿102﴾

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ

بے شک اس میں اس شخص کے لیے یقیناً نشان (عبرت) ہے جو عذاب آخرت سے ڈر گیا۔ وہ (یوم آخرت) ایسا دن ہے جس میں سب لوگ جمع کیے

يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿103﴾ وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿104﴾ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا

جائیں گے، اور وہ ایسا دن ہے جب (سب) حاضر کیے جائیں گے ﴿103﴾ اور صرف ہم ایک مقرر وقت تک ہی اس میں تاخیر کر رہے ہیں ﴿104﴾ (جب) وہ

بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿105﴾

دن آجائے گا تو کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر کلام نہیں کر سکے گا، پھر ان میں سے کوئی تو بدبخت ہوگا اور کوئی نیک بخت ﴿105﴾

سے بعض (بستیاں) تو باقی ہیں۔'' یعنی آباد ہیں۔ ﴿ وَّحَصِيْدٌ ﴿100﴾ ﴾ ''اور (بعض) تہس نہس کر دی گئیں۔'' یعنی وہ تباہ و برباد ہو کر رہ گئی ہیں۔ ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ﴾ ''اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا۔'' یعنی جب ہم نے انھیں ہلاک کیا۔ ﴿ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''اور لیکن انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔'' یعنی ہمارے رسولوں کی تکذیب کی اور ان کے ساتھ کفر کیا۔ ﴿ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ ﴾ ''چنانچہ ان کے معبودان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔'' معبودوں سے مراد ان کے وہ بت ہیں جن کی وہ عبادت کرتے اور ﴿ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''جن کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کوئی بھی (کام نہ آئے۔)'' وہ ان کے کچھ کام نہ آئے اور ان کی تباہی و بربادی کا پیغام لے کر جب عذابِ الٰہی نازل ہوا تو وہ انھیں اس عذاب سے بچا نہ سکے۔ ﴿ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾ ﴾ ''اور تباہ کرنے کے سوا ان کے حق میں اور کچھ نہ کر سکے۔'' مجاہد اور قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ ﴿ تَتْبِيْبٍ ﴿101﴾ ﴾ کے معنی نقصان اور خسارے کے ہیں۔[1] ان کی ہلاکت و بربادی کا سبب ہی یہ معبودان باطلہ تھے اور ان کی اتباع ہی کی وجہ سے یہ لوگ دنیا و آخرت کی ناکامی و نامرادی سے دوچار ہوئے۔

تفسیر آیت:102

اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی شدید ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے ان ظالم اور انبیاء کی تکذیب کرنے والی قوموں کو ہلاک کیا ہم ان جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ بھی اسی طرح کا سلوک کریں گے۔ ﴿ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾ ﴾ ''بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) بہت سخت ہے۔'' صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے اور جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں۔'' راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تائید میں اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿102﴾ ﴾ ''اور آپ کا

[1] تفسیر الطبری: 148/12.

پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے۔ بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) بہت سخت ہے۔''[1]

تفسیر آیات:103-105

بستیوں کی تباہی قیامت کی دلیل ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے کافروں کو جو ہلاک کیا اور مومنوں کو نجات بخشی تو اس میں عبرت اور آخرت سے متعلق ہمارے وعدوں کی صداقت کی دلیل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝ ﴾ (المؤمن 40:51) ''بے شک ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی۔)''

اور فرمایا: ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (ابراهيم 14:13) ''چنانچہ پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ یقیناً ہم ضرور ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ ﴾ ''اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب اکٹھے کیے جائیں گے۔'' یعنی اگلے پچھلے سب لوگ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ ﴾ (الكهف 18:47) ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' ﴿ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ ﴾ ''یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے۔'' یعنی یہ ایک عظیم دن ہوگا جس میں فرشتے حاضر ہوں گے، تمام انبیائے کرام بھی موجود ہوں گے۔ انسانوں، جنوں، پرندوں، درندوں، حیوانوں اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی اکٹھا کیا جائے گا، پھر اس دن وہ عادل و منصف فیصلہ فرمائے گا جو ﴿ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا ﴾ (النسآء 4:40) ''کسی کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر کوئی نیکی (کی) ہوگی تو وہ اس کو دو چند کر دے گا۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ ﴾ ''اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت معین تک تاخیر کر رہے ہیں۔'' یعنی ایک معین مدت تک جس میں قطعاً کوئی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ ﴿ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ ﴾ ''جس روز وہ آ جائے گا تو کوئی نفس اللہ کے حکم کے بغیر بات بھی نہیں کر سکے گا۔'' یعنی قیامت کے دن اللہ کے حکم کے بغیر کوئی بات نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ﴾ (النبا 78:38) ''کوئی بات نہ کر سکے گا مگر جس کو (اللہ) رحمان اجازت بخشے اور وہ درست (بات) کہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ ...... ﴾ الآية (طٰهٰ 20:108) ''اور اللہ کے سامنے سب آوازیں پست ہو جائیں گی......۔''

صحیح بخاری و مسلم کی حدیث شفاعت میں ہے: [وَلَا يَتَكَلَّمُ يَوْمَئِذٍ إِلَّا الرُّسُلُ، وَدَعْوَى الرُّسُلِ يَوْمَئِذٍ: اَللّٰهُمَّ! سَلِّمْ، سَلِّمْ] ''اور اس دن رسولوں کے سوا کوئی گفتگو نہ کر سکے گا اور رسولوں کی بات بھی اس دن صرف یہ ہوگی کہ اے اللہ!

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ...... ﴾ (هود 11:102)...... حديث:4686 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2583.

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ

چنانچہ جو لوگ بد بخت ہوں گے تو (وہ) آگ میں ہوں گے، ان کے لیے اس (آگ) میں بس چیخنا چلانا اور دھاڑنا ہوگا﴿۱۰۶﴾ وہ اس میں ہمیشہ رہیں

السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ﴿۱۰۷﴾

گے جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے، مگر یہ کہ آپ کا رب (کچھ اور) چاہے۔ بے شک آپ کا رب جو چاہے اسے کر گزرنے والا ہے﴿۱۰۷﴾

سلامت رکھنا، سلامت رکھنا۔"[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾﴾ "پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔" یعنی میدان حشر میں جمع ہونے والوں میں سے کچھ بد بخت اور کچھ نیک بخت ہوں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّةِ وَ فَرِیْقٌ فِی السَّعِیْرِ ۝﴾ (الشوریٰ 7:42) "(اس روز) ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق بھڑکنے والی آگ میں۔" حافظ ابویعلیٰ نے اپنی مسند میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ ﴿۱۰۵﴾﴾ تو میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی: اے اللہ کے رسول! پھر ہم عمل کیوں کریں؟ کیا عمل ایک ایسی چیز کی وجہ سے کریں جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے یا ایسی چیز کی وجہ سے جس سے فراغت حاصل نہیں کی گئی؟ تو آپ نے فرمایا: [بَلْ عَلٰی شَیْءٍ قَدْ فُرِغَ مِنْهُ وَجَرَتْ بِهِ الْأَقْلَامُ یَا عُمَرُ! وَلٰكِنْ كُلٌّ مُّیَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ] "ایک ایسی چیز کی بنیاد پر جس سے فراغت حاصل کر لی گئی ہے اور جس کے ساتھ قلم چل چکے ہیں اے عمر! لیکن ہر شخص کے لیے اس کام کو آسان کر دیا جائے گا جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔"[2] پھر اللہ تعالیٰ نے بد بخت اور نیک بخت لوگوں کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: (دیکھیے آیات:107,106)

تفسیر آیات:107,106

بد بختوں کا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾﴾ "اس میں ان کا چلّانا اور دھاڑنا ہوگا۔" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زفیر کا تعلق گلے سے اور شہیق کا سینے سے ہوتا ہے۔[3] یعنی ان کا سانس لینا زفیر (چلّانا) اور سانس خارج کرنا شہیق (دھاڑنا) ہوگا، اس لیے کہ وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ عِیَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

دوام اور ہمیشگی پر دلالت کے لیے اہل عرب کے مختلف محاورے: ﴿خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ﴾ "اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں۔" امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عربوں کی عادت ہے کہ وہ جب کسی چیز کے دوام اور ہمیشگی کے بارے میں بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں: هٰذَا دَائِمٌ دَوَامَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ "یہ چیز

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب قول الله تعالٰی: ﴿وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ۝﴾...... (القیٰمة 23,22:75)، حدیث: 7437 وصحیح مسلم، الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث:182. [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب و من سورة هود، حدیث:3111. امام ابویعلیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی سیاق میں مختلف سند اور متن سے روایت کو نقل کیا ہے، دیکھیے مسند أبی یعلی:421/9 ، حدیث:5571 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم:2085/6.

اس وقت تک رہے گی جب تک آسمان وزمین قائم ہیں۔'' اسی طرح وہ یہ محاورہ بھی استعمال کرتے ہیں: هُوَ بَاقٍ مَّا اخْتَلَفَ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ '' وہ اس وقت تک باقی ہے جب تک لیل ونہار کی یہ گردش جاری ہے۔'' نیز اسی مفہوم کے لیے وہ مَا سَمَرَ ابْنَا سَمِيرٍ '' جب تک شب وروز کا سلسلہ قائم ہے۔'' اور مَا لَأْلَأَتِ الْعُفُرُ بِأَذْنَابِهَا '' جب تک ہرنیاں اپنی دمیں ہلاتی رہیں گی'' کے محاورے بھی استعمال کرتے ہیں اور ان سب سے کسی چیز کے بقا اور دوام کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے عربوں کو انھی کے روزمرہ محاورے کے مطابق مخاطب فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ ''(اور) جب تک آسمان اور زمین ہیں، ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔''[1]

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے جنسِ آسمان وزمین مراد ہو کیونکہ آسمان وزمین تو عالمِ آخرت میں بھی ہوں گے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ ﴾ (إبراهيم48:14) '' جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے۔)'' اسی لیے امام حسن بصری رحمہ اللہ ﴿ مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے اس آسمان اور زمین کے علاوہ اور آسمان وزمین مراد ہیں، یعنی جب تک وہ آسمان وزمین رہیں گے۔[2]

مومن بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴾ '' مگر جو آپ کا پروردگار چاہے، بے شک آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ (الأنعام128:6) '' تمھارا ٹھکانا دوزخ ہے ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے، بے شک آپ کا پروردگار بڑا دانا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس استثنا کا تعلق ان موحّد گناہ گاروں سے ہے جنھیں اللہ تعالیٰ شفاعت کرنے والے فرشتوں، نبیوں اور مومنوں کی شفاعت کی وجہ سے جہنم سے نکال دے گا حتی کہ وہ اصحاب کبائر کے بارے میں بھی شفاعت کریں گے۔ پھر ارحم الراحمین کی رحمت آئے گی جو اس شخص کو بھی جہنم سے نکال دے گی جس نے کبھی کوئی نیک عمل نہیں کیا ہوگا مگر زندگی میں ایک دن لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ضرور کہا ہوگا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مضمون کی ان صحیح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے جو حضرت انس، جابر، ابوسعید، ابوہریرہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔[3] اور اس کے بعد جہنم میں صرف وہی باقی رہے گا جس کا جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہنا واجب ہوگا اور جسے قطعاً کسی قیمت پر جہنم سے باہر نہیں نکالا جائے گا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں زمانۂ قدیم وجدید کے بہت سے علماء نے یہی فرمایا ہے۔

---

[1] تفسير الطبري :152/12. [2] تفسير ابن أبي حاتم :2086/6. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، حديث: 44 وصحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة، حديث:(325)-193 وجامع الترمذي، صفة جهنم، باب ما جاء أن للنار نفسين......، حديث:2593.

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ

اور لیکن جو نیک بخت بنائے گئے ہوں گے تو (وہ) جنت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان اور زمین (باقی) رہیں گے مگر یہ کہ

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿108﴾

آپ کا رب (کچھ اور) چاہے، (یہ اللہ کا) نہ ختم ہونے والا انعام ہے ﴿108﴾

تفسیر آیت:108

نیک بخت لوگوں کا انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا ﴾ ''اور جو نیک بخت ہوں گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی اتباع کرنے والے ﴿ فَفِي الْجَنَّةِ ﴾ ''وہ بہشت میں (داخل کیے جائیں گے۔)'' یعنی ان کا ٹھکانا جنت ہوگا۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ ﴾ ''جب تک آسمان اور زمین ہیں، ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا آپ کا پروردگار چاہے۔'' یہاں اس استثنا کے معنی یہ ہیں کہ ان نعمتوں میں ان کا ہمیشہ ہمیشہ رہنا بذات خود امر واجب نہ ہوگا بلکہ یہ معاملہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مشیت کے سپرد ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہمیشہ ان کے شامل حال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں تسبیح وتحمید کا اسی طرح الہام کیا جائے گا جس طرح (بلا تکلف) سانس کی آمد و شد کا سلسلہ جاری ہوگا۔[1] ضحاک اور حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ کا تعلق ان موحد گناہ گاروں سے ہے جو پہلے دوزخ میں ہوں گے، پھر انھیں اس سے نکال لیا جائے گا۔[2]

اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿108﴾ ﴾ ''یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔'' یعنی کبھی ختم نہیں ہوگی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام مجاہد، ابو العالیہ اور کئی ایک ائمہ رحمہم اللہ نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں۔[3] تاکہ مشیت کے ذکر سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ وہاں کبھی انقطاع یا اختتام بھی ہوگا بلکہ حتمی بات یہ ہے کہ وہاں دوام ہوگا اور کبھی انقطاع نہیں ہوگا جیسا کہ پہلے بیان فرمایا ہے کہ اہل دوزخ کا جہنم میں ہمیشہ مبتلائے عذاب رہنا بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت پر منحصر ہے اور اس کا انھیں عذاب دینا بھی عدل و حکمت پر مبنی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ ﴾ (ھود 11:107) ''بے شک آپ کا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبیاء 21:23) ''وہ جو کام کرتا ہے اس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی۔'' اور یہاں ﴿ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿108﴾ ﴾ ''یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگی۔'' فرما کر دلوں کو تسکین بخشی اور مقصود کی طرف توجہ دلائی ہے۔

موت کو بھی موت دے دی جائے گی: صحیح بخاری و مسلم میں ہے: [يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ كَهَيْئَةِ كَبْشٍ أَمْلَحَ (فَيُذْبَحُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ) ثُمَّ يُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ! خُلُودٌ فَلَا مَوْتَ] ''موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی صورت میں لایا جائے گا اور جنت و جہنم کے درمیان ذبح کر دیا جائے گا، پھر اعلان کیا جائے گا: اے اہل جنت!

[1] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب في صفات الجنة وأهلها......، حدیث:(19)-2835 عن جابر رضی اللہ عنہ.
[2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2088,2087/6. [3] تفسیر الطبري: 158/12.

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ

چنانچہ آپ ان کے متعلق تردد میں نہ پڑیں جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، یہ لوگ تو ویسے ہی عبادت کرتے ہیں جیسے اس سے پہلے ان کے

قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿109﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ

باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور بے شک ہم انھیں ان کا حصہ بغیر کسی کمی کے پورا پورا دیں گے ﴿109﴾ اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس

فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ

میں اختلاف کیا گیا اور اگر نہ ہوتی ایک بات جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے (طے) ہو چکی ہے تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا اور

شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿110﴾ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا

بلاشبہ وہ اس کے متعلق البتہ بے چین کرنے والے شک میں ہیں ﴿110﴾ اور بے شک آپ کا رب ضرور ہر ایک کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿111﴾

دے گا۔ بے شک وہ جو عمل کرتے ہیں اللہ ان سے خوب باخبر ہے ﴿111﴾

تم اب ہمیشہ رہو گے اور کبھی موت نہ آئے گی اور اے اہل دوزخ! تم بھی اب ہمیشہ رہو گے اور تمھیں بھی کبھی موت نہیں آئے گی۔‘‘[1]

صحیح حدیث میں ہے: [إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَعِيشُوا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا] ’’(کہا جائے گا: اے اہلِ جنت!) بے شک تم ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بیمار نہیں ہو گے، تم اب ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے اور کبھی نہیں مرو گے، تم ہمیشہ ہمیشہ جوان رہو گے اور کبھی بوڑھے نہیں ہو گے اور تم ہمیشہ ہمیشہ ناز و نعم میں رہو گے اور کبھی بدحال نہیں ہو گے۔‘‘[2]

تفسیر آیات: 109-111

شرک بلاشبہ بہت بڑی گمراہی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ﴾ ’’تو یہ لوگ جو (غیر اللہ کی) پرستش کرتے ہیں، اس سے آپ تردد میں نہ پڑیں۔‘‘ یعنی ان مشرکین سے کیونکہ وہ یقیناً باطل، جہالت اور ضلالت ہے، یہ انھی بتوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت ان کے آباء و اجداد کیا کرتے تھے۔ یعنی ان جہالتوں کے سلسلے میں ان کے پاس سند محض آباء و اجداد کی تقلید ہی ہے، لہٰذا اللہ تعالیٰ انھیں اس کی پوری پوری سزا بلکہ ایسا عذاب دے گا کہ اس

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ﴾ (مريم19:39)، حديث: 4730 و6548 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب النار يدخلها الجبارون......، حديث: 2849 قوسین سے پہلے والا حصہ صحيح البخاري، حديث: 4730 ، قوسین کے بعد والا حصہ صحيح مسلم، حديث: 2849 اور قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون ...... ، حديث: 2850 کے سیاق کے مطابق ہیں۔ [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في دوام نعيم أهل الجنة......، حديث: 2837 و اللفظ له. صحیح مسلم میں لفظ: [تَعِيشُوا] کے بجائے [تَحْيَوْا] ہے، اس کے لیے دیکھیے المعجم الصغير للطبراني، باب من اسمه إبراهيم: 140/1.

طرح کا عذاب کسی اور کو نہیں دے گا۔ اور اگر ان کی کچھ نیکیاں ہوئیں تو ان کا بدلہ اللہ تعالیٰ آخرت سے پہلے انھیں دنیا ہی میں چکا دے گا۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴾ ''اور بے شک ہم انھیں ان کا حصہ پورا پورا بلا کم و کاست دینے والے ہیں۔'' عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ ہم انھیں ان کے عذاب کا حصہ پورا پورا دینے والے ہیں۔[1] اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی جس میں لوگوں نے اختلاف کیا، کچھ ایمان لے آئے اور کچھ نے کفر کیا اور اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) سابقہ انبیاء آپ کے لیے نمونہ ہیں، لہٰذا یہ لوگ جو آپ کی تکذیب کرتے ہیں، اس سے آپ دل آزردہ نہ ہوں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ﴾ ''اور اگر آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے (طے) نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جاتا۔'' ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر یہ بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی کہ عذاب کو ایک مدت مقررہ تک کے لیے مؤخر کر دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کا فیصلہ فرما دیتا۔[2] اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ وہ حجت پوری کرنے اور رسولوں کو بھیجنے کے بغیر کسی کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 15:17) ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔'' اور ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ﴾ (طٰہٰ 130,129:20) ''اور اگر ایک بات آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے صادر اور (جزائے اعمال کے لیے) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہوتی تو (نزولِ) عذاب لازم ہو جاتا۔ لہٰذا جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں آپ اس پر صبر کیجیے۔''

تمام امتیں اللہ کے روبرو حاضر ہوں گی: پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اگلی پچھلی تمام امتوں کو جمع کرے گا اور ان کے اعمال کے مطابق انھیں بدلہ دے گا۔ اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھی جزا دے گا اور اگر برے ہوئے تو سزا دے گا، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ ''اور بے شک آپ کا پروردگار ان سب کو (قیامت کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا، بے شک جو عمل یہ کرتے ہیں وہ اس سے خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ ان کے چھوٹے بڑے تمام اعمال سے واقف ہے۔ اس آیت کے بارے میں بہت سی قراءتیں ہیں جن سب کے مطابق معنی و مفہوم یہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں بھی اگرچہ قراءتیں مختلف لیکن معنی و مفہوم ایک ہی ہے۔ ﴿ وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 32:36) ''اور سب کے سب (لوگ) ہمارے روبرو حاضر کیے جائیں گے۔''

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2089/6. [2] تفسیر الطبري: 160/12.

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ط اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿112﴾

چنانچہ (اے نبی!) آپ ثابت قدم رہیں جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اور وہ لوگ بھی جنھوں نے آپ کے ساتھ توبہ کی (ایمان لائے) اور تم سرکشی نہ

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ لا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ

کرو، بے شک تم جو عمل کرتے ہو وہ (اللہ) انھیں دیکھ رہا ہے ﴿112﴾ اور تم ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ظلم کیا، ورنہ تمھیں آگ چھوئے گی، اور

اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿113﴾

تمھارے لیے اللہ کے سوا کوئی دوست نہ ہوگا، پھر تمھاری مدد نہ کی جائے گی ﴿113﴾

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ط اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ط ذٰلِكَ

اور آپ نماز قائم کریں دن کی دونوں طرفوں (صبح و شام) اور رات کی کچھ گھڑیوں میں، بے شک نیکیاں برائیوں کو لے جاتی ہیں۔ یہ (اللہ کا) ذکر

ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿114﴾ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿115﴾

کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے ﴿114﴾ اور آپ صبر کریں، بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿115﴾

تفسیر آیات: 113,112

استقامت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ثبات و استقلال اور استقامت کو اختیار کریں کہ یہ دشمنوں کے خلاف فتح و نصرت اور مخالفت کے سلسلے میں بہت مدد و معاون ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بغاوت و سرکشی سے منع فرمایا ہے کہ یہ شکست ہے، خواہ مشرک کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، نیز فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کے تمام اعمال سے باخبر ہے اور اس سے کوئی چھوٹی بڑی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مداہنت سے کام نہ لو۔[1] اور ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ ظالموں کی طرف مائل نہ ہونا۔[2] یہ ایک اچھا قول ہے، یعنی ظالموں سے مدد نہ لینا کہ یوں معلوم ہو کہ تم بھی ان کے اعمال سے راضی ہو۔ ﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ لا وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿113﴾﴾ ''ورنہ تمھیں آگ آ لپٹے گی اور اللہ کے سوا تمھارے اور دوست نہیں ہیں، پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمھارا کوئی دوست نہ ہوگا جو تمھیں بچا سکے اور نہ کوئی مددگار ہوگا جو تم سے عذابِ الٰہی ہٹا سکے۔

تفسیر آیات: 115,114

اقامتِ نماز کا حکم: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ﴾ ''اور دن کے دونوں سروں (صبح شام) میں نماز پڑھا کرو'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد صبح اور مغرب کی نمازیں ہیں۔ حسن اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] اور امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک دوسری روایت کے مطابق، نیز

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2089/6. [2] تفسير الطبري: 165/12. [3] تفسير الطبري: 167,166/12.

قتادہ اور ضحاک وغیرہ سے مروی ہے کہ اس سے صبح اور عصر کی نمازیں مراد ہیں۔[1] امام مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے صبح کی نماز مراد ہے جو دن کے ابتدائی حصے سے تعلق رکھتی ہے اور ظہر وعصر کی نماز مراد ہے جو دن کے آخری حصے سے تعلق رکھتی ہے۔ محمد بن کعب قُرَظی اور ضحّاک سے بھی ایک روایت یہی ہے۔[2] ﴿ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ﴾ ''اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے نمازِ عشا مراد ہے۔[3] ابن مبارک کی مبارک بن فَضالہ سے اور ان کی امام حسن سے جو روایت ہے اس کے مطابق اس سے مغرب وعشا کی نمازیں مراد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی فرمایا ہے: [هُمَا زُلْفَتَا اللَّيْلِ: الْمَغْرِبُ وَالْعِشَاءُ] ''مغرب وعشا رات کی ابتدائی ساعات ہیں۔''[4] مجاہد، محمد بن کعب، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے مغرب وعشا کی نمازیں مراد ہیں۔[5] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ آیت کریمہ شبِ معراج کو نماز پنجگانہ فرض ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہو۔ اس وقت دو نمازیں فرض تھیں، ایک نماز طلوعِ آفتاب سے پہلے اور دوسری غروبِ آفتاب سے پہلے۔ نیز رات کا قیام بھی نبیٔ اکرم ﷺ اور امت پر واجب تھا، پھر امت کے حق میں یہ منسوخ ہو گیا اور آپ ﷺ کے حق میں واجب رہا اور ایک قول کے مطابق آپ ﷺ کے لیے بھی اس کے وجوب کو منسوخ کر دیا گیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔'' یعنی بے شک نیک کام سابقہ گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد اور اہل سنن نے امیر المؤمنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جب کوئی حدیث سنتا تو اس سے اللہ تعالیٰ جس قدر چاہتا مجھے فائدہ عطا فرما دیتا اور اگر کوئی اور شخص مجھ سے آپ کی حدیث کو بیان کرتا تو میں اس سے قسم لیتا اگر وہ قسم دے دیتا تو میں اس کی تصدیق کرتا، مجھ سے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سچ کہا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يُّذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَتَوَضَّأُ فَيُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِذٰلِكَ الذَّنْبِ إِلَّا غَفَرَلَهُ] ''جو مسلمان کوئی گناہ کر بیٹھے اور وضو کر کے دو رکعتیں پڑھ لے، پھر اللہ تعالیٰ سے اُس گناہ کی معافی مانگ لے تو وہ اس کے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔''[6]

صحیح بخاری ومسلم میں امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے لوگوں کو اس طرح وضو کر کے دکھایا جس طرح رسول اللہ ﷺ وضو فرمایا کرتے تھے، پھر کہا کہ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح وضو کیا اور فرمایا:

---

① تفسیر الطبری:167,166/12. ② تفسیر الطبری:166/12. ③ تفسیر الطبری:169/12. ④ تفسیر الطبری: 170/12 لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ ⑤ تفسیر الطبری:171,170/12. ⑥ سنن أبی داود، الوتر، باب فی الاستغفار، حدیث:1521 و جامع الترمذی، الصلاة، باب ما جاء فی الصلاة عند التوبة، حدیث:406 و السنن الکبرٰی للنسائی، عمل الیوم واللیلة، ما یفعل من بُلی بذنب وما یقول:109/6، حدیث:10247 و مسند أحمد:9/1 واللفظ له و سنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فی أن الصلاة کفارة، حدیث:1395.

[مَنْ تَوَضَّأَ وُضُوئِی هٰذَا]، [ثُمَّ صَلّٰی رَكْعَتَيْنِ لَا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ] ''جو میرے اس وضو کی طرح وضو کرے، پھر دو رکعتیں اس طرح پڑھے کہ ان میں اپنے نفس سے بات نہ کرے (خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھے) تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[1]

صغیرہ گناہوں کو مٹانے کا بہترین طریقہ: صحیح حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟ قَالُوا: لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا] ''بھلا بتاؤ کہ اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر جاری وساری ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ بار غسل کرے تو کیا اس کا کوئی میل کچیل باقی رہے گا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: نہیں، آپ نے فرمایا: اسی طرح اللہ تعالیٰ پانچوں نمازوں سے خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے۔''[2] امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرمایا کرتے تھے: [اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلٰى رَمَضَانَ، مُكَفِّرَاتُ مَا بَيْنَهُنَّ، إِذَا اجْتَنَبَ الْكَبَائِرَ] ''پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعے تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، بشرطیکہ (انسان) کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے۔''[3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے کسی عورت کو بوسہ دیا اور اس نے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے بارے میں بتا دیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ﴾ ''اور دن کے دونوں سروں (صبح شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو، کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔'' اس شخص نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا یہ حکم بطور خاص میرے لیے ہے؟ آپ نے فرمایا: [لِجَمِيعِ أُمَّتِی كُلِّهِمْ] ''میری ساری امت کے لیے یہی حکم ہے۔'' امام بخاری نے اسے کتاب الصلاۃ میں روایت کیا ہے، نیز اس حدیث کو کتاب التفسیر میں بھی اسی طرح بیان فرمایا ہے۔[4]

---

[1] صحيح البخاری، الوضوء، باب الوضوء ثلاثًا ثلاثًا، حديث: 159 و 1934 وصحيح مسلم، الطهارة، باب صفة الوضوء و كماله، حديث: (4)-226. البتہ اس حدیث کا پہلا حصہ صحيح البخاری، حديث: 1934 اور دوسرا حصہ حديث: 159 کے مطابق ہے۔ [2] صحيح البخاری، مواقيت الصلاة، باب الصلوات الخمس كفارة، حديث: 528 وصحيح مسلم، المساجد......، باب المشی إلى الصلاة تمحى به الخطايا وترفع به الدرجات، حديث: 667 واللفظ له. [3] صحيح مسلم، الطهارة، باب الصلوات الخمس......، حديث: (16)-233. [4] صحيح البخاری، مواقيت الصلاة، باب الصلاة كفارة، حديث: 526 والتفسير، باب قوله: ﴿وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ......﴾ (هود11:114)......، حديث: 4687 وصحيح مسلم، التوبة، باب قوله تعالى: ﴿إِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ﴾، حديث: 2763.

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا

پھر ان امتوں میں، جو تم سے پہلے گزریں، ایسے عقل و بصیرت والے کیوں نہ ہوئے جو زمین میں (لوگوں کو) فساد (پھیلانے) سے روکتے مگر تھوڑے

قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿116﴾

ہی ان میں سے جنھیں ہم نے نجات دی اور جن لوگوں نے ظلم کیا وہ ان چیزوں کے پیچھے لگے رہے جن میں وہ (ظالم) آسودگی دیے گئے تھے، اور وہ

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿117﴾

مجرم تھے ﴿116﴾ اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ وہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرے جبکہ ان کے باشندے اصلاح کرنے والے ہوں ﴿117﴾

امام احمد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ ایک عورت کچھ خریدنے کے لیے جب میرے پاس آئی تو میں نے اسے کوٹھڑی میں داخل کر لیا اور مقاربت کے سوا سب کچھ کیا۔ انھوں نے فرمایا: تجھ پر افسوس! شاید یہ ایسی عورت ہو کہ اس کا شوہر جہاد کے لیے گھر سے باہر ہو۔ اس نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: جاؤ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس کے بارے میں پوچھو۔ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ مسئلہ پوچھا تو انھوں نے بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح یہی فرمایا کہ شاید یہ ایسی عورت ہو کہ جس کا شوہر جہاد کے لیے گھر سے باہر ہو۔

پھر اس شخص نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ صورت حال بیان کی تو آپ نے بھی یہی فرمایا: [فَلَعَلَّهَا مُغِيبٌ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ] ''شاید یہ ایسی عورت ہو کہ اس کا شوہر جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھر سے باہر ہو۔'' پھر اس کے بارے میں یہ مکمل آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ ...... الآية﴾ ''اور دن کے دونوں سروں (صبح شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو، کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں......'' اس نے کہا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم!) کیا یہ حکم خاص میرے لیے ہے یا سب لوگوں کے لیے عام ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینے پر اپنا ہاتھ مارا اور کہا کہ تمھارے لیے آنکھ کی ٹھنڈک نہ ہو، یہ حکم سب لوگوں کے لیے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا: [صَدَقَ عُمَرُ] ''(ہاں!) عمر سچ کہتے ہیں۔''[1]

تفسیر آیات: 117,116

برائیوں سے روکنے والی جماعت ضرور ہونی چاہیے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں، ان میں کچھ ایسے اہل خیر باقی کیوں نہ رہے جو لوگوں کو زمین میں وقوع پذیر ہونے والے شر و فساد اور منکرات سے منع کرتے۔ ہاں، البتہ اس قسم کے تھوڑے سے لوگ ضرور موجود ہیں جو زیادہ تعداد میں نہیں ہیں، انھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کے وقت نجات دی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت (محمدیہ) کو حکم دیا ہے کہ اس میں ایسے لوگ ضرور ہوں جو نیکی کا حکم دیں

[1] مسند أحمد: 245/1.

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿118﴾ اِلَّا مَنْ

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو یقیناً تمام لوگوں کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ ہمیشہ (باہم) اختلاف کرتے رہیں گے ﴿118﴾ سوائے ان لوگوں کے

رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ

جن پر آپ کے رب نے رحم کیا، اور اسی لیے اس نے انھیں پیدا کیا، اور آپ کے رب کی بات پوری ہوئی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں،

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿119﴾

سب سے ضرور بھروں گا ﴿119﴾

اور برائی سے منع کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمران3:104) ''اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے، یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔'' اور حدیث میں ہے: [إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا...... الْمُنكَرَ فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ أَوْشَكَ أَنْ يَّعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابٍ] ''لوگ جب برائی کو دیکھیں اور اسے نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لے۔''[1] اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ ﴾ ''تو جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں ایسے ہوش مند کیوں نہ ہوئے جو زمین میں خرابی کرنے سے روکتے۔ ہاں، (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے ان میں سے نجات بخشی۔''

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ ﴾ ''اور جو ظالم تھے وہ انھی باتوں کے پیچھے لگے رہے جن میں عیش و آرام تھا۔'' یعنی وہ معاصی اور منکرات میں مبتلا رہے اور ان کو سمجھانے اور راہ ہدایت پر لانے کی طرف انھوں نے کوئی توجہ نہ دی حتی کہ اچانک عذاب الٰہی کی گرفت میں آ گئے۔ ﴿ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿116﴾ ﴾ ''اور (کیونکہ) وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے صرف ظالم بستی ہی کو تباہ کیا ہے اور صرف ظالم لوگ ہی اس کے عذاب کی گرفت میں آتے ہیں اور مصلحین کی بستی میں کبھی عذاب نہیں آتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ (ہود11:101) ''اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ41:46) ''اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔''

تفسیر آیات: 119,118

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل زمین کو ایمان عطا نہیں کیا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بلاشبہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ تمام اہل زمین

[1] موارد الظمآن، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر:80,79/6، حديث:1837 عن قيس بن أبي حازم ﷺ وسنن ابن ماجه، الفتن، باب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، حديث:4005. لیکن ابن ماجہ میں [فَلَمْ يُغَيِّرُوهُ] کے بجائے [فَلَا يُغَيِّرُونَهُ] ہے۔

کو ایمان یا کفر کی ایک ہی امت بنا دیتا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ﴾ (یونس 10:99) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴾ ''اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے۔'' یعنی لوگوں میں ادیان، اعتقادات، ملتوں، فرقوں، مذاہب اور افکار و آراء کے اعتبار سے ہمیشہ اختلاف رہے گا۔

فرقۂ ناجیہ: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ﴾ ''مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے۔'' یعنی اختلاف سے وہ لوگ بچیں گے جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا جو رسولوں کی فرمانبرداری کریں اور دین کے ان احکام پر سختی سے عمل پیرا ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے انھیں بتایا ہوگا۔ یہ لوگ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی اتباع کرتے رہے، پھر جب سب سے آخر میں سید الانبیاء و خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے آپ کی اتباع کی، آپ کی تصدیق کی اور آپ کی نصرت و اعانت میں کمربستہ ہو کر دنیا و آخرت کی سعادتوں سے ہمکنار ہو گئے کیونکہ یہی لوگ اس فرقہ ناجیہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کا ذکر اس حدیث میں مذکور ہے جو مسانید اور سنن میں ایسی مختلف سندوں سے مروی ہے جو ایک دوسری کے لیے باعث تقویت ہیں: [إِنَّ الْيَهُودَ افْتَرَقَتْ عَلٰى إِحْدٰى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً]، [افْتَرَقَتِ النَّصَارٰى عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً]، [وَّتَتَفَرَّقُ هٰذِهِ الْأُمَّةُ عَلٰى ثَلَاثٍ وَّسَبْعِينَ فِرْقَةً]، [كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا فِرْقَةً وَّاحِدَةً]، [قَالَ: وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي] ''یہود اکہتر فرقوں میں تقسیم ہوئے، نصاریٰ بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت تہتر فرقوں میں منقسم ہو جائے گی اور ایک فرقے کے سوا یہ تمام فرقے جہنم رسید ہوں گے، عرض کی: اے اللہ کے رسول! وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا: وہ جو اس کے مطابق عمل کریں گے جس پر میرا اور میرے صحابہ کا عمل ہے۔''[1] امام حاکم نے بھی اسے مستدرک میں اس روایت کے آخری الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔[2]

بہشتِ جاوداں کے مستحق کمزور لوگ ہیں: ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں، سب سے بھر دوں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے بے پایاں علم و حکمت اور قضا و قدر کے مطابق یہ فیصلہ فرما رکھا ہے کہ اس کی مخلوق میں سے جنت کا مستحق کون ہے اور جہنم کا مستحق کون۔ اور وہ جہنم کو بھی جنوں اور انسانوں سے ضرور بھرے گا اور اس میں بھی اس کی

---

[1] اس حدیث کے اجزا مختلف طرق سے لیے گئے ہیں، دیکھیے صحیح ابن حبان، التاریخ، باب إخباره ﷺ عما يكون في أمته من الفتن والحوادث:125/15، حديث: 6731 و سنن ابن ماجه، الفتن، باب افتراق الأمم، حديث: 3992 و مجمع الزوائد، قتال أهل البغي، باب ما جاء في الخوارج:226/6، حديث:10401 و جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في افتراق هذه الأمة، حديث: 2641، مزید دیکھیے سنن أبي داود، السنة، باب شرح السنة، حديث: 4596 و مسند أحمد:332/2 عن أبي هريرة وعبدالله بن عمرو و عوف بن مالك رضی اللہ عنہم۔ [2] المستدرك للحاكم، العلم، فصل في توقير العالم:129/1، حديث: 444.

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

اور ہم رسولوں کی خبروں میں سے آپ کو وہ (خبر) سناتے ہیں جس سے ہم آپ کا دل مضبوط رکھتے ہیں، اور اس (سورت) میں آپ کے پاس حق آ گیا

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿120﴾

اور مومنوں کے لیے نصیحت اور یاددہانی بھی ﴿120﴾

حجت بالغہ اور حکمت کاملہ کارفرما ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[اِخْتَصَمَتِ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ، فَقَالَتِ الْجَنَّةُ، مَا لِیَ لَا یَدْخُلُنِی إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ، وَقَالَتِ النَّارُ: أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِينَ وَالْمُتَجَبِّرِينَ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِلْجَنَّةِ: أَنْتِ رَحْمَتِی أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ، وَقَالَ لِلنَّارِ: أَنْتِ عَذَابِی أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ أَشَاءُ، وَلِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْكُمَا مِلْؤُهَا، فَأَمَّا الْجَنَّةُ فَلَا یَزَالُ فِی الْجَنَّةِ فَضْلٌ، حَتّٰی یُنْشِئَ اللّٰهُ لَهَا خَلْقًا فَیُسْكِنُهُمْ فَضْلَ الْجَنَّةِ، لَا تَزَالُ جَهَنَّمُ تَقُولُ: هَلْ مِنْ مَّزِیدٍ حَتّٰی یَضَعَ فِیهَا رَبُّ الْعِزَّةِ قَدَمَهُ فَتَقُولُ: قَطْ قَطْ وَعِزَّتِكَ]

''جنت اور جہنم کی آپس میں گفتگو ہوئی تو جنت نے کہا کہ آخر کیا بات ہے کہ مجھ میں کمزور اور نادار لوگ ہی داخل ہوئے ہیں۔ جہنم نے جواب دیا: اس لیے کہ تمام متکبر اور سرکش لوگ میرے سپرد کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ساتھ میں جس کو چاہوں اپنی رحمت سے نواز دوں۔ اور جہنم سے فرمایا کہ تو میرا عذاب ہے، تیرے ساتھ میں جس سے چاہوں انتقام لوں۔ میں تم میں سے ہر ایک کو بھر دوں گا۔ جنت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا حتی کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ ایک ایسی مخلوق پیدا فرمائے گا، جسے اللہ تعالیٰ جنت کے باقی ماندہ حصے میں بسائے گا۔ جہنم کی طرف سے مسلسل یہ مطالبہ رہے گا کہ کچھ اور بھی ہے؟ حتی کہ اللہ رب العزت اس پر اپنا قدم مبارک رکھ دے گا تو پھر جہنم کہے گا: بس بس تیری عزت کی قسم۔''[1]

تفسیر آیت:120

سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی تکذیب کا سامنا کرنا پڑا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے انبیاء کے ان کی امتوں کے ساتھ واقعات ان کے باہمی اختلافات و تنازعات، پھر انبیاء کو اپنی امتوں کی طرف سے جس تکذیب اور ایذا کا سامنا کرنا پڑا اور اللہ تعالیٰ نے کس طرح اپنے مومن بندوں کی نصرت و اعانت فرمائی اور کافروں اور دشمنوں کو

① حدیث کے الفاظ حضرت ابوہریرہ اور انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی بخاری و مسلم کی روایات سے لیے گئے ہیں، دیکھیے صحیح البخاري، التوحید، باب ما جاء في قول اللّٰه تعالٰی: ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (الأعراف 56:7)، حدیث:7449 وصحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب النار یدخلها الجبارون......، حدیث:2846 اور ان کے اطراف۔ ومسند أحمد:234/3 جبکہ [أَنْتَقِمُ بِكِ مِمَّنْ شِئْتُ] کے الفاظ جامع الترمذي، صفة الجنة، باب ما جاء في احتجاج الجنة والنار، حدیث:2561 میں ہیں۔

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿121﴾ وَانْتَظِرُوْا ۚ

اور آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو ایمان نہیں لاتے: تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک ہم بھی عمل کرنے والے ہیں ﴿121﴾ اور تم انتظار کرو، بے شک ہم بھی

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿122﴾

انتظار کرنے والے ہیں ﴿122﴾

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا

اور اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب، اور سب کام اسی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، چنانچہ آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر توکل

10 ع 14 10

رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿123﴾

کریں، اور آپ کا رب اس سے غافل نہیں جو تم عمل کرتے ہو ﴿123﴾

ذلت ورسوائی سے دوچار کیا تو یہ سب کچھ اے محمد (ﷺ!) ہم اس لیے بیان کر رہے ہیں تاکہ آپ کے دل کو قائم رکھیں اور آپ اپنے سابقہ انبیاء بھائیوں کو اپنے لیے اسوہ ونمونہ بنالیں۔ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ ﴾ "اور ان (قصص) میں آپ کے پاس حق پہنچ گیا۔" یعنی یہاں حق سے مراد یہ سورت ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور سلف کی ایک جماعت نے فرمایا ہے اور یہی صحیح بات ہے۔[1] کیونکہ یہ سورت انبیائے کرام کے واقعات پر مشتمل ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور مومنوں کو کس طرح نجات عطا فرمائی اور کافروں کو کس طرح تباہ وبرباد کر دیا تھا۔ اور اس سلسلے میں اس سورت میں حقیقی واقعات اور سچی خبریں بیان کی گئی ہیں جن میں نصیحت کا ایسا سامان ہے کہ کافر اپنی غلط روش سے باز آسکتے اور مومن اس سے نصیحت اور یاد دہانی حاصل کر سکتے ہیں۔

تفسیر آیات: 122,121

انجام کس کا اچھا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ ان لوگوں سے بطورِ سرزنش یہ کہہ دیں جو اس دین پر ایمان نہیں لاتے جسے آپ لائے ہیں: ﴿ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ ﴾ "کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔" یعنی تم اپنے طریقے اور اسلوب کے مطابق عمل کرو۔ ﴿ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿121﴾ ﴾ "بے شک ہم (اپنی جگہ) عمل کیے جاتے ہیں۔" یعنی اپنے طریقے اور اپنے اسلوب کے مطابق۔ ﴿ وَانْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿122﴾ ﴾ "اور (نتیجۂ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو، بے شک ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔" یعنی عنقریب تم یہ جان لوگے کہ آخرت میں اچھا انجام کس کا ہوگا اور ظالم لوگ تو کبھی فلاح پا ہی نہیں سکتے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے کیے ہوئے تمام وعدوں کو پورا فرما دیا، آپ کو اپنی تائید ونصرت سے نوازا، اپنے کلمے کو سربلند کیا، کافروں کی بات کو پست کر دیا اور اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے۔

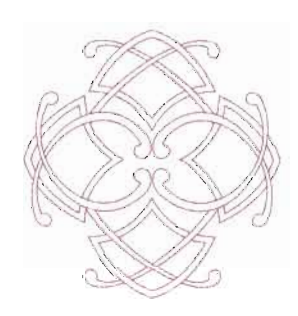
تفسیر آیت: 123

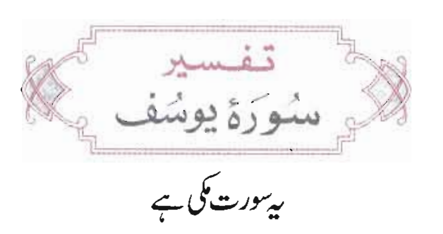
اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اختیار: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہے، بالآخر سب کو اسی

[1] تفسیر الطبری: 190,189/12.

کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور وہ حساب کے دن ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ اسی نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے اور کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اس نے حکم دیا ہے کہ صرف اور صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کی ذات گرامی پر بھروسا رکھا جائے۔ جو اس پر بھروسا رکھے اور اسی کی طرف رجوع کرے تو بس وہ اس کے لیے کافی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور جو عمل تم کر رہے ہو آپ کا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ہے۔'' اے محمد (ﷺ!) اللہ تعالیٰ آپ کی تکذیب کرنے والوں سے غافل نہیں ہے بلکہ وہ ان کے احوال سے خوب آگاہ ہے اور ان کے اعمال کے مطابق ہی وہ دنیا و آخرت میں انھیں پورا پورا بدلہ دے گا اور دونوں جہانوں میں وہ آپ کو اور آپ کی جماعت کو ان کے مقابلے میں فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا۔

تفسیر سورۂ ہود مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.





یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ① اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ②

الرٰ، یہ واضح کتاب کی آیات ہیں ① بے شک ہم نے اسے عربی قرآن نازل کیا تاکہ تم سمجھو ② (اے نبی!)

نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ وَاِنۡ كُنۡتَ

آپ کی طرف یہ قرآن وحی کر کے ہم آپ کو ایک بہترین داستان سناتے ہیں جبکہ یقیناً اس سے پہلے

مِنۡ قَبۡلِهٖ لَمِنَ الۡغٰفِلِیۡنَ ③

آپ بے خبروں میں سے تھے ③

تفسیر آیات :1-3

اوصافِ قرآنِ کریم: حروفِ مقطعات کے بارے میں سورۂ بقرہ کے آغاز میں تفصیل سے بحث ہو چکی، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ تِلۡكَ اٰیٰتُ الۡكِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ① ﴾ یعنی یہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ یہاں کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے جو بہت واضح اور روشن کتاب ہے اور مبہم اشیاء کو نہایت وضاحت وصراحت کے ساتھ کھول کھول کر بیان کرتی اور ان کی تفسیر وتشریح کرتی ہے۔ ﴿ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ② ﴾

''بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو۔''

اس لیے کہ عربی زبان دیگر تمام زبانوں کی نسبت سب سے زیادہ فصیح، روشن اور وسیع ہے اور انسانی جذبات واحساسات کو سب سے زیادہ بہتر طور پر ادا کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آسمانی کتابوں میں سے سب سے اشرف و افضل کتاب کو سب سے اشرف و افضل زبان میں نازل کیا گیا۔ اور اسے سب سے اشرف فرشتے کے ذریعے سے، تمام رسولوں میں سے اشرف رسول پر روئے زمین کے سب سے بہترین حصے پر نازل کیا گیا، نیز اس کتاب کے نزول کا آغاز بھی سال کے سب سے اشرف مہینے، یعنی رمضان المبارک میں ہوا تھا۔ الغرض ہر قسم کے شرف وفضل سے اس کتاب مقدس کو سرفراز کیا گیا، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ نَحۡنُ نَقُصُّ عَلَیۡكَ اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ بِمَاۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ ۖ ﴾ ''(اے

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ

جب یوسف نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے ابا جان! بے شک میں نے (خواب میں) دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند میں نے انھیں

لِيْ سٰجِدِيْنَ ④

دیکھا کہ مجھے سجدہ کررہے ہیں④

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ

اس (یعقوب) نے کہا: میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کو نہ سنانا، ورنہ وہ تیرے لیے کوئی (بری) تدبیر کریں گے، بے شک شیطان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ⑤

انسان کا کھلا دشمن ہے⑤

پیغمبر!) ہم اس قرآن سے، جو ہم نے آپ کی طرف بھیجا ہے، آپ کو ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں۔'' یعنی آپ کی طرف یہ قرآن بھیجنے کے سبب ہم یہ قصہ سناتے ہیں۔

سببِ نزول: اس آیتِ کریمہ کے سببِ نزول میں ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ)! آپ ہمیں کوئی قصہ سنائیں تو اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔[1]

تفسیر آیت: 4

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! جب یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی سے (اپنا خواب جس کا ذکر آگے آرہا ہے) بیان کیا، وہ قصہ بھی آپ اپنی قوم کو سنائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔[2] مفسرین نے اس خواب کی تعبیر کے بارے میں بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائیوں کی طرف اشارہ تھا کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے ان کے سوا گیارہ بھائی تھے اور سورج اور چاند سے ان کے ماں باپ کی طرف اشارہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ضحاک، قتادہ، سفیان ثوری، اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ سے اس خواب کی یہی تعبیر مروی ہے۔[3]

یاد رہے! خواب کی یہ تعبیر چالیس سال بعد رونما ہوئی تھی۔[4] ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ اسی (80) سال بعد رونما ہوئی جبکہ انھوں نے اپنے والدین کو اپنے ساتھ اپنے تخت پر بٹھا لیا تھا اور ان کے بھائی بھی اس وقت ان کے سامنے تھے، ﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ﴾ (یوسف 100:12) ''اور وہ (سب) یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے اور (اس وقت یوسف نے) کہا: ابا جان! یہ ہے میرے پہلے کے خواب کی تعبیر، یقیناً میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا۔''

① تفسیر الطبری:196/12. ② تفسیر الطبری:197/12. ③ تفسیر الطبری:198/12. ④ الدر المنثور:65/4.

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ

اور اسی طرح تیرا رب تجھے ممتاز (مقام عطا) کرے گا اور تجھے باتوں کی اصل حقیقت سمجھنے میں سے کچھ سکھائے گا، اور تجھ پر اور آل یعقوب پر اپنی

وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

نعمت پوری کرے گا جس طرح اس نے اس سے پہلے اسے تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر پورا کیا تھا، بے شک تیرا رب خوب جاننے والا،

عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑥ ع 1/6 11

بڑی حکمت والا ہے ⑥

تفسیر آیت:5

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب مخفی رکھنے کا حکم دیا: اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں اپنا یہ خواب سنایا جس کی تعبیر یہ تھی کہ ان کے بھائی ایک دن ان کے سامنے عجز وانکسار کا اظہار کریں گے اور ان کی حد درجہ تعظیم بجا لاتے ہوئے ان کی عزت واحترام اور عظمتِ شان کے باعث ان کے آگے سجدے میں گر جائیں گے تو انھوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنے کسی بھی بھائی کے سامنے یہ خواب بیان کرنے سے منع کر دیا تاکہ وہ حسد میں مبتلا ہو کر آپ کے خلاف کوئی سازش نہ شروع کر دیں، چنانچہ آپ نے فرمایا: ﴿لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ﴾ ''اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا، ورنہ وہ تمھارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔'' یعنی تمھارے خلاف کوئی حیلہ سازی کر کے تمھیں ہلاک کر دیں گے۔

پسندیدہ اور ناپسندیدہ خوابوں سے متعلق چند مسائل: سنت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [......فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَّايُحِبُّ (وَلْيُحَدِّثْ بِهَا) وَإِذَا رَأَى مَايَكْرَهُ (وَلْيَتَحَوَّلْ عَنْ جَنْبِهِ الَّذِي كَانَ عَلَيْهِ)، (وَلْيَتْفُلْ عَنْ يَّسَارِهِ ثَلَاثًا وَّلْيَسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّهَا) وَلَا يُحَدِّثْ بِهَا أَحَدًا فَإِنَّهَا لَنْ تَضُرَّهُ] ''......چنانچہ تم میں سے کوئی جب پسندیدہ خواب دیکھے تو اسے بیان کر دے اور اگر کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کروٹ بدل لے، اپنی بائیں طرف تین بار (معمولی سا) تھوک دے اور اس خواب کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے اور کسی کے سامنے اس خواب کو بیان نہ کرے تو اس خواب سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا۔''[1]

اور ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام احمد اور بعض اہل سنن رحمہم اللہ نے بروایت معاویہ بن حیدہ قُشیری رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَّا لَمْ تُعَبَّرْ ، فَإِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ] ''جب تک خواب کی تعبیر بیان نہ

[1] صحیح البخاری، التعبیر، باب إذا رأى مایكره فلا يخبر بها ولا يذكرها، حديث:7044 وصحیح مسلم، الرؤيا، باب في كون الرؤيا من الله وأنها جزء من النبوة، حديث:(4)-2261 لیکن قوسین والے الفاظ کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، حديث:7045 وصحیح مسلم، حديث:2262 ومسند أحمد:296/5 عن أبي قتادة وأبي سعيد الخدري و جابر رضی اللہ عنہم۔

لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىِٕلِیْنَ ⑦ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ

البتہ تحقیق یوسف اور اس کے بھائیوں (کے واقعے) میں سائلوں کے لیے نشانیاں ہیں ⑦ جب انھوں نے (آپس میں) کہا: یوسف اور اس

اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ ۚۖ ⑧ اقْتُلُوْا یُوْسُفَ اَوِ

کا بھائی (بنیامین) تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں، بے شک ہمارا باپ البتہ واضح غلطی پر ہے ⑧

اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ⑨ قَالَ

تم یوسف کو قتل کر دو یا اسے کسی زمین میں پھینک دو کہ تمھارے باپ کا چہرہ تمھارے لیے خالی (مخصوص) ہو جائے، اور اس کے بعد تم نیک لوگ

قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ یَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ

بن جانا ⑨ ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم یوسف کو قتل نہ کرو اور تم اسے کنویں کی تہ (گہرائی) میں ڈال دو کہ اسے کوئی مسافر اٹھا لے

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ⑩

(جائے)، اگر تم (کچھ) کرنے ہی والے ہو ⑩

کی جائے تو وہ ایسے ہے جیسے پرندے کے پاؤں پر ہو اور جب خواب کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔''[①]

تفسیر آیت:6

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح آپ کو منتخب کیا اور یہ ستارے اور شمس وقمر سجدہ کرتے ہوئے دکھائے ہیں، ﴿ وَكَذٰلِكَ یَجْتَبِیْكَ رَبُّكَ ﴾ ''اور اسی طرح اللہ تمھیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا۔'' یعنی نبوت ورسالت سے سرفراز فرمائے گا، ﴿ وَیُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ﴾ ''اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا۔'' امام مجاہد اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے بیان فرمایا ہے: ﴿ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ﴾ سے خوابوں کی تعبیر کا علم مراد ہے۔[②]

﴿ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ ﴾ ''اور تم پر اپنی نعمت پوری کرے گا۔'' یعنی تمھاری طرف وحی بھیجے گا اور تمھیں نبوت ورسالت سے سرفراز فرمائے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ ﴾ ''جس طرح اس نے اپنی نعمت پہلے تمھارے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی۔'' ابراہیم سے اللہ کے پیغمبر سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور اسحاق سے ان کے صاحبزادے حضرت اسحاق علیہما السلام مراد ہیں۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ⑥ ﴾ ''بے شک تمھارا پروردگار (سب کچھ) جاننے والا (اور) خوب حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ نبوت ورسالت کا مستحق کون ہے جیسا کہ دوسری

① جامع الترمذي، الرؤيا، باب ماجاء في تعبير الرؤيا، حديث:2279 و سنن ابن ماجه، تعبير الرؤيا، باب الرؤيا إذا عبرت وقعت......، حديث: 3914 و سنن أبي داود، الأدب، باب في الرؤيا، حديث: 5020 و اللفظ له و مسند أحمد:10/4 عن أبي رزين العقيلي رضی اللہ عنہ جبکہ معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ واللہ تعالٰی أعلم . ② تفسير الطبري:200/12.

آیت میں فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیات:7-10

قصۂ یوسف علیہ السلام اور عبرت ونصیحت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے بھائیوں کے ساتھ اس قصے میں بہت سی نشانیاں ہیں، یعنی اس کے بارے میں سوال کرنے اور خبر معلوم کرنے والوں کے لیے عبرت ونصیحت کا بہت سا سامان ہے۔ اور یہ واقعی ایک بہت عجیب وغریب قصہ ہے، اسے ضرور بیان کیا جانا چاہیے۔ ﴿ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا ﴾ ''جب انھوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔'' انھوں نے اپنے گمان کے مطابق قسم کھا کر کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی، یعنی بنیامین جو ماں کی طرف سے آپ کا حقیقی بھائی تھا، ﴿ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ﴾ ''ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں، حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔'' اس لیے باپ کو ہماری نسبت ان دونوں سے زیادہ محبت نہیں کرنی چاہیے۔ ﴿ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے۔'' یعنی ہماری نسبت انھیں فوقیت اور ترجیح دیتا اور ان سے زیادہ پیار کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے خلاف بھائیوں کی سازشیں: ﴿ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ ﴾ ''تم یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو یا کسی زمین میں پھینک دو، پھر تمھارے باپ کی توجہ صرف تمھاری طرف ہو جائے گی۔'' ان کا مقصد یہ تھا کہ یہ شخص جو تمھارے باپ کی محبت میں تمھارے لیے رکاوٹ ہے، اسے رستے سے ہٹا دو تا کہ وہ صرف تمھاری طرف توجہ دینے لگے اور رستے سے ہٹانے کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یا تو اسے قتل کر دو یا پھر اسے کسی جگہ پھینک دو، اس طرح تم اس سے نجات پا لو گے اور اپنے باپ کی توجہ کے مستحق بھی ٹھہرو گے۔ ﴿ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جانا۔'' یعنی گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی اس بات کو دل میں رکھو کہ اس کے بعد توبہ کر لیں گے۔

﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ ﴾ ''ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا'' قتادہ اور محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ اس سے سب سے بڑا بھائی مراد ہے جس کا نام رُوبیل تھا۔[2] سدی کا قول ہے کہ یہ بات یہوذا نے کہی تھی۔[3] مجاہد کہتے ہیں کہ یہ بات کہنے والا شمعون تھا۔[4] ﴿ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ ﴾ ''تم یوسف کو جان سے نہ مارو۔'' یعنی اس کی عداوت اور دشمنی میں اس حد تک نہ پہنچو کہ اسے قتل ہی کر ڈالو۔ اور وہ اسے قتل کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ تو اس کے بارے میں پہلے ہی سے یہ فیصلہ فرما چکا تھا کہ اسے وحی وتنزیل سے سرفراز کیا جائے گا اور نہ صرف نبوت ورسالت کا تاج بلکہ مصر کی حکومت وبادشاہت کا تاج بھی اس کے سر پر رکھا جائے گا، اس لیے قتل کی سازش کو روبیل کی اس بات کی وجہ سے دور کر دیا کہ یوسف کو قتل نہ کرو بلکہ کسی گہرے

[1] دیکھیے الأنعام، آیت: 124. [2] تفسیر الطبری:203/12. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:2106/7. [4] تفسیر ابن أبی حاتم:2106/7.

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا

انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! آپ کو کیا ہے کہ آپ ہم پر یوسف کی بابت اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ یقیناً ہم اس کے خیر خواہ ہی ہیں ⑪ آپ

غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫

کل اسے ہمارے ساتھ بھیجیں کہ خوب (پھل) کھائے (پیے) اور کھیلے کودے اور ہم یقیناً اس کے محافظ ہیں ⑫

کنویں میں پھینک دو۔ ﴿غَيٰبَتِ الْجُبِّ﴾ سے مراد گہرا کنواں ہے۔

﴿يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ﴾ ''کوئی راہ گیر اسے اٹھا لے گا۔'' یعنی کوئی گزرنے والا مسافر اسے لے جائے گا اور تم اس سے نجات پا جاؤ گے، لہٰذا اسے قتل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ﴿اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ⑩﴾ ''اگر تم (کچھ) کرنے ہی والے ہو۔'' یعنی اگر تم جو بات کہہ رہے ہو، اس کا پختہ عزم کیے ہوئے ہو تو پھر قتل کرنے کے بجائے اس طرح کر لو۔

محمد بن اسحاق بن یسار نے لکھا ہے کہ ان لوگوں نے اس طرح ایک بہت گھناؤنی اور سنگین سازش تیار کی جس میں قطع رحمی بھی تھی اور باپ کی نافرمانی بھی، ایک چھوٹے معصوم اور بے گناہ بچے پر ظلم بھی تھا اور ایک قابل صد احترام اور صاحب عزو شرف بوڑھے انسان کی ایذا رسانی بھی۔

اور اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ایک بہت بڑا گناہ بھی تھا کہ بیٹے اپنے باپ کے تمام حقوق کو پامال کر رہے تھے، بڑھاپے اور پیری کے عالم میں اس کے اور اس کے پیارے اور چھوٹے بچے میں جدائی ڈال رہے تھے جبکہ باپ کو اس چھوٹے، ننھے اور معصوم بچے سے بے پناہ محبت تھی اور بچے کو بھی کمزوری و ناتوانی اور صغر سنی کے باعث قدم قدم پر باپ کی حفاظت و نگہداشت کی ضرورت تھی، اللہ تعالیٰ انھیں معاف فرمائے، وہ ارحم الراحمین ہے، بلاشبہ انھوں نے ایک عظیم اور سنگین جرم کا ارتکاب کیا تھا۔ اسے امام ابن ابو حاتم نے بطریق سلمہ بن فضل روایت کیا ہے۔①

تفسیر آیات:12,11

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو لے جانے کی اجازت مانگی: جب انھوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ قتل کرنے کے بجائے کسی گہرے کنویں میں پھینک دیں جیسا کہ ان کے بڑے بھائی روبیل نے یہ تجویز پیش کی تھی، چنانچہ وہ اپنے باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے: ﴿مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪﴾ ''(ابا جان!) کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے، حالانکہ یقیناً ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔'' یہ ان کا محض زبانی کلامی دعویٰ تھا جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی کیونکہ باپ کے حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت کرنے کی وجہ سے ان کے دلوں میں تو ان کے لیے بے پناہ حسد تھا۔

﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا﴾ ''اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔'' یعنی کل اسے ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دے دیجیے تاکہ ہم

① تفسير ابن أبي حاتم: 2106/7.

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ قَالُوْا

اس (یعقوب) نے کہا: بے شک مجھے تو یہ بات غمگین کیے دیتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ، اور مجھے خوف آتا ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے

لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

غافل ہو ⑬ انھوں نے کہا: اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، جبکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں تو بلاشبہ ہم تو تب خسارہ پانے والے ہوئے ⑭

خوب میوے کھائیں اور کھیلیں کودیں۔ (امام ابن کثیر کے نزدیک اس کی قراءت [نَرْتَعْ وَ نَلْعَبْ] ''ہم خوب میوے کھائیں اور کھیلیں'' ہے اس وجہ سے انھوں نے فرمایا ہے کہ) بعض ائمۂ قراءت نے اسے ﴿ یَرْتَعْ وَ یَلْعَبْ ﴾ ''وہ (یوسف) خوب (پھل) کھائے اور کھیلے کودے۔'' پڑھا ہے، یعنی یاء کے ساتھ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دوڑے بھاگے اور کھیلے کودے۔[1] یہی قول امام قتادہ، ضحاک اور سدی وغیرہ سے منقول ہے۔[2] ﴿ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ ﴾ ''اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔'' کہنے لگے کہ آپ فکر نہ کریں ہم اس کی پوری پوری حفاظت ونگہداشت کریں گے۔

تفسیر آیات:14،13

باپ کا جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان کے بیٹوں نے ان سے یوسف کو اپنے ساتھ جنگل میں کھانے پینے کے لیے لے جانے کی اجازت طلب کی تو انھوں نے یہ جواب دیا: ﴿ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ ﴾ ''بے شک یہ امر مجھے غم ناک کیے دیتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ (وہ مجھ سے جدا ہو جائے۔)'' یعنی تمھاری واپسی تک کی یہ جدائی بھی مجھے بہت گراں محسوس ہوتی ہے کیونکہ آپ کو یوسف علیہ السلام سے بے پناہ محبت تھی، اس لیے کہ آپ اس میں جسمانی حسن وجمال کے ساتھ ساتھ روحانی کمال اور نبوت کے شمائل وخصائل کو بھی محسوس فرماتے تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَ سَلَامُہٗ عَلَیْہِ.

یعقوب علیہ السلام کا خدشہ: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ اَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ ﴾ ''اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اس سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے۔'' یعنی مجھے ڈر ہے کہ تم اپنی تیراندازی اور اپنے جانوروں کو چرانے میں مشغول ہو جاؤ، کوئی بھیڑیا آئے، اسے کھا جائے اور تمھیں معلوم ہی نہ ہو۔ بس انھوں نے بھی اپنے باپ کے منہ سے نکلے ہوئے ان الفاظ کو لے لیا اور اپنے کرتوت کے بعد انھی الفاظ میں اپنے عذر کو پیش کیا، حالانکہ انھوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت طلب کرتے وقت اپنے باپ کی بات کے جواب میں کہا تھا: ﴿ لَىِٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭ ﴾ ''اگر اسے بھیڑیا کھا جائے، جبکہ ہم ایک (طاقتور) جماعت ہیں، تو بلاشبہ ہم تو تب بڑے نقصان میں پڑ گئے۔'' یعنی ہماری موجودگی میں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، بھیڑیا اس پر حملہ کر کے اسے کھا جائے، پھر ہم تو بڑے عاجز وناتواں اور بڑے خائب وخاسر ہو گئے۔

---

① تفسیر الطبری:206/12. ② تفسیر الطبری:207/12.

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ

پھر جب وہ اسے لے گئے اور انھوں نے طے کر لیا کہ اسے کنویں کی تہ میں ڈال دیں، تب ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ تو انھیں ان کا یہ کام

هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑮

ضرور بتائے گا جبکہ وہ نہیں سمجھتے ہوں گے ⑮

تفسیر آیت:15

یوسف علیہ السلام کو کنویں میں گرانا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ باپ کی بات کا جواب دینے کے بعد جب وہ یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ﴿ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ﴾ ''اور انھوں نے طے کر لیا کہ اس کو کنویں کی تہ میں ڈال دیں۔'' یہ ان کے فعل کی شناعت کو بیان کیا جا رہا ہے کہ ان سب نے یوسف کو گہرے کنویں میں گرانے پر اتفاق کر لیا، حالانکہ باپ سے یوسف کو لیتے وقت انھوں نے بظاہر تاثر یہ دیا تھا کہ وہ اپنے باپ کی بہت عزت کرتے ہیں اور ان کے انبساط و انشراح قلب اور ان کی خوشنودی کے لیے یوسف کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتے ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب یوسف کو ان کے ساتھ روانہ کیا تو اسے گلے لگایا، بوسہ دیا اور اس کے لیے دعا فرمائی۔[1] سدی وغیرہ نے ذکر کیا ہے کہ باپ کی آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہی باپ کے تمام اکرام و احترام کو فراموش کر کے انھوں نے گندی باتوں، غلیظ گالیوں اور مار پیٹ کی صورت میں یوسف علیہ السلام کو ایذا پہنچانی شروع کر دی۔ اور اس کنویں کے پاس لے آئے جس میں انھیں گرانے کا انھوں نے فیصلہ کیا تھا۔ انھوں نے ایک رسی کے ساتھ باندھ کر اس کو اس کنویں میں لٹکا دیا، یوسف علیہ السلام ان میں سے جس کا سہارا لینے کی کوشش کرتے وہ آپ کے رخ انور پر طمانچے مارتا اور غلیظ گالیاں دیتا اور جب آپ کنویں کی دیواروں کو پکڑنے کی کوشش کرتے تو وہ آپ کے ہاتھوں پر مارتے۔ جس رسی کے ساتھ انھوں نے آپ کو باندھا تھا جب وہ کنویں کے نصف تک پہنچ گئی تو انھوں نے اس کو کاٹ دیا اور اس طرح آپ پانی میں گر گئے، پانی نے آپ کو ڈھانپ لیا مگر آپ جلد ہی پتھر کی اس چٹان پر چڑھ گئے جو کنویں کے درمیان میں تھی۔[2] اس چٹان کو ''راعوفہ''[3] کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یوسف علیہ السلام کو تسلی: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑮ ﴾ ''اور ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) تم انھیں ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے اور ان کو کچھ خبر نہ ہوگی۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم، اپنی رحمت و شفقت اور اس مشکل گھڑی میں آپ کے لیے آسانی پیدا کر دینے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس مشکل گھڑی اور اس انتہائی نازک لمحے میں اس نے یوسف علیہ السلام کے دل کی تسکین اور ثابت قدمی

① تفسیر ابن أبی حاتم:2107/7. ② تفسیر الطبری:209/12 نحوہ مفصلا و تفسیر ابن أبی حاتم:2109,2108/7.

③ یہ لفظ حدیث اور لغت دونوں میں ''راعوفہ'' یعنی عین کے ساتھ اس مذکورہ معنی میں مستعمل ہے لیکن تفسیر ابن کثیر کے تمام نسخوں میں ''راغوفہ'' غین کے ساتھ ہے۔ واللہ أعلم.

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿16﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ

اور وہ اپنے باپ کے پاس عشاء کے وقت روتے ہوئے آئے ﴿16﴾ انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! بے شک ہم دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے تھے اور

عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿17﴾ وَجَآءُوْ

یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا تو اسے بھیڑیا کھا گیا، اور آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں ﴿17﴾ اور وہ اس

عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ

کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی (لگا) لائے، اس (یعقوب) نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے نفسوں نے تمھارے لیے ایک (بری) بات آراستہ

الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿18﴾

کر دی ہے، لہٰذا صبر ہی بہتر ہے اور اس پر اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے جو تم بیان کرتے ہو ﴿18﴾

کے لیے ان کی طرف یہ وحی نازل فرمائی کہ غم کی اس گھڑی میں گھبراؤ نہیں، تم اس مشکل سے بہت خوبی و آسانی کے ساتھ نکل جاؤ گے اور تمھیں ان کے مقابلے میں فتح و نصرت حاصل ہوگی، تمھیں ان کے مقابلے میں بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات نصیب ہوں گے اور ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ تم انھیں ان کے اس سلوک سے آگاہ کرو گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿15﴾﴾ ''اور ان کو کچھ خبر نہ ہوگی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ ان کو بتائیں گے کہ انھوں نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا جبکہ اس وقت یہ آپ کو جانتے پہچانتے ہی نہ ہوں گے۔[1]

تفسیر آیات:16-18

برادرانِ یوسف کا اپنے باپ کے ساتھ فریب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب برادران یوسف نے آپ کو کنویں میں ڈال دیا تو رات کی تاریکی میں روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس آئے اور بظاہر حزن و ملال اور غم کا تاثر دینے لگے۔ اور ان کے خیال کے مطابق یوسف علیہ السلام جس صورت حال سے دوچار ہوئے اس پر معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے: ﴿اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ﴾ یعنی ہم تیر اندازی میں مشغول ہو گئے۔ ﴿وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ ''اور ہم یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے۔'' یعنی کپڑوں اور دیگر ساز و سامان کے پاس، ﴿فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ ''تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔'' اور اسی بات کے ڈر اور خوف کا حضرت یعقوب علیہ السلام نے اظہار فرمایا تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿17﴾﴾ ''اور آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے نہیں اگرچہ ہم سچے ہی ہوں۔'' یعنی اپنی بات کی تائید میں انھوں نے یہ بہت لطیف پیرایہ اختیار کیا اور کہنے لگے: ہم جانتے ہیں کہ اس حالت میں آپ ہماری بات کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ اگر ہم آپ کے ہاں سچے ہوتے تو آپ ہم پر یہ الزام عائد کیوں کرتے کہ مجھے ڈر ہے کہ اسے بھیڑیا کھا جائے گا اور اب جب واقعی اسے بھیڑیا کھا گیا ہے تو آپ ہماری تکذیب کرنے میں معذور ہیں کیونکہ یہ ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا ہے۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ آپ نے جو کہا تھا ہمارے ساتھ اسی طرح ہوا ہے۔

[1] تفسیر الطبری: 211,210/12.

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ

اور ایک قافلہ آیا، پھر انھوں نے اپنا پانی لانے والا بھیجا تو اس نے اپنا ڈول لٹکایا۔ وہ (دیکھتے ہی) پکار اٹھا: واہ خوشخبری ہے! یہ تو لڑکا ہے۔ اور انھوں

بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا

نے اسے پونجی سمجھ کر چھپا لیا، اور اللہ اسے خوب جانتا تھا جو وہ کر رہے تھے ⑲ اور انھوں نے اسے معمولی سی قیمت (یعنی) گنتی کے چند درہموں میں

فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ⑳

بیچ دیا، اور انھیں اس میں کوئی رغبت ہی نہ تھی ⑳

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ ﴾ ''اور اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا لہو بھی (لگا) لائے۔'' یعنی جھوٹ موٹ کا خون جو یوسف کا خون نہیں تھا۔ اپنے مکر و فریب اور سازش کو سچ ثابت کرنے کے لیے ایک تدبیر انھوں نے یہ کی۔ بقول مجاہد، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر۔ کہ انھوں نے بکری کے ایک بچے کو ذبح کیا اور اس کے خون کو حضرت یوسف کی قمیص پر مل دیا۔[1] اور تاثر دیا کہ یہ تھی وہ قمیص جو یوسف نے اس وقت پہنی ہوئی تھی جب بھیڑیے نے اسے کھایا، یہی وجہ ہے کہ اسے خون لگا ہوا ہے لیکن وہ قمیص پھاڑنی بھول گئے جس کی وجہ سے ان کا یہ ڈرامہ اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کو مطمئن نہ کر سکا بلکہ آپ نے ان کے کلام سے اعراض اور اپنے شکوک وشبہات کے اظہار کے لیے فرمایا: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ ﴾ ''(حقیقت حال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو، لہٰذا صبر ہی بہتر ہے۔'' یعنی میں تمھاری اس سازش پر جس پر تم سب متفق ہو گئے ہو، صبر جمیل کا مظاہرہ کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے میرے اس غم واندوہ کو دور فرما دے۔ ﴿ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ⑱ ﴾ ''اور جو تم بیان کرتے ہو، اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔'' یعنی تم اس جھوٹی اور محال بات کو جو بیان کر رہے ہو تو اس کے بارے میں میں اپنے اللہ ہی سے مدد کا طلب گار رہوں۔

تفسیر آیات: 20,19

حضرت یوسف علیہ السلام کا کنویں سے نکال کر فروخت کیا جانا: اب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ جب یوسف کو بھائیوں نے کنویں میں ڈال دیا اور وہاں یکہ وتنہا چھوڑ دیا تو پھر کیا ہوا! ابوبکر بن عیاش کے بقول آپ اس کنویں میں تین دن رہے تھے۔[2] اور محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ کنویں میں ڈالنے کے بعد سارا دن بھائی اس کنویں کے پاس بیٹھے رہے تا کہ یہ دیکھیں کہ اب یوسف کیا کرتا ہے یا اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ اس نے اس طرف ایک قافلہ بھیج دیا جس نے کنویں کے قریب پڑاؤ ڈالا اور انھوں نے پانی کے لیے اپنے سقّے کو بھیجا، اس نے پانی نکالنے کے لیے کنویں میں ڈول ڈالا۔[3] تو حضرت یوسف علیہ السلام اس کے ساتھ لٹک گئے، اس نے آپ کو باہر نکال لیا اور آپ کو دیکھ کر خوشی و مسرت کا اظہار

---

[1] تفسیر الطبری:213/12 بالفاظ دیگر۔ [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2107/7. [3] تفسیر ابن أبی حاتم:2113/7 مفصلاً.

کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ﴾ ''واہ خوشخبری ہے! یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے۔''[1] ﴿ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ﴾ ''اوراس کو (قیمتی) سرمایہ سمجھ کرانھوں نے چھپالیا۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس جملے کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی ہونے کے معاملے کو چھپایا اور حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی خود اپنے معاملے کو چھپایا تا کہ بھائی انھیں قتل نہ کر دیں اور انھوں نے اپنے فروخت ہو جانے کو پسند کیا۔ اس کے بھائیوں نے جب سقّے سے ان کا ذکر کیا تو اس نے کہا: ﴿ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ﴾ ''واہ خوشخبری ہے! یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے'' جو فروخت ہو رہا ہے، بالآخر آپ کے بھائیوں نے آپ کو فروخت کر دیا۔[2]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ برادرانِ یوسف اور خریدار کیا کر رہے ہیں۔ وہ اس صورت حال کے بدل دینے پر یقیناً قادر تھا لیکن اس نے حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی پہلے ہی سے اپنے فیصلے فرما رکھے ہیں، لہٰذا اس نے اس صورت حال میں کوئی تبدیلی پیدا نہ فرمائی تا کہ قضا و قدر کا فیصلہ ہی برقرار رہے۔ ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (الأعراف 7:54) ''آگاہ رہو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے، وہی) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

اس طرح ضمناً اللہ تعالیٰ اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ تسلی دے رہا ہے کہ میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کی قوم آپ کے درپے آزار ہے۔ اور میں ان کی تمام سازشوں کو ناکام بنا دینے پر قادر ہوں لیکن میں نے کچھ وقت کے لیے انھیں مہلت دے رکھی ہے جبکہ انجام کار آپ کو ان کے مقابلے میں اسی طرح کامیابی و کامرانی اور حکومت نصیب ہو گی جس طرح میں نے یوسف کو ان کے بھائیوں کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی اور حکومت سے سرفراز کیا تھا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ﴾ ''اور انھوں نے اسے معمولی سی قیمت (یعنی) گنتی کے چند درہموں میں بیچ ڈالا۔'' اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے انھیں نہایت تھوڑی سی قیمت کے ساتھ بیچ دیا۔ یہ مجاہد وعکرمہ کا قول ہے۔[3] ﴿ بَخْسٍ ﴾ کے معنی کمی کے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ﴾ (الجن 72:13) ''اس کو نہ کسی نقصان کا خوف ہے اور نہ ظلم کا۔'' بہر حال اس کا مفہوم یہ ہے کہ بھائیوں نے آپ کو بہت ہی معمولی قیمت کے ساتھ بیچ دیا اور اس قیمت کا بھی انھیں کوئی لالچ نہ تھا اگر آپ کو ان سے بلا قیمت طلب کیا جاتا تو انھیں اس میں بھی کوئی دریغ نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور ضحاک فرماتے ہیں: ﴿ وَشَرَوْهُ ﴾ کی ضمیر کا مرجع برادرانِ یوسف ہیں۔[4] انھوں نے بہت ہی کم قیمت کے ساتھ آپ کو فروخت کر دیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ﴾ ''گنتی کے چند درہم۔'' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے آپ کو صرف بیس درہم میں فروخت کر دیا تھا۔[5]

---

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:7/2113 عن قتادة نحوه . [2] تفسیر الطبری:12/221 . [3] تفسیر الطبری:12/225,224 والدر المنثور:4/18. [4] تفسیر الطبری:12/223,222. [5] تفسیر الطبری:12/225.

وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ

اور وہ شخص جس نے یوسف کو مصر میں خریدا تھا، اس نے اپنی بیوی سے کہا: اس کی رہائش اچھی رکھ، امید ہے کہ یہ ہمیں نفع دے یا یہ کہ ہم اسے بیٹا

وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ؗ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى

بنالیں، اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین (مصر) میں جگہ دی، تاکہ ہم اسے باتوں کی تاویل (خوابوں کی تعبیر) سکھائیں، اور اللہ اپنے (ہر) کام پر

اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ

غالب ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ﴿۲۱﴾ اور جب یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو

نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾

جزا دیتے ہیں ﴿۲۲﴾

ابن عباس رضی اللہ عنہما، نوف بکالی، سدی، قتادہ اور عطیہ عوفی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[1] عطیہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ پھر انھوں نے آپس میں دو، دو درہم بانٹ لیے۔[2] ﴿ وَكَانُوْا فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ ﴾ ''اور انھیں ان (کے بارے) میں کوئی رغبت بھی نہ تھی۔'' ضحاک بیان کرتے ہیں، اس لیے کہ انھیں آپ کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی قدر و منزلت کے بارے میں قطعاً کوئی علم نہ تھا۔[3]

تفسیر آیات: 22,21

حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں: اللہ تعالیٰ حضرت یوسف علیہ السلام پر اپنے لطف و کرم کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرما رہا ہے کہ اس نے اس شخص کو آپ کی حفاظت و نگہداشت پر مامور کر دیا جس نے مصر میں آپ کو خریدا تھا۔ اس نے آپ کا خاص خیال رکھا، عزت افزائی کی اور اپنے گھر والوں کو بھی حسن سلوک کی تلقین کی کیونکہ اس نے آپ میں رشد و بھلائی کی علامتوں کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا: ﴿ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ ﴾ ''اس کو عزت و احترام سے رکھو، عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا بنالیں۔'' مصر میں جس شخص نے آپ کو خریدا وہ عزیز مصر، یعنی مصر کا وزیر تھا۔

تین شخص بہت صاحب فراست تھے: ابو اسحاق نے ابو عبیدہ کے حوالے سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ تین شخص بہت ہی صاحب فراست تھے: (1) عزیز مصر کہ اس نے اپنی بیوی سے کہا: ﴿ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ ﴾ ''اس کو عزت و احترام سے رکھو۔'' (2) وہ عورت جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے باپ سے کہا تھا: ﴿ یٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ ﴾ (القصص 26:28) ''میرے ابا جان! ان کو اجرت پر رکھ لیجیے۔'' اور (3) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، جنھوں نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کر دیا تھا۔[4]

[1] تفسیر الطبری: 226,225/12. [2] تفسیر الطبری: 226/12. [3] تفسیر الطبری: 227/12. [4] المستدرك للحاكم، معرفة الصحابة، ومن مناقب أمير المؤمنين عمر بن الخطاب ﷺ: 90/3، حديث: 4509 وتفسير ابن أبي حاتم: 2118/7 وتفسير الطبري: 229/12.

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ

اور جس عورت کے گھر میں وہ (یوسف) تھا اس عورت نے اس کے جی سے پھسلایا، اور دروازے بند کر دیے اور بولی: لو آجاؤ، یوسف نے کہا: اللہ کی

مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾

پناہ! وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پاتے ﴿23﴾

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس طرح ہم نے یوسف کو ان کے بھائیوں سے نجات دی ﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے یوسف کو زمین میں جگہ دی۔“ یعنی سرزمین مصر میں۔ ﴿ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ﴾ ”اور غرض یہ تھی کہ ہم اسے (خواب کی) باتوں کی تعبیر سکھا دیں۔“ مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی خوابوں کی تعبیر کے ہیں۔[1] ﴿ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ ﴾ ”اور اللہ اپنے ہر کام پر غالب ہے۔“ یعنی وہ جب کسی کام کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اسے نہ کوئی ٹال سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی مخالفت کر سکتا ہے کیونکہ وہ سب پر غالب ہے۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس جملے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے۔[2] ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿21﴾ ﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“ یعنی وہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے ارادہ ومشیت کے مطابق جو کرتا ہے اس کی مخلوق کے لیے اس میں حکمت اور لطف وکرم کے کیا کیا سامان ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ ﴾ ”اور جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا۔“ یعنی یوسف علیہ السلام کی عقل اور خلق کی تکمیل ہو گئی تو ﴿ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ ﴾ ”ہم نے اسے دانائی اور علم بخشا۔“ یعنی اللہ نے سارے لوگوں میں سے اسے نبوت ورسالت سے سرفراز کیا۔ ﴿ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿22﴾ ﴾ ”اور ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔“ یعنی وہ اپنے عمل کے اعتبار سے نیک اور اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار تھا۔

تفسیر آیت:23

عزیز کی بیوی کی حضرت یوسف علیہ السلام سے محبت اور ان سے فریب کاری: اللہ تعالیٰ عزیز مصر کی بیوی کا ذکر فرما رہا ہے کہ مصر میں جس کے گھر یوسف علیہ السلام تھے اور جس کے خاوند نے آپ کو عزت واکرام سے رکھنے کی وصیت کی تھی، اس نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی کیونکہ آپ کے حسن وجمال کو دیکھ کر اسے آپ سے شدید محبت ہو گئی تھی۔ اس نے خوب بناؤ سنگھار کیا، دروازے بند کر دیے اور دعوتِ گناہ دیتے ہوئے کہا: ﴿ هَيْتَ لَكَ ؕ ﴾ ”لو آجاؤ۔“ آپ نے نہایت سختی کے ساتھ گناہ کی اس دعوت کو مسترد کر دیا اور فرمایا: ﴿ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ ﴾ ”اللہ کی پناہ! بے شک وہ (عزیز مصر) تو میرا آقا ہے، اس نے مجھے اچھا ٹھکانا دیا۔“

وہ لوگ آقا اور مالک کے لیے رب کا لفظ استعمال کرتے تھے، اسی لیے یوسف علیہ السلام نے بھی یہ لفظ استعمال فرمایا۔ معنی یہ ہے

---

[1] تفسیر الطبری: 230,229/12. [2] تفسیر الطبری: 230/12 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2118/7.

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ

اور البتہ تحقیق اس (عورت) نے یوسف کا ارادہ کیا، اور وہ (یوسف) بھی اس کا ارادہ کر لیتا اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھ لیتا۔ اسی طرح (ہوا) تاکہ

وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿24﴾

ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں، بے شک وہ ہمارے خالص کیے ہوئے بندوں میں سے تھا﴿24﴾

کہ تمھارے میاں میرے آقا ہیں، انھوں نے مجھے عزت و اکرام سے رکھا ہے اور میرے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کیا ہے، لہٰذا میں ان کی بیوی کے ساتھ فحاشی کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿23﴾﴾ ''بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔'' مجاہد، سدی اور محمد بن اسحاق وغیرہ کا یہی قول ہے۔[1]

کچھ ﴿هَيْتَ﴾ کے بارے میں: فرمان الٰہی: ﴿هَيْتَ لَكَ ؕ﴾ کے بارے میں قراء میں اختلاف ہے۔ بہت سے قراء نے اسے ھاء کے فتحہ، یاء کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام مجاہد وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے آپ کو اپنے نفس کی دعوت دی تھی۔[2] امام بخاری رحمہ اللہ نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ ﴿هَيْتَ لَكَ ؕ﴾ حورانی زبان[3] کے الفاظ ہیں جو هَلُمَّ ''آئیے!'' کے معنی میں ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو معلق ذکر فرمایا ہے۔[4] کچھ دیگر قراء نے ان الفاظ کو [هِئْتُ لَكَ] ھاء کے کسرہ اور (یاء کے بجائے) ہمزہ مجزوم اور تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ میں تیرے لیے تیار ہوں، یعنی یہ هِئْتُ لِلْأَمْرِ أَهِيءُ هَيْئَةً کے محاورے سے مشتق ہے۔ جن ائمہ سے یہ قراءت مروی ہے ان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو عبدالرحمٰن سُلَمی، ابو وائل، عکرمہ اور قتادہ رحمہم اللہ کے نام بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ان سب ائمہ نے اس کلمے کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ میں تمھارے لیے تیار ہوں۔[5]

عبداللہ بن اسحاق نے اسے [هَيْتِ] ھاء کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔[6] اور یہ ایک غریب قراءت ہے۔ بعض قرائے مکہ نے [هَيْتُ] ھاء کے فتحہ اور تاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے۔[7] ابو عبید مَعْمَر بن مُثَنّٰی کہتے ہیں: ﴿هَيْتَ﴾ سے تثنیہ، جمع اور مؤنث کے صیغے استعمال نہیں ہوئے بلکہ سب کے لیے ایک لفظ ﴿هَيْتَ﴾ ہی استعمال کرتے ہوئے (کاف خطاب کو بدل کر یہ) کہا جاتا ہے: [هَيْتَ لَكَ، هَيْتَ لَكُمَا، هَيْتَ لَكُمْ، هَيْتَ لَكُنَّ] اور [هَيْتَ لَهُنَّ] وغیرہ۔[8]

تفسیر آیت: 24

﴿هَمَّ بِهَا﴾ سے مراد: بیان کیا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصد سے مراد دل میں آنے والے خیالات ہیں اور یہ معنی

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم:2122/7 وتفسیر الطبري:238/12. [2] تفسیر ابن أبي حاتم:2121/7 وتفسیر الطبري:235/12. [3] موجودہ شام کا وہ علاقہ جو دمشق کے جنوب میں قبلے کی سمت واقع تھا، حَوران کہلاتا تھا۔ یہاں کی مقامی زبان حورانی کہلاتی تھی۔ [4] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ ......﴾ (یوسف 23:12)، قبل الحدیث:4692. [5] تفسیر الطبري:236,235/12. [6] تفسیر الطبري:236/12. [7] تفسیر الطبري:236/12 وتفسیر البغوي:483/2. [8] عام قرائے اہل مدینہ نے اسے [هِيتَ لك] ھاء کے کسرہ، یاء کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ تفسیر الطبري:237/12.

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ

اور وہ دونوں دروازے کی طرف دوڑے، اور اس (عورت) نے اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی، اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿25﴾

پاس پایا، تو وہ (جھٹ سے) بولی: اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی سے برائی کا ارادہ کرے، سوائے اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ

عذاب (دیا جائے) ﴿25﴾ یوسف نے کہا: اسی نے مجھے میرے جی سے پھسلایا۔ اور اس (عورت) کے خاندان میں سے ایک شاہد نے گواہی دی کہ

قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿26﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ

اگر اس (یوسف) کی قمیص آگے سے پھٹی ہے تو وہ (عورت) سچی ہے اور وہ (یوسف) جھوٹوں میں سے ہے ﴿26﴾ اور اگر اس (یوسف) کی قمیص پیچھے سے پھٹی

فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ

ہے تو وہ (عورت) جھوٹی ہے اور وہ (یوسف) سچا ہے ﴿27﴾ پھر جب اس (عزیز) نے یوسف کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی دیکھی تو وہ کہنے لگا: بے شک یہ

كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿28﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ

تمھارے (عورتوں کے) مکروفریب میں سے ہے، بے شک تمھارا مکر بہت بڑا (خطرناک) ہے ﴿28﴾ اے یوسف! اس (بات) سے درگزر کر، اور (بیوی

لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿29﴾ ع

سے کہا:) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ، بے شک تو ہی خطا کار ہے ﴿29﴾

امام بغوی نے بعض اہل تحقیق سے بیان کیے ہیں۔[1] پھر انھوں نے یہاں ایک حدیث بھی بیان کی ہے جسے امام عبدالرزاق نے معمر سے انھوں نے ہمام سے اور انھوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: [إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِحَسَنَةٍ فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا]، [إِذَا هَمَّ عَبْدِي بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ حَسَنَةً، (إِنَّمَا تَرَكَهَا مِنْ جَرَّائِي)، فَإِنْ عَمِلَهَا فَاكْتُبُوهَا لَهُ سَيِّئَةً] ”جب میرا بندہ نیکی کا ارادہ کرلے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ لو اگر وہ اس ارادے کے مطابق نیک عمل سرانجام دے لے تو اسے دس گنا لکھ لو۔ اور جب میرا بندہ برائی کا ارادہ کرے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے تو پھر بھی ایک نیکی لکھ لو کیونکہ اس نے میرے ڈر کی وجہ سے اسے ترک کیا ہے، پھر اگر وہ برائی کے ارادے کو عملی جامہ پہنا دے تو اسے برائی کے مطابق ہی لکھو۔“[2] یہ حدیث صحیحین میں بھی موجود ہے اور بہت سے مختلف الفاظ سے مروی ہے جن میں مذکورہ بالا روایت کے الفاظ بھی ہیں۔[3]

① تفسير البغوي:485,484/2. ② اس حدیث کا پہلا حصہ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الأنعام، حديث:3073، دوسرا حصہ صحيح ابن حبان، البر والإحسان، ذكر تفضل الله جل وعلا بكتبه حسنة......:105/2، حديث:381 اور قوسین والے الفاظ صحيح مسلم، الإيمان، باب إذا همّ العبد بحسنة......، حديث:129 کے مطابق ہیں۔ ③ صحيح البخاري، التوحيد باب قول الله تعالى: ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ﴾ (الفتح 48:15)......، حديث: 7501 وصحيح مسلم، الإيمان، باب إذا هم العبد بحسنة......، حديث:129.

اس سلسلے میں ایک قول یہ ہے کہ آپ نے یہ قصد فرمایا کہ اس برے ارادے کی اسے سزا دیں۔

اس آیت میں ﴿ بُرْهَانَ ﴾ کے معانی: اور یہ برہان (نشانی) جسے آپ نے دیکھا تھا، اس کے بارے میں بھی کئی اقوال ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے کوئی ایک ایسی نشانی دیکھ لی تھی جو آپ کو اس قصد سے منع کرتی تھی، ممکن ہے کہ آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل وصورت دیکھ لی ہو، ہوسکتا ہے آپ نے کسی فرشتے کی شکل دیکھ لی ہو اور یہ بھی ممکن ہے آپ نے کوئی ایسی تحریر دیکھ لی ہو جو اس فعل شنیع سے ممانعت کے بارے میں ہو،[1] اس سلسلے میں کسی متعین چیز کے بارے میں کوئی قطعی دلیل نہیں ہے، لہٰذا صحیح بات یہ ہے کہ حسبِ ارشاد باری تعالیٰ اسے مطلق ہی رکھا جائے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ﴾ ''اسی طرح، تاکہ ہم اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔'' یعنی جس طرح نشانی دکھا کر انھیں ان کے قصد سے روک دیا، اسی طرح ہم نے انھیں دیگر تمام امور میں بھی برائی اور بے حیائی سے بچایا۔ ﴿ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''بے شک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔'' یعنی منتخب، پاک، پسندیدہ، چنیدہ اور نیکوکار بندوں میں سے تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ.

تفسیر آیات:25-29

عورت کا یوسف علیہ السلام کے پیچھے بھاگنا: اللہ تعالیٰ اس وقت کی حالت کو بیان فرما رہا ہے جب دونوں دروازے کی طرف بھاگے۔ یوسف علیہ السلام اس عورت سے بھاگ رہے تھے اور عورت اس لیے بھاگ رہی تھی تاکہ آپ کو پکڑ کر گھر کے اندر لے جائے۔ عورت بھاگ کر آپ تک پہنچ گئی اور آپ کی قمیص پیچھے سے پکڑ کر زور سے کھینچی تو وہ بری طرح پھٹ گئی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی قمیص پھٹ کر نیچے گر گئی مگر آپ تیز بھاگتے رہے جبکہ عورت آپ کے پیچھے پیچھے تھی اور جب دروازے پر پہنچے تو دونوں کو عورت کا خاوند مل گیا اور عورت نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے مکروفریب سے کام لیتے ہوئے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام لگا دیا اور کہا: ﴿ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿25﴾ ﴾ ''جو شخص تمھاری بیوی کے ساتھ برا ارادہ کرے اس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک عذاب (دیا جائے۔)'' تو اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے حق کو بیان کرتے اور اس نے خیانت کا جو الزام لگایا اس سے اظہار براءت کرتے ہوئے فرمایا اور سچ فرمایا: ﴿ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ ﴾ ''اسی نے مجھے میرے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔'' اور مجھے پکڑنے کے لیے یہ میرے پیچھے بھاگی حتی کہ اس نے میری قمیص کو بھی پھاڑ ڈالا ہے۔

دانشمندانہ فیصلہ: ﴿ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ ﴾ ''عورت کے قبیلے میں سے ایک شاہد نے یہ گواہی دی کہ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہو تو عورت سچی ہے۔'' یعنی اپنی اس بات میں کہ یوسف علیہ السلام نے

[1] تفسیر الطبری: 250/12.

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا

اور شہر میں عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے جی سے پھسلاتی ہے، اس کے دل میں (یوسف کی) محبت گھر کر گئی ہے۔ بے شک ہم

حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿30﴾ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ

اسے کھلی گمراہی میں دیکھتی ہیں ﴿30﴾ چنانچہ جب اس (عورت) نے ان کی پر مکر باتیں سنیں تو اس نے ان کی طرف پیغام بھیجا اور ان کے لیے مسندیں

وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ

تیار کیں، اور اس نے ان میں سے ہر ایک (عورت) کو ایک چھری دی اور (پھر یوسف سے) کہا: ان کے سامنے نکل آ۔ پھر جب انھوں نے اسے دیکھا

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا

تو انھوں نے اس (کی شان) کو بڑا خیال کیا اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور بولیں: [حَاشَ لِلّٰهِ] "اللہ کی پناہ!" یہ بشر نہیں، یہ تو نہایت معزز فرشتہ

مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿31﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ

ہے ﴿31﴾ اس نے کہا: یہی تو ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں اور البتہ تحقیق میں نے ہی اسے اس کے جی سے پھسلایا تھا، لیکن

فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿32﴾ قَالَ رَبِّ

اس نے (خود کو) بچا لیا، اور اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اس کو حکم دیتی ہوں تو اسے ضرور قید کیا جائے گا اور یقیناً وہ بے عزت ہونے والوں میں سے ہو

السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ

گا ﴿32﴾ یوسف نے کہا: اے میرے رب! مجھے قید خانہ اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف وہ (عورتیں) مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو نے ان کا مکر مجھ سے

وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿33﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

دور نہ کیا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور میں جاہلوں میں سے ہوں گا ﴿33﴾ چنانچہ اس کے رب نے اس کی دعا قبول کر لی، پھر اس نے اس

السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿34﴾

سے ان (عورتوں) کا مکر دور کر دیا، بے شک وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿34﴾

اسے اپنی طرف مائل کرنا چاہا ہے کیونکہ اس طرح یوسف نے اسے دعوت دی ہوگی، عورت نے انکار کرتے ہوئے ان کے سینے پر مارا ہوگا جس سے اس کی قمیص پھٹ گئی ہوگی، لہٰذا عورت کی بات صحیح ہے۔ ﴿ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿27﴾ ﴾ "اور اگر قمیص پیچھے سے پھٹی ہو تو عورت نے جھوٹ بولا اور وہ (یوسف) سچوں میں سے ہے۔" اور یہ اس طرح ہوتا ہے، چنانچہ حقیقت میں بھی ایسا ہی ہوا تھا کہ جب یوسف بھاگے تو عورت نے پیچھے سے آپ کو پکڑنا چاہا اور کھینچنے کے لیے اس نے پیچھے سے آپ کی قمیص کو پکڑ لیا جس کی وجہ سے قمیص پھٹ گئی۔ اس شاہد کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ چھوٹا بچہ تھا یا بڑی عمر کا کوئی آدمی تھا۔ امام عبدالرزاق نے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ وہ ایک باریش آدمی تھا۔[1] امام ثوری نے جابر از ابن ابوملیکہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ وہ بادشاہ کے خواص میں سے تھا۔[2]

[1] تفسیر عبدالرزاق: 213/2، رقم: 1302. [2] تفسیر الطبری: 254/12.

امام مجاہد، عکرمہ، حسن، قتادہ، سدی اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے کہ وہ ایک آدمی تھا۔[1]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ وہ پنگوڑے کا ایک بچہ تھا۔[2] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہلال بن یساف، حسن، سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے کہ وہ گھر کا ایک چھوٹا بچہ تھا۔[3] امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ہے۔[4]

عزیز مصر کی تحقیق اور یوسف علیہ السلام کو پردہ پوشی کا حکم: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ ﴾ ''پھر جب اس کی قمیص کو دیکھا (تو) پیچھے سے پھٹی تھی۔'' جب اس عورت کے خاوند نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یوسف سچا ہے اور یہ عورت اس الزام تراشی اور بہتان بازی میں جھوٹی ہے۔ ﴿ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ﴾ ''وہ کہنے لگا: بے شک یہ تمھارے (عورتوں کے) مکروفریب میں سے ہے۔'' یعنی یہ بے ہودہ الزام جس سے تم نے اس نوجوان کی عزت کو داغ دار کرنا چاہا یہ تمھارا ہی مکرو فریب ہے۔ ﴿ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝۲۸ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ تمھارے (عورتوں کے) فریب بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔'' پھر اس نے حضرت یوسف کو اس واقعے کے چھپانے کا حکم دیتے ہوئے کہا: ﴿ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ﴾ ''یوسف! اس بات سے درگزر کر۔'' یعنی اس سے درگزر کرو اور کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کرنا۔ ﴿ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ﴾ ''اور تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ۔'' یہ اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بہت ہی نرم طبیعت کا مالک تھا یا اس نے عورت کو معذور سمجھا کہ وہ ایسی صورت حال سے دوچار ہوگئی کہ صبر نہ کرسکی، اس لیے اس نے کہا کہ تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ کہ تو نے اس نوجوان کے ساتھ پہلے خود ہی برائی کا ارادہ کیا، پھر اس پر یہ الزام بھی لگا دیا جس سے وہ قطعی طور پر بری تھا۔ ﴿ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝۲۹ ﴾ ''بے شک تو ہی خطا کار ہے۔''

تفسیر آیات: 30-34

خبر شہر کی عورتوں تک پہنچ گئی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کی یہ خبر مصر میں پھیل گئی اور لوگوں نے اس موضوع پر باتیں کرنا شروع کر دیں۔ ﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ ﴾ ''اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں'' خصوصاً سرداروں اور امراء کی عورتوں نے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عزیز مصر، جو کہ وزیر تھا، کی بیوی پر تنقید شروع کر دی اور اسے بہت معیوب قرار دیا کہ ﴿ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾ ''عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اس کے جی سے پھسلاتی ہے۔'' یعنی اسے اپنے نفس کی طرف دعوت دیتی ہے۔ ﴿ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ﴾ ''بے شک (اس کی) محبت اس کے دل میں گھر کر گئی ہے۔'' یعنی اس کی محبت اس کے دل کے شغاف، یعنی غلاف تک پہنچ گئی ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ الشعف حب قاتل کو کہتے ہیں جبکہ الشغف محبت کا اس سے کچھ کم درجہ ہے اور شغاف دل کے حجاب کو

---

① تفسیر الطبری: 12/255,254. ② تفسیر الطبری: 12/254. ③ تفسیر الطبری: 12/254,253. ④ تفسیر الطبری: 12/256.

کہتے ہیں۔[1]

﴿ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ”بے شک ہم اسے دیکھتی ہیں کہ (وہ) صریح گمراہی میں ہے۔“ یعنی یہ صریح گمراہی ہے کہ وہ اپنے غلام سے اس قدر محبت کرتی اور اس سے برائی کرنا چاہتی ہے۔ ﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ ﴾ ”پس جب اس (عورت) نے ان کی پرمکر باتیں سنیں۔“ بعض نے لکھا ہے کہ عورتوں نے یہ کہا تھا کہ محبت نے اسے دیوانہ کر دیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کے بارے میں سن لیا تھا، یہ آپ کا دیدار کرنا چاہتی تھیں اور یہ بات انھوں نے آپ کے دیدار کے لیے حربے کے طور پر کہی تھی۔[2] تو اس وقت ﴿ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ ﴾ ”اس (عزیز مصر کی بیوی) نے ان کے پاس (دعوت کا) پیغام بھیجا۔“ یعنی ضیافت کے لیے انھیں اپنے گھر بلایا۔

﴿ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً ﴾ ”اور ان کے لیے مسندیں تیار کیں۔“ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، مجاہد، حسن اور سدی رحمہم اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے ایسی محفل مراد ہے جس میں فرشی نشستوں کے لیے بچھونے بچھائے گئے ہوں، گاؤ تکیے لگائے گئے ہوں اور ایسے کھانے سجائے گئے ہوں جنھیں چھریوں سے کاٹ کر کھایا جاتا ہو، سنگترہ وغیرہ۔[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا ﴾ ”اور ہر ایک کو ایک ایک چھری دی۔“

عورتوں نے اپنے ہاتھ زخمی کر لیے: یہ اس عورت کی طرف سے ایک چال تھی جو ان کی اس چال کے جواب میں تھی جو انھوں نے دیدار یوسف کے لیے اختیار کی تھی۔ ﴿ وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ﴾ ”اور (یوسف سے) کہا کہ ان کے سامنے نکل آؤ۔“ اس نے حضرت یوسف کو ایک دوسری جگہ چھپا دیا تھا۔ ﴿ فَلَمَّا ﴾ ”پس جب“ یوسف علیہ السلام باہر تشریف لے آئے اور ﴿ رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ ﴾ ”عورتوں نے اس کو دیکھا تو اسے بہت بڑا جانا۔“ یعنی انھوں نے آپ کو بہت ہی عظیم الشان اور ایک بہت اعلیٰ قدر و منزلت کا انسان پایا اور رعب و دہشت کی تاب نہ لاتے ہوئے اپنے ہاتھوں کو کاٹنا شروع کر دیا۔ مدہوشی کی اس کیفیت میں وہ سمجھ یہ رہی تھیں کہ پھلوں کو کاٹ رہی ہیں لیکن حقیقت میں چھریاں ان کے ہاتھوں پر چل رہی تھیں اور مراد یہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھوں کو چھریوں سے زخمی کر لیا تھا، کئی ائمہ نے یہی تفسیر بیان کی ہے۔[4]

اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عورتوں نے کھانا کھا لیا، سیر شکم ہو گئیں تو پھر اس نے ان کے آگے پھل رکھے اور ہر ایک کو پھل کاٹنے کے لیے ایک ایک چھری بھی دے دی اور کہا: کیا تم یوسف کو دیکھنا چاہتی ہو؟ تو ان عورتوں نے جواب دیا: ہاں! تو اس نے پیغام بھیج کر یوسف علیہ السلام کو باہر بلایا جب عورتوں نے دیکھا تو بے ساختہ اپنے ہاتھ کاٹ لیے، پھر اس نے کہا کہ اب آپ واپس چلے جائیں، اس سے اس کا مقصود یہ تھا کہ یہ عورتیں آتے ہوئے اور جاتے ہوئے آپ کے جمال کا دیدار کر لیں، آپ واپس تشریف لے جا رہے تھے اور چھریوں سے ان کے ہاتھ زخمی ہو رہے تھے، درد کے باعث جب

---

① تفسير ابن أبي حاتم: 2131/7. ② تفسير الطبري: 263/12 وتفسير البغوي: 489/2. ③ تفسير الطبري: 264,263/12. ④ تفسير الطبري: 270,269/12.

انھوں نے چیخنا چلانا شروع کر دیا تو اس نے ان سے کہا کہ تم نے تو ایک ہی نظر دیکھنے کے بعد اپنا یہ حال کر لیا ہے تو پھر مجھے میری بے قراریوں اور بے تابیوں پر ملامت کیوں؟

عورتیں پکار اٹھیں: ﴿ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ ﴾ ''اور وہ (عورتیں بے ساختہ) بول اٹھیں کہ [حَاشَا لِلّٰهِ] یہ آدمی نہیں، یہ تو نہیں ہے مگر نہایت معزز فرشتہ۔'' پھر ان عورتوں نے اس سے کہا کہ یہ منظر دیکھنے کے بعد ہم آئندہ تمھیں کبھی ملامت نہیں کریں گی۔[1] انھوں نے آج تک ایسا کوئی انسان نہیں دیکھا تھا جو (حسن و جمال میں) حضرت یوسف جیسا یا آپ کے قریب قریب ہی ہو، اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نصف حسن عطا کیا گیا تھا جیسا کہ واقعۂ معراج سے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا۔ ان کے بارے میں آپ نے فرمایا: [وَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ] ''اور ان کو نصف حسن عطا کیا گیا ہے۔''[2]

امام مجاہد اور کئی اہل علم نے کہا ہے کہ ﴿ حَاشَ لِلّٰهِ ﴾ کے معنی ہیں مَعَاذَ اللّٰهِ.[3] ﴿ مَا هٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ ﴾ ''یہ آدمی نہیں یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ اس نے کہا: یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم ﴿ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ ﴾ مجھے طعنے دیتی تھیں۔'' اس نے گویا اپنا عذر پیش کرتے ہوئے کہا کہ اپنے جمال و کمال کے باعث یہ انسان اس قابل ہے کہ اس سے محبت کی جائے۔ ﴿ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ ﴾ ''اور بے شک میں نے ہی اسے اس کے نفس سے پھسلایا تھا مگر یہ بچا رہا۔'' بعض اہل علم نے لکھا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کے ظاہری جمال کو دیکھ لیا تو اس نے ان سے آپ کے باطنی کمالات اور صفاتِ جمیلہ کا بھی ذکر کیا، مثلاً: اس بے پناہ حسن و جمال کے ساتھ بے حد عفت و پاک دامنی۔

یوسف علیہ السلام کی قید کو ترجیح اور اللہ سے دعا: پھر اس نے دھمکی دیتے ہوئے کہا: ﴿ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ ﴾ ''اور اگر (یہ وہ کام) نہ کرے گا جو میں اسے کہتی ہوں تو اسے ضرور قید کر دیا جائے گا اور وہ یقیناً بے عزت ہونے والوں میں سے ہوگا۔''

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان عورتوں کے شر اور مکر و فریب سے پناہ مانگتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی: ﴿ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ ﴾ ''میرے پروردگار! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اس کی نسبت مجھے قید زیادہ پسند ہے۔'' یعنی بدکاری ﴿ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ ﴾ ''اور اگر تو مجھ سے ان کے فریب کو نہ ہٹائے گا تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا۔'' یعنی اگر تو نے مجھے میرے نفس کے سپرد کر دیا تو مجھے برائی سے بچنے کی قدرت نہیں ہے کیونکہ میں تو تیری طاقت و قوت اور توفیق و عنایت کے بغیر کسی نفع و نقصان کا مالک نہیں ہوں، اس لیے تجھی سے مدد چاہتا اور تیری ذاتِ گرامی پر بھروسا رکھتا ہوں، لہٰذا تو مجھے میرے نفس کے سپرد نہ فرما: ﴿ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ

---

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2137/7 بالفاظ دیگر۔ [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ إلی السمٰوات وفرض الصلوات، حدیث: 162. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 2136/7 وتفسیر الطبري: 273/12.

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿35﴾

پھر نشانیاں دیکھ لینے کے بعد ان لوگوں کو یہی سوجھا کہ وہ اس (یوسف) کو کچھ عرصے تک بہر حال قید رکھیں ﴿35﴾

رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿34﴾ ''تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں گا۔ تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان سے ان (عورتوں) کا مکر دور کر دیا، بے شک وہی خوب سننے (اور) خوب جاننے والا ہے۔''

اور حضرت یوسف علیہ السلام کو عظیم الشان عصمت سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ آپ نے بے حیائی کے اس کام کو نہایت سختی کے ساتھ رد کر دیا اور اس کے بجائے جیل جانے کو ترجیح دی۔ یہ مقامات کمال میں سے نہایت بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ مقام ہے کہ شباب، جمال اور کمال کے باوجود محض اللہ کے خوف اور اس سے ثواب کی امید کے باعث برائی کی اس دعوت کو رد کر کے قید کو پسند فرما لیا جبکہ دعوت بھی ایک ایسی عورت کی طرف سے تھی جو آپ کی مالکہ تھی، عزیز مصر کی بیوی تھی، حد درجہ خوبصورت تھی اور مال و دولت اور حکمرانی سے بہرہ ور تھی۔

صحیح بخاری و مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ: إِمَامٌ عَادِلٌ، وَّشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ، اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا (أَنْفَقَتْ) يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللّٰهَ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ]

''سات قسم کے (سعادت مند) انسان ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا: (1) عدل کرنے والا حکمران (2) وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشو و نما پائی (3) وہ شخص جس کا دل مسجد سے معلق ہو جب اس سے نکلے حتی کہ اس میں واپس آ جائے (4) وہ دو شخص جو اللہ ہی کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں اور حب الٰہی کے باعث جمع اور جدا ہوتے ہیں (5) وہ شخص جو اس طرح خفیہ طور پر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس کے دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے (6) وہ شخص جسے کسی صاحبِ منصب و جمال عورت نے (برائی کی) دعوت دی اور اس نے (اسے رد کرتے ہوئے) کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں (7) اور وہ شخص جس نے خلوت میں اللہ کو یاد کیا اور اس کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔''[1]

تفسیر آیت:35

[1] اس حدیث کے الفاظ بخاری و مسلم کی مختلف روایات کے مطابق ہیں لیکن لفظ [أَنْفَقَتْ] شعب الإيمان للبيهقي میں ہے۔ دیکھیے صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد، حديث:660و1423و6806 وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، حديث: 1031 وشعب الإيمان للبيهقي، الزكاة، فصل في الاختيار في صدقة التطوع:243/3، حديث:3439.

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ

اور اس کے ساتھ قید خانے میں دو جوان بھی داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے کہا: بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ شراب نچوڑ رہا ہوں، اور

الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا

دوسرا بولا: بے شک میں خود کو دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، ان میں سے پرندے کھا رہے ہیں، تو ہمیں ان کی تعبیر بتا،

نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿36﴾

بے شک ہم تجھے نیک سمجھتے ہیں ﴿36﴾

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ

یوسف نے کہا: جو کھانا تمھیں (یہاں) ملتا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تمھیں ان کی تعبیر بتلا دوں گا۔ یہ ان چیزوں میں سے ہے جو میرے رب

رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿37﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ

نے مجھے سکھائیں۔ بے شک میں نے ان لوگوں کا دین چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں ﴿37﴾ اور میں نے اتباع

اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ

کی ہے اپنے باپ دادا، ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے دین کی۔ ہمارے لیے (جائز) نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں، یہ اللہ کا

فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿38﴾

ہم پر اور (سب) لوگوں پر فضل ہے، اور لیکن اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے ﴿38﴾

قید کا فیصلہ اور اس پر عمل درآمد: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں نے مصلحت اسی بات میں دیکھی کہ آپ کو ایک مدت تک کے لیے جیل میں بھیج دیں۔ اور یہ فیصلہ انھوں نے نشانیوں کو دیکھ لینے کے باوجود کیا، انھیں معلوم ہوگیا تھا کہ آپ بالکل پاک ہیں اور آپ کی عفت و پاک دامنی کی کئی نشانیاں ظاہر ہو چکی تھیں۔ گویا کہ انھوں نے یہ فیصلہ اس لیے کیا کہ وہ بات مشہور ہوگئی تھی جس کی وجہ سے شبہ پیدا ہوا تھا کہ آپ نے عورت کو برائی پر مائل کرنا چاہا ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. یہی وجہ ہے کہ اس مدت کے آخر میں بادشاہ نے جب آپ کو بلایا تو آپ نے اس وقت تک جیل سے نکلنے سے انکار فرما دیا تھا یہاں تک کہ آپ کی طرف منسوب جرم اور خیانت سے آپ کی براءت واضح نہ ہو جائے جسے آپ کی طرف منسوب کیا گیا تھا۔ اور جب اس معاملے کی تحقیق ہوئی اور آپ بے گناہ ثابت ہوئے تو آپ اس شان سے جیل سے باہر تشریف لائے کہ عفت و پاک بازی کا پیکر تھے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ.

تفسیر آیت:36

خواب کی تعبیر کے بارے میں دو قیدیوں کا سوال: قتادہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا نانبائی۔[1] ان دونوں نے خواب دیکھے اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کی تعبیر پوچھی۔

[1] تفسیر الطبری:280/12.

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿39﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ

میرے قید خانے کے دو ساتھیو! بھلا کئی جدا جدا معبود بہتر ہیں یا ایک زبردست اللہ؟ ﴿39﴾ تم اس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہو وہ نام ہی تو ہیں جو

اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ

خود تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ تم

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿40﴾

صرف اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ﴿40﴾

تفسیر آیات: 38,37

تعبیر سے پہلے قیدیوں کو دعوتِ توحید: حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ انھوں نے جو خواب بھی دیکھا ہو وہ اس کی تعبیر جانتے ہیں اور وقوع پذیر ہونے سے پہلے انھیں تعبیر بتا دیں گے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ ﴾ ”نہیں آئے گا تمھارے پاس کھانا جو تم دیے جاتے ہو مگر (اس کے تمھارے پاس آنے سے پہلے پہلے) میں اس کی تعبیر تم دونوں کو بتا دوں گا۔“ امام مجاہد فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے جو فرمایا: ﴿ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ ﴾ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمھارے پاس نہیں آئے گا کھانا جو تم دونوں خواب میں دیے گئے ہو، ﴿ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ﴾ ”مگر میں تمھارے پاس اس (کھانے) کے آنے سے پہلے تم دونوں کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔“ [1] سدی نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ [2] پھر آپ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا اور (عطا) فرمایا ہے، اس لیے کہ میں نے اللہ اور آخرت کے دن کے ساتھ کفر کرنے والے ان کافروں کی ملت سے اجتناب کیا ہے جو آخرت کے ثواب اور عذاب کو نہیں مانتے۔ ﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ ﴾ ”اور میں اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کے مذہب پر چلتا ہوں۔“ یعنی میں نے کفر اور شرک کے رستے کو چھوڑ دیا ہے اور میں اللہ کے ان رسولوں ۔۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَ سَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ ۔۔ کے راستے پر چلتا ہوں۔

اور یہی حال ہوتا ہے اس شخص کا جو راہ ہدایت پر چلے، پیغمبروں کے رستے کی اتباع کرے اور گمراہوں کے رستے سے اعراض کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو ہدایت سے لبریز فرما دیتا ہے، اسے وہ علم عطا فرما دیتا ہے جو وہ نہیں جانتا اور اسے خیر و بھلائی کے کاموں کا امام، رشد و ہدایت کے رستے کا داعی بنا دیتا ہے۔ ﴿ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ ﴾ ”ہمارے لیے جائز ہی نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک بنائیں، یہ اللہ کا فضل ہے ہم پر اور لوگوں پر۔“ یہ توحید، یعنی اس بات کا اقرار کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں، یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا وہ فضل ہے جس سے اس نے ہمیں نوازا اور جس کے اختیار کرنے کا اس نے حکم دیا ہے اور لوگوں پر بھی یہ اللہ کا فضل ہے کہ ان کی طرف ہمیں داعی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿38﴾ ﴾ ”اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“ کیونکہ وہ یہ

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2144/7. [2] تفسیر ابن أبي حاتم: 2144/7.

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ

میرے قید خانے کے دو ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلائے گا، اور دوسرا سولی دیا جائے گا اور اس کے سر میں سے پرندے

مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿41﴾

(گوشت) کھائیں گے۔ اس معاملے کا فیصلہ کیا جا چکا جس کی بابت تم مجھ سے پوچھتے ہو ﴿41﴾

نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جو رسولوں کو بھیجا ہے تو یہ اس کی کس قدر عظیم الشان نعمت ہے۔ بلکہ ﴿ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ ﴾ (إبراھیم 28:14) ''انھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔''

تفسیر آیات: 40,39

یوسف علیہ السلام کا نہایت واضح اندازِ دعوت: پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں جوانوں کو مخاطب کرتے ہوئے دعوت دی کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کو اختیار کریں اور ان تمام بتوں کو ترک کر دیں جنھیں ان کی قوم پوجتی ہے، آپ نے فرمایا: ﴿ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿39﴾ ﴾ ''بھلا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو نہایت غالب ہے؟'' یعنی جس کے عزت وجلال اور عظمتِ اقتدار کے سامنے ہر چیز عاجز و درماندہ ہے، پھر آپ نے بیان فرمایا کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے اور جنھیں الٰہ قرار دیتے ہیں یہ تو ان کی جہالت کی کرشمہ سازی ہے۔ انھوں نے ان بتوں کو ان ناموں سے از خود موسوم کر رکھا ہے۔ یہ باتیں انھوں نے اپنے آباء واجداد سے سنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ ﴾ ''اللہ نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی دلیل اور برہان نہیں ہے، پھر آپ نے بیان فرمایا کہ حکم، تصرف، مشیت اور بادشاہت ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے، اس نے اپنے تمام بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ صرف اور صرف اسی کی ذات گرامی کی عبادت کریں، پھر فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ ''یہی نہایت سیدھا دین ہے۔'' یعنی یہ جو میں تمھیں دعوت دے رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کرو اور اسی کے لیے اخلاص کے ساتھ عمل بجا لاؤ تو یہی وہ سیدھا دین ہے جسے اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے جسے وہ پسند فرماتا ہے اور جس کی اس نے دلیل و برہان بھی نازل فرمائی ہے۔

﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿40﴾ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' اسی لیے اکثر لوگ مشرک ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ کتنی ہی خواہش کریں ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' جب آپ انھیں دین کی دعوت دینے سے فارغ ہو گئے تو ان کے خوابوں کی تعبیر بیان کرنا شروع کر دی اور فرمایا: (دیکھیے آیت:41)

تفسیر آیت: 41

دونوں قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر: آپ نے ان کے خوابوں کی تعبیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ

اور یوسف نے ان دونوں میں سے جس کے متعلق سمجھا تھا کہ وہ نجات پانے والا ہے اسے کہا: تو اپنے مالک سے میرا ذکر کرنا، پھر شیطان نے اسے

فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ ﴿42﴾

اپنے مالک سے (یوسف کا) ذکر کرنا بھلا دیا، چنانچہ یوسف قید خانے میں کئی سال ٹھہرا رہا﴿42﴾

﴿ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ﴾ ''میرے جیل کے رفیقو! تم دونوں میں سے ایک (جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا۔'' یعنی جس نے یہ خواب دیکھا تھا کہ وہ شراب کے لیے انگور نچوڑ رہا ہے۔ آپ نے معین طور پر اس کا نام نہ لیا تاکہ دوسرا غم زدہ نہ ہو، اسی لیے مبہم انداز میں فرمایا: ﴿ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ﴾ ''اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا پھر پرندے اس کا سر کھا جائیں گے۔'' یعنی وہ جس نے یہ خواب دیکھا ہے کہ وہ اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہے اور پرندے انھیں کھا رہے ہیں۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ فیصلہ ہو چکا ہے، لہٰذا لامحالہ اسی طرح ہو کر رہے گا کیونکہ خواب کی جب تک تعبیر نہ کی جائے وہ ایسے ہے جیسے پرندے کے پاؤں پر ہو اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ تعبیر کے مطابق پورا ہو جاتا ہے۔ ثوری نے عمارہ بن قعقاع سے، انھوں نے ابراہیم سے اور انھوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے ان دونوں کے خواب سن کر یہ تعبیر بیان فرما دی تو وہ کہنے لگے کہ نہیں! ہم نے تو کوئی خواب ہی نہیں دیکھا تھا، اس پر آپ نے فرمایا: ﴿ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ﴿41﴾ ﴾ ''جس معاملے کے متعلق تم مجھ سے پوچھتے تھے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔''[1]

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگر کوئی شخص جھوٹا خواب بیان کرتا ہے، پھر اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ تعبیر یقیناً رونما ہو کر رہتی ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی أَعْلَمُ. اس حدیث شریف میں بھی ہے جسے امام احمد نے معاویہ بن حیدہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلرُّؤْيَا عَلٰی رِجْلِ طَائِرٍ مَّا لَمْ تُعَبَّرْ، فَإِذَا عُبِّرَتْ وَقَعَتْ] ''خواب کی جب تک تعبیر بیان نہ کی جائے وہ پرندے کے پاؤں پر ہوتا ہے اور جب اس کی تعبیر بیان کر دی جائے تو وہ تعبیر وقوع پذیر ہو جاتی ہے۔''[2]

تفسیر آیت :42

حضرت یوسف علیہ السلام نے ساقی سے فرمایا......: حضرت یوسف علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ ساقی نجات پا جائے گا تو آپ نے اس سے علیحدگی میں تاکہ دوسرے کو یہ معلوم نہ ہو کہ اسے سولی پر لٹکایا جائے گا یہ فرمایا: ﴿ اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ ''تم اپنے آقا سے میرا ذکر کرنا۔'' یعنی اپنے آقا سے میرا قصہ بھی بیان کرنا۔ آقا سے مراد اس دور کا بادشاہ ہے مگر رہائی پانے کے بعد یہ شخص بادشاہ کے پاس آپ کا ذکر کرنا بھول گیا اور اس کے اس بھول جانے کا تعلق بھی شیطان کی دسیسہ کاریوں سے تھا تاکہ اللہ کے نبی حضرت یوسف علیہ السلام جیل سے باہر نہ آ سکیں، لہٰذا درست بات یہی ہے۔ ﴿ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ ﴾

[1] تفسير الطبري: 289/12. [2] مسند أحمد: 10/4 عن أبي رزين العقيلي رضی اللہ عنہ. حدیث کی مفصل تخریج کے لیے دیکھیے یوسف، آیت: 5 کے ذیل میں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ

اور بادشاہ نے کہا: بے شک میں (خواب میں) سات موٹی گائیں دیکھتا ہوں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات سبز بالیاں اور دوسری

یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ﴿43﴾ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ

خشک۔ اے درباریو! اگر تم خواب کی تعبیر کر سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ ﴿43﴾ انھوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہیں اور ہم (ایسے) خوابوں

اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ﴿44﴾ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ

کی تعبیر جاننے والے نہیں ﴿44﴾ اور وہ (شخص) جس نے دونوں (قیدیوں) میں سے نجات پائی تھی اسے (یوسف) مدت کے بعد یاد آیا، بولا: میں تمھیں

اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿45﴾ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ

اس کی تعبیر بتاؤں گا، لہٰذا تم مجھے (یوسف کے پاس) بھیجو ﴿45﴾ (اس نے جا کر کہا:) اے یوسف! اے بہت ہی سچے! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتلایئے کہ

سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَی النَّاسِ

سات موٹی گائیں ہیں جنھیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں، اور سات ہری بالیاں ہیں اور دوسری خشک، تاکہ میں لوگوں کی طرف لوٹوں تاکہ وہ جان

لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿46﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا

لیں ﴿46﴾ یوسف نے کہا: تم سات سال لگا تار کاشت کرو گے، چنانچہ تم جو (فصل) کاٹو تو وہ اس کی بالیوں ہی میں رہنے دو، سوائے تھوڑی (مقدار)

قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿47﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا

کے جو تم کھاؤ ﴿47﴾ پھر اس کے بعد سات سال سخت آئیں گے، وہ کھا جائیں گے اسے جو تم نے ان کے لیے آگے بھیجا (ذخیرہ کیا) ہوگا، سوائے تھوڑے سے

قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿48﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿49﴾ ع 6/7 16

غلے کے جو تم (بطور بیج) محفوظ رکھو گے ﴿48﴾ پھر اس (قحط سالی) کے بعد ایک سال آئے گا، اس میں لوگوں پر بارش ہوگی اور وہ اس میں رس نچوڑیں گے ﴿49﴾

”تو اپنے آقا سے ذکر کرنا شیطان نے اس (قید کے ساتھی) کو بھلا دیا۔“ میں ضمیر کا مرجع یہی نجات پانے والا شخص ہے جیسا کہ مجاہد، محمد بن اسحاق اور دیگر کئی ایک اہل علم کا قول ہے۔ ①

لفظ بِضْع کے بارے میں مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ تین سے نو تک کے عدد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ② وہب بن منبہ کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام سات برس تک آزمائش میں مبتلا رہے، حضرت یوسف علیہ السلام سات سال تک جیل میں رہے اور بخت نصر کو بھی سات سال تک عذاب دیا گیا (وہ درندوں میں گھومتا رہا کیونکہ اس کے چہرے کو مسخ کر دیا گیا تھا۔) ③

تفسیر آیات:43-49

شاہِ مصر کا خواب: یہ بادشاہِ مصر کے اس خواب کا ذکر ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قید خانے سے نہایت عزت و اکرام کے ساتھ رہائی کا سبب بنا دیا تھا۔ بادشاہ نے جب یہ خواب دیکھا تو وہ اس سے بہت گھبرایا اور اس خواب اور اس

① تفسیر الطبری:293/12 و تفسیر ابن أبی حاتم:2149/7. ② تفسیر الطبری:294,293/12. ③ تفسیر الطبری: 293/12.

کی تعبیر کے بارے میں پریشان ہوگیا۔ اس نے کاہنوں، نجومیوں، سرداروں اور امرائے سلطنت کو طلب کیا، انھیں اپنا خواب سنایا اور ان سے تعبیر پوچھی تو وہ تعبیر نہ بتا سکے اور معذرت کرتے ہوئے کہنے لگے: ﴿ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ﴾ ''یہ تو پریشان سے خواب ہیں۔'' یعنی آپ کا یہ خواب بہت سے ملے جلے اور پراگندہ خیالات پر مشتمل ہے۔ ﴿ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے۔'' بلکہ اگر خواب پریشان خیالات سے پاک بھی ہوتا اور واقعی صحیح خواب ہوتا تو ہم پھر بھی تعبیر نہیں بتا سکتے تھے کیونکہ ہمیں خوابوں کی تعبیر کا کوئی علم نہیں ہے۔ اب ان دونوں جوانوں میں سے، جو قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ تھے، نجات پا جانے والے کو آپ کی یاد آئی، درحقیقت شیطان نے اسے بادشاہ کے پاس آپ کا ذکر کرنا بھلا دیا تھا اور اب ایک مدت کے بعد اسے آپ کی یاد آئی۔ بعض ائمہ نے ان الفاظ کو [بَعْدَ أَمَهٍ] بھی پڑھا ہے، یعنی بھول جانے کے بعد اسے اب یاد آیا تو اس نے بادشاہ اور تمام حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا: ﴿ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴾ ''میں تمھیں اس (خواب) کی تعبیر بتاؤں گا، لہٰذا تم مجھے (یوسف کے پاس) بھیجو۔'' یعنی مجھے جیل خانے میں یوسف علیہ السلام کے پاس جانے کی اجازت دے دیجیے۔ ہوا یہ کہ انھوں نے اسے اجازت دے دی، یہ جیل خانے میں گیا اور اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کی: ﴿ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا ﴾ ''یوسف! اے انتہائی سچے شخص! ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے۔'' پھر اس نے بادشاہ کا خواب آپ سے بیان کر دیا۔

بادشاہ کے خواب کی تعبیر: حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب سنتے ہی فوراً اس کی تعبیر بیان فرما دی اور نہ تو اس نوجوان کو کوئی سرزنش کی کہ وہ بادشاہ کے پاس آپ کا ذکر کرنا بھول کیوں گیا اور نہ ہی ایسی کوئی شرط عائد کی کہ پہلے مجھے جیل سے نکالا جائے، پھر اس کی تعبیر بتاؤں گا بلکہ خواب سنتے ہی آپ نے فرمایا: ﴿ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ﴾ ''تم لوگ سات سال متواتر کاشت کرو گے۔'' یعنی متواتر سات سال تک خوب بارشیں ہوں گی اور سرسبزی و شادابی رہے گی۔ گایوں کی تعبیر آپ نے سالوں سے کی کیونکہ اس زمین میں انھی سے ہل چلائے جاتے ہیں جن سے پھل اور فصلیں پیدا ہوتی ہیں، سبز خوشوں سے پھل اور فصلیں مراد تھیں۔

فصلوں کو محفوظ رکھنے کا عمدہ اور نایاب طریقہ: پھر آپ نے ان سات سالوں کے لیے رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴾ ''چنانچہ تم جو (فصل) کاٹو تو اسے اس کی بالیوں ہی میں رہنے دینا، سوائے تھوڑی (مقدار) کے جو تم کھاتے ہو۔'' یعنی ان سرسبز و شاداب سالوں میں تم جو غلہ حاصل کرو اسے خوشوں ہی میں رہنے دو تاکہ وہ زیادہ دیر تک باقی رہے اور خراب نہ ہو۔ ہاں! البتہ کھانے کے لیے بالیوں سے حاصل کرتے رہو اور وہ بھی کفایت شعاری کے ساتھ تھوڑی تھوڑی مقدار میں اور اسراف سے کام نہ لو تاکہ بعد میں آنے والے قحط کے سات سالوں میں اس غلے کو استعمال کر سکو۔ سات دبلی گائیں جو سات موٹی گایوں کو کھا رہی تھیں، یہ آنے والے قحط کے انھیں سات سالوں کی طرف اشارہ تھا کیونکہ قحط زدہ سالوں میں وہی کھایا جاتا ہے جو خوشحالی کے سالوں میں جمع کیا گیا ہو، خواب میں مذکور خشک

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ

اور بادشاہ نے کہا: تم اسے میرے پاس لے آؤ، پھر جب اس (یوسف) کے پاس قاصد آیا تو اس نے کہا: تو اپنے مالک کے پاس لوٹ جا اور اس سے پوچھ کہ

النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿50﴾ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ

ان عورتوں (کے معاملے) کی کیا حقیقت ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ بے شک میرا رب ان کا مکر خوب جانتا ہے﴿50﴾ بادشاہ نے (عورتوں

رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ

سے) کہا: تمھارا معاملہ کیا ہے جب تم نے یوسف کو اس کے جی سے پھسلایا تھا؟ وہ بولیں: [حَاشَ لِلّٰہِ!] ''اللہ کی پناہ!'' ہمیں اس (کی ذات) میں کوئی برائی

الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿51﴾ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ

معلوم نہیں۔ عزیز (مصر) کی بیوی نے کہا: اب حق واضح ہوگیا ہے، میں نے ہی اسے اس کے جی سے پھسلایا تھا، اور بلاشبہ وہ سچوں میں سے ہے﴿51﴾ (یوسف

لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿52﴾

نے کہا:) یہ اس لیے کہ وہ (عزیز) جان لے کہ بے شک میں نے در پردہ اس کی خیانت نہیں کی تھی، اور یہ کہ بے شک اللہ خائنوں کا مکر نہیں چلنے دیتا﴿52﴾

بالیوں سے اسی طرف اشارہ تھا، پھر آپ نے وضاحت سے فرمایا کہ قحط کے ان سالوں میں کوئی چیز پیدا نہ ہوگی اور زمین میں وہ جو بیج ڈالیں گے، اس سے انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا، اسی لیے فرمایا: ﴿يَاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿48﴾﴾ ''جو (غلہ) تم نے ان کے لیے آگے بھیجا (جمع کر رکھا) ہوگا، وہ اس سب کو کھا جائیں گے، صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا جسے تم محفوظ رکھو گے۔'' پھر آپ نے خوشخبری سناتے ہوئے فرمایا کہ قحط کے ان مسلسل سات سالوں کے بعد جو سال آئے گا، اس میں خوب بارش ہوگی، سرسبزی و شادابی پیدا ہو جائے گی اور لوگ حسبِ عادت تیل اور رس وغیرہ نچوڑنے لگیں گے۔

تفسیر آیات:50-52

حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے معاملے کی تحقیق: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بادشاہ کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب اسے اس کے خواب کی تعبیر بتائی گئی تو وہ بہت خوش ہوا، تعبیر کے بارے میں مطمئن ہوگیا اور اسے حضرت یوسف علیہ السلام کے شرف و فضل، علم، خوابوں کی تعبیر کے بارے میں مہارت، حسنِ اخلاق اور رعایا کے بارے میں ہمدردی و خیر خواہی کا علم ہوا تو کہنے لگا: ﴿ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ﴾ ''اس (یوسف) کو میرے پاس لے آؤ۔'' یعنی انھیں جیل خانے سے نکال کر یہاں میرے پاس لے آؤ۔ جب اس سلسلے میں بادشاہ کا قاصد آپ کے پاس گیا تو آپ نے اس وقت تک جیل سے نکلنے سے انکار فرما دیا جب تک بادشاہ اور اس کی رعایا اس الزام کی تحقیق نہ کرلیں جو عزیز مصر کی بیوی کی طرف سے آپ کے پاک اور طاہر دامن پر لگایا گیا تھا جس کی کوئی حقیقت نہ تھی اور محض ظلم و زیادتی سے آپ کو جیل میں بھجوا دیا گیا تھا۔ اس لیے آپ نے قاصد سے فرمایا: ﴿ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ﴾ ''اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ۔'' سنت نبوی میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے اس طرز عمل کی تحسین کرتے ہوئے آپ کے فضل و شرف، علو منزلت اور صبر کی تعریف کی گئی ہے، صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُهٗ عَلَیْهِ. چنانچہ مسند احمد اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ مِنْ

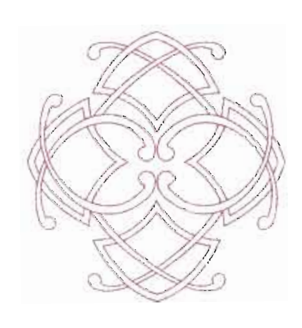
إِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ: ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ﴾...... الآية (البقرة2:260). وَيَرْحَمُ اللّٰهُ لُوطًا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ، وَلَوْ لَبِثْتُ فِي السِّجْنِ مَا لَبِثَ يُوسُفُ لَأَجَبْتُ الدَّاعِيَ] ''حضرت ابراہیم کی نسبت شک میں ہم زیادہ مبتلا ہو سکتے ہیں، آپ نے بارگاہِ الٰہی میں جو یہ عرض کی: ﴿رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ﴾ ''پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے کہا: کیا تو (اس پر) ایمان نہیں لایا؟ ابراہیم نے کہا: کیوں نہیں! (ایمان تو رکھتا ہوں) لیکن میں قلبی اطمینان چاہتا ہوں۔'' (تو یہ شک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اطمینان قلب کے لیے تھا۔) اللہ تعالیٰ حضرت لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے وہ کسی مضبوط قلعے کی پناہ پکڑنا چاہتے تھے۔ اور اگر میں جیل میں اتنی مدت رہتا جتنی مدت یوسف رہے تو میں بلانے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔''[1] مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں الفاظ یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾﴾ ''ان سے پوچھو کہ ان عورتوں (کے معاملے) کی کیا حقیقت ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟ بے شک میرا پروردگار ان کے مکروں سے خوب واقف ہے۔'' کے بارے میں فرمایا: [لَوْ كُنْتُ أَنَا لَأَسْرَعْتُ الْإِجَابَةَ وَمَا ابْتَغَيْتُ الْعُذْرَ] ''اگر میں ہوتا تو جلدی سے اس پیشکش کو قبول کر لیتا اور عذر تلاش نہ کرتا۔''[2]

بادشاہ اور زنانِ مصر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ﴾ ''(بادشاہ نے عورتوں سے) پوچھا کہ تمھارا معاملہ کیا ہے جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا؟'' بادشاہ نے ان تمام عورتوں کو جمع کیا جنھوں نے عزیز مصر کی بیوی کے ہاں اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا تھا اور ان سے مخاطب ہو کر کہا جبکہ روئے سخن اپنے وزیر، یعنی عزیز کی بیوی کی طرف بطور خاص تھا، ﴿مَا خَطْبُكُنَّ﴾ یعنی اس وقت کا تمھارا معاملہ اور اصل خبر کیا ہے، ﴿إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ﴾ ''جب تم نے یوسف کو اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔'' یعنی ضیافت کے دن، ﴿قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ﴾ ''سب بول اٹھیں کہ اللہ کی پناہ! ہم نے اس میں کوئی برائی معلوم نہیں کی۔'' یعنی عورتوں نے بادشاہ کو جواب دیتے ہوئے کہا: اللہ کی پناہ! یوسف پر کوئی الزام ہو، ہم نے ان میں کوئی برائی نہیں دیکھی تو اس وقت ﴿قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ﴾ ''عزیز (مصر) کی بیوی نے کہا کہ اب سچی بات تو ظاہر ہو ہی گئی ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ نے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب حق بات بالکل واضح، ظاہر اور نمایاں ہوگئی ہے۔[3] ﴿أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾﴾ ''(اصل یہ ہے کہ) میں نے اسے اس کے نفس سے پھسلانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچا ہے۔'' یعنی اپنی اس بات میں کہ ﴿هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي﴾ (یوسف12:26) ''اسی (عزیز مصر کی بیوی) نے مجھے میرے نفس سے پھسلانا چاہا تھا۔''

---

[1] اس حدیث کے الفاظ بخاری کی روایات کے مطابق ہیں، دیکھیے صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قوله: ﴿وَنَبِّئْهُمْ عَن ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ﴾ (الحجر15:51)...... ، حديث:3372 و4694 وصحيح مسلم، الإيمان، باب زيادة طمأنينة القلب بتظاهر الأدلة، حديث: 151 ومسند أحمد:326/2. [2] مسند أحمد:346/2 و 389. [3] تفسير الطبري: 310,309/12.

﴿ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ ﴾ ''یہ اس لیے کہ وہ (عزیز) جان لے کہ بے شک میں نے اس کی پیٹھ پیچھے اس کی (امانت میں) خیانت نہیں کی تھی۔'' یعنی عورت نے کہا کہ میں اس بات کا اعتراف کرتی ہوں کہ میں نے اسے ورغلانا چاہا تھا لیکن حقیقت میں میں نے خیانت کا ارتکاب نہیں کیا اور نہ بڑے جرم (بدکاری) ہی کا۔ ہاں! اس نوجوان کو ضرور مائل کرنا چاہا مگر اس نے مائل ہونے سے انکار کر دیا، لہٰذا میں اس کا اعتراف کرتی ہوں تاکہ میرے شوہر کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں نے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴾ ''اور اللہ خیانت کرنے والوں کا مکر نہیں چلنے دیتا۔''



وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ

اور میں اپنے نفس کو بری نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے، بے شک میرا رب

غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿53﴾

غفور (اور) رحیم ہے ﴿53﴾

وَقَالَ الۡمَلِکُ ائۡتُوۡنِیۡ بِہٖۤ اَسۡتَخۡلِصۡہُ لِنَفۡسِیۡ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَہٗ قَالَ اِنَّکَ الۡیَوۡمَ

اور بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنی ذات کے لیے مخصوص کروں گا، پھر جب اس نے یوسف سے گفتگو کی تو کہا: یقیناً آج تو

لَدَیۡنَا مَکِیۡنٌ اَمِیۡنٌ ﴿54﴾ قَالَ اجۡعَلۡنِیۡ عَلٰی خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ ۚ اِنِّیۡ حَفِیۡظٌ

ہمارے ہاں مرتبے والا، امین ہے ﴿54﴾ (یوسف نے) کہا: مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر (نگران) مقرر کر دیجیے، بے شک میں خوب نگہبانی کرنے

عَلِیۡمٌ ﴿55﴾

والا، خوب جاننے والا ہوں ﴿55﴾

تفسیر آیت:53

﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ ...... ﴾ کا قائل کون تھا؟ ﴿ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِیۡ ۚ ﴾ یعنی اس عورت نے کہا کہ میں اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتی، نفس بری بات کہتا اور بری خواہش رکھتا ہے، اسی وجہ سے میں نے اس کو مائل کرنا چاہا تھا کیونکہ ﴿ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَۃٌۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیۡ ؕ ﴾ ”بے شک نفس تو برائی پر اکساتا ہے مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔“ یعنی اسے برائی سے بچالے۔ ﴿ اِنَّ رَبِّیۡ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿53﴾ ﴾ ”بے شک میرا پروردگار خوب بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔“ قصے کے سیاق اور کلام کے معنی کے مطابق یہی قول زیادہ مشہور، زیادہ لائق اور زیادہ مناسب ہے کہ یہ الفاظ عزیز مصر کی بیوی کے ہیں۔ امام ماوردی نے اپنی تفسیر میں یہی بیان کیا ہے۔[1] اور امام ابوالعباس ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس قول کی تائید میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا کلام ہے اور مفہوم یہ ہے کہ ﴿ ذٰلِکَ لِیَعۡلَمَ اَنِّیۡ لَمۡ اَخُنۡہُ ﴾ ”(میں نے) یہ (بات) اس لیے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ یقیناً میں نے اس کی خیانت نہیں کی“ یعنی اس کی بیوی کے بارے میں ﴿ بِالۡغَیۡبِ ﴾ ”اس کی پیٹھ پیچھے۔“ یعنی میں نے قاصد کو اس لیے لوٹا دیا ہے تاکہ بادشاہ کو معلوم ہو جائے کہ میں بے گناہ ہوں اور عزیز کو بھی معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکروں کو کامیابی سے ہمکنار نہیں کرتا۔ امام ابن جریر اور ابن ابوحاتم نے تو اس سلسلے میں صرف یہی ایک قول بیان کیا ہے۔[2] جبکہ زیادہ قوی اور نمایاں پہلا قول ہے کیونکہ سیاق کلام میں بادشاہ کی موجودگی میں عزیز مصر کی بیوی کی بات ذکر ہو رہی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام تو اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے بلکہ اس کے بعد بادشاہ نے

[1] دیکھیے حاشیہ تفسیر الماوردی:48/3 . [2] تفسیر الطبری:3/13 و تفسیر ابن أبي حاتم:2158/7 .

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ

اور اس طرح ہم نے یوسف کو زمین (مصر) میں اقتدار دیا، وہ اس میں جہاں چاہتا قیام کرتا، ہم اپنی رحمت سے جسے چاہیں نوازتے ہیں،

وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿57﴾ ع 7/8 1

اور ہم نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتے ﴿56﴾ اور یقیناً آخرت کا اجر بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لائے اور انھوں نے تقویٰ اختیار کیا ﴿57﴾

آپ کو اپنے پاس بلایا تھا۔

تفسیر آیات: 55,54

بادشاہ کی نظر میں حضرت یوسف علیہ السلام کا مقام و مرتبہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب بادشاہ کے سامنے حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاک دامنی ثابت ہوگئی اور اسے معلوم ہوگیا کہ آپ پر لگایا گیا الزام بالکل جھوٹا ہے تو بادشاہ نے حکم دیا: ﴿ اِئْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ﴾ ''اسے میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنا مصاحب خاص بناؤں گا۔'' یعنی میں اسے اپنے خواص اور اہل مشورہ میں شامل کرلوں گا۔ ﴿ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ ﴾ ''پھر جب ان سے گفتگو کی'' یعنی بادشاہ جب آپ سے مخاطب ہوا تو اس نے آپ کے شرف و کمال کو جان لیا اور خَلق اور خُلق کی خوبیوں کو پہچان لیا تو آپ سے کہنے لگا: ﴿ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿54﴾﴾ ''یقیناً آج سے آپ ہمارے ہاں صاحب منزلت، امانت دار ہیں۔'' یعنی آپ ہمارے ہاں ایک امین انسان کی حیثیت سے بلند مقام و مرتبہ پر فائز رہیں گے۔

بوقت ضرورت اپنی صلاحیتوں سے دوسروں کو آگاہ کرنا: حضرت یوسف علیہ السلام نے اسے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ﴿55﴾﴾ ''مجھے زمین کے خزانوں (پیداوار) پر مقرر کر دیجیے، بے شک میں خوب حفاظت کرنے والا، خوب واقف بھی ہوں۔'' آپ نے اپنی تعریف خود بیان کی اور جب کسی انسان کی خوبیوں کے بارے میں معلوم نہ ہو تو اس کے لیے بوقت ضرورت اس طرح کا اظہار جائز ہے۔ آپ نے اپنی خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ﴿ حَفِيْظٌ ﴾ یعنی خازن اور امین ہوں اور ﴿ عَلِيْمٌ ﴿55﴾﴾ اس منصب کے لیے صاحب علم و بصیرت بھی۔ آپ نے ملک کے خزانوں، یعنی غلے کے گوداموں پر تقرر کی یہ بات اس لیے فرمائی کیونکہ آپ کے علم میں تھا کہ آئندہ سالوں میں اس ملک میں قحط پڑنے والا ہے جیسا کہ آپ نے بادشاہ کے خواب کی تعبیر میں بھی فرمایا تھا، اس لیے آپ نے پسند فرمایا کہ غلے کے خزانوں اور ذخیروں کے استعمال میں حد درجہ احتیاط، تدبر اور دانش مندی سے کام لیا جائے۔ آپ کی اس کام میں مہارت، دلچسپی اور آپ کے اعزاز و اکرام کے باعث آپ کی اس پیشکش کو قبول کرلیا گیا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

(دیکھیے آیات: 57,56)

تفسیر آیات: 57,56

مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کی حکومت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ﴾ ''اور اس طرح ہم نے یوسف کو زمین (مصر) میں جگہ دی وہ اس میں جہاں چاہتے رہتے تھے۔'' سدی اور

وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿58﴾ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

اور یوسف کے بھائی (غلہ لینے) آئے اور اس کے پاس پہنچے، تو اس نے انھیں پہچان لیا اور وہ اسے نہیں پہچانتے تھے ﴿58﴾ اور جب اس نے ان کا

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ

سامان تیار کروایا تو کہا: میرے پاس اپنا پدری بھائی (بنیامین) لانا، کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں پورا ماپ (غلہ) دیتا ہوں اور میں بہترین مہمان نواز

الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ

ہوں۔﴿59﴾ پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمھارے لیے میرے پاس کوئی ماپ (غلہ) نہیں، اور نہ تم میرے قریب آنا ﴿60﴾ انھوں نے کہا: ہم

عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

عنقریب اس کے باپ کو اس کے بارے میں آمادہ کریں گے اور یقیناً ہم (یہ) کرنے والے ہیں ﴿61﴾ اور یوسف نے اپنے خادموں سے کہا: ان کی

يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿62﴾

پونجی (نقدی) ان کے سامان میں رکھ دو تاکہ جب وہ اپنے اہل وعیال کی طرف پلٹیں تو اسے پہچان لیں، شاید وہ واپس آئیں ﴿62﴾

عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے لکھا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپ جس طرح چاہتے تصرف کرتے تھے۔[1] امام ابن جریر نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تنگی اور اسیری کے بعد اب آپ آزاد تھے اور جہاں چاہتے آتے جاتے تھے۔[2] ﴿نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾﴾ ”ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور ہم نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔“ یعنی یوسف نے جو اپنے بھائیوں کی طرف سے دی گئی تکلیف اور عزیز مصر کی بیوی کے سبب قید پر صبر کیا تو ہم نے ان کے اس صبر اور اس نیک عمل کو ضائع نہیں کیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں سلامتی اور اپنی نصرت و تائید کے ساتھ سرفراز فرمایا۔

فرمایا: ﴿وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿56﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿57﴾﴾ ”اور ہم نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے یقیناً ان کے لیے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے نبی یوسف علیہ السلام کے لیے آخرت میں جو بے پایاں اور عظیم الشان اجر وثواب تیار فرما رکھا ہے وہ دنیا کی اس حکومت واقتدار سے بدرجہا بہتر اور افضل ہے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ○﴾ (صٓ 38:39، 40) ”یہ ہماری بخشش ہے، لہٰذا (لوگوں پر) احسان کرو یا رکھ چھوڑو، (تم سے) کچھ حساب نہیں اور بے شک ان کے لیے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔“

الغرض! شاہِ مصر ریان بن ولید نے یوسف علیہ السلام کو اس شخص کی جگہ منصبِ وزارت پر فائز کر دیا جس نے آپ کو مصر میں

[1] تفسیر الطبری:13/9. [2] تفسیر الطبری:13/8.

خریدا اور جس کی بیوی نے آپ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور یہ بادشاہ یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام بھی ہو گیا تھا۔ یہ امام مجاہد کا قول ہے۔[1]

تفسیر آیات:58-62

بلادِ مصر قحط کی لپیٹ میں: سدی، محمد بن اسحاق اور دیگر کئی مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ برادرانِ یوسف کے مصر میں آنے کا سبب یہ تھا کہ یوسف علیہ السلام جب مصر میں منصبِ وزارت پر فائز ہوئے، سرسبزی و شادابی کے سات سال گزر گئے اور ان کے بعد قحط کے سات سالوں کا آغاز ہو گیا تو اس قحط نے تمام بلادِ مصر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا حتی کہ یہ بلادِ کنعان تک پہنچ گیا۔ ان دنوں یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد بلادِ کنعان ہی میں رہتی تھی۔ قحط کے اس زمانے میں یوسف علیہ السلام نے غلے کے بارے میں بہت احتیاط سے کام لیا۔ سارے غلے کو خوب احسن انداز میں جمع کیا۔ غلے کی فروخت سے بہت زیادہ قیمت اور بے شمار قیمتی اور نفیس تحائف بھی جمع ہو گئے کیونکہ غلے کی خریداری کے لیے تمام علاقوں سے لوگ آپ کے پاس آتے تھے اور اپنے اہل و عیال کے لیے آپ سے غلہ حاصل کرتے تھے۔ آپ ایک آدمی کو سال بھر کے لیے ایک اونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہیں دیتے تھے۔ اور قحط کے اس دور میں آپ خود بھی اس قدر احتیاط فرماتے کہ سیر ہو کر کھانا نہ کھاتے بلکہ آپ، بادشاہ اور فوج کے تمام سپاہیوں نے معمول یہ بنا لیا تھا کہ دوپہر کے وقت صرف ایک لقمہ کھاتے تاکہ قحط کے ان سات سالوں میں لوگوں کی ضرورت کو پورا کرنے کا اہتمام کیا جائے۔ بلاشبہ آپ کا وجودِ مسعود اہل مصر کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باعث رحمت تھا۔

برادرانِ یوسف کی مصر میں آمد: غلے کے حصول کے لیے جو لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں آپ کے بھائی بھی تھے جو اپنے باپ کے حکم سے اس مقصد کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے کیونکہ انھیں یہ خبر موصول ہوئی تھی کہ عزیز مصر لوگوں کو قیمتاً کھانے پینے کا سامان فروخت کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے ساتھ کچھ سامان لیا تاکہ اس کے عوض کھانے پینے کی چیزیں خرید لیں۔ اس سلسلے میں دس بھائی مصر آئے تھے جبکہ یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین کو یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس ہی رکھ لیا تھا کیونکہ یوسف علیہ السلام کے بعد ان سے آپ کو بہت محبت تھی۔ جب یہ لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ اپنی شان و شوکت اور ریاست و سیاست میں جلوہ افروز تھے۔ آپ نے انھیں دیکھتے ہی پہچان لیا جبکہ یہ لوگ آپ کو نہ پہچان سکے کیونکہ انھوں نے جب آپ کو چھوڑا تھا اس وقت آپ بہت چھوٹی عمر کے تھے۔ انھوں نے قافلے والوں کے ہاتھ آپ کو بیچ دیا اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اہل قافلہ آپ کو کہاں لے جائیں گے۔ اور اس بات کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایک دن آپ اس قدر بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ پر فائز ہوں گے، اس لیے وہ آپ کو پہچان نہ سکے مگر آپ نے انھیں خوب پہچان لیا۔

---

[1] تفسیر البغوی:499/2 و تفسیر الطبری:9/13.

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا

پھر جب وہ اپنے باپ کے پاس لوٹے تو بولے: اے ہمارے ابا جان! (آیندہ) ہمارے لیے ماپ (غلہ) ممنوع ٹھہرا ہے، لہٰذا تو ہمارے ساتھ

لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿63﴾ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ

ہمارے بھائی کو بھیج کہ ہم ماپ (غلہ) لائیں اور بے شک ہم اس کے محافظ ہیں﴿63﴾ اس (یعقوب) نے کہا: کیا میں تمھیں اس کی بابت امین سمجھ لوں

حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿64﴾

جیسے پہلے اس کے بھائی کی بابت میں نے تمھیں امین سمجھا تھا؟ چنانچہ اللہ ہی بہتر محافظ ہے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے﴿64﴾

سدی اور دیگر نے ذکر کیا ہے کہ آپ نے جب ان سے گفتگو فرمائی تو تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے فرمایا: میرے ملک میں کیسے آنا ہوا؟ انھوں نے جواب دیا: اے عزیز! ہم غلہ حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، آپ نے فرمایا: کہیں تم جاسوس تو نہیں؟ انھوں نے جواب دیا: اللہ کی پناہ! آپ نے فرمایا: کہاں سے آئے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم بلادِ کنعان سے آئے ہیں اور ہمارے باپ اللہ کے نبی یعقوب علیہ السلام ہیں۔ آپ نے فرمایا: کیا ان کے اور بیٹے بھی ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: جی ہاں، ہم بارہ بھائی تھے، ہم میں سب سے چھوٹا بھائی جنگل میں ہلاک ہو گیا تھا، ہمارے والد کو اس سے سب سے زیادہ پیارا تھا، ان کا دوسرا حقیقی بھائی موجود ہے، انھیں والد صاحب نے تسلی کے لیے اپنے پاس ہی رکھا ہوا ہے۔ آپ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کی مہمانی اور خوب عزت افزائی کی جائے۔[1]

حسن تدبیر: ﴿ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ ﴾ ”اور جب یوسف نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کروا دیا۔“ یعنی انھیں پورے پورے وزن کا غلہ دے دیا اور ان کا سامان لدوا دیا تو فرمایا کہ آئندہ اپنے اس بھائی کو بھی لے کر آنا جس کا تم نے ذکر کیا تھا تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہ سچ ہے۔ ﴿ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿59﴾ ﴾ ”کیا تم نہیں دیکھتے کہ بے شک میں ماپ پورا دیتا ہوں اور مہمان داری بھی خوب کرتا ہوں۔“ یہ آپ نے انھیں دوبارہ آنے کی ترغیب کے لیے فرمایا، پھر بطور ترہیب یہ بھی فرمایا: ﴿ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿60﴾ ﴾ ”پھر اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمھارے لیے میرے پاس کوئی ماپ نہ ہوگا اور میرے قریب نہ آنا۔“ یعنی جب تم دوبارہ آئے اور اپنے ساتھ اپنے اس بھائی کو نہ لائے تو پھر تمھیں میرے ہاں سے کوئی غلہ نہیں ملے گا۔ ﴿ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿61﴾ ﴾ ”انھوں نے کہا: ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں ضرور آمادہ کریں گے اور بے شک ہم ضرور کرنے والے ہیں۔“ یعنی ہم اسے یہاں لانے کے لیے ہر ممکن کوشش کریں گے اور اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کریں گے تاکہ آپ کو ہماری بات کی صداقت کا یقین ہو جائے۔

﴿ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ ﴾ ”اور (یوسف نے) اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ رکھ دو“ یعنی جسے وہ غلہ

[1] تفسیر الطبری: 10/13 سدی اور ابن اسحاق سے بالفاظ دیگر منقول ہے و تفسیر ابن أبی حاتم: 2163,2162/7 .

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۭ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۭ هٰذِهٖ

اور جب انھوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنی پونجی پائی جو انھیں لوٹا دی گئی تھی۔ وہ بولے: اے ہمارے ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجی ہمیں

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۭ ذٰلِكَ كَيْلٌ

لوٹا دی گئی ہے، اور ہم اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے، اور ہم ایک اونٹ کا ماپ (غلہ) زیادہ لائیں گے، یہ

يَّسِيْرٌ ﴿65﴾ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ

ماپ (غلہ ملنا) تو بہت آسان ہے ﴿65﴾ اس (یعقوب) نے کہا: میں اسے تمھارے ساتھ ہرگز نہیں بھیجوں گا حتی کہ تم مجھے اللہ کا پختہ عہد دو کہ تم اسے ضرور

اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰي مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿66﴾

میرے پاس لاؤ گے، سوائے اس کے کہ تم گھیر لیے جاؤ۔ پھر جب انھوں نے اسے اپنا پختہ عہد دیا تو وہ بولا: جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ اس پر ضامن ہے ﴿66﴾

خریدنے کے لیے اپنے ساتھ لائے تھے، ﴿فِيْ رِحَالِهِمْ﴾ ''ان کے کجاووں میں۔'' یعنی سامان کے بوروں میں اس انداز سے کہ انھیں معلوم نہ ہو ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿62﴾﴾ ''شاید کہ وہ پھر لوٹ آئیں۔'' یعنی اسی سرمائے کے ساتھ۔ کہا گیا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے یہ اس خدشے کے پیش نظر کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے پاس اور کوئی سرمایہ ہی نہ ہو جس کے ساتھ غلہ حاصل کرنے کے لیے وہ دوبارہ آئیں۔

تفسیر آیات: 64,63

یعقوب علیہ السلام سے بنیامین کو ساتھ لے جانے کا مطالبہ: اللہ تعالیٰ نے برادرانِ یوسف کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس آگئے تو ﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ﴾ ''کہنے لگے کہ اے ہمارے ابا جان! ہمارے لیے غلے کی بندش کر دی گئی ہے۔'' یعنی اگر آپ نے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو نہ بھیجا تو آئندہ ہمارے لیے غلے کی ممانعت کر دی گئی ہے، لہٰذا آپ اسے ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہم آئندہ بھی غلہ حاصل کر سکیں اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔ بعض قراء نے اسے ﴿نَكْتَلْ﴾ کے بجائے يَكْتَلْ بھی پڑھا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ (بنیامین) غلہ لائے۔ ﴿وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿63﴾﴾ ''اور بے شک ہم اس کے نگہبان ہیں۔'' یعنی آپ اس کے بارے میں غم نہ کریں وہ بہت جلد واپس آجائے گا، اسی طرح انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی کہا تھا: ﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○﴾ (یوسف 12:12) ''آپ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجیے کہ خوب (میوے) کھائے اور کھیلے کودے اور یقیناً ہم اس کے نگہبان ہیں۔''

اس لیے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓي اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۭ﴾ ''کیا میں اس کے متعلق تمھارا اعتبار کر لوں جیسے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا؟'' یعنی اس کے ساتھ بھی تم اسی طرح کا سلوک کرنا چاہتے ہو جس طرح پہلے اس کے بھائی کے ساتھ کر چکے ہو اور اسے بھی مجھ سے غائب کر کے میرے اور اس کے درمیان جدائی ڈالنا چاہتے ہو؟

﴿ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ﴾ ''چنانچہ اللہ ہی بہتر نگہبان ہے۔'' بعض قُراء نے ﴿ حِفْظًا ﴾ کو [حِفْظًا] پڑھا ہے۔ ﴿ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿64﴾ ﴾ ''اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔'' یعنی وہ میرے ساتھ بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے۔ وہ میرے بڑھاپے، کمزوری اور بیٹے کی جدائی کی وجہ سے مجھ پر ضرور رحم فرمائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ میرے بیٹے کو مجھ سے ضرور ملائے گا اور میری پریشانی کو دور فرمائے گا کیونکہ وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر آیات:66,65

سرمائے کا غلے سے برآمد ہونا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ برادرانِ یوسف نے جب اپنے سامان کو کھولا تو دیکھا کہ ان کے سرمائے کو واپس کر دیا گیا ہے۔ یہ وہی سرمایہ تھا جس کے متعلق حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خدام کو حکم دیا تھا کہ ان کا سرمایہ ان کے سامان (غلے) میں رکھ دو۔ اور جب انھوں نے اس سرمائے (غلے کی قیمت) کو اپنے سامان میں موجود پایا تو ﴿ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ ﴾ ''کہنے لگے: اے ابا جان! ہمیں (اور) کیا چاہیے؟'' ﴿ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ ﴾ ''یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہمیں اس کے بعد اور کیا چاہیے کہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اور انھوں نے ہمیں غلہ بھی پورا پورا دیا ہے۔ [1] ﴿ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا ﴾ ''اور ہم اپنے اہل وعیال کے لیے (پھر) غلہ لائیں گے۔'' یعنی اگر آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تو ہم اپنے اہل وعیال کے لیے اور غلہ لے آئیں گے۔ ﴿ وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ﴾ ''اور اپنے بھائی کی نگہبانی کریں گے اور ایک اونٹ کا ماپ (غلہ) زیادہ لائیں گے۔'' اس لیے کہ حضرت یوسف علیہ السلام ایک شخص کو اتنا غلہ دیتے تھے جسے ایک اونٹ اٹھا سکے۔

برادرانِ یوسف کہنے لگے: ﴿ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿65﴾ ﴾ ''یہ ماپ (غلہ ملنا) تو بہت آسان ہے۔'' یہ جملہ کلام کی تکمیل اور تحسین کے لیے کہا ہے۔ یعنی ان کا بھائی جو غلہ لے گا، اس کے مقابلے میں یہ بہت تھوڑا ہے، یہ اس کے برابر نہیں ہے۔ ﴿ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''(یعقوب نے) کہا: جب تک تم مجھے اللہ کا پختہ عہد نہ دو، میں اسے ہرگز تمھارے ساتھ نہیں بھیجوں گا۔'' یعنی تم قسم کھا کر پختہ عہد و پیمان کرو: ﴿ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ ﴾ ''تم اس کو ضرور میرے پاس (صحیح وسالم) لے آؤ گے سوائے اس کے کہ تم گھیر لیے جاؤ۔'' یعنی بے بس ہو جاؤ تو مجبوری ہے یا پھر تم سب مغلوب ہو جاؤ اور اس کی خلاصی پر قادر نہ رہو۔ ﴿ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ ﴾ ''پھر جب انھوں نے ان سے پختہ عہد کر لیا'' تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے مزید تاکید کے طور پر فرمایا: ﴿ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿66﴾ ﴾ ''جو قول قرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے۔'' ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام بنیامین کو بھیجنے پر اس لیے آمادہ ہوئے کہ غلے کے حصول کے لیے اسے بھیجنا ایک مجبوری تھی اور غلے کے بغیر چارۂ کار نہ تھا، اس لیے مجبوراً اسے ان کے ساتھ بھیجنا پڑا۔ [2]

---

[1] تفسير الطبري:15/13. [2] تفسير ابن أبي حاتم:2167/7 نحوه.

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ

اور اس نے کہا: اے میرے بیٹو! تم ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا، اور میں تمھیں اللہ

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿67﴾

(کے حکم) سے ذرا بھی کفایت نہیں کر سکتا۔ حکم تو اللہ ہی کا ہے، اسی پر میں نے توکل کیا ہے، اور توکل کرنے والوں کو اسی پر توکل کرنا

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا

چاہیے ﴿67﴾ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے ان کے باپ نے انھیں حکم دیا تھا، وہ انھیں اللہ (کے حکم) سے ذرا بھی نہیں بچا

حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

سکتا تھا، مگر یعقوب کے دل میں ایک حاجت (خواہش) تھی سو وہ پوری کر چکا، اور بلاشبہ ہمارے تعلیم دینے کی وجہ سے وہ صاحب علم

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ ع

تھا، اور لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ﴿68﴾

تفسیر آیات: 68,67

یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے ایک تدبیر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اجازت دے دی کہ بنیامین کو اپنے ساتھ مصر لے جائیں، پھر انھوں نے حکم دیا کہ وہ سب کے سب مصر کے ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہوں بلکہ شہر میں داخلے کے لیے مختلف دروازوں کو استعمال کریں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، محمد بن کعب، مجاہد، ضحاک، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ آپ کا یہ اقدام انھیں نظر بد سے بچانے کے لیے تھا۔[1] اس وجہ سے کہ وہ سب کے سب بہت خوبصورت، تندرست و توانا اور جوانانِ رعنا تھے۔ آپ نے خدشہ محسوس فرمایا کہ کہیں لوگ انھیں نظر ہی نہ لگا دیں کیونکہ نظر برحق ہے۔ نظر بد تو شہسوار کو گھوڑے سے نیچے گرا دیتی ہے۔ اس تدبیر کے باوجود انھوں نے یہ بھی فرمایا: ﴿وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ﴾ ''اور میں تمھیں اللہ کے مقابلے میں ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔'' یعنی میری یہ تدبیر اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور اس کی تقدیر کو نہیں ٹال سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ جو ارادہ فرمالیتا ہے اس کی نہ خلاف ورزی کی جا سکتی ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے۔ ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿67﴾ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ﴾ ''بے شک حکم اسی کا ہے، میں اسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اسی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ اور جب وہ ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں سے (داخل ہونے کے لیے) باپ نے ان سے کہا تھا تو وہ انھیں اللہ کے مقابلے میں ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ ہاں، وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی جو انھوں نے پوری کی۔'' یعنی یہ تو انھوں نے نظر بد سے بچانے کے لیے ایک تدبیر کی تھی۔

[1] تفسیر الطبری: 18,17/13 و تفسیر ابن أبي حاتم: 2168/7.

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿69﴾

اور جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے (سگے) بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس جگہ دی (اور) کہا: بے شک میں تیرا بھائی ہوں، لہٰذا تو اس کا غم نہ کر جو کچھ وہ کرتے رہے ﴿69﴾

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿70﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿71﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿72﴾

پھر جب یوسف نے ان کا سامان تیار کر دیا تو اپنے بھائی کے سامان میں ایک پیالہ رکھ دیا، پھر ایک پکارنے والے نے پکارا: اے قافلے والو! یقیناً تم چور ہو ﴿70﴾ وہ ان کی طرف متوجہ ہو کر بولے: تم کیا چیز گم پاتے ہو؟ ﴿71﴾ انھوں نے کہا: ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں، اور جو شخص اسے لائے اس کے لیے اونٹ بھر (غلہ) ہے اور میں اس کا ضامن ہوں ﴿72﴾

﴿ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ ﴾ ''اور بے شک وہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا۔'' قتادہ اور ثوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ آپ اپنے علم کے مطابق عمل کرنے والے بھی تھے۔[1] اور امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ صاحب علم تھے، اس لیے کہ انھیں ہم نے سکھایا تھا۔[2] ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿68﴾ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

تفسیر آیت: 69

حضرت یوسف علیہ السلام کی بنیامین کو تسلی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جب برادرانِ یوسف بنیامین کے ساتھ، جو حضرت یوسف کے حقیقی بھائی تھے، ان کے پاس آئے تو انھوں نے ان کی بے حد عزت افزائی کرتے ہوئے انھیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا اور ان پر صلہ رحمی، حسن سلوک اور نوازشات کی انتہا کر دی۔ اور اپنے بھائی بنیامین کو خلوت میں اپنے بارے میں بتا دیا اور آپ جن حالات سے گزر کر اس مقام و مرتبے پر پہنچے اس سے بھی مطلع فرما دیا اور انھیں خوب یاد دلا دیا کہ وہ ان کے حقیقی بھائی ہیں اور فرمایا: ﴿ فَلَا تَبْتَئِسْ ﴾ ''لہٰذا تو اس کا غم نہ کر۔'' یعنی اس پر جو انھوں نے میرے ساتھ کیا تھا، نیز آپ نے حکم دیا کہ ابھی ان سے اپنے معاملے کو مخفی رکھنا اور جو باتیں میں نے تمھیں بتائی ہیں ان کے بارے میں انھیں نہ بتانا، نیز آپ نے فرمایا کہ وہ آپ کو اپنے پاس رکھنے کی تدبیر کریں گے تاکہ آپ نہایت تعظیم اور اعزاز و اکرام کے ساتھ میرے پاس ہی رہیں۔

تفسیر آیات: 72-70

برادرانِ یوسف، بنیامین کو بھائی کے پاس چھوڑنے پر کیسے مجبور ہوئے؟ حضرت یوسف نے جب اپنے بھائیوں کا

[1] تفسیر الطبری: 20,19/13. [2] تفسیر الطبری: 19/13.

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿73﴾ قَالُوْا فَمَا

وہ بولے: اللہ کی قسم! یقیناً تمھیں علم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں ﴿73﴾ انھوں نے کہا: پھر اس (چور) کی کیا سزا ہے

جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿74﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ

اگر تم جھوٹے ہوئے؟ ﴿74﴾ وہ بولے: اس کی سزا یہ ہے (کہ) جس کے سامان میں وہ (پیالہ) پایا جائے وہی شخص اس کا بدلہ ہے۔ ہم ظالموں کو اسی

نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿75﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ

طرح سزا دیتے ہیں ﴿75﴾ چنانچہ یوسف اپنے بھائی کے بورے سے پہلے ان کے بوروں کی تلاشی لینے لگا، پھر اس نے اپنے بھائی کے بورے سے وہ

اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ

(پیالہ) نکال لیا، اسی طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی، وہ اس بادشاہ کے قانون کی رو سے تو اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہ تھا مگر یہ کہ اللہ

اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿76﴾

چاہے۔ ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ اور ہر صاحب علم کے اوپر ایک زیادہ علم والا ہے ﴿76﴾

سامان تیار کر دیا اور ان کے اونٹوں کو غلے سے لاد دیا تو کسی خادم کو حکم دیا کہ وہ پیالے کو بنیامین کے سامان میں رکھ دے۔ وہ برتن اکثر ائمۂ تفسیر کے بقول چاندی کا اور بعض کے بقول سونے کا تھا۔ ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آپ اسی پیالے سے پانی پیا کرتے تھے۔[2] اور اس وقت کے بہترین قیمتی اناج کو اس کے ساتھ ماپ کر دیا کرتے تھے۔[3] شعبہ نے ابو بشر سے، انھوں نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بادشاہ کا پیالہ چاندی کا بنا ہوا تھا، وہ اس میں پانی پیا کرتے تھے اور یہ صراحی کی طرح تھا۔[4] اسے بنیامین کے سامان میں اس طرح خفیہ طور پر رکھ دیا گیا تھا کہ کسی کو علم نہ ہو سکا۔ اور جب قافلہ آبادی سے باہر گیا تو ایک منادی نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿70﴾ ﴾ ”اے قافلے والو! یقیناً تم تو چور ہو۔“ وہ منادی کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے: ﴿ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿71﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ ﴾ ”تم کیا چیز گم پاتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم بادشاہ کا پیالہ گم پاتے ہیں۔“ یعنی بادشاہ کا وہ پیالہ گم ہو گیا ہے جس سے وہ غلہ ماپ کر دیتے ہیں۔ ﴿ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ ﴾ ”اور جو شخص اس کو لے آئے اس کے لیے ایک بارِ شتر (انعام) ہے۔“ یہ بدل کے طور پر ہوگا۔ ﴿ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿72﴾ ﴾ ”اور میں اس کا ضامن ہوں۔“ یہ ضمانت و کفالت کے باب سے ہے۔

تفسیر آیات:73-76

سابقہ شرائع میں چوری کی سزا: جب ان لوگوں نے چوری کا الزام لگایا تو برادرانِ یوسف نے انھیں جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿73﴾ ﴾ ”اللہ کی قسم! تم کو معلوم ہے کہ ہم (اس) زمین

---

[1] تفسیر الطبری:22/13. [2] تفسیر الطبری:22/13. [3] تفسیر البغوی:504/2 عن عکرمة رحمہ اللہ نحوہ. [4] تفسیر ابن أبي حاتم:2173/7.

میں اس لیے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چور ہیں۔'' یعنی جب سے ہماری تمھاری جان پہچان ہوئی ہے تم بھی ہمارے بارے میں یہ جانتے ہو۔ انھوں نے یہ اس لیے کہا کہ انھوں نے انھیں اچھی سیرت کا مالک پایا تھا۔ اور وہ انھیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ یہ ہمارے عادات وخصائل ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ ہم خرابی یا چوری کریں۔ یہ سن کر خدام بولے: ﴿ فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝74 ﴾ ''پھر اگر تم جھوٹے نکلے (چوری ثابت ہوئی) تو اس کی سزا کیا ہے؟'' ﴿ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝75 ﴾ ''انھوں نے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں وہ (پیالہ) دستیاب ہو تو وہی اس کا بدل قرار دیا جائے۔ ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت میں یہی حکم تھا کہ چور کو اس شخص کے سپرد کر دیا جائے جس کی اس نے چوری کی ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی اس تدبیر سے مقصود بھی یہی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بھائی کے سامان سے پہلے ان کے سامان کو دیکھنا شروع کیا۔ یعنی توریے کے طور پر پہلے ان لوگوں کے سامان کی تلاشی لی گئی، ﴿ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاۗءِ اَخِيْهِ ۭ ﴾ ''پھر اس نے اپنے بھائی کے بورے میں سے اس (پیالے) کو نکال لیا۔'' اور ان کے اپنے اعتراف اور اعتقاد کے مطابق ان سے بنیامین کو لے لیا۔

یہ تدبیر درحقیقت اللہ کی طرف سے تھی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ ﴾ ''اس طرح ہم نے یوسف کے لیے تدبیر کی۔'' اور یہ ایک محبوب اور اللہ تعالیٰ کی مرضی ومشیت کے مطابق تدبیر تھی کیونکہ یہ ایک مطلوب حکمت و مصلحت پر مبنی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ ﴾ ''وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو پکڑنے کا مجاز نہ تھا۔'' یعنی بادشاہ کے حکم کے مطابق وہ بنیامین کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔ ضحاک وغیرہ کا یہی قول ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے آپ کو توفیق دی کہ بھائیوں نے بھی اس بات کا اعتراف کر لیا جو ان کی شریعت کا حکم تھا اور آپ بھی اسے خوب جانتے تھے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ ﴾ ''ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ۭ ...... ﴾ الآية (المجادلة 58:11) ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جنھیں علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجے بلند کرے گا......''

ہر صاحب علم سے بڑھ کر صاحب علم موجود ہے: ﴿ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝76 ﴾ ''اور ہر صاحب علم کے اوپر ایک بہت زیادہ علم والا ہے۔'' امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہوتا ہے حتی کہ یہ سلسلہ اللہ ذوالجلال تک پہنچ جاتا ہے۔[2] امام عبدالرزاق نے سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس تھے، آپ نے ایک بہت عجیب بات بیان فرمائی جس سے ایک شخص نے بہت تعجب کا اظہار کیا اور کہا: الحمد للہ! ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے بری بات کہی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات تو علیم ہے اور وہ

[1] تفسير ابن أبي حاتم :2176/7 وتفسير الطبري :33/13. [2] تفسير الطبري :36/13.

قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

انھوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی، چنانچہ یوسف نے یہ (بات) اپنے دل میں چھپائی

یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾

اور ان پر ظاہر نہ کی (اور دل میں) کہا: تم بدترین درجے پر ہو، اور اللہ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ﴿77﴾

قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ

انھوں نے کہا: اے عزیز! بے شک اس کا باپ بہت بوڑھا ہے، چنانچہ آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیں۔ بے شک ہم آپ کو احسان کرنے

مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿78﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ

والوں میں سے دیکھتے ہیں ﴿78﴾ یوسف نے کہا: اللہ پناہ دے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں، تب تو بے شک

اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿79﴾ ع

ہم ظالم ہوئے ﴿79﴾

ہر علم والے سے بڑھ کر ہے۔ [1] سماک نے عکرمہ سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ شخص اس سے بڑا عالم ہے اور وہ اس سے بڑا عالم ہے مگر اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہر علم والے سے بڑھ کر عالم ہے۔ [2] عکرمہ کا بھی یہی قول ہے۔ [3] قتادہ کہتے ہیں کہ ہر علم والے سے بڑھ کر علم والا ہے حتی کہ علم کا یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اس کی ذات گرامی سے اس کا آغاز ہوا تھا۔ علماء کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے علم عطا ہوا ہے اور اس کی طرف علم لوٹ جائے گا۔ عبداللہ (بن مسعود رضی اللہ عنہ) کی قراءت میں اس طرح ہے: [وَفَوْقَ كُلِّ عَالِمٍ عَلِیْمٌ]. [4]

تفسیر آیت: 77

برادرانِ یوسف کا آپ علیہ السلام پر چوری کا الزام: جب برادرانِ یوسف نے دیکھا کہ پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہو گیا ہے تو کہا: ﴿ اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ ﴾ ”اگر اس نے چوری کی ہے تو تحقیق اس کے بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی۔“ انھوں نے عزیز کے سامنے اپنے آپ کو بنیامین کے ساتھ مشابہت سے دور رکھنا چاہا اور یہ ذکر کیا کہ ان کے بھائی، یعنی یوسف علیہ السلام نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ ﴾ ”تو یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا۔“ یعنی اس بات کو جو اس کے بعد ہے اور وہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾ ﴾ ”تم بدترین درجے پر ہو اور جو تم بیان کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔“ یعنی جس کا تم ذکر کر رہے ہو۔ آپ نے یہ بات اپنے دل میں

---

[1] تفسیر عبدالرزاق: 220/2، رقم: 1329. [2] تفسیر الطبری: 35/13. [3] تفسیر الطبری: 36/13. [4] تفسیر الطبری: 36/13.

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

پھر جب وہ اس سے ناامید ہوگئے تو الگ ہو کر مشورہ کیا۔ ان کے بڑے نے کہا: کیا تمھیں علم نہیں کہ بے شک تمھارے باپ نے تم سے اللہ کا

عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ

پختہ عہد لیا ہے؟ اور اس سے پہلے یوسف کی بابت تم کوتاہی کر چکے ہو؟ چنانچہ میں تو اس سرزمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا حتی کہ میرا باپ مجھے اجازت

حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿80﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ

دے یا اللہ میرے لیے فیصلہ کر دے، اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ﴿80﴾ تم اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور کہو: اے ہمارے ابا جان!

فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿81﴾

بے شک آپ کے بیٹے نے چوری کی، اور ہم نے وہی گواہی دی تھی جو ہمیں علم تھا، اور ہمیں غیب کی خبر نہ تھی ﴿81﴾ اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿82﴾

لیں جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں، اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿82﴾

کہی اور ان کے سامنے اس کا اظہار نہ کیا اور یہ اسلوب ''اضمار قبل الذکر''[1] کے قبیل سے ہے۔ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دل میں اسی بات کو مخفی رکھا: ﴿ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿77﴾ ﴾.[2]

تفسیر آیات: 79,78

بھائیوں کی تجویز: جب یہ بات طے پا گئی کہ اب بنیامین کو ان سے لے لیا جائے گا اور یوسف علیہ السلام کے پاس اسے رہنا پڑے گا جیسا کہ بھائیوں نے پہلے خود ہی اس بات کا اعتراف واقرار کر لیا تھا، لہٰذا انھوں نے اب منت وسماجت سے کام لینا شروع کر دیا، ﴿ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! بے شک اس کے والد بہت بوڑھے ہیں۔'' یعنی وہ ان سے بہت محبت کرتے اور اپنے گم شدہ بچے کی جگہ ان سے قرار پاتے ہیں۔ ﴿ فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ ﴾ ''تو آپ (اس کو چھوڑ دیجیے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو پکڑ لیجیے۔'' جو اس کے بدلے آپ کے پاس رہے۔ ﴿ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿78﴾ ﴾ ''بے شک ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والوں سے ہیں۔'' یعنی عدل وانصاف سے کام لینے والے اور نیکی کو قبول کرنے والے ہیں۔ ﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ ﴾ ''(یوسف نے) کہا کہ اللہ کی پناہ! اس سے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں۔'' یعنی جیسا کہ خود تم نے بھی کہا اور اس قانون کا اعتراف کیا ہے۔ ﴿ اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿79﴾ ﴾ ''بلاشبہ (اگر ایسا کریں) تب تو ہم ظالم ہوں گے۔'' یعنی گناہ گار کے بجائے کسی بے گناہ کو پکڑ لیں۔

[1] عام طور پر ضمیر کسی سابقہ اسم کی طرف لوٹتی ہے لیکن کبھی ضمیر کو اس کے اسم سے پہلے ہی ذکر کر دیا جاتا ہے، نحوی اصطلاح میں اس کو ''اِضمار قبل الذکر'' کہتے ہیں۔ [2] تفسیر الطبری:40/13.

تفسیر آیات:80-82

بھائیوں کا آپس میں مشورہ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب برادرانِ یوسف بنیامین کی خلاصی کے سلسلے میں مایوس ہو گئے جبکہ وہ اپنے باپ سے پختہ عہد و پیمان کر کے آئے تھے کہ وہ انھیں ضرور اپنے ساتھ واپس لے کر آئیں گے مگر اب ان کی واپسی ان کے لیے بہت مشکل ہوگئی اور وہ مایوس ہو گئے تو ﴿ خَلَصُوْا نَجِيًّا ط﴾ ''الگ ہو کر مشورہ کیا۔'' یعنی لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر آپس میں اس سلسلے میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔ ﴿ قَالَ كَبِيْرُهُمْ ﴾ ''سب سے بڑے نے کہا'' ان کے سب سے بڑے بھائی رُوبیل اور بقول بعض یہوذا تھے۔ بھائیوں نے جب یوسف کے قتل کا ارادہ کیا تو انھوں نے ہی یہ مشورہ دیا تھا کہ قتل نہ کرو بلکہ انھیں کسی اندھے کنویں میں ڈال دو، اب انھوں نے کہا: ﴿ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارے والد نے تم سے اللہ کا پختہ عہد لیا ہے۔'' کہ تم اسے ضرور ان کے پاس واپس لے کر جاؤ گے۔ پہلے تم نے ان کے لیے یوسف کو گم کر دیا اور اب بنیامین کو واپس لے جانا تمھارے لیے مشکل ہو رہا ہے۔ ﴿ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ ﴾ ''تو میں تو اس جگہ سے نہیں جاؤں گا۔'' یعنی اس شہر سے اس وقت تک نہیں جاؤں گا ﴿ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ ﴾ ''یہاں تک کہ والد (صاحب) مجھے اجازت دیں'' یعنی مجھے خوشی سے واپس آنے کی اجازت دے دیں، ﴿ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ج﴾ ''یا اللہ میرے لیے کوئی اور فیصلہ کر دے۔'' یعنی مجھے تلوار استعمال کرنے کا موقع مل جائے یا مجھے (اللہ) اپنے بھائی کو ساتھ لے آنے کی کوئی اور تدبیر سکھا دے۔ ﴿ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰ ﴾ ''اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔''

پھر اس نے اپنے بھائیوں کو حکم دیا کہ واپس جاؤ اور والد کو ساری صورت حال بتاؤ تا کہ انھیں معلوم ہو جائے کہ یہ بنیامین کو واپس نہ لانے میں معذور تھے، نیز معذرت کرتے ہوئے اور اپنی بے گناہی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بھی کہو: ﴿ وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝۸۱ ﴾ ''اور ہم غیب (کی باتوں) کے (جاننے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔'' قتادہ و عکرمہ رحمہما اللہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ ہمیں یہ معلوم نہ تھا کہ آپ کا بیٹا چوری کرے گا۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں اس کا علم نہیں ہوا تھا کہ بنیامین نے ان کی کوئی چیز لی ہے بلکہ یہ پوچھا تھا کہ چور کی سزا کیا ہے؟[2]

﴿ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا ﴾ ''اور آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم (ٹھہرے) تھے۔'' کہا گیا ہے کہ اس بستی سے مراد مصر ہے اور یہ قتادہ کا قول ہے۔[3] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مصر کے علاوہ اور بستی مراد ہے۔ ﴿ وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ط﴾ ''اور اس قافلے سے بھی جس میں ہم آئے ہیں'' کہ ہم سچے اور امین ہیں اور ہم نے بنیامین کی حفاظت و نگہداشت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ ﴿ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۸۲ ﴾ ''اور ہم یقیناً (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔'' یعنی جو ہم نے آپ کو خبر دی کہ بنیامین نے چوری کر لی اور وہ چوری کے جرم میں پکڑا گیا ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری:49/13. [2] تفسیر ابن أبی حاتم:2183/7. [3] تفسیر الطبری:50/13 و تفسیر ابن أبی حاتم:2183/7.

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا ؕ

اس (یعقوب) نے کہا: (حقیقت یہ نہیں) بلکہ تمھارے لیے تمھارے دلوں نے ایک (بری) بات آراستہ کردی ہے، چنانچہ صبر ہی بہتر ہے۔ شاید اللہ ان سب کو

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿83﴾ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰۤاَسَفٰى عَلٰى یُوْسُفَ وَ ابْیَضَّتْ عَیْنٰهُ مِنَ

میرے پاس لے آئے، بے شک وہی علیم و حکیم ہے ﴿83﴾ اور وہ ان سے پھرا اور بولا: ہائے افسوس یوسف پر! اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں، پس وہ

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِیْمٌ ﴿84﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ یُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ

غم سے بھرا ہوا تھا ﴿84﴾ بیٹے بولے: اللہ کی قسم! آپ یوسف کو سدا یاد کرتے رہیں گے، حتی کہ آپ (غم سے گھل کر) مرنے کے قریب ہو جائیں یا ہلاک ہونے

الْهٰلِكِیْنَ ﴿85﴾ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿86﴾

والوں میں سے ہو جائیں ﴿85﴾ اس نے کہا: میں تو اپنی پریشانی اور غم کا شکوہ اللہ ہی سے کرتا ہوں، اور میں اللہ کی طرف سے جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿86﴾

تفسیر آیات:83-86

افسوس ناک خبر سننے کے بعد اللہ کے نبی کا جواب: حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ المناک خبر سن کر بھی وہی بات فرمائی جو اس وقت فرمائی تھی جب یہ یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے تھے: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ ﴾ ''بلکہ (یہ) ایک بات تمھارے لیے تمھارے نفسوں نے آراستہ کردی ہے، چنانچہ صبر ہی بہتر ہے۔'' محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ یہ لوگ جب یعقوب علیہ السلام کے پاس واپس آئے اور انھوں نے انھیں ساری صورت حال بتائی تو انھوں نے انھی کو مورد الزام ٹھہرایا اور گمان یہ کیا کہ انھوں نے بنیامین کے ساتھ بھی اسی طرح کیا ہے جس طرح اس سے پہلے یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا تھا، پھر فرمایا: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ ﴾.[1]

بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ جب ان کی اس کرتوت کو بھی ان کے پہلے فعل سے وابستہ قرار دیا تو اس کے بارے میں بھی وہی حکم لگا دیا جو ان کے پہلے فعل کے بارے میں لگایا تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ ﴾، پھر حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس امید کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے تینوں بیٹوں یوسف، ان کے بھائی بنیامین اور رُوبیل (یا یہوذا) کو ضرور ان کے پاس لوٹا دے گا۔ رُوبیل از خود دیارِ مصر میں رہ گیا تھا تاکہ وہ امرِ الٰہی کا انتظار کرے اور اس کا والد اسے خوشی سے واپس آنے کی اجازت دے دے یا کسی خفیہ طریقے سے اپنے بھائی کو حاصل کر کے واپس لے جانے میں کامیاب ہو جائے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے امید وابستہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ ﴾ ''شاید کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے، بے شک وہ خوب جاننے والا ہے۔'' یعنی میرے حال کو جانتا ہے۔ ﴿ الْحَكِیْمُ ﴿83﴾ ﴾ ''(اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی اس کے تمام افعال اور قضا و قدر کے فیصلے حکمت پر مبنی ہیں۔ ﴿ وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ یٰۤاَسَفٰى عَلٰى یُوْسُفَ ﴾ ''اور وہ ان سے پھرا اور بولا: ہائے افسوس یوسف پر!'' یعنی اپنے بیٹوں سے منہ موڑ لیا اور یوسف کے بارے میں ان کا وہی پرانا غم تازہ ہو گیا، اسی لیے فرمایا: ﴿ یٰۤاَسَفٰى عَلٰى

[1] تفسیر الطبری: 51/13.

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ

اے میرے بیٹو! تم جاؤ اور یوسف اوراس کے بھائی کو ڈھونڈو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ کی رحمت

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿87﴾ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا

سے تو کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں ﴿87﴾ پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو انھوں نے کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل وعیال

وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم ناقص پونجی لائے ہیں، چنانچہ آپ ہمیں پورا ماپ دیں اور ہم پر صدقہ خیرات کریں، یقیناً اللہ صدقہ

يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿88﴾

خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے ﴿88﴾

﴿ يُوْسُفَ ﴾ ”ہائے افسوس یوسف پر!“ اب ان دونوں بیٹوں کے غم نے بھولے ہوئے پہلے غم کی یادیں تازہ کر دیں۔

عبدالرزاق نے ثوری از سفیان عُصفُری کی سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے کہ اس امت کے سوا کسی اور امت کو غم کے موقع پر ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ (البقرۃ 156:2) پڑھنا نہیں سکھایا گیا۔ دیکھو! حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس شدید غم کے موقع پر یہ الفاظ نہیں پڑھے بلکہ یہ کہا: ﴿ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿84﴾ ﴾ ”ہائے افسوس یوسف پر! اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں تو وہ غم سے بھرا ہوا تھا۔“[1] قتادہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شدت غم کے باعث آپ نے خاموشی اختیار فرمالی اور مخلوق میں سے کسی کے پاس اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔[2] اور ضحاک فرماتے ہیں کہ ﴿ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿84﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ آپ انتہائی غمگین اور افسردہ خاطر رہتے تھے۔[3]

بیٹوں کا باپ سے اظہارِ ہمدردی: اس وقت باپ کی یہ حالت دیکھ کر ان کے بیٹوں پر بھی رقت طاری ہوگئی اور انھوں نے ازراہِ نرمی وشفقت کہا: ﴿ تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ ﴾ ”اللہ کی قسم! آپ سدا یوسف کو یاد کرتے رہیں گے۔“ اگر آپ یوسف کو (اسی طرح) یاد کرتے رہے، یعنی اس قدر تسلسل کے ساتھ یاد ﴿ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا ﴾ ”یہاں تک کہ آپ (غم میں گھل کر) مرنے کے قریب ہو جائیں گے“، یعنی ضعف وناتوانی میں مبتلا ہو جائیں گے، ﴿ اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿85﴾ ﴾ ”یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ اگر آپ کی یہی حالت رہی تو ہمیں ڈر ہے کہیں آپ جان ہی سے نہ گزر جائیں۔

بیٹوں کی اس بات کا جواب دیتے ہوئے آپ نے فرمایا: ﴿ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ”میں تو اپنے غم واندوہ کا شکوہ صرف اللہ ہی سے کرتا ہوں۔“ یعنی میں غم وفکر کی جس کیفیت میں مبتلا ہوں اس کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کی جناب میں کرتا ہوں۔ ﴿ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿86﴾ ﴾ ”اور میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔“ یعنی

---

① تفسير عبدالرزاق: 222/2 ، رقم: 1333 وتفسير الطبري: 53/13. ② تفسير ابن أبي حاتم: 2187/7 وتفسير الطبري: 54/13 نحوه. ③ تفسير الطبري: 53/13.

قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ بِيُوۡسُفَ وَاَخِيۡهِ اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ ﴿89﴾ قَالُوۡۤا ءَاِنَّكَ لَاَنۡتَ

اس نے کہا: کیا تمھیں معلوم ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم نادان تھے ﴿89﴾ وہ بولے: کیا واقعی تو

يُوۡسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوۡسُفُ وَهٰذَاۤ اَخِىۡ ۫ قَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا ؕ اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَيَصۡبِرۡ

ہی یوسف ہے؟ اس نے کہا: (ہاں) میں ہی یوسف ہوں، اور یہ میرا بھائی ہے۔ یقیناً اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ بے شک جو

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿90﴾ قَالُوۡا تَاللّٰهِ لَقَدۡ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَاِنۡ كُنَّا

شخص تقویٰ اختیار کرے اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتا ﴿90﴾ انھوں نے کہا: اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت

لَخٰطِـِٕيۡنَ ﴿91﴾ قَالَ لَا تَثۡرِيۡبَ عَلَيۡكُمُ الۡيَوۡمَ ؕ يَغۡفِرُ اللّٰهُ لَكُمۡ ۫ وَهُوَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِيۡنَ ﴿92﴾

دی، اور بلاشبہ ہم ہی خطا کار تھے ﴿91﴾ یوسف نے کہا: تم پر آج کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے ﴿92﴾

اللہ تعالیٰ سے مجھے ہر خیر کی امید ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس سے آپ کا اشارہ اس طرف تھا کہ یوسف نے جو خواب دیکھا تھا وہ سچا ہے۔[1] اور اللہ تعالیٰ اسے ایک نہ ایک دن ضرور ظاہر کرے گا۔

تفسیر آیات: 88,87

یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی تلاش کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ انھوں نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ زمین میں پھیل جائیں اور یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائی بنیامین کو تلاش کریں۔ یہاں تَحَسُّس (تلاش کرنا) کا لفظ استعمال ہوا ہے جو خیر کے کام تلاش کرنے کے لیے جبکہ تَجَسُّس (ڈھونڈنا) کا لفظ شر کے کام ڈھونڈنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے انھیں ترغیب اور بشارت دی اور حکم دیا کہ وہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں، یعنی اپنے اس مقصود و مطلوب کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے اپنی امید کو منقطع نہ کریں کیونکہ اللہ کی رحمت سے تو کافر لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں۔

بھائی، یوسف علیہ السلام کے دربار میں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلَيۡهِ﴾ ”پھر جب وہ یوسف کے پاس داخل ہوگئے“ یعنی جب وہ مصر چلے گئے اور یوسف علیہ السلام کے ہاں داخل ہوئے تو ﴿قَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الۡعَزِيۡزُ مَسَّنَا وَاَهۡلَنَا الضُّرُّ﴾ ”کہنے لگے کہ عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی تکلیف پہنچی ہے۔“ یعنی قحط سالی اور قلت طعام کی وجہ سے۔ ﴿وَجِئۡنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزۡجٰىةٍ﴾ ”اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں۔“ یعنی کھانے پینے کا سامان خریدنے کے لیے ہمارے پاس سرمایہ تو ہے لیکن بہت قلیل۔ مجاہد، حسن اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اس کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ (انھوں نے کہا:) ﴿فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ﴾ ”چنانچہ آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجیے۔“ یعنی اس قلیل سرمایے کے ساتھ بھی ہمیں اتنا ہی غلہ دے دیجیے جتنا آپ ہمیں پہلے دیا کرتے تھے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [فَأَوۡقِرۡ رِكَابَنَا وَتَصَدَّقۡ عَلَيۡنَا] ”آپ ہماری سواریوں کو

[1] تفسیر الطبری:60/13. [2] تفسیر الطبری:69/13.

غلے سے بھر دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے۔‘‘[1] ابن جریج نے اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ آپ ہم پر خیرات کیجیے کہ ہمارا بھائی ہمیں واپس دے دیجیے۔[2] سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: کیا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بھی کسی نبی پر صدقہ حرام تھا؟ انھوں نے جواب دیا: کیا تم نے یہ ارشاد باری تعالیٰ نہیں سنا: ﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴾ ’’چنانچہ آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجیے اور ہم پر خیرات کیجیے، یقیناً اللہ خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے۔‘‘ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 89-92

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کو اپنے بارے میں بتانا: اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان کے بھائیوں نے ان کے سامنے یہ ذکر کیا کہ انھیں بے حد تکلیف و مشقت، کھانے کی قلت اور شدید قحط سالی کا سامنا ہے تو آپ نے خیال فرمایا کہ آپ کے والد گرامی اپنے دو بیٹوں کے فراق کی وجہ سے کس قدر غم و اندوہ میں مبتلا ہوں گے جبکہ آپ (یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو مخاطب کیا۔) مالی فراوانی، خوشحالی اور حکومت و اقتدار کی نعمتوں سے بہرہ ور ہیں تو آپ پر رقت طاری ہوگئی اور والد گرامی اور بھائیوں کے ساتھ رحمت و شفقت کے جذبات میں تلاطم پیدا ہو گیا، دل فگار اور آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور فرمانے لگے: ﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴾ ’’کیا تمھیں معلوم ہے کہ جب تم نادان تھے تو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا۔‘‘ یعنی یوسف اور ان کے بھائی میں کس طرح جدائی ڈال دی تھی اور تم اس وقت نادان تھے اور جہالت و نادانی نے تمھیں اس سنگین جرم کے ارتکاب پر آمادہ کر دیا تھا۔ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اب بھائیوں سے اپنا تعارف اللہ تعالیٰ کے حکم سے کرایا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم ہی سے ان کی آمد کے پہلے دو موقعوں پر اپنے معاملے کو ان سے مخفی رکھا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ اور جب صورت حال بہت تنگ ہو گئی اور معاملے میں شدت پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس تنگی کو کشادگی سے بدل دیا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ؕ﴾ (الانشراح 94:5،6) ’’پھر بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ (اور) بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔‘‘

حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات سن کر بھائی کہنے لگے: ﴿ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ﴾ ’’کیا تم ہی یوسف ہو؟‘‘ حضرت اُبَیّ بن کعب نے ان الفاظ کو اس طرح پڑھا ہے: [أَوَ أَنْتَ يُوسُفُ] اور ابن محیصن نے: [إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ] پڑھا ہے۔[4] لیکن پہلی قراءت ہی زیادہ مشہور ہے کیونکہ استفہام استعظام (عظیم جاننے) پر دلالت کرتا ہے، یعنی انھیں اس بات سے بہت تعجب ہوا کہ وہ دو سال سے بھی زیادہ عرصے سے ان کے پاس آ رہے ہیں اور انھوں نے انھیں نہ پہچانا جبکہ حضرت یوسف علیہ السلام نے انھیں پہچان لیا لیکن اپنے معاملے کو ان سے مخفی رکھا تھا، اس لیے انھوں نے استفہام کے انداز میں پوچھا: ﴿ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ

---

[1] تفسیر الطبری: 68/13. [2] تفسیر الطبری: 72/13. [3] تفسیر الطبری: 71/13. [4] تفسیر الطبری: 73/13.

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾

تم میری یہ قمیص لے جاؤ، پھر اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے، اور تم اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ ﴿93﴾

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ

اور جب قافلہ (مصر سے) چلا تو ان کے باپ نے کہا: بے شک میں یوسف کی مہک پاتا ہوں اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو ﴿94﴾ (ان کے پاس موجود لوگ)

اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾

بولے: اللہ کی قسم! بلاشبہ آپ اپنی قدیم غلطی پر ہیں ﴿95﴾

﴿ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۫ ﴾ ''کیا تم ہی یوسف ہو؟ انھوں نے کہا: (ہاں!) میں ہی یوسف ہوں اور (بنیامین کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگے:) یہ میرا بھائی ہے۔''

عفوو درگزر کی درخشندہ مثال: فرمان الٰہی ہے: ﴿ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ ﴾ ''یقیناً اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔'' یعنی لمبی جدائی اور عرصۂ دراز کے بعد ہمیں یکجا کر دیا ہے۔ ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿90﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا ﴾ ''یقیناً جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو بے شک اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ وہ بولے: اللہ کی قسم! یقیناً اللہ نے تجھے ہم پر فضیلت بخشی ہے۔'' انھوں نے آپ کے فضل و شرف، حسن و جمال، اخلاق، مالی خوشحالی، حکومت و اقتدار بلکہ نبوت کا بھی اعتراف کیا اور اس بات کا بھی اقرار کیا کہ انھوں نے آپ سے برا سلوک کیا اور آپ کے حق میں بہت بڑی غلطی کی تھی۔ آپ نے فرمایا: ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ ''آج کے دن تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں ہے۔'' آج کے بعد تم سے کوئی باز پرس ہو گی نہ تمھیں کوئی سرزنش کی جائے گی اور میرے ساتھ تم نے جو ناروا سلوک کیا اس کا آئندہ کبھی تم سے ذکر بھی نہیں کیا جائے گا، پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے ان کی مغفرت کے لیے دعا بھی فرمائی:

﴿ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿92﴾ ﴾ ''اللہ تم کو معاف کر دے اور وہ سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

تفسیر آیات:93-95

حضرت یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرنا: حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا: ﴿ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ ﴾ ''تم میری یہ قمیص لے جاؤ، پھر اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے۔'' حضرت یعقوب علیہ السلام کثرت سے رونے کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ ﴿ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿93﴾ ﴾ ''اور تم اپنے تمام اہل وعیال کو میرے پاس لے آؤ۔'' یعنی یعقوب کے تمام بیٹوں کو میرے پاس لے آؤ۔ ﴿ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ ﴾ ''اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو ان کے والد کہنے لگے'' اپنے ان بیٹوں سے جو ان کے پاس موجود تھے: ﴿ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''بے شک اگر تم مجھ سے یہ نہ کہو کہ بہک گیا ہے تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔'' یعنی اگر مجھے کم عقل اور بوڑھا نہ سمجھو۔

امام عبدالرزاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب قافلہ روانہ ہوا تو ہوا چل پڑی اور اس ہوا

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

پھر جب بشارت دینے والا آیا، اس نے وہ (قمیص) اس کے چہرے پر ڈالی تو وہ (یعقوب) پھر سے بینا ہو گیا، اس (یعقوب) نے کہا: کیا میں نے تم

لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا

سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿96﴾ انھوں نے کہا: اے ہمارے ابا جان! ہمارے لیے ہمارے

ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿97﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ

گناہوں کی مغفرت مانگیں، بے شک ہم ہی خطا کار تھے ﴿97﴾ اس (یعقوب) نے کہا: عنقریب میں اپنے رب سے تمھارے لیے مغفرت مانگوں گا،

الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿98﴾

بے شک وہی خوب بخشنے والا (اور) خوب رحم کرنے والا ہے ﴿98﴾

نے حضرت یعقوب علیہ السلام تک حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو کو پہنچا دیا تو فرمایا: ﴿ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''بے شک اگر تم مجھ سے یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔'' اور اس طرح انھوں نے آٹھ دن کی مسافت سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو کو محسوس کر لیا۔[1] سفیان ثوری اور شعبہ رحمہما اللہ وغیرہ نے بھی ابو سنان سے اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عطاء، قتادہ اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ اگر تم مجھے بیوقوف قرار نہ دو۔[3] مجاہد اور حسن رحمہما اللہ نے اس کے یہ معنی بھی بیان کیے ہیں کہ اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا بوڑھا نہ سمجھو۔[4] مگر انھوں نے یہ سن کر کہا: ﴿ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿95﴾ ﴾ ''بلاشبہ آپ اپنی قدیم غلطی میں ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ابھی تک اپنی قدیم غلطی میں مبتلا ہیں۔[5] قتادہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یوسف علیہ السلام سے یعقوب علیہ السلام کو اس قدر محبت تھی کہ اسے ابھی تک نہ بھولے تھے اور نہ ہی غم کو دور کر سکے تھے۔ بہرحال انھوں نے اپنے باپ سے بہت سخت بات کہی تھی، انھیں زیب نہیں دیتا تھا کہ اپنے والد اور اللہ کے نبی سے اس انداز میں بات کرتے۔ سدی وغیرہ نے بھی اسی طرح لکھا ہے۔[6]

تفسیر آیات:96-98

یہوذا قمیص لے کر پہنچ گیا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک نے کہا ہے کہ اس آیت میں بشیر کے معنی قاصد کے ہیں۔[7] مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے یہ ڈاک لانے والا ان کا اپنا بیٹا یہوذا ہی تھا۔[8] سدی نے لکھا ہے کہ یہوذا قمیص لے کر اس لیے آیا کیونکہ یہی وہ شخص تھا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی اس قمیص کو لے کر آیا تھا جس پر جھوٹ موٹ کا

[1] تفسیر عبدالرزاق:224/2، رقم:1343. [2] تفسیر الطبری:77,76/13. [3] تفسیر الطبری:79,78/13. [4] تفسیر الطبری:81,80/13. [5] تفسیر الطبری:82/13. [6] تفسیر الطبری:82/13. [7] تفسیر الطبری:83/13. [8] تفسیر الطبری:83/13.

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

چنانچہ جب وہ یوسف کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا: تم مصر میں داخل ہو جاؤ دراں حالیکہ تم امن سے ہو، اگر

اٰمِنِيْنَ ﴿99﴾ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

اللہ نے چاہا ﴿99﴾ اور اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا، اور سب اس کے آگے سجدے میں گر گئے اور یوسف نے کہا: اے میرے ابا جان!

مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ

یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے۔ بلاشبہ میرے رب نے اسے سچا کر دیا ہے، اور تحقیق اس نے مجھ پر احسان کیا جب اس نے مجھے قید سے نکالا

مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا

اور تمھیں دیہات سے (یہاں) لے آیا، اس کے بعد کہ شیطان نے (ورغلا کر) میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان پھوٹ ڈال دی تھی، بے شک

يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿100﴾

میرا رب نہایت باریک بینی سے جو چاہے تدبیر کرتا ہے، بے شک وہی علیم و حکیم ہے ﴿100﴾

خون لگایا گیا تھا اور اب اس طرح گویا اس جرم کا کفارہ ادا کرنا چاہتا تھا، اس لیے اب بھی وہی یوسف علیہ السلام کی قمیص کو لے کر آیا جسے اس نے جب اپنے باپ کے چہرے پر ڈالا تو ان کی بینائی لوٹ آئی۔[1] تب یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے کہا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿96﴾ ﴾ ''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ بے شک میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے؟'' یعنی میں یہ جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ایک دن ضرور یوسف سے ملاقات کرائے گا اور میں نے تم سے یہ بھی کہا تھا کہ ﴿ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿94﴾ ﴾ ''بے شک اگر تم یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں۔''

برادرانِ یوسف کی ندامت: اس وقت انھوں نے اپنے باپ کے سامنے ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿97﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿98﴾ ﴾ ''اے ہمارے ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت مانگیے، بے شک ہم ہی خطا کار تھے۔ انھوں نے کہا کہ عنقریب میں اپنے پروردگار سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا، بے شک وہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یعنی جو اس کے حضور توبہ کرے وہ اس کی توبہ کو قبول فرمالیتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، ابراہیم تیمی، عمرو بن قیس اور ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ آپ نے سحری کے وقت تک ان کے لیے دعا کو مؤخر کر دیا تھا (کیونکہ سحری کا وقت دعا کی قبولیت کا خاص وقت ہے۔)[2]

تفسیر آیات: 100,99

والدین کا استقبال: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس آمد اور بلادِ مصر کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازنے کا ذکر فرمایا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو یہ حکم دیا تھا کہ تم تمام اہل وعیال

[1] تفسیر الطبری: 83/13 نحوہ۔ [2] تفسیر الطبری: 85/13۔

کو میرے پاس لے آؤ تو اس پیغام پر سب نے رخت سفر باندھ لیا اور بلاد کنعان سے بلادِ مصر روانہ ہو گئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اس قافلے کے پہنچ جانے کی خبر ملی تو آپ استقبال کے لیے شہر سے باہر تشریف لے آئے، بادشاہ نے بھی تمام امراء واکابر کو یہ حکم دے دیا تھا کہ وہ بھی یوسف علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کا استقبال کریں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ خود بادشاہ بھی استقبال کے لیے باہر آیا تھا اور یہی بات قرین صواب معلوم ہوتی ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

﴿ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴾ ''اور کہا کہ تم مصر میں داخل ہو جاؤ، اللہ نے چاہا تو امن سے (رہو گے۔)''

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ بات اس وقت کہی جب وہ سب مصر میں پہنچے اور انھیں اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ مصر میں داخل ہو جاؤ، یعنی اب مصر میں امن وسکون کے ساتھ رہو کہ اب تکلیف، پریشانی اور قحط کی مصیبت کا دور گزر چکا ہے۔

یوسف علیہ السلام اپنے والدین کو تخت پر بٹھاتے ہیں: فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ ﴾ ''اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی۔'' سدی اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ والدین سے مراد یوسف علیہ السلام کے والد گرامی اور خالہ ہیں۔ آپ کی والدہ ماجدہ تو بہت عرصہ پہلے وفات پا گئی تھیں۔[1] محمد بن اسحاق اور ابن جریر نے لکھا ہے کہ آپ کے والد اور والدہ دونوں ہی زندہ تھے۔ اور بقول ابن جریر اس بات کی کوئی دلیل نہیں کہ آپ کی والدہ فوت ہو گئیں تھیں، قرآن مجید سے تو بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ بھی حیات تھیں۔[2] امام ابن جریر کی اس بات کی تائید قرآن مجید کے سیاق سے بھی ہو رہی ہے: ﴿ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے لکھا ہے کہ اس کے یہی معنی ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے والدین کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھایا۔[3]

خواب کی سچی تعبیر: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ﴾ ''اور سب اس (یوسف) کے آگے سجدے میں گر پڑے۔'' یعنی آپ کے والدین اور باقی بھائی جو تعداد میں گیارہ تھے، آپ کے آگے سجدے میں گر گئے۔ ﴿ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ﴾ ''اور (اس وقت یوسف نے) کہا: اے میرے ابا جان! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے۔'' اور ان الفاظ میں اپنے باپ سے بیان کیا تھا: ﴿ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا ﴾ (یوسف 4:12) (جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں گزر چکا ہے۔)

کیا تعظیمی سجدہ شریعت محمدیہ میں جائز ہے؟ ان کی شریعت میں یہ بات جائز تھی کہ وہ جب کسی بڑے انسان کو سلام کرتے تو اس کے لیے سجدۂ تعظیمی بجا لاتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت تک یہ جائز تھا لیکن ہماری شریعت میں اسے حرام قرار دے دیا گیا ہے اور سجدے کو صرف اور صرف رب سبحانہ وتعالیٰ کی ذات گرامی کے

---

[1] تفسیر الطبری :89/13 وتفسیر ابن أبی حاتم:2201,2200/7. [2] تفسیر الطبری:88/13. [3] تفسیر الطبری : 89,88/13.

لیے خاص قرار دے دیا گیا ہے۔ امام قتادہ اور دیگر ائمہ تفسیر رحمہم اللہ کے اقوال کا بھی یہی خلاصہ ہے۔ [1]

حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب شام تشریف لے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے ہیں، لہٰذا واپسی پر انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو آپ نے فرمایا: [مَا هٰذَا يَا مُعَاذُ؟] ''اے معاذ! یہ کیا ہے؟'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کو سجدہ کرتے ہیں تو آپ اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے، آپ نے فرمایا: [لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لِأَحَدٍ، لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا] ، [لِعِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا] ''اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے تو بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے کیونکہ شوہر کا اپنی بیوی پر بہت زیادہ حق ہے۔'' [2] غرضیکہ ان کی شریعت میں یہ سجدہ جائز تھا، اسی لیے وہ یوسف علیہ السلام کے لیے سجدے میں گر گئے (جبکہ شریعت محمدی میں اس طرح کا سجدۂ تعظیمی بھی حرام ہے بلکہ کسی دوسرے انسان کے سامنے جھکنا بھی جائز نہیں ہے۔)

اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ ﴾ ''اے میرے ابا جان! یہ ہے تعبیر میرے پہلے کے خواب کی، میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا ہے۔'' اور یہ ہے میرے معاملے کا انجام اور معاملے کے انجام ہی کو تعبیر قرار دیا جاتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ (الأعراف 53:7) ''کیا (یہ) لوگ اس کے وقوع کے منتظر ہیں جس دن اس کا انجام آئے گا؟'' یعنی ان لوگوں سے خیر وشر کا جو وعدہ کیا گیا ہے وہ قیامت کے دن پورا ہو جائے گا۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ ﴾ ''تحقیق میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا ہے۔'' یعنی خواب کو اس نے صحیح اور سچ ثابت کر دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ ﴾ ''اور تحقیق اس نے مجھ پر احسان کیا جب مجھے جیل سے نکالا اور تمھیں گاؤں سے (یہاں) لایا۔'' یعنی جنگل سے۔ ابن جریج وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے خاندان کے لوگ بادیہ نشین تھے اور مال مویشی پال کر گزارہ کیا کرتے تھے۔ [3] اور سرحد شام پر فلسطین کے علاقے عَرَبات میں رہتے تھے۔ [4]

﴿ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ ﴾ ''اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔ بے شک میرا پروردگار باریک بینی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' یعنی جب

---

[1] تفسیر الطبری:90/13 و تفسیر البغوی:515/2. [2] پہلا حصہ [ماهذا يا معاذ؟] سنن ابن ماجه، النكاح، باب حق الزوج على المرأة، حديث:1853 ، دوسرا حصہ جامع الترمذی، الرضاع، باب ماجاء في حق الزوج على المرأة، حديث: 1159 اور تیسرا حصہ مجمع الزوائد، علامات النبوة، باب في معجزاته......:556/8، حديث:14153 و الترغيب والترهيب، النكاح وما يتعلق......، ترغيب الزوج في الوفاء......:675,674/2، حديث:2893 کے مطابق ہے۔ [3] تفسیر الطبری: 94/13. [4] تفسیر الطبری:93/13.

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ

اے میرے رب! تحقیق تو نے مجھے کچھ حکومت دی ہے اور مجھے باتوں (خوابوں) کی تعبیر سکھائی ہے، اے آسمان اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو

وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿101﴾

ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، تو مجھے اسلام پر موت دے اور مجھے صالحین کے ساتھ ملا ﴿101﴾

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ

یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں، یہ ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان (برادرانِ یوسف) کے پاس نہیں تھے جب انھوں نے اپنی ایک بات

یَمْكُرُوْنَ ﴿102﴾ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿103﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ

پر اتفاق کیا تھا اور وہ مکر کر رہے تھے ﴿102﴾ اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ حرص کریں، ایمان لانے والے نہیں ﴿103﴾ اور آپ اس (تبلیغ) پر ان (مشرکین مکہ)

اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿104﴾ ع

سے کوئی اجر نہیں مانگتے۔ یہ (قرآن) تو تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے ﴿104﴾

ع 11/11/5

وہ کسی کام کا ارادہ فرمالیتا ہے تو اس کے اسباب مہیا فرما کر اسے آسان بنا دیتا ہے۔ ﴿اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ﴾ ''بے شک وہی نہایت علم والا ہے۔'' اور اپنے بندوں کی مصلحتوں کو خوب جانتا ہے۔ ﴿الْحَكِیْمُ ﴿100﴾﴾ ''نہایت حکمت والا ہے۔'' اس کے تمام اقوال وافعال، قضا وقدر سے متعلق اس کے تمام فیصلے اور اس کے تمام اختیارات اور ارادے حکمت پر مبنی ہیں۔

تفسیر آیت:101

اسلام پر خاتمے کی دعا اور ایک اشکال کا جواب: یہ حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کی دعا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے والدین اور اپنے بھائیوں سے ملا کر ان پر اپنی نعمتوں کا اتمام فرما دیا اور نبوت وحکومت سے سرفراز فرمایا تو انھوں نے اپنے رب تعالیٰ سے یہ دعا کی: اے اللہ! جس طرح تو نے مجھے دنیا میں اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے اسی طرح آخرت کی ابدی اور سرمدی نعمتوں سے بھی شاد کام فرمانا اور جب دنیا سے اٹھانا تو حالتِ اسلام میں اٹھانا، یہ امام ضحاک کا قول ہے۔[1] اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دینا۔ نیک بندوں سے مراد ان کے بھائی انبیائے کرام اور مرسلین عظام علیہم السلام ہیں۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دعا عین اپنی وفات کے وقت کی ہو جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات کے وقت اپنی انگلی اوپر اٹھاتے اور یہ دعا فرماتے تھے: [(اَللّٰهُمَّ) فِی الرَّفِیقِ الْأَعْلٰی] ''اے اللہ! مجھے رفیقِ اعلیٰ (انبیاء وصالحین) کے ساتھ ملا دے۔'' یہ تین مرتبہ فرمایا۔[2] اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ انھوں نے یہ دعا اپنی زندگی ہی میں کی ہو کہ جب ان کے لیے پیغامِ اجل آئے اور پیمانۂ عمر لبریز

---

[1] تفسیر الطبری:96/13. [2] صحیح البخاری، فضائل أصحاب النبیﷺ، باب، حدیث:3669 وصحیح مسلم، السلام، باب استحباب رقیة المریض، حدیث:2191، البتہ [اللّٰهم] کے لیے دیکھیے صحیح البخاری، حدیث:6348.

اور یہ دونوں احتمالات دراصل اس اعتراض کا جواب ہیں کہ موت کی دعا کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

ہو جائے تو اللہ تعالیٰ انھیں اسلام پر فوت کرے اور اپنے نیک بندوں کے ساتھ ملا دے۔

تفسیر آیات:102-104

یہ واقعات وحی الٰہی میں سے ہیں: اللہ تعالیٰ نے جب اپنے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو حضرت یوسف علیہ السلام اور برادرانِ یوسف کا یہ قصہ سنایا اور بتایا کہ اس نے کس طرح اپنے بندے یوسف علیہ السلام کو رفعت و سربلندی عطا فرمائی، فتح و نصرت سے نوازا اور حکومت واقتدار سے سرفراز فرمایا، حالانکہ ان کے بھائیوں نے ان سے بہت برا سلوک کیا اور انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا تھا۔ ان تمام حالات و واقعات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ﴾ ''یہ غیب کی کچھ خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔'' اور یہ واقعات ہم آپ ہی کو سکھاتے ہیں کیونکہ ان میں آپ اور آپ کے مخالفین کے لیے عبرت ونصیحت کے بہت سے سامان ہیں۔

نبی علیہ السلام ہر جگہ حاضر ناظر نہیں: ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ ﴾ ''آپ ان کے پاس تو نہ تھے'' یعنی وہاں حاضر اور موجود نہ تھے، ﴿ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ ﴾ ''جب انھوں نے اپنی بات پر اتفاق کیا تھا'' کہ یوسف کو اندھے کنویں میں ڈال دیں۔ ﴿ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴾ ''اور وہ فریب کر رہے تھے۔'' لیکن ہم نے آپ کی طرف وحی بھیج کر اور قرآن نازل کر کے اس واقعے سے آپ کو مطلع کیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ ...... ﴾ الآية (آل عمرٰن 3:44) ''اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے، آپ ان کے پاس نہیں تھے......'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ (القصص 28:44) ''اور آپ اس وقت (طور کی) مغربی جانب نہیں تھے جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا اور نہ ہی آپ حاضر ہونے والوں میں سے تھے۔'' ﴿ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ (القصص 28:46) ''اور آپ طور کی جانب نہیں تھے جب ہم نے (موسیٰ کو) پکارا تھا بلکہ (آپ کا بھیجا جانا) آپ کے پروردگار کی رحمت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴾ (القصص 28:45) ''اور نہ ہی آپ مدین والوں میں رہنے والے تھے کہ ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے۔ ہاں، ہم ہی تو پیغمبر بھیجنے والے تھے۔''

اکثریت کیسے لوگوں کی ہوتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ماضی کے ان واقعات سے اس لیے مطلع فرمایا ہے کہ ان میں لوگوں کے لیے عبرت بھی ہے اور دین ودنیا کی نجات کا سامان بھی لیکن اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لائے: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور بہت سے آدمی اگرچہ آپ (کتنی ہی) خواہش کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' اور اسی وجہ سے فرمایا: ﴿ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ (الأنعام 6:116) ''اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر آپ ان کا کہنا

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿105﴾

اور آسمانوں اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ وہ ان پر سے گزرتے ہیں اور ان سے بے دھیانی کرتے ہیں ﴿105﴾ اور ان کے اکثر اللہ پر (اس طرح)

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿106﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ

ایمان لاتے ہیں کہ وہ مشرک ہی ہوتے ہیں ﴿106﴾ کیا پھر وہ بے خوف ہوگئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذاب کی کوئی آفت آئے، یا اچانک ان پر قیامت

عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿107﴾

آجائے، اور انھیں خبر بھی نہ ہو ﴿107﴾

مان لیں گے تو وہ آپ کو اللہ کا رستہ بھلا دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الشعرآء 26:8) ''کچھ شک نہیں کہ اس میں (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے مگر وہ اکثر ایمان والے نہیں ہیں۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

پھر فرمایا: ﴿ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ ﴾ ''اور آپ ان سے اس (خیر خواہی) کا کچھ صلہ بھی نہیں مانگتے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ)! آپ ان سے اس ہمدردی و خیر خواہی اور رشد و بھلائی کی اس دعوت کا کوئی صلہ بھی تو نہیں مانگتے بلکہ آپ یہ تمام کام اس کی رضا کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہمدردی و خیر خواہی کے جذبے سے سرانجام دے رہے ہیں۔ ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿104﴾ ﴾ ''یہ (قرآن) تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔'' یعنی وہ اس سے ہدایت و نصیحت حاصل کر کے دنیا و آخرت کی نجات کے طلب گار بن جائیں۔

تفسیر آیات:105-107

لوگوں کا نشانیوں پر غور نہ کرنا: اللہ تعالیٰ نے اکثر لوگوں کی غفلت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور توحید کے ان دلائل پر غور نہیں کرتے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمایا ہے، مثلاً: چمکتے دمکتے نجوم و کواکب، ستارے اور سیارے، گردش کرتے ہوئے افلاک، زمین کے مختلف قطعات، سرسبز و شاداب باغات، مضبوط و مستحکم پہاڑ، رواں دواں دریا و سمندر اور ان کی تلاطم خیز موجیں، بڑے بڑے صحرا اور جنگل اور بے شمار زندہ و مردہ چیزیں، حیوانات، نباتات، شکلوں اور صورتوں میں ملتے جلتے مگر ذائقوں، خوشبوؤں، رنگوں اور فوائد کے اعتبار سے مختلف انواع و اقسام کے پھل۔ پس پاک ہے وہ ذات گرامی جو واحد ہے، تمام مخلوقات کا خالق ہے، صرف اس کی ذات پاک کے لیے بقا و دوام ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے، اسماء و صفات میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿106﴾ ﴾ ''اور وہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان کا ایمان یہ ہے کہ جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ آسمانوں کو کس نے پیدا کیا؟ زمین کو کس نے پیدا کیا؟ پہاڑوں کو کس نے پیدا کیا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ نے پیدا

کیا ہے۔اس کے باوجود وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ [1] مجاہد، عطاء، عکرمہ، شعبی، قتادہ، ضحاک اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمۃ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ [2] صحیح حدیث میں ہے کہ مشرکین اپنے تلبیے میں یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ...... إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرے لیے ہے، اس کا بھی تو ہی مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی (تو ہی مالک ہے)۔'' [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۝ ﴾ (لقمٰن13:31) ''بے شک شرک تو بڑا بھاری ظلم ہے۔'' اور یہی شرک اعظم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کی بھی عبادت کی جائے جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! اللہ کے ہاں سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''تم کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بناؤ، حالانکہ اس نے تمھیں پیدا کیا ہے۔'' [4] امام حسن بصری رحمۃ اللہ آیت کریمہ: ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ منافق لوگ ہیں جو لوگوں کو دکھانے کے لیے عمل کرتے ہیں اور اس دکھاوے اور ریا کاری کی وجہ سے مشرک بن جاتے ہیں۔ [5] ان کا اشارہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرف ہے: ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ (النسآء142:4) ''بے شک منافق (ان چالوں سے اپنے نزدیک) اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو کیا دھوکا دیں گے؟) وہ انھی کو دھوکے میں ڈالنے والا ہے اور جب وہ نماز کے لیے اٹھنے لگتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر اٹھتے ہیں (صرف) لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم۔''

شرک کی ایک مخفی صورت: شرک کی ایک بہت مخفی صورت بھی ہے کہ اس کے کرنے والے کو یہ معلوم بھی نہیں ہوتا کہ وہ شرک کا ارتکاب کر رہا ہے جیسا کہ حماد بن سلمہ نے عاصم بن ابوالنجود سے اور انھوں نے عروہ [6] سے روایت کیا ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ ایک مریض کے پاس گئے تو آپ نے اس کے بازو پر ایک تسمہ بندھا ہوا دیکھا، آپ نے اسے توڑ دیا اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔'' [7] اور حدیث میں ہے: [مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ أَشْرَكَ] ''جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے شرک کیا۔'' اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ نے بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کیا اور حسن قرار دیا ہے۔ [8] اور اس حدیث

---

[1] تفسير الطبري:100/13. [2] تفسير الطبري:103,102/13. [3] صحيح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، حديث:1185. [4] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ (البقرة22:2)......، حديث: 7520 و صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان كون الشرك أقبح ......، حديث:86. [5] تفسير ابن أبي حاتم:2208,2207/7. [6] انھیں عزرہ بھی کہا جاتا ہے، دیکھیے تقریب التہذیب:19/2. [7] تفسير ابن أبي حاتم:2208/7. [8] جامع الترمذي، النذور والأيمان، باب ماجاء في أن من حلف بغير الله فقد أشرك، حديث:1535.

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: یہی میری راہ ہے، میں (تمھیں) اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ لوگ جنھوں نے میری اتباع کی، بصیرت پر ہیں۔ اور اللہ

وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿108﴾

پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ﴿108﴾

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم

میں ہے جسے امام احمد اور ابوداود وغیرہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ] ''بلاشبہ جھاڑ پھونک، تعویذ گنڈے اور باہمی محبت پیدا کرنے کے لیے تعویذ وغیرہ لینا شرک ہے۔''[1] اور امام احمد اور ابوداود کی ایک دوسری روایت میں ہے: [اَلطِّيَرَةُ شِرْكٌ وَّمَا مِنَّا إِلَّا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُذْهِبُهُ بِالتَّوَكُّلِ] ''بدشگونی شرک ہے اور ہم میں سے ہر ایک کے دل میں بدشگونی پیدا ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ توکل کی وجہ سے اسے دور فرما دیتا ہے۔''[2]

مشرکوں کو تنبیہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ ......﴾ الآية ''کیا یہ اس (بات) سے بے خوف ہیں کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر ان کو ڈھانپ لے......'' یعنی آیا یہ مشرک اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ عذابِ الٰہی نازل ہو کر ان کو اس طرح ڈھانپ لے کہ عذاب کی آمد کا انھیں علم ہی نہ ہو جیسا کہ فرمایا:

﴿اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ۭ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (النحل 16:45-47) ''کیا جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب آ جائے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو یا وہ ان کو نقل و حرکت کرتے پکڑ لے، تو وہ اس (اللہ) کو عاجز نہیں کر سکتے، یا جب ان کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے۔ پس بے شک آپ کا پروردگار بہت شفقت کرنے والا (اور) نہایت مہربان ہے۔''

اور فرمایا: ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝﴾ (الأعراف 7:97-99) ''کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں؟ اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں؟ کیا یہ لوگ اللہ کی تدبیر کا ڈر نہیں

---

[1] سنن أبي داود، الطب، باب في تعليق التمائم، حديث:3883 و سنن ابن ماجه، الطب، باب تعليق التمائم، حديث: 3530 و مسند أحمد:381/1 واللفظ له. [2] سنن أبي داود، الكهانة والتطير، باب في الطيرة، حديث:3910 و مسند أحمد:389/1 واللفظ له عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ، البتہ یہ الفاظ: [وما منا...... بالتوكل] بہت سے ائمہ حدیث نے مدرج قرار دیے ہیں، یعنی یہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اپنے الفاظ ہیں۔ دیکھیے فتح الباري:213/10، حدیث:5754 کے ذیل میں اور مسند أحمد (الموسوعة الحديثية):214/6.

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

اور آپ سے پہلے ہم نے مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے (اور) وہ بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔ کیا پھر وہ

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ؕ

زمین میں نہیں چلے پھرے کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے تھے، اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿109﴾

کیا پھر تم سمجھتے نہیں؟ ﴿109﴾

رکھتے؟ اللہ کی تدبیر سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہوں۔''

تفسیر آیت :108

رسول اللہ ﷺ کا رستہ، طریقہ اور سنت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو، جنھیں اس نے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے، مخاطب کرتے ہوئے یہ حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں کو یہ بتا دیں کہ آپ کا رستہ، یعنی طریقہ، مسلک اور سنت یہ ہے کہ آپ اس بات کی دعوت دیتے ہیں کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور آپ یہ دعوت الی اللہ بصیرت، یقین اور برہان کی بنیاد پر دیتے ہیں۔ اور جو شخص بھی آپ کی پیروی کرے، آپ نے اس کے سپرد بھی یہ کام کیا ہے کہ وہ بھی اسی بات کی طرف دعوت دے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے بصیرت و یقین اور برہانِ عقلی و شرعی کے ساتھ دعوت دی تھی۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور اللہ پاک ہے۔'' یعنی میں اللہ تعالیٰ کو منزہ پاک، جلیل، عظیم اور مقدس سمجھتا ہوں اس بات سے کہ اس کا کوئی شریک، نظیر، عدیل، ساجھی، بیٹا، باپ، بیوی، وزیر یا مشیر ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات پاک ان تمام باتوں سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ﴿ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 44:17) ''ساتوں آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں، سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ بے شک وہ بہت حوصلے والا (اور) بہت بخشنے والا ہے۔''

تفسیر آیت :109

تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر اور مرد تھے: اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے تمام کے تمام انبیاء کو مردوں میں سے ہی بھیجا ہے کسی بھی عورت کو اس نے نبیہ نہیں بنایا جیسا کہ اس آیت کریمہ کے سیاق سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنات بنی آدم میں سے کسی بھی عورت کی طرف وحی تشریع نہیں بھیجی۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے، شیخ ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری رحمہ اللہ نے بھی اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک بیان کیا ہے کہ عورتوں میں سے کوئی نبیہ نہیں ہوئی۔ ہاں، البتہ کئی عورتیں مقام صدیقیت پر ضرور فائز تھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اشرف ترین خاتون حضرت مریم بنت عمران کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا

یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾ (المآئدۃ 75:5) ''مسیح ابن مریم تو ایک رسول ہی ہیں، تحقیق ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ صدیقہ (نہایت راست باز) تھیں، وہ دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کے سب سے بلند مقام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ مقامِ صدیقیت پر فائز تھیں اگر وہ نبیہ ہوتیں تو ان کے مقام شرف وعظمت کے تذکرے میں ان کے مقام نبوت پر فائز ہونے کو بیان کیا جاتا مگر نص قرآن کی روشنی میں آپ نبیہ نہیں بلکہ صدیقہ (ولیہ) تھیں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا ﴾ ''اور ہم نے آپ سے پہلے مرد ہی (رسول بنا کر) بھیجے تھے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان کا تعلق آسمان والوں سے نہیں تھا جیسا کہ تم کہتے ہو۔[1] (بلکہ ان کا تعلق تو اہل زمین سے تھا، یعنی وہ فرشتے نہیں بلکہ انسان تھے۔) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی تائید حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ﴾ (الفرقان 20:25) ''اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، بلاشبہ وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔'' نیز فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 9,8:21) ''اور ہم نے ان (نبیوں) کے جسم ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے، پھر ہم نے ان کے بارے میں (اپنا) وعدہ سچا کر دکھایا، چنانچہ انھیں اور جس کو ہم نے چاہا نجات دی اور ہم نے حد سے نکل جانے والوں کو ہلاک کر دیا۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 9:46) ''کہہ دیجیے کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں ہوں۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ﴾ ''بستیوں کے رہنے والوں میں سے۔'' بستیوں سے یہاں شہر مراد ہیں یہ مراد نہیں کہ وہ کوئی بادیہ نشین یا دیہاتی لوگ تھے جو طبیعت اور اخلاق کے اعتبار سے بہت درشت ہوتے ہیں۔

سابقہ لوگوں سے عبرت حاصل کی جائے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا پھر وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں؟'' یعنی جنھوں نے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ کی تکذیب کی ہے۔ ﴿ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''پس وہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا'' یعنی ان قوموں کا جنھوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی تھی ان کا انجام کیا ہوا، اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح (کا عذاب) ان کافروں کو ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ ...... ﴾ الآیة (الحج 46:22) ''کیا پھر وہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں تاکہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ جن سے سمجھ سکتے ......'' یعنی جب انھوں نے یہ خبر سنی تو انھیں اس حقیقت کو جان لینا چاہیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ہلاک کر دیا تھا اور اپنے مومن بندوں ہی کو اس نے نجات عطا

[1] تفسیر ابن أبي حاتم :2210/7.

حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ

حتی کہ جب رسول مایوس ہوگئے اور وہ (لوگ) گمان کرنے لگے کہ انھیں خلاف واقعہ خبر دی گئی ہے تو ان (انبیاء ورسل) کے پاس ہماری مدد آ پہنچی، پھر

نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿110﴾

نجات ملی اسے جسے ہم نے چاہا اور مجرم قوم سے ہمارا عذاب ٹالا نہیں جاتا﴿110﴾

فرمائی تھی اور اپنی مخلوق کے بارے میں اس کی ہمیشہ یہی سنت رہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ ﴾ ''اور پرہیز گاروں کے لیے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔'' یعنی جس طرح ہم نے دنیا کی زندگی میں اپنے مومن بندوں کو نجات عطا فرمائی، اسی طرح آخرت میں بھی ہم نے ان کے لیے نجات لکھ دی ہے جو کہ دنیا کی نجات سے بھی بدرجہا بہتر ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۙ یَوْمَ لَا یَنْفَعُ الظّٰلِمِیْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ○ ﴾ (المؤمن 40:51,52) ''یقیناً ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے (قیامت کو بھی،) جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لیے لعنت اور برا گھر ہے۔''

یہاں گھر کی اضافت آخرت کی طرف کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''اور آخرت کا گھر'' جیسے کہا جاتا ہے: صَلَاةُ الْأُولٰی ''پہلی نماز'' مَسجِدُ الْجَامِعِ ''جامع مسجد'' عَامُ الْأَوَّلِ ''پہلا سال'' بَارِحَةُ الْأُولٰی ''پہلی رات'' یَوْمُ الْخَمِیسِ ''جمعرات کا دن۔''

تفسیر آیت:110

انبیائے کرام علیہم السلام کو مشکل اوقات میں نصرت سے نوازا جاتا تھا: اللہ تعالیٰ نے یاد دلایا ہے کہ مشکل حالات اور نازک اوقات میں اس کی طرف سے اس کے رسولوں علیہم السلام پر فتح ونصرت نازل ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے: ﴿ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ ؕ ﴾ (البقرة 2:214) ''اور وہ (صعوبتوں میں) ہلا دیے گئے یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے، (سب) پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔''

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كُذِبُوْا ﴾ میں دو قراءتیں ہیں:[1] ایک تشدید کے ساتھ [قَدْ كُذِّبُوا] ہے، اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی طرح پڑھا کرتی تھیں۔ امام بخاری نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے بارے میں پوچھا کہ یہ لفظ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ ہے یا [كُذِّبُوا؟] حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ [كُذِّبُوا] (تشدید کے ساتھ) ہے۔ میں نے عرض کی کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو تو یقین تھا کہ ان کی قوموں نے ان کی تکذیب کی ہے تو پھر ظن کا

---

[1] ان دونوں قراءتوں کا مطلب سامنے رکھنا بعد والی عبارت سمجھنے میں معاون ثابت ہوگا، لہٰذا [كُذِّبُوا] کا مطلب ہے ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو جھٹلایا گیا۔ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ کا مطلب ہے ان سے جھوٹ بولا گیا یا ان کے ساتھ خلاف واقعہ بات کی گئی۔

لفظ کیوں استعمال ہوا ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، میری عمر کی قسم! انھیں واقعی یقین حاصل تھا۔ (کہ ان کی قوم نے ان کی تکذیب کی ہے) میں نے (دوبارہ) عرض کی: (شاید کہ) ﴿ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ ''اور وہ خیال کرنے لگے کہ انھیں خلاف واقعہ خبر دی گئی ہے۔'' (کذبوا بغیر شد ہی کے) ہو؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگیں: مَعَاذَ اللّٰہِ! رسول اپنے رب کے ساتھ ایسا گمان نہیں کیا کرتے تھے (کہ ان کی نصرت کا وعدہ پورا نہیں ہو رہا، گویا ان کو خلاف واقعہ خبر دی گئی ہے۔) میں نے عرض کی: تو پھر اس آیت کا مفہوم کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد انبیائے کرام کے وہ پیروکار ہیں جو اپنے رب کے ساتھ ایمان لائے اور ان کی انھوں نے تصدیق کی مگر جب ابتلاء و آزمائش کا دور طول اختیار کر گیا اور فتح و نصرت کی آمد میں تاخیر ہوگئی ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ﴾ ''یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے۔'' یعنی اپنی قوم کے ان لوگوں سے جنھوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور رسولوں نے گمان یہ کیا کہ اب ان کے پیروکار بھی ان کی تکذیب کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس فتح و نصرت آ گئی۔[1]

عروہ نے کہا کہ میں نے عرض کی کہ لفظ تخفیف کے ساتھ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ تو نہیں ہے؟ تو فرمانے لگیں: مَعَاذَ اللّٰہِ![2]

ابن جریج نے کہا کہ مجھے ابن ابوملیکہ نے خبر دی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تخفیفا ﴿ كُذِبُوْا ﴾ پڑھا ہے۔ عبداللہ بن ابوملیکہ نے بیان کیا کہ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام نے یہ گمان اس لیے کیا کہ پیغمبر بھی بشر تھے، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ ﴾ (البقرۃ2:214) ''یہاں تک کہ پیغمبر اور مومن لوگ جو ان کے ساتھ تھے، سب پکار اٹھے کہ کب اللہ کی مدد آئے گی۔ دیکھو! بے شک اللہ کی مدد قریب (ہی آیا چاہتی) ہے۔''[3]

ابن جریج نے کہا ہے کہ مجھ سے ابن ابوملیکہ نے کہا کہ مجھے عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ خبر دی ہے کہ انھوں نے اس رائے سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جو وعدہ بھی فرمایا اس کے بارے میں آپ کو یقین تھا کہ وہ وعدہ بہر صورت پورا ہو کر رہے گا اور تادم واپسیں اس یقین سے سرشار رہے لیکن بات یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی ابتلاء و آزمائش میں مبتلا ہوتے رہے حتی کہ انھوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے ساتھ ایمان لانے والوں نے شاید ان کی تکذیب کر دی ہے۔ ابن ابوملیکہ نے حدیث عروہ میں بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہ ان الفاظ کو [وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِّبُوا] ''پڑھا کرتی تھیں، یعنی تشدید کے ساتھ باب تکذیب (تفعیل) سے۔[4]

---

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ﴾ (یوسف12:110)، حدیث:4695. [2] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ ﴾ (یوسف12:110)، حدیث:4696 یہ گزشتہ حدیث کی ایک اور سند سے الفاظ ہیں اور ان کا مقام وہاں ہے جہاں مذکورہ حدیث کے ترجمے میں قوسین میں ''شاید کہ'' کا اضافہ ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے صحیح البخاري، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ ...... ﴾ (یوسف12:7)، حدیث: 3389. [3] تفسیر الطبري:112/13. [4] تفسیر الطبري:113/13.

دوسری قراءت تخفیف کے ساتھ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ ہے اور اس کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ امام سفیان ثوری نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کیا ہے کہ یہ لفظ ﴿ كُذِبُوْا ﴾ بغیر شدّ کے ہے۔ یعنی وہ بات جسے آپ اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں۔ [1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ جب رسول اس بات سے مایوس ہو گئے کہ قوم ان کی دعوت پر لبیک کہے اور قوم نے یہ گمان کیا کہ رسول نے ان سے جھوٹ بولا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ونصرت ان کے شامل حال ہو گئی۔ [2] ﴿ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ ط ﴾ ''پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا۔''

ابن جریر نے ابراہیم بن ابوحُرّہ جزری سے روایت کیا ہے کہ ایک قریشی نوجوان نے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کہ ابوعبداللہ! ان الفاظ: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ کو کس طرح پڑھا جائے کیونکہ میں جب ان الفاظ پر آتا ہوں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میں اس سورت ہی کو نہ پڑھوں۔ انھوں نے فرمایا: ہاں، ان الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ جب رسول اپنی قوم کی طرف سے تصدیق سے مایوس ہو گئے اور جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا تھا انھوں نے یہ خیال کیا کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے۔ یہ جواب سن کر ضحاک بن مزاحم نے کہا: میں نے جیسا منظر آج دیکھا ہے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی اہل علم نے توقف کیا ہو، بہر حال آپ کا یہ جواب اس قدر صحیح تھا کہ اگر اس طرح کے جواب کے لیے یمن تک بھی سفر کرنا پڑے تو یہ سفر بہت کم ہو گا۔ پھر امام ابن جریر نے ایک دوسری سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ مسلم بن یسار نے سعید بن جبیر سے اس کے بارے میں سوال کیا تو پھر بھی انھوں نے یہی جواب دیا تھا، انھوں نے یہ جواب سنا تو کھڑے ہو کر سعید کو گلے لگا لیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مشکل کو دور فرمائے جیسا کہ آپ نے میری مشکل کو دور کر دیا ہے۔ [3] کئی ایک مختلف سندوں کے ساتھ حضرت سعید بن جبیر سے اس آیت کی یہی تفسیر مروی ہے۔ امام مجاہد بن جبر اور دیگر کئی ائمۂ سلف سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ [4]

یہ تفسیر کرنے والے پھر مختلف ہو گئے ہیں، ان میں سے بعض نے ﴿ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا ﴾ کی ضمیر کا مرجع پیغمبروں پر ایمان لانے والے ان کے پیروکاروں کو قرار دیا ہے اور بعض نے اس کا مرجع کافروں کو قرار دیا ہے، یعنی کافروں نے یہ گمان کیا کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے کہ ان سے فتح ونصرت کا وعدہ کیا گیا ہے، یعنی انھوں نے اسے تخفیف کے ساتھ [كَذَبُوا] پڑھا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے بارے میں امام ابن جریر نے تمیم بن حَذلم سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس آیت کریمہ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے سنا کہ جب رسول اپنی قوم کے ان پر ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور جب معاملے میں تاخیر ہو گئی تو ان کی قوم نے گمان کیا کہ رسولوں نے جھوٹ بولا ہے، یعنی انھوں

---

[1] تفسیر الطبری:13/112. [2] تفسیر الطبری:13/108. [3] تفسیر الطبری:13/109,110. [4] تفسیر الطبری:

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ

البتہ یقیناً ان کے قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے۔ یہ (قرآن) گھڑی ہوئی بات نہیں، بلکہ اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق اور ہر چیز

الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿111﴾ ع 12/7/6

کی تفصیل ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ﴿111﴾

نے بھی اسے تخفیف کے ساتھ [كَذَبُوا] ہی پڑھا ہے۔ ①

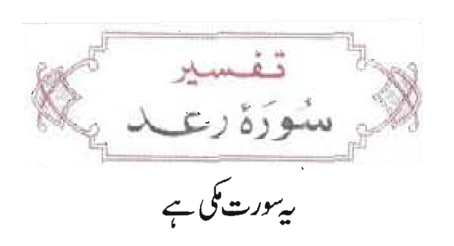
تفسیر آیت : 111

عقل مندوں کے لیے عبرت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رسولوں کی اپنی قوم کے ساتھ اس خبر میں اور اس بات میں کہ ہم نے مومنوں کو کس طرح نجات دی اور کافروں کو کس طرح ہلاک کیا، ﴿ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ ﴾ ''عقل مندوں کے لیے عبرت ہے۔'' ﴿ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى ﴾ ''(یہ قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو۔'' یعنی یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نازل نہ فرمایا ہو اور اسے از راہ کذب و افترا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ ﴿ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ﴾ ''بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق (کرنے والا) ہے۔'' یعنی اس سے پہلے آسمان سے نازل ہونے والی کتابوں میں جو صحیح باتیں ہیں، قرآن ان کی تصدیق کرتا ہے اور ان میں جو تحریف اور تغیر و تبدل رونما ہو چکا ہے اس کی نفی کرتا ہے، نیز سابقہ آسمانی کتابوں میں بیان کردہ احکام کو منسوخ قرار دیتا یا انھیں برقرار رکھتا ہے۔

﴿ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''اور ہر چیز کی تفصیل ہے۔'' یعنی قرآن مجید میں حلال و حرام اور مستحب و مکروہ کی تفصیل موجود ہے، علاوہ ازیں اس میں طاعات، واجبات اور مستحبات کا حکم ہے، محرمات و مکروہات کی ممانعت ہے، واضح امور اور مستقبل کے اجمال و تفصیلی مخفی امور کی نشان دہی ہے، نیز اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء وصفات اور مخلوقات کی مشابہت سے اس کے پاک ہونے کا تذکرہ ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿111﴾ ﴾ ''اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔'' یعنی مومنوں کے دل قرآن کی ہدایت سے سرشار ہو کر سرکشی سے رشد و بھلائی کی طرف اور ضلالت و گمراہی سے راستی کی طرف آ جاتے ہیں اور قرآن کے ساتھ وہ اپنے رب تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں اس کی رحمت کے طلب گار ہوتے ہیں۔ ہم بھی اللہ رب ذوالجلال کے حضور دست بدعا ہیں کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں دنیا میں بھی اپنے ان بندوں میں شامل فرمائے اور آخرت کے دن میں بھی جب سفید، روشن اور تر و تازہ چہرے کامیابی و کامرانی سے ہم کنار ہوں گے اور سیاہ چہرے ناکام و نامراد ہوں گے۔

سورۂ یوسف کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَبِهِ الْمُسْتَعَانُ.

① تفسیر الطبری: 111/13 تخفیف کے ساتھ ساتھ انھوں نے كُذِبُوا ''ان سے جھوٹ بولا گیا'' مجہول کے بجائے معروف كَذَبُوا ''انھوں نے جھوٹ بولا'' پڑھا ہے۔



یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓـمّٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ وَ لٰکِنَّ اَکۡثَرَ النَّاسِ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ①

الٓمّٓرٰ، (اے نبی!) یہ کتاب کی آیات ہیں، اور جو آپ کے رب کی جانب سے آپ کی طرف نازل کیا گیا وہی حق ہے، اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے ①

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ وَ سَخَّرَ الشَّمۡسَ وَ الۡقَمَرَ ؕ کُلٌّ یَّجۡرِیۡ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ یُدَبِّرُ الۡاَمۡرَ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّکُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّکُمۡ تُوۡقِنُوۡنَ ②

اللہ وہ ذات ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان بلند کیے، تم انھیں دیکھتے ہو، پھر وہ عرش پر مستوی ہوا، اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا، ہر ایک مقررہ مدت کے لیے چل رہا ہے۔ وہ کام کی تدبیر کرتا ہے، (اپنی) نشانیاں تفصیل سے بیان کرتا ہے، تاکہ تم اپنے رب سے ملاقات پر یقین کر لو ②

تفسیر آیت: 1

بعض سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات ہیں، ان کے بارے میں سورۂ بقرہ کے شروع میں تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ اور ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ سورت جسے حروف مقطعات سے شروع کیا گیا ہے، اس میں قرآن مجید کی تائید و حمایت کرتے ہوئے یہ واضح کیا گیا ہے کہ اس بات میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے نازل فرمایا ہے، اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ ؕ﴾ یہ کتاب الٰہی، یعنی قرآن مجید کی آیات ہیں، پھر اس پر عطف صفات ڈالتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ ﴾ ''اور جو آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے۔'' اے محمد (ﷺ!) ﴿ مِنۡ رَّبِّکَ الۡحَقُّ ﴾ ''آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔'' اس میں ﴿ الۡحَقُّ ﴾ عربی گرامر کے اعتبار سے خبر ہے اور اس کا مبتدا پہلے گزر چکا ہے جو یہ: ﴿ وَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ مِنۡ رَّبِّکَ ﴾ ہے۔

اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے: اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔'' اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح ہے: ﴿ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (یوسف 103:12) ''اور اکثر لوگ، اگرچہ آپ (کتنی ہی) حرص کریں، ایمان لانے والے نہیں ہیں۔'' یعنی اس بیان، روشنی اور وضاحت کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے کیونکہ وہ مخالفت، دشمنی اور نفاق میں مبتلا ہیں۔

تفسیر آیت :2

اللہ تعالیٰ کے کمالِ قدرت کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت اور عظیم سلطنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کے اذن اور امر کے ساتھ بلند و بالا آسمان ستونوں کے بغیر کھڑے ہیں بلکہ اس نے اپنے اذن، امر اور تسخیر کے ساتھ انھیں زمین سے اس قدر دور فاصلے پر رکھا ہے کہ نہ اسے چھوا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کی حدود کا ادراک ہو سکتا ہے۔ آسمانِ دنیا، زمین اور اس کے گرد و پیش کے پانی اور ہوا کا اس کے تمام اطراف و جوانب سے احاطہ کیے ہوئے ہے اور چاروں طرف سے یکساں طور پر زمین سے بلند ہے اور ہر طرف سے آسمان اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت کے بقدر ہے اور اس کا اپنا قُطر بھی اتنا ہی ہے، پھر دوسرا آسمان ہے جو پہلے آسمان اور اس کی تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے، دونوں آسمانوں کے درمیان کا فاصلہ بھی پانچ سو سال کی مسافت کا ہے اور اس کا اپنا قطر بھی پانچ سو سال کی مسافت کا ہے، الغرض! اسی طرح تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان کا حال ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ ۭ ...... ﴾ الآیة (الطلاق 12:65) ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور ان کی مثل زمینیں بھی ......''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ﴾ ''ستونوں کے بغیر تم انھیں دیکھتے ہو۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ اور کئی ایک اہل علم سے مروی ہے کہ آسمانوں کے ستون تو ہیں لیکن نظر نہیں آتے۔[1] ایاس بن معاویہ کہتے ہیں کہ آسمان زمین پر قبے کی طرح، یعنی بلا ستون ہے۔ قتادہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] اور سیاق سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ ﴾ (الحج 65:22) ''اور وہ آسمان کو تھامے ہوئے ہے کہ اس کے اذن کے بغیر زمین پر (نہ) گرے۔'' سے بھی یہی ظاہر ہے، لہٰذا ﴿ تَرَوْنَهَا ﴾ ''تم انھیں دیکھتے ہو'' ستونوں کی نفی کی تاکید کے لیے ہے، یعنی آسمانوں کو ستونوں کے بغیر بلند کیا گیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو اور بلا شبہ یہ معنی اللہ تعالیٰ کی قدرت کے حوالے سے نہایت مناسب ہیں۔

استواء: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ﴾ ''پھر وہ عرش پر مستوی ہوا۔'' سورۂ اعراف میں استواء کی تفسیر بیان کی جا چکی ہے[3] کہ اللہ ذوالجلال کی ذات گرامی عرش پر مستوی ہے، اس پر کیفیت بیان کیے بغیر، نیز تشبیہ، تعطیل اور تمثیل کے بغیر اسی طرح ایمان لایا جائے گا جیسا کہ قرآن وحدیث میں مذکور ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عُلُوًّا كَبِيرًا.

[1] تفسیر الطبری: 122/13. [2] تفسیر الطبری: 123/13. [3] دیکھیے، آیت: 54 کے ذیل میں۔

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهٰرًا ۖ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ

اور وہی ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں، اور اس میں ہر قسم کے پھلوں کے دو دو جوڑے بنائے،

فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③

وہ دن کو رات سے ڈھانپتا ہے۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے یقیناً نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں ③ اور زمین میں

وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ

باہم ملے ہوئے قطعات ہیں، اور انگوروں کے باغ اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت ہیں ایک جڑ سے کئی تنوں والے اور ایک تنے

يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۙ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ

والے، جو ایک ہی پانی سے سیراب کیے جاتے ہیں، اور ہم ان کے بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں۔ بے شک اس میں

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④

ان لوگوں کے لیے البتہ نشانیاں ہیں جو سمجھتے ہیں ④

تسخیرِ شمس و قمر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ يَّجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ﴾ ”اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا، ہر ایک طے شدہ مدت کے لیے چل رہا ہے۔“ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں چلتے رہیں گے یہاں تک کہ قیامت کے آنے سے ان کا خاتمہ ہو جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ۚ ﴾ (یٰس 38:36) ”اور سورج اپنے ٹھکانے (پر پہنچنے) کے لیے چلتا رہتا ہے۔“ یہ قول بھی ہے کہ اس سے مراد سورج اور چاند کا ٹھکانا ہے جو عرش کے نیچے اور دوسری طرف سے زمین کے بطن کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ سورج، چاند اور دیگر تمام کواکب جب یہاں پہنچتے ہیں تو اس وقت وہ عرش سے سب سے زیادہ دور ہوتے ہیں کیونکہ صحیح بات جو دلائل سے ثابت ہے یہ ہے کہ عرش قبہ ہے اس طرف سے جو عالم سے ملا ہوا ہے اور وہ باقی افلاک کی طرح محیط نہیں ہے، کیونکہ عرش الٰہی کے تو پائے بھی ہیں اور اس کے حاملین بھی ہیں جو اسے اٹھائے ہوئے ہیں اور گول فلک اس طرح نہیں ہو سکتا جیسا کہ اس سلسلے میں وارد آیات کریمہ اور احادیث صحیحہ پر غور کرنے سے واضح ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

شمس و قمر کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کیونکہ یہ ان ساتوں کواکبِ سیار میں سے سب سے زیادہ نمایاں ہیں جو تمام ثوابت (وہ کواکب جو سیار نہیں) میں سے اشرف و اعظم ہیں۔ جب ان کو اس نے مسخر کر رکھا ہے تو دیگر تمام کواکب تو بالاولیٰ اس کے قبضۂ تسخیر میں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 37:41) ”تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم واقعی اس کی عبادت کرتے ہو۔“ اللہ تعالیٰ نے اس کی صراحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 54:7) ”اور اس نے سورج، چاند اور ستاروں کو (پیدا کیا)، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں، دیکھو! سب

مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے، یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ ''وہ نشانیاں کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرلو۔'' یعنی وہ ان آیتوں اور نشانیوں کو خوب کھول کھول کر بیان فرماتا ہے جو اس بات کی دلیل ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مخلوق کو جب وہ چاہے گا دوبارہ اسی طرح پیدا کر دے گا جس طرح اس نے اسے پہلی دفعہ پیدا فرمایا تھا۔

تفسیر آیات:4,3

زمین میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے پہلے عالم عُلوی کا ذکر کیا اور اب اس نے عالم سِفلی سے متعلق اپنی قدرت وحکمت اور اس کی مضبوطی واستحکام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ ﴾ ''اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا۔'' یعنی اسے وسعت دے کر طول وعرض میں پھیلا دیا، بلند وبالا پہاڑوں کے ساتھ اسے مضبوطی اور استحکام بخشا اور اس میں نہروں، ندیوں اور چشموں کا سلسلہ جاری فرما دیا تاکہ مختلف انواع واقسام کے رنگوں، شکلوں، ذائقوں اور خوشبوؤں والے ان پھلوں کے لیے پانی کا انتظام کیا جا سکے جنھیں اللہ تعالیٰ نے زمین میں پیدا فرمایا ہے۔ ﴿ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ﴾ ''اور اس (زمین) میں ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں۔'' یعنی ہر شکل کے پھلوں کی دو دو قسمیں ہیں۔

﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ ﴾ ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔'' یعنی اس نے ہر ایک کو دوسرے کے پیچھے لگا دیا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلا آتا ہے، یعنی رات جاتی ہے تو دن آ جاتا ہے اور دن چلا جاتا ہے تو رات آ جاتی ہے، یعنی جس طرح مقامات اور ان میں رہنے والوں میں اس کا ارادہ اور تصرف کارفرما ہے، اسی طرح زمانوں اور اوقات میں بھی اسی کا ارادہ اور تصرف ہی کارفرما ہے۔ ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾ ''یقیناً غور کرنے والوں کے لیے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، حکمتوں اور اس کے دلائل میں غور کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ ﴾ ''اور زمین میں ایک دوسرے سے ملے ہوئے قطعات ہیں۔'' زمین کے ٹکڑے باہم ملے ہوئے ہیں اور ان میں سے کچھ زرخیز ہیں جن میں ایسی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو لوگوں کے لیے بہت منفعت بخش ہیں اور زمین کے کچھ ٹکڑے نمکین اور شور زدہ ہیں کہ ان میں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک اور کئی ایک ائمۂ سلف سے اسی طرح مروی ہے۔[1] زمین کے ٹکڑوں کے رنگوں کا اختلاف بھی اس آیت میں داخل ہے، مثلاً: کسی مٹی کا رنگ سرخ ہے، کسی کا سفید، کسی کا پیلا، کسی کا سیاہ، اس طرح کوئی زمین پتھریلی ہے، کوئی میدانی ہے، کوئی ریتلی ہے، کوئی سخت ہے اور کوئی نرم مگر زمین کے یہ سارے ٹکڑے اپنی ان مختلف خصوصیات کے باوجود آپس میں ملے ہوئے ہیں، یہ سب باتیں اس فاعل مختار کے وجود گرامی پر دلالت کرتی ہیں جس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

[1] تفسیر الطبری: 128,127/13۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور اگر آپ تعجب کریں تو ان کا یہ کہنا عجیب تر ہے کہ کیا جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم البتہ نئی پیدائش میں ہوں گے؟ یہی

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، اور یہی ہیں کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے، اور یہی دوزخ والے ہیں،

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے⑤

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ ﴾ ''اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ﴿ وَزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ ﴾ کا عطف ﴿ وَّجَنّٰتٌ ﴾ پر ہو، تو اس صورت میں یہ دونوں لفظ مرفوع ہوں گے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ ان کا عطف ﴿ اَعْنَابٍ ﴾ پر ہو تو اس صورت میں یہ مجرور ہوں گے، لہٰذا قراءت کے اماموں نے انھیں دونوں طرح پڑھا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ ﴾ ''بعض تنوں والے ہیں اور بعض کا صرف ایک تنا ہوتا ہے۔'' ﴿ صِنْوَانٌ ﴾ سے مراد وہ بہت سے تنے ہیں جو اگنے کی ایک ہی جگہ پر جمع ہو گئے ہوں، جیسے انار، انجیر اور کھجور کے بعض درختوں کے ہوتے ہیں اور بعض درختوں کے تنے اتنے نہیں ہوتے جیسے دیگر سارے درخت ہوتے ہیں، اسی محاورے کے مطابق آدمی کے چچا کو [صِنْوُ أَبِيهِ] ''باپ کی مثل'' یعنی باپ کا سگا بھائی کہا جاتا ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا: [أَمَا شَعَرْتَ أَنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ أَبِيهِ؟] ''کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آدمی کا چچا اس کے باپ کی مثل ہوتا ہے۔'' [1]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ ﴾ ''ایک ہی پانی سے سیراب کی جاتی ہیں اور ہم ان کے بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں۔'' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا ہے: [اَلدَّقَلُ وَالْفَارِسِيُّ، وَالْحُلْوُ، وَالْحَامِضُ] ''بعض کھجوریں بہت ردی قسم کی ہوتی ہیں اور بعض عمدہ قسم کی، بعض (پھل) میٹھے ہوتے ہیں اور بعض کھٹے۔'' امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔ [2]

یعنی یہ اختلاف پھلوں اور فصلوں کی جنسوں، شکلوں، رنگوں، ذائقوں، پتوں اور پھولوں میں ہے کہ ایک پھل بے حد میٹھا ہے تو دوسرا بے حد کھٹا، ایک بہت کڑوا ہے تو دوسرا کسیلا، اور ایک بہت میٹھا تو دوسرا دونوں کا مرکب ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک پھل کا ذائقہ دوسرے سے نہیں ملتا اور کسی کا رنگ زرد، کسی کا سرخ، کسی کا سفید، کسی کا سیاہ اور کسی کا نیلا ہوتا ہے اور اسی طرح پھولوں کی بھی مختلف شکلیں، مختلف رنگ اور مختلف خوشبوئیں ہیں، حالانکہ رنگوں، شکلوں، ذائقوں اور منافع کے اس بے حد اختلاف کے باوجود یہ سب کے سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں، تو ان باتوں میں نصیحت حاصل کرنے والے کے

[1] صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فی تقدیم الزکاۃ ومنعها، حدیث:983. [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورۃ الرعد، حدیث:3118.

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ

اور وہ آپ سے بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب) جلدی چاہتے ہیں، حالانکہ ان سے پہلے (عذاب کی) مثالیں گزر چکی ہیں،

رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ⑥

اور بے شک آپ کا رب لوگوں کے ظلم کے باوجود البتہ انھیں بخشنے والا ہے، اور یقیناً آپ کا رب البتہ سخت سزا دینے والا ہے ⑥

لیے قدرتِ الٰہی کی کتنی ہی نشانیاں ہیں اور یہ اس فاعل ومختارِ حقیقی کی عظمت کی کتنی بڑی دلیل ہیں جس نے اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ ان مختلف اشیاء کو اپنے ارادے اور مشیت کے مطابق تخلیق فرمایا ہے، اسی لیے تو فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④ ﴾ ''یقیناً اس میں سمجھنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیت:5

حیات بعد الممات کا انکار عجیب وغریب نظریہ ہے! اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ تَعْجَبْ ﴾ ''اور اگر آپ تعجب کریں'' کہ یہ مشرک آخرت کی تکذیب کرتے ہیں، حالانکہ وہ مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں اور اس کے دلائل کو دیکھ رہے ہیں اور اس بات کا مشاہدہ کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی جو چاہے اسے کرنے پر قادر ہے، یہ اس بات کا بھی اعتراف کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی نے تمام اشیاء کو پہلی دفعہ پیدا فرمایا، حالانکہ پہلے ان کا کوئی ذکر تک نہ تھا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اس بات کی تکذیب کرتے ہیں کہ وہ تمام عالم کو ایک نیا وجود عطا کر کے دوبارہ پیدا فرمائے گا، حالانکہ جس بات کی یہ تکذیب کر رہے ہیں اس سے زیادہ تعجب انگیز باتوں کا یہ خود مشاہدہ کر چکے ہیں، لہٰذا تعجب اللہ تعالیٰ کی قدرت سے نہیں بلکہ تعجب ان کی اس بات سے ہے: ﴿ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ ﴾ ''کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں از سر نو پیدا کیا جائے گا؟'' حالانکہ ہر عالم وعاقل کو یہ بات معلوم ہے کہ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا تو لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑا کام ہے اور جس نے پہلی دفعہ پیدا فرمایا اس کے لیے دوبارہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾ (الأحقاف 33:46) ''کیا انھوں نے نہیں سمجھا کہ بے شک اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کر دے۔ کیوں نہیں! بلاشبہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان تکذیب کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کے منکر ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے۔'' جن کے ساتھ انھیں گھسیٹ کر جہنم رسید کر دیا جائے گا، ﴿ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤ ﴾ ''اور یہی اہل دوزخ ہیں وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے۔''

تفسیر آیت:6

کفار کا جلد عذاب طلب کرنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ ﴾ ''اور وہ آپ سے جلدی طلب کرتے ہیں۔'' یعنی تکذیب کرنے والے، ﴿ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ﴾ ''بھلائی (رحمت) سے پہلے برائی (عذاب۔)'' یعنی اپنی سزا کے طور پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:6-8) ''اور (کفار) کہتے ہیں کہ اے وہ شخص! جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے یقیناً تو تو دیوانہ ہے۔ اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا۔ ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے مگر حق کے ساتھ اور اس وقت ان (کفار) کو مہلت نہیں ملتی۔''

اور فرمایا: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَاۗءَهُمُ الْعَذَابُ ۭ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:53،54) ''اور وہ لوگ آپ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں اور اگر (عذاب کا) وقت مقرر نہ ہوتا (تو) البتہ عذاب ان کے پاس آجاتا اور وہ اچانک ہی ان کے پاس ضرور آئے گا جبکہ وہ شعور نہیں رکھتے ہوں گے۔ وہ آپ سے عذاب جلدی مانگتے ہیں اور بلاشبہ جہنم کافروں کو گھیرنے والا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ سَاَلَ سَاۗىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝ ﴾ (المعارج 70:1) ''ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهَا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا ۙ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ ۭ ﴾ (الشوریٰ 42:18) ''جو لوگ اس (قیامت) پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور جو لوگ ایمان لائے وہ اس سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا رَبَّنَا عَجِّلْ لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ۝ ﴾ (صٓ 38:16) ''اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہمارا (عذاب کا) حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دے دے۔'' یعنی ہمارا قیامت کے دن سے پہلے ہی حساب کر لے اور ہمیں سزا دے دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الأنفال 8:32) ''اور جب انھوں نے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' تکذیب، عناد اور کفر کی شدت کے باعث کفار نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ آپ ان کے پاس جلد عذاب لے آئیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ ﴾ ''اور حالانکہ ان سے پہلے (عذاب کی) مثالیں گزر چکی ہیں۔'' سابقہ امتوں کو عذابوں میں مبتلا کر کے ہم ان سے انتقام لے چکے ہیں اور بعد میں آنے والوں کے لیے ہم انھیں سامان عبرت بنا چکے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر وہ حلم اور عفو و درگزر سے کام نہ لیتا تو انھیں عذاب میں مبتلا کر دیتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ

اور کافر لوگ کہتے ہیں: اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی؟ (اے نبی!) آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، اور ہر

قَوْمٍ هَادٍ ⑦

قوم کے لیے ایک ہادی ہوتا ہے⑦

یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ﴾ (فاطر 45:35) ''اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگے تو ایک چلنے پھرنے والے کو بھی زمین پر نہ چھوڑے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ ''اور بے شک آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کرنے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ عفو و درگزر سے کام لیتا اور لوگوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے، حالانکہ وہ ظلم کا بازار گرم کرتے اور دن رات گناہ کرتے ہیں، پھر عفو و درگزر کے ذکر کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اس کا عذاب بھی بہت سخت ہے تاکہ امید و خوف میں توازن پیدا کیا جا سکے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝﴾ (الأنعام 147:6) ''پھر اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو کہہ دیجیے کہ آپ کا پروردگار صاحب رحمتِ وسیع ہے اور اس کا عذاب گناہ گار لوگوں سے نہیں ٹلے گا۔'' اور فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (الأعراف 167:7) ''بے شک آپ کا پروردگار یقیناً جلد عذاب دینے والا ہے اور بے شک البتہ وہ بہت بخشنے والا، خوب مہربان (بھی) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝﴾ (الحجر 50,49:15) ''(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو خبر دیجیے کہ یقیناً میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں اور بے شک میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔'' علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ میں امید و خوف کو یکجا بیان کیا گیا ہے۔

تفسیر آیت: 7

مشرکوں کا نشانی طلب کرنا: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے از راہ کفر و عناد کہا کہ یہ پیغمبر اپنے رب کے پاس سے ہماری طرف کوئی نشانی لے کر کیوں نہیں آئے جیسا کہ پہلے پیغمبروں کو نشانیاں دی گئی تھیں جیسا کہ از راہِ عناد و کفر انھوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ آپ کوہِ صفا کو سونے کا بنا دیں اور مکہ کی زمین سے پہاڑوں کو ہٹا کر یہاں باغات، چراگاہیں اور نہریں بنا دیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ﴾ الآية (بنیٓ إسرآء یل 59:17) ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ اگلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ﴾ ''آپ (اے محمد ﷺ!) تو صرف ڈرانے والے ہیں۔'' یعنی آپ کا فرض یہ ہے کہ اللہ کے اس پیغام کو پہنچا دیں جس کے پہنچانے کا آپ کو حکم دے دیا ہے اور ﴿لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَیْءٍ

اللہ جانتا ہے ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور جو کچھ رحم کم کرتے ہیں اور جو کچھ زیادہ کرتے ہیں، اور اس کے ہاں ہر چیز کی

عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِیْرُ الْمُتَعَالِ ⑨

ایک مقدار (مقرر) ہے ⑧ وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا، بہت بڑا، نہایت بلند ہے ⑨

مَنْ یَّشَآءُ ؕ (البقرة 2:272) ''آپ (اے محمد ﷺ!) ان لوگوں کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ⑦﴾ ''اور ہر ایک قوم کے لیے رہنما ہوا کرتا ہے۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر قوم کے لیے ایک داعی ہوتا ہے۔[1]

تفسیر آیات:9,8

عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ اس قدر بے پایاں اور بے حدوحساب ہے کہ کوئی چیز بھی اس سے مخفی نہیں ہے، تمام حیوانات کی ماداؤں کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کا علم ان سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ ؕ﴾ (لقمٰن 34:31) ''اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔'' یعنی وہ جانتا ہے کہ حاملہ کے رحم میں مذکر ہے یا مؤنث، خوب صورت ہے یا بدصورت، بد بخت ہے یا نیک بخت طویل العمر ہے یا قلیل العمر جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ﴾ (النجم 32:53) ''وہ تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹوں میں بچے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿یَخْلُقُكُمْ فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِیْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ؕ﴾ (الزمر 6:39) ''وہی تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں تین تاریکیوں میں تمھیں ایک کے بعد ایک شکل میں بناتا چلا جاتا ہے۔'' یعنی اس نے تمھیں ایک طرح کے بعد پھر دوسری طرح بنایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ۪ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ؕ﴾ (المؤمنون 23:12-14) ''اور بلاشبہ ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے پیدا کیا ہے، پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا، پھر ہم نے نطفے کا لوتھڑا بنایا، پھر ہم نے لوتھڑے کی بوٹی بنائی، پھر ہم نے بوٹی کی ہڈیاں بنائیں، پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا، پھر ہم نے اس کو نئی صورت میں بنا دیا، چنانچہ اللہ جو نہایت بہتر پیدا کرنے والا ہے بڑا بابرکت ہے۔''

صحیحین میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(إِنَّ خَلْقَ أَحَدِكُم) یُجْمَعُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِینَ یَوْمًا، ثُمَّ یَكُونُ عَلَقَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ یَكُونُ مُضْغَةً مِّثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ یَبْعَثُ اللّٰهُ مَلَكًا]، [وَیُؤْمَرُ

---

[1] تفسیر الطبری: 143/13.

بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ] ''تم میں سے ہر ایک کی پیدائش کے وقت اسے اس کی ماں کے پیٹ میں چالیس دن تک جمع کر کے رکھا جاتا ہے، پھر اسے اسی طرح چالیس دن تک لوتھڑے کی صورت میں رکھا جاتا ہے، پھر اسے اسی طرح چالیس دن تک بوٹی کی شکل میں رکھا جاتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتے کو بھیجتا ہے اور اسے چار باتوں کا حکم دیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ وہ (1) اس کے رزق، (2) اس کی عمر، (3) اس کے عمل اور (4) اس کے بد بخت یا نیک بخت ہونے کو لکھ دیتا ہے۔'' [1]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ فرشتہ کہتا ہے: [أَيْ رَبِّ! ذَكَرٌ أَمْ أُنْثَى؟ أَشَقِيٌّ أَمْ سَعِيدٌ؟ فَمَا الرِّزْقُ؟ فَمَا الْأَجَلُ؟ (فَيَقُولُ اللّٰهُ، وَيَكْتُبُ الْمَلَكُ)] ''(1) اے میرے رب! یہ مذکر ہے یا مؤنث؟ (2) یہ بد بخت ہے یا خوش بخت؟ (3) اس کا رزق کتنا ہے؟ (4) اس کی عمر کتنی ہے؟ اللہ تعالیٰ ان سوالوں کے جواب عطا فرما دیتا ہے اور فرشتہ انھیں لکھ لیتا ہے۔'' [2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ﴾ ''اور جو رحم کم کرتے اور اضافہ کرتے ہیں (اس سے بھی واقف ہے۔)'' امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَفَاتِيحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا اللّٰهُ: لَا يَعْلَمُ مَا فِي غَدٍ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى يَأْتِي الْمَطَرُ أَحَدٌ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ، وَلَا يَعْلَمُ مَتٰى تَقُومُ السَّاعَةُ إِلَّا اللّٰهُ] ''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا: (1) اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا۔ (2) ارحام کے کم کرنے کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (3) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ (4) کوئی جان دار یہ نہیں جانتا کہ وہ کہاں فوت ہوگا۔ (5) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔'' [3]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رحم کے سکڑنے سے حمل کا ساقط ہونا مراد ہے۔ اور ﴿ وَمَا تَزْدَادُ ﴾ سے مراد سکڑنے کے بعد پیٹ کا بڑھنا اور بچے کا مکمل حالت میں پیدا ہونا ہے، اس لیے کہ کچھ عورتوں کو دس ماہ حمل رہتا ہے اور کچھ کو نو ماہ، کچھ کے حمل کی مدت اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور کچھ کی اس سے کم، یہی سکڑنا اور بڑھنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر فرمایا ہے اور ان تمام باتوں سے اس کی ذات گرامی آگاہ اور باخبر ہے۔ [4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ﴾ ''اور ہر چیز کا اس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے۔'' حضرت قتادہ رحمہ اللہ

---

[1] پہلا حصہ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکة صلوات اللّٰہ علیهم......، حدیث: 3208. جبکہ قوسین والا جملہ بھی صحیح البخاری، التوحید، باب قوله تعالٰی: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا ﴾ ...... (الصّٰفّٰت 37:171)، حدیث: 7454 میں اور دوسرا حصہ صحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمی......، حدیث: 2643 کے مطابق ہے۔ [2] صحیح البخاری، القدر، باب، حدیث: 6595 وصحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمی......حدیث: 2646 و تفسیر الطبری: 230/3 جبکہ قوسین والے الفاظ طبری کے ہیں۔ [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ ﴾ (الرعد 13:8)......، حدیث: 4697. [4] تفسیر الطبری: 144/13.

سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ

(اللہ کے نزدیک) مساوی ہے تم میں سے جو کوئی آہستہ بات کہے یا بلند آواز سے کہے، اور جو رات (کی تاریکی) میں چھپنے والا ہو یا دن (کی روشنی) میں

بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ ؕ

چلنے والا ہو ⑩ اس (انسان) کے لیے اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں، وہ اللہ کے حکم سے اس کی

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوۡمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوۡا مَا بِاَنۡفُسِهِمۡ ؕ وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوۡمٍ سُوۡٓءًا فَلَا

حفاظت کرتے ہیں۔ بے شک اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم میں ہے، حتی کہ وہ اسے بدل لیں جو ان کے نفسوں میں ہے۔ اور جب اللہ کسی قوم کے ساتھ

مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ وَّالٍ ⑪

برائی (عذاب) کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے لیے کوئی واپسی نہیں، اور ان کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز نہیں ⑪

فرماتے ہیں کہ اس نے اپنی مخلوق کے رزق اور اجل کو محفوظ کر دیا ہے اور ہر چیز کے لیے ایک مدت مقرر فرما دی ہے۔[1] صحیح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک صاحبزادی نے آپ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا کہ ان کا بیٹا موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اور وہ پسند کرتی ہیں کہ آپ تشریف لے آئیں، آپ نے یہ سن کر ان کی طرف جواب بھیجا: [إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ، وَلَهُ مَا أَعْطٰى، وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُّسَمًّى، فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ] ''بے شک اللہ ہی کے لیے جو وہ لے لیتا ہے اور اسی کے لیے ہے جو وہ عطا فرما دیتا ہے، ہر چیز کا اس کے ہاں ایک وقت مقرر ہے، لہٰذا آپ انھیں کہہ دیں کہ وہ صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھیں۔'' (تفصیل کے لیے) مکمل حدیث دیکھیے۔[2]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ﴾ ''وہ غیب اور حاضر کا جاننے والا ہے۔'' یعنی وہ ہر چیز کو جانتا ہے بندے، خواہ اسے دیکھتے یا نہیں دیکھتے ہیں کیونکہ اس کی ذات گرامی سے کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ ﴿الۡكَبِيۡرُ﴾ ''سب سے بزرگ۔'' یعنی وہ ہر چیز سے بڑا ہے، ﴿الۡمُتَعَالِ ⑨﴾ ''عالی رتبہ (ہے۔)'' یعنی ہر چیز سے وہ بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ ﴿قَدۡ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عِلۡمًا ۝﴾ (الطلاق 12:65) ''وہ (اللہ) اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے'' اور ہر چیز کو اس نے مغلوب کر رکھا ہے، گردنیں اس کے سامنے جھکی ہوئی ہیں اور بندے خوشی یا ناخوشی سے اس کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں۔

تفسیر آیات: 11,10

اللہ تعالیٰ کا علم ہر ظاہر و مخفی چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کا علم تمام مخلوق کا احاطہ کیے ہوئے ہے، وہ مخلوق کی ہر بات کو سنتا ہے، خواہ وہ مخفی ہو یا ظاہر، اس سے کوئی بات بھی مخفی نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنۡ تَجۡهَرۡ بِالۡقَوۡلِ فَاِنَّهٗ يَعۡلَمُ السِّرَّ وَاَخۡفٰى ۝﴾ (طٰهٰ 7:20) ''اور اگر آپ بلند آواز سے بات کریں تو بلاشبہ وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ

---

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2228/7. ② صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تبارك وتعالى: ﴿قُلِ ادۡعُوا اللّٰهَ اَوِ ادۡعُوا الرَّحۡمٰنَ ؕ ......﴾ (بنيّ إسرآءيل 110:17)، حديث: 7377 وصحيح مسلم، الجنائز، باب البكاء على الميت، حديث: 923.

بات تک کو بھی جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ ﴾ (النمل 25:27) ''اور وہ جانتا ہے جو تم علانیہ اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو۔''

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی تھیں: تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس کی سماعت آوازوں کے سننے کے لیے بہت وسیع ہے۔ وہ عورت آئی جو بحث و جدال کرتی اور اپنے شوہر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کررہی تھی، میں اس وقت اپنے گھر کے ایک کونے میں تھی اور اس کی کچھ گفتگو سننے نہ پارہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی بات کو سن لیا اور قرآن مجید میں نازل فرمادیا: ﴿ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ ﴾ (المجادلة 1:58) ''(اے پیغمبر!) جو عورت آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں جھگڑا کررہی تھی اور اللہ کی طرف شکایت (رنج و ملال) کررہی تھی، یقیناً اللہ نے اس کی التجا سن لی اور اللہ تم دونوں کا مکالمہ سن رہا تھا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ ﴾ ''اور جو رات کو بالکل چھپا ہوا ہے۔'' یعنی رات کے اندھیرے میں اپنے گھر کے کسی کونے میں چھپنے والا ہو، ﴿ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ ﴾ ''اور دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلنے پھرنے والا (اس کے نزدیک برابر ہیں۔)'' یعنی رات کی تاریکی میں کوئی اپنے گھر کے گوشوں میں چھپ جائے یا دن کے اجالے اور روشنی میں چلے پھرے، اس کے نزدیک دونوں برابر ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ ﴾ (هود 5:11) ''آگاہ رہو! جب وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں (تب بھی) اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک اللہ سینوں کے راز خوب جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ (یونس 61:10) ''اور تم جس حال میں ہوتے ہو یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم کوئی (اور) کام کرتے ہو، جب اس میں مصروف ہوتے ہو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں۔ اور آپ کے پروردگار سے زمین و آسمان میں ذرّہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے اور نہ کوئی اس سے چھوٹی اور نہ بڑی مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

حفاظت کرنے والے فرشتے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اس کے آگے اور پیچھے اللہ کے باری باری آنے والے (فرشتے) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی بندے کے پاس فرشتے آتے جاتے ہیں جن میں سے کچھ رات کے چوکیدار ہیں اور کچھ دن کے چوکیدار جو برے

---

[1] ماخوذ از سنن النسائی، الطلاق، باب الظهار، حدیث:3490 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب فيما أنكرت الجهمية، حدیث:188 و تفسير الطبری:8/28.

کاموں اور مصیبتوں سے بندوں کی حفاظت کرتے ہیں جیسا کہ دوسرے فرشتے بندے کے اچھے اور برے اعمال کی نگرانی کے لیے دن اور رات اس کے پاس آتے جاتے ہیں، ان میں سے دو فرشتے تو انسان کے دائیں اور بائیں ہوتے ہیں جو اعمال لکھتے ہیں، دائیں طرف کا فرشتہ نیکیوں کو لکھتا ہے اور بائیں طرف والا برائیوں کو، اسی طرح دو اور فرشتے ہوتے ہیں جو انسان کی حفاظت ونگہداشت کرتے ہیں، ان میں سے ایک آگے اور دوسرا پیچھے ہوتا ہے، گویا انسان چار فرشتوں کے جلو میں دن کو اور چار کے جلو میں رات کو ہوتا ہے جن میں سے دو فرشتے انسان کے محافظ اور دو کراماً کاتبین ہوتے ہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے:[يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَّلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ، فَيَسْأَلُهُمْ ـ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ ـ: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ] ''تمھارے پاس فرشتے رات اور دن کے وقت یکے بعد دیگرے آتے جاتے ہیں اور وہ نماز فجر اور نماز عصر میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے پاس جب وہ فرشتے جاتے ہیں جنھوں نے تم میں رات بسر کی ہوتی ہے تو وہ ان سے پوچھتا ہے، حالانکہ وہ ان کے بارے میں زیادہ بہتر جانتا ہے، کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ فرشتے کہتے ہیں کہ جب ہم نے انھیں چھوڑا تو اس وقت وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس گئے تو بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔''[1]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ إِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهِ قَرِينُهُ مِنَ الْجِنِّ، وَقَرِينُهُ مِنَ الْمَلَائِكَةِ] ''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کا ایک جنوں میں سے ساتھی اور ایک فرشتوں میں سے ساتھی مقرر کیا گیا ہے۔'' صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ کے ساتھ بھی؟ فرمایا:[وَإِيَّايَ، لٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ، فَأَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِي إِلَّا بِخَيْرٍ] ''ہاں! میرے ساتھ بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے اور وہ مطیع ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ مجھے خیر و بھلائی ہی کا حکم دیتا ہے۔'' اسے امام مسلم ہی نے بیان کیا ہے۔ یعنی امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا۔[2]

ابن ابوحاتم نے ابراہیم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک نبی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی قوم سے یہ کہو کہ جس بستی یا گھر والوں نے اطاعت الٰہی کو چھوڑ کر اس کے بجائے اللہ تعالیٰ کی معصیت کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ بھی انھیں پسندیدہ چیزوں کے بجائے ناپسندیدہ کی طرف پھیر دے گا، پھر فرمایا کہ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں بھی اس طرح موجود ہے: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ ''یقیناً اللہ اس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ بدل دیں اس کو جو ان کے نفسوں میں ہے۔''[3]

---

① صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، حديث:555 عن أبي هريرة رضي الله عنه وصحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حديث:632. ② مسند أحمد:401/1 وصحيح مسلم، صفات المنافقين وأحكامهم، باب تحريش الشيطان......، حديث:2814. ③ تفسير ابن أبي حاتم:2233,2232/7.

هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ

وہی ہے جو تمھیں ڈرانے اور امید دلانے کے لیے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے ⑫ اور (بادل کی) گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح

بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِهَا مَنْ یَّشَآءُ وَهُمْ

پڑھتی ہے، اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے (تسبیح پڑھتے ہیں)۔ اور وہی کڑکتی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جن پر چاہے گراتا ہے، جبکہ وہ اللہ کی

یُجَادِلُوْنَ فِی اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِیْدُ الْمِحَالِ ۭ ⑬

بابت جھگڑ رہے ہوتے ہیں، اور وہ شدید قوت والا ہے ⑬

تفسیر آیات: 13,12

بادل، بجلی اور کڑک اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کرشمہ سازیاں ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے بجلی کو مسخر کیا ہوا ہے، بجلی سے مراد یہاں وہ چمکتی ہوئی روشنی ہے جو بادلوں کے درمیان سے نمودار ہوتی ہے۔ ابن جریر نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوجلد کی طرف لکھ کر ان سے بجلی کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے جواب دیا کہ برق (بجلی) سے مراد پانی ہے۔[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ خَوْفًا وَّطَمَعًا ﴾ ''ڈرانے اور امید دلانے کے لیے۔'' حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ مسافر کے لیے یہ باعث خوف ہے کہ وہ اس کی ایذا اور مشقت سے ڈرتا ہے اور مقیم کے لیے یہ باعث امید ہے کہ وہ اس کی برکت، منفعت اور اللہ سے رزق کی امید رکھتا ہے۔[2] ﴿ وَیُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ ﴾ ''اور بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔'' یعنی انھیں نئے نئے روپ میں پیدا فرماتا ہے اور پانی کی کثرت کی وجہ سے ہی یہ بھاری اور زمین کے قریب ہوتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ بھاری بادل سے مراد وہ بادل ہے جس میں پانی ہو۔[3] ﴿ وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ مِنْ خِیْفَتِهٖ ۚ ﴾ ''اور (بادل کی) گرج اور فرشتے سب اس کے خوف سے اس کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 44:17) ''اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے۔''

امام احمد نے ابراہیم بن سعد سے روایت کیا ہے کہ مجھے میرے والد نے خبر دی کہ میں مسجد میں حمید بن عبدالرحمٰن کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں سے بنوغفار کے ایک خوبرو شیخ کا گزر ہوا اور ان کے کانوں میں کچھ ثقل تھا۔ حمید نے ان کی طرف پیغام بھیجا جب وہ تشریف لے آئے تو حمید نے مجھ سے کہا: برادر زادے! میرے اور اپنے درمیان ان کے لیے جگہ کشادہ کر دو، انھیں رسول اللہ ﷺ سے شرف صحبت حاصل ہے، چنانچہ وہ تشریف لائے تو میرے اور ان کے درمیان بیٹھ گئے تو حمید نے ان سے پوچھا کہ وہ کیا حدیث تھی جو آپ نے مجھے رسول اللہ ﷺ سے بیان کی تھی۔ شیخ نے جواب دیا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ فَیَنْطِقُ أَحْسَنَ النُّطْقِ، وَیَضْحَكُ أَحْسَنَ الضَّحِكِ] ''اللہ تعالیٰ جب بادل کو پیدا فرماتا ہے تو وہ بہت شائستہ انداز میں گفتگو کرتا ہے اور بہت احسن انداز میں ہنستا ہے۔''[4] اس سے مراد

① تفسیر الطبری :162/13۔ ② تفسیر الطبری:162/13۔ ③ تفسیر الطبری:163/13۔ ④ مسند أحمد :435/5 والسلسلة الصحیحة:228/4، حدیث:1665۔

یہ ہے کہ بادلوں کی گفتگو کڑک اور ہنسنا بجلی ہے۔ وَاللّٰہُ أَعْلَمُ. موسیٰ بن عبیدہ نے سعد بن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ بارش کو بھیجتا ہے تو اس سے زیادہ اچھے انداز میں ہنسنے والی اور کوئی چیز نہیں ہوتی اور نہ اس سے زیادہ شائستہ گفتگو کرنے والی کوئی اور چیز ہوتی ہے، اس کا ہنسنا بجلی اور اس کی گفتگو کڑک ہے۔ ①

کڑک کے وقت دعا: امام احمد نے سالم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رعد اور کڑک کی آواز سنتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: [اَللّٰھُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ، وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ، وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ] ''اے اللہ! ہمیں اپنے غضب کے ساتھ قتل نہ کرنا اور اپنے عذاب کے ساتھ ہلاک نہ کرنا اور ہمیں اس سے پہلے عافیت عطا فرما دینا۔'' ② اسے امام ترمذی نے اور امام بخاری نے الأدب المفرد میں، امام نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور امام حاکم نے بھی اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ ③

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ جب کڑک کی آواز سنتے تو گفتگو ترک کر دیتے اور یہ پڑھنا شروع کر دیتے: [سُبْحَانَ الَّذِي يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ] ''پاک ہے وہ ذات کہ رعد اور فرشتے سب جس کے خوف سے اس کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں۔'' آپ فرماتے کہ [إِنَّ هٰذَا لَوَعِيدٌ شَدِيدٌ لِّأَهْلِ الْأَرْضِ] ''یہ گرج اور کڑک درحقیقت اہل زمین کے لیے ایک شدید وعید ہے۔'' اسے امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں اور امام بخاری رحمہ اللہ نے الأدب المفرد میں روایت کیا ہے۔ ④

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارے پروردگار عزوجل نے فرمایا ہے: [لَوْ أَنَّ عِبَادِي أَطَاعُونِي لَأَسْقَيْتُهُمُ الْمَطَرَ بِاللَّيْلِ، وَأَطْلَعْتُ عَلَيْهِمُ الشَّمْسَ بِالنَّهَارِ، وَلَمَا أَسْمَعْتُهُمْ صَوْتَ الرَّعْدِ] ''اگر میرے بندے میری اطاعت کریں تو رات کو میں انھیں بارش کا پانی پلاؤں اور دن کو سورج طلوع کر دوں اور انھیں کڑک کی آواز بھی نہ سناؤں۔'' ⑤ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے، پھر انھیں جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ انھیں بطور سزا بھیجتا ہے اور جس سے چاہتا ہے انتقام لے لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آخر زمانے میں اس کی کثرت ہوگی۔

حافظ ابوالقاسم طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اَربد بن قیس بن جزی بن خالد بن جعفر بن کلاب

---

① العظمة لأبي الشيخ الأصبهاني، ذكر السحاب وصفته:1244/4، رقم:719 مختصراً. ② مسند أحمد:101,100/2.

③ جامع الترمذي، الدعوات، باب مايقول إذا سمع الرعد؟ حديث:3450 و الأدب المفرد، باب الدعاء عند الصّواعق:380/1، حديث:721 و السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، باب مايقول إذا سمع الرعد والصواعق: 230/6، حديث:10764 و المستدرك للحاكم، الأدب:286/4، حديث:7772 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ. یہ حدیث ضعیف ہے۔

④ الموطأ للإمام مالك، الكلام، باب القول إذا سمعت الرعد:470/2، حديث:1920 و الأدب المفرد، باب إذا سمع الرعد:380/1، حديث:723. ⑤ مسند أحمد:359/2 یہ حدیث ضعیف ہے۔

اور عامر بن طفیل بن مالک مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب یہ آئے تو رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے، یہ دونوں آپ کے سامنے بیٹھ گئے، عامر بن طفیل نے عرض کی: اے محمد (ﷺ!) اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَكَ مَا لِلْمُسْلِمِينَ، وَعَلَيْكَ مَا عَلَيْهِمْ، قَالَ عَامِرُ بْنُ الطُّفَيْلِ: أَتَجْعَلُ لِيَ الْأَمْرَ إِنْ أَسْلَمْتُ مِنْ بَعْدِكَ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَيْسَ ذٰلِكَ لَكَ وَلَا لِقَوْمِكَ، وَلٰكِنْ لَّكَ أَعِنَّةُ الْخَيْلِ، قَالَ: أَنَا الْآنَ فِي أَعِنَّةِ خَيْلِ نَجْدٍ، اِجْعَلْ لِّيَ الْوَبَرَ وَلَكَ الْمَدَرَ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَا] ''جو مسلمانوں کے حقوق ہیں وہ تمھارے حقوق ہوں گے اور جو مسلمانوں کے فرائض ہیں وہ تمھارے فرائض ہوں گے۔'' عامر بن طفیل نے کہا کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو کیا زمامِ اقتدار اپنے بعد میرے لیے مقرر کر دیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس (اقتدار) کا تمھیں یا تمھاری قوم کو حق حاصل نہیں ہے۔ ہاں، البتہ گھوڑوں کی لگام تمھارے سپرد ہوگی۔'' اس نے عرض کی کہ نجد کے گھوڑوں کی لگام تو اب بھی میرے پاس ہے، لہٰذا دیہات میرے سپرد کر دیں اور شہر خود رکھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں'' جب یہ دونوں آپ کے پاس سے واپس جانے لگے تو عامر نے کہا: اللہ کی قسم! میں آپ کے مقابلے کے لیے سوار اور پیادہ لوگوں کا ایک لشکر جرار لے کر آؤں گا۔ آپ نے فرمایا: [يَمْنَعُكَ اللّٰهُ] ''اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے باز رکھے۔''

جب اربد اور عامر آپ کے پاس سے چلے گئے تو عامر نے کہا: اربد! میں محمد (ﷺ) کو باتوں میں مصروف کر دوں گا تو تم تلوار سے کام تمام کر دینا، تم جب محمد (ﷺ) کو قتل کر دو گے تو لوگ دیت پر راضی ہو جائیں گے اور وہ جنگ کو ناپسند کریں گے، لہٰذا ہم انھیں دیت دے دیں گے۔ اربد نے کہا کہ میں اس کے لیے تیار ہوں۔ یہ دونوں پھر آپ کے پاس واپس آ گئے۔ عامر نے کہا: محمد (ﷺ!) ذرا اٹھیے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، رسول اللہ ﷺ اٹھ کر اس کے ساتھ ہو گئے اور دونوں ایک دیوار کی طرف گئے، رسول اللہ ﷺ نے جب اس سے گفتگو شروع فرمائی تو اربد نے تلوار کو سونتنا چاہا اور جب اس نے تلوار کے دستے پر ہاتھ رکھا تو تلوار کے دستے پر اس کا ہاتھ سوکھ گیا اور وہ تلوار کو سونت نہ سکا، پس وار کرنے میں اربد نے عامر کو دیر کرائی، رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ اربد کیا کر رہا ہے تو آپ انھیں چھوڑ کر واپس تشریف لے آئے۔

بہرحال اپنی اس سازش کی ناکامی کے بعد یہ آپ کے پاس سے چلے گئے اور جا کر حَرّہ واقم نامی جگہ میں ٹھہر گئے تو سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے اور کہا: بھاگ جاؤ، اے اللہ کے دشمنو! اللہ تم پر لعنت کرے! عامر نے کہا: سعد! یہ کون ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ اُسید بن حُضَیر الکتائب[1] ہیں، یہ دونوں کافر یہاں سے روانہ ہو گئے حتیٰ کہ جب مقام رقم میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے اربد پر کڑک کو بھیجا جس نے اسے قتل کر دیا، عامر بھاگ نکلا اور جب وہ مقام خریم میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جسم پر ایک بہت بڑا پھوڑا پیدا کر دیا، رات اس نے بنی سلول کی ایک عورت کے گھر میں بسر کی، یہ اپنے پھوڑے کو چھوتا اور کہتا تھا کہ یہ پھوڑا تو اونٹ کے غدودوں کی طرح پھولا ہوا ہے اور میں اس سلولیہ عورت کے گھر میں ہوں، وہ ناپسند کرتا تھا کہ اسے اس عورت کے گھر

[1] یہ حضیر کا لقب تھا۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ

اسی کو پکارنا برحق ہے، اور جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ انھیں کسی بات کا جواب نہیں دیتے، مگر جیسے کوئی شخص اپنے دونوں ہاتھ

كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭

پانی کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ میں آ پہنچے، جبکہ وہ اس (کے منہ) تک پہنچنے والا نہیں۔ اور کافروں کی پکار سراسر گمراہی میں ہے ⑭

میں موت آئے، پھر اس نے اپنا گھوڑا نکالا اور اسے دوڑایا مگر ابھی رستے ہی میں تھا کہ مر گیا۔ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے: ﴿ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى ﴾ تا ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ○ ﴾ (الرعد 13:8-11) تک آیات نازل فرمائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے چوکیدار فرشتے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرتے تھے، پھر انھوں نے اربد اور اس کے قتل کا واقعہ ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ ﴾ الآیۃ ''اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے۔''[1] اختصار کے ساتھ یہ حدیث صحیح بخاری میں بھی موجود ہے۔[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ ﴾ ''اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔'' یعنی اس کی عظمت میں شک کرتے ہیں، حالانکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ﴿ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬ ﴾ ''اور وہ بڑی قوت والا ہے۔'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ جو بغاوت اور سرکشی کو اختیار کرے اور اپنے کفر پر اڑا رہے تو وہ اسے اپنے سخت عذاب کی گرفت میں لے لیتا ہے۔[3] یہ آیت حسب ذیل آیت کریمہ کے مشابہ ہے: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ○ ﴾ (النمل 27:50,51) ''اور وہ ایک چال چلے اور ہم بھی ایک چال چلے اور ان کو کچھ خبر ہی نہ ہوئی، پھر آپ دیکھیں کہ ان کی چال کا انجام کیسا ہوا! بلاشبہ ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا۔'' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ﴿ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬ ﴾ کے معنی سخت پکڑنے والے کے ہیں۔[4]

تفسیر آیت:14

مشرکوں کے معبودوں کے عجز کی مثال: حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ ﴿ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ ﴾ ''اسی کو پکارنا برحق ہے'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد توحید ہے۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے فرمایا کہ اس سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

---

① المعجم الکبیر للطبرانی: 313,312/10 ، حدیث: 10760 و الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث عامر بن الطفیل و أربد بن قیس، حدیث: 34 و مجمع الزوائد ، التفسیر ، سورة الرعد: 41/7، حدیث: 11091 یہ حدیث ضعیف ہے۔ ② صحیح البخاری، المغازی ، باب غزوة الرجیع...... ، حدیث: 4091. اس واقعہ سے متعلق جو بات صحیح بخاری میں ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کے سردار عامر بن طفیل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین صورتیں رکھی تھیں: (1) دیہاتی آبادی پر آپ کا کنٹرول ہو اور شہری آبادی پر میرا۔ (2) آپ کے بعد میں خلیفہ ہوں گا۔ (3) نہیں تو ہزاروں غطفانیوں کو لے کر آپ کے ساتھ لڑوں گا، پھر عامر کو ام فلاں کے گھر طاعون کی بیماری لاحق ہوگئی، گھر جانے کے لیے گھوڑے پر سوار ہوا اور گھوڑے کی پشت پر مر گیا۔ اتنی بات صحیح بخاری کے حوالے سے ثابت ہے۔ طبرانی کی روایت میں راوی عبدالعزیز بن عمران ضعیف ہے۔ ③ تفسیر الطبری: 166/13. ④ تفسیر الطبری: 167/13. ⑤ تفسیر الطبری: 169/13.

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ⑮ السجدة

اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے، خوشی سے اور ناخوشی سے، اور ان کے سائے بھی صبح اور شام (سجدہ کرتے ہیں) ⑮

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دیجیے: اللہ! (اور) کہیے: پھر کیا تم نے اللہ کے سوا (ایسے) حمایتی بنا رکھے ہیں جو خود

لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ

اپنے نفع نقصان کے بھی مالک نہیں۔ کہہ دیجیے: کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہو سکتے ہیں؟ یا کیا اندھیرے اور روشنی برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا

هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ

انھوں نے اللہ کے لیے (ایسے) شریک ٹھہرا رکھے ہیں (کہ) انھوں نے اللہ کی مخلوق جیسی کوئی مخلوق بنائی ہے، پھر وہ مخلوق ان پر مشتبہ ہوگئی ہے؟

الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

کہہ دیجیے: اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یکتا ہے، نہایت غالب ⑯

ہے۔[1] اور مالک نے بھی محمد بن منکدر رحمہ اللہ سے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ﴾ ’’اور جن کو یہ لوگ اس کے سوا پکارتے ہیں۔‘‘ یعنی ان لوگوں کی مثال جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہیں، ﴿كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ﴾ ’’اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ (دور ہی سے) اس کے منہ تک آ پہنچے۔‘‘ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو اپنے ہاتھ سے کنویں کے کنارے سے پانی لینا چاہے، حالانکہ وہ اپنے ہاتھ سے کبھی پانی حاصل نہیں کر سکتا جب پانی حاصل نہیں کر سکتا تو وہ اس کے منہ تک کیسے پہنچ سکتا ہے![2] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنی زبان سے پانی کو پکارے اور اس کی طرف اشارہ کرے تو وہ اس کے پاس کبھی نہیں آ سکتا۔[3] اس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے پانی کی طرف اپنے ہاتھ کو پھیلایا تو جس طرح وہ اس پانی سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتا جو اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا جو کہ پینے کا مقام ہے، اسی طرح ان مشرکوں کی مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا غیر کی پوجا کرتے ہیں تو وہ کبھی بھی دنیا و آخرت میں ان سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے، اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ⑭﴾ ’’اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بے کار ہی تو ہے۔‘‘

تفسیر آیت: 15

ہر چیز اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے: یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت و سلطنت کا ذکر فرمایا ہے، اس نے ہر چیز کو مغلوب کر رکھا ہے، ہر چیز اس کے تابع فرمان ہے، ہر چیز اس کے سامنے سجدہ ریز ہے، مومن خوشی سے اور کافر ناخوشی و مجبوری سے اسے سجدہ کرتے ہیں۔ ﴿وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ⑮﴾ ’’اور ان کے سائے بھی صبح شام (سجدے کرتے ہیں۔)‘‘ ﴿بِالْغُدُوِّ﴾ کے معنی صبح کے ہیں اور ﴿وَالْاٰصَالِ ⑮﴾ أَصِيلٌ کی جمع ہے، اس سے مراد دن کا آخری حصہ، یعنی شام ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿اَوَلَمْ

---

[1] تفسیر الطبری: 169/13. [2] تفسیر الطبری: 170/13. [3] تفسیر الطبری: 170/13.

یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَ الشَّمَآىِٕلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ○﴾ (النحل 16:48) ''کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں عجز وانکسار کرتے ہوئے؟''

تفسیر آیت:16

توحید باری تعالیٰ کا اثبات: اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اثبات فرمایا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں کیونکہ وہ لوگ اس بات کا تو اعتراف کرتے تھے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہی ان کا مالک اور مدبر ہے لیکن اس کے باوجود یہ لوگ اللہ کے سوا اپنے اولیاء کی عبادت کرتے تھے، حالانکہ وہ اولیاء خود اپنے کسی نفع ونقصان کے مالک نہیں، اپنی عبادت کرنے والوں کے نفع ونقصان کے مالک کس طرح ہوں گے! تو کیا جو شخص ان معبودان باطلہ کی عبادت کرے، یہ اور وہ برابر ہو سکتے ہیں جو اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرے اور وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہو! اس لیے فرمایا: ﴿ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَ الْبَصِیْرُ ۙ۬ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَ النُّوْرُ ۚ۬ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَیْهِمْ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے: کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں؟ یا اندھیرا اور اجالا برابر ہوسکتا ہے؟ بھلا ان لوگوں نے جن کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے، کیا انھوں نے اللہ کی سی مخلوق پیدا کی ہے، پھر وہ مخلوق ان پر مشتبہ ہوگئی ہے؟''

یعنی کیا ان مشرکوں نے اللہ کے ساتھ اور معبود بنا رکھے ہیں جو پیدا کرنے کے اعتبار سے رب تعالیٰ جیسے اور اس کے مثل ہیں اور انھوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسی مخلوق پیدا کی ہے جس کی وجہ سے مخلوق میں ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت پیدا ہوگئی ہے جس کی وجہ سے انھیں یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق کون سی ہے اور ان معبودان باطلہ کی پیدا کردہ مخلوق کون سی ہے۔ حالانکہ امر واقع اس طرح نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ کے مشابہ نہیں ہے، نہ کوئی چیز اس کے مثل یا اس کے برابر ہے، نہ کوئی اس کا وزیر ہے نہ بیٹا اور نہ بیوی، اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ان مشرکوں کی باتوں سے بہت بلند و بالا اور ارفع واعلیٰ ہے۔ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ دیگر معبودوں کی بھی عبادت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ خود بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور یہ اس کے بندے ہیں لیکن اس کے باوجود یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں بھی کہا کرتے تھے: لَبَّیْكَ لَا شَرِیكَ لَكَ...... إِلَّا شَرِیكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ ''میں حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں...... مگر وہ جسے تو اپنے ساتھ شریک کرے اور تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی تو ہی مالک ہے۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ کہا کرتے تھے: ﴿ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی ؕ﴾ (الزمر 39:3) ''ہم ان کو اس لیے پوجتے ہیں تاکہ ہمیں اللہ کا زیادہ مقرب بنا دیں۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتقاد کی تردید کرتے ہوئے فرمایا

---

[1] صحیح مسلم، الحج، باب التلبیة وصفتها......، حدیث:1185 عن ابن عباس ﷠.

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا

اس (اللہ) نے آسمان سے پانی نازل کیا، تو ندی نالے اپنی اپنی گنجائش کے مطابق بہ نکلے، پھر سیلاب ابھرا ہوا جھاگ اوپر لے آیا۔ اور ان

يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ

(دھاتوں) میں سے بھی جنھیں زیور یا سامان بنانے کے لیے آگ میں تپاتے ہیں، اسی طرح کا جھاگ (اٹھتا) ہے۔ اللہ اسی طرح

الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ۬ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

حق اور باطل (کی مثال) بیان کرتا ہے۔ چنانچہ جو جھاگ ہے وہ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے، اور جو چیز انسانوں کو فائدہ دیتی ہے سو وہ

الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ﴿17﴾

زمین میں باقی رہتی ہے۔ اللہ اسی طرح مثالیں بیان کرتا ہے ﴿17﴾

ہے کہ اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کرسکتا: ﴿ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ ﴾ (سبا 23:34) ”اور اللہ کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔“

اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ○ ﴾ (النجم 26:53) ”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لیے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ○ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ○ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ○ ﴾ (مریم 19:93-95) ”تمام لوگ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو غلام بن کر آئیں گے۔ اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔“

جب سب کے سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں تو انھوں نے ایک دوسرے کی بندگی دلیل و برہان کے بغیر کیوں کی؟ بلکہ محض رائے سے کی اور اسے از خود اپنی طرف سے گھڑ لیا اور ایجاد کر لیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف جس قدر بھی انبیائے کرام مبعوث فرمائے تو اگلے پچھلے تمام نبیوں نے غیر اللہ کی عبادت سے منع کیا مگر انھوں نے انبیائے کرام کی مخالفت اور تکذیب کی جس کی وجہ سے یہ عذاب الٰہی کے مستحق قرار پا گئے اور بالآخر عذاب الٰہی نے انھیں اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ○ ﴾ (الکہف 49:18) ”اور آپ کا پروردگار کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“

تفسیر آیت: 17

حق کے باقی رہنے اور باطل کے فنا ہونے کی دو مثالیں: یہ آیت کریمہ دو ایسی مثالوں پر مشتمل ہے جو حق کے ثابت اور باقی رہنے اور باطل کے مضمحل اور فنا ہو جانے کے بارے میں بیان کی گئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا ﴾ ”اس نے آسمان سے مینہ برسایا، پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہ نکلے۔“ یعنی ہر نالے نے اپنے اندازے کے مطابق پانی لے لیا۔ ایک نالا بڑا ہوتا ہے تو اس میں پانی کی بہت بڑی مقدار سما جاتی ہے اور دوسرا

چھوٹا ہوتا ہے تو اس میں پانی اس کے بقدر سماتا ہے، یہ دلوں اور ان کے تفاوت کی طرف اشارہ ہے کہ کچھ دلوں میں بہت زیادہ علم سما جاتا ہے اور کچھ دل اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان میں زیادہ علم نہیں سما سکتا۔ ﴿ فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ﴾ ''پھر اٹھالیا سیلاب نے ابھرا ہوا جھاگ۔'' یعنی وہ پانی جو ان نالوں میں بہ رہا تھا اس پر جھاگ آ گیا، یہ ایک مثال ہے۔

اور دوسری مثال یہ ہے: ﴿ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ﴾ ''اور جس چیز کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کے لیے آگ میں پگھلاتے ہیں، اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔'' یعنی آگ میں سونا یا چاندی کو زیور بنانے کے لیے پگھلایا جاتا ہے، اسی طرح پیتل اور لوہے سے بھی زیورات یا اور سامان بنائے جاتے ہیں تو اس پر بھی اسی طرح جھاگ آ جاتا ہے جس طرح پانی پر جھاگ آتا ہے، ﴿ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ﴾ ''اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے۔'' یعنی جب حق و باطل دونوں جمع ہوں تو باطل کے لیے کوئی دوام وثبات نہیں ہے جس طرح کہ جھاگ نہ پانی کے ساتھ ٹھہرتا ہے اور نہ سونے، چاندی اور ان چیزوں کے ساتھ جنھیں آگ میں تپایا جاتا ہے بلکہ جھاگ مضمحل ہو کر ختم ہو جاتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ﴾ ''چنانچہ جو جھاگ ہے وہ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے۔'' اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ متفرق اور منتشر ہو کر نالے کے دونوں طرف چلا جاتا ہے یا درختوں کے ساتھ لگ جاتا ہے یا ہوائیں اسے اڑا کر ادھر ادھر پھینک دیتی ہیں، اسی طرح سونے، چاندی، لوہے اور پیتل وغیرہ کا میل کچیل بھی ختم ہو کر رہ جاتا ہے اور اس میں کوئی چیز باقی نہیں بچتی، باقی صرف پانی یا سونا چاندی بچتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ ﴾ ''اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ تو زمین میں ٹھہرا رہتا ہے، اسی طرح اللہ (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے (تا کہ تم سمجھو۔)'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۖ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴾ (العنکبوت 43:29) ''اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لیے بیان کرتے ہیں اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔'' بعض سلف سے منقول ہے کہ میں جب قرآن مجید کی کوئی مثال پڑھتا ہوں اور اسے سمجھتا نہیں تو رونا شروع کر دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے اہل علم ہی سمجھتے ہیں اور مثال نہ سمجھنے کی صورت میں گویا میں اہل علم میں سے نہیں ہوں۔

علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ پس دلوں نے اس سے اپنے یقین وشک کی مقدار کے مطابق حاصل کیا، مگر شک کی وجہ سے شک کرنے والوں کو عمل کوئی فائدہ نہیں دیتا جبکہ یقین کے ساتھ ضرور فائدہ حاصل ہوتا ہے جیسا کہ فرمان: ﴿ فَأَمَّا الزَّبَدُ ﴾ ''چنانچہ جھاگ'' یعنی شک ﴿ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ﴾ ''تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔'' یعنی یقین باقی رہتا ہے جس طرح زیورات کو جب آگ میں ڈالا جاتا ہے تو خالص سونے کو لے لیا جاتا ہے اور میل کچیل کو آگ میں چھوڑ دیا

جاتا ہے،اسی طرح اللہ تعالیٰ یقین کو قبول فرمالیتا اور شک کو ترک کر دیتا ہے۔[1]

پانی اور آگ کی مثالیں کتاب وسنت میں موجود ہیں: اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کے آغاز میں بھی منافقوں کے لیے آگ اور پانی کی دو مثالیں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ......﴾ الآیة (البقرة2:17) ''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے (شب تاریک میں) آگ جلائی، جب آگ نے اس کے اردگرد کی چیزیں روشن کیں......'' پھر پانی کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ......﴾ الآیة (البقرة2:19) ''یا ان کی مثال بارش کی سی ہے کہ آسمان سے (برس رہی ہو اور) اس میں اندھیرے پر اندھیرا چھا رہا ہو اور (بادل کی) گرج ہو اور بجلی (کوند رہی) ہو......'' اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ......﴾ الآیة (النور24:39) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے سراب (چمکتی ریت)......'' اور سراب سخت گرمی میں ہوتا ہے۔

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ قیامت کے دن یہودیوں سے کہا جائے گا کہ تم کیا جانتے ہو۔ وہ جواب دیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم بہت پیاسے ہیں تو ہمیں پانی پلا دے تو کہا جائے گا کہ تم پانی پینے کے لیے جاتے کیوں نہیں۔ وہ جہنم کی آگ پر آئیں گے جو سراب کی طرح معلوم ہوگی لیکن درحقیقت آگ، آگ ہی کو کھا رہی ہوگی۔[2] پھر اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور میں دوسری مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ......﴾ الآیة (النور24:40) ''یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے......''

صحیح بخاری ومسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ مَثَلَ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بِهٖ مِنَ الْهُدٰى وَالْعِلْمِ، كَمَثَلِ غَيْثٍ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَتْ مِنْهَا طَائِفَةٌ طَيِّبَةٌ، قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الْكَلَأَ وَالْعُشْبَ الْكَثِيرَ، وَكَانَ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ، فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا مِنْهَا، وَسَقَوْا،وَرَعَوْا، (وَزَرَعُوا)، وَأَصَابَ طَائِفَةً مِّنْهَا أُخْرٰى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَّا تُمْسِكُ مَاءً وَّلَا تُنْبِتُ كَلَأً فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقُهَ فِي دِينِ اللّٰهِ، وَنَفَعَهُ اللّٰهُ بِمَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ، فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَّمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَّلَمْ يَقْبَلْ هُدَى اللّٰهِ الَّذِي أُرْسِلْتُ بِهٖ]

''اس ہدایت اور علم کی مثال جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا ہے اس بارش کے مانند ہے جو کسی زمین پر برسی، اس کا ایک حصہ عمدہ تھا، اس نے پانی کو اپنے اندر جذب کیا اور گھاس اور دیگر جڑی بوٹیاں اگائیں، اور اس کا ایک حصہ سخت تھا اس نے پانی

---

[1] تفسیر الطبری:177/13. [2] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۚ﴾ (القیٰمة75:22,23)، حدیث:7439 و صحیح مسلم، الإیمان ، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث:183 عن أبی سعید رضی اللہ عنہ و اللفظ له.

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى

جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا، ان کے لیے بھلائی ہے۔ اور جنھوں نے اس کا حکم نہ مانا، بلاشبہ اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو

الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَا فْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬

زمین میں ہے اور اسی کی مثل اس کے ساتھ (اور بھی) تو وہ ضرور اسے فدیے میں دے دیں۔ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لیے برا حساب

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿18﴾

ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ﴿18﴾

کو اکٹھا کر لیا تو اس کے ذریعے سے اللہ نے لوگوں کو نفع دیا، انھوں نے خود بھی پیا، جانوروں کو بھی پلایا اور کھیتوں کو سیراب کیا اور وہ بارش زمین کے ایک اور حصے کو بھی پہنچی جو چٹیل تھا جس نے پانی اکٹھا کیا نہ کوئی گھاس اگائی، بس یہی مثال اس شخص کی ہے جس نے دین میں سمجھ حاصل کی اور اس ہدایت سے اللہ نے اسے نفع پہنچایا جس کے ساتھ اللہ نے مجھے بھیجا، پس اس نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی سکھلایا اور اس شخص کی بھی یہی مثال ہے جس نے اس کی طرف سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا اور نہ اللہ کی اس ہدایت کو قبول کیا جس کے ساتھ اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''[1] اور ایک دوسری حدیث میں ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[مَثَلِی کَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَوْقَدَ نَارًا، فَلَمَّا أَضَاءَ تْ مَا حَوْلَهَا، جَعَلَ الْفَرَاشُ وَهٰذِهِ الدَّوَابُّ الَّتِی (تَقَفِزُ) فِی النَّارِ یَقَعْنَ فِیهَا، وَجَعَلَ یَحْجِزُهُنَّ وَیَغْلِبْنَهُ فَتَتَقَحَّمُ فِیهَا، قَالَ: فَذٰلِكُمْ مَّثَلِی وَمَثَلُكُمْ، أَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ عَنِ النَّارِ، هَلُمَّ فَتَغْلِبُونِی، تَقْتَحِمُونَ فِیهَا]

''میری مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی اور جب اس نے اپنے اردگرد کو روشن کر دیا تو پروانوں اور ان جانوروں نے جو آگ میں گرتے ہیں، اس آگ میں گرنا شروع کر دیا اور اس نے ان کو روکنا شروع کر دیا مگر یہ اس پر غالب آ کر اسی آگ میں گر رہے ہیں، فرمایا: یہ ہے میری اور تمھاری مثال، میں تمھیں کمروں سے پکڑ کر آگ سے دور ہٹا رہا ہوں کہ تم آگ سے اس طرف آ کر بچ جاؤ، تم آگ سے اس طرف آ کر بچ جاؤ مگر تم مجھ پر غالب آ کر اس میں گر رہے ہو۔''[2] یہ آگ والی مثال ہے۔

تفسیر آیت: 18

خوش بختوں اور بدبختوں کی جزا: اللہ تعالیٰ نے سعادت مندوں اور بدبختوں کے انجام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

[1] صحیح البخاری، العلم، باب فضل من علم و علم، حدیث: 79 و صحیح مسلم، الفضائل، باب بیان مثل مابعث النبی ﷺ من الهدی و العلم، حدیث: 2282 و اللفظ له البتہ قوسین والا لفظ بخاری کے مطابق ہے۔ [2] مسند أحمد: 312/2 و صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قول اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ؕ ....﴾ (صٓ 38:30)......، حدیث: 3426 مختصراً و صحیح مسلم، الفضائل، باب شفقته ﷺ علی أمته......، حدیث: (18)-2284.

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

کیا پھر وہ شخص جو جانتا ہے کہ یقیناً جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہی حق ہے، وہ اس شخص کے مانند (ہوسکتا) ہے جو

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿19﴾

اندھا ہے؟ بس عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں ﴿19﴾

﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ ﴾ ''جن لوگوں نے اللہ (کے حکم) کو قبول کیا۔'' یعنی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی، اس کے احکام کو تسلیم کیا اور ماضی اور مستقبل کی خبروں کی تصدیق کی تو ان کے لیے ﴿ الْحُسْنٰى ؕ ﴾ ''بھلائی ہے۔'' اور وہ اچھی جزا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ذوالقرنین نے کہا تھا: ﴿ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ؕ ﴾ (الکھف 88,87:18) ''جو (کفر و بدکرداری سے) ظلم کرے گا اسے ہم عذاب دیں گے، پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بڑا عذاب دے گا۔ اور جو ایمان لائے گا، اور عمل نیک کرے گا اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی نہیں کریں گے بلکہ) اس کے لیے آسانی کا حکم دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ ﴾ (یونس 26:10) ''جن لوگوں نے نیکوکاری کی ان کے لیے بھلائی ہے اور (اس کے علاوہ) مزید بھی۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ ﴾ ''اور جن لوگوں نے اس کو قبول نہ کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی، ﴿ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ ''اگر روئے زمین کے سب خزانے ان کے اختیار میں ہوں۔'' یعنی آخرت میں، اور ان کے لیے یہ ممکن ہو کہ وہ اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے زمین بھر کر سونا دے دیں اور اس قدر اور بھی دے دیں تو وہ ان سے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن کوئی فرض یا نفل قبول نہیں کرے گا، ﴿ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ ﴾ ''ایسے ہی لوگوں کا حساب برا ہوگا۔'' یعنی آخرت میں، اور ان سے چھوٹی بڑی ہر چیز کا حساب لیا جائے گا [وَمَنْ نُوقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ] ''اور جس سے حساب لیا گیا تو اسے عذاب دیا جائے گا۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿18﴾ ﴾ ''اور ان کا ٹھکانا بھی دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔''

تفسیر آیت:19

مومن اور کافر برابر نہیں ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ شخص برابر نہیں ہوسکتا جو یہ جانتا ہے کہ ﴿ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ''جو کچھ آپ پر نازل ہوا ہے۔'' اے محمد (ﷺ!) ﴿ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ ''آپ کے پروردگار کی طرف سے۔'' وہ حق ہے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں اور نہ اس میں کوئی اختلاط یا اختلاف ہے بلکہ قرآن سراپا حق ہے، اس کا ایک مقام دوسرے کی تصدیق کرتا ہے، اس میں کوئی تضاد نہیں، اس میں بیان کی گئی تمام خبریں حق ہیں اور اس کے تمام اوامر و نواہی مبنی بر عدل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ ﴾ (الأنعام 115:6) ''اور آپ کے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف

اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿20﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے ﴿20﴾ اور جو جوڑتے ہیں وہ چیز جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا، اور وہ

يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿21﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے گھبراتے ہیں ﴿21﴾ اور جنھوں نے اپنے رب کے چہرے کی طلب کے لیے صبر کیا

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

اور نماز قائم کی اور ہمارے دیے رزق میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور خرچ پر کیا اور وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، انھی لوگوں کے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿22﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ

لیے آخرت کا گھر ہے ﴿22﴾ جو کہ ہمیشہ کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے، اور وہ بھی جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿23﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا

اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوئے۔ اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے ﴿23﴾ (اور کہیں گے:) تم پر

صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿24﴾

سلام ہو، اس لیے کہ تم نے صبر کیا، لہٰذا آخرت کا گھر بہت خوب ہے ﴿24﴾

میں پوری ہیں۔'' یعنی یہ خبر دینے کے اعتبار سے سچی ہیں اور احکام و مسائل کے اعتبار سے مبنی بر عدل ہیں، لہٰذا اے محمد (ﷺ!) وہ شخص جسے یقین ہو کہ آپ جو لائے ہیں وہ حق سچ ہے اور دوسرا وہ شخص جو اندھا ہو برابر نہیں ہو سکتے، جو خیر و بھلائی کی طرف رستہ نہ پائے اور نہ اسے سمجھے اور اگر سمجھ بھی لے تو اسے نہ مانے، نہ اس کی تصدیق کرے اور نہ اس کی اتباع کرے جیسا کہ فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ (الحشر 20:59) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ﴾ ''بھلا جو شخص جانتا ہے کہ جو کچھ آپ کے پروردگار کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے حق ہے، وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے۔'' یعنی کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿19﴾﴾ ''اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں۔'' یعنی وعظ و نصیحت اور عبرت وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جو صحیح اور سلیم عقلوں کے مالک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں سے بنا دے۔

تفسیر آیات: 20-24

سعادت مندوں کے وہ اوصاف جو جنت میں پہنچا دیتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں تو ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے، یعنی دنیا و آخرت میں ان کا انجام اچھا ہوگا اور انھیں فتح و نصرت بھی حاصل ہوگی: ﴿اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿20﴾﴾ ''جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پختہ وعدہ نہیں توڑتے۔'' یعنی وہ منافقوں کی طرح نہیں ہیں کہ عہد و پیمان کر کے توڑ دیں، جب لڑائی جھگڑا کریں تو گالیاں دیں، بات کریں تو جھوٹ بولیں

اور جب ان کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کریں۔[1] ﴿ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ ''اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے ہیں۔'' یعنی رشتے داروں سے صلہ رحمی کرتے اور ان سے اور فقیروں اور محتاجوں سے نیکی و احسان کا معاملہ کرتے ہیں۔ ﴿ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ﴾ ''اور وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں۔'' یعنی اعمال کے کرنے یا نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف کو پیش نظر رکھتے اور آخرت میں برے حساب سے ڈرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنے تمام چھوٹے بڑے حالات اور تمام حرکات و سکنات میں درستگی و استقامت کو اختیار کیے رکھیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ﴾ ''اور جو لوگ پروردگار کا چہرہ حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا، خوشنودی اور اس سے بے پایاں اجر و ثواب حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو حرام اور گناہ کے کاموں سے بچاتے ہیں۔ ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ''اور وہ نماز قائم کرتے ہیں۔'' شریعت کے مقرر کردہ پسندیدہ طریقے کے مطابق نماز کو حدود اور اوقات کی پابندی کے ساتھ رکوع و سجود کو احسن انداز میں سرانجام دیتے ہوئے نہایت خشوع و خضوع سے نماز پڑھتے ہیں۔ ﴿ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ ''اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی ان لوگوں پر جن پر خرچ کرنا واجب ہے، مثلاً: بیویاں، قرابت دار اور اجنبی فقراء و مساکین اور حاجت مند لوگ۔ ﴿ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً ﴾ ''پوشیدہ اور ظاہر۔'' یعنی خفیہ اور اعلانیہ طور پر ہر حالت میں اور دن رات کی ہر گھڑی میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔

﴿ وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ﴾ ''اور نیکی سے برائی کو دور کرتے ہیں۔'' برائی کا اچھائی سے مقابلہ کرتے ہیں اگر کوئی انھیں تکلیف پہنچائے تو اسے برداشت کرتے ہوئے صبر جمیل کا مظاہرہ کرتے اور انھیں معاف کر دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:34,35) ''سخت کلامی کا ایسے طریق سے جواب دیں جو بہت اچھا ہو، ایسا کرنے سے آپ دیکھیں گے کہ یکایک وہ شخص کہ آپ کے اور اس کے درمیان دشمنی ہے وہ (ایسا ہو جائے گا) جیسے جگری دوست ہو۔ اور یہ بات انھی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرنے والے ہیں اور انھی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحبِ نصیب ہیں۔'' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سعادت مند اور صفات حسنہ سے اتصاف پذیر اپنے بندوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے لیے عاقبت کا گھر ہے اور اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ''ہمیشہ رہنے کے باغات۔'' ﴿ عَدْنٍ ﴾ کے معنی اقامت کے ہیں، یعنی ان کے لیے اقامت کے ایسے باغات ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ﴾ ''اور ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں

[1] منافقوں کی ان علامتوں کے متعلق دیکھیں صحیح البخاري، الإیمان، باب علامات المنافق، حدیث:34,33 و صحیح مسلم، الإیمان، باب خصال المنافق، حدیث:59,58 .

سے جونیکو کار ہوں گے وہ بھی (بہشت میں جائیں گے۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے ان پیارے باپ دادا، اہل وعیال اور بیٹوں کو جنت میں جمع کر دے گا جو مومن اور جنت میں داخل ہونے کے اہل ہوں گے تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ لطف و کرم اور احسان فرماتے ہوئے ادنیٰ درجے کے جنتیوں کو اعلیٰ درجے کے جنتیوں کے ساتھ یکجا کر دے گا اور یہ نہیں کرے گا کہ اعلیٰ درجے کے جنتیوں کو ادنیٰ درجے کے جنتیوں کے ساتھ ملا دے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ (الطور 52:21) ''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی (راہ) ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے درجے تک پہنچا دیں گے اور ہم ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ ﴾

''اور فرشتے (بہشت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو (یہ) تمھاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے، لہٰذا عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔'' یعنی ان کے پاس فرشتے یہاں اور وہاں ہر جگہ سے آئیں گے اور جنت میں داخل ہونے کی مبارک باد دیں گے، یعنی جوں ہی وہ جنت میں داخل ہوں گے تو فرشتے ان کے پاس آئیں گے، انھیں سلام کہیں گے اور اس بات پر مبارک باد پیش کریں گے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقرب و انعام اور دار السلام میں صدیقین اور انبیاء و مرسلین عظام کے جوار میں جگہ عطا فرمائی۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هَلْ تَدْرُونَ أَوَّلَ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ؟] ''کیا تم جانتے ہو کہ اللہ کی مخلوق میں سب سے پہلے جنت میں کون داخل ہوگا۔'' صحابۂ کرام نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

[أَوَّلُ مَنْ يَّدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ الْفُقَرَاءُ الْمُهَاجِرُونَ الَّذِينَ تُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ، وَيُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ، وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ، لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً، فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ مَّلَائِكَتِهِ: اِئْتُوهُمْ فَحَيُّوهُمْ، فَتَقُولُ الْمَلَائِكَةُ: نَحْنُ سُكَّانُ سَمَائِكَ، وَخِيَرَتُكَ مِنْ خَلْقِكَ، أَفَتَأْمُرُنَا أَنْ نَّأْتِيَ هٰؤُلَاءِ فَنُسَلِّمَ عَلَيْهِمْ؟ قَالَ: إِنَّهُمْ كَانُوا عِبَادًا يَّعْبُدُونِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا، وَّتُسَدُّ بِهِمُ الثُّغُورُ، وَيُتَّقٰى بِهِمُ الْمَكَارِهُ، وَيَمُوتُ أَحَدُهُمْ وَحَاجَتُهُ فِي صَدْرِهِ، لَا يَسْتَطِيعُ لَهَا قَضَاءً۔ قَالَ: فَيَأْتِيهِمُ الْمَلَائِكَةُ عِنْدَ ذٰلِكَ فَيَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ]

''اللہ کی مخلوق میں سے سب سے پہلے جنت میں وہ فقراء اور مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی اور ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا ہے اور ان میں سے جب کوئی فوت ہوتا ہے تو اس کی حاجت و ضرورت اس کے سینے ہی میں رہ جاتی ہے کہ اسے اس کے پورا کرنے کی استطاعت ہی نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے کہ ان کے پاس جاؤ اور انھیں سلام کہو تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہم تیرے آسمان کے رہنے والے ہیں اور تیری مخلوق میں سے چنے ہوئے ہیں

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

اور جو لوگ اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور وہ چیز قطع کرتے ہیں جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا، اور وہ زمین

يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿25﴾

میں فساد کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے (آخرت کا) بہت برا گھر ہے ﴿25﴾

لیکن تیرا حکم یہ ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور انھیں سلام کہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ہاں، اس لیے کہ یہ ایسے بندے تھے جو میری عبادت کرتے تھے اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں بناتے تھے، ان کے ساتھ سرحدوں کی حفاظت کی جاتی اور ناپسندیدہ امور سے بچا جاتا تھا، ان میں سے جب کوئی فوت ہوتا تو اس کی حاجت وضرورت اس کے سینے ہی میں ہوتی تھی اور وہ اسے پورا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا، اس فرمان باری تعالیٰ کے سننے کے بعد فرشتے ان کے پاس ہر دروازے سے آتے اور کہتے ہیں: ﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿24﴾﴾ ''تم پر سلام ہو (یہ) تمھاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔''[1]

تفسیر آیت: 25

بدبختوں کے اعمال اور انجام: اب بدبختوں کے حالات، صفات اور آخرت میں ان کے انجام کو بیان کیا جا رہا ہے جو مومنوں کے انجام کے خلاف ہے کیونکہ دنیا میں ان کے اعمال مومنوں کے اعمال کے خلاف تھے، اس لیے کہ مومن تو اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے تھے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ان کو جوڑے رکھتے تھے اور یہ لوگ ان کے برعکس ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اللہ سے عہد واثق کر کے اس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے ان کو قطع کر دیتے اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔'' جیسا کہ حدیث میں بھی ہے: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا ائْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''[2] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ] ''جب عہد کرے تو اسے توڑ ڈالے اور جب لڑائی جھگڑا کرے تو گالیاں دے۔''[3]

اسی لیے فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ﴾ ''انھی لوگوں کے لیے لعنت ہے۔'' لعنت کے معنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کے ہیں، ﴿وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿25﴾﴾ ''اور ان کے لیے برا گھر ہے۔'' یعنی ان کی عاقبت بھی بری اور ان کا انجام بھی برا ہے، ﴿وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ (الرعد 18:13) ''اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

---

[1] مسند أحمد: 168/2. [2] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 59 عن أبي هريرة ﷺ. [3] صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 34 و صحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 58 عن عبدالله بن عمرو ﷺ.

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿26﴾

اللہ جسے چاہے کھلا رزق دیتا ہے اور (جسے چاہے) تنگ کر دیتا ہے۔ اور وہ (کافر) دنیا کی زندگی پر اِتراتے ہیں، حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کی نسبت (حقیر) متاع ہی تو ہے﴿26﴾

تفسیر آیت:26

رزق کی کشادگی اور تنگی اللہ کے ہاتھ میں ہے: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا ہے کہ وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں فراخی عطا فرما دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے رزق میں تنگی پیدا کر دیتا ہے اور اس کے لیے یہ سارے فیصلے حکمت وعدل پر مبنی ہوتے ہیں اور ان کفار کا دنیوی زندگی کے مال واسباب پر خوش ہونا اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں مہلت دے رکھی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون 23:55,56) ''کیا وہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔ (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ وہ سمجھتے ہی نہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کی زندگی کو اس کے مقابلے میں جو اس نے اپنے مومن بندوں کے لیے آخرت میں تیار فرما رکھا ہے، حقیر قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝﴾ ''حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں تھوڑا سا فائدہ ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝﴾ (النسآء 4:77) ''کہہ دیجیے کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کے لیے (نجاتِ) آخرت ہے اور تم پر (کھجور کی گٹھلی کے) دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝﴾ (الأعلى 87:16,17) ''بلکہ تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔''

امام احمد نے بنو فہر کے فرد مستورد سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا كَمِثْلِ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ هٰذِهِ فِي الْيَمِّ، فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ ؟] ''دنیا آخرت کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی اس انگلی کو سمندر میں داخل کرے، پھر دیکھے کہ اس کے ساتھ کتنا پانی لگتا ہے'' یہ کہتے ہوئے آپ نے اپنی انگشت شہادت کی طرف اشارہ فرمایا۔[1] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا بکری کے ایک چھوٹے کانوں والے مردہ بچے کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے فرمایا: [فَوَاللّٰهِ! لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ، مِنْ هٰذَا (عَلٰى أَهْلِهِ حِينَ أَلْقَوْهُ)] ''اللہ کی قسم! دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ حقیر ہے جس قدر یہ اپنے مالکوں

① مسند أحمد: 4/228,229. ② صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب فناء الدنيا، وبيان الحشر يوم القيامة،

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

اور کافر کہتے ہیں: اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی (بڑی) نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟ کہہ دیجیے: بے شک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿27﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ

اور اس شخص کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو رجوع کرے ﴿27﴾ جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان پاتے ہیں،

اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿28﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴿29﴾

آگاہ رہو! اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں ﴿28﴾ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے ﴿29﴾

کے نزدیک حقیر تھی جب انھوں نے اسے پھینکا۔''[1]

تفسیر آیات: 27-29

مشرکین کا نشانیوں کا مطالبہ اور اس کا جواب: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ مشرکوں نے کہا: ﴿لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ﴾ ''اس (پیغمبر) پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں نازل کی گئی؟'' جیسا کہ انھوں نے کہا: ﴿فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴾ (الأنبیآء 5:21) ''تو جیسے پہلے پیغمبر نشانیاں دے کر بھیجے گئے تھے (اسی طرح) یہ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائے۔'' اس بارے میں قبل ازیں کئی دفعہ گفتگو ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے مطالبے کو پورا کرنے پر قادر ہے۔[2]

حدیث میں ہے کہ جب کفار مکہ نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ صفا کو سونے کا بنا دیں یا چشمے جاری کر دیں یا مکہ کے اردگرد سے پہاڑوں کو ہٹا دیں تاکہ وہ اس میں کھیتی باڑی کریں تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے محمد (ﷺ!) اگر آپ چاہیں تو ان کے ان تمام مطالبات کو پورا کر دیا جائے، پھر اگر انھوں نے کفر ہی کو اختیار کیا تو انھیں ایسا عبرت ناک عذاب دیا جائے گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دیا گیا ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازے کو کھلا رکھا جائے تو آپ نے اس کے جواب میں کہا: [بَلْ (تَفْتَحُ لَهُمْ) بَابَ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ] ''(اے اللہ!) تو ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازے کو کھلا رکھ۔''[3]

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿27﴾﴾ ''کہہ دیجیے کہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہی

---

[1] صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر]، حديث: 2957 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ مطولا. اور قوسین والے الفاظ المعجم الأوسط للطبراني: 104/4، حدیث: 5361 میں اس طرح ہیں: [على أهلها حين ألقوها] عن أبي موسىٰ رضی اللہ عنہ، البتہ اس کی سند ضعیف ہے۔ [2] دیکھیے الأنعام، آیت: 37 کے ذیل میں۔ [3] مسند أحمد: 242/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہ اور قوسین والا جملہ ہمیں نہیں ملا جبکہ اس کے بجائے [اِفْتَحْ لَهُمْ] ''ان کے لیے کھلا رکھ'' مسند أحمد: 345/1 میں ہے۔ والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ......﴾: 380/6، حديث: 11290. چشموں کے جاری کرنے کا ذکر قرآن میں ہے۔ دیکھیے بنیٓ إسرآء یل، آیت: 90 کے ذیل میں۔

گمراہ کرتا ہے اور ہدایت عطا فرماتا ہے، خواہ وہ رسول کو ان کے مطالبے اور تقاضے کے مطابق نشانی دے کر بھیجے یا ان کے مطالبے کو پورا نہ کرے، ہدایت دینے یا نہ دینے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 101:10) ''اور جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان لوگوں کو نشانیاں اور ڈراوے کچھ کام نہیں دیتے۔''

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 97,96:10) ''بے شک جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک کہ عذاب الیم نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 111:6) ''اور بلا شبہ اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کرتے تو بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے اِلَّا مَاشَاءَ اللّٰهُ بات یہ ہے کہ وہ اکثر نادان ہیں۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝27 ﴾ ''کہہ دیجیے: یقیناً اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے اس کو اپنی طرف ہدایت دیتا ہے۔'' یعنی ہدایت سے اسے سرفراز کرتا ہے۔ جو اس کی طرف توبہ کرے، رجوع کرے، اس سے مدد چاہے اور اس کی جناب میں آہ و زاری کرے۔

اللہ کے ذکر سے مومن کو اطمینان و سکونِ قلب حاصل ہوتا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں۔'' اللہ کی جانب مائل ہوتے اور اس سے خوشی محسوس کرتے ہیں اور اللہ کے ذکر کے وقت اطمینان و سکون محسوس کرتے ہیں اور اس بات پر خوش ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا مولیٰ اور مددگار ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝28 ﴾ ''آگاہ رہو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر ہی ہے کہ اس سے دل اطمینان و سکون حاصل کرتے ہیں۔

طوبیٰ کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝29 ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، ان کے لیے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانا ہے۔'' ابن ابو طلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے لیے خوشی اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔[1] عکرمہ فرماتے ہیں کہ کیا خوب ہے وہ ساز و سامان جو ان کے لیے ہے۔[2] ضحاک کہتے ہیں کہ ان کا یہ ساز و سامان قابل رشک ہے۔[3] ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔[4] قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ عربی لفظ ہے۔ جب کوئی آدمی کہتا ہے: [طُوبٰى لَكَ] تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تو خیر و بھلائی حاصل کرے۔[5] اور

---

[1] تفسیر الطبری:191/13. [2] تفسیر الطبری:191/13. [3] تفسیر الطبری:191/13. [4] تفسیر البغوی:21/3.
[5] تفسیر الطبری:191/13.

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ

(جیسے پہلے رسول بھیجے تھے) اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں رسول بنا کر بھیجا جس سے پہلے کئی امتیں گزر چکی ہیں، تاکہ آپ انھیں وہ

اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

پڑھ کر سنائیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی، اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں، کہہ دیجیے: وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں،

وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿30﴾

میں نے اسی پر توکل کیا ہے اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے ﴿30﴾

ان سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ﴿ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے لیے اچھائی ہے۔[1] ﴿ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ﴾ کے معنی ہیں کہ ان کے لیے واپسی کی عمدہ جگہ ہے۔ ان تمام اقوال کا مطلب ایک ہی ہے، ان میں کوئی تضاد نہیں۔

امام بخاری و مسلم نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ فِي ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَّا يَقْطَعُهَا] ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ سوار اس کے سائے میں سو سال تک چلتا رہے گا مگر اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔''[2] صحیح بخاری کے راوی ابوحازم کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث نعمان بن ابوعیاش زُرَقی سے بیان کی تو انھوں نے کہا کہ مجھ سے ابوسہل سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بھی بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ فِي الْجَنَّةِ لَشَجَرَةً يَّسِيرُ الرَّاكِبُ الْجَوَادَ أَوِ الْمُضَمَّرَ السَّرِيعَ مِائَةَ عَامٍ مَّا يَقْطَعُهَا] ''جنت میں ایک ایسا درخت ہے کہ اگر عمدہ گھوڑے یا تیز رفتاری کے لیے تیار گھوڑے کا سوار اس کے سائے میں سو سال تک بھی چلتا رہے تو اس کا سایہ ختم نہ ہوگا۔''[3]

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ رب ذوالجلال فرماتا ہے: [يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ (مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا) إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ] ''اے میرے بندو! اگر تمھارے اگلے اور پچھلے، انسان اور جنّ ایک ہی میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں اور میں ہر ایک کے سوال کے مطابق اسے دے دوں تو اس سے (میری بادشاہت میں) اتنی کمی بھی نہیں آئے گی جتنی کہ سوئی کو سمندر میں داخل کرنے سے اس کے پانی میں کمی آتی ہے۔''[4] خالد بن معدان کہتے ہیں کہ جنت میں ایک درخت ہے جسے طوبیٰ کہا جاتا ہے، اس درخت کے بہت سے پستان ہیں جو اہل جنت کے بچوں کو پلائیں گے۔ عورت کا گر جانے والا نا تمام بچہ جنت کی ایک نہر میں ڈال دیا جاتا ہے جس

[1] تفسير الطبري:191/13. [2] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار......، حديث:6552 وصحيح مسلم، الجنة و صفة نعيمها......، باب: إن في الجنة شجرة......، حديث:2827. [3] صحيح البخاري، الرقاق، باب صفة الجنة والنار، حديث:6553 وصحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها...... باب: إن في الجنة شجرة ......، حديث: 2828. [4] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2577. اور قوسین والے الفاظ بھی اسی حدیث میں بیان ہوئے ہیں لیکن ان کا پس منظر کچھ اور ہے۔

میں وہ قیامت تک پھرتا رہتا ہے، پھر قیامت کے دن اسے چالیس سال کی عمر میں اٹھایا جائے گا۔[1]

تفسیر آیت:30

آنحضرت ﷺ کی بعثت کا مقصد تلاوت آیات اور دعوت الی اللہ ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ہم نے آپ کو اس امت میں اس لیے بھیجا ہے: ﴿ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ الَّذِيٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ ''تاکہ آپ ان پر وہ (کتاب) جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے تلاوت کریں۔'' یعنی ان تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچا دیں، اسی طرح ہم نے گزشتہ کافر قوموں کی طرف بھی نبی بھیجے تھے اور ان نبیوں کی بھی تکذیب کی گئی تھی، ان کی زندگی آپ کے لیے اسوہ ہے۔ اور جس طرح ہم نے سابقہ امتوں کو اپنے عذاب کی گرفت میں لے لیا تھا، ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں ان پر بھی اسی طرح کا عذاب نازل نہ ہو کیونکہ دوسرے انبیاء کی نسبت آپ کی زیادہ تکذیب کی جا رہی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ ﴾ (النحل 63:16) ''اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تو شیطان نے ان کے لیے ان کے (ناشائستہ) کردار آراستہ کر دکھائے، چنانچہ آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے عذاب الیم ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 34:6) ''اور البتہ تحقیق (اے نبی!) آپ سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے والا نہیں اور یقیناً آپ کے پاس رسولوں کی کچھ خبریں آ چکی ہیں۔'' یعنی ہم نے اپنے نبیوں کی کس طرح مدد کی تھی اور دنیا و آخرت میں کس طرح انھیں اور ان کے پیروکاروں کو اچھے انجام سے سرفراز کیا تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ ﴾ ''اور یہ لوگ رحمٰن کو نہیں مانتے۔'' یعنی اس امت میں جس کی طرف ہم نے آپ کو بھیجا ہے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو رحمان کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ کفار مکہ اس بات کا انکار کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو رحمان و رحیم کی صفتوں سے موصوف قرار دیا جائے جیسا کہ حدیبیہ کے دن انھوں نے اس بات سے انکار کیا تھا کہ صلح نامہ کی تحریر کو [بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ] سے لکھنا شروع کیا جائے، انھوں نے برملا کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ رحمان و رحیم کون ہے، یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[2] اور یہ حدیث بخاری میں ہے۔[3] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ ﴾ (بنی إسرآء یل 110:17) ''کہہ دیں کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمان (کے نام سے) پکارو، جس نام سے بھی پکارو، پس اسی کے سب نام بہت اچھے ہیں۔''

---

[1] الدر المنثور: 113,112/4. [2] تفسير الطبرى: 197/13. [3] صحيح البخارى، الشروط، باب الشروط فى الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب و كتابة الشروط، حديث: 2732,2731 مفصلاً .

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ

اور اگر بلاشبہ (قرآن ایسا ہوتا) کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین قطع کی جاتی یا اس سے مردے بلوائے جاتے (تو بھی

الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ

کفار ایمان نہ لاتے) بلکہ سارا معاملہ (اختیار) اللہ ہی کے پاس ہے، کیا پھر ایمان والوں نے (ابھی تک) نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب ہی

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى

لوگوں کو ہدایت دیتا؟ اور جنھوں نے کفر کیا ان کے کرتوتوں پر انھیں آفت پہنچتی ہی رہے گی، یا ان کے گھروں کے قریب اترے گی، حتی

يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿31﴾ ع 4/5 10

کہ اللہ کا وعدہ آ پہنچے۔ بے شک اللہ (اپنے) وعدے کے خلاف نہیں کرتا ﴿31﴾

صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ أَحَبَّ أَسْمَائِكُمْ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ] ''اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔''[1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ﴾ ''کہہ دیجیے: وہی تو میرا پروردگار ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' یعنی یہ ذات گرامی جس کے ساتھ تم کفر کرتے ہو میں اس کا اعتراف کرتا اور اس کے ساتھ ایمان رکھتا ہوں، اس کی ربوبیت اور الوہیت کا اقرار کرتا ہوں، وہ میرا پروردگار ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ﴾ ''میں اسی پر بھروسا کرتا ہوں۔'' اپنے تمام امور و معاملات میں ﴿وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿30﴾﴾ ''اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔'' کیونکہ اس کی ذات گرامی کے سوا اور کوئی اس بات کا مستحق نہیں کہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

تفسیر آیت: 31

قرآن کی فضیلت اور کفار کا انکار: اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے جسے اس نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا اور سابقہ تمام آسمانی کتابوں پر فضیلت بخشی ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ﴾ ''اور اگر بلاشبہ قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے۔'' یعنی اگر سابقہ آسمانی کتابوں میں سے کوئی کتاب ایسی ہوتی جس کی تاثیر سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے یا زمین کٹ اور پھٹ جاتی یا مردوں سے ان کی قبروں میں گفتگو کی جاتی تو یہ قرآن اس بات کا زیادہ حق دار تھا کہ ان اوصاف سے متصف ہوتا یا قرآن میں یہ تاثیر بالاولی پائی جاتی کیونکہ اس میں ایسا اعجاز ہے کہ تمام انسان اور جن مل کر بھی اس طرح کا کلام پیش کرنا چاہیں تو پیش نہیں کر سکتے بلکہ قرآن کی سورتوں جیسی ایک سورت بھی پیش نہیں کر سکتے لیکن تعجب ہے کہ قرآن کے اس بے مثال اور باکمال اعجاز کے باوجود کفار اس کے منکر ہیں۔ ﴿بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ﴾ ''بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔'' یعنی تمام امور و معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، وہ جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، وہ جسے گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جسے وہ ہدایت عطا فرمائے

[1] صحيح مسلم، الآداب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم......، حديث:2132.

اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا۔ اور سابقہ آسمانی کتابوں میں سے ہر ایک کو قرآن کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ سب سے مشتق ہے۔

امام احمد نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُفِّفَتْ عَلٰی دَاوُدَ علیہ السلام الْقِرَاءَۃُ وَکَانَ یَأْمُرُ بِدَابَّتِہِ فَتُسْرَجُ، وَکَانَ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ قَبْلَ أَنْ تُسْرَجَ دَابَّتُہُ، وَکَانَ لَا یَأْکُلُ إِلَّا مِنْ عَمَلِ یَدَیْہِ] ''حضرت داود علیہ السلام کے لیے قراءت کو اس قدر آسان کر دیا گیا تھا کہ وہ حکم دیتے تھے کہ گھوڑے کو زین پہنائی جائے تو زین پہنائے جانے سے پہلے پہلے وہ قرآن پڑھ لیا کرتے تھے، اور وہ اپنے ہاتھ ہی کی کمائی سے کھاتے تھے۔''[1] یہ روایت صرف صحیح بخاری میں ہے، صحیح مسلم میں نہیں ہے۔[2] اس حدیث میں قرآن سے مراد زبور ہے۔

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ﴾ ''کیا پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں انھوں نے نہیں جانا؟'' ان کو یہ معلوم اور واضح نہیں ہوا کہ ﴿ اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے رستے پر چلا دیتا۔'' قرآن سے بڑھ کر کوئی حجت یا معجزہ نہیں ہے جو عقلوں اور نفسوں کو اس قرآن سے بڑھ کر اپیل کرنے والا ہو کہ اسے اگر اللہ تعالیٰ پہاڑ پر نازل کر دیتا تو تم دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر اور خوف سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنَ الْأَنْبِیَاءِ نَبِیٌّ إِلَّا أُعْطِیَ مِنَ الْآیَاتِ مَا مِثْلُہُ آمَنَ عَلَیْہِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا کَانَ الَّذِی أُوتِیتُہُ وَحْیاً أَوْحَاہُ اللّٰہُ إِلَیَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَکُونَ أَکْثَرَہُمْ تَابِعاً یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ] ''ہر نبی کو وہ معجزہ دیا گیا جس پر انسان ایمان لائے، مجھے جو معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجا ہے، مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''[3]

اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر نبی کا معجزہ ان کی وفات کے ساتھ ہی ختم ہو گیا مگر یہ قرآن ایک ایسی حجت اور ایک ایسا معجزہ ہے جو ابدالآباد تک باقی رہے گا، جس کے عجائبات کبھی ختم نہ ہوں گے، جو بار بار پڑھے جانے کے باوجود کبھی پرانا نہیں ہوگا، جس سے علماء کبھی سیر نہ ہوں گے جو ایک فیصلہ کن بات ہے مذاق نہیں ہے، جو سرکش اسے ترک کر دے گا اللہ تعالیٰ اسے نیست و نابود کر دے گا اور جو اس کے سوا کسی اور جگہ سے ہدایت کا طلب گار ہوگا تو اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ ﴾ ''بلکہ سارا اختیار اللہ ہی کے پاس ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کام وہ ہوتا ہے جو اللہ چاہے اور جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوسکتا۔ اسے ابن اسحاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔[4] نیز امام ابن جریر نے بھی ایسے ہی روایت کیا ہے۔[5] اور ارشاد الٰہی ہے:

[1] مسند أحمد:314/2. [2] صحيح البخاری، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۚ﴾ (النسآء163:4) ......، حديث:3417. [3] صحيح البخاری، فضائل القرآن، باب كيف نزل الوحی......؟ حديث: 4981 وصحيح مسلم، الإيمان، باب وجوب الإيمان برسالة نبينا محمد ﷺ ......، حديث:152عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ.
[4] الدر المنثور:118/4. [5] تفسير الطبری:203/13.

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ

اور (اے نبی!) بلاشبہ یقیناً آپ سے پہلے رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا، پھر میرا عذاب کیسا

كَانَ عِقَابِ ﴿32﴾

(عبرتناک) تھا؟﴿32﴾

﴿ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ﴾ ''اور کافروں پر ہمیشہ ان کے اعمال کے بدلے آفت آتی رہے گی یا ان کے گھروں کے قریب نازل ہوتی رہے گی۔'' یعنی ان کے تکذیب کرنے کی وجہ سے انھیں ہمیشہ دنیا میں مصیبتوں کا سامنا رہے گا یا مصیبتیں اور آفتیں ان کے گردو پیش میں نازل ہوتی رہیں گی تاکہ یہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ ﴾ (الأحقاف 27:46) ''اور البتہ تحقیق تمھارے اردگرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا اور بار بار (اپنی) نشانیاں ظاہر کیں تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ط اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 44:21) ''کیا پھر وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں، (کفر سمٹ رہا ہے) کیا پھر بھی وہی لوگ غلبہ پانے والے ہیں!'' قتادہ نے امام حسن بصری سے روایت کیا ہے: ﴿ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ﴾ ''یا ان کے گھروں کے قریب نازل ہوتی رہے گی'' کہ اس سے مراد آفت اور مصیبت ہے۔[1] اور سیاق سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ ﴾ سے مراد آسمان سے نازل ہونے والا عذاب ہے اور ﴿ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ ﴾ سے مراد رسول اللہ ﷺ کا ان کے ہاں نزول فرمانا اور ان سے لڑائی کرنا ہے۔[2] مجاہد اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] اور عکرمہ کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں ہے: ﴿ قَارِعَةٌ ﴾ سے مراد مصیبت اور آفت ہے۔[4] پھر ان سب ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ط ﴾ ''یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے'' سے مراد فتح مکہ ہے۔[5] جبکہ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قیامت کا دن ہے۔[6] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿31﴾ ﴾ ''بے شک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں سے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں انھیں اور ان کے پیروکاروں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرمائے گا، وہ اپنے اس وعدے کے خلاف نہیں کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ ﴾ (ابراهيم 47:14) ''چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرے گا، بے شک اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔''

① تفسیر الطبری:206/13. ② تفسیر الطبری:204/13. ③ تفسیر الطبری:205,204/13. ④ الدر المنثور: 119/4. ⑤ تفسیر الطبری:205,204/13 و الدرالمنثور:119/4. ⑥ تفسیر الطبری:206/13.

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ

کیا پھر وہ (اللہ) جو ہر نفس (کے اعمال) پر نگران ہے جو اس نے کمائے، (اس کے مانند کوئی غیر اللہ ہو سکتا ہے؟) اور انھوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے ہیں۔

تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہہ دیجیے: ان کے (کمالات اور) نام تو لو، کیا تم اللہ کو اس چیز کی خبر دیتے ہو جسے وہ زمین میں نہیں جانتا؟ بلکہ ظاہر لفظ (کے اعتبار) سے (تم شریک ٹھہراتے

مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿33﴾

ہو)، بلکہ کافروں کے لیے ان کا مکر خوشنما بنا دیا گیا، اور انھیں راہ (حق) سے روک دیا گیا۔ اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کے لیے کوئی ہادی نہیں ﴿33﴾

تفسیر آیت:32

رسول اللہ ﷺ کے لیے تسلی: آپ کی قوم کے تکذیب کرنے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ ''اور البتہ تحقیق آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں۔'' یعنی آپ کے لیے ان کی زندگی میں اسوہ ہے۔ ﴿ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ﴾ ''تو میں نے کافروں کو مہلت دی، پھر انھیں پکڑ لیا۔'' یعنی انھیں اچانک پکڑ لیا تو آپ کو اس بارے میں کیا خبر پہنچی کہ میں نے ان کا کیا حشر کیا، انھیں کیسے کیسے عذابوں میں مبتلا کیا، حالانکہ میں نے انھیں پہلے مہلت دے رکھی تھی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الحج 22:48) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا جبکہ وہ ظالم تھیں، پھر میں نے انھیں پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

صحیح بخاری و مسلم میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ ﴾ (ھود 11:102) ''اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اس طرح کی ہوتی ہے، بے شک اس کی پکڑ بہت دکھ دینے والی بڑی سخت ہے۔''[1]

تفسیر آیت:33

اللہ تعالیٰ اور مشرکوں کے معبودانِ باطلہ میں قطعاً کوئی اشتراک نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ﴾ ''تو کیا جو (اللہ) ہر متنفس کے اعمال کا نگران (ونگہبان) ہے جو اس نے کمائے (وہ بتوں کی طرح بے علم و بے خبر ہو سکتا ہے۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ جو حفیظ و علیم ہے اور ہر جاندار پر نگہبان ہے، وہ جانتا ہے کہ عمل کرنے والے کیا اچھے یا برے عمل کر رہے ہیں اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ ﴿ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ ﴾ (یونس 10:61) ''اور (اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے

[1] صحیح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى ...... ﴾ (ھود 11:102)......، حديث:4686 و صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث:2583 عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه.

ہیں یا قرآن میں سے کچھ بھی پڑھتے ہیں اور تم لوگ جو بھی کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو تو اس وقت ہم تمھیں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (الأنعام 59:6) ''اور کوئی پتا ایسا نہیں جھڑتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری یا سوکھی چیز ایسی نہیں مگر وہ واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (ھود 6:11) ''اور زمین پر چلنے پھرنے والے کا رزق اللہ کے ذمے ہے، وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور اس کے دفن ہونے کی جگہ کو بھی، سب کچھ واضح کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ○ ﴾ (الرعد 10:13) ''کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے، یا بلند آواز سے کہے یا رات (کی تاریکی) میں کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اس کے نزدیک) برابر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ○ ﴾ (طٰہٰ 7:20) ''وہ چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ تر بات کو جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○ ﴾ (الحدید 4:57) ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو خوب دیکھ رہا ہے۔'' تو کیا جس کے یہ اوصاف ہیں وہ ان بتوں کی طرح ہو سکتا ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو اور وہ نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، نہ عقل رکھتے ہیں، نہ اپنے لیے اور نہ اپنے پجاریوں کے لیے کسی نفع کے مالک ہیں اور نہ اپنے سے یا اپنے پجاریوں میں سے کسی کے نقصان ہی کو دور کر سکتے ہیں؟ سیاق کی دلالت پر اکتفا کرتے ہوئے اس سوال کا جواب حذف کر دیا گیا اور وہ سیاق یہ ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ ﴾ ''اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں، شریکوں اور معبودانِ باطلہ کی بھی پوجا کرتے ہیں۔

﴿ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ (ذرا) ان کے نام تو لو۔'' ہمیں بھی ان کے بارے میں بتاؤ، ان کی حقیقت واضح کرو تاکہ یہ پہچانے جا سکیں جبکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو، جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا؟'' یعنی اس کا کوئی وجود ہی نہیں اگر اس کا زمین میں کوئی وجود ہوتا تو وہ اسے ضرور جان لیتا کیونکہ اس سے تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں ہے۔ ﴿ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ ﴾ ''بلکہ (تم شریک ٹھہراتے ہو) ظاہری لفظ (کے اعتبار) سے۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم ظن کی تقلید کرتے ہو۔[1] ضحاک اور قتادہ کہتے ہیں کہ تم باطل قول کی تقلید کرتے ہو۔[2] یعنی تم ان بتوں کی اس لیے پوجا کرتے ہو کہ تمھارا گمان یہ ہے کہ یہ نفع و نقصان کے مالک ہیں، اسی لیے تم نے ان کا نام معبود رکھا ہے: ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۞ ﴾ (النجم 23:53)

[1] تفسیر الطبری: 209/13. [2] تفسیر الطبری: 210/13.

لَهُمۡ عَذَابٌ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّاقٍ ﴿34﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو سخت ترین ہے، اور انھیں اللہ (کے عذاب) سے بچانے والا کوئی نہیں ﴿34﴾

مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِيۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ تَجۡرِيۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ

جس جنت کا متقی لوگوں سے وعدہ کیا گیا اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ اس کے پھل اور اس کے سائے دائمی

تِلۡكَ عُقۡبَى الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ۖ وَّعُقۡبَى الۡكٰفِرِيۡنَ النَّارُ ﴿35﴾

ہیں۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہوئے، اور کافروں کا انجام آگ ہے ﴿35﴾

''وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادا نے رکھے ہیں۔ اللہ نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی یہ لوگ تو محض ظن (فاسد) اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں، حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آ چکی ہے۔''

﴿ بَلۡ زُيِّنَ لِلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مَكۡرُهُمۡ ﴾ ''بلکہ کافروں کے لیے ان کا مکر خوشنما بنا دیا گیا۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ مکر سے مراد یہاں بات ہے۔[1] یعنی یہ جس ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں اور جس کی طرف دن رات دعوت دیتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَيَّضۡنَا لَهُمۡ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوۡا لَهُمۡ ﴾ (حٰمٓ السجدة 25:41) ''اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انھوں نے (ان کے اعمال) ان کو عمدہ کر کے دکھائے تھے۔'' ﴿ وَصُدُّوۡا عَنِ السَّبِيۡلِ ؕ ﴾ ''اور وہ (ہدایت کے) رستے سے روک لیے گئے ہیں۔'' جنھوں نے اسے صاد کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ان کے لیے ان کے اعمال مزین کر دیے گئے اور انھیں معلوم کرا دیا گیا کہ یہی حق ہے تو انھوں نے اس کی طرف دعوت دی اور لوگوں کو رسولوں کے رستے کی پیروی سے روک دیا۔ اور جنھوں نے اسے صاد کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے تو اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ جب انھیں ان کے اعمال صحیح اور مزین کر کے دکھائے گئے تو اس طرح یہ اللہ کے رستے سے روک لیے گئے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿33﴾ ﴾ ''اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنۡ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔا ؕ ﴾ (المآئدة 41:5) ''اور جسے اللہ فتنے میں ڈالنا چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنۡ تَحۡرِصۡ عَلٰى هُدٰىهُمۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِيۡ مَنۡ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمۡ مِّنۡ نّٰصِرِيۡنَ ○ ﴾ (النحل 37:16) ''(اے نبی!) اگر آپ ان (کفار) کی ہدایت کے لیے کتنی ہی حرص کریں تو بے شک جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے، پھر اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا اور ایسے (گمراہ) لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا۔''

تفسیر آیات: 35,34

کفار کے عذاب اور ابرار کے ثواب کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر کفار کے عقاب اور ابرار کے ثواب کا ذکر فرمایا ہے۔ مشرکوں کے حال اور ان کے کفر و شرک کو بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ لَهُمۡ عَذَابٌ فِي الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾ ''ان کو دنیا کی زندگی

[1] تفسیر الطبری:210/13.

میں بھی عذاب ہے۔'' یعنی مومنوں کے ہاتھوں یہ قتل ہوں گے اور قیدی بنائے جائیں گے، ﴿ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ﴾ ''اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔'' یعنی دنیا کی زندگی کی اس ذلت و رسوائی کے ساتھ ساتھ آخرت میں ان کے لیے جو عذاب تیار کیا گیا ہے وہ بہت ہی سخت ہے جیسا کہ رسول اللہ نے لعان کرنے والے ایک جوڑے سے فرمایا تھا: [أَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا أَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْآخِرَةِ] ''آخرت کے عذاب کے مقابلے میں دنیا کا عذاب بہت ہلکا ہے۔''[1]

نبیٔ اکرم ﷺ کا یہ فرمان بالکل سچا ہے کیونکہ دنیا کا عذاب تو ختم ہو جاتا ہے جبکہ آخرت کا عذاب دائمی اور ابدی ہے اور یہ عذاب ایسی آگ کی صورت میں ہوگا جو دنیا کی آگ کی بہ نسبت ستر گنا ہے۔[2] پھر وہاں کی پکڑ کی سختی و شدت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے: ﴿ فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ۝ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ۝ ﴾ (الفجر 26,25:89) ''تو اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا (کسی کو) عذاب دے گا۔ اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:11-15) ''اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے دوزخ تیار کر رکھا ہے۔ جس وقت وہ ان (مجرموں) کو دور سے دیکھے گا تو غضب ناک ہو رہا ہوگا اور وہ اس کے جوش (غضب) اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔ اور جب یہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔ (کہا جائے گا:) تم آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔ کہہ دیجیے کہ یہ (عذاب) بہتر ہے یا بہشت جاودانی جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ ان (کے عملوں) کا بدلہ اور رہنے کا ٹھکانا ہوگا۔''

اسی لیے یہاں بھی جہنم کے ذکر کے ساتھ ہی جنت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ ﴾ ''جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی اس کے اطراف و جوانب میں نہریں بہ رہی ہیں اور اہل جنت ان میں سے جس طرح چاہیں گے اور جو چاہیں گے تصرف کر سکیں گے، یعنی اہل جنت انھیں جیسے چاہیں گے اور جدھر کو چاہیں گے نکال کر لے جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ فِيْهَآ اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ

---

[1] صحیح مسلم، اللعان، باب، حدیث:1493 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ [2] نبی کریم ﷺ نے فرمایا: [نَارُكُمْ هٰذِهِ ـ الَّتِي يُوقِدُ ابْنُ آدَمَ ـ جُزْءٌ مِّنْ سَبْعِينَ جُزْءًا مِّنْ حَرِّ جَهَنَّمَ...... فَإِنَّهَا فُضِّلَتْ عَلَيْهَا بِتِسْعَةٍ وَّسِتِّينَ جُزْءًا كُلُّهَا مِثْلُ حَرِّهَا] ''تمھاری یہ آگ جسے انسان جلاتے ہیں جہنم کی گرمی کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے، بلاشبہ جہنم کی آگ دنیا کی آگ سے انہتر (69) حصے بڑھ کر ہے، تمام کی حرارت اس کے مثل ہے۔'' صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث:2843 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔

﴿ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ۭ وَلَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ۭ...... ﴾ الآیة (محمد 15:47) ''جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں (ایسے) پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور ایسی دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ (کبھی) نہیں بدلے گا اور ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے (سراسر) لذت ہے اور شہد مصفا کی نہریں ہیں (جو حلاوت ہی حلاوت ہے) اور (وہاں) ان کے لیے ہر قسم کے پھل ہوں گے اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہوگی۔''

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ اُكُلُهَا دَآىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ ﴾ ''اس کے پھل اور اس کے سائے دائمی ہیں۔'' یعنی اس میں پھل اور کھانے پینے کی ایسی چیزیں ہوں گی جو کبھی ختم نہ ہوں گی۔ صحیح بخاری ومسلم میں نماز کسوف کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہم نے دیکھا کہ آپ نے یہاں کھڑے ہوتے ہوئے کسی چیز کو پکڑنا چاہا مگر پھر ہم نے دیکھا کہ آپ نے گویا ارادہ بدل دیا۔ آپ نے فرمایا: [إِنِّي رَأَيْتُ الْجَنَّةَ۔ أَوْ أُرِيتُ الْجَنَّةَ۔ فَتَنَاوَلْتُ مِنهَا عُنْقودًا، وَّلَوْ أَخذْتُهُ لَأَ كَلْتُم مِّنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا] ''میں نے جنت کو دیکھا۔ یا آپ نے یہ فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی۔ تو میں نے انگور کے خوشے کو پکڑا اور اگر میں اسے لے لیتا تو تم رہتی دنیا تک اس خوشے سے انگور کھاتے رہتے۔''[1]

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا: [يَأْكُلُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فِيهَا وَيَشْرَبُونَ، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ وَلَا يَمْتَخِطُونَ، وَلَا يَبُولُونَ، وَلٰكِنْ طَعَامُهُمْ ذَاكَ جُشَاءٌ (كَرِيحِ الْمِسْكِ)، يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ وَالتَّقْدِيسَ، كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفَسَ] ''اہل جنت، جنت میں کھائیں گے، پئیں گے مگر نہ انھیں پاخانے کی حاجت ہوگی اور نہ ناک سے رینٹ نکالیں گے اور نہ انھیں پیشاب کی حاجت ہوگی، ان کا کھانا ایک ایسا ڈکار ہوگا (جس سے ہضم ہو جائے گا اور) جس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی اور ان کو تسبیح وتقدیس کا الہام اسی طرح جاری وساری ہوگا جس طرح (کسی تکلف یا انقطاع کے بغیر) سانس کی آمد وشد کا سلسلہ جاری وساری ہوتا ہے۔''[2]

امام احمد ونسائی نے ثُمامہ بن عُقبہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے زید بن ارقم سے سنا کہ اہل کتاب میں سے ایک شخص آیا اور اس نے عرض کی: اے ابوقاسم! آپ کا خیال ہے کہ اہل جنت کھائیں پئیں گے۔ آپ نے فرمایا: [إِي وَالَّذِي نَفْسِي

---

① صحیح البخاری، النکاح، باب کفران العشیر وھو الزوج......، حدیث:5197 و صحیح مسلم، الکسوف، باب ما عرض علی النبیﷺ فی صلاۃ الکسوف من أمر الجنۃ والنار، حدیث: 907 . ② صحیح مسلم، الجنۃ وصفۃ نعیمھا...... ، باب فی صفات الجنۃ وأھلھا......، حدیث:(19)-2835، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح مسلم میں اس طرح ہیں: [کرشح المسك] ''خوشبو کے پھیلنے کی طرح۔'' اور امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ مسند أبی داود الطیالسی، وماروی سفیان:328/3، حدیث:1885 میں اس طرح ہیں: [جشاء ریح کریح المسك] ''ڈکار کی ایسی خوشبو ہوگی جیسے کستوری کی خوشبو'' اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں [التقدیس] ہے جو ہمیں نہیں ملا، البتہ صحیح مسلم وغیرہ میں اس کے بجائے [التحمید] ہے۔

وَالَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰهُمُ الۡكِتٰبَ یَفۡرَحُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكَ وَمِنَ الۡاَحۡزَابِ مَنۡ یُّنۡكِرُ بَعۡضَهٗ ؕ قُلۡ

اور جنھیں ہم نے کتاب دی وہ اس (قرآن) سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا گیا، اور کچھ گروہ ہیں جو اس کے بعض (احکام) کا انکار

اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ اللّٰهَ وَلَاۤ اُشۡرِكَ بِهٖ ؕ اِلَیۡهِ اَدۡعُوۡا وَاِلَیۡهِ مَاٰبِ ﴿36﴾ وَكَذٰلِكَ اَنۡزَلۡنٰهُ

کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: مجھے تو صرف یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں۔ اسی کی طرف میں دعوت دیتا

حُكۡمًا عَرَبِیًّا ؕ وَلَىِٕنِ اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

ہوں اور اسی کی طرف میری واپسی ہے ﴿36﴾ اور اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو عربی (زبان) میں حکم (بنا کر) نازل کیا اور اگر واقعی آپ اس کے بعد

مِنۡ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿37﴾ ع 5/6/11

بھی ان کی خواہشات کے پیچھے چلے کہ آپ کے پاس علم آ چکا تو آپ کے لیے اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی حمایتی ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا ﴿37﴾

بِیَدِہٖ! إِنَّ الرَّجُلَ مِنْهُمْ لَیُعْطَی قُوَّةَ مِائَةِ رَجُلٍ فِي الْأَكْلِ وَالشُّرْبِ وَالْجِمَاعِ وَالشَّهْوَةِ] ''ہاں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جنت کے ایک آدمی کو کھانے، پینے، جماع اور شہوت کے اعتبار سے ایک سو آدمیوں کی طاقت دی جائے گی'' اس نے کہا: جو کھاتا پیتا ہے اسے حاجت بھی پیش آتی ہے، حالانکہ جنت میں کوئی تکلیف دہ بات نہ ہوگی؟ آپ نے فرمایا: [تَكُونُ حَاجَةُ أَحَدِهِمْ رَشْحًا یَفِیضُ مِنْ جُلُودِهِمْ كَرِیحِ الْمِسْكِ فَیَضْمُرُ بَطْنُهُ] ''ان کی حاجت ایک پسینے سے پوری ہو جائے گی جو ان کی جلدوں سے بہے گا اور اس کی خوشبو کستوری جیسی ہوگی، چنانچہ اس سے پیٹ ہلکا ہو جائے گا۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّ فَاكِهَةٍ كَثِیۡرَةٍ ۙ لَّا مَقۡطُوۡعَةٍ وَّلَا مَمۡنُوۡعَةٍ ۙ ﴾ (الواقعة 33,32:56) ''اور وافر پھلوں میں جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَدَانِیَةً عَلَیۡهِمۡ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتۡ قُطُوۡفُهَا تَذۡلِیۡلًا ○ ﴾ (الدھر 14:76) ''ان سے (پھل دار شاخیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے اور پھلوں کے گچھے ان کے تابع فرمان بنا دیے جائیں گے۔'' اسی طرح ان کے سائے بھی نہ ختم ہوں گے اور نہ سکڑیں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ○ ﴾ (النسآء 57:4) ''اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو ہم جلد ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، وہاں ان کے لیے پاک بیویاں ہیں اور ان کو ہم گھنے سایوں میں داخل کریں گے۔'' بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جنت اور جہنم کے حالات کو یکجا بیان فرمایا ہے تاکہ جنت کی ترغیب دلائی جائے اور جہنم سے ڈرایا جائے، اسی طرح یہاں بھی جنت کے تذکرے کے بعد فرمایا: ﴿ تِلۡكَ عُقۡبَى

[1] السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، قوله تعالىٰ: ﴿ وَفِیۡهَا مَا تَشۡتَهِیۡهِ الۡاَنۡفُسُ وَتَلَذُّ الۡاَعۡیُنُ ۚ ﴾: 454/6، حديث: 11478 واللفظ له. ومسند أحمد: 367/4 لیکن [یفیض من جلودھم] کے الفاظ صحیح ابن حبان، مناقب الصحابة، ذكر الإخبار عما یكون متعقب طعام......: 444,443/16، حديث: 7424 اور اس کے بعد والے الفاظ آخر تک المعجم الكبير للطبراني: 178/5، حديث: 5008 کے مطابق ہیں۔

﴿ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴾ ''یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہیں اور کافروں کا انجام دوزخ ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴾ (الحشر 20:59) ''اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں، اہل بہشت ہی تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں۔''

تفسیر آیات:37,36

سچے اہل کتاب قرآن مجید سے خوش ہوتے ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ''اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی۔'' اور وہ اس کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں، ﴿ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ''وہ اس (کتاب) سے جو آپ پر نازل ہوئی ہے خوش ہوتے ہیں۔'' یعنی قرآن مجید سے کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ ﷺ کی صداقت اور آپ کے بارے میں بشارت کے شواہد موجود ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ (البقرۃ2:121) ''جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسا) پڑھتے ہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے، یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو اس کو نہیں مانتے وہی خسارہ پانے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۙ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 17:108,107) ''کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ، یا نہ لاؤ، بلاشبہ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار پاک ہے، بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہماری کتابوں میں محمد ﷺ کے بھیجنے کے بارے میں جو وعدہ فرمایا تھا وہ حق سچ ہے اور یقیناً پورا ہو کر رہنے والا ہے، پس پاک ہے وہ ذات کس قدر سچا ہے اس کا وعدہ، سب تعریفیں صرف اس کی ذات گرامی کو زیبا ہیں، پھر انھی اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴾ (بنیٓ إسرآء یل17:109) ''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے۔''

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ ﴾ ''اور بعض گروہ اس کی بعض باتیں نہیں بھی مانتے۔'' یعنی بعض گروہ ایسے بھی ہیں جو قرآن کی بعض باتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ وَمِنَ الْاَحْزَابِ ﴾ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔[1] اور ﴿ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ ﴾ بعض باتوں سے مراد اس حق میں سے بعض باتیں ہیں جو آپ ﷺ کے پاس آیا ہے۔ قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[2] اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ (آل عمران 3:199) ''اور بلاشبہ بعض

[1] تفسیر الطبری:13/214. [2] تفسیر الرازی:19/60 و تفسیر الطبری:13/214,215.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ

اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے، اور ہم نے انھیں بیوی بچوں والے بنایا۔ اور کسی رسول کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ)

يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿38﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ

لائے مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر مقررہ وقت کے لیے ایک کتاب (لکھا ہوا وقت) ہے ﴿38﴾ اللہ جسے چاہتا ہے مٹاتا ہے اور (جسے چاہے) ثابت رکھتا ہے،

وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾

اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے ﴿39﴾

اہل کتاب ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور اس پر جو ان پر نازل ہوئی، ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں اور وہ اللہ کی آیتوں کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت نہیں لیتے، یہی لوگ ہیں جن کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں (تیار) ہے اور یقیناً اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ﴾ ''کہہ دیجیے کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ بناؤں۔'' یعنی میری بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ میں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی کی دعوت دوں جیسا کہ مجھ سے پہلے کے انبیاء بھی اسی مقصد کی خاطر مبعوث کیے گئے تھے۔ ﴿اِلَيْهِ اَدْعُوْا﴾ ''میں اسی کی طرف بلاتا ہوں۔'' یعنی اس کے رستے کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہوں، ﴿وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿36﴾﴾ ''اور اس کی طرف (مجھے) لوٹنا ہے۔'' یعنی میرے لوٹنے کی جگہ اور میرے پناہ ملنے کی جگہ بھی اسی کی طرف ہے۔

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ﴾ ''اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو محکم عربی زبان میں (بنا کر) نازل کیا ہے۔'' یعنی جیسا کہ ہم نے آپ سے پہلے رسول بھیجے اور ان پر آسمان سے کتابیں نازل کیں اسی طرح ہم نے آپ پر یہ قرآنِ محکم نازل کیا ہے جو عربی زبان میں ہے، اس کے ساتھ ہم نے آپ کو شرف بخشا اور اس واضح، روشن اور جلی کتاب کے ساتھ ہم نے آپ کو دیگر پیغمبروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے جس کی شان یہ ہے: ﴿لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ؕ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 42:41) ''اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے، یہ بڑی حکمت والی اور قابل تعریف ہستی کی اتاری ہوئی ہے۔''

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿37﴾﴾ ''اور اگر آپ علم (ودانش) آنے کے بعد ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلیں گے تو اللہ کے سامنے نہ آپ کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ بچانے والا۔'' یہ اہل علم کے لیے وعید ہے کہ وہ اس سنت نبویہ اور حجت محمدیہ کے اختیار کرنے کے بعد جسے اللہ کے پیغمبر محمد ﷺ لے کر تشریف لائے، اہل ضلالت کے رستے کی پیروی نہ کریں۔

تفسیر آیات: 39,38

تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر تھے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) جس طرح ہم نے آپ کو رسول اور بشر بنا کر بھیجا

ہے اسی طرح آپ سے پہلے کے تمام پیغمبر بھی بشر ہی تھے، وہ کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے، اپنی بیویوں سے تعلقات قائم رکھتے تھے اور ان کے ہاں اولاد ہوتی تھی، یعنی ان کی بیویاں اور بچے بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اشرف الرسل اور خاتم الانبیاء ﷺ سے فرمایا ہے کہ آپ یہ اعلان فرمادیں: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (الکهف 110:18) ”کہہ دیجیے کہ میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے۔“ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [......لٰكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، (وَآكُلُ اللَّحْمَ) وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَّغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي] ”......لیکن میں تو روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑ بھی دیتا ہوں، قیام بھی کرتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور (گوشت بھی کھاتا ہوں) اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں (یہ ہے میری سنت) لہٰذا جو میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں۔“[1]

اللہ کے حکم کے بغیر کوئی رسول نشانی نہیں لاسکتا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ ﴾ ”اور کسی پیغمبر کے اختیار کی بات نہ تھی کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی (معجزہ) لائے۔“ یعنی اپنی قوم کے سامنے وہ کوئی بھی معجزہ پیش نہیں کرسکتے۔ ہاں، جب اللہ تعالیٰ کا اذن ہو جائے، یعنی نبی کو از خود اپنی طرف سے کسی معجزے کو دکھا دینے کا اختیار نہیں بلکہ یہ سارا معاملہ اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سپرد ہے کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا اور جو ارادہ فرماتا ہے اسے عملی جامہ پہنا دیتا ہے۔ ﴿ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴾ ”ہر وعدے کے لیے لکھا ہوا (وقت) ہے۔“ یعنی ہر مدت مقررہ کے بارے میں کتاب میں لکھا ہوا ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے۔ ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ (الحج 70:22) ”کیا آپ نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے یہ (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ بے شک یہ سب اللہ پر آسان ہے۔“

کتاب میں مٹانے اور باقی رکھنے کے معنی: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ﴾ ”اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔“ یعنی اس کی مدت میں سے ﴿ وَيُثْبِتُ ښ ﴾ ”اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے۔“ یعنی قرآن کے نزول کی بدولت (سابقہ کتابوں کی) مدتوں کو منسوخ کر دیا گیا (اور قرآن مجید کو اس نے ثابت رکھا) جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ ﴾ ”اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے۔“ کیونکہ موت و حیات اور شقاوت و سعادت کے بارے میں اس کے فیصلے ناقابل تغیر و تبدل ہیں۔[2] منصور

---

[1] صحیح البخاری، النکاح، باب الترغیب فی النکاح، حدیث: 5063 و صحیح مسلم، النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه إلیه و وجد مؤنة......، حدیث: 1401. البتہ قوسین والے الفاظ ہمیں رسول اللہ ﷺ سے نہیں ملے۔ ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے متعلق سوال کرنے والے تین صحابہ میں سے ایک کی خواہش ”کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا“ کے مقابلے میں یہ الفاظ آپ ﷺ کی طرف منسوب ہو گئے ہوں کیونکہ اُس واقعے کا اسلوب بھی یہی ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی ایک ایک خواہش کا اسی انداز سے رد فرمایا تھا۔ واللہ أعلم. [2] تفسیر الطبری: 217/13.

بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام مجاہد سے پوچھا کہ اگر ہم میں سے کوئی اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ! اگر میرا نام سعادت مندوں میں ہے تو اسے قائم رکھنا اور اگر بدبختوں میں ہے تو ان کی فہرست سے اسے مٹا دینا اور اس کے بجائے سعادت مندوں میں کر دینا تو انھوں نے فرمایا: بہت اچھی دعا ہے، پھر میں ان سے ایک سال یا اس سے بھی زیادہ عرصے کے بعد ملا اور ان سے پھر یہی پوچھا تو انھوں نے سورۂ دخان کی دو آیتیں: ﴿ حٰمٓ ۚ وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ○ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ ﴾ (الدخان 44:1-4) ''حٰمٓ۔ واضح کتاب کی قسم ہے، بلاشبہ ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں نازل کیا، بے شک ہم ہی ڈرانے والے ہیں۔ اس (رات) میں ہر حکمت والے معاملے کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔'' پڑھیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں ایک سال کے رزق اور مصیبت وغیرہ کے فیصلے فرما دیتا ہے، پھر ان میں سے جسے چاہتا ہے مقدم کر دیتا اور جسے چاہتا ہے مؤخر کر دیتا ہے لیکن سعادت اور شقاوت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو فیصلے فرما رکھے ہیں وہ ثابت اور قائم ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاتی۔ (1)

اعمش نے ابو وائل شقیق بن سلمہ کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ کثرت کے ساتھ یہ دعا مانگا کرتے تھے: اے اللہ! اگر تو نے ہمیں بدبخت لکھ دیا ہے تو اسے مٹا کر ہمیں سعادت مندوں میں لکھ دے اور اگر تو نے ہمیں سعادت مندوں میں لکھا ہے تو اسے قائم رکھنا کیونکہ تو جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور تیرے پاس ہی اصل کتاب ہے۔ (2)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ (3)

بہر حال ان اقوال کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تقدیر میں سے جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے۔ اس قول کی تائید میں وہ حدیث بھی پیش کی جا سکتی ہے جسے امام احمد نے ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الرَّجُلَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ، وَلَا يَرُدُّ الْقَدَرَ إِلَّا الدُّعَاءُ، وَلَا يَزِيدُ فِي الْعُمُرِ إِلَّا الْبِرُّ] ''بندہ اس گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے جس کا وہ ارتکاب کرتا ہے اور تقدیر کو دعا ہی ٹال سکتی ہے اور عمر میں صرف نیکی ہی اضافہ کر سکتی ہے۔'' (4) اور صحیح حدیث میں ہے کہ صلہ رحمی عمر میں اضافہ کرتی ہے۔ (5) اور ایک دوسری حدیث میں ہے: [إِنَّ الدُّعَاءَ وَالْقَضَاءَ لَيَعْتَلِجَانِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ] ''بے شک دعا اور قضا کا آسمان و زمین کے درمیان جھگڑا ہوتا رہتا ہے۔'' (6)

(1) تفسير الطبرى:218/13. (2) تفسير الطبرى:219/13. (3) تفسير الطبرى:220,219/13. (4) مسند أحمد: 277/5 و سنن ابن ماجه، المقدمة، باب في القدر، حديث: 90 و السنن الكبرىٰ للنسائي، الرقاق:380/10، حديث: 11775 مختصراً. طبع مؤسسة الرسالة، والله تعالىٰ أعلم. اس حدیث کا ابتدائی حصہ [...... بالذنب يصيبه] تک ضعیف ہے۔ دیکھیے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):68/37. (5) ماخوذ از صحيح البخاري، الأدب، باب من بسط له في الرزق لصلة الرحم، حديث:5985 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ و صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم وتحريم ...... حديث:(21)-2557 مختصراً عن أنس رضی اللہ عنہ. (6) ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی، البتہ المستدرك للحاكم، الدعاء والتكبير:492/1، حديث:1813 میں الفاظ اس طرح ہیں: [إِنَّ الْبَلَاءَ لَيَنْزِلُ فَيَتَلَقَّاهُ الدُّعَاءُ فَيَعْتَلِجَانِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] عن عائشة رضی اللہ عنہا لیکن یہ ضعیف ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا

اور (اے نبی!) اگر ہم واقعی آپ کو اس (عذاب) کا کچھ حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں یا آپ کو وفات دے دیں، آپ کے ذمے تو صرف

الْحِسَابُ ﴿40﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ

پہنچا دینا ہی ہے، اور ہمارے ذمے حساب لینا ہے ﴿40﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ ہم (کفر کی) زمین کو اس حال میں آتے ہیں، کہ اسے اس کے

لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿41﴾

اطراف سے گھٹاتے جاتے ہیں (اسلام پھیل رہا ہے) اور اللہ حکم کرتا ہے، کوئی اس کے حکم کو رد کرنے والا نہیں، اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ﴿41﴾

عطیہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿39﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو سارا زمانہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا رہتا ہے مگر پھر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کام کرتا ہے حتی کہ گمراہی پر ہی اس کی موت واقع ہوتی ہے تو یہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مٹا دیتا ہے اور جسے قائم رکھتا ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا رہتا ہے لیکن اس کی تقدیر میں خیر و بھلائی لکھی ہوتی ہے، اس لیے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کام کرتے ہوئے فوت ہوتا ہے تو یہ وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قائم رکھتا ہے۔[1] سعید بن جبیر سے مروی ہے: ﴿ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ ''اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے۔'' بندوں کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے انھیں معاف نہیں کرتا۔[2] جیسا کہ یہ آیت ہے: ﴿ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾ (البقرة 284:2) ''پھر وہ جسے چاہے معاف کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

تفسیر آیات: 41,40

رسول کا فرض پہنچا دینا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ ﴾ ''اور اگر ہم آپ کو دکھا دیں۔'' اے محمد (ﷺ!) دنیا میں ذلت و رسوائی کی صورت میں وہ بعض عذاب جس کا آپ کے دشمنوں سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ ﴿ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ ﴾ ''یا آپ کو وفات دے دیں۔'' یعنی اس سے پہلے ہی ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ﴾ ''تو آپ کا کام صرف (ہمارے احکام کا) پہنچا دینا ہے۔'' یعنی ہم نے آپ کو اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ اللہ کے پیغام کو پہنچا دیں اور آپ نے اسے پہنچا دیا ہے جو آپ کو حکم دیا گیا تھا ﴿ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿40﴾ ﴾ ''اور ہمارا کام حساب لینا ہے۔'' یعنی ان کا حساب اور ان کا بدلہ ہمارے ذمے ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَذَكِّرْ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ؕ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ۝ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ ۝ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ ؕ۝ اِنَّ اِلَيْنَاۤ اِيَابَهُمْ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ○ ﴾ (الغاشية 88:21-26) ''چنانچہ آپ نصیحت کیجیے! آپ تو نصیحت کرنے والے ہیں۔ آپ ان پر داروغے نہیں۔ ہاں، جو پھرا اور نہ مانا تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔ بے شک

[1] تفسير الطبري: 220/13. [2] تفسير البغوي: 27/3 و تفسير القرطبي: 331/9.

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ

اور بے شک وہ لوگ بری تدبیریں کر چکے جوان سے پہلے تھے، بس اللہ ہی کے لیے ساری تدبیریں ہیں۔ وہی جانتا ہے جو کچھ ہر نفس کماتا ہے، اور

وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿42﴾

جلد ہی کفار جان لیں گے کہ آخرت کا (اچھا) گھر کس کے لیے ہے ﴿42﴾

ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے، پھر ان سے حساب لینا ہمارے ہی ذمے ہے۔''

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں (اسلام پھیل رہا ہے۔)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک زمین کے بعد دوسری زمین پر فتح عطا کر رہے ہیں۔[1] حسن بصری اور ضحاک فرماتے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کا مشرکوں پر غلبہ مراد ہے۔[2] جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى ﴾ الآية (الأحقاف 27:46) ''اور البتہ تحقیق تمھارے اردگرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا......''

تفسیر آیت:42

کفار کی چال اور مومنوں کی کامیابی: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ﴾ ''جو لوگ ان سے پہلے تھے بے شک وہ بہت تدبیریں کر چکے ہیں۔'' اپنے رسولوں کے خلاف اور انھوں نے انھیں اپنے ملکوں سے نکال دینے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف چال چلی اور انجام کار پرہیزگاروں کو کامیابی و کامرانی سے نوازا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 30:8) ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کریں) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں چال چل رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا جان سے مار دیں یا (مکہ سے) نکال دیں تو (ادھر تو) وہ تدبیر کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ﴾ (النمل 51,50:27) ''اور انھوں نے ایک تدبیر کی اور ہم نے بھی ایک تدبیر کی اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔ تو پھر آپ دیکھیں! ان کی چال کا انجام کیسا ہوا؟ بلاشبہ ہم نے ان (نوسرغنوں) کو اور ان کی ساری قوم کو ہلاک کر ڈالا۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ ﴾ ''ہر متنفس جو کچھ کر رہا ہے وہ اسے جانتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمام بھیدوں اور چھپی ہوئی تمام باتوں کو جانتا ہے اور ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ [وَ سَيَعْلَمُ الْكَافِرُ] اور ایک دوسری قراءت (جو راجح ہے اس میں) اس طرح ہے: ﴿ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿42﴾ ﴾ ''اور کافر جلد معلوم کریں گے کہ عاقبت کا گھر کس کے لیے ہے!'' یعنی عاقبت کس کی بہتر اور انجام کار کس کا اچھا ہے، ان کا یا انبیائے کرام کے پیروکاروں کا! ان

[1] تفسير الطبري:226/13. [2] تفسير الطبري:226/13.

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ

اور کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں ہو۔ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس

عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿43﴾

کتاب کا علم ہے ﴿43﴾

کا انجام ہرگز اچھا نہیں ہوگا بلکہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام تو انبیائے کرام علیہم السلام کے پیروکاروں ہی کا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

تفسیر آیت: 43

اللہ تعالیٰ اور جن کے پاس کتاب کا علم ہے، رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر گواہ کافی ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ کفار آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ﴿ لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ ﴾ ''آپ (اللہ کے) رسول نہیں ہیں۔'' یعنی آپ کو اللہ نے رسول بنا کر نہیں بھیجا۔ ﴿ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔'' مجھے اللہ ہی کافی ہے، وہ میرے اور تمھارے بارے میں گواہ ہے، وہ گواہ ہے کہ میں نے اس کے پیغام کو پہنچا دیا ہے اور اے تکذیب کرنے والو! وہ تمھارے کذب و افترا اور بہتان پر بھی گواہ ہے۔ اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿43﴾ ﴾ ''اور وہ شخص جس کے پاس کتاب (آسمانی) کا علم ہے (وہ بھی گواہ ہے۔)'' کہا گیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ امام مجاہد کا قول ہے۔[1] لیکن یہ ایک غریب قول ہے کیونکہ یہ آیت مکی ہے اور عبداللہ بن سلام نبی اکرم ﷺ کی مدینہ میں تشریف آوری کی ابتدا ہی میں مسلمان ہوئے تھے، لہٰذا بظاہر وہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے جو عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[2] قتادہ کہتے ہیں کہ انھیں میں سے عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری رضی اللہ عنہم بھی ہیں۔[3]

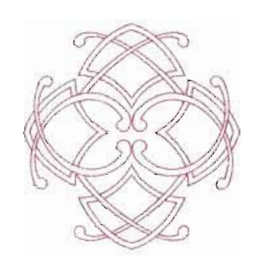
اس سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ ﴿ وَمَنْ عِنْدَهٗ ﴾ اسم جنس ہے جو ان علمائے اہل کتاب کو شامل ہے جو انبیائے کرام کی بشارتوں کی روشنی میں سابقہ آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ پاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ ...... الآية ﴾ (الأعراف 7:156,157) ''جو میری رحمت ہے، وہ ہر چیز کو شامل ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکاۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی جو نبی امی ہیں پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں......''

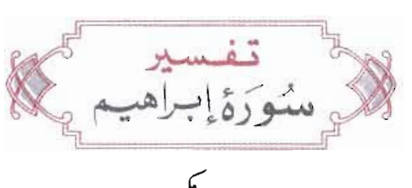
اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۹۷﴾ ﴾ (الشعرآء 26:197) ''کیا ان کے لیے ایک نشانی

[1] تفسیر الطبری: 230/13. [2] تفسیر الطبری: 230/13. [3] تفسیر الطبری: 231/13.

کافی نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس (قرآن یا صاحب قرآن) کو جانتے ہیں!'' اور اس مفہوم کی دیگر آیات کریمہ جن میں علمائے بنی اسرائیل کے بارے میں یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ اپنی آسمانی کتابوں کی روشنی میں یہ جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

سورۂ رعد کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.





یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی

الٓرٰ، (اے نبی!) (یہ) عظیم الشان کتاب ہم نے اسے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لائیں،

صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ ۙ﴿۱﴾ اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ وَوَیۡلٌ

ان کے رب کے اذن سے غالب (اور) لائق تعریف کے راستے کی طرف ① (یعنی) اللہ کی طرف جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں

لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِۣ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ

میں اور زمین میں ہے، اور کافروں کے لیے شدید عذاب سے تباہی ہے ② جو آخرت پر دنیاوی زندگی کو محبوب رکھتے ہیں، اور اللہ کے

وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَیَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ ﴿۳﴾

راستے سے روکتے ہیں، اور اس میں ٹیڑھا پن ڈھونڈتے ہیں، وہی دور کی گمراہی میں ہیں ③

تفسیر آیات : 3-1

کئی سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کے بارے میں بحث ہو چکی ہے۔

قرآن مجید کی تعریف: ﴿ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ ﴾ ''(یہ) ایک (پرنور) کتاب ہے اس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس کتاب کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے۔ کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے جو سب سے اشرف کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنے اس سب سے اشرف رسول پر نازل فرمایا ہے جنھیں روئے زمین کے عربوں، عجمیوں اور تمام انسانوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے۔ ﴿ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ۙ ﴾ ''اس لیے کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اس کتاب کے ساتھ ہم نے آپ کو اس لیے مبعوث کیا ہے تاکہ لوگوں کو ضلالت و گمراہی سے نکال کر ہدایت اور رشد و بھلائی کی طرف لے جائیں جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ۙ یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۬ؕ وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اَوۡلِیٰٓـُٔہُمُ الطَّاغُوۡتُ ۙ یُخۡرِجُوۡنَہُمۡ مِّنَ



النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط ...... ﴾ الآية (البقرة 2:257) ''جولوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ ہے وہ ان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں ان کے دوست شیطان ہیں وہ ان کو روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں......'' اور فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ط ...... ﴾ الآية (الحديد 57:9) ''وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے......''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ﴾ ''ان کے پروردگار کے حکم سے۔'' یعنی اپنے اس رسول کے ہاتھوں، جنھیں اس نے اپنے حکم سے مبعوث فرمایا ہے، اسے ہدایت عطا فرمادے گا جس کے مقدر میں اس نے ہدایت لکھ رکھی ہے۔ ﴿ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ ﴾ ''غالب کے رستے کی طرف۔'' یعنی وہ ذات گرامی اس قدر غالب ہے کہ نہ تو کوئی اس کے حکم کو ٹال سکتا ہے اور نہ کوئی اسے مغلوب کرسکتا ہے بلکہ وہ اپنے علاوہ ساری کائنات اور تمام مخلوقات پر غالب ہے۔ ﴿ الْحَمِيْدِ ① ﴾ ''(وہ) قابلِ تعریف ہے۔'' یعنی وہ اپنے تمام افعال واقوال، احکام شریعت اور اوامر ونواہی میں قابلِ ستائش اور اپنی خبروں میں سچا ہے اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط ﴾ ''وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔'' بعض ائمہ قراءت نے یہاں جملہ مستأنفہ ہونے کی وجہ سے لفظ ﴿ اللّٰهِ ﴾ کو مرفوع پڑھا ہے اور بعض نے صفات جلالت ﴿ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ① ﴾ کی اتباع میں اسے مکسور پڑھا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: ﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَاۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ج ...... ﴾ الآية (الأعراف 7:158) ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے......'' میں ﴿ الَّذِيْ ﴾ کو مرفوع اور مکسور دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِۨ ② ﴾ ''اور کافروں کے لیے بڑے سخت عذاب (کی وجہ) سے تباہی ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) اگر یہ لوگ آپ کی مخالفت اور تکذیب کریں گے تو روز قیامت ان کے لیے خرابی ہوگی، پھر ان لوگوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ﴾ ''جو آخرت کی نسبت دنیا کو پسند کرتے ہیں۔'' یعنی اسے مقدم قرار دیتے اور دنیا ہی کو ترجیح دیتے ہوئے سارے کام اسی کے لیے کرتے ہیں، یہ لوگ آخرت کو فراموش کر کے اسے پس پشت ڈال رہے ہیں۔ ﴿ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں۔'' اللہ کے رستے سے مراد رسولوں کی اتباع کا رستہ ہے۔ ﴿ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ط ﴾ ''اور اس میں کجی چاہتے ہیں۔'' یعنی یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا رستہ ٹیڑھا اور کجی والا ہو جبکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا رستہ صاف ستھرا اور بالکل سیدھا ہے، اس کی مخالفت کرنے والا اور اسے چھوڑنے والا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ جو لوگ اس میں کجی چاہتے ہیں وہ جہالت وضلالت کی وجہ سے حق سے بہت دور ہیں، لہٰذا اس حال میں ان کی اصلاح کی کوئی امید بھی نہیں کی جاسکتی۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ‌ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ

اور ہم نے ہر رسول اس کی قوم کی زبان بولنے والا بھیجا، تا کہ ان کے لیے کھول کر بیان کرے۔ پھر اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے

وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ④

ہدایت دیتا ہے۔اور وہ زبردست، خوب حکمت والا ہے ④

تفسیر آیت :4

ہر پیغمبر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا: یہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق پر خاص لطف وکرم ہے کہ اس نے انھی میں سے ایسے پیغمبر بھیجے جو انھی کی زبان بولتے تھے تا کہ یہ اپنے نبیوں کی بات کو سمجھ لیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنۡ يَّشَآءُ وَيَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ﴾ ”پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔“ یعنی حقیقت حال بیان کرنے اور حجت تمام کرنے کے بعد جسے چاہتا ہے راہ ہدایت سے دور کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے حق کے راستے کی ہدایت عطا فرماتا ہے۔ ﴿وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ﴾ ”اور وہ غالب ہے“ کہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوسکتا۔ ﴿الۡحَكِيۡمُ ④﴾ ”خوب حکمت والا ہے۔“ وہ اپنے تمام افعال میں حکمت والا ہے جو گمراہی کا مستحق ہوتا ہے اسے وہ گمراہ کر دیتا ہے اور جو ہدایت کا اہل ہوتا ہے، اسے ہدایت سے نوازتا ہے۔ اپنی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی یہی سنت رہی ہے کہ اس نے ہر امت کے نبی کو اسی زبان (بولی) کے ساتھ بھیجا جو ان کی امت کی زبان تھی۔

عالمگیر پیغمبر ﷺ: پہلے ہر نبی کو صرف ان کی اپنی قوم ہی کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے عالمگیر نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر تمام لوگوں کی طرف مبعوث فرمایا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُعۡطِيتُ خَمۡسًا لَّمۡ يُعۡطَهُنَّ أَحَدٌ (مِّنَ الۡأَنۡبِيَاءِ) قَبۡلِي: نُصِرۡتُ بِالرُّعۡبِ مَسِيرَةَ شَهۡرٍ، وَّجُعِلَتۡ لِيَ الۡأَرۡضُ مَسۡجِدًا وَّطَهُورًا...... وَأُحِلَّتۡ لِيَ الۡغَنَائِمُ وَلَمۡ تَحِلَّ لِأَحَدٍ قَبۡلِي، وَأُعۡطِيتُ الشَّفَاعَةَ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبۡعَثُ إِلٰى قَوۡمِهٖ خَاصَّةً وَّبُعِثۡتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً] ”مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئی تھیں: (1) ایک مہینے کی مسافت سے رعب کے ساتھ میری مدد کی گئی ہے۔ (2) اور میرے لیے ساری زمین کو مسجد اور پاک قرار دے دیا گیا ہے۔...... (3) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال قرار دیا گیا ہے جبکہ مجھ سے پہلے انھیں کسی دوسرے کے لیے حلال قرار نہیں دیا گیا تھا۔ (4) اور مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔ (5) اور پہلے ہر ہر نبی کو صرف اپنی قوم کی طرف ہی مبعوث کیا جاتا تھا جبکہ مجھے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔“ [1] ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعَا ۨ﴾ ...... الآية (الأعراف 158:7) ”(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی

① صحيح البخاري، التيمم، باب، حديث: 335 اور قوسین والا جملہ بھی صحيح البخاري، الصلاة، باب قول النبيﷺ: [جعلت لي الأرض مسجدا وطهورا]، حديث: 438 میں ہے۔ و صحيح مسلم، كتاب وباب المساجد ومواضع الصلاة، حديث: 521.

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ

اور بلاشک وشبہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال اور انھیں اللہ کے ایام (احسان) یاد دلا۔

اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤

بے شک ان میں البتہ ہر صابر (اور) شاکر کے لیے نشانیاں ہیں⑤

طرف اللہ کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں۔"

تفسیر آیت:5

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) جس طرح ہم نے آپ کو نبوت و رسالت سے سرفراز کیا اور کتاب نازل کی تا کہ آپ تمام لوگوں کو ظلمتوں اور تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف آنے کی دعوت دیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی مشہور نو نشانیاں مراد ہیں۔[1] ہم نے یہ کہتے ہوئے انھیں حکم دیا: ﴿اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ﴾ "اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ۔" یعنی اپنی قوم کو خیر کی دعوت دو تا کہ وہ جہالت وضلالت کی تاریکی سے نکل کر ہدایت کی روشنی اور ایمان کی بصیرت کی طرف آئیں۔ ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ﴾ "اور ان کو اللہ کے (یادگار) دن یاد دلایئے۔" یعنی انھیں اللہ تعالیٰ کے یہ احسانات اور انعامات یاد دلائیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں فرعون کی قید، قہر اور ظلم وستم سے نکال کر اس دشمن سے نجات بخشی، ان کے لیے دریا میں رستے بنا دیے، بادلوں کو سائے کے لیے بھیج دیا، ان پر من وسلویٰ نازل فرمایا اور اپنی دیگر بے شمار نعمتوں سے نوازا۔ اس سلسلے میں امام مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا یہی قول ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ⑤﴾ "اور اس میں صابر وشاکر لوگوں کے لیے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔" یعنی یہ جو ہم نے بنی اسرائیل کے ساتھ حسن سلوک کیا کہ انھیں فرعون کے ظلم سے نجات دی اور اس رسوا کن عذاب سے بچایا جس میں فرعون نے انھیں مبتلا کر رکھا تھا، اس میں ہر اس انسان کے لیے عبرت ہے جو مشکلات میں صبر سے کام لے اور امن وخوشحالی میں شکر ادا کرے جیسا کہ قتادہ رحمہ اللہ نے کہا ہے: "بہترین انسان وہ ہے جو کسی آزمائش میں مبتلا ہو تو صبر کرے اور جب اسے کوئی نعمت میسر ہو تو اپنے رب تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔"[3]

صحیح حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [عَجَبًا لِّأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ، ...... إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ] "مومن کا سارا معاملہ بڑا تعجب انگیز ہے یقیناً اس کا سارا معاملہ اس کے لیے بھلائی ہی ہے...... اگر اسے کوئی مسرت حاصل ہو تو وہ شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی مصیبت پہنچے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ (بھی) اس کے حق میں بہتر ہے۔"[4]

① تفسیر الطبری:238/13. ② تفسیر الطبری:241,240/13. ③ تفسیر الطبری:241/13. ④ صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: المؤمن أمره كله خير، حديث:2999 عن صهيب رضی اللہ عنہ.

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو جب اس نے تمھیں آل فرعون سے نجات دی، وہ تمھیں سخت

يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ

عذاب دیتے تھے اور تمھارے بیٹے ذبح کرتے اور تمھاری بیٹیاں زندہ چھوڑتے تھے، اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۧ ⑥ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ

عظیم آزمائش تھی ⑥ اور جب تمھارے رب نے آگاہ کردیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں مزید دوں گا اور اگر تم کفر کرو

عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦ وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ

گے تو بلاشبہ میرا عذاب بہت شدید ہے ⑦ اور موسیٰ نے کہا: اگر تم کفر کرو گے اور وہ سب لوگ بھی جو زمین میں ہیں تو بے شک اللہ

اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ⑧

بے پروا اور لائق تعریف ہے ⑧

تفسیر آیات: 6-8

انعامات واحسانات کی یاددہانی: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کے یہ انعامات واحسانات یاد دلائے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں آلِ فرعون سے نجات بخشی جس نے انھیں بدترین اور توہین آمیز عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا اور وہ یہ تھا کہ وہ ان کے بیٹوں کو تو ذبح کر دیتے مگر ان کی بیٹیوں کو اپنی خدمت وچاکری کے لیے زندہ رہنے دیتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس عذاب سے نجات عطا فرما دی اور بلاشبہ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر ایک احسان عظیم تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ⑥﴾ ''اور اس میں تمھارے رب کی طرف سے عظیم آزمائش تھی۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی تم پر ایک ایسی عظیم الشان نعمت ہے کہ تم اس کا شکر ادا کر ہی نہیں سکتے۔ اس جملے کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ قوم فرعون تمھارے ساتھ جو سلوک کرتی تھی، یہ ایک بہت بڑی آزمائش تھی۔ اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہاں دونوں مفہوم ہی مراد ہوں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. جیسا کہ فرمایا: ﴿وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ○﴾ (الأعراف 168:7) ''اور ہم آسائشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے تاکہ وہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ﴾ ''اور جب تمھارے پروردگار نے (تم کو) آگاہ کیا۔'' یعنی تم سے کیے ہوئے وعدے سے تم کو مطلع کر دیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کے یہ معنی ہوں کہ جب تمھارے پروردگار نے اپنے عزت وجلال اور کبریائی کی قسم کھائی جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ......﴾ الآية (الأعراف 167:7) ''اور (اس وقت کو یاد کرو) جب آپ کے پروردگار نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ ان پر قیامت تک (ایسے شخص کو) مسلط رکھے گا......''

نعمتوں پر شکر اضافے کا اور ناشکری عذاب کا باعث ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ ''کہ اگر تم شکر کرو گے تو یقیناً میں تمھیں زیادہ دوں گا۔'' یعنی اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کرو گے تو میں تمھیں اور نعمتوں سے سرفراز کروں گا۔

﴿ وَلَئِنۡ كَفَرۡتُمۡ ﴾ ”اور اگر ناشکری کرو گے۔“ یعنی میری نعمتوں کی ناشکری کرو گے، انھیں چھپاؤ گے اور ان کا انکار کرو گے، ﴿ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٞ ⑦ ﴾ ”بلاشبہ (یاد رکھو کہ) میرا عذاب بہت سخت ہے“ کہ میں تمھیں ان نعمتوں سے محروم کر دوں گا اور ان کی ناشکری پر عذاب دوں گا۔ حدیث میں ہے: [إِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ الرِّزْقَ بِالذَّنْبِ يُصِيبُهُ] ”انسان گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ بہت بے نیاز ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالَ مُوسَىٰٓ إِن تَكۡفُرُوٓاْ أَنتُمۡ وَمَن فِي ٱلۡأَرۡضِ جَمِيعٗا فَإِنَّ ٱللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ⑧ ﴾ ”اور موسیٰ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ناشکری کرو تو یقیناً اللہ بھی بے نیاز (اور) بہت تعریف کیا ہوا ہے۔“ یعنی وہ اس بات سے بے نیاز ہے کہ بندے اس کا شکر ادا کریں اور ناشکری کرنے والوں کی ناشکری کے باوجود اس کی ذات ستودہ صفات قابل ستائش اور بے حد قابل تعریف ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ إِن تَكۡفُرُواْ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمۡۖ ...... ﴾ الآیۃ (الزمر 7:39) ”اگر تم ناشکری کرو گے تو یقیناً اللہ تم سے بے پروا ہے......۔“ اور فرمایا: ﴿ فَكَفَرُواْ وَتَوَلَّواْۖ وَّٱسۡتَغۡنَى ٱللَّهُۚ وَٱللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٞ ○ ﴾ (التغابن 6:64) ”تو انھوں نے (حق کو) نہ مانا اور پھر گئے اور اللہ نے بھی بے پروائی کی اور اللہ بے پروا (اور) بہت تعریف کیا ہوا ہے۔“

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[......يَاعِبَادِي! لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ مَّا زَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَّاعِبَادِي ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَّا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا، يَّاعِبَادِي! لَوْأَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ......]

”(اللہ ذوالجلال کا ارشاد گرامی ہے کہ)......اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے اور تمھارے انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے اور تمھارے (تمام) انسان اور جن تم میں سب سے زیادہ بدکار انسان کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میری بادشاہت میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اے میرے بندو! اگر تمھارے پہلے اور پچھلے اور تمھارے (تمام) انسان اور جن ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور مجھ سے مانگیں اور میں ہر انسان کے سوال کے مطابق اسے دے دوں تو اس سے میری بادشاہت میں اتنی کمی نہیں آتی جتنی دریا میں سوئی ڈبونے سے اس کے پانی میں کمی آتی ہے۔“[2] فَسُبْحَانَهُ وَتَعَالَى الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ.

---

[1] مسند أحمد: 282/5 عن ثوبان رضی اللہ عنہ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ دیکھیے ضعیف الجامع الصغیر للألباني، حدیث: 3006.

[2] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحریم الظلم، حدیث: 2577.

اَلَمۡ يَاۡتِكُمۡ نَبَؤُا الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوۡدَ ۛ وَالَّذِيۡنَ

کیا تمھیں ان کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے، (یعنی) قوم نوح اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے؟ جنھیں

مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ ۛؕ لَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا

صرف اللہ جانتا ہے۔ ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لائے تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں لوٹائے

اَيۡدِيَهُمۡ فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَاِنَّا لَفِىۡ شَكٍّ مِّمَّا

اور بولے: بے شک ہم اسے نہیں مانتے جو تمھارے ہاتھ بھیجا گیا ہے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو اس میں

تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ⑨

ہمیں اضطراب میں ڈالنے والا شک ہے ⑨

الثلثۃ

تفسیر آیت:9

امتوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی: یہ اللہ تعالیٰ کی اس امت کے لیے ایک نئی خبر ہے، اللہ تعالیٰ نے قوم نوح، عاد، ثمود اور دیگر امتوں کے واقعات بیان کیے ہیں جنھوں نے اپنے پیغمبروں کی تکذیب کی تھی اور جن کی تعداد کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا ﴿ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ ﴾ ''ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔'' نشانیوں سے مراد واضح اور قطعی نوعیت کے دلائل و براہین ہیں۔ ابن اسحاق نے عمرو بن میمون سے اور انھوں نے عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ لَا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا اللّٰهُ ؕ ﴾ ''جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔'' کے پیش نظر فرمایا کہ نسب بیان کرنے والے جھوٹ بولتے ہیں۔[1] عروہ بن زبیر کا بھی قول ہے کہ ہم نے کوئی ایسا شخص نہیں پایا جو مَعَد بن عدنان کے بعد والے نسب نامے کو جانتا ہو۔[2]

﴿ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ ﴾ کی تفسیر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَرَدُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فِىۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ ﴾ ''تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ دیے۔'' اس کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں کہ جب انبیائے کرام نے انھیں اللہ کے دین کی دعوت دی تو انھوں نے ان کے مونہوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے انھیں خاموش ہو جانے کے لیے کہا۔ اور دوسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ انبیائے کرام کی تکذیب کرتے ہوئے اپنے ہاتھ انھوں نے اپنے مونہوں پر رکھ لیے۔ اور تیسرے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ یہ انبیائے کرام علیہم السلام کے جواب سے سکوت اختیار کرنے سے عبارت ہے۔ اور چوتھے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں کہ وہ غصے سے اپنے ہاتھوں کو کاٹنے لگے۔ مجاہد، محمد بن کعب اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے انبیائے کرام کی تکذیب کی اور اپنے مونہوں سے ان کی بات کی تردید کردی۔[3] میں کہتا ہوں کہ اس تفسیر کی تائید ان اگلے الفاظ سے بھی ہوتی ہے: ﴿ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَاِنَّا لَفِىۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَيۡهِ مُرِيۡبٍ ⑨ ﴾ ''اور کہنے لگے: بے شک ہم

---

① تفسیر الطبری:245/13. ② تفسیر ابن أبی حاتم:2236/7. ③ تفسیر الطبری:247/13 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2237/7.

قَالَتۡ رُسُلُهُمۡ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ يَدۡعُوۡكُمۡ لِيَغۡفِرَ لَكُمۡ مِّنۡ

ان کے رسولوں نے کہا: کیا (تمھیں) اس اللہ کی بابت شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمھیں بلاتا ہے کہ تمھارے

ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرَكُمۡ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوۡۤا اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُنَا ؕ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ

گناہ معاف کر دے اور تمھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ وہ کہنے لگے: تم ہمارے جیسے بشر ہی تو ہو، تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان (معبودوں)

تَصُدُّوۡنَا عَمَّا كَانَ يَعۡبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاۡتُوۡنَا بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ⑩ قَالَتۡ لَهُمۡ رُسُلُهُمۡ اِنۡ

سے روک دو جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، لہٰذا ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل (معجزہ) لے آؤ⑩ ان کے رسولوں نے ان سے کہا:

نَّحۡنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ

واقعی ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں اور لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر احسان کرتا ہے۔ اور ہمیں یہ اختیار نہیں کہ اللہ کے حکم

نَّاۡتِيَكُمۡ بِسُلۡطٰنٍ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ⑪ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نَتَوَكَّلَ

کے بغیر ہم تمھارے پاس کوئی نشانی (یا دلیل) لاسکیں، اور مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے⑪ اور ہمارے پاس کیا عذر ہے کہ ہم اللہ پر توکل

عَلَى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصۡبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَيۡتُمُوۡنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ

نہ کریں، جبکہ وہ ہمیں ہماری راہیں دکھا چکا ہے؟ اور ہم ان ایذاؤں پر ضرور صبر کریں گے جو تم ہمیں دیتے ہو۔ اور پس توکل کرنے والوں

الۡمُتَوَكِّلُوۡنَ ⑫ ع

کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے⑫

اسے نہیں مانتے جو تمھارے ہاتھ بھیجا گیا ہے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم ایسے شک میں ہیں جو اضطراب میں ڈالنے والا ہے۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جب انھوں نے کلام الٰہی کو سنا تو اس سے تعجب کیا اور اپنے ہاتھوں کو اپنے مونہوں پر رکھ لیا۔[1] ﴿ وَقَالُوۡۤا اِنَّا كَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ...... ﴾ الآیۃ ''اور کہنے لگے کہ بے شک جو تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے، اسے ہم تسلیم نہیں کرتے......'' جو چیز تم ہمارے پاس لائے ہو ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے بلکہ اس کے صحیح ہونے کے بارے میں ہمیں بڑا پختہ شک ہے۔

تفسیر آیات:10-12

انبیائے کرام علیہم السلام اور کفار کے مابین جھگڑا: اللہ تعالیٰ اس جھگڑے کے بارے میں بیان فرما رہا ہے جو کفار اور ان کے رسولوں کے مابین ہوا تھا۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام نے جب اپنی امتوں کو یہ حکم دیا کہ وہ صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کریں تو وہ اس کے بارے میں شک میں مبتلا ہو گئے تو انبیائے کرام نے ان کے شک کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ ﴾ ''کیا (تمھیں) اللہ (کے بارے) میں شک ہے؟'' یعنی کیا تمھیں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی ذات گرامی کے لیے وجوب عبادت میں شک ہے جبکہ وہ تمام موجودات کا خالق ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہی مستحق عبادت ہے۔

[1] تفسیر الطبری:13/247.

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰۤى

اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا: ہم تمھیں اپنی زمین سے ضرور نکال دیں گے یا تم ضرور بالضرور ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے، چنانچہ ان کے

اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ⑬ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ

رب نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے⑬ اور ان کے بعد ہم ضرور تمھیں (اس) سرزمین میں آباد کریں گے، یہ (انعام)

خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ⑮ مِّنْ وَّرَآئِهٖ

اس کے لیے ہے کہ جو میرے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور میری وعید سے ڈرا⑭ اور انھوں نے فتح مانگی اور ہر سرکش، عناد رکھنے والا ناکام ہوا⑮ اس

جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ⑯ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ

کے آگے جہنم ہے اور (وہاں) اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا⑯ جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیے گا مگر حلق سے نہ اتار سکے گا، اور ہر جگہ سے اس کو موت آئے

كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ⑰

آئے گی، جبکہ وہ مرے گا نہیں۔ اور اس کے آگے نہایت سخت عذاب ہو گا⑰

اکثر امتیں اس بات کا اقرار تو کرتی تھیں کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اللہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسے وسیلوں اور واسطوں کے بھی قائل تھے جن کے بارے میں ان کا گمان یہ تھا کہ یہ انھیں نفع پہنچا سکتے اور تقرب الٰہی کے مقام پر فائز کر سکتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے ان لوگوں سے فرمایا: ﴿ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ ﴾ ''وہ تمھیں اس لیے بلاتا ہے کہ تم سے تمھارے گناہ معاف کر دے۔'' یعنی آخرت میں۔ ﴿ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ ﴾ ''اور ایک مدت مقررہ تک تمھیں مہلت دے۔'' یعنی اس دنیا میں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ ...... ﴾ الآیة (ھود 11:3) ''اور یہ کہ تم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، وہ تمھیں وقت مقررہ تک بہت اچھا فائدہ دے گا اور ہر صاحب فضل کو اس کی بزرگی دے گا......''

کافروں نے بشریت کی وجہ سے انبیاء کی رسالت کا انکار کیا: امتوں نے گویا انبیائے کرام علیہم السلام کی پہلی (مذکورہ) بات (جو الوہیت کے متعلق تھی) کو تو تسلیم کر لیا لیکن مقام رسالت کے بارے میں جھگڑا کرتے ہوئے کہا۔ اور انھوں نے جو کہا اس کا خلاصہ یہ ہے: ﴿ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ ﴾ ''تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو۔'' یعنی ہم محض تمھاری بات سن کر تمھاری کس طرح پیروی کریں جبکہ ہم نے تمھارا کوئی معجزہ نہیں دیکھا ﴿ فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ⑩ ﴾ ''تو تم ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل (معجزہ) لاؤ۔'' جو خرق عادت ہو اور ہم اس کے متعلق تمھیں کوئی تجویز دیں۔ ﴿ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ ''ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا کہ ہاں، ہم تمھارے ہی جیسے آدمی ہیں۔'' یہ بات صحیح ہے کہ بشریت کے اعتبار سے ہم تمھارے جیسے بشر ہی ہیں۔ ﴿ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ ﴾ ''اور لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر (نبوت کا) احسان کرتا ہے۔'' یعنی جسے چاہتا ہے نبوت و رسالت سے سرفراز فرما دیتا ہے۔ ﴿ وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ''اور ہمیں اختیار نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر تمھارے پاس (تمھاری فرمائش کے مطابق)

معجزہ لائیں۔''یعنی ہم معجزہ صرف اسی صورت میں دکھا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں سوال کریں اور وہ ہمیں اس کی اجازت عطا فرما دے۔ ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔'' یعنی اپنے تمام امور و معاملات میں، پھر پیغمبروں نے فرمایا: ﴿ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''اور ہم کیونکر اللہ پر بھروسا نہ رکھیں؟'' یعنی اس پر بھروسا رکھنے میں ہمیں کیا امر مانع ہے جبکہ اس نے ہمیں سب سے سیدھے، واضح اور روشن رستے کی ہدایت فرمائی۔ ﴿ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ﴾ ''اور جو تکلیفیں تم ہم کو دیتے ہو اس پر ہم ضرور صبر کریں گے۔'' خواہ ان کا تعلق بری باتوں سے ہو یا گھٹیا کرتوتوں سے ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ ہی پر بھروسا کرنے والوں کو بھروسا کرنا چاہیے۔''

تفسیر آیات:13-17

امتوں کی اپنے رسولوں کو دھمکی اور اللہ تعالیٰ کی رسولوں کو خوشخبری: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کافر امتوں نے اپنے رسولوں کو دھمکی دی کہ وہ انھیں اپنے اپنے علاقے سے نکال کر جلاوطن کر دیں گے جیسا کہ قوم شعیب نے شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں سے کہا تھا: ﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ ...... ﴾ الآية (الأعراف 88:7) ''شعیب (یا تو) ہم تجھے اور جو لوگ تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنی بستی سے ضرور نکال دیں گے......'' اور اسی طرح قوم لوط نے کہا تھا: ﴿ اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ...... ﴾ الآية (النمل 56:27) ''آل لوط کو تم اپنی بستی سے نکال دو......''

مشرکین قریش کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ﴾ الآية (بنیٓ إسرآءیل 76:17) ''اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ لوگ آپ کو اس زمین (مکہ) سے اکھاڑنے لگے تھے تاکہ آپ کو یہاں سے نکال دیں اور اس وقت آپ کے پیچھے نہ ٹھہرتے مگر تھوڑی ہی دیر۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنفال 30:8) ''اور (اے نبی! اس وقت کو یاد کریں) جب کافر لوگ آپ کے بارے میں تدبیر کر رہے تھے کہ آپ کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا (مکہ سے) آپ کو نکال دیں، اور (ادھر) وہ تدبیر کر رہے تھے اور (ادھر) اللہ تدبیر کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔'' لیکن کافروں کی ان تمام چالوں کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کرنا یہ ہوا کہ اس نے اپنے رسول کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما کر غالب کر دیا اور مکہ سے نکلنے کے سبب انصار و مددگار اور ایسے مجاہدین عطا فرما دیے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کیا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائی حتی کہ وہ مکہ بھی فتح ہو گیا جس (کے مکینوں) نے آپ کو ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ پر قبضہ عطا فرما دیا اور ان تمام دشمنوں کی ناک خاک میں ملا دی، خواہ ان کا تعلق مکہ سے تھا یا مکہ سے باہر کے علاقوں سے حتی کہ لوگ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے اور بہت ہی تھوڑے عرصے میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ اور اس کا دین مشرق و مغرب کے تمام ادیان پر غالب آ گیا۔

اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ

بَعْدِهِمْ ﴾ ''تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کریں گے اور ان کے بعد ہم ضرور تمھیں اسی زمین میں آباد کریں گے۔'' جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ۝ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:171-173) ''اور در حقیقت ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے بھیجے ہوئے بندوں کے لیے صادر ہو چکا ہے کہ یقیناً انھی کی مدد کی جائے گی اور بلاشبہ ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ ﴾ (المجادلة 58:21) ''اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے، بے شک اللہ زور آور (اور) بڑا زبردست ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ ﴾ الآية (الأنبيآء 21:105) ''اور یقیناً ہم نے نصیحت (آموز کتاب، یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا کہ بے شک میرے نیکوکار بندے زمین کے وارث ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ڐ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:128) ''موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو، بے شک زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام تو ڈرنے والوں ہی کے لیے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:137) ''اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو اس زمین کے مشرق و مغرب کا، جس میں ہم نے برکت رکھی تھی، وارث کر دیا اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے آپ کے پروردگار کا اچھا وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (کارخانے) بناتے اور (جو محلات) وہ بلند کرتے تھے (سب کو) ہم نے تباہ کر دیا۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ⑭ ﴾ ''یہ (وعدہ) اس شخص کے لیے ہے جو (قیامت کے روز) میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور میری وعید سے ڈرا۔'' یعنی میری یہ وعید اس شخص کے لیے ہے جو روز قیامت میرے آگے کھڑا ہونے سے، میری وعید، میرے خوف اور میرے عذاب سے ڈرے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى ۝ وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:37-39) ''پھر جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دی تو بے شک اس کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:46) ''اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو باغ ہیں۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاسْتَفْتَحُوْا ﴾ ''اور انھوں نے فتح چاہی۔'' یعنی پیغمبروں نے اپنی قوم کے خلاف اپنے رب تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کی۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ رحمہم اللہ کا قول ہے[1] جبکہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ نے اس کا

---

① تفسیر الطبری: 13/252,253.

مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ امتوں نے اپنے ہی خلاف فتح طلب کی جیسا کہ انھوں نے یہ کہا: ﴿ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ﴾ (الأنفال 32:8) ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔''[1] اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ دونوں معنی ہی مراد ہوں جیسا کہ بدر کے دن کفار نے اپنے خلاف مدد مانگی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے مشرکوں سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ...... ﴾ الآية (الأنفال 19:8) ''(کافرو!) اگر تم فیصلہ مانگتے تھے تو تمھارے پاس فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو تمھارے حق میں بہتر ہے......'' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ ﴾ ''اور ہر سرکش، ضدی نامراد رہ گیا۔'' یعنی جو بنفسہٖ سرکش ہے اور حق قبول کرنے میں ضدی اور معاند ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝ ﴾ (قٓ 50:24-26) ''(حکم ہوگا) تم دونوں ہر سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو۔ جو بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا (اور دین میں) شک کرنے والا تھا۔ جس نے اللہ کے ساتھ دوسرا معبود بنا لیا تھا تو تم دونوں اس کو سخت عذاب میں ڈال دو۔'' حدیث میں ہے: [يَخْرُجُ عُنُقٌ مِّنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ......، يَقُولُ: إِنِّي وُكِّلْتُ بِثَلَاثَةٍ: بِكُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ، ......] ''قیامت کے دن آگ سے ایک گردن نکلے گی......، کہے گی کہ مجھے تین طرح کے لوگوں پر مسلط کیا گیا ہے: ہر سرکش اور ناشکرے پر،......''[2] یعنی جب حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اپنے غالب و مقتدر رب تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس میں الحاح وزاری کرنے کی وجہ سے کامیاب و کامران ہوں گے تو یہ سرکش اور ضدی لوگ ناکام و نامراد ہو جائیں گے۔

''وراء'' بمعنی آگے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ ﴾ ''اس کے آگے دوزخ ہے۔'' وَرَاءَ کا لفظ یہاں أَمَام ''آگے'' کے معنی میں ہے جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں ہے: ﴿ وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ۝ ﴾ (الكهف 79:18) ''اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی زبردستی چھین لیتا تھا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسے پڑھا ہی اس طرح کرتے تھے: [وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَّلِكٌ] ''ان کے آگے ایک بادشاہ تھا۔''[3] یعنی جابر اور سرکش کے آگے جہنم ہوگا جو اس کے لیے گھات لگائے ہوگا اور روز قیامت اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس میں داخل کر دیا جائے گا اور قیامت کے دن تک اسے صبح شام جہنم کے سامنے پیش کیا جائے گا۔

---

[1] تفسير الطبري: 254/13. [2] جامع الترمذي، صفة جهنم، باب ما جاء صفة النار، حديث: 2574 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ. اور حدیث میں بیان کیے گئے تین طرح کے لوگوں میں سے باقی دو قسم کے وہ لوگ ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں اور جو تصویریں بناتے ہیں۔ [3] تفسير ابن أبي حاتم: 2379/7.

﴿ وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴾ ''اور (وہاں) اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔''یعنی جہنم میں ان کے پینے کوسوائے گرم کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کے اور کچھ نہ ہوگا جن میں سے ایک بے انتہا سخت گرم اور دوسرا بے حد سرد اور بدبودار ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۙ○ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ○ ﴾ (صٓ 38:57,58) ''یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے تو وہ اس کو چکھیں۔ اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے (عذاب) ہیں۔'' مجاہد اور عکرمہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ صَدِيْدٍ ﴾ کے معنی پیپ اور خون کے ہیں۔[1] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ○ ﴾ (محمد 47:15) ''اور وہ سخت کھولتا ہوا پانی پلائے جائیں گے تو وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ...... ﴾ الآیة (الکھف 18:29) ''اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ایسے پانی سے ان کی دادرسی کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کے مانند ہوگا، وہ (ان کے) چہرے بھون ڈالے گا......'' امام ابن جریر نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ يَّتَجَرَّعُهٗ ﴾ ''وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیے گا۔'' وہ اس کے گلے میں پھنسے گا اور اسے ناپسند سمجھے گا مگر مجبوراً اسے پیے گا۔ وہ اسے منہ پر بھی نہیں رکھنا چاہے گا مگر فرشتہ لوہے کے ہتھوڑے سے اسے مار مار کر پینے پر مجبور کر دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ○ ﴾ (الحج 22:21) ''اور ان (کے مارنے) کے لیے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔'' ﴿ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ ﴾ ''اور گلے سے نہیں اتار سکے گا۔'' اس کے ذائقے، رنگ، بدبو اور شدید حرارت کی وجہ سے یا نا قابل برداشت سرد ہونے کی وجہ سے اسے گلے سے نہیں اتار سکے گا۔ ﴿ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ﴾ ''اور ہر جگہ سے اسے موت آئے گی۔'' اس کا سارا بدن اور اس کے تمام اعضاء بے پناہ تکلیف میں ہوں گے۔ عمرو بن میمون بن مہران کہتے ہیں کہ اس کی ہر ہر ہڈی، پٹھا اور رگ درد والم میں مبتلا ہوگی۔[3]

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں یہ روایت کیا ہے کہ وہ مختلف انواع واقسام کے عذاب جن سے اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت جہنم کی آگ میں سزا دے گا اگر اس نے مرنا ہوتا تو مرنے کے لیے ان میں سے ہر ایک عذاب کافی ہوگا لیکن اب وہ یہاں مرے گا نہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا ﴾ (فاطر 35:36) ''ان کے متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ وہ مر جائیں۔''[4]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ان مختلف انواع واقسام کے عذابوں میں سے ہر عذاب اس قدر شدید ہوگا کہ اگر کسی پر وارد ہو تو وہ مر جائے لیکن جہنمی نہیں مریں گے تا کہ ہمیشہ جہنم کی سزاؤں اور عذابوں میں مبتلا رہیں، اسی وجہ سے فرمایا ہے: ﴿ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ ﴾ ''اور ہر جگہ سے اُسے موت آ رہی ہوگی لیکن وہ مرنے والا نہیں (ہوگا۔)''

[1] تفسیر الطبری:13/255 و تفسیر ابن أبي حاتم:7/2239. [2] تفسیر الطبری:15/300. [3] تفسیر ابن أبي حاتم: 7/2239. [4] تفسیر ابن أبي حاتم:7/2239.

ارشادالٰہی ہے: ﴿ وَمِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴾ ''اوراس کے آگے نہایت سخت عذاب ہوگا۔'' یعنی اس حال کے بعد وہ ایک اور سخت عذاب میں مبتلا ہوگا۔ ﴿ غَلِيْظٌ ﴾ کے معنی بڑا دردناک، مشکل، شدید اور پہلے سے بھی زیادہ سخت کے ہیں۔ یہ عذاب بڑا ہی سخت اور بڑا ہی تلخ ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے زقوم کے درخت کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ۝ طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ۝ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ۝ ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَا۟اِلَى الْجَحِيْمِ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:64-68) ''بے شک وہ ایک درخت ہے جو جہنم کی تہ میں اگتا ہے۔ اس کا خوشا گویا وہ شیطانوں کے سر ہیں، سو وہ (دوزخی) اسی میں سے کھائیں گے، پھر اس سے (اپنے) پیٹ بھریں گے۔ پھر اس (کھانے) کے ساتھ یقیناً ان کے لیے کھولتے پانی کا آمیزہ ہوگا، پھر بلاشبہ ان کو دوزخ کی طرف لوٹنا ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ کبھی وہ تھوہر کا درخت کھائیں گے، کبھی گرم کھولتا ہوا پانی پئیں گے اور کبھی جہنم کی طرف لے جائے جائیں گے۔ عِيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ.

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِيْ يُكَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:43,44) ''یہی وہ جہنم ہے جسے گناہ گار لوگ جھٹلاتے تھے۔ وہ دوزخ اور سخت کھولتے پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ۝ ذُقْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ۝ اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ۝ ﴾ (الدخان 44:43-50) ''بلاشبہ تھوہر کا درخت، گناہ گار کا کھانا ہے، جیسے پگھلا ہوا تانبا، پیٹوں میں اس طرح کھولے گا جس طرح پانی کھولتا ہے۔ (حکم ہوگا) اسے پکڑ لو اور گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ لے جاؤ، پھر اس کے سر پر کھولتے ہوئے پانی کا عذاب انڈیل دو، (مزہ) چکھ! بے شک تو بڑا عزت والا سردار بنا پھرتا تھا۔ بلاشبہ یہی وہ (عذاب) ہے جس میں تم لوگ شک کرتے تھے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۥ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝ فِيْ سَمُوْمٍ وَّحَمِيْمٍ ۝ وَّظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيْمٍ ۝ ﴾ (الواقعة 56:41-44) ''اور بائیں ہاتھ والے، کیا (حقیر) ہیں بائیں ہاتھ والے! وہ سخت گرم ہوا اور کھولتے ہوئے پانی میں ہوں گے۔ اور سیاہ ترین دھوئیں کے سائے میں۔ (جو) نہ ٹھنڈا (ہوگا) اور نہ فرحت بخش۔'' اور فرمایا: ﴿ هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ۝ وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖٓ اَزْوَاجٌ ۝ ﴾ (صٓ 38:55-58) ''یہ (نعمتیں تو فرماں برداروں کے لیے) اور بلاشبہ سرکشوں کے لیے بہت برا ٹھکانا ہے۔ (یعنی) دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے، چنانچہ وہ بری آرام گاہ ہے۔ یہ کھولتا ہوا پانی اور پیپ (ہے) اب وہ اس (کے مزے) کو چکھیں، اور اسی طرح کے دوسرے بہت سے (عذاب ہوں گے۔)''

اسی طرح کی اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جہنمیوں کو قسم قسم کا عذاب ہوگا اور انھیں بار بار

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ

جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کے (نیک) اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلی۔ جو کچھ انھوں نے کمایا

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱

وہ اس پر کوئی قدرت نہیں رکھیں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے ⑱

اس قدر مختلف انواع واقسام کا عذاب دیا جائے گا جنھیں اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا اور یہ ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ ہوگا۔ ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 46:41) ”اور آپ کا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔“

تفسیر آیت:18

کافروں کے اعمال کی مثال: یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے اعمال کے لیے بیان کی ہے جنھوں نے غیر اللہ کی عبادت کی، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اعمال کو غلط بنیاد پر استوار کیا جس کی وجہ سے ان کے یہ اعمال اس وقت رائیگاں ہو جائیں گے جب انھیں ان کی شدید ضرورت ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کیا ان کے اعمال کی مثال۔“ یعنی قیامت کے دن ان کے اعمال کی مثال جب وہ اللہ تعالیٰ سے ان کا ثواب طلب کریں گے، اس لیے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ کسی چیز پر تھے مگر وہ اعمال کا کوئی صلہ نہ پائیں گے اور انھیں کچھ حاصل نہ ہوگا جیسا کہ اس راکھ سے حاصل نہیں ہوتا جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے اور وہ اسے اڑا لے جائے۔ ﴿ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ ﴾ ”آندھی والے دن۔“ یعنی جس طرح بہت شدید اور زبردست آندھی چلے، لہٰذا یہ اپنے ان اعمال پر ذرہ برابر قادر نہ ہوں گے جو انھوں نے دنیا میں کیے ہوں گے جیسا کہ یہ آندھی میں راکھ کے جمع کرنے پر قادر نہیں ہو سکتے۔

یہ اس طرح ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ○ ﴾ (الفرقان 23:25) ”اور جو انھوں نے (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ○ ﴾ (اٰل عمرٰن 117:3) ”(کافر) اس دنیا میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس کی مثال ایسی آندھی کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو، وہ ایسے لوگوں کی کھیتی پر چلے جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو اسے تباہ کر دے اور اللہ نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔“ اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (البقرۃ 264:2) ”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے صدقات (وخیرات) احسان جتانے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ

کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے ⑲

جَدِيْدٍ ۙ⑲ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ⑳

اور اللہ کے لیے یہ (کام) کچھ بھی مشکل نہیں ⑳

برباد نہ کردو جو لوگوں کو دکھاوے کے لیے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتا، تو اس (کے مال) کی مثال چکنے پتھر کی سی ہے جس پر مٹی پڑی ہو، پھر اس پر زور کا مینہ برس کر اسے صاف کر ڈالے، (اسی طرح) یہ (ریاکار) جو نیکی کرتے ہیں، اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔ اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''

اور یہاں اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱ ﴾ ''یہی تو دور کی گمراہی ہے۔'' یعنی ان کی جدوجہد اور ان کا عمل کسی اساس پر نہیں ہے اور نہ انھیں کوئی استقامت حاصل ہے جس کی وجہ سے یہ اپنے اعمال کے ثواب سے اس وقت محروم ہوں گے جب انھیں اس کی بہت ضرورت ہوگی اور یہی تو پرلے سرے کی گمراہی ہے۔

تفسیر آیات: 20,19

حیات بعد الممات کی دلیل: اللہ تعالیٰ نے روز قیامت جسموں کے دوبارہ پیدا کرنے کے بارے میں اپنی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے جو انسانوں کے پیدا کرنے کی نسبت زیادہ بڑی بات ہے۔ وہ ذات گرامی جس نے ان بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ، بے حد و حساب، وسیع و عریض اور عظیم الشان آسمانوں کو پیدا فرمایا، پھر اس نے ان میں مختلف حرکات کے حامل ثوابت اور سیاروں اور دیگر بے شمار روشن نشانیوں کو پیدا کیا، پھر اس زمین کو پیدا فرمایا جسے اس نے بچھونے کی طرح ہموار بنایا اور کہیں ناہموار کر دیا اور کہیں اس میں میخوں کی طرح پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں میدانوں، صحراؤں، جنگلوں، دریاؤں، سمندروں، درختوں، نباتات اور حیوانات کے مختلف انواع و اقسام، متعدد فوائد اور بے شمار شکلوں اور رنگوں سے (مزین) سلسلے پیدا فرما دیے، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ بَلٰٓى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ ﴾ (الأحقاف 33:46) ''کیا انھوں نے نہیں سمجھا کہ بے شک اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں، وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے، کیوں نہیں! یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ

اور وہ سب (لوگ) اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو کمزور لوگ ان لوگوں سے کہیں گے جو (دنیا میں) تکبر کرتے تھے: بے شک ہم تو تمھارے تابع

مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ

تھے، پھر کیا تم ہم سے اللہ کا کچھ عذاب دور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے: اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمھیں بھی ہدایت کرتے۔ اب ہمارے لیے

عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿21﴾

برابر ہے، خواہ ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ﴿21﴾

بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:77-83) ''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا، پھر یکا یک وہ کھلا جھگڑنے لگا۔ اور ہمارے بارے میں مثال بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا: (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا کہ جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔ (وہی) جس نے تمھارے لیے سرسبز و شاداب درخت سے آگ پیدا کی، پھر تم اس (کی ٹہنیوں کو رگڑ کر ان) سے آگ نکالتے ہو، بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! اور وہ تو بہت بڑا پیدا کرنے والا (اور) علم والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ ﴾ (فاطر 35:16,17) ''اگر وہ چاہے تو تم کو نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے۔ اور یہ اللہ پر کچھ مشکل نہیں۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے یہ کوئی بڑی یا محال بات نہیں ہے بلکہ اس کے لیے یہ بہت آسان ہے کہ جب تم اس کے حکم کی خلاف ورزی کرو تو وہ تمھیں نابود کر کے تمھاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے جو تمھارے جیسے نہ ہوں جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ○ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ○ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ○ ﴾ (فاطر 35:15-17) ''اے لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پروا لائق حمد (وثنا) ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم کو نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ○ ﴾ (محمد 47:38) ''اور اگر تم پھرو گے تو وہ تمھاری جگہ اور لوگوں کو لے آئے گا، پھر وہ تمھاری طرح نہیں ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ ...... ﴾ الآية (المآئدة 5:54) ''اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسی قوم لے آئے گا کہ وہ ان سے محبت کرتا ہوگا اور وہ اس سے محبت کرتے ہوں گے......'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ○ ﴾ (النسآء 4:133) ''لوگو! اگر وہ چاہے تو تمھیں

لے جائے اور دوسرے لوگوں کو لے آئے اور اللہ اس بات پر پوری طرح قادر ہے۔''

تفسیر آیت: 21

جہنم میں غلط پیشواؤں اوران کے پیروکاروں کا جھگڑا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَبَرَزُوْا ﴾ ''اور وہ سامنے (کھڑے) ہوں گے۔'' یعنی تمام مخلوق میں نیک بھی اور بد بھی اللہ واحد وقہار کے سامنے کھڑے ہوں گے، یعنی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ایسے چٹیل میدان میں کھڑے ہوں گے اور وہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہوگی جو کسی کو چھپائے۔ ﴿ فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا ﴾ ''تو ضعیف لوگ کہیں گے۔'' یعنی پیروکار اپنے قائدین، سرداروں اور وڈیروں سے کہیں گے۔ ﴿ لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا ﴾ ''جو لوگ (دنیا میں) تکبر کرتے تھے۔'' جنھوں نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت سے اور رسولوں کی اطاعت سے تکبر کیا، انھیں کہیں گے: ﴿ اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ﴾ ''بے شک ہم تو تمھارے پیرو تھے۔'' یعنی تم نے ہمیں جو بھی حکم دیا ہم نے اس کی اطاعت کی اور اس کے مطابق عمل کیا۔ ﴿ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''پھر کیا تم اللہ کا کچھ عذاب ہم سے رفع کر سکتے ہو؟'' یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کچھ حصے کو ہم سے دور کر سکتے ہو جیسا کہ تم ہم سے وعدے کیا کرتے اور ہمیں امیدیں دلایا کرتے تھے۔ یہ سن کر ان کے پیشوا جواب دیں گے: ﴿ لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ﴾ ''اگر اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم ضرور تمھیں ہدایت کرتے۔'' لیکن ہمارے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان سچا ثابت ہو گیا ہے اور ہمارے اور تمھارے لیے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو گیا ہے اور کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا ہے۔ ﴿ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ ﴾ ''(اب) ہم روئیں پیٹیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے، ہمارے لیے بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔'' یعنی خواہ ہم صبر کریں یا گھبراہٹ کا اظہار کریں، ہم اس عذاب سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔

میں کہتا ہوں کہ بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ پیروکاروں اور پیشواؤں کی یہ گفتگو جہنم میں داخل ہونے کے بعد ہوگی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ يَتَحَآجُّوْنَ فِي النَّارِ فَيَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِيْبًا مِّنَ النَّارِ ۝ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِيْهَآ ۙ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ۝ ﴾ (المؤمن 48,47:40) ''اور جب وہ دوزخ میں باہم جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ بلاشبہ ہم تو (دنیا میں) تمھارے تابع تھے، پھر کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو۔ جن لوگوں نے تکبر کیا تھا وہ کہیں گے: بے شک ہم سب ہی اس دوزخ میں ہیں، یقیناً اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 39,38:7) ''تو اللہ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں، ان کے ساتھ تم بھی داخل

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ

اور جب (جنت یا جہنم کے) معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا تو شیطان کہے گا: بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا، اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا تو

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا

اس کی میں نے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا مگر یہ کہ میں نے تمھیں دعوت دی تو تم نے میری بات مان لی، چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو اور

اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ

اپنے آپ کو ملامت کرو۔ میں تمھارا فریادرس نہیں اور نہ تم میرے فریادرس ہو۔ بلاشبہ میں تو اس کا انکار کرتا ہوں جو تم اس سے پہلے مجھے (اللہ کا) شریک

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿22﴾ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

ٹھہراتے تھے۔ بے شک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿22﴾ اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے وہ ایسی جنتوں میں داخل کیے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿23﴾

جائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ اپنے رب کے اذن سے ہمیشہ وہاں رہیں گے۔ وہاں ان کی (ملاقات کی) دعا ''سلام'' ہوگی ﴿23﴾

جہنم ہو جاؤ، جب بھی ایک امت (وہاں) جا داخل ہوگی تو وہ اپنے جیسی دوسری امت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو دوسری جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا، لہٰذا تو ان کو آتش جہنم کا دگنا عذاب دے۔ اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے۔ اور پہلی جماعت دوسری سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی تو جو (عمل) تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے میں عذاب (کے مزے) کو چکھو۔'' اور فرمایا: ﴿رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ○ رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ○﴾ (الأحزاب 33:67,68) ''(وہ کہیں گے) اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انھوں نے ہمیں رستے سے گمراہ کر دیا۔ اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت لعنت کر۔''

جہاں تک میدان حشر میں ان کے باہمی جھگڑے کا تعلق ہے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖۚ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ الْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَآ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْٓا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ○ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْٓ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○﴾ (سبا 34:31-33) ''اور کاش! (ان) ظالموں کو آپ اس وقت دیکھیں جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہوں گے۔ جو لوگ (دنیا میں) کمزور سمجھے جاتے تھے وہ متکبر لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے۔ تکبر کرنے والے کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے جب وہ

تمھارے پاس آ چکی تھی، روکا تھا۔ (نہیں) بلکہ تم (خود ہی) مجرم تھے۔ اور کمزور لوگ متکبر لوگوں سے کہیں گے (نہیں!) بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو پشیمانی کو چھپائیں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے، پس جو عمل وہ کرتے تھے ان کو انھی کا بدلہ ملے گا۔''

تفسیر آیات: 23,22

قیامت کے دن ابلیس کا اپنے پیروکاروں سے خطاب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب وہ اپنے بندوں کے مابین فیصلہ فرما کر مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں داخل کر دے گا تو ابلیس ملعون کھڑا ہو کر کافروں سے خطاب کرے گا تا کہ ان کے حزن و ملال، غم و فکر اور حسرت و ندامت میں مزید اضافہ کر دے، وہ کہے گا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ ﴾ ''بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی جو وعدہ کیا تھا، اور وعدہ یہ کیا تھا کہ رسولوں کی اتباع ہی میں نجات اور سلامتی ہے، اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ حق اور اس کی بتائی ہوئی یہ خبر سچی تھی اور جو وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ ﴾ (النسآء 4:120) ''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور انھیں امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ وہ (شیطان) انھیں وعدے دیتا ہے وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔'' پھر ابلیس کہے گا: ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ﴾ ''اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا۔'' یعنی میں نے تمھیں جس چیز کی دعوت دی اس کی کوئی دلیل نہیں تھی اور جو تم سے وعدہ کیا اس کی کوئی حجت نہ تھی۔ ﴿ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ ﴾ ''مگر یہ کہ میں نے تمھیں بلایا تو تم نے میرا کہنا مان لیا۔'' یعنی میں نے تو تمھیں محض دعوت ہی دی تھی جبکہ رسولوں نے جو دعوت پیش کی تو اس کی صداقت کے انھوں نے صحیح صحیح دلائل و براہین بھی پیش کیے مگر تم نے ان کی مخالفت کی، اسی وجہ سے آج تم اپنے اس انجام کو پہنچے ہو۔

﴿ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ﴾ ''چنانچہ تم مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔'' یعنی گناہ تمھارا ہی ہے کہ تم نے دلائل و براہین کی مخالفت کی اور میری باطل دعوت کو بغیر کسی دلیل کے قبول کر لیا۔ ﴿ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ ﴾ ''(نہیں) میں تمھارا فریاد رس نہیں ہوں۔'' آج میں تمھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا اور نہ اس عذاب سے تمھیں نجات دلا سکتا ہوں۔ ﴿ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ ﴾ ''اور نہ تم میرے فریاد رس ہو۔'' یعنی نہ مجھے کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہو اور نہ اس عذاب سے مجھے نجات دلا سکتے ہو۔ ﴿ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَاۤ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ ﴾ ''بلاشبہ میں تو اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ تم اس سے پہلے مجھے (اللہ کا) شریک بناتے تھے۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں: اس وجہ سے جو تم نے پہلے مجھے شریک بنایا۔ ابن جریر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ میں اس بات سے انکار کرتا ہوں کہ میں اللہ کا شریک ہوں۔ [1]

---

[1] تفسیر الطبری: 262/13.

اور یہی قول راجح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 6,5:46) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا اس کو پکارتا ہے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے؟ جبکہ وہ ان کی پکار ہی سے غافل ہیں۔ اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ (جھوٹے معبود) ان کے دشمن ہوں گے اور وہ ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ○ ﴾ (مریم 82:19) ''ہرگز نہیں! عنقریب وہ (معبودان) خود ان کی پرستش سے انکار کردیں گے اور ان کے (دشمن) مخالف ہوجائیں گے۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾ ﴾ ''بے شک جو ظالم ہیں، ان کے لیے درد دینے والا عذاب ہے۔'' یعنی حق سے اعراض کرنے اور باطل کو اختیار کرنے کی وجہ سے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ آیت کے سیاق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس ملعون یہ خطبہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد دے گا جیسا کہ ہم نے (چند سطور قبل) بھی بیان کیا ہے لیکن عامر شعبی کہتے ہیں کہ روز قیامت سب لوگوں کے سامنے دو خطیب خطبے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام سے فرمائے گا: ﴿ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ ﴾ (المآئدة 116:5) ''کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو۔'' اس کے جواب میں عیسیٰ ابن مریم عرض کریں گے: ﴿ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ○ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المآئدة 116:5-118) ''تو پاک ہے مجھے کب لائق تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں، اگر میں نے ایسا کہا ہوتا تو یقیناً تجھ کو معلوم ہوتا (کیونکہ) جو بات میرے نفس میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا، بے شک تو علام الغیوب ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا سوائے اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا ہے وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمھارا (سب کا) پروردگار ہے اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا، جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔'' اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ...... ﴾ الآية (المآئدة 119:5) ''آج وہ دن ہے کہ راست بازوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی......'' اور دوسرا خطیب ابلیس ملعون ہوگا جو یہ کہے گا: ﴿ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ ﴾ ''اور میرا تم پر کسی طرح کا زور

اَلَمۡ تَرَ كَيۡفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا

(اے نبی!) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمۂ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ

فِى السَّمَآءِ ﴿24﴾ تُؤۡتِىۡۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيۡنٍۭ بِاِذۡنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡاَمۡثَالَ لِلنَّاسِ

مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں ﴿24﴾ وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان

لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿25﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيۡثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيۡثَةِ ۨاجۡتُثَّتۡ مِنۡ فَوۡقِ

کرتا ہے، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ﴿25﴾ اور کلمۂ خبیثہ (کفر وشرک) کی مثال ایک خبیث درخت کی سی ہے کہ اسے زمین پر سے اکھاڑ دیا جاتا ہے،

الۡاَرۡضِ مَا لَهَا مِنۡ قَرَارٍ ﴿26﴾

اس کے لیے کوئی قرار نہیں ﴿26﴾

نہیں تھا، ہاں میں نے تم کو (گمراہی اور باطل کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے اور بے دلیل) میرا کہنا مان لیا، (آج) مجھے ملامت نہ کرو اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمھارا فریادرس ہوں اور نہ تم میرے فریادرس ہو۔‘‘ [1]

اللہ تعالیٰ نے جب بدبختوں کے انجام کا ذکر کیا اور ان کی اس ذلت و رسوائی اور عذاب کا ذکر فرمایا جس میں وہ مبتلا ہوں گے، نیز ان کے خطیب ابلیس ملعون کا ذکر کیا تو اس کے بعد سعادت مندوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاُدۡخِلَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ﴾ ’’اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے عمل نیک کیے وہ بہشتوں میں داخل کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔‘‘ اور جس وقت چاہیں اور جہاں چاہیں وہ آئیں جائیں گے۔ ﴿خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا﴾ ’’وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔‘‘ ابدالآباد تک ان میں رہیں گے، وہاں سے وہ اور کہیں منتقل نہیں ہوں گے۔ ﴿بِاِذۡنِ رَبِّهِمۡ ؕ تَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ﴿23﴾﴾ ’’اپنے پروردگار کے حکم سے، وہاں ان کی (ملاقات کی) دعا ’’سلام‘‘ ہوگی۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا وَقَالَ لَهُمۡ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ ......﴾ الآية (الزمر 73:39) ’’یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھلے ہوں گے اور اس کے داروغے ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام ہو......۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَالۡمَلٰٓئِكَةُ يَدۡخُلُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ كُلِّ بَابٍ ۚ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ﴾ (الرعد 24,23:13) ’’اور فرشتے (بہشت کے) ہر ایک دروازے سے ان کے پاس آئیں گے (اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو۔‘‘ اور فرمایا: ﴿وَيُلَقَّوۡنَ فِيۡهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ﴾ (الفرقان 75:25) ’’اور ان کا وہاں دعا و سلام کے ساتھ استقبال ہوگا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿دَعۡوٰىهُمۡ فِيۡهَا سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعۡوٰىهُمۡ اَنِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴾ (یونس 10:10) ’’(جب وہ) اس (جنت) میں (ان کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے: سبحان اللہ! اور آپس میں ان کی دعا سلام ہوگی اور ان کا آخری قول یہ (ہوگا) کہ اللہ رب العالمین کی تعریف (اور اس کا شکر) ہے۔‘‘

تفسیر آیات: 24-26

① ملخص از تفسیر الطبری: 263,262/13.

کلمۂ اسلام اور کلمۂ کفر کی مثال: علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ارشاد الٰہی: ﴿ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً ﴾ ''مثال کلمۂ طیبہ (اسلام) کی'' سے مراد اس بات کی گواہی دینا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ﴾ ''جیسے وہ پاکیزہ درخت ہو۔'' اس سے مراد مومن ہے۔ ﴿ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾ ''جس کی جڑ مضبوط (زمین کو پکڑے ہوئے) ہو۔'' اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے مومن جس کا دل سے اقرار کرتا ہے۔ ﴿ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴾ ''اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں۔'' اس سے مراد یہ ہے کہ مومن کے عمل کو آسمانوں کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔[1] ضحاک، سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد اور دیگر کئی ایک آئمۂ تفسیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] یعنی یہ مومن کے عمل سے عبارت ہے کہ اس کی بات پاکیزہ اور اس کا عمل صالح ہوتا ہے۔ مومن کھجور کے درخت کے مانند ہے کہ صبح شام بلکہ ہر وقت اس کا عمل صالح آسمانوں کی طرف اٹھایا جاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ نے فرمایا: [أَخْبِرُونِي بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ۔ أَوْ۔ كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا...... تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ] ''مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون سا درخت ہے جو مرد مسلم کی طرح ہے اور اس کے پتے نہیں گرتے ...... اور یہ درخت اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل دیتا رہتا ہے۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میرے جی میں یہ بات آئی کہ یہ کھجور کا درخت ہے لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بات نہیں کر رہے تو میں نے پسند نہ کیا کہ وہ تو خاموش ہوں اور میں بات کروں۔ جب صحابۂ کرام میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [هِيَ النَّخْلَةُ] ''یہ کھجور کا درخت ہے۔'' جب ہم کھڑے ہوئے تو میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابا جان! اللہ کی قسم! میرے جی میں یہ بات آئی تھی کہ یہ کھجور کا درخت ہے۔ انھوں نے کہا کہ پھر تم نے بات کیوں نہ کی؟ میں نے عرض کی کہ میں نے دیکھا آپ حضرات گفتگو نہیں کر رہے تھے تو میں نے بھی بات کرنے یا کچھ کہنے کو ناپسند کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا کہ اگر تم نے یہ بات کہہ دی ہوتی تو یہ مجھے فلاں فلاں چیزوں سے بھی زیادہ محبوب ہوتی۔[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی ہے: ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ ﴾ سے مراد جنت کا درخت ہے۔[4] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ ﴾ ''ہر وقت اپنا پھل لاتا ہو۔'' کہا گیا ہے کہ ہر وقت سے مراد صبح شام ہے۔ سیاق کلام سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ مومن کی مثال ایک ایسے درخت کی سی ہے جو گرمی ہو یا سردی، رات ہو یا دن ہر وقت پھل لاتا رہتا ہے، اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ بھی ہر وقت دن اور رات کی گھڑیوں میں آسمانوں کی طرف اٹھائے جاتے ہیں۔ ﴿ بِاِذْنِ رَبِّهَا ﴾ ''اپنے پروردگار کے حکم سے۔'' یعنی وہ درخت مکمل، بہترین، کثیر مقدار میں، پاکیزہ اور بہت مبارک پھل دیتا ہو۔ ﴿ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔''

---

[1] تفسیر الطبری:266/13. [2] تفسیر الطبری:267/13-270. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ ﴾ (إبراهيم 14:24)، حديث:4698. [4] تفسیر الطبری:270/13.

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ

اللہ ایمان والوں کو قولِ ثابت (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی اور آخرت میں ثابت قدم رکھتا ہے، اور اللہ ظالموں کو گمراہ کر دیتا ہے

اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۧ ﴿27﴾

اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ﴿27﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ﴾ ''اور کلمۂ خبیثہ (کفر و شرک) کی مثال ایک خبیث درخت کی سی ہے۔'' یہ کافر کے کفر کی مثال بیان کی گئی ہے کہ اس کی نہ جڑ مستحکم ہے اور نہ شاخیں بلند ہیں۔ یہ اندرائن (تُمّے) کے بیلدار پودے کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جسے شَرْیان (یا شَرْی) بھی کہا جاتا ہے۔ شعبہ نے معاویہ بن قُرّہ سے اور انھوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد اندرائن (تُمّے) کا بیلدار پودا ہے۔[1] ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿26﴾ ﴾ ''زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے، اس کو ذرا بھی قرار نہیں۔'' کیونکہ نہ اس کی جڑ مستحکم ہے اور نہ اس کی شاخیں بلند ہیں، اسی طرح کفر کی بھی نہ جڑ ہوتی ہے اور نہ شاخ۔ کافر کا کوئی عمل اوپر اٹھایا جاتا ہے نہ اس کی کوئی چیز ہی قبول کی جاتی ہے۔

تفسیر آیت:27

مومن کی دنیا و آخرت میں قول ثابت کے ساتھ مضبوطی: امام بخاری نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْمُسْلِمُ إِذَا سُئِلَ فِي الْقَبْرِ يَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ] ''مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور اس ارشاد باری تعالیٰ میں اسی طرف اشارہ ہے: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ ﴾ ''اللہ مومنوں کو پکی بات (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں (بھی رکھے گا۔)'' اس حدیث کو امام مسلم اور دیگر تمام محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

نیک اور بد روح آخرت کی راہوں پر: امام احمد نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک انصاری کے جنازے کے لیے نکلے، ہم قبر کے پاس پہنچے تو وہ ابھی کھودی نہیں گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے تو ہم بھی آپ کے پاس (اس طرح خاموش ہو کر) بیٹھ گئے گویا ہمارے سروں پر پرندے ہیں۔ اس وقت آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ زمین کرید رہے تھے، آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا:

[اِسْتَعِيذُوا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ

[1] تفسير الطبري: 276/13. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ......﴾ (إبراهيم 14:27)، حديث: 4699 و صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه......، حديث: 2871 و سنن أبي داود، السنة، باب المسألة في القبر......، حديث: 4750.

الدُّنيَا وَإِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مَلَائِكَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ بِيضُ الْوُجُوهِ كَأَنَّ وُجُوهَهُمُ الشَّمْسُ، مَعَهُمْ كَفَنٌ مِّنْ أَكْفَانِ الْجَنَّةِ وَحَنُوطٌ مِّنْ حَنُوطِ الْجَنَّةِ، حَتّٰى يَجْلِسُوا مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَيَقُولُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ! اُخْرُجِي إِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ۔ قَالَ: فَتَخْرُجُ تَسِيلُ كَمَا تَسِيلُ الْقَطْرَةُ مِنْ فِي السِّقَاءِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَأْخُذُوهَا، فَيَجْعَلُوهَا فِي ذٰلِكَ الْكَفَنِ وَفِي ذٰلِكَ الْحَنُوطِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَطْيَبِ نَفْحَةِ مِسْكٍ وُّجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ۔ قَالَ: فَيَصْعَدُونَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّونَ ۔ يَعْنِي بِهَا ۔ عَلٰى مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: مَا هٰذَا الرُّوحُ الطَّيِّبُ؟ فَيَقُولُونَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، بِأَحْسَنِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانُوا يُسَمُّونَهُ بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يَنْتَهُوا بِهَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا ، فَيَسْتَفْتِحُونَ لَهُ، فَيُفْتَحُ لَهُمْ فَيُشَيِّعُهُ مِنْ كُلِّ سَمَاءٍ مُّقَرَّبُوهَا إِلَى السَّمَاءِ الَّتِي تَلِيهَا، حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ ،فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: اُكْتُبُوا كِتَابَ عَبْدِي فِي عِلِّيِّينَ وَأَعِيدُوهُ إِلَى الْأَرْضِ فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَفِيهَا أُعِيدُهُمْ، وَمِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰى.

قَالَ: فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، فَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللّٰهُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: دِينِيَ الْإِسْلَامُ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَيَقُولَانِ لَهُ: وَمَا عِلْمُكَ؟ فَيَقُولُ: قَرَأْتُ كِتَابَ اللّٰهِ، فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَيُنَادِي مُنَادٍ فِي السَّمَاءِ: أَنْ صَدَقَ عَبْدِي فَأَفْرِشُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَأَلْبِسُوهُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى الْجَنَّةِ۔قَالَ: فَيَأْتِيهِ مِنْ رَّوْحِهَا وَطِيبِهَا، وَيُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ مَدَّ بَصَرِهِ۔ قَالَ: وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ حَسَنُ الْوَجْهِ، حَسَنُ الثِّيَابِ، طَيِّبُ الرِّيحِ، فَيَقُولُ: أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُرُّكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ، فَيَقُولُ لَهُ: مَنْ أَنْتَ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالْخَيْرِ، فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الصَّالِحُ، فَيَقُولُ: رَبِّ! أَقِمِ السَّاعَةَ، حَتّٰى أَرْجِعَ إِلٰى أَهْلِي وَمَالِي.

قَالَ: وَإِنَّ الْعَبْدَ الْكَافِرَ إِذَا كَانَ فِي انْقِطَاعٍ مِّنَ الدُّنْيَا وَإِقْبَالٍ مِّنَ الْآخِرَةِ، نَزَلَ إِلَيْهِ مِنَ السَّمَاءِ مَلَائِكَةٌ سُودُ الْوُجُوهِ، مَعَهُمُ الْمُسُوحُ، فَيَجْلِسُونَ مِنْهُ مَدَّ الْبَصَرِ، ثُمَّ يَجِيءُ مَلَكُ الْمَوْتِ حَتّٰى يَجْلِسَ عِنْدَ رَأْسِهِ، فَيَقُولُ: أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْخَبِيثَةُ، اُخْرُجِي إِلٰى سَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَغَضَبٍ۔ قَالَ: فَتُفَرَّقُ فِي جَسَدِهِ، فَيَنْتَزِعُهَا كَمَا يُنْتَزَعُ السَّفُّودُ مِنَ الصُّوفِ الْمَبْلُولِ، فَيَأْخُذُهَا، فَإِذَا أَخَذَهَا لَمْ يَدَعُوهَا فِي يَدِهِ طَرْفَةَ عَيْنٍ حَتّٰى يَجْعَلُوهَا فِي تِلْكَ الْمُسُوحِ، وَيَخْرُجُ مِنْهَا كَأَنْتَنِ رِيحِ جِيفَةٍ وُّجِدَتْ عَلٰى وَجْهِ الْأَرْضِ، فَيَصْعَدُونَ بِهَا، فَلَا يَمُرُّونَ بِهَا عَلٰى مَلَإٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ إِلَّا قَالُوا: مَا هٰذَا الرُّوحُ الْخَبِيثُ؟ فَيَقُولُونَ: فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ بِأَقْبَحِ أَسْمَائِهِ الَّتِي كَانَ يُسَمّٰى بِهَا فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى يُنْتَهٰى بِهِ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَيُسْتَفْتَحُ لَهُ، فَلَا يُفْتَحُ لَهُ، ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ

فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ﴾ (الأعراف7:40) فيقولُ اللّٰهُ: اكْتُبُوا كِتَابَهُ فِي سِجِّينٍ فِي الْأَرْضِ السُّفْلٰى، فَتُطْرَحُ رُوحُهُ طَرْحًا، ثُمَّ قَرَأَ: ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ﴾ (الحج22:31) فَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَّبُّكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا دِينُكَ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِي بُعِثَ فِيكُمْ؟ فَيَقُولُ: هَاهْ هَاهْ لَا أَدْرِي، فَيُنَادِي مُنَادٍ مِّنَ السَّمَاءِ: أَنْ كَذَبَ فَأَفْرِشُوا لَهُ مِنَ النَّارِ، وَافْتَحُوا لَهُ بَابًا إِلَى النَّارِ، فَيَأْتِيهِ مِنْ حَرِّهَا وَسَمُومِهَا، وَيُضَيَّقُ عَلَيْهِ قَبْرُهُ حَتّٰى تَخْتَلِفَ فِيهِ أَضْلَاعُهُ، وَيَأْتِيهِ رَجُلٌ قَبِيحُ الْوَجْهِ، قَبِيحُ الثِّيَابِ، مُنْتِنُ الرِّيحِ، فَيَقُولُ: أَبْشِرْ بِالَّذِي يَسُوؤُكَ، هٰذَا يَوْمُكَ الَّذِي كُنْتَ تُوعَدُ، فَيَقُولُ: مَنْ أَنْتَ ؟ فَوَجْهُكَ الْوَجْهُ يَجِيءُ بِالشَّرِّ، فَيَقُولُ: أَنَا عَمَلُكَ الْخَبِيثُ، فَيَقُولُ: رَبِّ! لَا تُقِمِ السَّاعَةَ]

”عذاب قبر سے اللہ کی پناہ مانگو۔ آپ نے یہ دو یا تین بار فرمایا، پھر فرمایا: مومن جب دنیا کے آخری لمحات اور آخرت کے ابتدائی مراحل میں ہوتا ہے تو اس کے پاس سفید چہروں والے ایسے فرشتے آتے ہیں جن کے چہرے سورج کی طرح چمکتے دمکتے ہوتے ہیں، ان کے پاس جنت کے کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے اور وہاں تک بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک مومن کی نظر جاتی ہے، پھر ملک الموت آتا ہے اور وہ اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتا ہے اور کہتا ہے: اے پاک روح! تو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور خوشنودی کی طرف نکل۔ آپ نے فرمایا: مومن کی روح اس طرح جسم سے باہر نکل آتی ہے جیسے مشکیزے کے منہ سے پانی کا قطرہ نکل آتا ہے۔ ملک الموت روح کو پکڑ لیتا ہے اور جب ملک الموت اسے پکڑتا ہے تو پھر دوسرے فرشتے اسے لمحہ بھر کے لیے بھی اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے لے کر جنت سے لائے ہوئے کفن اور خوشبو میں لپیٹ دیتے ہیں اور اس سے روئے زمین کی بہترین کستوری سے بھی بڑھ کر پاکیزہ تر خوشبو نکلتی ہے۔ وہ اس روح کو لے کر آسمانوں پر چڑھ جاتے ہیں اور فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے بھی ان کا گزر ہوتا ہے وہ فرشتے کہتے ہیں کہ کس قدر پاک ہے یہ روح! وہ کہتے ہیں کہ یہ روح فلاں بن فلاں شخص کی ہے۔ وہ اس کا اس بہترین نام سے ذکر کرتے ہیں جس سے وہ دنیا میں موسوم ہوتا تھا حتی کہ وہ اسے لے کر آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، اس کے لیے آسمان دنیا کا دروازہ کھلواتے ہیں تو دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر ہر آسمان کے ملائکہ مقربین اگلے آسمان تک اسے رخصت کر کے آتے ہیں حتی کہ اسے ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے کی کتاب کو علیین میں لکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو، میں نے بندوں کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹاؤں گا، پھر اسی میں سے انھیں دوبارہ نکالوں گا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے کہتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ فرشتے اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا دین اسلام ہے۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے جو تم میں مبعوث کیا گیا تھا۔ وہ

جواب دیتا ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ فرشتے پوچھتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا۔ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب کو پڑھا تو میں آپ پر ایمان لے آیا اور آپ کی تصدیق کی۔ آسمان سے ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ میرے بندے نے سچ کہا، اس کے لیے جنت کا بستر بچھا دو، اسے جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لیے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔ آپ نے فرمایا کہ اس کے پاس جنت کی ہوا اور خوشبو آتی ہے اور منتہائے نظر تک اس کی قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کے پاس خوبصورت چہرے والا ایک شخص آتا ہے جس کے کپڑے بھی بڑے خوبصورت ہوتے ہیں اور جس سے بڑی عمدہ خوشبو آ رہی ہوتی ہے، وہ کہتا ہے کہ تیرے لیے خوشخبری ہے، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا گیا تھا تو وہ اس سے پوچھتا ہے کہ تم کون ہو۔ تمھارا چہرہ وہ چہرہ ہے جو اچھی خبر لاتا ہے۔ وہ جواب دیتا ہے کہ میں تمھارا نیک عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت قائم کر دے تاکہ میں اپنے اہل و مال کے پاس لوٹ جاؤں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب کوئی کافر بندہ دنیا کے آخری اور آخرت کے ابتدائی لمحات میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے ایسے فرشتے نازل ہوتے ہیں جن کے چہرے سیاہ ہوتے ہیں اور ان کے پاس ٹاٹ ہوتے ہیں، وہ اس سے منتہائے نظر تک بیٹھ جاتے ہیں، پھر ملک الموت آتا اور اس کے سر کے پاس بیٹھ کر کہتا ہے کہ اے خبیث روح! اللہ کی ناراضی اور غضب کی طرف نکل آ! آپ نے فرمایا کہ (یہ سن کر) روح اس کے جسم میں منتشر ہو جاتی ہے تو وہ اسے اس طرح کھینچ لیتا ہے جس طرح سلاخ کو گیلی اون سے کھینچ لیا جاتا ہے اور وہ اسے پکڑ لیتا ہے اور جب پکڑتا ہے تو فرشتے آنکھ جھپکنے کے بقدر بھی اسے اس کے ہاتھ میں نہیں رہنے دیتے حتی کہ اسے ان ٹاٹوں میں رکھ دیتے ہیں اور جن سے اس قدر گندی بدبو آتی ہے جیسے روئے زمین کے سب سے بدبودار مردار سے بدبو آ رہی ہو، وہ اُسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں وہ فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گزرتے ہیں تو وہ فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ کون خبیث روح ہے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ فلاں بن فلاح کی روح ہے اور اس کا ایسا بدترین نام لیتے ہیں جس سے وہ دنیا میں موسوم تھا حتی کہ اسے آسمان دنیا تک لے جایا جاتا ہے اور اس کے لیے دروازہ کھلوایا جاتا ہے مگر دروازہ نہیں کھولا جاتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ﴾ (الأعراف 7:40) ''ان کے لیے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ بہشت میں داخل ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں گھس جائے۔'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کتاب کو سب سے نچلی زمین میں سجین میں لکھ دو، پھر اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے، پھر آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝﴾ (الحج 22:31) ''اور جو شخص (کسی کو) اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے جیسے آسمان سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور دراز جگہ لے جا پھینکے۔''

بعد ازاں اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس بھی دو فرشتے آتے ہیں جو اسے بٹھا دیتے ہیں

اوراس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔ یہ جواب دیتا ہے: ہائے افسوس! مجھے معلوم نہیں۔فرشتے پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا ہے۔ یہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔فرشتے پوچھتے ہیں کہ یہ شخص کون ہیں جوتم میں مبعوث ہوئے تھے۔ یہ جواب دیتا ہے: ہائے ہائے! میں نہیں جانتا۔آسمان سے ایک منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا،اس کے لیے جہنم کا بستر بچھادو،اس کے لیے جہنم کی طرف ایک دروازہ کھول دو۔اس کے پاس جہنم کی گرم ہوا اور دھواں آتا ہے اوراس کی قبراس پر اتنا تنگ کردیا جاتا ہے جس سے اس کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں۔اس کے پاس ایک گندے چہرے، غلیظ کپڑوں اورسخت بدبو والا ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے: تیرے لیے ایسی بشارت ہے جو تجھے بری لگے، یہ وہ دن ہے جس کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا۔وہ پوچھتا ہے کہ تو کون ہے۔تیرا چہرہ وہ چہرہ ہے جو شر ہی لاتا ہے۔وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے کہ اے میرے رب! قیامت قائم نہ کرنا۔‘‘ [1]

امام عبد بن حمید رحمہ اللہ نے اپنی مسند میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ، وَتَوَلّٰى عَنْهُ أَصْحَابُهُ، إِنَّهُ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ۔ قَالَ۔: يَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُقْعِدَانِهِ فَيَقُولَانِ لَهُ: مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ قَالَ: فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ۔ قَالَ۔: فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَقْعَدِكَ مِنَ النَّارِ، قَدْ أَبْدَلَكَ اللّٰهُ بِهِ مَقْعَدًا مِّنَ الْجَنَّةِ. قَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ ﷺ: فَيَرَاهُمَا جَمِيعًا] ’’بلاشبہ بندے کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اوراس کے ساتھی اس سے پشت پھیر لیتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آہٹ کو سن رہا ہوتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور وہ اُسے بٹھا دیتے ہیں اوراس سے کہتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔آپ نے فرمایا: مومن تو اس کا جواب یہ دیتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اوراس کے رسول ہیں۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تم جہنم میں اپنے ٹھکانے کی طرف دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کے بجائے تمھیں جنت میں ٹھکانا عطا فرمادیا ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان دونوں ٹھکانوں کو دیکھ لیتا ہے۔‘‘

حدیث کے راوی امام قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس کی قبر کو ستر ہاتھ تک کشادہ کردیا جاتا ہے اور قیامت تک کے لیے اسے سبزے سے بھر دیا جاتا ہے۔اس حدیث کو امام مسلم نے بھی اس سند کے ساتھ عبد بن حمید سے روایت کیا ہے اور امام نسائی نے اسے بروایت یونس بن محمد مؤدب بیان کیا ہے۔ [2]

حافظ ابوعیسیٰ ترمذی رحمہ اللہ نے بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ۔ أَوْ قَالَ: أَحَدُكُمْ۔ أَتَاهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَزْرَقَانِ، يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْآخَرُ

---

[1] مسند أحمد:288,287/4 و سنن أبي داود، السنة، باب المسألة فى القبر......، حديث:4753 و سنن ابن ماجه، الجنائز، باب ما جاء فى الجلوس فى المقابر، حديث:1549 و 4269 مختصرًا. [2] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب عرض مقعد الميت من الجنة والنار عليه......، حديث:2870 و سنن النسائي، الجنائز، باب المسألة فى القبر، حديث:2052 و مسند عبد بن حميد:310، حديث:1180. عبد بن حمید کا یہ نسخہ آیا صوفیا والا ہے۔

النَّكِيرُ۔ فَيَقُولَانِ: مَاكُنتَ تَقُولُ فِي هٰذَا الرَّجُلِ؟ فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ: هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ. أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ. فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هٰذَا، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ، ثُمَّ يُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُقَالُ لَهُ، نَمْ، فَيَقُولُ: أَرْجِعُ إِلٰى أَهْلِي فَأُخْبِرُهُمْ، فَيَقُولَانِ، نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوسِ الَّذِي لَايُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ أَهْلِهِ إِلَيْهِ، حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَّضْجَعِهِ ذٰلِكَ، وَإِنْ كَانَ مُنَافِقًا، قَالَ: سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُولُونَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ، لَا أَدْرِي، فَيَقُولَانِ: قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ ذٰلِكَ، فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ: الْتَئِمِي عَلَيْهِ، فَتَلْتَئِمُ عَلَيْهِ، فَتَخْتَلِفُ فِيهَا أَضْلَاعُهُ، فَلَا يَزَالُ فِيهَا مُعَذَّبًا حَتّٰى يَبْعَثَهُ اللّٰهُ مِنْ مَّضْجَعِهِ ذٰلِكَ]

”تم میں سے کسی ایک کو جب قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ یا یہ کہا کہ جب تم میں سے کوئی ایک (قبر میں میت کو دفن کرتا ہے)۔ تو اس کے پاس سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے، وہ پوچھتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔ تو وہ کہتا ہے جیسا کہ وہ کہا کرتا تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں یہ گواہی بھی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ آپ یہی کہیں گے، پھر اس کی قبر کو ستر ہاتھ طول اور ستر ہاتھ عرض کی طرف سے کشادہ کر دیا جاتا ہے اور اسے منور بھی کر دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ، وہ کہتا ہے کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر انھیں بتانا چاہتا ہوں۔ وہ (فرشتے) کہتے ہیں کہ تو اس دلہن کی طرح سو جا جسے اس کے اہل خانہ میں سے صرف وہی شخص بیدار کر سکتا ہے جو اسے سب سے زیادہ محبوب ہوتا ہے، حتی کہ اس کے اس بستر سے اسے اللہ تعالیٰ ہی اٹھائے گا۔ اور اگر منافق ہو تو وہ (فرشتوں کے سوال کے جواب میں) کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کہتے ہوئے سنا تھا اس طرح میں نے کہا تھا، میں نہیں جانتا، فرشتے کہتے ہیں کہ ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا، پھر زمین سے کہا جاتا ہے کہ تو اس پر سکڑ جا تو زمین اس قدر سکڑ جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں، پھر اسے قبر میں مسلسل عذاب دیا جاتا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے اس ٹھکانے سے اٹھائے گا۔“ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب قرار دیا ہے۔[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ﴾ کے بارے میں فرمایا: [ذَاكَ إِذَا قِيلَ فِي الْقَبْرِ: مَنْ رَّبُّكَ؟ وَمَا دِينُكَ (وَمَنْ نَّبِيُّكَ؟ فَيَقُولُ: رَبِّيَ اللّٰهُ، وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ، وَنَبِيِّ مُحَمَّدٌ، جَاءَنَا بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِاللّٰهِ، فَآمَنْتُ بِهِ وَصَدَّقْتُ، فَيُقَالُ لَهُ صَدَقْتَ، عَلٰى هٰذَا عِشْتَ، وَعَلَيْهِ مِتَّ، وَعَلَيْهِ تُبْعَثُ] ”اس کا تعلق اس وقت سے ہے جب قبر میں یہ پوچھا جاتا ہے کہ تیرا رب کون ہے، تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ تو (مومن) یہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ

[1] جامع الترمذی، الجنائز، باب ما جاء فی عذاب القبر، حدیث:1071.

ہے، میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس روشن دلائل کے ساتھ تشریف لائے تو میں آپ پر ایمان لایا اور میں نے آپ کی تصدیق کی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے سچ کہا تو اسی پر زندہ رہا اور اسی پر فوت ہوا اور اسی پر تو اٹھایا جائے گا۔‘‘ ①

امام ابن جریر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ الْمَيِّتَ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِينَ يُوَلُّونَ عَنْهُ مُدْبِرِينَ، فَإِذَا كَانَ مُؤْمِنًا، كَانَتِ الصَّلَاةُ عِنْدَ رَأْسِهِ وَالزَّكَاةُ عَنْ يَّمِينِهِ، وَكَانَ الصِّيَامُ عَنْ يَّسَارِهِ، وَكَانَ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ عِنْدَ رِجْلَيْهِ، فَيُؤْتَى مِنْ عِنْدِ رَأْسِهِ، فَتَقُولُ الصَّلَاةُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ! فَيُؤْتَى عَنْ يَّمِينِهِ، فَتَقُولُ الزَّكَاةُ: مَاقِبَلِي مَدْخَلٌ! فَيُؤْتَى عَنْ يَّسَارِهِ، فَيَقُولُ الصِّيَامُ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ! فَيُؤْتَى مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ، فَيَقُولُ فِعْلُ الْخَيْرَاتِ مِنَ الصَّدَقَةِ وَالصِّلَةِ وَالْمَعْرُوفِ وَالْإِحْسَانِ إِلَى النَّاسِ: مَا قِبَلِي مَدْخَلٌ!

فَيُقَالُ لَهُ: اِجْلِسْ! فَيَجْلِسُ، قَدْ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ قَدْ دَنَتْ لِلْغُرُوبِ، فَيُقَالُ لَهُ: أَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ! فَيَقُولُ: دَعُونِي حَتّٰى أُصَلِّيَ! فَيَقُولُ: إِنَّكَ سَتَفْعَلُ، فَأَخْبِرْنَا عَمَّا نَسْأَلُكَ عَنْهُ، فَيَقُولُ: وَعَمَّ تَسْأَلُونَ؟ فَيُقَالُ: أَرَأَيْتَ هٰذَا الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ فِيكُمْ؟ مَاذَا تَقُولُ فِيهِ وَمَاذَا تَشْهَدُ بِهِ عَلَيْهِ؟ فَيَقُولُ: أَمُحَمَّدٌ؟ فَيُقَالُ لَهُ: نَعَمْ، فَيَقُولُ: أَشْهَدُ أَنَّهُ رَسُولُ اللّٰهِ وَأَنَّهُ جَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، فَصَدَّقْنَاهُ! فَيُقَالُ لَهُ: عَلٰى ذٰلِكَ حَيِيتَ وَعَلٰى ذٰلِكَ مِتَّ وَعَلٰى ذٰلِكَ تُبْعَثُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، ثُمَّ يُفْسَحُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ ذِرَاعًا، وَّيُنَوَّرُ لَهُ فِيهِ، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى الْجَنَّةِ، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ إِلٰى مَا أَعَدَّ اللّٰهُ لَكَ فِيهَا! فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُورًا، ثُمَّ يُفْتَحُ لَهُ بَابٌ إِلَى النَّارِ، فَيُقَالُ لَهُ: اُنْظُرْ مَاصَرَفَ اللّٰهُ عَنْكَ لَوْ عَصَيْتَهُ! فَيَزْدَادُ غِبْطَةً وَّسُرُورًا ثُمَّ يُجْعَلُ نَسَمَتُهُ فِي النَّسَمِ الطَّيِّبِ، وَهِيَ طَيْرٌ خُضْرٌ تَعَلَّقُ بِشَجَرِ الْجَنَّةِ، وَيُعَادُ جَسَدُهُ إِلٰى مَا بُدِئَ مِنْهُ مِنَ التُّرَابِ، وَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالٰى:]

’’اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! مردہ اس وقت تمھارے جوتوں کی آہٹ کو سن رہا ہوتا ہے جب تم اس سے پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہو، اگر وہ مومن ہو تو نماز اس کے سر کے پاس ہوتی ہے اور زکاۃ دائیں طرف، روزہ بائیں طرف اور صدقہ، صلہ رحمی، نیکی اور لوگوں کی طرف احسان جیسے اعمال صالحہ اس کے پاؤں کے پاس ہوتے ہیں۔ اگر اس کے سر کی طرف سے آیا جائے تو نماز کہتی ہے کہ میری طرف سے داخل ہونے کا رستہ نہیں ہے! دائیں طرف سے آیا جائے تو زکاۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے بھی رستہ نہیں ہے! بائیں طرف سے آیا جائے تو روزہ کہتا ہے کہ میری طرف سے رستہ نہیں ہے! پاؤں کی طرف سے آیا جائے تو اعمال صالحہ: صدقہ، صلہ رحمی اور لوگوں کے ساتھ احسان کرنا کہتے ہیں کہ میری طرف سے کوئی رستہ نہیں ہے!

① تفسير الطبري: 282/13 اور قوسین والے الفاظ ابن جریر نے نقل نہیں کیے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿28﴾ جَهَنَّمَ

کیا آپ نے ان لوگوں کو دیکھا نہیں جنھوں نے اللہ کی نعمت (ایمان) کو کفر سے بدل ڈالا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں لے جا اتارا؟﴿28﴾ (یعنی)

يَصْلَوْنَهَا ؕ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ﴿29﴾ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا

جہنم میں، وہ اس میں داخل ہوں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے﴿29﴾ اور انھوں نے اللہ کے شریک بنائے تاکہ وہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے بھٹکا

فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿30﴾

دیں، کہہ دیجیے: تم فائدہ اٹھاؤ (دنیا میں) پھر یقیناً تمھاری واپسی آگ کی طرف ہے﴿30﴾

پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ بیٹھ جاؤ! وہ بیٹھ جاتا ہے اور اسے غروب آفتاب کا منظر دکھایا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے کہ ہم تجھ سے جو سوال کریں اس کا جواب دو، وہ کہتا ہے کہ مجھے چھوڑ دو تاکہ میں نماز پڑھ لوں۔ اس سے کہا جاتا ہے: ہاں تم ایسا ضرور کرو گے لیکن پہلے ہمارے سوال کا جواب دو، وہ کہتا ہے: تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ یہ شخص جو تم میں تھا، اس کے بارے میں تم کیا کہتے ہو۔ اور اس کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہو۔ وہ کہتا ہے کہ تمھارا سوال محمد ﷺ کے بارے میں ہے۔ اسے کہا جاتا ہے ہاں، تو وہ کہتا ہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشن دلائل کے ساتھ ہمارے پاس تشریف لائے، ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اسی (عقیدے) پر جیتا رہا، اسی پر فوت ہوا اور اسی پر ان شاء اللہ اٹھایا جائے گا، پھر اس کی قبر کو ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے، قبر میں اس کے لیے روشنی کر دی جاتی ہے اور جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے اس میں کیا کیا نعمتیں تیار فرما رکھی ہیں! اس سے اس کی خوشی اور مسرت میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے، پھر آگ کی طرف دروازہ کھول کر اسے کہا جاتا ہے کہ اگر تو اللہ کی نافرمانی کرتا، (اس صورت میں جو تیرا ٹھکانا ہوتا) اس کی طرف دیکھ جس سے اللہ نے تجھے پھیر دیا۔ پھر اس کی روح کو ''نسم طیب'' میں رکھ دیا جاتا ہے اور یہ ایک سبز رنگ کا پرندہ ہے جو جنت کے درختوں (کے پھلوں) سے کھاتا ہے اور اس کے جسم کو اس مٹی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جس سے اسے پہلی مرتبہ پیدا کیا گیا تھا۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اللہ مومنوں کو قول صادق (کلمۂ توحید) سے دنیا کی زندگی میں بھی ثابت قدم رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا۔)''[1] امام ابن حبان نے بھی اسے روایت کیا اور اس میں کافر کے جواب اور اس کے عذاب کو بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام عبدالرزاق نے طاؤس سے روایت کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں قول ثابت سے مراد لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور آخرت میں اس سے مراد قبر میں سوال ہے۔[3] قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں خیر و بھلائی اور عمل صالح کے ساتھ ثابت قدم

① تفسیر الطبری: 283,282/13، امام ابن جریر نے اسے موقوفاً ذکر کیا ہے۔ ② صحیح ابن حبان، الجنائز، ذکر الخبر المدحض قول من......: 381,380/7، حدیث: 3113 امام ابن حبان نے اسے مرفوعاً ذکر کیا ہے۔ ③ تفسیر عبدالرزاق: 245/2، رقم: 1408.

رکھتا ہے اور آخرت سے یہاں قبر مراد ہے۔ دیگر کئی ائمہ سلف سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[1]

تفسیر آیات: 28-30

کفرانِ نعمت کی سزا: امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں: ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا؟'' کے معنی ہیں کیا تم نہیں جانتے؟ جیسا کہ ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا...... ﴾ الآية (البقرة2:243) آیت کریمہ میں بھی ﴿ اَلَمْ تَرَ ﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ کے معنی میں ہے اور ﴿ الْبَوَارِ ﴾ بَارَ، يَبُوْرُ بَوْرًا سے ہے جس کے معنی تباہی و ہلاکت کے ہیں۔ ﴿ قَوْمًا بُوْرًا ﴾ (الفرقان25:18) کے معنی ہلاک شدہ لوگ ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے علی بن عبداللہ از سفیان از عمرو از عطاء کی سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس آیت کریمہ کے بارے میں قول بیان کیا ہے کہ ان لوگوں سے کفار اہل مکہ مراد ہیں۔[2]

امام ابن ابوحاتم نے ابوطفیل سے روایت کیا ہے کہ ابن کوا ء نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد وہ کفار قریش ہیں جنھوں نے بدر کے دن جنگ میں شرکت کی تھی۔[3] آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین قریش کے پاس ایمان کی نعمت کو بھیجا مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتار دیا۔[4] لیکن معنی کے اعتبار سے یہ آیت کریمہ عام ہے اور تمام کافروں کو شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین اور تمام لوگوں کے لیے نعمت بنا کر مبعوث فرمایا جنھوں نے اس نعمت کو قبول کر لیا اور اس کا شکر ادا کیا وہ جنت میں داخل ہوں گے اور جنھوں نے اس نعمت کا کفر اور انکار کیا تو وہ جہنم رسید ہوں گے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ ''اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کیے کہ (لوگوں کو) اس کے راستے سے گمراہ کریں۔'' یعنی انھوں نے اللہ کے شریک بنائے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان کی بھی عبادت شروع کر دی اور دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دی، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴾ ''کہہ دیجیے: (چند روز) فائدہ اٹھا لو آخر کار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی دنیا میں تم جتنا فائدہ بھی حاصل کرنا چاہو کر لو، دنیا میں تم جو بھی حاصل کر لو، آخر کار تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴾ (لقمٰن31:24) ''ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر ہم انھیں بڑے سخت عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ (يونس10:70) ''دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھانا ہے، پھر انھیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو بہت سخت عذاب (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر کیا کرتے تھے۔''

---

[1] تفسير الطبري:285/13. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا...... ﴾ (إبراهيم28:14)، حديث:4700. [3] تفسير ابن أبي حاتم:2246/7. [4] تفسير ابن أبي حاتم:2247/7.

قُلۡ لِّعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ یُنۡفِقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً

کہہ دیجیے: میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے کہ وہ نماز قائم کریں اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے چھپا کر اور علانیہ خرچ کریں،

مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿31﴾

اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ سودا بازی ہوگی نہ دوستی (کام آئے گی)﴿31﴾

تفسیر آیت :31

نماز پڑھنے اور خرچ کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس کی اطاعت بجا لائیں، اس کے حقوق ادا کریں اور اس کی مخلوق پر احسان کریں۔ نماز قائم کریں کہ یہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جس رزق سے نوازا ہے، اس میں سے خرچ کریں، زکاۃ ادا کریں، قرابت داروں پر خرچ کریں اور اجنبیوں پر بھی احسان کریں۔ نماز قائم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے وقت، اس کی حدود اور رکوع و سجود اور خشوع کی حفاظت کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس نے جو رزق دیا ہے اس میں سے خفیہ اور علانیہ طور پر خرچ کیا جائے، نیز حکم دیا ہے کہ اس کے بندے نیکی کے ان کاموں میں جلدی کریں تاکہ اپنی جانوں کو عذاب جہنم سے بچا سکیں۔ ﴿مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَ یَوۡمٌ﴾ ''اور اس دن کے آنے سے پیشتر۔'' یعنی قیامت کے دن سے پیشتر۔ ﴿لَّا بَیۡعٌ فِیۡہِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿31﴾﴾ ''جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)'' یعنی اس دن کسی سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا کہ اس کے عوض اس کے نفس کو بیچ دیا جائے جیسا کہ فرمایا: ﴿فَالۡیَوۡمَ لَا یُؤۡخَذُ مِنۡکُمۡ فِدۡیَۃٌ وَّ لَا مِنَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ؕ......﴾ الآیة (الحدید15:57) ''تو آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور نہ (وہ) کافروں ہی سے (قبول کیا جائے گا۔)......'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ لَا خِلٰلٌ ﴿31﴾﴾ ''اور نہ دوستی (کام آئے گی۔)'' امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ وہاں کسی دوست کی دوستی بھی کام نہیں آئے گی کہ مستحق عذاب سے اس کی دوستی کی وجہ سے درگزر کیا جائے بلکہ وہاں تو سراسر عدل و انصاف ہوگا۔ لفظ خِلَالٌ، خَالَلْتُ فُلَانًا فَأَنَا أُخَالُّهُ مُخَالَّةً وَّ خِلَالًا سے مصدر ہے۔[1]

امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ کے علم میں ہے کہ دنیا میں خرید و فروخت بھی ہے اور دوستی بھی جس کا لوگ دم بھرتے ہیں، اس لیے آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ اس کا دوست کون ہے اور اس کی دوستی کی بنیاد کس بات پر ہے اگر دوستی اللہ کے لیے ہو تو اسے چاہیے کہ اسے برقرار رکھے اور اگر غیر اللہ کے لیے ہو تو اسے ختم کر دے۔[2] بہرحال اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ قیامت کے دن نہ کوئی بیع کام آئے گی اور نہ فدیہ، خواہ کوئی زمین بھر کر سونا بطور فدیہ ادا کرے، بشرطیکہ اس کے پاس موجود ہو اور اگر وہ حالت کفر میں اللہ کے پاس گیا تو پھر کسی کی دوستی یا سفارش بھی اس کے کچھ کام نہ آسکے گی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اتَّقُوۡا یَوۡمًا لَّا تَجۡزِیۡ نَفۡسٌ عَنۡ نَّفۡسٍ شَیۡـًٔا وَّ لَا یُقۡبَلُ مِنۡہَا عَدۡلٌ وَّ لَا تَنۡفَعُہَا شَفَاعَۃٌ وَّ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ○﴾ (البقرة123:2) ''اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس سے بدلہ قبول کیا جائے گا

[1] تفسیر الطبری:294/13. [2] تفسیر الطبری:294/13.

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

اللہ وہ ذات ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اور آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس نے اس (پانی) کے ذریعے سے تمھارے لیے بطور رزق

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿32﴾ وَسَخَّرَ

پھل نکالے اور تمھارے لیے کشتیاں مسخر کیں، تاکہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں، اور تمھارے لیے دریا مسخر کیے ﴿32﴾ اور تمھارے لیے سورج

لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿33﴾ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ

اور چاند مسخر کیے جو مسلسل چل رہے ہیں، اور تمھارے لیے رات اور دن کو مسخر کیا ﴿33﴾ اور اس نے تمھیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی، اور اگر تم

مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿34﴾ ع 5/7/17

اللہ کی نعمتیں گنو تو انھیں شمار نہ کرسکو گے۔ بے شک انسان بڑا ظالم، نہایت ناشکرا ہے ﴿34﴾

اور نہ اس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے گی اور نہ لوگوں کو (کسی اور طرح کی) مدد مل سکے گی۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 2:254) ''اے ایمان والو! جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے، اس میں سے اس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کرلو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ ہی دوستی اور سفارش ہو سکے گی اور کفر کرنے والے لوگ ہی ظالم ہیں۔''

تفسیر آیات: 32-34

اللہ تعالیٰ کی مختلف نعمتوں کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے آسمان کو ایک محفوظ چھت کے طور پر پیدا فرمایا، زمین کو بچھونا بنا دیا، آسمان سے پانی نازل فرمایا اور اس پانی کے ساتھ مختلف نباتات اور مختلف رنگوں، شکلوں، ذائقوں خوشبوؤں اور منافع والے پھلوں اور فصلوں کو پیدا فرما دیا اور اس نے کشتی کو بھی تمھارے لیے مسخر کر دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے دریاؤں اور سمندروں کے پانی کی سطح پر تیرتی رہتی ہے، پھر اس نے کشتیوں کے اٹھانے کے لیے دریاؤں اور سمندروں کو مسخر کر دیا تاکہ مسافر ایک علاقے سے سفر کر کے دوسرے علاقے میں جا سکیں اور یہاں کی اشیاء کو وہاں اور وہاں کی اشیاء کو یہاں لا سکیں، پھر اس نے نہروں کو بھی کام میں لگا دیا ہے جو اس علاقے سے لے کر دوسرے علاقے تک زمین کو پھاڑ کر بنائی گئی ہوتی ہیں تاکہ یہ بندوں کے لیے رزق، آب نوشی اور آب پاشی کا ذریعہ بنیں، علاوہ ازیں ان میں اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

﴿ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ ﴾ ''اور سورج اور چاند کو مسخر کر دیا جو مسلسل چل رہے ہیں۔'' یعنی دن رات چل رہے ہیں اور چلتے چلتے کبھی بھی نہیں رکتے، پھر کیفیت یہ ہے کہ ﴿ لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:40) ''نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ وہ چاند کو جا پکڑے اور نہ ہی رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ

اور جب ابراہیم نے کہا: اے میرے رب! اس شہر (مکہ) کو امن والا بنا دے، اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا ﴿35﴾ اے

الْاَصْنَامَ ﴿35﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ج فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ج

میرے رب! بے شک انھوں نے بہت سے لوگ گمراہ کیے ہیں، پھر جو میری اتباع کرے، تو یقیناً وہ میرا ہے، اور جو میری نافرمانی کرے، تو

وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿36﴾

بلاشبہ تو غفور (اور) رحیم ہے ﴿36﴾

54:7) ''وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں، آگاہ رہو! سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اس کا ہے یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

شمس وقمر ایک دوسرے کے پیچھے آتے اور جاتے ہیں اور رات دن ایک دوسرے کے اس طرح مخالف ہوتے ہیں کہ کبھی رات بڑھنے لگتی اور دن گھٹنے لگتا اور کبھی دن گھٹنے لگتا اور رات بڑھنے لگتی ہے۔ ﴿يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ......﴾ الآية (الحج 61:22) ''وہ (اللہ) رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے......'' اور فرمایا: ﴿يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ۝﴾ (الزمر 5:39) ''وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، سب ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے، دیکھو! وہی غالب (اور) بہت بخشنے والا ہے۔''

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ط﴾ ''اور تمھیں ہر وہ چیز دی جو تم نے اس سے مانگی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو تمھارے لیے تیار فرما دیا ہے جن کی تمھیں ضرورت ہے اور اپنے حسب حال جو تم اس سے مانگتے رہتے ہو۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننے لگو تو تم انھیں شمار نہ کر سکو گے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بندے اس بات سے عاجز ہیں کہ وہ اس کی نعمتوں کو شمار کر سکیں، ان سب کا شکر بجالانا تو بہت دور کی بات ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: [لَكَ الْحَمْدُ رَبَّنَا غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَّلَا مُوَدَّعٍ وَّلَا مُسْتَغْنًى (عَنْهُ) رَبَّنَا] ''سب تعریف تیرے ہی لیے ہے (اے) ہمارے پالنہار! نہ (اس کھانے سے) کفایت کی جا سکتی ہے نہ اسے خیر باد کہا جا سکتا ہے اور نہ اس سے بے نیاز ہوا جا سکتا ہے اے ہمارے پروردگار!''[1]

روایت کیا گیا ہے کہ حضرت داود علیہ السلام نے عرض کی: اے اللہ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کر سکتا ہوں کہ تیرا شکر ادا کرنے کی

[1] صحیح البخاری، الأطعمة، باب ما یقول إذا فرغ من طعامه؟ حدیث:5459,5458 عن أبی أُمامة رضی اللہ عنہ اور [اللّٰھم] اس دعا کے ضمن میں السنن الکبرٰی للنسائی، الدعاء بعد الأکل، القول عند انقضاء الطعام:201/4، حدیث:6896 میں ہے۔ لیکن وہاں [ربنا] نہیں ہے۔

توفیق ملنا بھی تو تیرا مجھ پر ایک احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: داود! یوں سمجھو کہ تم نے میرا شکر ادا کر دیا جب تم نے یہ اعتراف کر لیا کہ تمام نعمتیں میری طرف سے ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 36,35

اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں آباد کرتے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر مشرکین عرب کے طرز عمل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس بلد حرام مکہ کو جب بنایا گیا تو اسے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہی کے لیے بنایا گیا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جنھوں نے اس شہر کو بنایا اور اس میں اپنے اہل وعیال کو بسایا تھا وہ غیر اللہ کی پوجا کرنے والوں سے بری تھے اور انھوں نے اس شہر مکہ کے لیے امن کی یہ دعا بھی کی تھی: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ ''اے میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن والا بنا دے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا تھا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا ...... ﴾ الآية (العنكبوت 67:29) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے......۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ۬ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ ...... ﴾ الآية (آل عمرٰن 3:96,97) ''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں (کے عبادت کرنے) کے لیے مقرر کیا گیا تھا، وہی ہے جو مکہ میں ہے، جہان والوں کے لیے بابرکت اور (موجب) ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں ہیں، (اور) مقام ابراہیم ہے، جو شخص اس (مبارک) گھر میں داخل ہوا اس نے امن پا لیا......۔''

اور اس واقعے میں فرمایا: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا ﴾ ''اے میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کے لیے) امن والا بنا دے۔'' اور ﴿ الْبَلَدَ ﴾ کو معرفہ استعمال کیا کہ گویا انھوں نے یہ دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی تھی، اسی لیے فرمایا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ ﴾ الآية (إبراهيم 14:39) ''اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں اسماعیل اور اسحاق عطا فرمائے۔'' یاد رہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام سے تیرہ سال بڑے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کو شیر خوارگی کی عمر میں ان کی والدہ کے ساتھ یہاں لائے تھے تو اس وقت بھی انھوں نے یہاں یہ دعا کی تھی: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا ...... ﴾ الآية (البقرة 2:126) ''اے میرے پروردگار! اس (جگہ) کو امن کا شہر بنا......۔'' جیسا کہ ہم سورۂ بقرہ کی تفسیر میں تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔[2]

---

[1] الدر المنثور: 430/5 عن فضيل رحمه الله وشعب الإيمان للبيهقي: 101/4، حديث: 4414. [2] دیکھیے البقرة، آیت: 126 کے ذیل میں۔ اس پیرے میں مفسر رحمہ اللہ نے سورۂ بقرہ میں ﴿ بَلَدًا ﴾ نکرہ اور یہاں ﴿ الْبَلَدَ ﴾ معرفہ ذکر کرنے کی وجہ بیان فرمائی ہے کہ سورۂ بقرہ والی دعا اس وقت کی ہے جب ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں لائے تھے کیونکہ اس وقت وہ ایک غیر معروف اور غیر آباد جگہ تھی اور سورۂ ابراہیم والی دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے اس وقت یہ ایک معروف اور خاص جگہ بن گئی تھی۔ امام رحمہ اللہ نے ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ ...... ﴾ (إبراهيم 14:39) کا ذکر اور حضرت اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کی عمروں کا ذکر بھی اسی لیے فرمایا ہے کہ یہ سورۂ ابراہیم والی دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے کیونکہ اس دعا میں اسحاق علیہ السلام کے عطا ہونے کے شکر کا ذکر ہے اور ظاہر ہے وہ تعمیر کعبہ کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ واللہ أعلم.

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا

اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد ایک بے زراعت وادی میں بسائی ہے، تیرے محترم گھر (کعبے) کے پاس، اے ہمارے

لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ

رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، چنانچہ تو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہونے والے کردے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے،

الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿37﴾

تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں ﴿37﴾

اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو شرک سے محفوظ رکھنے کی تڑپ: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿35﴾ ﴾ ''اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچائے رکھنا۔'' ہر دعا کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنے لیے، اپنے والدین کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے دعا کیا کرے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ذکر کیا کہ بہت سے لوگ بتوں کی وجہ سے فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں، اس لیے وہ بتوں کی پوجا کرنے والوں سے بری ہیں اور ان کے معاملے کو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا کہ وہ چاہے تو انھیں عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف فرمادے جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المآئدة 5:118) ''اگر تو ان کو عذاب دے تو بے شک وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بے شک تو ہی غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' اس میں سارے معاملے کو اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سپرد کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے لیے واقعی عذاب تجویز کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں تلاوت فرمایا: ﴿ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ ﴾ ''اے میرے پروردگار! انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے، پھر جس شخص نے میرا کہا مانا تو یقیناً وہ میرا ہے۔'' پھر عیسیٰ علیہ السلام کا قول: ﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ ﴾ (المآئدة 5:118) اور اگر تو انھیں عذاب دے، تو بے شک وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انھیں بخش دے تو بے شک تو نہایت غالب (اور) بڑی حکمت والا ہے۔'' تلاوت فرمایا اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ! أُمَّتِي أُمَّتِي] ''اے اللہ! میری امت (کو معاف فرمادے۔) میری امت (کو معاف فرمادے۔)'' اور رورو کر یہ دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اگرچہ تمھارا رب خوب جانتا ہے لیکن پوچھو کہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ جبریل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے جو دعا کی تھی وہ جبریل کو بتادی۔ اور جبریل علیہ السلام نے جب بارگاہِ الٰہی میں آپ کی طرف سے جواب پیش کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جبریل! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ امت کے بارے میں یقیناً ہم آپ کو خوش کر دیں گے اور ناراض نہیں کریں گے۔ [1]

[1] صحيح مسلم، الإيمان، باب دعا النبي ﷺ لأمته......، حديث:202.

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا

اے ہمارے رب! بے شک تو سب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔اور زمین اور آسمان میں کوئی چیز اللہ سے

فِي السَّمَاۗءِ ۝38 اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَي الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ

مخفی نہیں 38 تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحٰق عطا فرمائے، بے شک میرا رب دعا خوب سننے والا ہے 39

لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝39 رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝40

اے میرے رب! مجھے اور میری اولاد کو بھی نماز قائم کرنے والا بنا۔ اے ہمارے رب! اور تو میری دعا قبول فرما 40 اے ہمارے رب! جس دن

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝41 ع 6/7 18

حساب قائم ہوگا اس دن مجھے، میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو معاف فرمانا 41

تفسیر آیت: 37

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور لوگوں کا سرزمین کعبہ کی طرف میلان: یہ الفاظ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو چھوڑ کر جا رہے تھے تو وہ پہلی دعا تھی اور یہ ایک دوسری دعا ہے۔ پہلی دعا تعمیر کعبہ سے پہلے کی ہے اور یہ دعا تعمیر کعبہ کے بعد کی ہے۔[1] اور یہ دعا (اس پہلی دعا کی) تاکید اور اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت اور شوق کے لیے ہے۔ (یہ دعا بیت اللہ کی تعمیر کے بعد کی ہے) اسی لیے کہا: ﴿ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ ''تیرے عزت والے گھر کے پاس۔'' اور فرمانِ الٰہی: ﴿ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تاکہ وہ نماز پڑھیں۔'' کے بارے میں ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق ﴿ الْمُحَرَّمِ ﴾ سے ہے، یعنی میں نے اس گھر کو عزت و ادب والا اس لیے قرار دیا ہے تاکہ یہاں کے رہنے والوں کے لیے اس گھر کے پاس نماز قائم کرنا ممکن ہو جائے۔[2] ﴿ فَاجْعَلْ اَفْـــِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ ﴾ ''چنانچہ تو بعض لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اگر آپ ﴿ اَفْـــِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ ﴾ کے بجائے [أَفْئِدَةَ النَّاسِ] ''سب لوگوں کے دل۔'' کے الفاظ استعمال فرماتے تو فارس و روم، یہود و نصاریٰ اور دیگر لوگ بھی یہاں کشاں کشاں چلے آتے لیکن آپ نے ﴿ مِّنَ النَّاسِ ﴾ کے الفاظ استعمال فرمائے کہ آپ کی مراد بطور خاص مسلمانوں ہی سے تھی۔[3]

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے دعا کا اثر: اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ ﴾ ''اور انھیں ہر قسم کے

[1] صحیح بخاری کی ایک حدیث میں صراحت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب آپ علیہ السلام پہلی مرتبہ اسماعیل علیہ السلام کی شیرخوارگی کی عمر میں مکہ تشریف لائے اور انھیں اور ان کی والدہ ہاجرہ کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ واللہ أعلم دیکھیے صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله: ﴿ يَزِفُّوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:94)...... ، حديث:3364. اس صورت میں ممکن ہے کہ ﴿ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ﴾ سے مراد وہ نشانات ہوں جو پہلے سے موجود تھے یا وہ بیت اللہ ہو جو ابراہیم علیہ السلام کے ذہن میں تھا۔ واللہ أعلم۔ [2] تفسير الطبري: 306/13. [3] تفسير الطبري: 307,306/13.

پھلوں سے روزی دے۔'' تا کہ یہ روزی تیری اطاعت بجالانے کے لیے معاون ثابت ہو۔ اب تو یہ وادی ایسی ہے کہ جہاں کھیتی نہیں لیکن اس غیر ذی زرع وادی میں پھل پہنچا دینا تا کہ یہاں کے لوگ انھیں کھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ (القصص 28:57) ''کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل پہنچائے جاتے ہیں (اور یہ) رزق ہماری طرف سے ہے؟ لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کا لطف وکرم اور اس کی خاص رحمت و برکت ہے کہ مکہ میں ایک بھی پھل دار درخت نہیں لیکن وہاں گردو پیش کے تمام پھل موجود ہیں اور یہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔

تفسیر آیات: 38-41

ہم جو بھی چھپاتے یا ظاہر کرتے ہیں اللہ اس کو جانتا ہے: امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ انھوں نے کہا تھا: ﴿ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ﴾ ''اے میرے پروردگار! جو بات ہم چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں، بے شک تو (سب) جانتا ہے۔'' یعنی تو جانتا ہے کہ میری دعا سے میرا کیا مقصد ہے اور اس شہر والوں کے لیے دعا سے میرا کیا ارادہ ہے۔ تو خوب جانتا ہے کہ میرا مقصود محض تیری رضا اور تیرے ہی لیے اخلاص ہے کیونکہ تو ظاہری اور باطنی تمام چیزوں کو جانتا ہے اور آسمان وزمین کی کوئی چیز بھی تجھ سے مخفی نہیں ہے۔[1]

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے انھیں بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی اور کہا: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا پروردگار خوب دعا سننے والا ہے۔'' یعنی جو اس سے دعا کرے وہ اس کی دعا کو قبول فرماتا ہے اور میں نے اس سے اولاد کے لیے جو دعا مانگی تو اس نے میری دعا کو بھی شرف قبولیت سے نوازا۔

پھر کہا: ﴿ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ ﴾ ''اے میرے پروردگار! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا۔'' یعنی نماز کی حفاظت کرتا رہوں اور اس کی حدود کو قائم کرتا رہوں۔ ﴿ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ۖ ﴾ ''اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش۔)'' یعنی انھیں بھی اس طرح نماز قائم کرنے والا بنادے۔ ﴿ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! اور میری دعا قبول فرما۔'' یعنی میں نے تجھ سے جو دعا بھی مانگی ہے تو اسے شرف قبولیت عطا فرما۔ ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! مجھے اور میرے ماں باپ کو بخش دے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت سے پہلے کی تھی جب ان کے سامنے یہ واضح ہو گیا تھا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے، پھر انھوں نے اس سے براءت کا اظہار کر دیا تھا۔ ﴿ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ﴾ ''اور حساب (کتاب) کے دن (تمام) مومنوں کو بھی (معاف فرما دینا۔)'' یعنی ہم سب کو اس دن معاف فرما دینا جب تو اپنے بندوں

[1] تفسیر الطبری: 308/13.

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ

اور (اے نبی!) آپ مت خیال کریں کہ اللہ ان کاموں سے غافل ہے جو ظالم کرتے ہیں، وہ تو انھیں صرف اس دن تک مہلت دیتا ہے

فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿42﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ

جس میں آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی ﴿42﴾ وہ اپنے سر اٹھائے (محشر کی طرف) دوڑ رہے ہوں گے، ان کی نگاہ اپنی طرف بھی نہ پھر سکے گی،

وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿43﴾ ؕ

اور ان کے دل خالی ہوں گے ﴿43﴾

سے حساب کرے گا اور ان کے اعمال کے مطابق انھیں اچھا یا برا بدلہ دے گا۔

تفسیر آیات: 43,42

اللہ تعالیٰ کا کافروں کو مہلت دینا از راہ غفلت نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) آپ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کے اعمال سے بے خبر ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں مہلت دے رکھی اور ان کی رسی دراز کر رکھی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان سے بے خبر ہے اور وہ انھیں ان کی بداعمالیوں کی سزا نہیں دے گا بلکہ وہ ان کے تمام اعمال کو شمار کر رہا ہے اور ﴿ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿42﴾ ﴾ ''وہ تو انھیں صرف اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' یعنی قیامت کے دن کی دہشت ناکیوں اور ہولناکیوں کی شدت کی وجہ سے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے قبروں سے کھڑے ہونے اور میدان حشر کی طرف دوڑنے کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ مُهْطِعِيْنَ ﴾ ''وہ دوڑ رہے ہوں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ○ ﴾ (القمر 8:54) ''وہ بلانے والے کی طرف دوڑتے جاتے ہوں گے، کافر کہیں گے: یہ بڑا سخت دن ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ○ يَوْمَىِٕذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوْلًا ○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا ○ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ ؕ ...... ﴾ الآیۃ (طٰہٰ 20:108-111) ''اس روز لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اور اس کی پیروی سے انحراف نہ کر سکیں گے اور اللہ کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی، چنانچہ آپ آہٹ کے سوا کوئی اور آواز نہ سن سکیں گے۔ اس دن کسی کی سفارش کوئی فائدہ نہ دے گی مگر اس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔ جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے وہ اسے جانتا ہے اور وہ (اپنے) علم سے اس (اللہ کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے اور اس زندہ و قائم کے روبرو چہرے جھک جائیں گے......'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ سِرَاعًا كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ يُّوْفِضُوْنَ ○ ﴾ (المعارج 70:43) ''جس دن قبروں سے نکل کر دوڑیں گے، گویا کہ وہ آستانوں (بتوں) کی طرف دوڑ رہے ہوں۔'' ارشاد الٰہی ہے: ﴿ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ ﴾ ''اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ

اور (اے نبی!) لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں جب انھیں عذاب آلے گا تو ظالم کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں تھوڑی مدت تک

قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ

مہلت دے (تاکہ) ہم تیری دعوت قبول کریں اور رسولوں کی اتباع کریں۔ (ان سے کہا جائے گا:) کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے

زَوَالٍ ﴿44﴾ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

کہ تمھارے لیے کوئی زوال نہیں؟ ﴿44﴾ اور تم ان لوگوں کے رہنے کی جگہوں میں آباد تھے جنھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تھا اور تم پر واضح ہو چکا تھا کہ

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿45﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ

ہم نے ان سے کیا سلوک کیا تھا، اور ہم نے تمھارے لیے مثالیں بیان کی تھیں ﴿45﴾ اور یقیناً وہ اپنی چالیں چل چکے اور ان کی سب چالیں اللہ کے

كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿46﴾

پاس ہیں اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ ہل جاتے ﴿46﴾

ان الفاظ کے یہی معنی بیان کیے ہیں کہ وہ سروں کو اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ [1] ﴿لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ﴾ ''ان کی نگاہ ان کی طرف لوٹ نہ سکے گی۔'' یعنی ان کی نظریں اڑی ہوئی ہوں گی، وہ ٹکٹکی باندھے مسلسل دیکھ رہے ہوں گے اور ہولناکی، دہشت ناکی، فکر اور خوف کے باعث لمحہ بھر کے لیے بھی آنکھیں جھپک نہیں سکیں گے۔ اس دن کی ہولناکیوں سے اللہ رب ذوالجلال کی پناہ! پھر فرمایا: ﴿وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ﴿43﴾﴾ ''اور ان کے دل خالی ہوں گے۔'' یعنی ان کے دل جھکے ہوئے ہوں گے، خالی ہوں گے، ڈر اور خوف کی کثرت کے باعث دلوں میں کچھ نہیں ہوگا، اسی لیے امام قتادہ اور مفسرین کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ ان کے دلوں کی جگہیں خالی ہوں گی کیونکہ دل تو شدت خوف کے باعث اپنی جگہوں سے نکل کر حلقوں کے پاس پہنچ چکے ہوں گے۔ [2] پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے: (دیکھیے آیات: 44-46)

تفسیر آیات: 44-46

عذاب آنے کے بعد مہلت نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ظالم لوگ جب عذاب کو دیکھیں گے تو یہ کہیں گے: ﴿رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! ہمیں تھوڑی سی مدت مہلت عطا کرتا کہ ہم تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ﴾ (المؤمنون 99:23) ''حتی کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے گی تو وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار! مجھے (پھر دنیا میں) واپس بھیج دے۔'' اور فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ○ وَاَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○﴾ (المنفقون 63:9،10)

[1] تفسیر الطبری: 313/13. [2] تفسیر الطبری: 316/13.

''مومنو! تمھارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے اور جو ایسا کرے گا تو وہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ اور جو (مال) ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس (وقت) سے پیشتر خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو (اس وقت) کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی اور مہلت کیوں نہ دی تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا۔'' اور اللہ تعالیٰ نے محشر میں ان کے حال کی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ (السجدة 32:12) ''اور کاش! آپ دیکھیں جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا، تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ نیک عمل کریں، بے شک ہم یقین کرنے والے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 6:27) ''اور کاش! آپ انھیں اس وقت دیکھیں جب یہ دوزخ کے کنارے کھڑے کیے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش! ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیے جائیں تاکہ اپنے پروردگار کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں اور مومن ہو جائیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ ؕ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ ﴾ (فاطر 35:37) ''وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کریں گے، نہ کہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا۔ اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، پس (اب مزے) چکھو! ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کی بات کے جواب میں فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴾ ''کیا تم اس سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال نہیں ہوگا۔'' یعنی کیا تم اپنی اس حالت سے پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو اس حال سے جس میں تم ہو کبھی بھی زوال نہیں ہوگا اور نہ کبھی تمھیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور نہ جزا و سزا کا معاملہ ہوگا، لہٰذا اپنی ان بداعمالیوں کا آج مزا چکھو۔ مجاہد اور کئی ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے: ﴿ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ تم دنیا سے آخرت کی طرف کبھی منتقل نہیں ہوگے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (النحل 16:38) ''اور یہ اللہ کی پختہ قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے (دوبارہ) نہیں اٹھائے گا۔ ہرگز نہیں! (بلکہ وہ اٹھائے گا) یہ (اللہ کا) وعدہ سچا ہے اور اس کے ذمے ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ ﴾ ''اور جو (لوگ) اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے، تم ان لوگوں کی بستیوں میں رہتے تھے اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں

[1] تفسير الطبري: 318/13.

کے ساتھ کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا اور ہم نے تمھارے (سمجھانے کے) لیے مثالیں بیان کر دی تھیں۔‘‘ یعنی تم نے دیکھا بھی اور تمھیں خبریں بھی پہنچیں کہ ہم نے تم سے پہلے تکذیب کرنے والی امتوں پر کس طرح عذاب اتارا تھا لیکن تم نے اس سے کوئی عبرت حاصل کی اور نہ ہی جس عذاب میں ہم نے انھیں مبتلا کیا تھا اس سے کوئی نصیحت حاصل کی۔ ﴿ حِكْمَةٌ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴾ (القمر 5:54) ’’اور کامل دانائی (کی کتاب میں)، پھر محض ڈرانا (ان کو) کچھ فائدہ نہیں دیتا۔‘‘

شعبہ نے ابو اسحاق سے، انھوں نے عبدالرحمٰن [1] سے اور انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے آیت کریمہ: ﴿ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴾ ’’گو وہ تدبیریں ایسی (غضب کی) نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ہل جاتے۔‘‘ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ جس شخص نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے رب تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا اس نے دو چھوٹے گدھ لیے اور انھیں پالا پوسا حتی کہ وہ مضبوط و توانا اور جوان ہو گئے، پھر اس نے ان دونوں کے ایک ایک پاؤں کو ایک تابوت کے کیل کے ساتھ باندھ دیا اور بھوکا رکھنا شروع کر دیا اور وہ خود اور ایک دوسرا شخص تابوت میں بیٹھ گئے، تابوت کے اوپر اس نے ایک عصا کھڑا کر دیا اور عصا کے کنارے پر گوشت باندھ دیا تھا، گوشت کو دیکھ کر یہ دونوں گدھ اس کی طرف لپکے تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھو تم کیا دیکھ رہے ہو۔ اس نے کہا کہ ہاں، میں یہ یہ چیزیں دیکھ رہا ہوں حتی کہ اس نے کہا کہ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ دنیا ساری کی ساری مکھیاں ہے، اس نے عصا کو ہلایا تو دونوں گدھ نیچے گر گئے اور یہی مفہوم اس ارشاد باری تعالیٰ کا ہے: [وَاِنْ كَادَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ] ’’اور ان کی چال ایسی تھی قریب تھا کہ ان کی وجہ سے پہاڑ ہل جاتے۔‘‘ ابو اسحاق کہتے ہیں کہ عبداللہ کی قراءت میں اسی طرح ہے: [وَاِنْ كَادَ مَكْرُهُمْ] [2]

مجاہد نے یہ قصہ بخت نصر کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ جب اس کی نظر زمین اور اس کے باشندوں سے منقطع ہو گئی تو آواز دی گئی کہ اے سرکش! اب تیرا کیا ارادہ ہے؟ یہ آواز سن کر وہ ڈر گیا، پھر اس نے اپنے اوپر آواز سنی تو اس نے نیزے گاڑ دیے اور ان پر گدھ بٹھا دیے، پہاڑ ان کے گرنے کو دیکھ کر ڈر گئے اور قریب تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے: ﴿ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴾ ’’اور ان کی چالیں ایسی نہ تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ ہل جائیں۔‘‘ [3]

ابن جریج نے نقل کیا ہے کہ مجاہد نے اس آیت کریمہ کو پہلے لام کے فتحہ اور دوسرے لام کے ضمہ کے ساتھ یعنی [لَتَزُوْلُ] پڑھا ہے۔ [4] اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ ان کی تدبیریں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ [5] اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اس کا مفہوم یہی بیان کیا ہے کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے ساتھ جو شرک اور کفر کیا تو اس نے پہاڑوں کو یا کسی اور چیز

---

[1] عبدالرحمٰن کے والد کا نام علماء نے واصل، دانیل، دنیال وغیرہ نقل کیا ہے۔ واللہ أعلم۔ [2] تفسیر الطبری:320/13 ملحوظہ: تفسیر طبری میں ﴿ وَاِنْ كَانَ ...... ﴾ ہی ہے، البتہ امام قرطبی نے اپنی تفسیر:380/9 پر امام ابن کثیر کے مطابق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے [وإن كاد......] کی قراءت بیان فرمائی ہے۔ [3] تفسیر الطبری:321,320/13. [4] تفسیر الطبری:321/13. [5] تفسیر الطبری:

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿47﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ

چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرے گا۔ بے شک اللہ غالب ہے، انتقام لینے والا ﴿47﴾ جس دن یہ زمین

الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿48﴾

دوسری زمین سے بدل دی جائے گی، اور آسمان بھی، اور لوگ اللہ، واحد، قہر والے کے سامنے (پیش) ہوں گے ﴿48﴾

کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ان کے کفر و شرک کا وبال خود انھی کے لیے ہے۔[1] یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کے مشابہ ہے: ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ○﴾ (بنی إسرآء یل 37:17) ''اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل کہ بے شک تو ہرگز نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ تو ہرگز طول میں پہاڑوں (کی چوٹیوں) تک پہنچ سکتا ہے۔''

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دوسرا قول جو علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہاں مکر سے مراد ان کا شرک ہے اور یہ آیت کریمہ حسبِ ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ﴾ (مریم 91,90:19) ''قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں اس (بات) پر کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا۔'' ضحاک اور قتادہ کا قول بھی یہی ہے کہ یہاں مکر سے مراد ان کا شرک ہے۔[2]

تفسیر آیات: 48,47

اللہ تعالیٰ وعدے کے خلاف نہیں کرتا: اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کو دہراتے اور اس کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۭ﴾ ''چنانچہ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ اللہ نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اس کے خلاف کرے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے جو یہ وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی انھیں اپنی نصرت سے شاد کام فرمائے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ وہ بہت زبردست ہے، کوئی چیز اس کے ارادے میں حائل نہیں ہو سکتی اور نہ اس پر غالب آسکتی ہے اور جو اس کی ذات اقدس کا انکار اور کفر کرے تو وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے، لہٰذا ﴿وَيْلٌ يَّوْمَىِٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ○﴾ (المرسلٰت 15:77) ''اس دن جھٹلانے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔''

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ﴾ ''جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی (بدل دیے جائیں گے۔)'' یعنی اس کا یہ وعدہ اس دن پورا ہوگا جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور وہ زمین اس مألوف و معروف زمین جیسی نہ ہوگی جیسا کہ صحیحین میں سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، میں

[1] تفسیر الطبری:325/13. [2] تفسیر الطبری:323,322/13.

نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى أَرْضٍ بَيْضَاءَ عَفْرَاءَ كَقُرْصَةِ النَّقِيِّ۔ قَالَ سَهْلٌ۔ أَوْ غَيْرُهُ۔: لَيْسَ فِيهَا مَعْلَمٌ لِّأَحَدٍ] ''روز قیامت لوگوں کو ایک ایسی زمین پر اکٹھا کیا جائے گا جو سفید سرخی مائل صاف گول روٹی کی طرح ہوگی اور اس میں کسی کے لیے کوئی نشان نہ ہوگا (بالکل ہموار ہوگی۔)''[1]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ سب سے پہلے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا: ﴿ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ ...... ﴾ میں نے پوچھا اے اللہ کے رسول! اس دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: [عَلَى الصِّرَاطِ] ''پل صراط پر۔''[2] اسے صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے امام بخاری نے نہیں۔ امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[3]

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ثوبان مولیٰ رسول اللہ ﷺ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑا تھا، آپ کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور اس نے کہا: اے (محمد ﷺ!) آپ پر سلام ہو۔ میں نے اسے زور کا ایک دھکا دیا قریب تھا کہ وہ گر جاتا، اس نے کہا کہ تم مجھے دھکا کیوں دیتے ہو۔ میں نے کہا: تم اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں کہتے؟ یہودی نے جواب دیا: ہم آپ کو اسی نام سے پکاریں گے جو آپ کے گھر والوں نے آپ کا نام رکھا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ اسْمِي مُحَمَّدٌ الَّذِي سَمَّانِي بِهِ أَهْلِي، فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: جِئْتُ أَسْأَلُكَ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: أَيَنْفَعُكَ شَيْءٌ إِنْ حَدَّثْتُكَ؟ قَالَ: أَسْمَعُ بِأُذُنَيَّ، فَنَكَتَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ بِعُودٍ مَّعَهُ، فَقَالَ: سَلْ! فَقَالَ الْيَهُودِيُّ: أَيْنَ يَكُونُ النَّاسُ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: هُمْ فِي الظُّلْمَةِ دُونَ الْجِسْرِ، قَالَ: فَمَنْ أَوَّلُ النَّاسِ إِجَازَةً؟ قَالَ: فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِينَ، قَالَ الْيَهُودِيُّ: فَمَا تُحْفَتُهُمْ حِينَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: زِيَادَةُ كَبِدِ النُّونِ، قَالَ: فَمَا غِذَاؤُهُمْ عَلٰى إِثْرِهَا؟ قَالَ: يُنْحَرُ لَهُمْ ثَوْرُ الْجَنَّةِ الَّذِي كَانَ يَأْكُلُ مِنْ أَطْرَافِهَا، قَالَ: فَمَا شَرَابُهُمْ عَلَيْهِ؟ قَالَ: مِنْ عَيْنٍ فِيهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيلًا، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: وَجِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنْ شَيْءٍ لَّا يَعْلَمُهُ أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِ الْأَرْضِ إِلَّا نَبِيٌّ أَوْ رَجُلٌ أَوْ رَجُلَانِ. قَالَ: يَنْفَعُكَ إِنْ حَدَّثْتُكَ؟ قَالَ: أَسْمَعُ بِأُذُنَيَّ، قَالَ جِئْتُ أَسْأَلُكَ عَنِ الْوَلَدِ؟ قَالَ: مَاءُ الرَّجُلِ أَبْيَضُ وَمَاءُ الْمَرْأَةِ أَصْفَرُ، فَإِذَا اجْتَمَعَا، فَعَلَا مَنِيُّ الرَّجُلِ مَنِيَّ الْمَرْأَةِ أَذْكَرَا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَإِذَا عَلَا مَنِيُّ الْمَرْأَةِ مَنِيَّ الرَّجُلِ، آنَثَا بِإِذْنِ اللّٰهِ، قَالَ الْيَهُودِيُّ: لَقَدْ صَدَقْتَ، وَإِنَّكَ لَنَبِيٌّ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَذَهَبَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: لَقَدْ سَأَلَنِي هٰذَا عَنِ الَّذِي سَأَلَنِي عَنْهُ، وَمَا لِي عِلْمٌ بِشَيْءٍ مِّنْهُ حَتّٰى أَتَانِيَ اللّٰهُ بِهِ]

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب يقبض الله الأرض يوم القيامة......، حديث: 6521 وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب في البعث والنشور......، حديث:2790. [2] مسند أحمد:35/6. [3] صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب في البعث والنشور......، حديث:2791 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة إبراهيم، حديث:3121 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر البعث، حديث:4279.

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿49﴾ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ

اور اس دن آپ تمام مجرم زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھیں گے ﴿49﴾ ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے، اور آگ ان کے

وُجُوهَهُمُ النَّارُ ﴿50﴾ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿51﴾

چہروں کو ڈھانپتی ہو گی ﴿50﴾ تاکہ اللہ ہر نفس کو (اس عمل کی) جزا دے جو اس نے کمایا۔ بے شک اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ﴿51﴾

''یقیناً میرا نام محمد ہے جو میرے گھر والوں نے رکھا ہے۔ یہودی نے عرض کی کہ میں آپ سے ایک سوال پوچھنے آیا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے بیان کروں تو کیا تمھیں اس سے کچھ فائدہ ہوگا۔ یہودی نے جواب دیا کہ میں آپ کی بات کو پوری توجہ سے سنوں گا، رسول اللہ ﷺ نے اس لکڑی کے ساتھ زمین کو کریدتے ہوئے جو آپ کے پاس تھی، فرمایا: ہاں تم پوچھو، تو یہودی نے پوچھا کہ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے اور آسمان دوسرے آسمان سے بدل دیے جائیں گے، اس دن لوگ کہاں ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ پل سے ورے اندھیرے میں ہوں گے۔ یہودی نے پوچھا کہ سب سے پہلے کن لوگوں کو اجازت ملے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فقراء مہاجرین کو، یہودی نے پوچھا کہ جب وہ جنت میں داخل ہوں گے تو انھیں کیا تحفہ ملے گا۔ فرمایا: مچھلی کے جگر کا بڑھا ہوا حصہ۔ یہودی نے پوچھا کہ اس کے بعد انھیں کیا غذا دی جائے گی۔ آپ نے فرمایا: ان کے لیے جنت کے اس بیل کو ذبح کیا جائے گا جو جنت ہی کی اطراف واکناف میں چرا کرتا تھا، یہودی نے پوچھا کہ اس کھانے کے ساتھ وہ کیا پئیں گے۔ آپ نے فرمایا: وہ جنت کے ایک ایسے چشمے سے پانی پئیں گے جس کا نام سلسبیل ہوگا۔ یہ سن کر یہودی نے کہا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے، پھر یہودی نے کہا کہ میں آپ سے ایک ایسا سوال بھی پوچھنے آیا ہوں جس کا جواب تمام اہل زمین میں سے سوائے نبی کے یا ایک دو آدمیوں کے اور کوئی نہیں جانتا، آپ نے فرمایا: اگر میں تم سے بیان کروں تو کیا تمھیں اس سے فائدہ ہوگا۔ اس نے عرض کی: میں آپ کی بات پوری توجہ سے سنوں گا، اس نے کہا کہ میں آپ سے بچے کے بارے میں پوچھنے آیا ہوں، آپ نے فرمایا: مرد کا پانی سفید رنگ کا اور عورت کا پانی پیلے رنگ کا ہوتا ہے اور جب یہ دونوں پانی جمع ہو جائیں اور مرد کا پانی عورت کے پانی پر غالب آجائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکے کو جنم دیتے ہیں اور اگر عورت کا پانی مرد کے پانی پر غالب آجائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لڑکی کو جنم دیتے ہیں۔ یہودی نے کہا کہ آپ نے بالکل سچ فرمایا: آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور پھر وہ چلا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے جانے کے بعد فرمایا: اس شخص نے مجھ سے جو سوالات پوچھے ہیں ان کے بارے میں مجھے پہلے کوئی علم نہ تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بارے میں علم عطا فرما دیا۔''[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَبَرَزُوا﴾ ''اور سامنے (کھڑے) ہوں گے۔'' یعنی تمام کے تمام لوگ اپنی قبروں سے باہر نکل کھڑے ہوں گے۔ ﴿لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿48﴾﴾ ''اللہ کے لیے جو یگانہ وزبردست ہے۔'' یعنی اس ذات گرامی کے سامنے جو ہر چیز

[1] صحیح مسلم، الحیض، باب بیان صفة منی الرجل والمرأة……، حدیث:315.

پر غالب ہے اور جس کے سامنے سب کی گردنیں جھکی ہوئی اور عقلیں ماند پڑ گئی ہیں۔

تفسیر آیات:49-51

روز قیامت مجرموں کے احوال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی بدل دیے جائیں گے اور تمام مخلوقات اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے نکل کھڑی ہوں گی تو اے محمد (ﷺ!) اس دن آپ کفر اور فساد کی صورت میں جرم کرنے والے مجرموں کو (اس حال میں) دیکھیں گے: ﴿مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ﴾ ''زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔'' یعنی ہر جنس اور ہر شکل کے مجرموں کو اپنی اپنی جنس اور اپنی اپنی صنف کے ساتھ ملا دیا جائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ ......﴾ الآیة (الصّٰفّٰت 22:37) ''جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو اور ان کے جوڑوں کو جمع کر لو......'' اور فرمایا: ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾ (التکویر 7:81) ''اور جب روحیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی۔'' اور فرمایا: ﴿وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا﴾ (الفرقان 13:25) ''اور جب یہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو وہ وہاں ہلاکت کو پکاریں گے۔'' اور فرمایا ﴿وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝ وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ﴾ (صٓ 38,37:38) ''اور شیاطین کو بھی (ان کے زیر فرمان کیا) یہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور دوسروں کو بھی (جو) زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، اعمش اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿الْاَصْفَادِ﴾ کے معنی زنجیروں کے ہیں۔[1] اور یہی معنی عربی لغت میں مشہور ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ﴾ ''ان کے کُرتے گندھک کے ہوں گے۔'' یعنی جس لباس کو وہ پہنیں گے وہ گندھک کا ہوگا۔ گندھک وہ ہے جس کے ساتھ اونٹوں کی مالش کی جاتی ہے۔ امام قتادہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ چیز ہے جو آگ کو سب سے زیادہ پکڑنے والی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ﴿قَطِرَانٍ﴾ سے مراد پگھلا ہوا تانبا ہے، اس لیے وہ کبھی اس طرح بھی پڑھتے تھے: [سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قِطْرٍ آنٍ] یعنی ان کا لباس ایسے گرم تانبے سے بنا ہوگا جس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوگی۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن اور قتادہ رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[2] فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ﴾ ''اور ان کے چہروں کو آگ ڈھانپ رہی ہوگی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ﴾ (المؤمنون 104:23) ''آگ ان کے چہروں کو جھلس دے گی اور وہ اس میں بدشکل ہوں گے۔''

امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن اسحاق نے بیان کیا کہ ہمیں ابان بن یزید نے یحییٰ بن ابوکثیر سے، انھوں نے زید سے، انھوں نے ابوسلام سے اور انھوں نے ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَرْبَعٌ مِّنَ الْجَاهِلِيَّةِ

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2254/7. [2] تفسیر القرطبی: 385/9 و الدر المنثور: 170/4.

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ

یہ (قرآن) لوگوں کے لیے ایک پیغام ہے اور تاکہ اس کے ذریعے سے انھیں ڈرایا جائے، اور تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ بے شک وہی (اللہ) معبود

اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿52﴾

واحد ہے، اور تاکہ عقل مند نصیحت حاصل کریں ﴿52﴾

لَا يَتْرُكُونَهُنَّ: الْفَخْرُ فِي الْأَحْسَابِ، وَالطَّعْنُ فِي الْأَنْسَابِ، وَالْإِسْتِسْقَاءُ بِالنُّجُومِ، وَالنِّيَاحَةُ، وَالنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَعَلَيْهَا سِرْبَالٌ مِّنْ قَطِرَانٍ أَوْ دِرْعٌ مِّنْ جَرَبٍ] ”جاہلیت کی چار چیزیں باقی رہیں گی جنھیں نہیں چھوڑیں گے: (1) حسب پر فخر۔ (2) نسب پر طعن۔ (3) ستاروں سے بارش طلب کرنا اور (4) میت پر نوحہ کرنا۔ اور نوحہ کرنے والی عورت اگر موت سے پہلے توبہ نہ کرے تو اسے قیامت کے دن اس طرح کھڑا کیا جائے گا کہ اس کا کرتا گندھک کا یا اوڑھنی خارش والی ہوگی۔“[1] اس کو صرف امام مسلم نے روایت کیا ہے۔[2] امام بخاری نے نہیں۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ﴾ ”یہ اس لیے کہ اللہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے۔“ یعنی قیامت کے دن جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴾ (النجم 31:53) ”تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے اچھائیاں کیں انھیں اچھا بدلہ دے۔“

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿51﴾ ﴾ ”بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔“ یعنی جب وہ اپنے بندے کا محاسبہ کرے گا تو اس سے جلد حساب لے لے گا کیونکہ وہ ہر چیز جانتا ہے اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ اس کی قدرت کے سامنے ساری مخلوق ایسے ہے جیسے کوئی ایک انسان ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ (لقمٰن 28:31) ”(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور تمھیں دوبارہ اٹھانا ایسا ہی ہے جیسے ایک نفس کو پیدا کرنا ہے۔“ اور یہی معنی ہیں مجاہد کے اس قول کے کہ وہ شمار کرنے اور گننے کے اعتبار سے جلد حساب لینے والا ہے۔

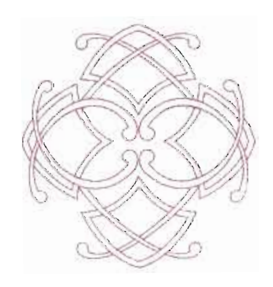
تفسیر آیت: 52

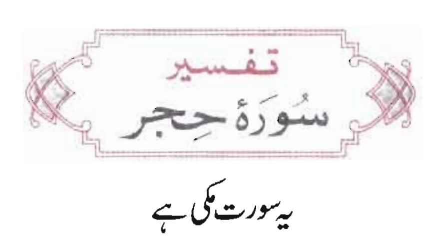
اللہ کا پیغام: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ (الأنعام 19:6) ”تاکہ اس کے ذریعے سے میں تم کو اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں۔“ یعنی یہ قرآن تمام انسانوں اور جنوں کی طرف اللہ تعالیٰ کا پیغام ہے جیسا کہ اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں فرمایا: ﴿ الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (إبراهيم 1:14) ”الٓرٰ۔ (یہ) ایک (پرنور) کتاب ہے اس کو ہم نے آپ پر اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔“

[1] مسند أحمد: 343,342/5. [2] صحيح مسلم، الجنائز، باب التشديد في النياحة، حديث: 934.

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ ''اور تا کہ اس کے ذریعے سے انھیں ڈرایا جائے اور بے شک وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے۔'' یعنی اس (قرآن) میں موجود دلائل و براہین سے وہ اس بات پر استدلال کریں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ﴿ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿52﴾ ﴾ ''اور تا کہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔''

سورۂ ابراہیم کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.





یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

الٓرٰ قف تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ وَ قُرۡاٰنٍ مُّبِیۡنٍ ① رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا

الٓرٰ۔ یہ آیات ہیں کتاب اور قرآن مبین کی ① کسی وقت کافر چاہیں گے کاش کہ وہ مسلمان ہوتے ② (اے نبی!) انھیں چھوڑ دیجیے، وہ کھائیں

مُسۡلِمِیۡنَ ② ذَرۡہُمۡ یَاۡکُلُوۡا وَ یَتَمَتَّعُوۡا وَ یُلۡہِہِمُ الۡاَمَلُ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ③

(پیئں) اور فائدہ اٹھائیں، اور (جھوٹی) امید انھیں غفلت میں ڈالے رکھے، پھر جلد ان کو معلوم ہو جائے گا③

تفسیر آیات:1-3

کفار کسی وقت تمنا کریں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے: حروف مقطعات کے متعلق شروع میں بحث گزر چکی ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا ﴾ ''کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے۔'' یعنی کافروں کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ ایک وقت آئے گا جب وہ اپنے کفر پر ندامت کا اظہار کریں گے اور تمنا کریں گے کہ اے کاش! وہ دنیا میں مسلمان ہوتے۔ سفیان ثوری نے سَلَمہ بن کُہَیل سے، انھوں نے ابوزَعراء سے اور انھوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کریمہ: ﴿ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ② ﴾ ''کسی وقت کافر چاہیں گے کہ کاش! وہ مسلمان ہوتے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہ ان جہنمیوں کے بارے میں ہے جو یہ دیکھیں گے کہ مسلمانوں کو جہنم سے باہر نکالا جا رہا ہے۔[1] ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ وہ اس آیت کی یہ تفسیر بیان کیا کرتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ گناہ گار مسلمانوں کو جہنم میں مشرکوں کے ساتھ یکجا کر دے گا تو مشرک ان سے کہیں گے کہ جس کی تم دنیا میں عبادت کرتے تھے وہ تمھارے کچھ کام نہ آیا تو مشرکوں کی یہ بات سن کر اللہ تعالیٰ ناراض ہوں گے اور وہ اپنے فضل و کرم اور اپنی رحمت سے گناہ گار مسلمانوں کو جہنم سے باہر نکال دیں گے اور اسی وقت کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ کَانُوۡا مُسۡلِمِیۡنَ ② ﴾ ''کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے کہ اے کاش! وہ مسلمان ہوتے۔''[2]

[1] تفسیر الطبری:6/14. [2] تفسیر الطبری:6/14.

وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ ﴿4﴾ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا

اور ہم نے جس بستی کو بھی ہلاک کیا ہے اس (کی تباہی) کے لیے لکھی ہوئی (میعاد) مقرر تھی ﴿4﴾ کوئی امت اپنے (مقرر) وقت سے نہ آگے نکل

وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ﴿5﴾

سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے ﴿5﴾

وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿6﴾ لَوۡ مَا تَاۡتِيۡنَا بِالۡمَلٰۤـئِكَةِ اِنۡ

اور انھوں نے کہا: اے وہ شخص! جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے، یقیناً تو تو مجنون ہے ﴿6﴾ تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتا اگر تو

كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿7﴾ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰۤـئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَمَا كَانُوۡۤا اِذًا مُّنۡظَرِيۡنَ ﴿8﴾ اِنَّا

سچوں میں سے ہے؟ ﴿7﴾ فرشتے تو ہم صرف حق (عذاب) کے ساتھ نازل کرتے ہیں اور پھر اس وقت ان (کفار) کو ڈھیل نہیں دی جاتی ﴿8﴾ بے شک

نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰـفِظُوۡنَ ﴿9﴾

ہم ہی نے یہ ذکر (قرآن) نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں ﴿9﴾

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ ذَرۡهُمۡ يَاۡكُلُوۡا وَيَتَمَتَّعُوۡا ﴾ ''(اے نبی!) ان کو ان کے حال پر رہنے دیجیے کہ وہ کھائیں (پئیں) اور فائدے اٹھالیں۔'' یہ بہت سخت ڈانٹ ڈپٹ اور شدید ترین سرزنش ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلۡ تَمَتَّعُوۡا فَاِنَّ مَصِيۡرَكُمۡ اِلَى النَّارِ ○ ﴾ (ابراھیم 30:14) ''کہہ دیجیے کہ (چند روز دنیا میں) فائدہ اٹھالو، پھر یقیناً تم کو دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' اور فرمایا ﴿ كُلُوۡا وَتَمَتَّعُوۡا قَلِيۡلًا اِنَّكُمۡ مُّجۡرِمُوۡنَ ○ ﴾ (المرسلٰت 46:77) ''(اے جھٹلانے والو!) تم (دنیا میں) کچھ (دن) کھالو اور فائدے اٹھالو، بے شک تم مجرم ہو۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَيُلۡهِهِمُ الۡاَمَلُ ﴾ ''اور (جھوٹی) امید ان کو (دنیا میں) غافل کیے رکھے۔'' توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے۔ ﴿ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿3﴾ ﴾ ''عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔'' یعنی اس کا انجام۔

تفسیر آیات: 5,4

ہر بستی کے لیے ایک وقت مقرر ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا مگر اس وقت جب اس پر حجت تمام ہوگئی اور اس کی مہلت ختم ہوگئی اور اس نے کسی امت کی تباہی و بربادی کے لیے جو وقت مقرر کر رکھا ہوتا ہے اس میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی۔ یہ اہل مکہ کے لیے تنبیہ بھی تھی اور رہنمائی بھی کہ وہ اپنے شرک، عناد اور الحاد سے باز آجائیں کیونکہ ان جرائم کی وجہ سے وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ انھیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے۔

تفسیر آیات: 9-6

کفار کا رسول اللہ ﷺ کو مجنون قرار دینا اور نزول ملائکہ کا مطالبہ اور ان کا رد: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ کفار نے اپنے کفر، سرکشی اور عناد کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ ﴾ ''اے وہ شخص! جس پر نصیحت (کی کتاب) نازل ہوئی ہے۔'' یعنی وہ جو اس کے نازل ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ﴿ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿6﴾ ﴾ ''یقیناً تو تو دیوانہ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

اور یقیناً آپ سے پہلے ہم کئی گروہوں میں رسول بھیج چکے ہیں ⑩ اور ان کے پاس جو بھی رسول آیا وہ اس سے مذاق

يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ

کرتے تھے ⑪ ہم اسی طرح مجرموں کے دلوں میں ہنسی مذاق ڈالتے ہیں ⑫ وہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لاتے اور

سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬

(یہی) پہلے لوگوں کا طریقہ گزر چکا ہے ⑬

ہے۔'' یعنی ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم تیری اتباع کریں اور اس دین کو چھوڑ دیں جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے۔ ﴿لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦﴾ ''اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا؟'' یعنی جو اس بات کی گواہی دیتے کہ تو جو دین لے کر آیا ہے وہ سچا ہے جیسا کہ فرعون نے بھی کہا تھا: ﴿فَلَوْلَآ اُلْقِيَ عَلَيْهِ اَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ اَوْ جَآءَ مَعَهُ الْمَلٰٓئِكَةُ مُقْتَرِنِيْنَ ○﴾ (الزخرف 53:43) ''پھر اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے؟'' کافروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ۭ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ○ يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَىِٕذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ○﴾ (الفرقان 22,21:25) ''اور ان لوگوں نے کہا جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے ہیں کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کیے گئے یا ہم اپنے پروردگار کو دیکھتے۔ بلاشبہ یہ اپنے نفسوں میں بڑائی رکھتے ہیں اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی اور وہ (فرشتے) کہیں گے: (تم پر جنت) ممنوع و حرام ہے۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧﴾ ''ہم فرشتوں کو نازل نہیں کرتے مگر حق (عذاب) کے ساتھ اور اس وقت ان (کفار) کو مہلت نہیں ملتی۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿بِالْحَقِّ﴾ سے مراد رسالت اور عذاب ہے۔[1] پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے کتاب نصیحت، یعنی قرآن کو نازل فرمایا ہے اور وہی تغیر و تبدل سے اس کی حفاظت فرمائے گا۔

تفسیر آیات: 10-13

مشرکین کا اپنے رسولوں کے ساتھ استہزا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر کفار قریش نے آپ کی تکذیب کی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ اللہ نے آپ سے پہلے بھی سابقہ تمام امتوں میں رسول بھیجے اور ہر امت نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی اور مذاق اڑایا، پھر از راہ عناد و تکبر ہدایت کی اتباع سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫﴾ ''ہم اسی طرح اس (گمراہی و کفر اور استہزا و شرک)

[1] تفسیر الطبری: 11/14.

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ

اور اگر ہم ان پر آسمان سے ایک دروازہ کھول دیں، پھر وہ اس پر چڑھنے لگیں ⑭ تب بھی وہ یہی کہیں گے کہ ہماری تو نظریں ہی بند کر دی

اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮

گئی ہیں، بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے ⑮

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ

اور یقیناً ہم نے آسمان میں ستارے بنائے اور اسے ناظرین کے لیے زینت دی ⑯ اور ہم نے انھیں ہر شیطان مردود سے محفوظ

رَّجِيْمٍ ⑰ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ⑱ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا

رکھا ⑰ مگر جو چوری چھپے سنے تو چمکتا شہاب (دہکتا شعلہ) اس کا پیچھا کرتا ہے ⑱ اور ہم نے زمین پھیلا دی اور اس میں پہاڑ

فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ

ڈال (گاڑ) دیے اور اس میں ہر چیز مناسب مقدار میں اگائی ⑲ اور ہم نے تمھارے لیے زمین میں معاش کے اسباب بنا دیے

لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ⑳

اور ان کے لیے بھی جن کے رازق تم نہیں ہو ⑳

کو مجرموں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔'' یہاں دلوں میں ڈالنے سے مراد شرک ہے۔[1]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬﴾ ''اور پہلوں کی (یہی تباہی و بربادی کی) روش گزر چکی ہے۔'' یعنی یہ حقیقت معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کو کس طرح تباہ و برباد کر دیا تھا جنھوں نے رسولوں کی تکذیب کی تھی اور اس نے دنیا و آخرت میں اپنے نبیوں اور ان کے پیروکاروں کو کس طرح نجات عطا فرمائی تھی۔

تفسیر آیات: 15,14

کفار نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لاتے: اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے کفر، عناد اور سرکشی کی شدت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں تو پھر بھی یہ تصدیق نہیں کریں گے بلکہ یہی کہیں گے: ﴿اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا﴾ ''ہماری تو نظریں ہی بند کر دی گئی ہیں۔'' مجاہد، ابن کثیر اور ضحاک رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری آنکھیں بند کر دی گئی ہیں۔[2] قتادہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ ہماری آنکھیں پکڑی گئی ہیں جبکہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ ہم پر معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے اور ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔[3] ابن زید کہتے ہیں کہ السُّكْران وہ ہوتا ہے جس میں عقل نہ ہو۔[4]

تفسیر آیات: 20-16

① تفسیر ابن أبي حاتم: 2258/7. ② تفسیر الطبری: 18,17/14. ③ تفسیر الطبری: 18/14. ④ تفسیر الطبری: 19/14.

آسمانوں اورزمین میں اللہ کی قدرت کی نشانیاں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے بلند وبالا اور ارفع واعلیٰ آسمانوں کو پیدا فرمایا اور انھیں مختلف نجوم وکواکب سے مزین فرمایا ہے جن میں سے بعض ثابت اور بعض سیارے ہیں۔ جو شخص ان کے نظام پر غور وفکر کرے گا اسے بہت سے عجائبات اور بے شمار روشن نشانات نظر آئیں گے کہ وہ حیران وششدر رہ جائے گا۔ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ یہاں آیت کریمہ میں برج سے مراد ستارے ہیں[1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا ﴾ الآیة (الفرقان 25:61) ''اور اللہ بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں ثوابت وسیارے بنائے......۔''

عطیہ عوفی کہتے ہیں کہ ﴿ بُرُوْجًا ﴾ سے یہاں مراد نگہبان ستاروں کے محلات ہیں۔[2] اللہ تعالیٰ نے شہابوں کو سرکش شیطانوں سے حفاظت کا ذریعہ بنادیا ہے تاکہ وہ ملاء اعلیٰ کی بات کو نہ سن سکیں ان میں سے اگر کوئی سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بات سننے کے لیے پیش قدمی کرتا ہے تو ایک روشن انگارا آتا ہے اور وہ اسے تباہ کردیتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ شہاب ثاقب کے پہنچنے سے پہلے سنی ہوئی بات دوسرے شیطانوں تک منتقل کردیتا ہے اور وہ دوسرا شیطان اسے اپنے دوست نجومی اور کاہن وغیرہ تک پہنچا دیتا ہے جیسا کہ درج ذیل صحیح حدیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا قَضَى اللّٰهُ الْأَمْرَ فِي السَّمَاءِ ضَرَبَتِ الْمَلَائِكَةُ بِأَجْنِحَتِهَا خُضْعَانًا لِّقَوْلِهِ كَالسِّلْسِلَةِ عَلٰى صَفْوَانٍ] ''اللہ تعالیٰ جب آسمان میں کوئی فیصلہ فرماتا ہے تو فرشتے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے سامنے جھکتے ہوئے اپنے پروں کو اس طرح مارتے ہیں جیسے پتھر پر کوئی زنجیر کھینچی جارہی ہو۔'' حدیث کے راوی علی بن عبداللہ کی روایت میں تو الفاظ یہیں تک ہیں جبکہ دیگر راویوں نے اس کے بعد یہ الفاظ بھی ذکر کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ان تک پہنچ جاتا ہے، اور جب ان کے دلوں سے اضطراب دور ہوجاتا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ تمھارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ تو فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ نے حق فرمایا ہے اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ اس فیصلے کو چوری چھپے سننے والے بھی سن لیتے ہیں اور چوری سننے والے ایک دوسرے کے اوپر اس طرح ہوتے ہیں، سفیان نے اپنے ہاتھ سے اس طرح وضاحت کی کہ دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو کھول کر ایک دوسرے کے اوپر کھڑا کردیا۔ کبھی یوں ہوتا ہے کہ قبل اس کے کہ سننے والا اس بات کو اپنے ساتھی تک پہنچائے، شہاب ثاقب آتا اور اسے جلا دیتا ہے اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ شہاب ثاقب اسے نہیں لگتا اور یہ بات اپنے سے نیچے والے ساتھی کی طرف منتقل کردیتا ہے حتی کہ وہ اسے زمین تک پہنچا دیتے ہیں۔ سفیان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ پھر یہ بات زمین تک پہنچ جاتی ہے اور وہ اس جادوگر یا کاہن کے منہ میں ڈال دی جاتی ہے، پھر وہ اس کے ساتھ سو جھوٹ بولتا ہے مگر پھر بھی اسے سچا سمجھا جاتا ہے اور لوگ کہتے ہیں کہ کیا اس نے فلاں دن یہ نہیں کہا تھا کہ فلاں فلاں واقعات رونما ہوں گے اور وہ اسی طرح رونما ہوگئے، حالانکہ اس کی وہ پیش گوئی اس بات کی وجہ سے سچی ثابت ہوتی ہے جو آسمان سے سنی گئی ہوتی ہے۔[3]

---

[1] تفسیر الطبری: 20/14. [2] تفسیر ابن أبی حاتم: 2259/7 وتفسیر البغوی: 52/3. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ ...... ﴾ (الحجر 15:18)، حدیث: 4701.

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿21﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہی ہیں، اور ہم ہر چیز معلوم مقدار ہی میں اتارتے ہیں ﴿21﴾ اور ہم نے بوجھل (بارآور) ہوائیں بھیجیں، پھر آسمان

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿22﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ

سے پانی نازل کیا، پھر وہ تمھیں پلایا، اور اس (پانی) کا ذخیرہ کرنے والے تم نہیں ہو ﴿22﴾ اور بلاشبہ ہم ہی زندگی اور موت دیتے ہیں، اور بے شک ہم

وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿23﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا

ہی (سب کے) وارث ہیں ﴿23﴾ اور یقیناً ہمیں ان کا علم ہے جو تم میں سے پہلے گزر چکے اور ان کا (بھی) علم ہے جو پیچھے رہنے والے ہیں ﴿24﴾ اور (اے

الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿24﴾ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿25﴾ ع

نبی!) بے شک آپ کا رب ہی انھیں اکٹھا کرے گا۔ بے شک وہ حکیم و علیم ہے ﴿25﴾

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ اس نے زمین کو پیدا فرمایا، پھیلایا، وسیع کیا اور بچھایا ہے، پھر اس نے اس میں اونچے اونچے پہاڑ، وادیاں، کھیت اور صحرا بنا دیے، پھر اس نے اس زمین سے رنگ رنگ کی فصلوں اور پھلوں کو پیدا فرمایا۔ ﴿وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿19﴾﴾ ''اور ہم نے اس میں ہر ایک چیز مناسب مقدار میں اگائی۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿مَّوْزُوْنٍ ﴿19﴾﴾ کے معنی معلوم کے ہیں۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، ابو مالک، مجاہد، حکم بن عتیبہ، حسن بن محمد، ابو صالح اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[1]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ﴾ ''اور ہم ہی نے تمھارے لیے اس میں معاش کے سامان پیدا کیے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم ہی نے تمھارے لیے زمین میں مختلف انواع و اقسام کے اسباب معیشت بھی مہیا کر دیے ہیں، مَعَايِشُ مَعِيشَةٌ کی جمع ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿20﴾﴾ ''اور ان کے لیے بھی جن کو تم روزی نہیں دیتے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ ان سے مراد جانور اور مویشی وغیرہ ہیں۔[2] ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے مراد غلام، لونڈیاں، جانور اور مویشی ہیں۔[3] مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے احسانات کا ذکر فرما رہا ہے کہ اسی نے اسباب معیشت اور کمانے کے مختلف طریقے آسان کر دیے ہیں۔ کچھ جانوروں کو سواری کے لیے مسخر کر دیا اور کچھ کو انسانوں کی خوراک بنا دیا ہے، غلاموں اور لونڈیوں کو خدمت میں لگا دیا ہے اور ان سب کا رزق ان کے ذمے نہیں بلکہ ان کے خالق و مالک کے ذمے ہے، یعنی منفعت تو ان سے یہ لوگ اٹھاتے ہیں مگر ان کا رزق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذمے ہے۔

تفسیر آیات: 21-25

ہر چیز کے خزانے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز کا مالک ہے، ہر چیز اس کے لیے بہت ہی آسان ہے، اور تمام چیزوں کے خزانے اسی کے پاس ہیں ﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿21﴾﴾ ''اور ہم ہر چیز بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔'' جس طرح وہ چاہے اور جس طرح وہ ارادہ فرمائے اس میں بھی اس کی بے پایاں حکمت اور

[1] تفسیر الطبری: 23,22/14. [2] تفسیر الطبری: 24/14. [3] تفسیر الطبری: 25/14.

اپنے بندوں پر رحمت کا ظہور ہے اس پر یہ واجب نہیں لیکن اس نے اپنی ذات پاک پر رحمت کو واجب قرار دے رکھا ہے۔ یزید بن ابوزیاد نے ابو جحیفہ سے اور انھوں نے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ کوئی سال دوسرے سال سے زیادہ بارش والا نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا اپنے بندوں میں بارش کو تقسیم فرماتا رہتا ہے، ایک سال کہیں زیادہ بارش ہو جاتی ہے اور دوسرے سال کسی اور جگہ، پھر انھوں نے یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾ ''اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔''[1] اس کو امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

ہواؤں کے فائدے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ ''اور ہم ہی بوجھل ہوائیں بھیجتے ہیں۔'' یعنی جو بادلوں کو بھر دیتی ہیں اور ان سے پانی برستا ہے اور درختوں کو بھر دیتی ہیں اور ان کے پتے اور گوشے پھوٹنے لگتے ہیں۔ یہاں ﴿ الرِّيٰحَ ﴾ کا لفظ جمع کے صیغے کے ساتھ استعمال ہوا ہے تاکہ ان سے بارآوری ہو جبکہ قرآن مجید میں الریح العقیم ''نامبارک ہوا'' کا لفظ واحد استعمال ہوا ہے کیونکہ یہ ہوا بارآور نہیں ہوتی اور بارآوری دو یا دو سے زیادہ چیزوں ہی سے ہو سکتی ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہوا کو بھیجا جاتا ہے اور وہ آسمان سے پانی لیتی، پھر بادلوں کو چلاتی ہے حتی کہ بادلوں سے اس طرح پانی برسنے لگتا ہے جس طرح بہت زیادہ دودھ دینے والی اونٹنی دودھ دیتی ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] ضحاک کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہوا کو بادل پر بھیج دیتا ہے جو اسے بارآور کر دیتی ہے تو بادل پانی سے بھر جاتا ہے۔[4] عبید بن عمیر لیثی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خوشخبری دینے والی ہوا کو بھیجتا ہے تو وہ زمین میں جھاڑو دے دیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ ابھارنے والی ہوا کو بھیجتا ہے جو بادلوں کو ابھارتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ جمع کرنے والی ہوا کو بھیجتا ہے، جو بادلوں کو جمع کر دیتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ بارآور کرنے والی ہوا کو بھیجتا ہے جو درختوں کو بارآور کر دیتی ہے، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ ﴾ ''اور ہم ہی بوجھل ہوائیں بھیجتے ہیں۔''[5]

میٹھا پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ﴾ ''پھر ہم نے وہ تمھیں پلایا۔'' یعنی ہم نے تمھارے لیے میٹھا پانی نازل کیا ہے تاکہ تم اسے پی سکو اور اگر ہم چاہتے تو اس پانی کو کڑوا اور کھاری بنا دیتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ واقعہ میں فرمایا ہے: ﴿ اَفَرَءَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِيْ تَشْرَبُوْنَ ۝ ءَاَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ ۝ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ (الواقعۃ 56:68-70) ''بھلا دیکھو تو، جو پانی تم پیتے ہو، کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرنے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے کھارا کر دیں، پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟'' اور

---

[1] تفسیر الطبری:26/14. [2] تفسیر الطبری:28/14. [3] تفسیر الطبری:29/14. [4] تفسیر ابن أبی حاتم: 2261/7. [5] تفسیر الطبری:29/14.

فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ○ ﴾ (النحل 10:16) ''وہی تو ہے جس نے تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اسی سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں) جن میں تم (اپنے جانور) چراتے ہو۔''

پھر فرمایا: ﴿ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''اور تم تو اس کا ذخیرہ نہیں رکھتے۔'' یعنی تم تو اس کی حفاظت نہیں کر سکتے بلکہ ہم ہی اسے نازل کرتے، اس کی تمھارے لیے حفاظت کرتے اور اس کو ندیوں اور چشموں کی صورت میں جاری کر دیتے ہیں۔ اور اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو لے جائیں اور اسے ختم کر دیں لیکن اپنی رحمت سے ہم نے اسے نازل بھی فرمایا، میٹھا بھی بنایا اور چشموں، کنوؤں اور نہروں کی صورت میں اسے محفوظ بھی کر دیا تاکہ سارا سال محفوظ رہے اور لوگ خود بھی پیتے رہیں اور اپنے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کو بھی سیراب کرتے رہیں۔

مخلوق کو پہلی دفعہ اور دوبارہ پیدا کرنے پر اللہ کی قدرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ ﴾ ''اور بلاشبہ ہم ہی زندگی اور موت دیتے ہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پہلی بار پیدا کرنے اور اسے دوبارہ زندہ کر دینے کے بارے میں اپنی قدرت کا بیان فرمایا ہے کہ اس کی ذات پاک نے مخلوق کو عدم سے وجود بخشا، پھر وہ انھیں موت دے گا اور ان سب کو قیامت کے دن اٹھائے گا۔ اور اس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے سب کا وارث ہے اور ان سب کو ایک دن اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ پہلے اور پچھلے سب لوگوں کو جانتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''اور البتہ تحقیق جو لوگ تم میں سے پہلے گزر چکے ہیں ہمیں معلوم ہیں اور جو پیچھے آنے والے ہیں، وہ بھی ہمیں معلوم ہیں۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک جتنے لوگ فوت ہوئے ہیں وہ سب ﴿ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ ﴾ ''اگلے'' ہیں اور اب جس قدر لوگ زندہ ہیں اور جس قدر قیامت تک آئیں گے وہ سب ﴿ الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''پچھلے'' ہیں۔[1] عکرمہ، مجاہد، ضحاک، قتادہ، محمد بن کعب اور شعبی وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

ابن جریر نے محمد بن ابومعشر سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کو محمد بن کعب سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ کے بارے میں تبادلہ خیال کرتے ہوئے سنا، عون نے کہا کہ اس آیت میں اگلے اور پچھلے لوگوں سے مراد نماز کی صفیں ہیں۔ محمد بن کعب نے کہا: نہیں، یہ بات درست نہیں بلکہ اگلوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو فوت یا قتل ہو گئے اور پچھلوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو بعد میں پیدا ہوں گے۔ ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿25﴾ ﴾ ''اور (اے نبی!) آپ کا پروردگار (قیامت کے دن) ان سب کو جمع کر دے گا، بے شک وہ بڑا دانا (اور) خبردار ہے۔'' یہ سن کر عون بن عبداللہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن

[1] تفسير الطبري: 32/14 وتفسير ابن أبي حاتم: 2262/7. [2] تفسير الطبري: 14/31-34.

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿26﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾

اور یقیناً ہم نے انسان کو سڑے گارے کی کھنکناتی مٹی سے تخلیق کیا ہے ﴿26﴾ اور اس سے پہلے جنوں کو ہم نے سخت حرارت والی آگ سے تخلیق کیا ﴿27﴾

فہمی کی مزید توفیق بخشے اور جزائے خیر سے نوازے۔[1]

تفسیر آیات:27,26

انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا مادہ: ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ یہاں ﴿صَلْصَالٍ﴾ سے مراد خشک مٹی ہے۔[2] اور یہ آیت کریمہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہی کی طرح ہے: ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝﴾ (الرحمٰن 15,14:55) ''اسی نے انسان کو ٹھیکری کی طرح کھنکناتی مٹی سے بنایا اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔''

مجاہد سے یہ روایت بھی ہے کہ ﴿صَلْصَالٍ﴾ بدبودار مٹی کو کہتے ہیں۔[3] لیکن آیت کی آیت کے ساتھ تفسیر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿26﴾﴾ ''سڑے ہوئے گارے سے۔'' یعنی ﴿صَلْصَالٍ﴾ کے معنی کھنکھناتا ہوا، ﴿حَمَإٍ﴾ کے معنی گارا اور ﴿مَّسْنُونٍ ﴿26﴾﴾ کے معنی سڑا ہوا ہیں۔ اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ''اور جنوں کو ہم نے اس سے بھی پہلے پیدا کیا تھا۔'' یعنی انسانوں سے پہلے ﴿مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾﴾ ''سخت حرارت والی آگ سے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سموم ایسی آگ کو کہتے ہیں جو قتل کر دے۔[4] امام ابوداود طیالسی نے بیان کیا ہے کہ ہم سے شعبہ نے اور انھوں نے ابواسحاق سے روایت کیا کہ میں عمرو بن اصم کی بیمار پرسی کے لیے ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا: کیا میں آپ سے وہ بات نہ بیان کروں جو میں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ آپ فرماتے تھے کہ ہماری یہ آگ اس آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے جس سے جنوں کو پیدا کیا گیا تھا، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿27﴾﴾ ''اور جنوں کو ہم نے اس سے بھی پہلے سخت حرارت والی آگ سے پیدا کیا تھا۔''[5] اور صحیح حدیث میں ہے: [خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ، وَّخُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَّخُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ] ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے جو تمھارے لیے (قرآن میں) بیان کیا گیا ہے (مٹی سے۔)''[6] اس آیت کریمہ سے مقصود آدم علیہ السلام کے شرف ان کے عنصر کی پاکیزگی اور ان کے مادے کی طہارت کی طرف توجہ دلانا ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری:32,31/14. [2] تفسیر الطبری:37/14. [3] تفسیر الطبری:39/14. [4] تفسیر الطبری:40/14.
[5] المستدرك للحاكم، التفسير، سورة الرحمن:474/2 و تفسير الطبری:41/14، البتہ مسند ابی داود طیالسی میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ [6] صحیح مسلم، الزهد......، باب في أحاديث متفرقة، حديث:2996.

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿28﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ

اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا: بے شک میں سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے ایک بشر تخلیق کرنے والا ہوں ﴿28﴾ پھر جب

وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿29﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿30﴾ اِلَّاۤ

میں اسے درست کرلوں اور اپنی روح سے اس میں پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ کرتے گر پڑنا ﴿29﴾ پھر سارے فرشتوں نے اکٹھے سجدہ

اِبْلِیْسَ ؕ اَبٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿31﴾ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ

کیا ﴿30﴾ سوائے ابلیس کے، اس نے انکار کیا کہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہو ﴿31﴾ اللہ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہے کہ تو سجدہ کرنے

السّٰجِدِیْنَ ﴿32﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿33﴾

والوں کے ساتھ شامل نہ ہوا؟ ﴿32﴾ اس نے کہا: میں ایسا نہیں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا ﴿33﴾

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ﴿34﴾ وَّاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ﴿35﴾ قَالَ رَبِّ

اللہ نے فرمایا: پھر تو یہاں سے نکل جا، چنانچہ بلاشبہ تو مردود ہے ﴿34﴾ اور بے شک تجھ پر یوم جزا تک لعنت ہے ﴿35﴾ اس نے کہا: میرے رب! مجھے اس دن

فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿36﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿37﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿38﴾

تک مہلت دے جب (لوگ دوبارہ) اٹھائے جائیں ﴿36﴾ اللہ نے فرمایا: بے شک تو مہلت دیے جانے والوں میں سے ہے ﴿37﴾ مقرر وقت کے دن تک ﴿38﴾

تفسیر آیات: 28-33

تخلیق آدم، فرشتوں کو سجدے کا حکم اور ابلیس کا انکار: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کا ان کی تخلیق سے قبل ہی فرشتوں میں ذکر فرمایا اور انھیں یہ شرف بخشا کہ اس نے فرشتوں کو انھیں سجدہ کرنے کا حکم دیا تو سب فرشتوں نے انھیں سجدہ کیا مگر ابلیس نے حسد، کفر، عناد، تکبر اور باطل پر فخر کے باعث سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: ﴿ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿33﴾ ﴾ ”میں ایسا نہیں ہوں کہ ایک انسان کو سجدہ کروں جس کو تو نے سڑے گارے کی کھنکھناتی مٹی سے بنایا ہے۔“ جیسا کہ اس نے کہا: ﴿ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ ﴾ (الأعراف 7:12) ”میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے تو نے مٹی سے بنایا ہے۔“ اور یہ بھی کہا: ﴿ اَرَءَیْتَكَ هٰذَا الَّذِیْ كَرَّمْتَ عَلَیَّ ز لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلًا ○ ﴾ (بنيٓ إسرآءيل 17:62) ”بھلا دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔“

تفسیر آیات: 34-38

ابلیس کا جنت سے اخراج اور قیامت تک مہلت: اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے ابلیس کو حکم دیا جس کی نہ مخالفت کی جا سکتی تھی اور نہ ٹالا جا سکتا تھا کہ وہ اس مقام و مرتبہ سے نکل جائے جو اسے ملاء اعلیٰ میں حاصل ہے کیونکہ اب وہ مردود ہے اور اب روز قیامت تک اس پر مسلسل اور متواتر لعنت برستی رہے گی۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿39﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ

اس نے کہا: میرے رب! مجھ کو تیرے گمراہ کرنے کے سبب یقیناً میں ان (لوگوں) کے لیے زمین میں (گناہ) خوش نما بنادوں گا اور ان سب کو گمراہ

الْمُخْلَصِيْنَ ﴿40﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿41﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا

کروں گا ﴿39﴾ تیرے ان بندوں کے سوا جو ان میں سے چنے ہوئے ہیں ﴿40﴾ اللہ نے فرمایا: یہی مجھ تک (پہنچانے والی) سیدھی راہ ہے ﴿41﴾ بے شک

مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿42﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿43﴾ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ

میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، مگر گمراہوں میں سے (تیرا زور اس پر چلے گا) جس نے تیری اتباع کی ﴿42﴾ اور یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾

ہے ﴿43﴾ اس کے سات دروازے ہیں، ان (گمراہوں) میں سے ہر دروازے کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے ﴿44﴾

ابلیس پر لعنت فرمائی تو اس کی فرشتوں والی صورت تبدیل ہوگئی اور اس نے ایک زوردار چیخ ماری اور قیامت تک دنیا میں ہر چیخ کا تعلق اسی سے ہے۔[1]

تفسیر آیات:39-44

ابلیس کا چیلنج اور اس کے لیے جہنم کی وعید: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی بغاوت و سرکشی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے رب تعالیٰ سے کہا: ﴿رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ﴾ ''میرے پروردگار! جیسے تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔'' یعنی جس طرح تو نے مجھے رستے سے دور کر دیا اور الگ کر دیا ہے تو، ﴿لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ﴾ ''یقیناً میں لوگوں کے لیے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا۔'' یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد کے لیے۔ ﴿فِي الْاَرْضِ﴾ ''زمین میں۔'' یعنی میں انھیں گناہوں کی ترغیب دوں گا اور انھیں ان کا شوق دلاؤں گا، دلوں میں گناہوں کی محبت پیدا کروں گا۔ ﴿وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ ''اور البتہ میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا۔'' یعنی جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا اور اسے مجھ پر قدرت بخشی ہے (اسی طرح میں بھی اس کی ساری اولاد کو گمراہ کر دوں گا۔)

﴿اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ﴾ ''تیرے ان بندوں کے سوا جو ان میں سے چنے ہوئے ہیں۔'' جیسا کہ دوسری جگہ ابلیس نے کہا: ﴿اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ز لَىِٕنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا﴾ (بنی إسرآء یل 17:62) ''بھلا دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت بخشی ہے اگر تو مجھے قیامت تک مہلت دے تو میں تھوڑے سے لوگوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا رہوں گا۔'' اللہ تعالیٰ نے اسے ڈانٹ پلاتے اور سرزنش کرتے ہوئے کہا: ﴿هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ﴾ ''مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا رستہ ہے۔'' یعنی تم سب نے ایک دن میرے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے اور میں ہی تمھارے اعمال کا بدلہ دوں گا اگر اعمال اچھے ہوئے تو اچھا بدلہ اور اگر اعمال برے ہوئے تو برا بدلہ دوں گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ﴾ (الفجر 89:14) ''بے شک آپ کا پروردگار، البتہ گھات (تاک) میں ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ (النحل 16:9) ''اور سیدھا رستہ تو اللہ تک (جا پہنچتا) ہے۔''

[1] تفسیر ابن أبی حاتم:2265/7.

پھر فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ ''بے شک جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کوئی زور نہیں (کہ تو ان کو گناہ میں ڈال سکے۔)'' یعنی جن کے مقدر میں ہدایت میں نے لکھ دی ہے ان تک پہنچنے کے لیے تجھے کوئی رستہ ہی نہیں ملے گا۔ ﴿ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ ''صرف ان گمراہوں پر (تیرا زور چلے گا) جو تیرے پیچھے چل پڑے۔'' یہ استثنا منقطع ہے۔ امام ابن جریر نے یہاں یزید بن قُسَیط کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی مسجدیں، ان کی بستیوں سے باہر ہوتی تھیں جب نبی اپنے رب تعالیٰ سے کوئی بات پوچھنا چاہتے تو وہ اپنی مسجد میں چلے جاتے، اس میں جس قدر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرماتا نماز ادا کرتے، پھر اپنے رب تعالیٰ سے سوال کرتے۔ اللہ تعالیٰ کے ایک نبی اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کا دشمن (ابلیس) آیا اور وہ ان کے اور قبلے کے درمیان بیٹھ گیا تو اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ] ''میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔'' اللہ تعالیٰ کے دشمن نے کہا کہ یہ بتاؤ کہ جس سے تم نے پناہ چاہی ہے کیا وہ وہی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نبی نے پھر پڑھا: [أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمِ] اور اسے تین بار پڑھا۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن نے کہا: تم یہ بتاؤ کہ مجھ سے کس طرح بچو گے؟ اس پر اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا: بلکہ تم یہ بتاؤ کہ ابن آدم پر کس طرح غالب آتے ہو؟ دوبار پوچھا اس کے بعد ہر ایک نے ایک دوسرے کو پکڑ لیا اور اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾ ''بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، (تیرا زور) صرف ان (گمراہوں) پر (چلے گا) جو تیرے پیچھے چل پڑے۔'' اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جواب دیا کہ ہاں یہ بات تو میں نے آپ کی ولادت سے بھی پہلے سنی تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ ﴾ (الأعراف 200:7) ''اور اگر شیطان کی طرف سے آپ کے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگیے۔ بے شک وہ خوب سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔'' واللہ! میں جب بھی تیرا کچھ وسوسہ محسوس کرتا ہوں تو اللہ تعالیٰ سے تیری پناہ مانگنے لگتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے دشمن نے جواب دیا کہ ہاں! آپ سچ کہتے ہیں، آپ اسی تعوذ کے ساتھ ہی مجھ سے بچ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا: [فَأَخْبِرْنِی بِأَیِّ شَیْءٍ تَغْلِبُ ابْنَ آدَمَ؟] ''اچھا یہ بتاؤ کہ تم ابن آدم پر کس چیز کے ساتھ غالب آتے ہو؟'' ابلیس نے جواب دیا کہ میں انسان کو غصے اور خواہش نفس کے وقت اپنے قابو میں کر لیتا ہوں...... [1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴾ ''اور یقیناً ان سب کے وعدے کی جگہ جہنم ہے۔'' یعنی جو لوگ ابلیس کی پیروی کریں گے ان سب کا ٹھکانا جہنم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ ﴾ الآیة (هود 17:11) ''اور ان گروہوں میں سے جو کوئی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے......۔''

---

[1] تفسیر الطبری: 46/14.

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿45﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿46﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ

بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے ﴿45﴾ (کہا جائے گا:) تم ان میں سلامتی سے باامن داخل ہو جاؤ ﴿46﴾ اور ان کے سینوں میں جو کینہ

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿47﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا

حسد ہوگا ہم نکال دیں گے، (وہ) تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) بھائی بھائی ہوں گے ﴿47﴾ انھیں وہاں نہ کوئی تھکاوٹ (تکلیف) پہنچے گی اور نہ وہاں

هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿48﴾ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿49﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ

سے نکالا جائے گا ﴿48﴾ (اے نبی!) میرے بندوں کو خبر سنا دیجیے کہ یقیناً میں خوب بخشنے والا (اور) خوب رحم کرنے والا ہوں ﴿49﴾ اور بے شک میرا عذاب

الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿50﴾

بھی بڑا دردناک عذاب ہے ﴿50﴾

جہنم کے سات دروازے ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں اور ﴿لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾﴾ ”ہر ایک دروازے کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے۔“ یعنی ہر ایک دروازے سے داخل ہونے والے ابلیس کے پیروکاروں کو متعین کر دیا گیا ہے اور وہ اس دروازے سے ہر صورت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ ہر شخص اپنے عمل کے مطابق ان دروازوں سے داخل ہوگا اور اپنے عمل کے مطابق ہی وہ جہنم کے درجے میں ہوگا۔ اس ارشاد باری تعالیٰ کے یہی معنی ہیں: ﴿لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿44﴾﴾ ”اور ہر ایک دروازے کے لیے ایک تقسیم شدہ حصہ ہے۔“

تفسیر آیات: 45-50

اہل جنت کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ نے جب اہل دوزخ کا ذکر کیا تو اس کے بعد اہل جنت کا بھی تذکرہ فرمادیا کہ وہ باغات اور چشموں میں ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا: ﴿اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿46﴾﴾ ”تم ان میں سلامتی سے امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔“ یعنی تم آفتوں سے سلامت رہو گے اور تمھیں سلام کہا جائے گا اور تمھیں کوئی خوف و خطر نہ ہوگا بلکہ تم امن میں ہو گے اور اس بات کا بھی کوئی خدشہ دل میں نہ لاؤ کہ تمھیں یہاں سے کبھی نکال دیا جائے گا یا یہاں کی نعمتیں کبھی ختم ہو جائیں گی یا یہ جنت کبھی فنا ہو جائے گی۔ ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿47﴾﴾ ”اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اس کو ہم نکال (کر صاف کر) دیں گے (گویا) بھائی بھائی تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔“ قاسم نے ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو ان کے دلوں میں دنیا والی کدورتیں اور کینے ہوں گے لیکن جب وہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آ کر ملاقات کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں سے دنیا کی تمام کدورتوں کو نکال دے گا، پھر انھوں نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ”اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی ہم اس کو نکال دیں گے۔“[1] قاسم بن عبدالرحمٰن جب ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرے تو

[1] تفسیر الطبری: 48/14.

ضعیف ہے لیکن اس کی یہ روایت قتادہ کی اس روایت کے مطابق ہے جو وہ ابو متوکل ناجی سے بیان کرتے ہیں کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَخْلُصُ الْمُؤْمِنُونَ مِنَ النَّارِ فَيُحْبَسُونَ عَلٰى قَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقْتَصُّ لِبَعْضِهِمْ مِّنْ بَعْضٍ مَّظَالِمُ كَانَتْ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى إِذَا هُذِّبُوا وَنُقُّوا أُذِنَ لَهُمْ فِي دُخُولِ الْجَنَّةِ] ''مومن دوزخ سے نجات پا جائیں گے اور انھیں دوزخ اور بہشت کے درمیان ایک پل پر کھڑا کیا جائے گا، اور بعض سے بعض کی ان زیادتیوں کا بدلہ لیا جائے گا جو انھوں نے دنیا میں کی تھیں حتی کہ جب وہ پاک صاف ہو جائیں گے تو پھر انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے گی۔''[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ﴾ ''ان کو وہاں کوئی تکان نہ پہنچے گی۔'' یعنی انھیں وہاں کسی تکان کا سامنا ہوگا نہ کوئی ایذا دی جائے گی جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: [(أَمَرَنِي رَبِّي أَنْ أُبَشِّرَ خَدِيجَةَ) بِبَيْتٍ مِّنْ قَصَبٍ لَّا صَخَبَ فِيهِ وَلَا نَصَبَ] ''اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں خدیجہ کو جنت میں ایسے گھر کی بشارت دے دوں جو موتیوں سے بنا ہوگا اور اس میں نہ کوئی شور و غوغا ہوگا اور نہ کوئی تکان۔''[2]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝48﴾ ''اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔'' جیسا کہ حدیث میں ہے: [إِنَّ لَكُمْ أَنْ تَصِحُّوا فَلَا تَسْقَمُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَعِيشُوا فَلَا تَمُوتُوا أَبَدًا، وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَشِبُّوا فَلَا تَهْرَمُوا أَبَدًا، (وَّإِنَّ لَكُمْ أَنْ تُقِيمُوا فَلَا تَظْعَنُوا أَبَدًا)] ''اب تم ہمیشہ ہمیشہ تندرست رہو گے اور کبھی بھی بیمار نہ ہو گے۔ ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہو گے۔ اور اب کبھی بھی فوت نہیں ہو گے، اب تم سدا جوان رہو گے اور کبھی بھی بوڑھے نہیں ہو گے۔ اور اب ہمیشہ رہو گے اور یہاں سے کبھی بھی نہیں جاؤ گے۔''[3] اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے: ﴿خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۝﴾ (الکھف 108:18) ''ہمیشہ ان میں رہیں گے اور وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝49 وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝50﴾ ''(اے پیغمبر!) آپ میرے بندوں کو بتا دیں کہ میں بڑا بخشنے والا (اور) نہایت مہربان ہوں۔ اور بے شک میرا عذاب بھی درد دینے والا

---

[1] صحيح البخاري، الرقاق، باب القصاص يوم القيامة، حديث:6535. [2] صحيح البخاري، العمرة، باب متى يحل المعتمر؟ حديث:1792 و صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: 2433 عن عبدالله بن أبي أوفى رضی اللہ عنہ. البتہ اس کا ابتدائی حصہ مسند أحمد:279/6 عن عائشة رضي الله عنها کے مطابق ہے۔ [3] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب في دوام نعيم أهل الجنة......، حديث:2837 صحیح مسلم میں تعیشوا کے بجائے تَحْيَوْا ہے جبکہ قوسین والا جملہ ہمیں مرفوعاً نہیں ملا، البتہ اس کے بجائے [وَإِنَّ لَكُمْ أَنْ تَنْعَمُوا فَلَا تَبْأَسُوا أَبَدًا] ''اور بے شک تم ہمیشہ ہمیشہ نعمتوں میں رہو گے کبھی بدحال نہیں ہو گے'' کے الفاظ ہیں۔ دیکھیے صحيح مسلم حوالۂ مذکورہ اور جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة الزمر، حديث:3246. اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً اس طرح کے الفاظ مروی ہیں: [وَتُقِيمُونَ فَلَا تَظْعَنُونَ أَبَدًا] دیکھیے مسند ابن الجعد:374، حديث:2569.

وَقفِ لازم

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿51﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿52﴾ قَالُوْا

اور انھیں ابراہیم کے مہمانوں کی خبر سنا دیجیے ﴿51﴾ جب وہ اس کے پاس پہنچے تو انھوں نے سلام کیا، اس نے کہا: بے شک ہم تم سے ڈرتے ہیں ﴿52﴾ وہ

لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿53﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰۤى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ

بولے: ڈرمت، بے شک ہم تجھے ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں ﴿53﴾ ابراہیم نے کہا: کیا تم مجھے بشارت دیتے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا آ چکا؟

تُبَشِّرُوْنَ ﴿54﴾ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿55﴾ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ

چنانچہ (اب) کس بنا پر بشارت دیتے ہو؟ ﴿54﴾ وہ بولے: ہم نے تجھے حق (امر واقعی) کی بشارت دی ہے، چنانچہ تو ناامیدوں میں سے نہ ہو ﴿55﴾ ابراہیم

رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿56﴾

نے کہا: اور اپنے رب کی رحمت سے تو گمراہ لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں ﴿56﴾

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿57﴾ قَالُوْۤا اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿58﴾ لا

ابراہیم نے کہا: پھر تمھارا مقصد کیا ہے؟ اے بھیجے ہوئے (فرشتو!) ﴿57﴾ انھوں نے کہا: بے شک ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ﴿58﴾

اِلَّاۤ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿59﴾ لا اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ

سوائے آلِ لوط کے، بے شک ہم ان سب کو نجات دینے والے ہیں ﴿59﴾ سوائے اس کی بیوی کے، ہم نے مقدر کر دیا کہ بے شک وہ پیچھے

الْغٰبِرِيْنَ ﴿60﴾ ع

رہ جانے والوں میں سے ہوگی ﴿60﴾

عذاب ہے۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) میرے بندوں کو یہ بتا دیں کہ میں صاحب رحمت بھی ہوں اور میرا عذاب بھی بہت دردناک ہے۔ اس آیت کریمہ کی نظیر پہلے بھی گزر چکی ہے اور یہ امید و خوف کے مقامات پر دلالت کرتی ہے۔[1]

تفسیر آیات:51-56

ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا لڑکے کی بشارت دینا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ابراہیم کے مہمانوں کا قصہ بھی بتا دیں۔ ضَیف کا لفظ زَور (ملاقاتی) اور سَفر (مسافر) کی طرح واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ انھیں بتا دیں: ﴿اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿52﴾﴾ ''جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو انھوں نے سلام کیا اس نے کہا کہ بے شک ہم تم سے ڈرتے ہیں۔'' ان سے ڈرنے کا سبب یہ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ موٹے تازے بچھڑے کے بھنے ہوئے گوشت کی طرف بڑھتے ہی نہیں جو انھوں نے بطور ضیافت ان کے آگے رکھا تھا تو فرشتوں نے کہا: ﴿لَا تَوْجَلْ﴾ ''آپ نہ ڈریں۔'' ﴿وَبَشَّرُوْهُ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ○﴾ (الذّٰریٰت 51:28) ''انھوں نے آپ کو ایک دانش مند بیٹے کی خوشخبری سنائی۔'' اس بیٹے سے مراد اسحاق علیہ السلام ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں بیان کیا جا چکا ہے۔[2] ﴿قَالَ﴾ ''وہ بولے'' اپنے اور اپنی بیوی کے بڑھاپے کی وجہ سے تعجب کرتے ہوئے اور وعدے کی تحقیق کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: ﴿اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ

[1] دیکھیے الرعد، آیت: 6 و الأنعام، آیت: 147 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے ہود، آیت: 71 کے ذیل میں۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣالۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿61﴾ قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿62﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا

پھر جب فرشتے آلِ لوط کے ہاں پہنچے ﴿61﴾ تو لوط نے کہا: بے شک تم لوگ تو اجنبی ہو ﴿62﴾ وہ بولے: بلکہ ہم تیرے پاس وہ (عذاب) لائے ہیں جس

فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿63﴾ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿64﴾

میں یہ (لوگ) شک کرتے تھے ﴿63﴾ اور ہم تیرے پاس حق (یقینی چیز) لائے ہیں اور بے شک ہم سچے ہیں ﴿64﴾

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ

چنانچہ تو رات کے کسی حصے میں اپنے اہل وعیال کو لے کر نکل، اور تو ان کے پیچھے چل، اور تم میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ

تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿65﴾ وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿66﴾

جہاں تمھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿65﴾ اور ہم نے اسے اس امر کا فیصلہ سنا دیا کہ بے شک صبح ہوتے ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی ﴿66﴾

عَلٰۤى اَنۡ مَّسَّنِىَ الۡكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوۡنَ ﴿54﴾ ''کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو جبکہ مجھ پر بڑھاپا آ چکا؟ اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو؟'' فرشتوں نے جو بشارت دی تھی اس کے یقینی طور پر وقوع پذیر ہونے اور بشارت کے بعد ایک اور خوشخبری کے رونما ہونے کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ﴿ بَشَّرۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ فَلَا تَكُنۡ مِّنَ الۡقٰنِطِيۡنَ ﴿55﴾ ﴾ ''ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں، چنانچہ آپ مایوس نہ ہوں۔''

تفسیر آیات: 57-60

فرشتوں کی آمد کا سبب: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب ان کا خوف دور ہو گیا اور انھیں بشارت مل گئی تو انھوں نے فرشتوں سے ان کی آمد کا مقصد پوچھا تو انھوں نے بتایا: ﴿ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمٍ مُّجۡرِمِيۡنَ ﴿58﴾ ﴾ ''بے شک ہم ایک گناہ گار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔'' گناہ گار قوم سے ان کا اشارہ قوم لوط کی طرف تھا فرشتوں نے یہ بھی بتایا کہ وہ لوط علیہ السلام کے گھر والوں کو بچا لیں گے، البتہ ان کی بیوی ہلاک ہو جائے گی، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ قَدَّرۡنَاۤ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿60﴾ ﴾ ''سوائے اس کی بیوی کے، اس کے لیے ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ بے شک وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہو گی۔'' یعنی وہ پیچھے رہ جانے اور ہلاک ہو جانے والوں میں سے ہے۔

تفسیر آیات: 61-64

فرشتوں کی لوط علیہ السلام کے پاس آمد: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتے جب لوط علیہ السلام کے پاس حسین چہروں والے نوجوانوں کی صورت میں آئے اور ان کے گھر میں داخل ہو گئے تو انھوں نے کہا: ﴿ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿62﴾ قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿63﴾ ﴾ ''بے شک تم تو نا آشنا سے لوگ ہو۔ وہ بولے کہ (نہیں) بلکہ ہم آپ کے پاس وہ (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں یہ (لوگ) شک کرتے ہیں۔'' یعنی یہ لوگ جس عذاب اور تباہی و ہلاکت کے واقع ہونے میں شک کیا کرتے تھے ہم اسے لے کر آ گئے ہیں۔ ﴿ وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ ﴾ ''اور ہم آپ کے پاس یقینی بات لے کر آئے ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا نُنَزِّلُ الۡمَلٰۤئِكَةَ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ﴾ الآية (الحجر 8:15) ''ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے مگر حق کے ساتھ......'' فرمانِ الٰہی ہے:

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿67﴾ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿68﴾

اور شہر (سدوم) والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے ﴿67﴾ لوط نے کہا: بے شک یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا تم مجھے رسوا نہ کرو ﴿68﴾ اور اللہ سے ڈرو اور

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿69﴾ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿70﴾ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ

مجھے ذلیل نہ کرو ﴿69﴾ وہ بولے: کیا ہم نے تجھے دنیا والوں (کی حمایت) سے روکا نہیں تھا؟ ﴿70﴾ لوط نے کہا: یہ میری (قوم کی) بیٹیاں ہیں (ان سے نکاح

فٰعِلِيْنَ ﴿71﴾ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾

کرلو) اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو ﴿71﴾ (اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی (گمراہی) میں بھٹک رہے تھے ﴿72﴾

﴿وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿64﴾﴾ ''اور بے شک ہم سچے ہیں۔'' فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو جو یہ خبر دی کہ وہ نجات پا جائیں گے اور ان کی قوم کو ہلاک کر دیا جائے گا، اس کی تاکید کے طور پر انھوں نے یہ کہا کہ ہم آپ سے یہ بالکل سچ کہہ رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 66,65

لوط علیہ السلام کو اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو نکل جانے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ فرشتوں نے لوط علیہ السلام سے کہا کہ جب رات کا کچھ حصہ گزر جائے تو اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور آپ ان سب کے پیچھے پیچھے چلیں تاکہ یہ امر ان کے لیے زیادہ موجب حفاظت ہو، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی غزوات کے موقع پر لشکر اسلام کے پیچھے ہوتے تھے تاکہ آپ کمزوروں کو سہارا دیں اور بچھڑ جانے والوں کو ساتھ ملا دیں۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ﴾ ''اور آپ میں سے کوئی (پیچھے) مڑ کر نہ دیکھے۔'' یعنی جب تم اپنی قوم کی چیخ و پکار کو سنو تو پیچھے مڑ کر نہ دیکھو اور قوم کو نازل ہونے والے عذاب میں تباہ و برباد ہونے دو۔ ﴿وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿65﴾﴾ ''اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جایئے۔'' آپ گویا ان کے ساتھ اس طرح تھے جس طرح وہ شخص ہوتا ہے جو رستے کی نشان دہی کرنے والا ہو۔ ﴿وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ﴾ ''اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی۔'' یعنی انھیں پہلے سے یہ بتا دیا: ﴿اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿66﴾﴾ ''بے شک ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے کاٹ دی جائے گی۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۭ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝﴾ (ھود 11:81) ''بے شک ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح قریب نہیں؟''

تفسیر آیات: 67-72

اہل شہر فرشتوں کو نوجوان سمجھ کر ان کے پاس آ گئے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب اہل شہر کو لوط علیہ السلام کے ان حسین و جمیل چہروں والے مہمانوں کی آمد کا علم ہوا تو وہ خوش خوش دوڑتے چلے آئے تو ﴿قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿68﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿69﴾﴾ ''لوط علیہ السلام نے کہا کہ یہ لوگ میرے مہمان ہیں، لہٰذا (کہیں ان کے بارے میں) مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور اللہ سے ڈرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔'' حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے یہ بات اس وقت فرمائی جب آپ کو ابھی تک یہ معلوم نہ ہوا تھا کہ یہ مہمان اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں فرمایا ہے۔[1]

[1] دیکھیے ھود، آیت:81 کے ذیل میں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿73﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ

پھر سورج نکلتے انھیں ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا ﴿73﴾ پھر ہم نے اس (بستی) کے اوپر والے (حصے) کو اس کے نیچے والا (حصہ) کر دیا، اور ان پر کھنگر کے پتھر

سِجِّيْلٍ ﴿74﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿75﴾ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿76﴾ اِنَّ فِيْ

برسائے ﴿74﴾ بے شک اس میں گہری نظر سے غور وفکر کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں ﴿75﴾ اور بے شک وہ بستی سیدھی راہ پر موجود ہے ﴿76﴾ اور

ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿77﴾

بے شک اس میں مومنوں کے لیے یقیناً نشانی ہے ﴿77﴾

یہاں اس بات کا ذکر پہلے ہوا ہے کہ وہ اللہ کے فرشتے ہیں، پھر اس کے بعد قوم کے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آنے اور جھگڑنے کا ذکر ہوا ہے لیکن یاد رہے کہ ''واؤ'' ہمیشہ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی بالخصوص جبکہ اس کے خلاف دلیل بھی موجود ہو۔ بہر حال قوم نے حضرت لوط علیہ السلام کو جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿ اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿70﴾ ﴾ ''کیا ہم نے تمھیں سارے جہان (کی حمایت وطرف داری) سے منع نہیں کیا؟'' یعنی کیا ہم نے تمھیں منع نہیں کیا کہ تم نے کسی کی مہمان داری نہیں کرنی۔ پھر حضرت لوط علیہ السلام نے قوم کی رہنمائی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عورتوں کو پیدا فرمایا اور ان کی شرم گاہوں کو ان کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں تفصیل کے ساتھ بحث پہلے ہو چکی ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں۔[1] قوم لوط اپنی مدہوشی میں اس بات سے غافل تھی کہ تباہی و بربادی اور عذاب نے اسے اب گھیر لیا ہے اور صبح ہونے سے پہلے پہلے انھیں صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے گا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''(اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور اس میں آپ کے عظیم شرف، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام و مرتبہ کی طرف اشارہ ہے۔ عمرو بن مالک نُکْرِی نے ابوجَوزاء سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی ایسے نفس کو پیدا نہیں فرمایا اور وجود نہیں بخشا جو اس کی نگاہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ مکرم و محترم ہو اور آپ کے سوا کوئی نہیں جس کی زندگی کی اس نے قسم کھائی ہو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''(اے نبی!) آپ کی عمر کی قسم! بے شک وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔'' یعنی تمھاری زندگی، عمر اور دنیا میں بقا کی قسم! ﴿ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''بے شک وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔'' اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔[2] قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ اپنی گمراہی میں ﴿ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ یعنی کھیل رہے تھے۔[3] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ لَعَمْرُكَ ﴾ یعنی تمھاری زندگی کی قسم! ﴿ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ یعنی وہ اپنی مستی میں حد سے بڑھ رہے تھے۔[4]

[1] دیکھیے ہود، آیت:78 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری:58/14 و تفسیر ابن أبي حاتم:2270,2269/7. [3] تفسیر الطبری:59/14. [4] تفسیر الطبری:59/14.

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿78﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿79﴾

اور بے شک اَیکہ (بستی) والے بھی البتہ ظالم تھے ﴿78﴾ چنانچہ ہم نے ان سے انتقام لیا، اور بے شک وہ دونوں (تباہ شدہ بستیاں) کھلی شاہراہ پر ہیں ﴿79﴾

تفسیر آیات: 77-73

قوم لوط کی ہلاکت: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ﴾ ''پھران کو ایک چنگھاڑ نے آ پکڑا۔'' اور وہ اس طرح کہ طلوع آفتاب کے وقت ایک بے حد خوفناک آواز آئی اور اس کے ساتھ ہی ان کی بستیوں کو اٹھا دیا گیا، تہ و بالا کر دیا گیا اور اوپر سے ان پر پتھروں کی بارش برسا دی گئی۔ یہاں پتھروں کے لیے سجیل کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے بارے میں ضروری بحث پہلے کی جا چکی ہے۔ [1] ارشاد الٰہی ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿75﴾﴾ ''بے شک اس قصے میں اہل فراست کے لیے نشانیاں ہیں۔'' یعنی ان علاقوں پر اس عذاب الٰہی کے نشانات اس شخص کے لیے نہایت واضح ہیں جو چشم بصیرت و بصارت کے ساتھ جائزہ لے جیسا کہ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿75﴾﴾ کے معنی اہل فراست کے ہیں۔ [2] ابن عباس اور ضحاک نے اس کے معنی بیان کیے ہیں: دیکھنے والے۔ [3] قتادہ کے بقول اس کے معنی ہیں: عبرت حاصل کرنے والے۔ [4] ہمارے نزدیک اس کے معنی ہیں: غور و فکر کرنے والے۔

بستی سدوم رستے پر ہے: فرمان الٰہی ہے: ﴿وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿76﴾﴾ ''اور بے شک وہ (شہر) سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔'' یعنی یہ بستی سدوم جس کی صوری اور معنوی حالت بدل دی گئی اور جس پر پتھروں کی بارش برسائی گئی حتی کہ وہ خبیث بحیرہ مردار کی صورت اختیار کر گئی، وہ ان کے اس رستے پر واقع ہے جسے لوگ آج تک استعمال کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ۙ وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:137،138) ''اور بلاشبہ تم دن کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو اور رات کو بھی، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟'' فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿77﴾ؕ﴾ ''بے شک اس میں ایمان لانے والوں کے لیے نشانی ہے۔'' یعنی ہم نے قوم لوط کو جو تباہ و برباد کر دیا اور لوط اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا تو اس قصے میں اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لانے والوں کے لیے ایک واضح اور روشن نشانی ہے۔

تفسیر آیات: 79,78

قوم شعیب کی ہلاکت: اَیکہ کے رہنے والوں سے مراد قوم شعیب ہے جن کے لیے یہاں ﴿اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ﴾ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ضحاک، قتادہ اور کئی دیگر مفسرین نے کہا ہے کہ اَیکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں۔ [5] ان کا ظلم یہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے، رستے کو کاٹ دیتے اور ناپ تول میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے چنگھاڑ، زلزلے اور سائبان کے عذاب کی صورت میں انتقام لیا۔ یہ لوگ قوم لوط کے قریب تھے اگرچہ زمانے کے اعتبار سے ان کے بعد ہوئے ہیں

[1] دیکھیے ہود، آیت: 82 کے ذیل میں۔ [2] تفسیر الطبری: 60/14. [3] تفسیر الطبری: 61/14. [4] تفسیر الطبری: 61/14. [5] تفسیر الطبری: 65,64/14.

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿80﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا

اور یقیناً حجر والوں (ثمود) نے رسولوں کی تکذیب کی ﴿80﴾ اور ہم نے انھیں اپنی نشانیاں دیں، پھر وہ ان سے اعراض کرنے والے

مُعْرِضِيْنَ ﴿81﴾ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿82﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ

تھے ﴿81﴾ اور وہ پہاڑوں سے بے خوف ہو کر گھر تراشتے تھے ﴿82﴾ چنانچہ انھیں صبح ہوتے ہی چنگھاڑ نے آ پکڑا ﴿83﴾ پھر ان کے کام

مُصْبِحِيْنَ ﴿83﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾

نہ آیا وہ (مال) جو وہ کماتے تھے ﴿84﴾

مکران کا علاقہ قریب قریب ہی تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''اور یہ دونوں بستیاں کھلے رستے پر (موجود) ہیں۔'' ﴿لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ﴾ کے معنی کھلے رستے کے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد، ضحاک اور دیگر کئی مفسرین کا قول ہے کہ اس کے معنی ظاہر رستے کے ہیں۔[1] یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ڈراتے ہوئے یہ الفاظ بھی کہے: ﴿وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴾ (ھود 11:89) ''اور لوط کی قوم تم سے کچھ دور نہیں۔''

تفسیر آیات: 80-84

وادی حجر کے رہنے والوں کی ہلاکت: وادی حجر کے رہنے والوں سے قوم ثمود کے لوگ مراد ہیں جنھوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کی تکذیب کی تھی اور یاد رہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کی تکذیب کی تو اس نے گویا تمام انبیائے کرام کی تکذیب کی، اسی لیے یہاں جمع کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انھوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ اس نے صالح علیہ السلام کو ایسی نشانیاں دیں جو ان کی صداقت کی واضح دلیل تھیں، مثلاً: اس نے صالح علیہ السلام کی دعا کو قبول فرماتے ہوئے ایک ٹھوس اور جامد چٹان سے اونٹنی کو نکال دیا تھا جو ان کے علاقوں میں چرتی تھی۔ ایک دن وہ پانی پیتی تھی اور ایک دن وہ لوگ پانی پیتے تھے مگر جب ان لوگوں نے سرکشی کی اور اس کی کونچیں کاٹ دیں تو صالح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ (ھود 11:65) ''تم اپنے گھروں میں تین دن (اور) فائدے اٹھالو، یہ ایسا وعدہ ہے کہ جھوٹا نہیں ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى﴾ الآیۃ (حٰم السجدۃ 41:17) ''اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انھوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا رہنا پسند کیا۔''

اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی ذکر فرمایا ہے: ﴿وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ﴾ ''اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے بے خوف ہو کر۔'' یعنی نہ تو انھیں کسی کا ڈر خوف تھا اور نہ ایسے گھروں کی انھیں ضرورت تھی بلکہ محض تکبر، فخر اور غرور کی وجہ سے وہ ایسے گھر بناتے تھے جیسا کہ وادی حجر میں ان کے گھروں کے کھنڈرات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کو تشریف لے جاتے وقت جب اس وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے سر مبارک کو جھکا لیا اور

[1] تفسیر الطبری: 65/14.

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے حق ہی کے ساتھ تخلیق کیا ہے۔ اور یقیناً قیامت آنے والی ہے، تو (اے نبی!) آپ (کافروں

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿85﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿86﴾

سے) خوبصورت انداز سے درگزر کریں ﴿85﴾ بلاشبہ آپ کا رب ہی سب کو تخلیق کرنے والا، خوب جاننے والا ہے ﴿86﴾

اپنی سواری کی رفتار تیز کر دی اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: [لَاتَدْخُلُوا عَلٰی هٰؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ]، [فَإِنْ لَّمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ أَنْ يُّصِيبَكُمْ مِّثْلُ مَا أَصَابَهُمْ] ''ان لوگوں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جن کو عذاب دیا گیا تھا مگر یہ کہ تم رو رہے ہو اور اگر رونا نہ آئے تو ان پر داخل نہ ہو کہیں تم بھی اس عذاب کی گرفت میں نہ آ جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔''[1] اور فرمان الٰہی ہے: ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿83﴾﴾ ''پھر انھیں صبح کے وقت چیخ نے آ پکڑا۔'' یعنی چوتھے دن کی صبح کے وقت ان پر عذاب آ گیا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿84﴾﴾ ''پھر جو کام وہ کرتے تھے، وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔'' یعنی فصلوں اور پھلوں کو جو وہ اگاتے تھے اور جن کی وجہ سے انھوں نے بخل کرتے ہوئے اونٹنی کو نہ صرف یہ کہ پانی نہیں پینے دیا بلکہ اس کی کونچیں بھی کاٹ دیں تاکہ انھیں پانی کی قلت کا مسئلہ پیش نہ آئے مگر ان کے یہ مال ان کے کچھ کام نہ آئے اور نہ عذاب الٰہی کو ان سے ٹال سکے۔

تفسیر آیات: 86,85

دنیا کو مصلحت کی خاطر پیدا کیا گیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ﴾ ''اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو ان کے مابین ہے حق ہی کے ساتھ پیدا کیا ہے اور یقیناً قیامت تو ضرور آ کر رہے گی۔'' حق سے مراد عدل ہے۔ ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ۚ﴾ (النجم 31:53) ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے انھیں ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں انھیں اچھا بدلہ دے۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ؕ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿27﴾﴾ (صٓ 27:38) ''اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو (کائنات) ان میں ہے ان کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا، یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں تو کافروں کے لیے دوزخ کا عذاب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○﴾ (المؤمنون 116,115:23) ''کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمھیں بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے۔ تو

---

[1] ابتدائی حصہ صحیح البخاری، المغازی، باب نزول النبی ﷺ الحجر، حدیث: 4420 اور دوسرا حصہ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ ......﴾ (الحجر 15:80) حدیث: 4702 کے مطابق ہے جبکہ سر جھکانے اور سواری کو تیز کرنے کا ذکر حدیث: 4419 میں ہے۔ وصحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب النهي عن الدخول على أهل الحجر......، حدیث: 2980 عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿87﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى

بے شک ہم نے آپ کو بار بار دوہرائی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم دیا ہے ﴿87﴾ اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو جو مال و متاع

مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿88﴾

دیا ہے اس کی طرف آپ اپنی دونوں آنکھیں نہ اٹھائیں اور نہ ان (کی حالت) پر غم کھائیں اور اپنا (پرشفقت) بازو مومنوں کے لیے جھکائے رکھیں ﴿88﴾

اللہ جو سچا بادشاہ ہے اس کی شان (اس سے) اونچی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) عرش کریم کا مالک ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ خبر دی کہ قیامت یقیناً قائم ہونے والی ہے، پھر یہ حکم دیا کہ آپ مشرکوں کی ایذا رسانی اور تکذیب پر درگزر کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلٰمٌ ؕ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝﴾ (الزخرف 89:43) ''(اے نبی!) آپ ان سے درگزر کریں اور کہہ دیجیے: سلام ہے، پھر عنقریب وہ جان لیں گے۔''

مجاہد اور قتادہ وغیرہ کا قول ہے اور وہ صحیح ہے کہ اس آیت کا تعلق مشرکوں اور کافروں سے قتال کے حکم سے پہلے کا ہے۔[1] کیونکہ یہ مکی سورت ہے اور قتال کا حکم ہجرت کے بعد نازل ہوا تھا۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿86﴾﴾ ''یقیناً آپ کا پروردگار ہی (سب کچھ) پیدا کرنے والا (اور) خوب جاننے والا ہے۔'' یہ گویا آخرت کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت برپا کرنے پر قادر ہے کیونکہ وہ سب کچھ پیدا کرنے والا ہے۔ کسی بھی چیز کا پیدا کرنا اس کے لیے کچھ مشکل نہیں اور وہ جانتا ہے کہ جسم کس کس طرح پھٹے اور کہاں کہاں خاک میں ملے ہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾ (یٰس 36:81-83) ''بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! وہی تو بڑا پیدا کرنے والا (اور) خوب علم والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے کہ ہو جا! تو وہ ہو جاتی ہے، چنانچہ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

تفسیر آیات: 88,87

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ سے فرمایا ہے کہ ہم نے آپ کو عظمت والا قرآن عطا کیا ہے، لہٰذا آپ دنیا اور اس کی زیب و زینت کی طرف نہ دیکھیں۔ یہ تو ہم نے دنیا داروں کو اس لیے دی ہے تاکہ ان کی آزمائش کریں، لہٰذا آپ ان پر رشک نہ کریں اور نہ اس وجہ سے اپنے دل میں حزن و ملال لائیں کہ وہ آپ کی تکذیب اور آپ کے دین کی مخالفت کرتے ہیں۔ ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ۚ﴾ (الشعرآء 26:215) ''اور جو مومن آپ کے پیرو ہو گئے ہیں، آپ ان کے لیے اپنا پہلو جھکائے رکھیں۔'' یعنی ان کے لیے اپنے شفقت کے پہلو کو جھکا دیں جیسا

[1] تفسیر الطبری: 14/67,68.

کہ فرمایا: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ ﴾ (التوبة 128:9) ''(لوگو) تمھارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمھاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمھاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) بڑے مہربان ہیں۔''

''سبع مثانی'' سے کیا مراد ہے؟ سبع مثانی کے بارے میں مفسرین میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے۔ ابن مسعود، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، مجاہد، سعید بن جبیر، ضحاک وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سات طویل سورتیں، یعنی بقرہ، آل عمران، نساء، مائدہ، انعام، اعراف اور یونس ہیں۔[1] ابن عباس اور سعید بن جبیر نے یہ قول واضح طور پر بیان کیا ہے۔[2] سعید کہتے ہیں کہ ان سورتوں میں فرائض، حدود، قصص اور احکام کو بیان کیا گیا ہے۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان سورتوں میں امثال، اخبار اور عبرت و نصیحت کی باتوں کو بیان کیا گیا ہے۔[4]

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے اور یہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ یہ قول حضرت علی، حضرت عمر، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی فرمایا ہے کہ بسم اللہ اس سورت کی ایک مستقل آیت ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے بطور خاص تمھیں عطا فرمائی ہے۔[6] ابراہیم نخعی، عبداللہ بن عبید بن عمیر، ابن ابوملیکہ، شہر بن حوشب، حسن بصری اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔[7]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں دو حدیثیں بیان فرمائی ہیں: (1) ابوسعید بن معلّٰی سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس سے گزرے اور میں اس وقت نماز پڑھ رہا تھا، آپ نے مجھے بلایا مگر میں آپ کے پاس نہ گیا حتی کہ نماز سے فارغ ہو گیا تو پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: [مَامَنَعَكَ أَنْ تَأْتِيَ؟] ''میرے پاس کیوں نہ آئے؟'' میں نے عرض کی کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا: [أَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ ﴾] (الأنفال 24:8) ''کیا ارشاد باری تعالیٰ نہیں ہے؟'' ''اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول کا کہنا مانو جب وہ تمھیں بلائے۔'' پھر آپ نے فرمایا: [أَلَا أُعَلِّمُكَ أَعْظَمَ سُورَةٍ فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ أَخْرُجَ مِنَ الْمَسْجِدِ؟] ''کیا میں تمھیں مسجد سے نکلنے سے پہلے پہلے قرآن کی عظیم ترین سورت نہ سکھا دوں؟'' پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد سے باہر تشریف لے جانے لگے تو میں نے آپ کو یاد دلایا تو آپ نے فرمایا: [﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ (الفاتحة 2:1) هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوتِيتُهُ] ''الحمد للّٰہ رب العالمین (سورۂ فاتحہ)، سبع مثانی (بار بار دوہرائی جانے والی سات آیات) اور وہ قرآن عظیم ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔''[8]

---

[1] تفسير الطبرى: 68/14-70. [2] تفسير الطبرى: 69/14. [3] تفسير الطبرى: 70,69/14 وتفسير ابن أبي حاتم: 2272/7. [4] تفسير الطبرى: 71/14. [5] تفسير الطبرى: 73,72/14. [6] تفسير الطبرى: 73/14. [7] تفسير الطبرى: 75,74/14. [8] صحيح البخارى، التفسير، باب قوله: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۝ ﴾ (الحجر 87:15)، حديث: 4703.

وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿89﴾ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿90﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا

اور کہہ دیجیے: بے شک میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں﴿89﴾ (ایسے ہی عذاب سے) جیسا کہ ہم نے قسمیں کھانے والوں پر نازل کیا تھا﴿90﴾ جنھوں نے

الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿91﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿92﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾

(اپنے) قرآن (تورات) کو پارہ پارہ کر دیا﴿91﴾ چنانچہ آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے﴿92﴾ ان عملوں کی جو وہ کرتے تھے﴿93﴾

(2) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُمُّ الْقُرْآنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ] ”ام القرآن (سورۂ فاتحہ) ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔“[1]

یہ احادیث مبارکہ نص ہیں کہ سورۂ فاتحہ ہی سبع مثانی، نماز میں دوہرا کر پڑھی جانے والی سات آیات اور قرآن عظیم ہے لیکن یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ سات طویل سورتوں کو بھی سبع مثانی قرار دیا جائے کیونکہ ان میں بھی یہ وصف موجود ہے بلکہ یہ اس کے بھی منافی نہیں ہے کہ سارے قرآن کو سبع مثانی قرار دیا جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ﴾ الآية (الزمر 39:23) ”اللہ نے کتاب کی شکل میں بہترین کلام اتارا ہے، جس کے ملتے جلتے آیات و احکام بار بار دوہرائے جاتے ہیں۔“ یعنی اس کتاب کی آیات بار بار دوہرائی بھی جاتی ہیں اور یہ قرآن عظیم بھی ہے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ ”اور ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو (جو فوائد دنیوی سے) متمتع کیا ہے، آپ ان کی طرف (رغبت سے) اپنی دونوں آنکھیں نہ اٹھائیں۔“ یعنی ان کے دنیوی ساز و سامان اور فانی چمک دمک کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جس قرآن عظیم سے سرفراز فرمایا ہے، اس کے ساتھ بے نیاز ہو جائیں۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آدمی کو اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ وہ اس مال کی تمنا کرنے لگ جائے جو اس کے ساتھی کے پاس ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ ﴿اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ﴾ سے دولت مند لوگ مراد ہیں۔[3]

تفسیر آیات: 89-93

رسول اللہ ﷺ علانیہ ڈرانے والے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے کہ آپ لوگوں سے فرما دیں: ﴿اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ﴿89﴾﴾ ”بے شک میں تو صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔“ یعنی آپ لوگوں کو دردناک عذاب سے ڈرانے والے ہیں کہ آپ کی تکذیب کرنے والوں پر کہیں اسی طرح کا عذاب نازل نہ ہو جائے جس طرح انبیائے کرام کی تکذیب کرنے والی سابقہ امتوں پر عذاب اور انتقام نازل ہوا تھا۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ﴾ (الحجر 15:87)، حديث:4704. [2] تفسير الطبري:81/14. [3] تفسير الطبري:81/14.

[إِنَّمَا مَثَلِي وَمَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ أَتٰى قَوْمًا فَقَالَ: يَاقَوْمِ! إِنِّي رَأَيْتُ الْجَيْشَ بِعَيْنَيَّ، وَإِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْعُرْيَانُ، فَالنَّجَاءَ (النَّجَاءَ) فَأَطَاعَهُ طَائِفَةٌ مِّنْ قَوْمِهِ فَأَدْلَجُوا فَانْطَلَقُوا عَلٰى مَهْلِهِمْ فَنَجَوْا، وَكَذَّبَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ فَأَصْبَحُوا مَكَانَهُمْ، فَصَبَّحَهُمُ الْجَيْشُ فَأَهْلَكَهُمْ وَاجْتَاحَهُمْ، فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ أَطَاعَنِي فَاتَّبَعَ مَاجِئْتُ بِهِ، وَمَثَلُ مَنْ عَصَانِي وَكَذَّبَ بِمَا جِئْتُ بِهِ مِنَ الْحَقِّ]

’’میری مثال اور اس دین کی مثال جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، اس شخص کی طرح ہے جو اپنی قوم کے پاس آ کر یہ کہے کہ اے میری قوم! میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں علانیہ طور پر ڈرانے والا ہوں، لہٰذا نجات پا جاؤ، نجات پا جاؤ۔ تو قوم کے ایک گروہ نے تو اس کی اطاعت کی اور وہ راتوں رات اطمینان وسکون کے ساتھ چل پڑے تو وہ نجات پا گئے اور ایک گروہ نے اس کی تکذیب کی اور وہیں ٹھہرے رہے تو صبح کے وقت لشکر نے انھیں آ لیا اور تباہ و برباد کر دیا۔ پس یہ اس شخص کی مثال ہے جس نے میری اطاعت کی اور اس دین کی پیروی کی جسے میں لے کر آیا ہوں اور اس شخص کی مثال ہے جس نے میری نافرمانی کی اور جس دین کو میں لے کر آیا ہوں، اس کی تکذیب کی۔‘‘[1]

﴿ الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴾ کی تفسیر: فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿٩٠﴾ ﴾ کے معنی ہیں قسمیں کھانے والے، یعنی انھوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ انبیائے کرام کی مخالفت کریں گے، ان کی تکذیب کریں گے اور انھیں تکلیف پہنچائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم صالح کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ﴾ الآية (النمل 49:27) ’’کہنے لگے کہ تم آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم ضرور صالح اور اس کے گھر والوں پر شب خون ماریں گے......‘‘، یعنی رات کو انھیں قتل کر دیں گے۔ امام مجاہد فرماتے ہیں: ﴿ تَقَاسَمُوْا ﴾ کے معنی ہیں کہ قسمیں کھاؤ۔[2] اور فرمایا: ﴿ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ ﴾ الآية (النحل 38:16) ’’اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے، اللہ اسے (قیامت کے دن قبر سے) نہیں اٹھائے گا......‘‘ اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ ...... ﴾ الآية (إبراهيم 44:14) ’’کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھاتے تھے......‘‘ اور فرمایا: ﴿ اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ...... ﴾ الآية (الأعراف 49:7) ’’کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دست گیری نہ کرے گا......‘‘ گویا یہ لوگ دنیا میں جس چیز کی بھی تکذیب کرتے تو قسمیں کھا کھا کر تکذیب کیا کرتے تھے، اسی وجہ سے انھیں مُقْتَسِمِينَ کے نام سے موسوم کیا گیا۔

---

[1] صحيح البخاري، الإعتصام بالكتاب والسنّة، باب الإقتداء بسنن رسول الله ﷺ، حديث: 7283 اور قوسین والا لفظ حدیث: 6482 میں ہے۔ وصحيح مسلم، الفضائل، باب شفقته ﷺ على أمته......، حديث: 2283. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ○ ﴾ (الحجر 91:15)، قبل الحديث: 4705 وتفسير الطبري: 210/19.

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱ ﴾ ''وہ لوگ جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔'' یعنی انھوں نے ان کتابوں کو جوان پر نازل کی گئی تھیں، اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ یہ بعض کے ساتھ ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ﴿ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱ ﴾ سے مراد اہل کتاب ہیں جنھوں نے اپنی کتاب کو کئی اجزاء میں تقسیم کر دیا اور ان میں سے بعض کے ساتھ تو ایمان لائے اور بعض کے ساتھ کفر کیا۔[1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ مُقْتَسِمِينَ سے قریش مراد ہیں، اور قرآن سے مراد یہی قرآن مجید ہے اور بقول عطاء اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کے معنی یہ ہیں کہ بعض نے اسے سحر، بعض نے جنون اور بعض نے کہانت قرار دیا۔ ضحاک وغیرہ سے بھی عضین کے یہی معنی منقول ہیں۔[2]

محمد بن اسحاق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ولید بن مغیرہ کے پاس قریش کے کچھ لوگ آئے۔ ولید قریش کا ایک سردار مانا جاتا تھا۔ موسم حج آیا تو اس نے کہا: اے گروہ قریش! موسم حج آ گیا ہے، عرب کے وفود کی آمد آمد ہے، انھوں نے تمھارے اس صاحب کے بارے میں سن رکھا ہے، لہٰذا تم سب اس کے بارے میں ایک رائے پر متفق ہو جاؤ اور اس بارے میں اختلاف کرتے ہوئے ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے کی بات کی تردید نہ شروع کر دینا۔ یہ سن کر قریش کہنے لگے: آپ اس بارے میں رائے قائم کیجیے، ہم بھی اس کے مطابق بات کریں گے۔ ولید کہنے لگا کہ نہیں بلکہ تم کہو تا کہ میں سنوں کہ تم کیا کہتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ وہ کاہن ہے، ولید نے کہا: نہیں، وہ کاہن نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ کہیں گے کہ وہ مجنون ہے، ولید نے کہا: نہیں، وہ مجنون بھی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے، ولید نے کہا: نہیں، وہ شاعر بھی نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم کہیں گے کہ وہ ساحر ہے۔ ولید نے کہا: نہیں، وہ ساحر بھی نہیں ہے، پھر وہ بولے کہ اچھا آپ ہی کہیے کہ ہم اس کے بارے میں کیا کہیں۔ ولید کہنے لگا: اللہ کی قسم! ان کی بات میں حلاوت ہے، تم ان میں سے جو بھی کہو گے وہ پہچان لیا جائے گا کہ بے شک وہ بات باطل ہے، بہر حال زیادہ مناسب یہی بات ہے کہ تم یہ کہہ دو کہ وہ ساحر ہے، آخر کار اسی بات پر اتفاق کر کے انھوں نے مجلس کو برخاست کر دیا۔ انھی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ نازل فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝۹۱ ﴾ ''وہ لوگ جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔'' یعنی اسے مختلف اصناف میں تقسیم کر دیا۔ ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹۲ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۳ ﴾ ''چنانچہ آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔'' یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو یہ باتیں کرتے رہے۔[3]

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر 15:91)، حديث: 4705. ② تفسير الطبري: 14/86-88. ③ السيرة النبوية لابن هشام، تحير الوليد بن المغيرة فيما يصف به القرآن: 1/270 والدر المنثور: 4/198.

فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ وَ اَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴿94﴾ اِنَّا كَفَيۡنٰكَ الۡمُسۡتَهۡزِءِيۡنَ ﴿95﴾ الَّذِيۡنَ

چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں ﴿94﴾ بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں ﴿95﴾ وہ لوگ

يَجۡعَلُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ‌ ۚ فَسَوۡفَ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿96﴾ وَلَقَدۡ نَعۡلَمُ اَنَّكَ يَضِيۡقُ صَدۡرُكَ

جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود بناتے ہیں، چنانچہ وہ (اپنا انجام) جلد جان لیں گے ﴿96﴾ اور یقیناً ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس سے آپ کا

بِمَا يَقُوۡلُوۡنَ ﴿97﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَكُنۡ مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿98﴾ وَاعۡبُدۡ رَبَّكَ حَتّٰى

سینہ (دل) تنگ ہوتا ہے ﴿97﴾ آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ گزاروں میں ہو جائیں ﴿98﴾ اور آپ اپنے رب کی عبادت کریں حتی کہ

يَاۡتِيَكَ الۡيَقِيۡنُ ﴿99﴾

ع 6/20/6

آپ کے پاس یقین (موت) آجائے ﴿99﴾

ابوجعفر نے ربیع سے اور انھوں نے ابوالعالیہ سے ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسۡـئَلَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿92﴾ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿93﴾ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ تمام بندوں سے قیامت کے دن دو باتوں کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا: (1) وہ کس چیز کی عبادت کرتے تھے اور (2) انھوں نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ ① علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ان آیات کی تلاوت کی، پھر اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ فَيَوۡمَئِذٍ لَّا يُسۡـئَلُ عَنۡ ذَنۢبِهٖۤ اِنۡسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۚ ﴾ (الرحمٰن 39:55) ''اس روز نہ تو کسی انسان سے اس کے گناہوں کے بارے میں پرسش کی جائے گی اور نہ کسی جن سے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا، کیا تم نے یہ عمل کیا تھا؟ کیونکہ اپنے بندوں کے اعمال کو وہ ان سے بھی زیادہ جانتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے گا کہ تم نے یہ یہ کام کیوں کیے تھے۔ ②

تفسیر آیات: 94-99

حق کو بیان کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے آپ کو جس دین کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے آپ اسے لوگوں تک پہنچا دیں اور اِسے نافذ کر دیں اور لوگوں کو کھلم کھلا حق سنا دیں جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ ﴾ ''چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے اسے کھول کر سنا دیں'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ آپ حق کو بیان کر دیں۔ ③ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت میں اس کا معنی ہے کہ جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے کر گزریے۔ ④ ابوعبیدہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ چھپ چھپ کر دین کی دعوت دیا کرتے تھے حتی کہ جب یہ آیت کریمہ: ﴿ فَاصۡدَعۡ بِمَا تُؤۡمَرُ ﴾ نازل ہوئی تو آپ نے اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے باہر نکل کر کھلم کھلا دین کی دعوت دینا شروع فرما دی۔ ⑤

مشرکین سے اعراض کا حکم اور استہزا کرنے والوں سے کفایت کی ضمانت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَعۡرِضۡ عَنِ

① تفسیر الطبری: 90/14. ② تفسیر الطبری: 90/14. ③ تفسیر الطبری: 91/14. ④ تفسیر الطبری: 91/14.
⑤ تفسیر الطبری: 92/14 وتفسیر البغوی: 68,67/3 عن عبداللہ بن عبیدة.

﴿ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ ﴾ ''اور آپ مشرکوں سے اعراض کریں، بلاشبہ ہم استہزا کرنے والوں سے آپ کو کافی ہیں۔'' یعنی آپ کے رب تعالیٰ کی طرف سے جو نازل ہوا ہے اسے پہنچا دیں اور ان مشرکین کی طرف التفات نہ فرمائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی آیات سے روک دینا چاہتے ہیں اور ﴿ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ ﴾ (القلم 68:9) ''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ (کچھ) نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں گے۔'' اور ان سے خوف نہ کھائیں، بے شک آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے اور وہ ان سے آپ کی حفاظت فرمائے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ الآية (المآئدة 5:67) ''اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیے گئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دیں اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو گویا آپ اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔''

محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ استہزا کرنے والوں کے سردار پانچ لوگ تھے اور وہ اپنی اپنی قوم کے سربراہ تھے: (1) بنو اسد بن عبدالعزّٰی بن قُصَیّ میں سے اسود بن مُطّلِب ابوزَمعہ تھا جیسا کہ مجھے روایت پہنچی ہے، اس کے ایذا اور استہزا کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کرتے ہوئے فرمایا تھا: [اَللّٰهُمَّ أَعْمِ بَصَرَهٗ، وَأَثْكِلْهُ وَلَدَهٗ] ''اے اللہ! اس کی آنکھوں کو اندھا کر دے اور اس کے بیٹے کو گم کر دے۔'' (2) بنو زُہرہ میں سے اسود بن عبد یغُوث بن وَہب بن عبد مَناف بن زہرہ تھا۔ (3) بنو مخزوم میں سے ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم تھا۔ (4) بنو سَہم بن عمرو بن ہُصَیص بن کعب سے عاص بن وائل بن ہشام تھا۔ ابن ہشام کہتے ہیں: عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید بن سَہم تھا۔ اور (5) بنو خُزاعہ سے حارث بن طُلاطِلہ بن عمرو بن حارث بن عبد عمرو بن (لُؤَیّ بن) مِلْکان تھا جب یہ لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ انھوں نے بہت زیادہ استہزا کرنا شروع کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرما دیں: ﴿ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ ''پس جو حکم آپ کو دیا جاتا ہے، کھول کر سنا دیں اور مشرکوں سے اعراض کریں، بلاشبہ ہم استہزا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔ وہ لوگ جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیتے ہیں، چنانچہ عنقریب ان کو (ان باتوں کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔''[1]

ابن اسحاق نے کہا ہے کہ مجھ سے یزید بن رُومان نے اور انھوں نے عروہ بن زبیر یا علماء میں سے کسی اور سے روایت کیا ہے کہ جبریل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے جب وہ (مشرکین) بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ جبریل آکر کھڑے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ بھی ان کے پاس کھڑے ہو گئے۔ وہاں سے اسود بن مطلب کا گزر ہوا تو جبریل نے اس کے چہرے پر ایک سبز پتا پھینکا جس سے وہ اندھا ہو گیا، اسی طرح اسود بن عبد یغوث کا گزر ہوا تو جبریل نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تو وہ استسقا کے مرض میں مبتلا ہو کر مر گیا، اسی طرح وہاں سے ولید بن مغیرہ گزرا تو جبریل نے اس کے

[1] السيرة النبوية لابن هشام، كفاية الله أمر المستهزئين: 2/409.

پاؤں کے ٹخنے کے نیچے زخم کے نشان کی طرف اشارہ کیا، تہبند کو گھسیٹتے ہوئے یہ زخم اسے دو سال پہلے لگا تھا اور وہ اس طرح کہ اس کا خاندانِ خزاعہ کے ایک ایسے شخص کے پاس سے گزر ہوا تھا جو اپنے تیروں کو تیز کر رہا تھا، ایک تیر اس کے تہبند سے الجھ گیا اور اس کے پاؤں پر یہ زخم آ گیا تھا اس کی اور کوئی وجہ نہ تھی، اب اس کا یہ زخم پھٹ گیا اور یہ مر گیا۔ اس طرح وہاں سے عاص بن وائل گزرا تو جبریل نے اس کے پاؤں کے تلوے کی طرف اشارہ کیا، وہ طائف جانے کے لیے اپنے گدھے پر سوار ہو کر نکلا تو کانٹوں کے ایک ڈھیر پر گر گیا، کانٹا اس کے پاؤں کے تلوے میں گھس گیا اور یہ مر گیا، پھر حارث بن طُلاطِلہ وہاں سے گزرا تو جبریل نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو وہ پیپ تھوکنے لگا اور اسی سے مر گیا۔ ①

ارشادِ الٰہی ہے: ﴿ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝96 ﴾ ''جو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود قرار دیتے ہیں، چنانچہ عنقریب ان کو (ان باتوں کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔'' اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور معبود کی پرستش کرنے والوں کے لیے یہ زبردست وعید ہے۔

تکالیف برداشت کرنے پر حوصلہ افزائی اور موت تک تسبیح اور عبادت کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۝97 فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝98 ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے۔ تو آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ہم یہ جانتے ہیں کہ ان کی ایذا سے آپ کے دل کو تنگی اور انقباض لاحق ہوتا ہے لیکن آپ اسے خاطر میں نہ لائیں، اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچانے سے نہ رکیں اور اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کریں، وہی آپ کے لیے کافی ہے اور ان کے مقابلے میں وہی آپ کی مدد فرمائے گا، پس آپ اللہ تعالیٰ کا ذکر، اس کی تسبیح و تحمید اور اس کی عبادت، نماز میں مشغول رہیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝98 ﴾ ''تو آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں ہو جائیں۔'' جیسا کہ اس حدیث میں بھی ہے جسے امام احمد نے نُعَیم بن ہَمّار سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: [يَا ابْنَ آدَمَ، لَا تَعْجِزْ عَنْ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ النَّهَارِ أَكْفِكَ آخِرَهُ] ''اے ابن آدم! دن کے ابتدائی حصے میں چار رکعتیں پڑھنے سے عاجز نہ آؤ، میں دن کے آخر تک تمھیں کفایت کروں گا۔'' ②

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝99 ﴾ ''اور آپ اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین (موت) آ جائے۔'' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سالم نے کہا ہے کہ یہاں ﴿ الْيَقِيْنُ ۝99 ﴾ سے

---

① السيرة النبوية لابن هشام، ماأصاب المستهزئين:410/2. اس واقعے کو علامہ ہیثمی اور امام طبرانی نے سند اور متن کے اختلاف سے روایت کیا ہے، دیکھیے الأحاديث الطوال للطبراني، تسمية المستهزئين......، حديث: 33 و مجمع الزوائد، التفسير، سورة الحجر:47,46/7، حديث:11113. ② مسند أحمد:286/5 والسنن الكبرى للنسائي، الصلاة، باب الحث على الصلاة أول النهار:178,177/1، حديث: 468 .

مراد موت ہے۔[1] سالم سے مراد سالم بن عبداللہ بن عمر ہیں جیسا کہ امام ابن جریر نے بھی سالم بن عبداللہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آیت کریمہ: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ میں ﴿ الْيَقِيْنُ ﴾ سے مراد موت ہے۔[2]

صحیح بخاری میں ایک انصاری خاتون اُم علاء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جبکہ وہ فوت ہو گئے تھے تو ام علاء نے کہا: ابوسائب! تجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تیری عزت افزائی فرمائی ہے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [وَمَا يُدْرِيكِ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَكْرَمَهُ؟] ''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی عزت افزائی فرمائی ہے۔'' انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں! اگر اللہ تعالیٰ ان کی عزت افزائی نہیں فرمائے گا تو اور کس کی عزت افزائی فرمائے گا۔ آپ نے فرمایا: [أَمَّا هُوَ فَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِينُ، وَاللّٰهِ! إِنِّي لَأَرْجُو لَهُ الْخَيْرَ] ''بے شک انھیں موت (اچھی حالت میں) آئی ہے کہ اللہ کی قسم! یقیناً میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے خیر کی امید رکھتا ہوں۔''[3] آپ کا استدلال اسی آیت کریمہ سے تھا: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ .

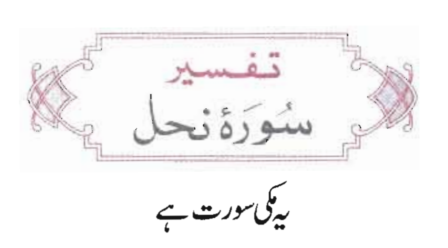
یاد رہے! عبادت، مثلاً: نماز وغیرہ انسان پر اس وقت تک واجب ہے جب تک اس میں عقل باقی ہو، نماز انسان کو حسب حال پڑھتے ہی رہنا چاہیے جیسا کہ صحیح بخاری میں عمران بن حُصین رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَلِّ قَائِمًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَقَاعِدًا، فَإِنْ لَّمْ تَسْتَطِعْ فَعَلٰى جَنْبٍ] ''کھڑے ہو کر نماز پڑھو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر پڑھ لو۔''[4]

اس سے یہ بھی استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ان ملحدین کی یہ بات غلط ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہاں یقین سے مراد معرفت ہے اور جس کو معرفت حاصل ہو جائے اس سے احکام شریعت ساقط ہو جاتے ہیں، حالانکہ یہ عقیدہ کفر، ضلالت اور جہالت ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دیگر لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھتے تھے انھیں اس کے حقوق وصفات کی سب سے زیادہ معرفت تھی اور وہ یہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی کس قدر تعظیم کی مستحق ہے، اس کے باوجود وہ دیگر لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی زیادہ عبادت کرتے اور موت کے وقت تک اعمال صالحہ کو پابندی سے بجالاتے تھے۔ بہرحال یہاں یقین سے مراد موت ہے جیسا کہ قریب ہی بیان کیا جا چکا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

ہر طرح کی تعریف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کہ اس نے ہدایت عطا فرمائی، ہم اسی سے مدد طلب کرتے، اسی کی ذات گرامی پر توکل کرتے اور اسی سے یہ دعا کرتے ہیں کہ اکمل اور احسن حالت میں ہماری زندگی کا خاتمہ فرمائے۔ إِنَّهُ جَوَّادٌ كَرِيمٌ.

سورۂ حجر کی تفسیر مکمل ہوئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ.

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴾ (الحجر 99:15)، بعد الحديث: 4706. [2] تفسير الطبري: 99/14. [3] صحيح البخاري، الجنائز، باب الدخول على الميت بعد الموت......، حديث:1243 مفصلاً. [4] صحيح البخاري، التقصير، باب إذا لم يطق قاعدًا صلّى على جنب، حديث:1117.



یہ مکی سورت ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

اللہ کا حکم آ پہنچا، لہٰذا تم اسے عجلت سے نہ مانگو۔ وہ پاک اور ان (معبودانِ باطلہ) سے برتر ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں ①

تفسیر آیت: 1

قیامت قریب ہے: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے بہت ہی قریب آجانے کو ماضی کے صیغے کے ساتھ بیان فرمایا ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قیامت لامحالہ وقوع پذیر ہونے والی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۟ ﴾ (الأنبیاء 21:1) ''لوگوں کے لیے ان کا حساب (اعمال کا وقت) بہت نزدیک آ پہنچا ہے جبکہ وہ غفلت میں پڑے (اس سے) اعراض کر رہے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ ﴾ (القمر 54:1) ''قیامت بہت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔'' ﴿ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ ﴾ ''لہٰذا تم اسے جلدی طلب نہ کرو۔'' یعنی جو چیز دور ہے وہ قریب ہے، لہٰذا اس کے لیے جلدی مت کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَلَوْلَاۤ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَلَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:53,54) ''اور یہ لوگ آپ سے جلدی عذاب مانگ رہے ہیں۔ اور اگر (عذاب کا) ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا تو انھیں عذاب ضرور آ لیتا اور یقیناً وہ (کسی وقت) ان پر ضرور ناگہاں آ کر رہے گا اور ان کو معلوم تک نہ ہوگا، یہ لوگ آپ سے جلد عذاب مانگ رہے ہیں اور بلاشبہ دوزخ تو کافروں کو گھیرنے والا ہے۔''

اور ابن ابو حاتم نے عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[تَطْلُعُ عَلَيْكُمْ عِنْدَ السَّاعَةِ سَحَابَةٌ سَوْدَاءُ مِنَ الْمَغْرِبِ مِثْلُ التُّرْسِ، فَمَا تَزَالُ تَرْتَفِعُ فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ يُنَادِي مُنَادٍ فِيهَا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! فَيُقْبِلُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ، هَلْ سَمِعْتُمْ؟ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ: نَعَمْ، وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّشُكُّ، ثُمَّ يُنَادِي الثَّانِيَةَ: يَاأَيُّهَا النَّاسُ! فَيَقُولُ النَّاسُ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ، هَلْ سَمِعْتُمْ؟ فَيَقُولُونَ:

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ

وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنے حکم سے وحی دے کر فرشتے نازل کرتا ہے کہ تم (لوگوں کو) اس بات سے آگاہ کر دو کہ بلاشبہ میرے سوا کوئی

اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ②

الٰہ نہیں، لہٰذا تم مجھ ہی سے ڈرو②

نَعَم، ثُمَّ يُنَادِي الثَّالِثَةَ: يَا أَيُّهَا النَّاسُ! ﴿اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ﴾ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! إِنَّ الرَّجُلَيْنِ لَيَنْشُرَانِ الثَّوْبَ فَمَا يَطْوِيَانِهِ أَبَدًا، وَّإِنَّ الرَّجُلَ لَيَمُدَّنَّ حَوْضَهُ فَمَا يَسْقِي فِيهِ شَيْئًا أَبَدًا، وَّإِنَّ الرَّجُلَ لَيَحْلُبُ نَاقَتَهُ فَمَا يَشْرَبُهُ أَبَدًا، قَالَ: وَيَشْتَغِلُ النَّاسُ]

”قیامت کے قریب مغرب کی طرف سے ڈھال کی طرح کا ایک سیاہ بادل نمودار ہوگا جو مسلسل آسمان کی طرف اٹھتا جائے گا، پھر ایک منادی اس میں یہ آواز دے گا: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر کہیں گے: کیا تم نے سنا؟ کچھ لوگ تو کہیں گے ہاں اور کچھ شک کریں گے، پھر وہ دوبارہ آواز دے گا: اے لوگو! لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کیا تم نے سنا؟ وہ جواب دیں گے: ہاں، پھر وہ تیسری بار اعلان کرے گا: اے لوگو! ”اللہ کا حکم آپہنچا ہے تو اس کے لیے جلدی مت کرو۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس وقت دو آدمیوں نے کپڑا پھیلا رکھا ہوگا مگر وہ اسے کبھی لپیٹ نہ سکیں گے، آدمی اپنے حوض کو پانی سے بھر رہا ہوگا مگر وہ اس میں سے کسی کو کبھی بھی پانی پلا نہ سکے گا اور آدمی اپنی اونٹنی کا دودھ دوہ رہا ہوگا مگر وہ اسے کبھی بھی پی نہ سکے گا۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ مشغول ہو جائیں گے (اور وہ اپنے اس طرح کے کام کرنہ سکیں گے۔)“[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی ذات اس بات سے پاک ہے کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے یا اس کے ساتھ بتوں اور معبودانِ باطلہ وغیرہ کی بھی عبادت کی جائے، اس کی ذات پاک اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اور قیامت کی تکذیب کرنے والے بھی یہی لوگ ہیں۔ اور فرمایا: ﴿سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①﴾ ”وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے جو وہ (اللہ کا) شریک بناتے ہیں۔“

تفسیر آیت:2

اللہ جسے چاہے پیغام توحید کے ساتھ مبعوث فرمادے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ﴾ ”وہی فرشتوں کو وحی دے کر بھیجتا ہے۔“ یعنی وحی دے کر بھیجتا ہے۔ اور اسی طرح اس کا فرمان ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ﴾ (الشوری

[1] تفسیر ابن أبی حاتم: 2275/7 والمستدرك للحاكم، الفتن والملاحم: 540,539/4، حديث: 8622 والمعجم الكبير للطبرانی: 325/17، حدیث: 899 مزید دیکھیے صحيح البخاری، الرقاق، باب، حدیث: 6506 مختصرًا عن أبی هريرة ﷺ.

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ③ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ

اس نے آسمان اور زمین حق کے ساتھ تخلیق کیے، وہ ان سے برتر ہے جنھیں وہ شریک ٹھہراتے ہیں③ اس نے انسان کو نطفے سے تخلیق کیا تو

فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ④

یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا④

52:42) ''اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمھاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے، تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو اور لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ ﴾ ''اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے'' جو کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ ؕ ﴾ (الأنعام 124:6) ''اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کسے عنایت فرمائے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ (الحج 75:22) ''اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی۔''

اور فرمایا: ﴿ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ ۙ یَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْهُمْ شَیْءٌ ؕ لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ ؕ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ○ ﴾ (المؤمن 16,15:40) ''اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے تاکہ وہ ملاقات کے دن سے ڈرائے، جس روز وہ ظاہر ہوں گے، ان میں سے کوئی چیز اللہ سے مخفی نہ رہے گی، آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ ہی کے لیے جو اکیلا (اور) نہایت غالب ہے۔'' ﴿ اَنْ اَنْذِرُوْٓا ﴾ ''کہ (لوگوں کو) ڈراؤ۔'' یعنی انبیاء کو وہ اس لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو یہ بتا دیں: ﴿ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② ﴾ ''میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو۔'' یعنی میرے حکم کی مخالفت کرنے والو اور میرے سوا اوروں کی عبادت کرنے والو مجھ ہی سے ڈرو!

تفسیر آیات:4,3

اللہ ہی نے آسمان، زمین اور انسان کو پیدا فرمایا ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اسی نے عالم عُلوی، یعنی آسمانوں کو اور عالم سفلی، یعنی زمین اور ان کے اندر موجود تمام اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور ان تمام مخلوقات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے، انھیں بے کار پیدا نہیں کیا، انھیں اس لیے پیدا فرمایا ہے ﴿ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۚ ﴾ (النجم 31:53) ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان لوگوں کے شرک سے پاک قرار دیا ہے جو اس کے ساتھ غیروں کی بھی پوجا کرتے ہیں کیونکہ ساری مخلوق کو صرف اسی وحدہ لاشریک نے پیدا فرمایا ہے، لہٰذا اس بات کا مستحق بھی وہی ہے کہ اس وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اس نے جنس انسان کو بہت ہی کمزور نطفے سے پیدا فرمایا ہے مگر جب یہ بڑا ہو جاتا

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ وَلَكُمْ فِيْهَا

اور اس نے چوپائے بھی پیدا کیے، ان میں تمھارے لیے گرمی حاصل کرنے کا سامان اور دیگر منافع ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی)

جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا

ہو⑤ اور ان میں تمھارے لیے عزت وشان (بھی) ہے جب تم انھیں شام کو چرا کر لاتے ہو اور صبح چرانے لے جاتے ہو⑥ اور وہ تمھارے بوجھ

بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑦

اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں جہاں تم جسمانی مشقت کے بغیر نہیں پہنچ پاتے تھے۔ بے شک تمھارا رب بڑا شفقت والا، بہت رحم والا ہے⑦

اور پروان چڑھتا ہے تو یہ اپنے رب تعالیٰ سے جھگڑنے لگتا، اس کی تکذیب کرنے لگتا اور اس کے رسولوں سے جنگ کرنا شروع کر دیتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو اسے اس لیے پیدا فرمایا تھا کہ یہ اللہ کا بندہ بن جائے، اسے اس لیے پیدا نہیں کیا تھا کہ یہ اس کا مخالف بن جائے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ○ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ○﴾ (الفرقان 25:54،55) ''اور وہی تو ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کو صاحب نسب اور سسرال والا بنا دیا اور آپ کا پروردگار ہر طرح کی قدرت رکھنے والا ہے اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں کہ جو نہ ان کو فائدہ پہنچا سکے اور نہ نقصان۔ اور کافر اپنے پروردگار کی مخالفت میں (شیطان کا) مددگار ہے۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ○﴾ (یٰسٓ 36:77-79) ''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا، پھر وہ اچانک کھلم کھلا جھگڑنے والا (ہو گیا) اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجیے کہ ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ ہر قسم کے پیدا کرنے کو خوب جاننے والا ہے۔''

ایک حدیث میں ہے جسے امام احمد اور ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بُسر بن جَحّاش سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ہتھیلی پر لعاب دہن رکھا اور فرمایا: [قَالَ اللّٰهُ: ابْنَ آدَمَ! أَنّٰى تُعْجِزُنِي وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ مِّثْلِ هٰذِهِ، حَتّٰى إِذَا سَوَّيْتُكَ وَعَدَّلْتُكَ، مَشَيْتَ بَيْنَ بُرْدَيْنِ وَلِلْأَرْضِ مِنْكَ وَئِيدٌ، فَجَمَعْتَ وَمَنَعْتَ، حَتّٰى إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ، قُلْتَ: أَتَصَدَّقُ وَأَنّٰى أَوَانُ الصَّدَقَةِ؟] ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے، اے ابن آدم! تو مجھے کہاں عاجز کر سکتا ہے کہ میں نے تو تجھے اس جیسی ایک چیز سے پیدا کیا ہے حتی کہ جب میں نے تیرے اعضاء کو ٹھیک ٹھیک بنایا اور تیری قامت کو اعتدال سے بنا دیا تو تو (فخر وغرور کے ساتھ) اپنی دو چادروں میں چلنے لگا اور زمین پر تیرے چلنے کی پرزور آہٹ تھی۔ تو نے مال واسباب جمع کرنا شروع کر دیے اور اس سے (حق داروں کو) محروم رکھا حتی کے جب تیری روح حلق تک پہنچ گئی تو تو نے کہا کہ میں صدقہ کرتا ہوں، مگر

اب صدقہ کرنے کا وقت کہاں ہے!''[1]

تفسیر آیات:5-7

چوپائے بھی اللہ کی مخلوق اور نعمت ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے اس احسان کا اظہار فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے چوپائے ، یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکریاں پیدا فرمائیں جیسا کہ سورۂ انعام میں اس نے انھیں آٹھ قسموں میں تقسیم کر کے بیان فرمایا ہے۔[2] پھر اس نے ان چار پایوں میں اپنے بندوں کے بہت سے فوائد اور منافع رکھ دیے کہ وہ ان کی اون، پشم اور بالوں کو اپنے لباس، قالین اور غالیچوں کے لیے استعمال کرتے ہیں ان کے دودھ کو پیتے اور ان کی اولاد کے گوشت کو کھاتے ہیں اور یہ باعث زینت و جمال بھی ہیں، اس لیے فرمایا: ﴿ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ ﴾ ''اور جب شام کو انھیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے جاتے ہو تو اس میں تمھاری عزت و شان ہے۔'' ﴿ تُرِيحُونَ ﴾ کے معنی بوقت شام چراگاہوں سے جانوروں کے واپس لانے کے ہیں کہ اس وقت ان کے شکم پُر، ان کے تھن بڑے اور ان کی کوہانیں زیادہ اونچی ہوتی ہیں۔ ﴿ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝ ﴾ کے معنی صبح کے وقت انھیں چراگاہوں میں لے جانے کے ہیں۔

اور فرمایا: ﴿ وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ ﴾ ''اور وہ تمھارے بوجھ اٹھاتے ہیں۔'' یعنی وہ بھاری بھرکم بوجھ جن کے نقل و حمل سے تم عاجز ہوتے ہو۔ ﴿ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنفُسِ ﴾ ''(دور دراز) شہروں میں جہاں تم زحمت شاقہ کے بغیر پہنچ نہیں سکتے۔'' مثلاً: حج، عمرہ، جہاد، تجارت اور اس طرح کے دیگر مقاصد کے سفروں میں تم انھیں سواری اور بار برداری کے لیے استعمال کرتے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ ﴾ (المؤمنون 23:21، 22) ''اور بے شک تمھارے لیے چار پایوں میں بھی عبرت (اور نشانی) ہے کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اس میں سے ہم تمھیں (دودھ) پلاتے ہیں اور تمھارے لیے ان میں (اور بھی) بہت سے فائدے ہیں اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔'' اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَأَيَّ آيَاتِ اللَّهِ تُنكِرُونَ ۝ ﴾ (المؤمن 40:79-81) ''اللہ ہی تو ہے جس نے تمھارے لیے چار پائے بنائے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو اور تمھارے لیے ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اور اس لیے بھی کہ (کہیں جانے کی) تمھارے سینوں (دلوں) میں جو حاجت ہو ان پر (چڑھ کر وہاں) پہنچ جاؤ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار کیے جاتے ہو، اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کرو گے۔''

اسی لیے یہاں بھی ان نعمتوں کو شمار کرانے کے بعد فرمایا: ﴿ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار

---

[1] مسند أحمد: 210/4 و سنن ابن ماجه، الوصايا، باب النهى عن الإمساك...... ، حديث: 2707 مختصراً۔ [2] دیکھیے الأنعام، آیات: 143، 144۔

وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ زِيْنَةً ؕ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧

اور (اسی نے) گھوڑے، خچر اور گدھے (پیدا کیے) تاکہ تم ان پر سواری کرو اور زینت کے لیے (انھیں پیدا کیا)، اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے ⑧

نہایت شفقت والا (اور) بڑا مہربان ہے۔'' یعنی تمھارا پروردگار وہ ہے جس نے یہ جانور تمھارے تابع فرمان اور مسخر کر دیے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ○ وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:71، 72) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں، ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے اور یہ ان کے مالک ہیں اور ان کو ان کے قابو میں کر دیا تو کوئی تو ان میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۙ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ وَاِنَّاۤ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ○ ﴾ (الزخرف 43:12-14) ''اور تمھارے لیے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر چڑھو، پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو جب اس پر چڑھ جاؤ، اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیر فرمان کر دیا اور ہم اس کو قابو میں لانے والے نہیں تھے۔ اور یقیناً ہم اپنے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ ﴾ ''ان میں تمھارے لیے گرمائش کا سامان ہے'' سے مراد کپڑے ہیں۔ ﴿ وَّمَنَافِعُ ﴾ ''اور (بہت سے) فائدے ہیں'' سے کھانے پینے کے فوائد مراد ہیں۔[1]

تفسیر آیت:8

گھوڑے، گدھے اور خچر: اس آیت کریمہ میں جانوروں کی ایک اور قسم کا ذکر ہے جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا فرمایا اور ان کا بطور احسان ذکر کیا جا رہا ہے اور وہ گھوڑے، خچر اور گدھے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے سواری اور زینت کے لیے پیدا فرمایا ہے اور ان کی تخلیق کا بڑا مقصد یہی ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے [نَهٰى، يَوْمَ خَيْبَرَ، عَنْ لُّحُومِ الْحُمُرِ الْأَهْلِيَّةِ، وَأَذِنَ فِي لُحُومِ الْخَيْلِ] ''خیبر کے دن گھریلو گدھوں کے گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی ہے۔''[2]

امام احمد اور ابوداود رحمہما اللہ نے دو سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ان میں سے ہر سند شرطِ مسلم کے مطابق ہے کہ غزوۂ خیبر کے دن ہم نے گھوڑے، خچر اور گدھے ذبح کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خچر اور گدھے کے گوشت سے تو منع فرما دیا مگر گھوڑے کے گوشت سے منع نہیں فرمایا۔[3] صحیح مسلم میں اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نے

---

① تفسیر الطبری: 106/14. ② صحیح البخاری، المغازی، باب غزوة خیبر، حدیث: 4219 و صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة أکل لحم الخیل، حدیث: 1941 واللفظ له. ③ مسند أحمد: 356/3 و سنن أبی داود، الأطعمة، باب فی أکل لحوم الخیل، حدیث: 3789 جبکہ اسی معنی کی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة أکل لحم الخیل، حدیث: 1941 میں بھی آئی ہے۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ⑨

اور سیدھی راہ اللہ ہی پر (جا پہنچتی) ہے، اور بعض (راہیں) ان میں سے ٹیڑھی ہیں، اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا⑨

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں گھوڑا ذبح کر کے کھایا اور ہم مدینہ میں تھے۔ ①

تفسیر آیت:9

دینی رستوں کا بیان: اللہ تعالیٰ نے جب حیوانات کا ذکر فرمایا جنھیں حسی اور مادی رستوں پر چلنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس نے معنوی اور دینی رستوں کی طرف بھی توجہ دلا دی۔ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ حسی اور مادی امور کا تذکرہ کرتے ہوئے دینی و معنوی مفید امور کی طرف بھی توجہ دلا دی جاتی ہے، مثلاً: فرمایا: ﴿وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى﴾ (البقرۃ 2:197) ''اور زادِ راہ (رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ راہ پرہیز گاری ہے۔'' اور فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ؕ﴾ (الأعراف 7:26) ''اے بنی آدم! ہم نے تم پر ایسا لباس اتارا جو تمھارا ستر ڈھانکتا اور (تمھارے بدن کو) زینت دیتا ہے اور (جو) پرہیز گاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے۔''

جب اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں حیوانوں اور چوپایوں وغیرہ کا ذکر فرمایا جن پر انسان سواری کرتے اور اپنی دلی حاجت کو پورا کرنے کے لیے پہنچ جاتے ہیں اور یہ جانور دور دراز مقامات اور شہروں میں پُر مشقت سفروں میں ان کے بھاری بھرکم سامان بھی منزل مقصود تک پہنچا دیتے ہیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان رستوں کا بھی ذکر فرمایا جن پر لوگ چلتے ہیں اور بیان فرمایا کہ ان میں سے سب سے سچا اور سیدھا وہ رستہ ہے جو اس کی ذات پاک تک پہنچا دے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ ''اور وہ سیدھا راستہ تو اللہ ہی پر (پہنچتا) ہے۔'' اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ﴾ (الأنعام 6:153) ''اور بلا شبہ یہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ وہ (رستے) تمھیں (اللہ کے) رستے سے الگ کر دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ﴾ (الحجر 15:41) ''(اللہ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) سیدھا رستہ یہی ہے۔''

مجاہد فرماتے ہیں: ﴿وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ وہ راہ حق کو بیان فرمائے۔ ② عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے یہ معنی روایت کیے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے کہ وہ ہدایت اور گمراہی کو بیان فرما دے۔ ③ علی بن ابوطلحہ رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ ④ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ ⑤ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمِنْهَا جَآئِرٌ ؕ﴾ ''اور ان میں سے بعض (رستے) ٹیڑھے ہیں۔'' یعنی یہ

---

① صحیح البخاری، الذبائح والصید، باب النحر والذبح، حدیث: 5511 و صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب إباحة أكل ......، حدیث: 1942 واللفظ له. لیکن [نَحْنُ بِالْمَدِينَةِ] اسی سیاق میں بخاری میں ہیں۔ ② تفسیر الطبری: 113/14. ③ تفسیر الطبری: 113/14. ④ تفسیر الطبری: 113/14. ⑤ تفسیر الطبری: 113/14.

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ وَّمِنۡهُ شَجَرٌ فِیۡهِ تُسِیۡمُوۡنَ ⑩ یُنۡۢبِتُ

وہی ہے جس نے آسمان سے تمھارے لیے پانی نازل کیا، اسی سے پینا ہے اور اسی سے درخت (اگتے) ہیں جن میں تم (جانور) چراتے ہو⑩

لَكُمۡ بِهِ الزَّرۡعَ وَالزَّیۡتُوۡنَ وَالنَّخِیۡلَ وَالۡاَعۡنَابَ وَمِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ

وہ اسی (پانی) سے تمھارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔ بے شک اس میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے

لَاٰیَةً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ⑪

لیے بہت بڑی نشانی ہے⑪

ایسے رستے ہیں جو حق سے دور ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ ان سے مراد مختلف رستے اور متفرق آراء وخواہشات ہیں۔[1] مثلاً: یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت وغیرہ۔[2] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں یہ الفاظ وَمِنكُم جَائِرٌ ہیں۔[3]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی قدرت ومشیت سے یہ سب کچھ ہونے والا ہے: ﴿ وَلَوۡ شَآءَ لَهَدٰىكُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ⑨ ﴾ ”اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔“ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِیۡعًا ؕ ﴾ (یونس 99:10) ”اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ ۙ اِلَّا مَنۡ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمۡ ؕ وَتَمَّتۡ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمۡلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الۡجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ ○ ﴾ (ھود 119,118:11) ”اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اس لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا۔“

تفسیر آیات: 11,10

بارش اور اس کے فوائد: اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنے ان انعامات کا ذکر فرمایا ہے جن سے اس نے اپنے بندوں کو جانوروں اور چار پایوں کی صورت میں نوازا ہے اور اب وہ اپنے اس احسان کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے آسمان سے ان کے لیے بارش کو نازل فرمایا، آسمان کا لفظ یہاں بلندی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور اس بارش میں انسانوں اور ان کے حیوانوں کے لیے بے شمار فوائد ہیں، مثلاً: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَّكُمۡ مِّنۡهُ شَرَابٌ ﴾ ”اسی سے تمھارے لیے پینا ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے اس صاف ٹھنڈے پانی کو شیریں بنا دیا ہے تاکہ تم اسے پی سکو اور یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے اسے کھارا اور کڑوا نہیں بنایا۔ ﴿ وَّمِنۡهُ شَجَرٌ فِیۡهِ تُسِیۡمُوۡنَ ⑩ ﴾ ”اور اس سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں) جن میں تم (اپنے چوپایوں کو) چراتے ہو۔“ یعنی بارش کے اس پانی کے ساتھ اس نے تمھارے لیے درخت اُگا دیے جن میں تم اپنے چوپایوں کو چراتے ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما،

[1] تفسیر الطبری: 114/14. [2] تفسیر القرطبی: 82/10 وتفسیر الطبری: 116/8. [3] تفسیر الطبری: 114/14.

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور اس نے تمھارے لیے مسخر کیے رات اور دن اور سورج اور چاند، اور تمام تارے بھی اسی کے حکم کے پابند ہیں۔ بے شک اس میں عقل مند لوگوں

لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑫ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کے لیے البتہ کئی نشانیاں ہیں⑫ اور رنگ برنگ کی وہ چیزیں بھی (تابع کر دیں) جو اس (اللہ) نے تمھارے لیے زمین میں پیدا کیں۔ بے شک اس

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ⑬

میں ان لوگوں کے لیے جو نصیحت پکڑتے ہیں بہت بڑی نشانی ہے⑬

عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ﴿ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩ ﴾ کے معنی ہیں تم چراتے ہو۔[1] اسی وجہ سے اونٹوں کو سائم کہا جاتا ہے کیونکہ سوم کے معنی چرنے کے ہیں۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ ﴾ ''اسی پانی سے وہ تمھارے لیے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (اور بے شمار درخت) اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے۔)''، یعنی پانی ایک ہی ہے مگر وہ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ، اس پانی سے زمین میں مختلف قسموں، ذائقوں، رنگوں، خوشبوؤں اور شکلوں کے پھل پیدا کر دیتا ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ ﴾ ''غور کرنے والوں کے لیے یقیناً اس میں (اللہ کی قدرت کی) بڑی نشانی ہے۔'' یہ اس بات کی دلیل اور حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جیسا کہ اس نے فرمایا ہے: ﴿ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ؕ ﴾ (النمل 27:60) ''(کیا یہ بہت بہتر ہیں) یا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور (جس نے) تمھارے لیے آسمان سے پانی برسایا؟ پھر ہم نے اس سے سرسبز باغ اگائے، تمھیں (قدرت) نہ تھی کہ تم ان کے درختوں کو اگاتے تو کیا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور بھی معبود ہے۔ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (رستے سے) ہٹ رہے ہیں۔''

تفسیر آیات: 13,12

لیل ونہار، شمس وقمر کی تسخیر اور زمین کی پیداوار، نشانیاں ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کی بڑی بڑی نشانیوں اور عظیم ترین احسانات میں سے لیل ونہار کی تسخیر بھی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں، شمس وقمر گھومتے ہیں اور نجوم، ثوابت وسیارے آسمانوں میں نور اور روشنی ہیں تاکہ تاریکیوں اور ظلمتوں میں ان سے رستے معلوم کیے جا سکیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے مدار میں گردش کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے بنا دیا ہے اور ہر ایک بلاکم وکاست اس رفتار سے چل رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے مقرر فرما دی ہے، تمام اجرام فلکی پر اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر الطبری: 116,115/14.

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً

اور وہی ہے جس نے سمندر مسخر کیا تاکہ تم اس میں سے تروتازہ (مچھلی کا) گوشت کھاؤ، اور اس میں سے زیور (موتی) نکالو جو تم پہنتے ہو۔ اور تو کشتیاں

تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭

دیکھتا ہے کہ پانی کو چیرتی چلی جاتی ہیں، اور تاکہ تم اس (اللہ) کا فضل تلاش کرو، اور تاکہ تم شکر کرو⑭ اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈال (گاڑ) دیے

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮

کہ وہ تمھیں لے کر جھک (نہ) پڑے، اور نہریں اور راستے (بنائے)، تاکہ تم راہ پاؤ⑮ اور (دیگر) نشانیاں (بنائیں) اور تاروں سے بھی لوگ راہ پاتے

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ⑯ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا

ہیں⑯ بھلا جو (اللہ سب کچھ) تخلیق کرتا ہے وہ اس جیسا ہو سکتا ہے جو (کچھ بھی) تخلیق نہیں کرتا؟ کیا پھر تم نصیحت نہیں پکڑتے؟⑰ اور اگر تم اللہ کی

تَذَكَّرُوْنَ ⑰ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑱

نعمتیں گننا چاہو تو انھیں گن نہ سکو۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے⑱

ہی کا غلبہ و تسلط ہے، اسی نے انھیں مسخر کیا، ان کے اندازوں کو مقرر کیا اور ان کے کام کو آسان فرما دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ۫ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:54) ''کچھ شک نہیں کہ تمھارا پروردگار اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اس سے پیچھے پیچھے دوڑا چلا آتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا کیا، سب اس کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ⑫ ﴾ ''سمجھنے والوں کے لیے یقیناً اس میں (اللہ کی قدرت کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔'' یعنی ان تمام چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت اور اس کی عظیم الشان سلطنت کی ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی قدرتوں اور اس کی بیان کردہ دلیلوں کو سمجھتے ہیں۔

﴿ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ ﴾ ''اور جو طرح طرح کے رنگوں کی چیزیں اس نے زمین میں پیدا کیں (سب تمھارے زیر فرمان کر دیں۔)'' اللہ تعالیٰ نے پہلے اجرام فلکی کی طرف توجہ مبذول کرائی اور اب اس نے زمین میں پیدا کردہ عجیب امور، مختلف اشیاء، مثلاً: حیوانات، معدنیات، نباتات اور ان کے مختلف رنگوں، شکلوں، منافع اور خواص کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ⑬ ﴾ ''نصیحت پکڑنے والوں کے لیے یقیناً اس میں نشانی ہے'' کہ یہ اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں اور وہ ان کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں۔

تفسیر آیات: 14-18

ستاروں، سمندروں اور پہاڑوں میں اللہ کی قدرت کی دیگر نشانیاں: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی جن نشانیوں کا ذکر فرمایا ہے، وہ یہ ہیں کہ اس نے تلاطم خیز موجوں والے دریا کو مسخر کر دیا ہے اور اس کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے اس احسان کا اظہار فرما رہا ہے کہ اس نے ان کے لیے دریاؤں اور سمندروں کو مسخر کر دیا، ان میں سفر کو آسان بنا دیا، ان میں مچھلیوں اور دیگر جانوروں کو پیدا کر کے ان کے گوشت کو حلال قرار دے دیا، خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ، ان کا شکار حلال ہونے کی حالت میں کیا جائے یا حالتِ احرام میں، پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بہت ہی نفیس قسم کے موتی اور جواہر پیدا فرما دیے اور دریاؤں اور سمندروں کے پیندوں سے انھیں نکالنا اپنے بندوں کے لیے آسان کر دیا تاکہ انھیں بطور زیورات استعمال کیا جائے۔ اس نے دریاؤں اور سمندروں کو کشتیوں کے اٹھانے کے لیے بھی مسخر کر دیا ہے۔

کشتیوں کی صفت مَوَاخِرَ بیان کی گئی ہے، یعنی ایسی کشتیاں جو کہ دریاؤں اور سمندروں کے پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں یا وہ ہواؤں کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور یہ دونوں معنی صحیح ہیں۔ اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ کشتیاں اور جہاز اپنے اس اگلے حصے کے ساتھ دریاؤں اور سمندروں کے پانی کو پھاڑتے جاتے ہیں جس کے اس شکل وصورت میں بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی رہنمائی فرمائی اور بنانے کا طریقہ نسلاً بعد نسلٍ ان کے باپ حضرت نوح علیہ السلام سے بطور وراثت ان کی طرف منتقل ہوتا چلا آیا ہے، حضرت نوح علیہ السلام وہ سب سے پہلے انسان تھے جنھوں نے کشتی کی سواری اختیار فرمائی، انھیں اللہ تعالیٰ نے کشتی بنانے کا طریقہ سکھایا تھا اور پھر قرناً بعد قرنٍ اور نسلاً بعد نسل لوگوں میں یہ طریقہ منتقل ہوتا چلا آیا اور اس طریقے کو اختیار کر کے انھوں نے ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم تک کے سفر کرنا شروع کر دیے تاکہ یہاں کے ساز وسامان کو وہاں پہنچا سکیں اور وہاں کی اشیاء کو یہاں منتقل کر سکیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے: ﴿ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ ﴾ ''اور اس لیے بھی (دریا کو تمھارے لیے مسخر کیا) کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ اس کا شکر کرو۔'' یعنی دریاؤں اور سمندروں کو مسخر کرنا بھی اس کی تم پر عظیم الشان نعمت اور ایک بہت بڑا احسان ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اس نے زمین میں بہت مضبوط و مستحکم اور بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ پہاڑ بھی نصب فرما دیے تاکہ زمین کو قرار نصیب ہو جائے اور نہ وہ خود ڈگمگائے اور نہ اس پر بسنے والی جان دار چیزیں ہی ڈگمگائیں کیونکہ اس صورت میں ان کے لیے پرسکون زندگی بسر کرنا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے اس نے فرمایا: ﴿ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ۝ ﴾ (النّٰزعٰت 79:32)
''اور پہاڑ اس میں گاڑ دیے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا ﴾ ''اور نہریں اور رستے (بنا دیے۔)'' یعنی اس نے زمین میں نہریں جاری فرما دیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ تک بہتی چلی جاتی ہیں تاکہ ان سے بھی بندوں کو رزق حاصل ہو کہ ایک جگہ سے یہ نہریں ہوتی ہوئی دوسری جگہ کے لوگوں کے لیے رزق کا ذریعہ بن جاتی ہیں اور یہ مختلف علاقوں، جنگلوں، صحراؤں، پہاڑوں اور ٹیلوں سے

گزرتی ہوئی اس علاقے کے لوگوں تک پہنچ جاتی ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مسخر کیا ہوتا ہے، پھر یہ دائیں بائیں، جنوباً شمالاً اور شرقاً غرباً بہتی چلی جاتی ہیں کہ ان میں سے کچھ نہریں چھوٹی ہوتی ہیں اور کچھ بڑی، اسی طرح اس نے بہت سی ندیاں بھی بہا دیں جو کبھی جاری ہو جاتی ہیں اور کبھی خشک، کچھ میں پانی کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے اور کچھ میں سست، بہر حال یہ نہریں اور ندیاں بھی سطح زمین پر اللہ تعالیٰ کے ارادہ ومشیت اور اس کی تسخیر وتدبیر کے تابع چلتی ہیں کہ اس کے سوا نہ کوئی معبود حقیقی ہے اور نہ پروردگار!

اسی طرح اس اللہ رب العالمین نے زمین میں رستے بنا دیے تاکہ اس کے بندے ایک علاقے سے دوسرے علاقے کی طرف آ جا سکیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو کاٹ کر ان کے درمیان سے رستے اور گزر گاہیں بنا دیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 31:21) ''اور ہم نے اس میں کشادہ رستے بنائے تاکہ وہ (لوگ) راہ پائیں۔''

﴿ وَعَلٰمٰتٍ ؕ ﴾ ''اور (رستوں میں) نشانات بنا دیے۔'' یعنی اس نے بڑے بڑے پہاڑوں میں بھی اور چھوٹے چھوٹے ٹیلوں میں بھی ایسے نشانات بنا دیے ہیں جن سے مسافر اپنی گم شدہ منزل کا سراغ لگا لیتے ہیں: ﴿ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ⑯ ﴾ ''اور وہ (لوگ) ستاروں سے بھی رستے معلوم کر لیتے ہیں۔'' یعنی رات کی تاریکیوں میں لوگ ستاروں سے رستے معلوم کر لیتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔[1]

عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے: اپنی قدرت کے ان کمالات اور نشانات کی طرف اشارہ کرنے کے بعد اس نے اپنی عظمت کو بیان فرمایا ہے کہ عبادت کے لائق اسی کی ذات گرامی ہے، یہ بت، مجسمے اور مورتیاں جو بنائے گئے ہیں اور وہ خود کسی چیز کو بنانے کی قدرت نہیں رکھتے، یہ بھلا اس قابل کہاں ہیں کہ ان کی پوجا کی جائے۔ ﴿ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰ ﴾ ''تو جو (اتنی مخلوقات) پیدا کرے کیا وہ ویسا ہے جو کچھ بھی نہ پیدا کر سکے؟ تو پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے؟''

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں اور اپنے احسانات کے حیطۂ شمار سے باہر ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑱ ﴾ ''اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو اسے گن نہ سکو۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔'' یعنی وہ تم سے درگزر فرماتا ہے اگر وہ تمھیں یہ حکم دے دیتا کہ تم اس کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کرو تو تم ایسا نہ کر سکتے اور اس کے اس حکم کی تم اطاعت نہ کر سکتے اور حکم کی اطاعت نہ بجا لانے کی وجہ سے اگر وہ تمھیں عذاب دیتا تو وہ حق بجانب تھا لیکن وہ تو غفور ورحیم ہے، تمھارے بہت سے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے اور تمھارے بہت تھوڑے سے عمل کی بھی جزا عطا فرما دیتا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ نعمتوں کے شکر ادا کرنے میں تم سے جو کوتاہی ہوتی ہے اسے وہ معاف فرما دے گا، بشرطیکہ تم اس کے حضور توبہ کرو، اس کی اطاعت بجا لاؤ اور اس کی خوشنودی کے طلب گار بن جاؤ کہ تمھاری توبہ اور انابت کے بعد وہ تم پر رحم فرمائے گا اور تمھیں اپنے عذاب سے بچائے گا۔[2]

---

[1] تفسير الطبری: 122/14. [2] تفسير الطبری: 125/14.

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ⑲ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو ⑲ اور لوگ جنھیں اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز

لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ⑳ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ

تخلیق نہیں کرتے، جبکہ وہ خود تخلیق کیے گئے ہیں ⑳ (وہ) مردے ہیں، زندہ نہیں اور وہ شعور نہیں رکھتے کہ وہ کب

يُبْعَثُوْنَ ㉑

اٹھائے جائیں گے ㉑

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ㉒

تمھارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، چنانچہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ان کے دل منکر ہیں، اور وہ تکبر کرنے والے ہیں ㉒

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ㉓

بلاشبہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں، بے شک وہ تکبر کرنے والوں کو قطعاً پسند نہیں کرتا ㉓

تفسیر آیات: 19-21

اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن کو جانتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ خفیہ باتوں کو بھی اسی طرح جانتا ہے جس طرح وہ ظاہر باتوں کو جانتا ہے، پھر روز قیامت وہ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق جزا دیگا، اچھا عمل ہوا تو اچھی جزا اور اگر برا عمل ہوا تو سزا۔ **مشرکوں کے معبود مخلوق ہیں خالق نہیں:** اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں، وہ پیدا کیے گئے ہیں لیکن وہ خود کسی بھی چیز کو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے جیسا کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:95,96) ”کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو، حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ ﴾ ”(وہ) مردے ہیں، زندہ نہیں۔“ یعنی یہ تو جمادات ہیں، ان میں روح بھی نہیں، یہ سنتے بھی نہیں، دیکھتے بھی نہیں اور ان میں عقل و شعور بھی نہیں۔ ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ㉑ ﴾ ”ان کو یہ بھی تو شعور نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے۔“ یعنی یہ نہیں جانتے کہ قیامت کب ہوگی تو ایسی چیزوں سے کسی نفع یا ثواب یا جزا کی امید کیسے رکھی جا سکتی ہے۔ ان چیزوں کی امید تو اسی ذات گرامی ہی سے کی جا سکتی ہے جو ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز کا خالق ہے۔[1]

تفسیر آیات: 23,22

[1] یہ آیت عام ہے اور صرف بتوں اور جمادات کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ یہ ان اولیاء وغیرہ کو بھی شامل ہے جو وفات پا چکے ہیں لوگ ان کی پوجا کرتے ہیں اور حاجت برآری کے لیے ان کو پکارتے ہیں، اس لیے کہ آیت میں مذکورہ صفات ذوی العقول کی ہیں، مثلاً: پیدا نہیں کر سکتے، خود مخلوق ہیں، مردہ ہیں، زندگی ختم ہوگئی ہے، شعور نہیں رکھتے اور ان کے لیے بعث بعد الموت ہے، یہ صفات عام طور پر ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتی ہیں، ایسی صفات کا جمادات وغیرہ سے کیا تعلق ہو سکتا ہے!

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ

اور جب ان سے کہا جائے کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں ﴿24﴾ تاکہ

كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَآءَ

یوم قیامت وہ اپنے کامل بوجھ اُٹھائیں اور کچھ ان کے بوجھ بھی جنھیں وہ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں، جان لو! برا بوجھ ہے جو

مَا يَزِرُوْنَ ﴿25﴾ ع

وہ اٹھاتے ہیں ﴿25﴾

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے سوائی کوئی معبود نہیں، معبود صرف وہ ذات واحد، احد، فرد اور صمد ہی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ کافروں کے دل اس بات کے منکر ہیں جیسا کہ انھوں نے اس بات پر از راہ تعجب کہا: ﴿ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ○ ﴾ (صٓ 38:5) ''کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا؟ بلاشبہ یہ تو بڑی عجیب بات ہے!'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ ﴾ (الزمر 39:45) ''اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، وہ تنگ دل و بیزار ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔''
اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿22﴾ ﴾ ''اور وہ سرکش ہو رہے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے سرکشی اختیار کر رہے ہیں اور ان کے دل اس کی توحید کا انکار کر رہے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ○ ﴾ (المؤمن 40:60) ''جو لوگ میری عبادت سے از راہ تکبر اعراض کرتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۭ ﴾ ''بلاشک وشبہ یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ اس کو جانتا ہے۔'' اور وہ اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ ﴿ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿23﴾ ﴾ ''یقیناً وہ (اللہ) تکبر کرنے والوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔''

تفسیر آیات: 25,24

کفار کی وحی سے روگردانی اور دگنی سزا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب وحی کی تکذیب کرنے والے ان کفار سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ ﴿ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا ﴾ ''تمھارے پروردگار نے کیا اتارا ہے؟ تو کہتے ہیں'' جواب سے اعراض کرتے ہوئے: ﴿ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿24﴾ ﴾ ''وہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تو کچھ نازل نہیں فرمایا اور یہ جو ہم پر پڑھتے ہیں تو یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو سابقہ لوگوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:
﴿ وَقَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ ﴾ (الفرقان 25:5) ''اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں جن کو اس نے جمع کر رکھا ہے اور وہ صبح اور شام اس پر پڑھی جاتی ہیں۔'' یعنی رسول اللہ ﷺ پر یہ افترا پردازی کرتے ہوئے مختلف اور متضاد باتیں کہتے ہیں جو سب باطل ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا

لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴾ (بنی إسرآء یل 48:17) ''دیکھو انھوں نے کس کس طرح کی آپ کے بارے میں باتیں بنائی ہیں؟ سو یہ گمراہ ہو رہے ہیں اور رستہ نہیں پا سکتے۔'' یہ اس لیے کہ جو شخص حق سے دور ہو جائے، وہ جو بھی کہے غلط کہے گا، یہ کفار آپ ﷺ کو ساحر، شاعر، کاہن اور مجنون کہتے، پھر ان کے متفرد لیڈر ولید بن مغیرہ مخزومی نے اپنے زعم میں غور وفکر کے بعد قرار دیا کہ آپ ساحر ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْثَرُ ۝ ﴾ (المدّثّر 74:18-24) ''اس نے غور وفکر کیا اور اندازہ لگایا، پس یہ مارا جائے اس نے کیسا اندازہ لگایا! پھر وہ مارا جائے کیسا اندازہ لگایا! پھر اس نے تامل کیا، پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا، پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبول حق سے) غرور کیا، پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (اگلوں سے) منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے۔'' یعنی یہ پہلے لوگوں سے منقول ہوتا چلا آیا ہے تو یہ ظالم لوگ اس کی بات کو قبول کرتے ہوئے اس کے ہاں سے چلے گئے۔ قَبَّحَهُمُ اللّٰهُ.

گمراہ اپنے گناہوں کے بوجھ کے ساتھ ساتھ اپنے پیروؤں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ ﴾ ''(اے پیغمبر! ان کو بکنے دو) یہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور جن کو یہ بغیر علم کے گمراہ کرتے رہے ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے۔)'' یعنی ایسی باتیں کرنا تو ہم نے ان کی تقدیر میں لکھ دیا ہے تاکہ یہ اپنے اعمال کے بوجھ بھی اٹھائیں اور ان لوگوں کے اعمال کے بوجھ بھی اٹھائیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں۔ اپنی گمراہی کا بوجھ بھی ان کے سروں پر ہوگا اور ان لوگوں کی گمراہی کا بھی جن کو انھوں نے گمراہ کیا اور انھوں نے ان کی پیروی کی۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ دَعَا إِلٰى هُدًى، كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ مِثْلُ أُجُورِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا، وَّمَنْ دَعَا إِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ آثَامِ مَنْ تَبِعَهُ، لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ آثَامِهِمْ شَيْئًا] ''جو شخص ہدایت کی طرف دعوت دے تو اسے ان تمام لوگوں کے اجر کے مطابق اجر ملے گا جو اس کی اتباع کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اسے ان تمام گناہوں کے برابر گناہ ملے گا جو اس کی پیروی کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی۔''[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ ۖ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ ﴾ (العنکبوت 29:13) ''اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی اور جو بہتان یہ باندھتے رہے قیامت کے دن ان سے ضرور پرسش ہوگی۔'' عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے کہ سورۂ نحل کی یہ آیت، سورۂ عنکبوت کی مذکورہ بالا آیت ہی کی طرح ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے گناہوں

[1] صحیح مسلم، العلم، باب من سن سنة حسنة......، حدیث: 2674. [2] تفسیر الطبری: 128/14.

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ

تحقیق وہ لوگ مکر کر چکے ہیں جو ان سے پہلے تھے، پھر اللہ نے ان (کے مکر) کی عمارت کو بنیادوں سے آلیا، چنانچہ ان کے اوپر

فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ

چھت گر پڑی اور ان پر عذاب آیا جہاں سے وہ شعور نہ رکھتے تھے ﴿26﴾ پھر یوم قیامت اللہ انھیں رسوا کرے گا اور کہے گا: میرے

وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ

شریک کہاں ہیں جن کی بابت تم (مومنوں سے) جھگڑتے تھے؟ وہ لوگ کہیں گے جنھیں علم دیا گیا تھا: بے شک آج کا دن کافروں

الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿27﴾

کے لیے رسوائی اور بدبختی ہے ﴿27﴾

کا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی جو ان کی پیروی کریں گے اور اس سے پیروی کرنے والوں کے عذاب میں کوئی تخفیف نہیں کی جائے گی۔ [1]

تفسیر آیات: 27,26

سابقہ لوگوں کے اعمال اور ان کی سزا کا ذکر: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''ان سے پہلے لوگوں نے بھی ویسی ہی مکاریاں کی تھیں۔'' اس آیت کریمہ کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ نمرود ہے جس نے بہت بڑا محل تعمیر کروایا تھا۔ [2]

دیگر ائمہ تفسیر نے کہا ہے کہ یہ بخت نصر کی طرف اشارہ ہے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں اور عبادت میں اس کے ساتھ غیروں کو شریک کرنے والوں کے اعمال کے باطل ہونے کے لیے بیان کی گئی ہے جیسا کہ نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ۚ﴾ (نوح 22:71) ''اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔'' یعنی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے انھوں نے ہر حیلے بہانے کو اختیار کیا اور لوگوں کو شرک کی طرف مائل کرنے کے لیے انھوں نے ہر وسیلے کا سہارا لیا جیسا کہ قیامت کے دن ان کے پیروکار کہیں گے: ﴿بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَآ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ؕ......﴾ الآیۃ (سبا 33:34) ''بلکہ (تمھاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا) جب تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ سے کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں......''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ﴾ ''پھر اللہ نے ان (کے مکر) کی عمارت کو بنیادوں سے آلیا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کو باطل کر کے انھیں بیخ وبُن سے اکھاڑ پھینکا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ﴾ (المآئدۃ 64:5) ''یہ جب بھی لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں تو اللہ اس کو بجھا دیتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۗ فَاعْتَبِرُوْا

[1] تفسیر الطبری: 128/14. [2] تفسیر الطبری: 130/14.

يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿ (الحشر 2:59) ''تو اللہ نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی کہ وہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے (بصیرت کی) آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو۔'' اور یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿26﴾ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ ﴾ ''تو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے آ لیا اور چھت ان پر ان کے اوپر سے گر پڑی اور (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آ واقع ہوا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا، پھر وہ ان کو قیامت کے دن بھی ذلیل کرے گا۔'' یعنی ان کی رسوائیوں کو نمایاں کر دے گا اور ان کے دلوں میں چھپی ہوئی باتوں کو ظاہر کر دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴾ (الطارق 9:86) ''اس دن (دلوں کے) بھید جانچے جائیں گے۔'' یعنی دلوں کے بھید نمایاں اور ظاہر کر دیے جائیں گے۔

عہد شکنوں کی رسوائیاں: صحیح بخاری و مسلم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُنْصَبُ لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ (عِنْدَ اسْتِهِ عَلٰى قَدْرِ غَدْرَتِهِ) فَيُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ] ''قیامت کے دن ہر عہد شکن اور دھوکے باز انسان کی سرین کے پاس اس کی غداری کے بقدر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی عہد شکنی ہے۔''[1]

اسی طرح یہ لوگ جس مکر و فریب سے کام لیا کرتے تھے، اسے واضح کر دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کے سامنے انھیں ذلیل و رسوا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سرزنش کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ﴾ ''میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے تھے؟'' یعنی جن کے لیے تم لڑتے اور جن کی خاطر تم دوسروں سے دشمنی کرتے تھے، آج وہ کہاں ہیں؟ آج وہ تمھاری مدد کیوں نہیں کرتے اور اس عذاب سے تمھیں خلاصی کیوں نہیں دلاتے؟ ﴿ هَلْ يَنْصُرُوْنَكُمْ اَوْ يَنْتَصِرُوْنَ ﴾ (الشعرآء 93:26) ''کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا (خود) بدلہ لے سکتے ہیں؟'' اور فرمایا: ﴿ فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّلَا نَاصِرٍ ﴾ (الطارق 10:86) ''تو انسان کے پاس نہ کوئی (اپنا) زور ہوگا اور نہ کوئی (اس کا) مددگار ہوگا۔'' جب ان پر حجت اور دلیل قائم ہو جائے گی اور بات ان کے خلاف ثابت ہو جائے گی تو وہ خاموش ہو جائیں گے، زبان پر کوئی حرف اعتذار لا سکیں گے اور نہ راہ فرار ہی اختیار کر سکیں گے۔

﴿ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ ''جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا، وہ کہیں گے۔'' یعنی وہی دنیا و آخرت میں سردار اور دونوں جہانوں میں حق بات کہنے والے ہیں۔ ﴿ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿27﴾ ''بلاشبہ آج کافروں کی رسوائی اور

[1] قوسین سے پہلے ابتدائی حصہ صحيح البخاري، الفتن، باب: إذا قال عند قوم......، حديث: 7111 آخری حصہ صحيح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس بآبائهم، حديث: 6178 جبکہ قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 49/2 کے مطابق ہیں۔ اور صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے: [يُرْفَعُ لَهٗ بِقَدْرِ غَدْرِهٖ]، حديث: 1738 مزید دیکھیے صحيح البخاري، حديث: 3187,3186 عن أنس وعبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہما۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ

وہ لوگ جنھیں فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے تھے، تو وہ (یہ کہتے ہوئے) سر تسلیم خم کر دیتے ہیں کہ ہم تو کوئی

سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ

برا عمل نہیں کرتے تھے۔ (فرشتے کہتے ہیں:) کیوں نہیں! بے شک اللہ کو معلوم ہے جو تم عمل کرتے تھے ﴿28﴾ چنانچہ تم جہنم کے دروازوں میں داخل

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿29﴾

ہو جاؤ، اس میں ہمیشہ رہو گے۔ سو کیسا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا! ﴿29﴾

بدبختی ہے۔" آج ذلت و رسوائی اور عذاب اس شخص کا مقدر ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور ایسی چیزوں کو اس کا شریک بنایا جو کسی بھی نفع و نقصان کی مالک نہیں ہیں۔

تفسیر آیات: 29,28

بوقت وفات اور بعد از وفات کافروں کے حالات: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ مشرکوں اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے ان لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب موت کے وقت فرشتے ان کی خبیث روحوں کو قبض کرنے کے لیے آتے ہیں تو ﴿ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ ﴾ "تو یہ سر تسلیم خم کر دیتے ہیں۔" اور یہ کہتے ہوئے سمع و طاعت اور تسلیم و رضا کا اظہار کرتے ہیں کہ ﴿ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ ﴾ "ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے۔" اسی طرح قیامت کے دن بھی یہ کہیں گے: ﴿ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ○ ﴾ (الأنعام 23:6) "اللہ کی قسم، اے ہمارے پروردگار! ہم مشرک نہیں تھے۔" اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ ﴾ (المجادلة 18:58) "جس دن اللہ ان سب کو (جلا) اٹھائے گا تو جس طرح تمھارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں (اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے۔"

اللہ تعالیٰ ان کی باتوں اور قسموں کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿28﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿29﴾ ﴾ "کیوں نہیں! بے شک جو کچھ تم کیا کرتے تھے، اللہ اسے خوب جانتا ہے، سو جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ! ہمیشہ اس میں رہو گے، سو تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانا ہے۔" یعنی یہ بہت ہی برا ٹھکانا اور ذلت و رسوائی کا مقام ہے، ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کی اطاعت سے ازراہ تکبر انکار کرتے تھے۔ یہ لوگ جس دن مریں گے، اسی دن ان کی روحیں جہنم میں داخل کر دی جائیں گی اور ان کے جسموں کو بھی قبروں میں جہنم کی حرارت اور گرم ہوائیں اپنی لپیٹ میں لے لیں گی، پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی روحوں کو ان کے جسموں میں داخل کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آتش دوزخ کے سپرد کر دیا جائے گا، پھر ﴿ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ؕ ﴾ (فاطر 36:35) "نہ انھیں موت آئے گی کہ مر جائیں اور نہ اس کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا۔" اور فرمایا: ﴿ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۫ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ ﴾ (المؤمن 46:40) "آتش (جہنم) کہ صبح اور شام اس کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ

اور (جب) پوچھا جاتا ہے متقی لوگوں سے کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ کہتے ہیں: خیر ہی خیر۔ جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے

الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿30﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا

لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور دارِ آخرت تو یقیناً بہترین ہے اور کیا خوب ہے متقی لوگوں کا گھر!﴿30﴾ (یعنی) ہمیشہ کے باغات ہیں، وہ ان

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿31﴾

میں داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں ان کے لیے وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اللہ اسی طرح متقی لوگوں کو جزا دیتا ہے﴿31﴾ جن کو

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ

فرشتے اس حال میں فوت کرتے ہیں کہ وہ (کفر و شرک سے) پاک ہوتے ہیں تو (فرشتے) کہتے ہیں: تم پر سلام ہو، تم جنت میں داخل ہو جاؤ اس

تَعْمَلُوْنَ ﴿32﴾

کے بدلے میں جو تم عمل کرتے تھے﴿32﴾

(حکم ہوگا کہ) فرعون کی آل کو سخت عذاب میں داخل کرو۔''

تفسیر آیات:30-32

پرہیزگاروں کے حالات: اللہ تعالیٰ نے پہلے بدنصیب لوگوں کی حالت کو بیان کیا اور اب سعادت مند لوگوں کی حالت کو بیان کیا جا رہا ہے۔ بدنصیب لوگوں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ ﴿مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ﴾ ''تمھارے پروردگار نے کیا اتارا ہے؟'' تو وہ جواب سے اعراض کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس نے تو کچھ نہیں اتارا، یہ تو صرف پہلے لوگوں کی حکایتیں ہیں اور اس کے برعکس جب پرہیزگاروں اور سعادت مندوں سے یہ پوچھا جاتا ہے کہ تمھارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے؟ تو وہ جواب میں یہ کہتے ہیں کہ اس نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ان لوگوں کے لیے سراپا رحمت و برکت ہے جو اس پر ایمان لائیں اور اس کی پیروی کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا اور جس کے بارے میں اپنے رسولوں پر وحی نازل فرمائی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ﴾ ''جو لوگ نیکوکار ہیں (ان کے لیے) اس دنیا میں بھی بھلائی ہے۔'' جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝﴾ (النحل 16:97) ''جو شخص نیک اعمال کرے گا مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن بھی ہو تو ہم اس کو (دنیا میں) پاکیزہ (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔'' یعنی جو شخص دنیا میں اچھے عمل کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی دنیا و آخرت کو اچھا بنا دے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آخرت کا گھر دنیا کی زندگی سے بہتر ہے اور اس میں دنیا کی نسبت پوری پوری جزا دی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ ...... ﴾ الآیۃ (القصص 28:80) ''اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس! اللہ کا ثواب کہیں بہتر ہے (اس شخص کے لیے جو

ایمان لایا......۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 198:3) ''اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے، وہ نیکو کاروں کے لیے بہت اچھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ ﴾ (الأعلٰی 17:87) ''آخرت بہت بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔'' اور اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ ﴾ (الضحٰی 4:93) ''اور آخرت آپ کے لیے پہلی (دنیاوی حالت) سے کہیں بہتر ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے آخرت کے گھر کی صفت بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ ''اور البتہ آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے اور پرہیز گاروں کا گھر بلاشبہ خوب ہے۔'' اور اس کا فرمان: ﴿ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ''(وہ) بہشت جاودانی ہے۔'' ﴿ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ سے بدل ہے، یعنی آخرت کا گھر جس میں وہ داخل ہوں گے، وہ باغات جاودانی ہیں، ﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔'' یعنی وہاں کے درختوں اور محلات کے درمیان نہریں رواں دواں ہیں۔ ﴿ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ ﴾ ''وہاں جو چاہیں گے، ان کے لیے میسر ہوگا۔'' یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے۔ ﴿ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 71:43) ''اور وہاں جو جی چاہیں اور جو آنکھوں کو اچھا لگے (موجود ہوگا) اور (اے اہل جنت!) تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔'' اور ایک روایت میں ہے کہ اہل جنت کی ایک جماعت کے اوپر سے بادل گزرے گا، جبکہ وہ اپنے مشروب پینے کے لیے بیٹھے ہوں گے، ان میں سے جو شخص جو خواہش کرے گا بادل اسے بارش کی صورت میں برسا دے گا حتی کہ ان میں سے ایک شخص یہ کہے گا کہ اے بادل! ہم پر نو جوان ہم عمر عورتوں کی بارش برسا تو ان کی اس خواہش کو بھی پورا کر دیا جائے گا۔ [1]

﴿ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾ ''اللہ پرہیز گاروں کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے۔'' اللہ ہر اس شخص کو ایسا ہی بدلہ دیتا ہے جو اس پر ایمان لائے، اس سے ڈرے اور نیک عمل کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اپنی موت کے وقت یہ لوگ شرک کے میل کچیل اور ہر برائی سے پاک ہوتے ہیں اور اس وقت فرشتے انھیں سلام کہتے اور جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝ نَحْنُ اَوْلِيٰۗؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:30-32) ''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے، پھر وہ (اس پر) قائم رہے، ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے خوشی مناؤ ہم دنیا کی زندگی میں بس تمھارے دوست تھے اور آخرت میں بھی (تمھارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمھارے جی چاہیں گے تم کو ملے گی اور جو چیز طلب کرو گے تمھارے لیے موجود ہوگی (یہ) بخشنے والے، نہایت مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔''

[1] تفسير الطبرى: 124/25 عن أبى طَيْبَة السلفى رحمه الله یہ روایت مقطوع ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ

وہ (کافر) یہی انتظار تو کرتے ہیں کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم آئے۔ اسی طرح کیا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے۔

قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿33﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا

اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، اور لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے ﴿33﴾ پھر انھوں نے جو کیا تھا اس کے برے نتائج انھیں پہنچے، اور انھیں اس

وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿34﴾ ع

(عذاب) نے گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے ﴿34﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا

اور مشرک لوگوں نے کہا: اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا ہی، اور ہم اس (کے حکم)

حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا

کے بغیر کوئی چیز حرام (بھی) نہ ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ رسولوں کے ذمے تو صرف صاف صاف

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿35﴾ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا

پہنچا دینا ہے ﴿35﴾ اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو، پھر ان میں سے بعض کو اللہ نے

الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي

ہدایت دی، اور ان میں سے بعض پر ضلالت ثابت ہو گئی، لہٰذا تم زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو (رسولوں کو) جھٹلانے والوں کا انجام کیسا (عبرتناک)

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿36﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ

ہوا؟ ﴿36﴾ (اے نبی!) خواہ آپ ان کی ہدایت کے لیے کتنی ہی حرص کریں، تو بے شک اللہ جسے گمراہ کرے اسے ہدایت نہیں دیتا،

اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿37﴾

اور ان (گمراہوں) کا مددگار کوئی بھی نہیں ﴿37﴾

قبل ازیں ہم آیت کریمہ: ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴾ (إبراهيم 14:27) کی تفسیر میں مومن اور کافر کی روح قبض کرنے سے متعلق احادیث بیان کر چکے ہیں۔

تفسیر آیات: 34,33

ایمان سے انکار کے معنی عذاب کے انتظار کے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کو اپنے باطل میں مست رہنے اور دنیا پر فریب خوردہ ہونے کی وجہ سے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کیا یہ لوگ اس انتظار میں ہیں کہ اب فرشتے ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لیے آ ہی جائیں، یہ امام قتادہ کا قول ہے۔[1] ﴿ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ ﴾ ”یا آپ کے پروردگار کا حکم آ پہنچے۔“ یعنی قیامت کا دن

[1] تفسير الطبري: 14/136.

اپنی تمام تر ہولناکیوں اور حشر سامانیوں کے ساتھ آ جائے ﴿ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ ﴾ ''اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے۔'' یعنی اس طرح ان سے پہلے ان جیسے مشرکوں نے کیا تھا کہ وہ اپنے شرک میں مست رہے حتی کہ انھوں نے عبرت ناک عذاب الٰہی کا مزہ چکھ لیا اور زبردست قسم کے عذاب میں مبتلا ہو گئے: ﴿ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ ﴾ ''اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو بھیج کر اور اپنی کتابوں کو نازل فرما کر ان پر حجت تمام کر دی اور ان کا کوئی عذر باقی نہ چھوڑا۔ ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ﴾ ''بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے'' کہ رسولوں کی مخالفت کرتے تھے اور ان کے لائے ہوئے پیغام کی تکذیب کرتے تھے۔ اسی لیے عذاب الٰہی نے انھیں اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ ﴿ وَحَاقَ بِهِمْ ﴾ ''اور ان کو (ہر طرف سے) گھیر لیا۔'' یعنی دردناک عذاب نے ان کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ﴿ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ﴾ ''جس چیز کے ساتھ وہ ٹھٹھے کیا کرتے تھے۔'' انبیائے کرام جب انھیں عذاب الٰہی سے ڈراتے تو وہ ان کا مذاق اڑاتے تھے، اسی لیے روز قیامت ان سے کہا جائے گا: ﴿ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ ﴾ ''یہی وہ آتش (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔'' (الطور 52:14)

تفسیر آیات: 35-37

مشرکین کا شرک کے بارے میں تقدیر سے استدلال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین مبتلائے فریب ہیں کہ وہ شرک کے بارے میں تقدیر سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم ہی اس کے سوا کسی چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے باپ دادا ہی (پوجتے) اور نہ اس کے (فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔'' ان کا اشارہ اس بَحِیرہ، سائبہ اور وَصِیلہ وغیرہ کی طرف ہے جنھیں انھوں نے از خود ایجاد کر رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں کوئی حکم نازل نہیں فرمایا تھا۔ ان کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے یہ افعال ناپسند ہوتے تو وہ ہمیں یہ کرنے ہی نہ دیتا اور کرنے پر فوراً ان کی سزا دے دیتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرح کے شبہات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ ﴾ ''پس پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر سنا دینے کے سوا اور کچھ نہیں۔'' یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح تمھارا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اس سے منع نہیں کیا بلکہ اس نے تو اس سے بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے، اس نے ہر زمانے اور ہر علاقے میں اپنے رسولوں کو بھیجا اور ان سب نے اس بات کی دعوت دی کہ صرف اللہ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کی جائے اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کی جائے، ان سب کا فرمان تھا: ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ﴾ ''اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

جب سے انسانوں میں قوم نوح کے زمانے میں شرک پیدا ہوا، اللہ تعالیٰ اسی پیغام کے ساتھ لوگوں کی طرف اپنے رسولوں کو بھیجتا رہا ہے، سب سے پہلے رسول جنھیں اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کی طرف مبعوث فرمایا، وہ حضرت نوح علیہ السلام تھے اور خاتم النبیین

حضرت محمد ﷺ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے مشرق و مغرب کے تمام جنوں اور انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ ان تمام انبیائے کرام نے اللہ تعالیٰ کی توحید ہی کی دعوت دی تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ۝ ﴾ (الأنبياء 25:21) ''اور جو پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔'' اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَسْـَٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ۝ ﴾ (الزخرف 45:43) ''اور (اے نبی ﷺ!) جو اپنے پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے ہیں، ان کے احوال دریافت کرلو۔ کیا ہم نے (اللہ) رحمٰن کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔'' اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو۔''

لہٰذا ان صریح ارشادات کے بعد کسی مشرک کے لیے یہ کہنا کس طرح روا ہے کہ ﴿ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی چیز کو نہ پوجتے!'' اللہ تعالیٰ کی شرعی مشیت تو ان کی اس بات کی نفی کرتی ہے کیونکہ اس نے اپنے رسولوں کی زبانی انھیں شرک سے منع فرما دیا تھا، البتہ اس کی کونی وقدری (تقدیری) مشیت نے انھیں شرک کرنے دیا لیکن یہ ان کی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا کر کے جہنم میں جانے والے شیطانوں اور کافروں کو بھی پیدا کیا جبکہ وہ اپنے بندوں کے لیے کفر کو پسند ہی نہیں فرماتا۔ شیطانوں اور کافروں کے جہنم کے لیے پیدا کرنے میں بھی اس کی حجت بالغہ اور حکمت قاطعہ کارفرما ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب رسولوں نے انھیں شرک اور اس کے انجام سے ڈرایا مگر انھوں نے شرک کو ترک نہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا ہی میں اس کی سزا دے کر اس سے اپنی ناراضی کا اظہار فرمایا۔ اس لیے فرمایا ہے: ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٦﴾ ﴾ ''تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔'' یعنی جن لوگوں نے رسولوں کی مخالفت اور حق کی تکذیب کی ان کے حالات معلوم کرلو کہ کس طرح: ﴿ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۡ وَلِلْكٰفِرِيْنَ اَمْثَالُهَا ۝ ﴾ (محمد 10:47) ''اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح کا (عذاب) ان کافروں کو ہوگا۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کو برباد کیا۔ اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ ﴾ (الملك 18:67) ''اور البتہ تحقیق جو لوگ ان سے پہلے تھے انھوں نے بھی جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا ہوا۔''

اللہ تعالیٰ جسے گمراہ کر دے اسے کوئی بھی ہدایت نہیں دے سکتا: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انھیں گمراہ کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے تو آپ کا ان کی ہدایت کی خواہش کرنا انھیں کچھ نفع نہیں پہنچا سکتا جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ ﴾ (المآئدة 41:5) ''اور

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ

اور وہ اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مرجاتا ہے اللہ اسے (دوبارہ) نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں! (بلکہ وہ اٹھائے گا یہ) اس کے ذمے سچا وعدہ

حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿38﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ

ہے اور لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے ﴿38﴾ تاکہ ان کے لیے وہ بات واضح کردے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے، اور تاکہ معلوم ہو جائے کافروں کو

فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿39﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ

کہ بے شک وہی جھوٹے تھے ﴿39﴾ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرلیں تو اس کے لیے ہمارا صرف یہی قول ہوتا ہے کہ ہم اس سے کہتے ہیں: ہوجا!

اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿40﴾

تو وہ ہو جاتی ہے ﴿40﴾

اگر کسی کو اللہ آزمائش میں ڈالنا (گمراہ کرنا) چاہے تو اس کے لیے آپ کچھ بھی اللہ سے (ہدایت کا) اختیار نہیں رکھتے۔'' اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ ﴾ (ہود 11:34) ''اور اگر میں یہ چاہوں کہ تمھاری خیر خواہی کروں اور اللہ یہ چاہے کہ تمھیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ ﴾ ''اگر آپ ان (کفار) کی ہدایت کے لیے للچائیں تو جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے، اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا۔'' جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:186) ''جس شخص کو اللہ گمراہ کرے تو اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی سرکشی میں پڑے بھٹکتے رہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ ﴾ (یونس 10:96,97) ''یقیناً جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے، وہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔'' اس کی شان یہ ہے کہ وہ جو چاہتا ہے، وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا، لہٰذا فرمایا: ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ ﴾ یعنی جس کو وہ گمراہ کردے تو کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے بعد اسے ہدایت دے دے؟ کوئی نہیں۔ ﴿ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿37﴾ ﴾ ''اور ایسے لوگوں کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا۔'' جو انھیں اس کی گرفت اور اس کے عذاب سے بچا سکے۔ ﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:54) ''دیکھو سب مخلوق بس اسی کی ہے اور حکم بھی (اسی کا ہے، یہ) اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے۔''

تفسیر آیات: 38-40

بعث بعد الموت برحق ہے: اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے سخت سخت قسمیں کھا کر کہا کہ جو شخص مرجائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے دوبارہ نہیں اٹھائے گا، بعث بعد الموت کو انھوں نے بہت ہی بعید سمجھا تھا اور حضرات

انبیائے کرام نے بعث بعد الموت کی جو خبر دی تو اس وجہ سے انھوں نے انبیاء ہی کی تکذیب کر دی تھی اور قسمیں کھا کھا کر کہا کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی تکذیب و تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ بَلٰى ﴾ ''کیوں نہیں! (ایسا ضرور ہوگا۔)'' ﴿ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا ﴾ ''اس کے ذمے سچا وعدہ ہے۔'' جو یقیناً پورا ہو کر رہے گا۔ ﴿ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' اور جہالت کی وجہ سے رسولوں کی مخالفت کرتے اور کفر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے قیامت کے برپا کرنے اور روز قیامت جسموں کے قبروں سے اٹھا کھڑا کرنے کی حکمت و مصلحت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ ﴾ ''تاکہ ان پر ظاہر کر دے۔'' ﴿ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ﴾ ''جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴾ (النجم 31:53) ''جن لوگوں نے برے کام کیے ہیں۔ ان کو ان کے اعمال کا (برا) بدلہ دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلہ دے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴾ ''اور اس لیے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔'' اپنی ان قسموں کے کھانے میں جھوٹے تھے کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھائے گا، یہی وجہ ہے کہ ان مشرکوں اور کافروں کو قیامت کے دن آتش جہنم کی طرف دھکیل دھکیل کر لے جایا جائے گا اور دوزخ پر مقرر فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿ هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝ اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (الطور 52:14-16) ''پس وہ آتش (جہنم) ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے۔ تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر نہیں آتا؟ اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمھارے لیے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) ان ہی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے!''

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے، آسمان و زمین کی کوئی چیز اسے عاجز و درماندہ نہیں کر سکتی، اس کی شان یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے فرما دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، اس طرح وہ جب قیامت کے برپا کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس سے صرف ایک بار یہ فرمائے گا کہ ہو جا تو وہ برپا ہو جائے گی جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ۝ ﴾ (القمر 54:50) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ۭ ﴾ (لقمٰن 31:28) ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔'' اور اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ''جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' یعنی ہمارے صرف ایک بار حکم دینے سے وہ وجود میں آ جاتی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کو اس بات کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو وجود میں آنے کے لیے بار بار حکم دے کیونکہ اس ذات گرامی کے کسی حکم کی مخالفت کی جا سکتی ہے اور نہ اسے ٹالا جا سکتا ہے، اس لیے کہ وہ واحد و قہار بہت ہی عظیم الشان ہے۔ اس کی عزت و جبروت اور اس کے جلال و بادشاہت

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ

اور جن لوگوں نے ظلم وستم (سہنے) کے بعد اللہ کی راہ میں ہجرت کی، البتہ ہم انھیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے، اور یقیناً آخرت کا اجر تو بہت

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿42﴾

وقف لازم

بڑا ہے۔ کاش! وہ علم رکھتے ﴿41﴾ وہ لوگ جنھوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں ﴿42﴾

نے ہر چیز کو مقہور ومغلوب کر رکھا ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہے اور نہ مالک!

تفسیر آیات: 42,41

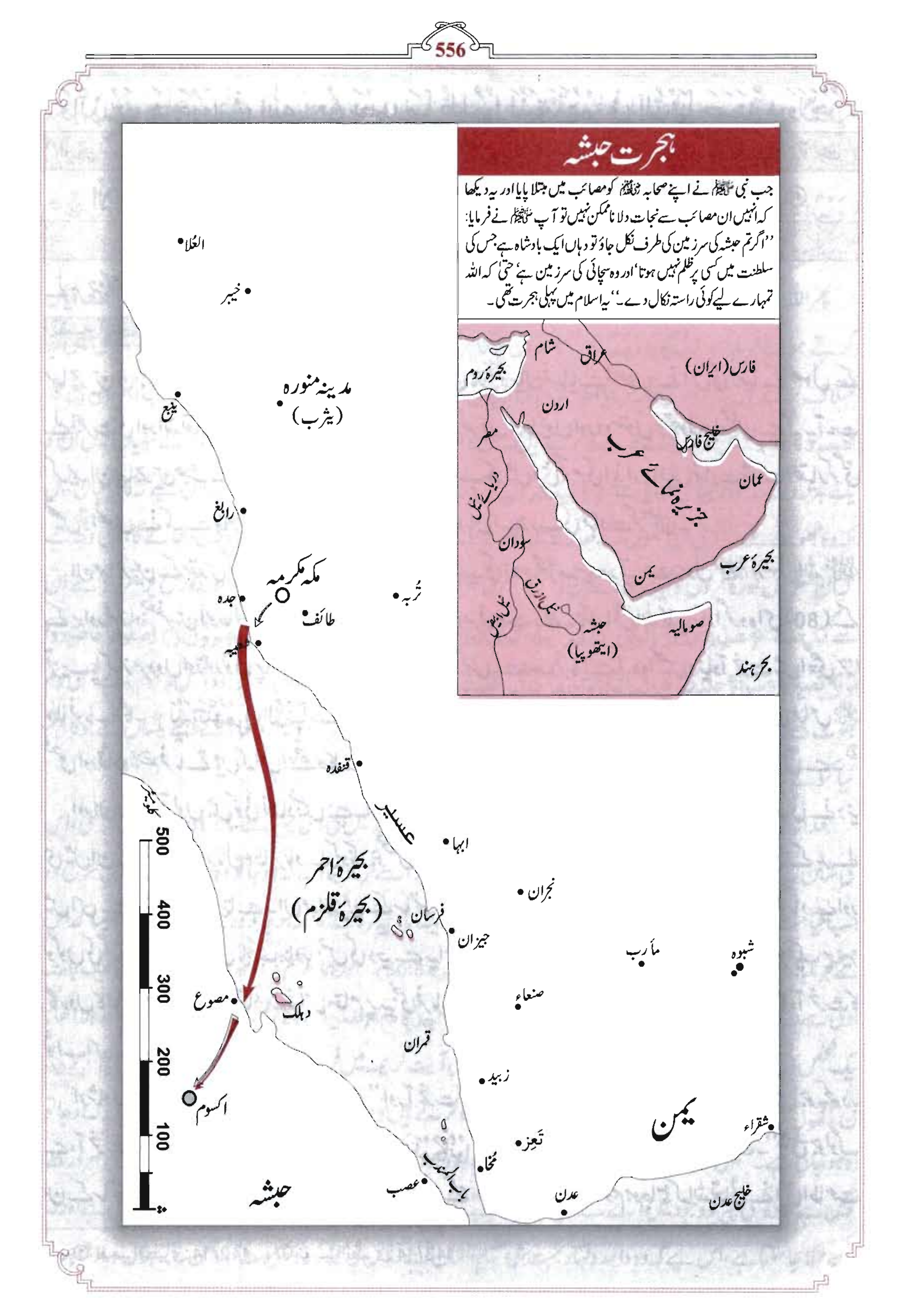
مہاجرین کی جزا: اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کی جزا کو بیان فرمایا ہے جنھوں نے اس کی رضا کے حصول کے لیے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ سے ثواب اور جزا کی امید میں اپنے گھروں، بھائیوں اور دوستوں کو چھوڑ دیا، ممکن ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ان مہاجرین حبشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہو جن پر جب مکہ میں اپنی قوم کی ایذا رسانیاں نہایت شدت اختیار کر گئی تھیں تو انھوں نے مکہ سے بلادِ حبشہ کی طرف ہجرت کر لی تھی تاکہ وہاں اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔

ان مہاجرین کے مقدس گروہ میں حضرت عثمان بن عفان، آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول ﷺ، رسول اللہ ﷺ کے برادر عم زاد جعفر بن ابو طالب اور ابو سلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہم سر فہرست تھے۔ جبکہ اہل اللہ کا یہ سارا گروہ اسی (80) کے قریب پاکباز مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں دنیا وآخرت میں اچھی جزا عطا فرمائے گا۔ ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ﴾ ''ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما شعبی اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس اچھے ٹھکانے سے مراد مدینہ ہے۔[1] مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد پاکیزہ رزق ہے۔[2] اور ان دونوں قولوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ان مہاجرین نے اپنے گھروں اور مالوں کو ترک کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان سے بہتر گھر اور مال عطا فرما دیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بھی چیز کو ترک کر دے تو وہ یقیناً اس کے بدلے میں اس سے بہتر عطا فرما دیتا ہے۔ ان مہاجرین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے انھیں علاقے بھی عطا فرما دیے اور لوگوں کی گردنوں کا بھی انھیں مالک بنا دیا جس کی وجہ سے یہ امراء اور حکام بن گئے، پھر لطف یہ کہ ان میں سے ہر ایک پرہیز گاروں کا امام بھی تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین کو دنیا میں جو عطا فرمائے گا، آخرت کا ثواب اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔

ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ﴾ ''اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔'' یعنی ہم نے انھیں دنیا میں جو کچھ دیا ہے، آخرت کا اجر وثواب اس سے کہیں بڑھ کر ہے: ﴿لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿41﴾﴾ ''کاش! وہ (اسے) جانتے۔'' یعنی جو لوگ ان کے ساتھ ہجرت میں شامل نہیں ہوئے بلکہ ان سے پیچھے رہ گئے، اے کاش! انھیں معلوم ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت

---

[1] تفسیر الطبری: 142/14. [2] تفسیر الطبری: 143/14.


ہجرت حبشہ
جب نبی ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مصائب میں مبتلا پایا اور یہ دیکھا کہ انہیں ان مصائب سے نجات دلانا ممکن نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم حبشہ کی سرزمین کی طرف نکل جاؤ تو وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی سلطنت میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا' اور وہ سچائی کی سرزمین ہے' حتیٰ کہ اللہ تمہارے لیے کوئی راستہ نکال دے۔'' یہ اسلام میں پہلی ہجرت تھی۔
شام
عراق
فارس (ایران)
بحیرۂ روم
اردن
مصر
خلیج فارس
جزیرہ نمائے عرب
عمان
دریائے نیل
سودان
بحیرۂ عرب
یمن
صومالیہ
حبشہ
(ایتھوپیا)
بحر ہند
العُلا
خیبر
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
رابغ
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
تُربہ
قنفدہ
عسیر
ابہا
بحیرۂ احمر
(بحیرۂ قلزم)
نجران
فرسان
جیزان
مأرب
شبوہ
صنعاء
مصوع
دہلک
قمران
زبید
اکسوم
یمن
شقراء
تعز
مخا
باب المندب
عصب
عدن
خلیج عدن
حبشہ
کلومیٹر
500
400
300
200
100

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ

اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مرد ہی (نبی) بھیجے تھے، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے، لہٰذا تم اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو اگر تم علم نہیں رکھتے ﴿43﴾

لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿43﴾ بِالۡبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ

(ہم نے انھیں) واضح دلائل اور کتابوں کے ساتھ (بھیجا تھا)، اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ

وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿44﴾

ان کی طرف نازل کیا گیا، اور شاید کہ وہ غور وفکر کریں ﴿44﴾

کرنے والوں اور اپنے رسول کی اتباع کرنے والوں کے لیے کیا کچھ تیار فرما رکھا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پاک باز بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ ﴿42﴾ ﴾ ''وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔'' یعنی ان لوگوں نے دنیا میں اپنی قوم کی ایذا پر صبر کیا اور اپنے اس اللہ پر بھروسا کیا جس نے دنیا و آخرت میں ان کے انجام کو اچھا کر دیا تھا۔

تفسیر آیات: 44,43

تمام انبیائے کرام علیہم السلام بشر تھے: ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو رسول بنا کر مبعوث فرمایا تو عربوں نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنا کر بھیجے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنۡهُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَهُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؔؕ قَالَ الۡكٰفِرُوۡنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيۡنٌ ۝ ﴾ (یونس 2:10) ''کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کی طرف وحی کی کہ لوگوں کو ڈرائیں اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دیں کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿43﴾ ﴾ ''اور ہم نے آپ سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم لوگ نہیں جانتے تو اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو۔'' یعنی ان لوگوں سے پوچھ لو جن کو ماضی میں کتابیں دی گئی تھیں کہ ان کی طرف انسانوں کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا یا فرشتوں کو۔ اگر فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا تو پھر بے شک تم انکار کر دو اور اگر انسانوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا تھا تو پھر محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا بھی انکار نہ کرو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ قَبۡلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوۡحِىۡۤ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡقُرٰى ؕ ﴾ (یوسف 109:12) ''اور ہم نے آپ سے پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔'' ان کا تعلق آسمان میں رہنے والوں سے نہیں تھا جیسا کہ تم کہتے ہو۔[1] مجاہد نے

[1] تفسیر الطبری: 145/14.

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اہل ذکر سے مراد اہل کتاب ہیں۔[1]

یہ ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ ﴾ (بنیٓ إسرآء یل 94,93:17) ’’(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میرا پروردگار پاک ہے میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آ گئی تو ان کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی، کہنے لگے: کیا اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پیغمبر (بنا) بھیجا ہے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط ﴾ (الفرقان 20:25) ’’اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 8:21) ’’اور ہم نے ان کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ ﴾ (الأحقاف 9:46) ’’(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں رسولوں میں سے کوئی انوکھا نہیں ہوں۔‘‘ اور اسی کا فرمان ہے: ﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ (الکهف 110:18) ’’(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہی ہوں (البتہ) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ اگر کسی کو رسولوں کے بشر ہونے میں شک ہو تو وہ ان لوگوں سے جن کو پہلے کتابیں دی گئی تھیں، انبیاء کے بارے میں پوچھ لے کہ ان کے انبیاء انسان تھے یا فرشتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے: ﴿ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ کہ اس نے انبیائے کرام کو دلائل و براہین اور کتب کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، ضحاک اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ ﴿ وَالزُّبُرِ ط ﴾ کے معنی کتب ہیں۔[2]

زُبُر، زَبُور کی جمع ہے، جب آپ کتاب لکھیں تو عرب اس کے لیے زَبَرْتَ الْكِتَابَ کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ○ ﴾ (القمر 52:54) ’’اور جو کچھ انھوں نے کیا (ان کے) اعمال ناموں میں (مندرج) ہے۔‘‘

اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ○ ﴾ (الأنبیآء 105:21) ’’اور البتہ تحقیق ہم نے نصیحت (کی کتاب تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔‘‘ پھر فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ ﴾ ’’اور ہم نے آپ کی طرف بھی (یہ) ذکر اتارا ہے۔‘‘ یعنی قرآن ﴿ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ ﴾ ’’تاکہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کریں جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا۔‘‘ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو نازل فرمایا تھا، آپ اس کے معنی کو خوب جانتے تھے، وحی الٰہی کے مشتاق تھے اور اس کی اتباع کرنے والے بھی۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی یہ معلوم تھا کہ آپ اس کی ساری مخلوق میں سے افضل اور تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، اس لیے

---

[1] تفسیر الطبری: 144/14. [2] تفسیر الطبری: 147/14.

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

کیا بے خوف ہو گئے ہیں وہ لوگ جنھوں نے برے مکر کیے کہ اللہ انھیں زمین میں دھنسا دے یا ان پر (وہاں سے) عذاب لے آئے جہاں سے وہ

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿45﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿46﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ

شعور نہیں رکھتے ﴿45﴾ یا ان کے چلنے پھرنے کے دوران میں وہ انھیں پکڑ لے، پھر وہ اسے عاجز کرنے والے نہیں ﴿46﴾ یا انھیں حالتِ خوف میں مبتلا کر

عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿47﴾

کے پکڑ لے، پھر بلاشبہ تمھارا رب، بہت شفقت کرنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿47﴾

اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید کو نازل فرمایا اور حکم دیا کہ آپ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل اور قرآن مجید کے مشکل مقامات کی شرح وتفسیر بیان فرما دیں: ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿44﴾ ﴾ ''اور تا کہ وہ غور کریں۔'' اپنا جائزہ لیں، ہدایت اختیار کریں اور دنیا وآخرت میں نجات حاصل کر کے کامیاب ہو جائیں۔

تفسیر آیات:45-47

مجرم بے خوف کیسے ہو سکتے ہیں! اللہ تعالیٰ نے اپنے حلم کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان نافرمان لوگوں کو مہلت دے رکھی ہے جو برے کام کرتے ہیں، برے کاموں کی طرف دوسروں کو دعوت دیتے ہیں اور ان کے ساتھ مکر وفریب کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب آ جائے۔ ﴿ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿45﴾ ﴾ ''جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو۔'' انھیں اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ ان پر عذاب آ رہا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۝ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ ۝ ﴾ (الملك 67:16,17) ''یا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو گئے ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے۔ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو گئے ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے، سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے!'' ﴿ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ ﴾ ''یا ان کو نقل وحرکت کرتے ہوئے پکڑ لے۔'' یعنی جب اپنے معیشت کے سلسلے میں آ جا رہے ہوں، اپنے سفروں میں مشغول ہوں یا غافل کر دینے والے کاموں میں مصروف ہوں۔ قتادہ اور سدی کہتے ہیں کہ اس سے سفروں میں چلنا پھرنا مراد ہے۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ ﴾ (الأعراف 7:97,98) ''کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب چاشت کے وقت (دن چڑھے) آ نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں۔'' ﴿ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿46﴾ ﴾ ''وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔'' یعنی وہ خواہ جس حال میں بھی ہوں اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں

[1] تفسير الطبرى: 149/14.

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ

کیا یہ لوگ اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھتے کہ ان کے سائے دائیں اور بائیں جانب سے ڈھلتے ہیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے، اور (اس

وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿48﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ

کے سامنے) وہ سب عاجز ہیں ﴿48﴾ اور آسمانوں اور زمین کے تمام جاندار اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور تمام فرشتے بھی، اور وہ تکبر نہیں کرتے ﴿49﴾ وہ اپنے

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿49﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿50﴾ السجدة

اوپر سے اپنے رب سے ڈرتے ہیں، اور وہی کرتے ہیں جو انھیں حکم دیا جاتا ہے ﴿50﴾

کر سکتے۔ ﴿ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ﴾ ''یا حالتِ خوف میں ان کو پکڑ لے۔'' یعنی جب انھیں یہ خوف پیدا ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ انھیں کہیں پکڑ ہی نہ لے تو وہ اس حالتِ خوف میں انھیں پکڑ لے اور اس حالت میں ان کا پکڑنا بہت شدید ہوگا کیونکہ جس چیز کا خوف بھی ہو اس کا حصول بہت شدید محسوس ہوتا ہے۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ اگر میں چاہوں تو اسے بھی اس کے ساتھی کی موت کے بعد جب یہ ڈر رہا ہو تو پکڑ لوں۔[1] مجاہد، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ کی رافت و رحمت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿47﴾ ﴾ ''پس بے شک تمھارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔'' یعنی وہ تمھیں جلد سزا نہیں دیتا جیسا کہ صحیحین میں ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا أَحَدٌ أَصْبَرَ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى ...... وَيَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا (وَّهُوَ مَعَ ذٰلِكَ) يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ''تکلیف دہ بات کوسن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر صبر کرنے والا اور کوئی نہیں......لوگ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا قرار دیتے ہیں اور وہ اس کے باوجود انھیں رزق اور عافیت عطا فرماتا ہے۔''[3]

صحیحین ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے اور جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴾ (ھود 102:11) ''اور آپ کا پروردگار جب ظلم و زیادتی کرنے والی (اور نافرمان) بستیوں کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) بڑی سخت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴾ (الحج 48:22) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ ظالم (اور نافرمان) تھیں، پھر میں

---

[1] تفسیر الطبری: 150/14. [2] تفسیر الطبری: 151/14. [3] صحیح البخاری، الأدب، باب الصبر فی الأذی ......، حدیث: 6099 وصحیح مسلم، صفات المنافقین وأحکامهم، باب فی الکفار، حدیث: (50)-2804 واللفظ له عن أبی موسی الأشعری رضی اللہ عنہ.

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿51﴾ وَلَهٗ مَا

اور اللہ نے فرمایا: دو الٰہ مت بناؤ، بس وہ اکیلا الٰہ ہے، لہٰذا تم مجھی سے ڈرو﴿51﴾ اور اسی کے لیے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، اور اسی کی

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿52﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ

اطاعت دائمی ہے۔ کیا پھر تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟﴿52﴾ اور تمھارے پاس جو بھی نعمت ہے وہ تو اللہ ہی کی طرف سے ہے، پھر جب تمھیں کوئی

اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿53﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ

تکلیف پہنچتی ہے تو اسی سے تم آہ و فغاں کرتے ہو﴿53﴾ پھر جب وہ تم سے تکلیف ہٹا دیتا ہے تو تم میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک

بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ فَتَمَتَّعُوْا ۣ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾

کرنے لگتا ہے﴿54﴾ تاکہ ان (نعمتوں) کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دیں، چنانچہ تم فائدہ اٹھا لو، پھر جلد تم جان لو گے﴿55﴾

نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 48-50

ہر چیز اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت، جلال اور کبریائی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تمام جمادات، حیوانات، انسان، جن، فرشتے اور ہر ہر چیز اس کے سامنے عاجز و درماندہ ہے اور ہر وہ چیز جس کا سایہ صبح شام دائیں اور بائیں طرف لوٹتا رہتا ہے تو وہ اپنے سائے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ جب سورج کا سایہ ڈھلتا ہے تو ہر چیز اللہ عزوجل کو سجدہ کرتی ہے۔[2] قتادہ اور ضحاک وغیرہم کا بس یہی قول ہے۔[3] ﴿وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿48﴾﴾ ''اور وہ عجز و انکسار کر رہے ہیں۔'' مجاہد نے یہ بھی کہا ہے کہ ہر چیز کا لوٹنا اس کا سجدہ کرنا ہے، پہاڑوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کا سایہ ان کا سجدہ کرنا ہے۔[4] ابو غالب شیبانی نے کہا کہ سمندر اور دریا کی موجیں ان کی نماز ہے۔[5] ان کی طرف سجدہ کی نسبت کرتے ہوئے انھیں ذوی العقول کی طرح سمجھ لیا گیا ہے، فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿49﴾﴾ ''اور تمام جان دار جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝﴾ (الرعد 15:13) ''اور جو شے آسمانوں اور جو زمین میں ہے خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام (سجدے کرتے ہیں۔)''

اور اس کا ارشاد گرامی ہے: ﴿وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿49﴾﴾ ''اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غرور نہیں کرتے۔'' فرشتے اس کی عبادت اور بندگی کے بجالانے سے ذرا برابر غرور نہیں کرتے۔ ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ﴾ ''اور وہ اپنے اوپر اپنے

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ......﴾ (هود 102:11)......، حديث: 4686 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2583 عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه. [2] تفسير الطبري: 153/14. [3] تفسير الطبري: 153,152/14. [4] تفسير الطبري: 170/17. [5] تفسير ابن أبي حاتم: 2285/7.

پروردگار سے ڈرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ سے خوف کھاتے ہیں اور ڈرتے ہوئے اسے سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ ﴿ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ ''اور جوان کو ارشاد ہوتا ہے، اس پر عمل کرتے ہیں۔'' یعنی مستقل مزاجی کے ساتھ اس کی اطاعت بجالاتے، اس کے احکام کو تسلیم کرتے اور جن کاموں سے اس نے منع فرمادیا ہے، انھیں ترک کردیتے ہیں۔

تفسیر آیات: 51-55

صرف اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا عبادت صرف اسی وحدہ لاشریک ہی کی ہونی چاہیے کیونکہ وہی ہر چیز کا مالک، خالق اور پروردگار ہے۔ ﴿ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ﴾ ''اور اسی کی اطاعت دائمی ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، میمون بن مہران، سدی، قتادہ اور کئی ایک ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس کے معنی ہمیشہ کے لیے اسی کی عبادت کے ہیں۔[1] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے ایک دوسری روایت کے مطابق اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت اسی کی واجب ہے۔[2] مجاہد سے روایت ہے کہ عبادت اسی کے لیے خالص ہے۔[3] یعنی آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کی ذات گرامی مستحق عبادت ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗۤ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴾ (آل عمرٰن 3:83) ''کیا یہ کافر اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں، حالانکہ سب اہل آسمان وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں؟'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ کے قول کے مطابق یہ خبر کے باب سے ہوگا جبکہ مجاہد کے قول کے مطابق یہ طلب کے قبیل سے ہوگا، یعنی مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ڈر جاؤ اور میرے ساتھ شرک نہ کرو اور میرے ہی لیے اطاعت وفرمانبرداری کو خالص کرو جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ (الزمر 3:39) ''دیکھو! خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (ضروری) ہے۔''

نفع ونقصان کا مالک اللہ تعالیٰ ہے: پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ نفع ونقصان کا مالک بھی وہی ہے، اپنے بندوں کو رزق، نعمت، عافیت اور نصرت سے نوازتا ہے تو یہ اس کا بندوں پر فضل واحسان ہے۔ ﴿ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴾ ''پھر جب تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے آہ وفغاں کرتے ہو۔'' کیونکہ تمھیں یہ معلوم ہے کہ تکلیف کے ازالے پر اس کے سوا اور کوئی قادر نہیں ہے، لہٰذا بوقت ضرورت تم اسی کی طرف رجوع کرتے ہو، اس سے دعا کرتے، اسی کی طرف رغبت کرتے اور اسی سے فریاد کرتے ہو جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 67:17) ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارتے ہو سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہوجاتے ہیں، پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو اور انسان ہے ہی ناشکرا۔''

---

[1] تفسیر الطبری: 158,157/14 وتفسیر القرطبی: 113/10. [2] تفسیر الطبری: 158/14. [3] تفسیر الطبری: 159/14.

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ

اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس میں سے ان (باطل معبودوں) کا حصہ ٹھہراتے ہیں جنھیں یہ جانتے بھی نہیں، اللہ کی قسم! تم سے تمھاری افترا

تَفْتَرُوْنَ ﴿56﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿57﴾ وَاِذَا بُشِّرَ

پردازیوں کا ضرور سوال ہوگا ﴿56﴾ اور وہ اللہ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہیں، وہ (اولاد سے) پاک ہے، اور ان کے لیے ہے جو وہ چاہیں (یعنی بیٹے) ﴿57﴾ اور

اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿58﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ

جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی بشارت دی جائے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے ﴿58﴾ وہ اس عار کے باعث لوگوں

مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿59﴾

سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اسے بشارت دی گئی ہے، (سوچتا ہے) کیا (اپنی) توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو!

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿59﴾ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے بری مثال ہے، اور اللہ کے لیے اعلیٰ مثال ہے، اور وہ غالب،

الْحَكِيْمُ ﴿60﴾ ع 7/10/13

خوب حکمت والا ہے ﴿60﴾

اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿54﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ﴾ ''پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں تاکہ جو (نعمتیں) ہم نے ان کو عطا کی ہیں، ان کی ناشکری کریں۔'' کہا گیا ہے کہ ﴿لِيَكْفُرُوْا﴾ کا لام، لام عاقبہ ہے اور اس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لام تعلیل ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے ان کے لیے یہ اس لیے مقدر کر دیا ہے تاکہ وہ ان نعمتوں کو جو اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہیں، چھپائیں اور ان کا انکار کر دیں، حالانکہ وہی انھیں نعمتیں عطا فرمانے والا اور مصیبتوں کو ان سے دور کرنے والا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَتَمَتَّعُوْا﴾ ''تو (مشرکو! دنیا میں) فائدے اٹھالو۔'' جو چاہے عمل کرو اور دنیا کی اس زندگی میں تھوڑا عرصہ فائدے اٹھاؤ۔ ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿55﴾﴾ ''پھر عنقریب تم جان لو گے۔'' یعنی اس کا انجام۔

تفسیر آیات: 56-60

مشرکین کا معبودانِ باطلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ رزق سے نذر و نیاز: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان مشرکوں کی قبیح عادات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ بتوں، شریکوں اور معبودانِ باطلہ کی بھی علم کے بغیر پوجا کی اور اللہ تعالیٰ نے انھیں جو رزق دیا تھا، اس میں انھوں نے اپنے بتوں کے لیے بھی حصہ مقرر کر دیا اور اپنے گمان سے تقسیم کرتے ہوئے کہا کہ یہ حصہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے، تو جو حصہ ان کے شریکوں کے لیے ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہیں جا سکتا اور جو اللہ کا حصہ ہے، وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے اور ان کے یہ فیصلے بہت

ہی برے ہیں کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہ صرف اپنے شریکوں کے لیے بھی حصہ مقرر کر رکھا ہے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کے حصے پر فوقیت بھی دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ وہ ان سے ان کے لیے اس کذب و افترا کے بارے میں ضرور باز پرس کرے گا اور انھیں اس کی آتش جہنم میں سخت سزا دی جائے گی، چنانچہ فرمایا: ﴿ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿56﴾ ﴾ ''(کافرو!) اللہ کی قسم! جو تم افترا کرتے ہو، اس کی تم سے ضرور پرسش ہوگی۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے فرشتوں کو مادہ قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بنا دیا، پھر ان کی بھی پوجا شروع کر دی تو ان تینوں باتوں میں انھوں نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی کوئی اولاد نہیں، اس کی ذات بابرکات اولاد سے پاک ہے، پھر انھوں نے کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں جبکہ اپنے لیے یہ بیٹیوں کو پسند نہیں کرتے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى ○ تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ○ ﴾ (النجم 53:21,22) ''(مشرکو!) کیا تمھارے لیے بیٹے اور اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں، یہ تقسیم تو بڑی دھاندلی کی ہوئی!''

اور یہاں فرمایا: ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ﴾ ''اور یہ لوگ اللہ کے لیے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، حالانکہ اس سے وہ پاک ہے'' از روئے کذب و افترا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ○ وَلَدَ اللّٰهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ○ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ○ ﴾ (الصّٰفّٰت 37:151-154) ''خبردار! یہ لوگ اپنی بہتان طرازی سے یہ بات کہتے ہیں کہ اللہ کی اولاد ہے، کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں کیا اس نے بیٹوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے۔ تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو!'' اور اس کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿57﴾ ﴾ ''اور اپنے لیے (بیٹے) جو وہ چاہتے ہیں۔'' یعنی اپنے لیے بیٹے پسند کرتے ہیں اور خود بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی اس سے بہت بلند و بالا ہے کہ اس کی اولاد ہو۔

مشرکوں کی بیٹیوں سے نفرت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا ﴾ ''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے۔'' یعنی وہ رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿58﴾ ﴾ ''اور (اس دل کو دیکھو تو) وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے۔'' اور اپنے اسی شدید غم کی وجہ سے وہ خاموشی اختیار کر لیتا ہے۔ ﴿ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ ﴾ ''لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے۔'' کیونکہ وہ اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگ اسے دیکھیں: ﴿ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ﴾ ''اسے دی گئی بری خوشخبری کی وجہ سے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے اسے باقی رہنے دے یا اسے مٹی میں دبا دے۔'' یعنی سوچتا ہے اگر اس نے اسے زندہ رکھا تو اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ زندہ رکھے گا، اسے اپنے مال کا وارث بھی نہیں بنائے گا اور اولاد نرینہ کو اس پر ترجیح دے گا۔ ﴿ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ﴾ ''یا وہ اسے مٹی میں دبا دے۔'' جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ لوگ کیا کرتے تھے۔ کیا یہ لوگ جو بیٹیوں سے اس قدر شدید نفرت کرتے ہیں اور اپنے لیے انھیں پسند نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں قرار دیتے

وَلَوۡ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلۡمِهِمۡ مَّا تَرَكَ عَلَيۡهَا مِنۡ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنۡ يُّؤَخِّرُهُمۡ

اور اگر اللہ لوگوں کے ظلم پر ان کا مواخذہ کرے تو اس (زمین) پر کوئی چلنے پھرنے والا نہ چھوڑے، اور لیکن وہ ایک مقرر وقت تک انھیں ڈھیل دیتا ہے،

اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمۡ لَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَةً وَّلَا يَسۡتَقۡدِمُوۡنَ ﴿61﴾ وَيَجۡعَلُوۡنَ

پھر جب ان کا مقرر وقت آ پہنچتا ہے تو وہ ایک گھڑی بھی نہ آگے اور نہ پیچھے ہو سکتے ہیں ﴿61﴾ اور وہ اللہ کے لیے وہ چیز ٹھہراتے ہیں جس سے خود

لِلّٰهِ مَا يَكۡرَهُوۡنَ وَتَصِفُ اَلۡسِنَتُهُمُ الۡكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الۡحُسۡنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ

کراہت کرتے ہیں، اور ان کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ بے شک ان کے لیے بھلائی ہے۔ بلاشبہ یقیناً ان کے لیے آگ ہے اور بے شک وہ

النَّارَ وَاَنَّهُمۡ مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿62﴾

(اس میں) سب سے آگے بھیجے جائیں گے ﴿62﴾

ہیں! ﴿ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿59﴾ ﴾ ”(افسوس!) کیسا برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں!“ ان کی بات بھی بری، ان کی تقسیم بھی بری اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کی یہ نسبت بھی بری ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمۡ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحۡمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجۡهُهٗ مُسۡوَدًّا وَّهُوَ كَظِيۡمٌ ﴾ (الزخرف 43:17) ”جب ان سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے جو انھوں نے اللہ کے لیے بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔“

اور یہاں فرمایا: ﴿ لِلَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوۡءِ ۚ ﴾ ”جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، انھی کے لیے بری باتیں (شایاں) ہیں“ کہ نقص و عیب کو انھی کی طرف منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ﴿ وَلِلّٰهِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى ؕ ﴾ ”اور اللہ ہی کے لیے صفت اعلیٰ ہے۔“ یعنی کمال مطلق کو ہر اعتبار سے صرف اسی کی ذات گرامی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ ﴿ وَهُوَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿60﴾ ﴾ ”اور وہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔“

تفسیر آیات: 62,61

گناہوں پر فوراً گرفت نہیں کی جاتی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ بندے اگرچہ ظلم کرتے ہیں مگر وہ ان کے ساتھ حلم سے پیش آتا ہے اور اگر وہ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے گرفت کرنا چاہے تو زمین پر کسی ایک جاندار کو بھی نہ چھوڑے، یعنی انسانوں کے ساتھ ساتھ زمین پر بسنے والی دیگر تمام مخلوقات کو بھی وہ ہلاک کر دے لیکن اللہ رب ذوالجلال حلم کا معاملہ فرماتا ہے، بندوں کے گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور انھیں ایک مدت تک مہلت دیتا ہے، یعنی ان کی بداعمالیوں کی انھیں فوراً سزا نہیں دیتا اور اگر وہ ایسا کرنا چاہے تو کسی کو بھی باقی نہ چھوڑے ابن جریر رحمہ اللہ نے ابوسلمہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ظالم صرف اپنے آپ ہی کو نقصان پہنچاتا ہے، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! ظالم کے ظلم کی وجہ سے سرخاب اپنے گھونسلے میں مرجاتا ہے۔[1]

---

[1] تفسیر الطبری: 166/14 وشعب الإیمان للبیہقی، فصل فی ذکر ماورد من التشدید فی الظلم: 54/6، حدیث: 7479.

مشرکوں کا اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ناپسندیدہ چیزوں کی نسبت کرنا: ارشاد باری ہے: ﴿ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ ﴾ ''اور یہ اللہ کے لیے ایسی چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں۔'' مثلاً: بیٹیاں اور شرکاء جو اللہ کے بندے ہیں۔ جبکہ ان میں سے ہر شخص اس بات کو ناپسند کرتا ہے کہ مال میں اس کا کوئی شریک ہو ﴿ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ﴾ ''اور ان کی زبانیں جھوٹ بکتی ہیں کہ ان کے لیے (قیامت کے دن) بھلائی (نجات) ہوگی۔'' یہ ان کے اس دعوے کی تردید ہے کہ جس طرح انھیں دنیا میں بھلائی حاصل ہے، اسی طرح اگر واقعی قیامت برپا ہوئی تو وہاں بھی انھیں بھلائی نصیب ہوگی، ان کی یہ بات اس طرح ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَاۗءَ بَعْدَ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ ﴾ (ھود 10,9:11) ''اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں، پھر اس سے اس کو چھین لیں تو ناامید (اور) ناشکرا (ہو جاتا ہے) اور اگر ہم تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش (کا مزہ) چکھائیں تو (خوش ہو کر) کہتا ہے کہ (آہا!) سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں، بے شک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 50:41) ''اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اس کو اپنی رحمت (کا مزہ) چکھاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہو، اور اگر (قیامت سچ مچ بھی ہو اور) میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو میرے لیے اس کے ہاں بھی اچھائی ہے، پس کافر جو عمل کیا کرتے ہیں وہ ہم ضرور ان کو جتائیں گے اور ان کو سخت عذاب (کا مزہ) چکھائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ ﴾ (مریم 77:19) ''بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا کہ (اگر میں از سر نو زندہ ہوا تو بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے (وہاں) ضرور ملے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے ان میں سے ایک کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ ﴾ (الکھف 36,35:18) ''اور (ایسی شیخیوں سے) اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا، کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہوگا اور نہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہوگی اور اگر میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو (وہاں) ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا۔'' اس فرمان باری تعالیٰ کا مفہوم یہ ہے کہ ان لوگوں نے عمل تو برے کیے مگر یہ باطل امید رکھی کہ انھیں اپنے ان اعمال کا اچھا بدلہ ملے گا اور یہ محال ہے کہ برے عمل کا بدلہ اچھا ہو، اسی لیے ان کی باطل امید پر پانی پھیرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَاجَرَمَ ﴾ ''کچھ شک نہیں۔'' یقینی بات ہے، یہ ہر صورت میں واقع ہونے والی ہے کہ ﴿ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ ﴾ ''ان کے لیے (دوزخ کی) آگ (تیار) ہے۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴾

تَاللّٰهِ لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيۡطٰنُ اَعۡمَالَهُمۡ فَهُوَ

اللہ کی قسم! البتہ تحقیق ہم نے آپ سے پہلی قوموں کی طرف رسول بھیجے تو شیطان نے ان کے (برے) اعمال ان کے لیے خوش نما کردیے، چنانچہ

وَلِيُّهُمُ الۡيَوۡمَ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿63﴾ وَمَاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ

آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے﴿63﴾ اور ہم نے آپ پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے تاکہ آپ ان پر

لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿64﴾ وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ

وہ چیز واضح کردیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، اور وہ ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے﴿64﴾ اور اللہ نے آسمان سے

السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿65﴾ ع 8 5 14

پانی نازل کیا، پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کیا، بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے البتہ نشانی ہے جو سنتے ہیں﴿65﴾

''اور یہ (دوزخ میں) سب سے آگے بھیجے جانے والے ہیں۔'' مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور دیگر ائمۂ تفسیر کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کو جہنم میں ڈال کر بھلا دیا جائے گا اور رائیگاں کر دیا جائے گا۔[1] جیسا کہ فرمایا: ﴿فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰىهُمۡ كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ﴾ (الأعراف 7:51) ''تو جس طرح یہ لوگ اپنے اس دن کی ملاقات کو بھولے ہوئے تھے، اس طرح آج ہم بھی انھیں بھلا دیں گے۔''

قتادہ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ ﴿مُّفۡرَطُوۡنَ ﴿62﴾﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھیں دوزخ میں سب سے آگے بھیجا جائے گا۔[2] یعنی یہ فَرَط سے مشتق ہے اور فَرَط اسے کہتے ہیں جو گھاٹ کی طرف سب سے پہلے جانے والا ہو۔ اور ان دونوں معنوں میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ انھیں جہنم میں سب سے آگے بھیجا جائے گا، پھر اس میں ڈال کر انھیں بھلا بھی دیا جائے گا اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

تفسیر آیات:63-65

سابقہ لوگوں کے حالات سے تسلی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے سابقہ امتوں کی طرف بھی جب اپنے پیغمبروں کو بھیجا تو انھوں نے ان کی تکذیب کی تھی تو اے محمد (ﷺ!) آپ کے ان بھائیوں اور پیغمبروں میں آپ کے لیے اسوہ ہے، آپ اپنی قوم کی تکذیب سے دل آزردہ نہ ہوں، مشرکوں نے پیغمبروں کی تکذیب اس لیے کی تھی کہ شیطان نے انھیں اس بات پر اکسایا اور ان کے اس کرتوت کو اس نے مزین کر کے دکھایا تھا: ﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الۡيَوۡمَ﴾ ''تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے۔'' یہ اپنی ان بداعمالیوں کی وجہ سے سزا اور عذاب کے مستحق ہیں، شیطان ان کا دوست ہے، وہ انھیں عذاب سے بچا نہیں سکے گا، نہ کوئی اور ہی ان کی مدد کرے گا، ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

نزولِ قرآن کا مقصد: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ اس نے یہ کتاب آپ پر اس لیے

[1] تفسیر الطبری: 169,168/14. [2] تفسیر الطبری: 169/14.

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا

اور بے شک تمھارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت (غور وفکر کا سامان) ہے۔ ہم تمھیں پلاتے ہیں اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے، گوبر اور لہو کے

خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿66﴾ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا

بیچ سے خالص دودھ، پینے والوں کے لیے آسانی سے (حلق میں) اتر جانے والا ہے ﴿66﴾ اور کھجوروں اور انگوروں کے کچھ پھل وہ ہیں جن سے تم

وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿67﴾

نشہ (آور شراب) اور اچھا رزق حاصل کرتے ہو۔ بے شک اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں ﴿67﴾

نازل فرمائی ہے تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے واضح فرما دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں، قرآن مجید ہی لوگوں کے تمام تنازعات و اختلافات میں فیصلہ کن ہے۔ ﴿وَهُدًى﴾ علاوہ ازیں یہ دلوں کے لیے ہدایت اور ﴿وَّرَحْمَةً﴾ عمل کرنے والوں کے لیے رحمت ہے۔ ﴿لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿64﴾﴾ اور وہ لوگ اسے مانتے بھی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح کفر کی وجہ سے مردہ ہو جانے والے دلوں کے لیے قرآن مجید کو حیات آفریں بنا دیا ہے، اسی طرح وہ مردہ ہو جانے والی زمین پر آسمان سے بارانِ رحمت نازل فرما کر اسے زندہ و شاداب بنا دیتا ہے۔ ﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿65﴾﴾ ''بے شک اس میں سننے والوں کے لیے نشانی ہے۔'' یعنی ان کے لیے جو کلام اور اس کے معنی کو سمجھتے ہیں۔

تفسیر آیات: 67,66

چوپاؤں، کھجوروں اور انگوروں میں بھی عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاِنَّ لَكُمْ﴾ ''اور بلاشبہ تمھارے لیے'' اے لوگو! ﴿فِي الْاَنْعَامِ﴾ ''چوپاؤں میں بھی۔'' یعنی اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں میں ﴿لَعِبْرَةً ؕ﴾ ''مقام عبرت (غور) ہے۔'' یعنی ان کا وجود بھی ان کے خالق کی حکمت، قدرت اور لطف و رحمت کی نشانی ہے۔ ﴿نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ﴾ ''ان کے پیٹوں میں جو ہے، اس سے ہم تم کو پلاتے ہیں۔'' یہاں ﴿بُطُوْنِهٖ﴾ میں مفرد (مذکر) کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، اس لیے کہ اس کا مرجع یا تو معنیٰ نَعَم (جانور) ہے یا پھر اس لیے کہ اس کا مرجع حیوان ہے کیونکہ سارے چوپائے ہی حیوان ہیں اور معنی یہ ہیں کہ ہم تمھیں اس حیوان کے پیٹ سے دودھ پلاتے ہیں، (اسی طرح کی) ایک دوسری آیت میں: ﴿بُطُوْنِهَا﴾ (المؤمنون 21:23) (جمع کے لیے استعمال ہونے والی واحد مونث کی ضمیر ھا بھی استعمال کی گئی ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ) یہاں ان دونوں طرح کی ضمیروں کا استعمال جائز ہے جیسا کہ درج ذیل آیات میں ہے: ﴿كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ﴾ (عبس 12,11:80) ''ہرگز نہیں! یہ (قرآن) نصیحت ہے، پس جو چاہے اسے یاد رکھے۔'' (اس میں پہلے مؤنث کی ھا ضمیر اور سورۂ مدثر، آیت: 54 میں پھر مذکر کی ضمیر ''ہ'' آئی ہے) اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ﴾ (النمل 36,35:27) ''اور میں ان کی طرف کوئی تحفہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں، پھر جب سلیمان کے پاس آیا......'' یعنی مال۔ (یہاں بھی هَدِيَّةٌ مؤنث ہے، پھر اسی کے لیے جآء مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔)

گوبر اور لہو کے درمیان سے دودھ کا نکلنا: اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا ﴾ ''گوبر ورلہو کے درمیان سے خالص دودھ (ہم تم کو پلاتے ہیں۔)''یعنی حیوان کے پیٹ میں جو گوبر اور لہو ہے، وہ دودھ کی سفیدی، ذائقے اور حلاوت سے الگ رہتا ہے جب معدے میں غذا ہضم ہو جاتی ہے تو ہر چیز اپنی اپنی جگہ چلی جاتی ہے، خون رگوں میں چلا جاتا ہے، دودھ پستانوں کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، پیشاب مثانے کا رخ کرتا ہے اور گوبر باہر نکل جاتا ہے۔ معدے سے الگ ہونے کے بعد ان میں سے کسی ایک چیز کی دوسری میں قطعاً آمیزش نہیں ہوتی ہے اور نہ کوئی ایک چیز دوسری سے مل کر متغیر ہوتی ہے۔ ﴿ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴾ ''خالص دودھ جو پینے والوں کے لیے حلق سے آسانی سے اتر جانے والا ہے۔'' کہ کوئی بھی اسے ناخوشگوار نہیں سمجھتا۔

اللہ تعالیٰ نے جب دودھ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے اسے لوگوں کے لیے ایک خوشگوار مشروب بنا دیا ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیگر مشروبات کا بھی ذکر فرمایا جنھیں لوگ کھجور اور انگور کے پھلوں سے بناتے ہیں اور شراب بھی کشید کرتے ہیں۔ لیکن یاد رہے یہ آیت کریمہ تحریم شراب کے حکم سے پہلے نازل ہوئی ہے، اسی لیے مشروبات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا ﴾ ''اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے بھی (تم پینے کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ ان سے شراب بناتے ہو۔'' اس سے معلوم ہوا کہ حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے شراب جائز تھی یہ بھی معلوم ہوا کہ اس وقت کھجور اور انگور کی شراب میں کوئی فرق نہ تھا، نیز گندم، جو، چنا اور شہد سے بنائی جانے والی شرابوں میں بھی کوئی فرق نہ تھا جیسا کہ احادیث میں اس کی تفصیل موجود ہے۔[1]

فرمانِ باری ہے: ﴿ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ﴾ ''شراب (بناتے ہو) اور عمدہ رزق (کھاتے ہو۔)'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سَکَر سے مراد وہ ہے جو ان کے پھلوں میں سے حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور رزق حسن سے مراد وہ ہے جو ان کے پھلوں میں سے حلال قرار دیا گیا ہے۔[2] اور ایک روایت میں ان سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ سکر سے مراد حرام اور رزق حسن سے مراد حلال ہے۔[3] یعنی ان کے پھلوں کو کھجور اور کشمش کی صورت میں جو خشک کر لیا جائے یا انگور یا کھجور کا شیرہ، سرکہ اور نبیذ، (کھجور، انگور، شہد یا کشمش سے بنایا جانے والا مشروب) بنا لیا جائے تو وہ سکر پیدا ہونے سے پہلے پہلے حلال مشروب ہے جیسا کہ سنت میں اس کی تفصیل موجود ہے۔[4]

﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴾ ''جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں۔ ان کے لیے ان (چیزوں) میں (اللہ کی قدرت کی)

---

① صحيح البخاري، المغازي ، باب بعث أبي موسى......، حديث:4343 وصحيح مسلم، الأشربة ، باب بيان أن كل مسكر ......، حديث: 1733 بعد الحديث:2001. ② تفسير الطبري: 176/14. ③ تفسير الطبري: 177/14.
④ صحيح البخاري، المغازي، باب بعث أبي موسىٰ......، حديث:4343 وصحيح مسلم، الأشربة، باب بيان أن كل مسكر...... ، حديث: 1733 وسنن أبي داود، الأشربة ، باب الخمر مماهي ، حديث: 3677و3684.

وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ اَنِ اتَّخِذِیۡ مِنَ الۡجِبَالِ بُیُوۡتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا یَعۡرِشُوۡنَ ﴿68﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ تو پہاڑوں میں گھر (چھتے) بنا اور درختوں میں اور ان میں، جو (لوگ) چھپر بناتے ہیں ﴿68﴾

ثُمَّ کُلِیۡ مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ یَخۡرُجُ مِنۡۢ بُطُوۡنِہَا شَرَابٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُہٗ فِیۡہِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ ﴿69﴾

پھر ہر قسم کے پھلوں (اور پھولوں) سے کھا (رس چوس)، پھر اپنے رب کی آسان کی ہوئی راہوں پر چل۔ ان کے پیٹوں سے مختلف رنگوں کا مشروب (شہد) نکلتا ہے، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بے شک اس میں بھی غور وفکر کرنے والوں کے لیے بہت بڑی نشانی ہے ﴿69﴾

نشانی ہے۔'' یہاں عقل کا ذکر ہی مناسب تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، ان میں یہ سب سے اشرف ہے، یہی وجہ ہے کہ عقل کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لیے تمام نشہ آور چیزوں کو حرام قرار دے دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَعَلۡنَا فِیۡہَا جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِیۡلٍ وَّ اَعۡنَابٍ وَّ فَجَّرۡنَا فِیۡہَا مِنَ الۡعُیُوۡنِ ۙ لِیَاۡکُلُوۡا مِنۡ ثَمَرِہٖ ۙ وَ مَا عَمِلَتۡہُ اَیۡدِیۡہِمۡ ؕ اَفَلَا یَشۡکُرُوۡنَ ۝ سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ خَلَقَ الۡاَزۡوَاجَ کُلَّہَا مِمَّا تُنۡۢبِتُ الۡاَرۡضُ وَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ مِمَّا لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:34-36) ''اور اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے اور اس میں چشمے جاری کر دیے تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا تو پھر کیا یہ شکر نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے۔''

تفسیر آیات: 69,68

شہد کی مکھی اور اس کے شہد میں بھی عبرت ہے: وحی سے یہاں الہام و رہنمائی مراد ہے اور شہد کی مکھی کے لیے یہ رہنمائی کہ وہ ٹھکانا حاصل کرنے کے لیے پہاڑوں، درختوں اور اونچی اونچی ٹٹیوں میں گھر بنا لیتی ہے۔ شہد کی مکھیوں کے یہ گھر بے حد مضبوط اور مستحکم ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی خلل نظر نہیں آتا، پھر اللہ تعالیٰ نے تسخیری اور قدری طور پر انھیں یہ اجازت دے دی کہ وہ ہر قسم کے پھلوں کو کھائیں اور ان رستوں پر چلی جائیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے صاف اور ہموار کر دیا ہے، یعنی اس عظیم الشان فضا، دور دراز کے جنگلات، وادیوں اور بلند و بالا پہاڑوں میں آنے جانے کے لیے رستوں کو آسان اور صاف کر دیا ہے کہ ان رستوں پر چل کر دائیں بائیں بھٹکے بغیر ایک ایک مکھی بڑی آسانی کے ساتھ اپنے گھر لوٹ آتی ہے جہاں اس کے بچے بھی ہوتے ہیں اور شہد بھی، وہ اپنے پروں سے موم بناتی اور اپنے منہ سے شہد نکالتی اور اپنی پیٹھ سے بچوں کے انڈے دیتی ہے، پھر اپنی چراگاہوں میں آسانی سے چلی جاتی ہے۔

قتادہ اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم نے ﴿ فَاسۡلُکِیۡ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ؕ ﴾ ''اور اپنے پروردگار کے صاف رستوں پر چلی جا'' کے بارے میں کہا کہ مطیع و فرمانبردار ہو کر چلی جا۔ انھوں نے ﴿ ذُلُلًا ؕ ﴾ کو ﴿ فَاسۡلُکِیۡ ﴾ کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے۔ اور ابن زید نے حسب ذیل آیت کریمہ تلاوت کی: ﴿ اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اَنَّا خَلَقۡنَا لَہُمۡ مِّمَّا عَمِلَتۡ اَیۡدِیۡنَاۤ اَنۡعَامًا فَہُمۡ لَہَا مٰلِکُوۡنَ ۝ وَ ذَلَّلۡنٰہَا لَہُمۡ فَمِنۡہَا رَکُوۡبُہُمۡ وَ مِنۡہَا یَاۡکُلُوۡنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:71,72) ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا جو چیزیں

ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں، ان میں سے ہم نے ان کے لیے چوپائے پیدا کر دیے اور یہ ان کے مالک ہیں؟ اور ہم نے ان کو ان کے مطیع وفرمانبردار کر دیا تو کوئی تو ان میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں۔'' اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ لوگ شہد کی مکھیوں کو ان کے گھروں سمیت ایک شہر سے دوسرے شہر میں لے جاتے ہیں اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے لیکن پہلا قول زیادہ نمایاں ہے کہ ﴿ ذُلُلًا ﴾ ﴿ سُبُلَ ﴾ سے حال ہے، یعنی اس رستے پر چلی جا جسے تیرے لیے مسخر کر دیا گیا ہے۔ مجاہد سے بھی صراحت کے ساتھ یہی قول منقول ہے۔ امام ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ دونوں قول ہی صحیح ہیں۔ [1]

شہد اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ ''ان کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔'' کھانے کی چیزوں کے مختلف رنگ ہونے کی وجہ سے شہد کے بھی سفید، زرد اور سرخ وغیرہ مختلف خوبصورت رنگ ہوتے ہیں۔ اور فرمایا: ﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ ''اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔'' شہد میں لوگوں کو پیش آنے والی کئی بیماریوں کی شفا ہے۔ طب نبوی ﷺ کے موضوع پر لکھنے والے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اگر یہاں یہ کہا جاتا کہ [فِيهِ الشِّفَاءُ لِلنَّاسِ] ''اس میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی شفا ہے۔'' تو یہ ہر بیماری کی دوا ہوتا لیکن اس کے بجائے یہاں یہ فرمایا ہے کہ ﴿ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی یہ تمام ٹھنڈی بیماریوں کے لیے موزوں ہے کیونکہ یہ گرم ہے اور کسی شے کا علاج اس کی ضد سے کیا جاتا ہے۔

شہد کے ذریعے سے علاج معالجہ: امام بخاری اور مسلم نے صحیحین میں بروایت قتادہ، ابو متوکل علی بن داود ناجی سے اور انھوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میرے بھائی کو اسہال (دست، پیچش) ہو گیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: [اِسْقِهِ عَسَلًا] ''اسے شہد پلاؤ۔'' اس نے اسے شہد پلا دیا، پھر واپس آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں نے اسے شہد پلایا مگر اس سے اسہال میں اور اضافہ ہو گیا ہے، آپ ﷺ نے اس سے تین مرتبہ یہ فرمایا، پھر چوتھی دفعہ آیا تو عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اسے شہد پلایا مگر اس کا اسہال بڑھتا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [صَدَقَ اللّٰهُ وَكَذَبَ بَطْنُ أَخِيكَ، اِسْقِهِ عَسَلًا] ''اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے اور تمھارے بھائی کے پیٹ نے جھوٹ بولا ہے۔ جاؤ! اسے شہد پلاؤ'' اس نے اسے شہد پلایا اور اس سے وہ صحیح ہو گیا۔ [2]

صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو میٹھی چیز اور شہد پسند تھا۔ [3] یہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔ اور صحیح بخاری ہی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [اَلشِّفَاءُ فِي ثَلَاثَةٍ: فِي

---

[1] تفسیر الطبری: 184/14. [2] صحیح البخاری، الطب، باب الدواء بالعسل ......، حدیث: 5684 وصحیح مسلم، السلام، باب التداوی بسقی العسل، حدیث: 2217. [3] صحیح البخاری، الأشربة، باب شراب الحلواء والعسل، حدیث: 5614 وصحیح مسلم، الطلاق، باب وجوب الكفارة......، حدیث: (21)-1474.

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ

اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا، پھر وہی تمھیں وفات دیتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی ناکارہ عمر تک پہنچا دیا جاتا ہے، تاکہ وہ علم کے بعد کچھ نہ جانے،

عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿70﴾

بے شک اللہ خوب جاننے والا، خوب قدرت والا ہے ﴿70﴾

شَرْطَةِ مِحْجَمٍ، أَوْ شَرْبَةِ عَسَلٍ، أَوْ كَيَّةٍ بِنَارٍ، وَّأَنْهٰى أُمَّتِي عَنِ الْكَيِّ] ''شفا تین چیزوں میں ہے: (1) سینگی کے نشتر میں۔ (2) یا شہد کے گھونٹ میں۔ (3) یا آگ سے داغ دینے میں۔ اور میں اپنی امت کو داغ دینے سے منع کرتا ہوں۔''[1]

اور فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿69﴾ ﴾ ''بے شک سوچنے والوں کے لیے اس میں بھی نشانی ہے۔'' یعنی اس بات میں کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی ان کمزور سی مکھیوں کو الہام فرمایا کہ وہ ان صاف رستوں پر چلیں، تمام پھلوں کو کھائیں اور ان سے موم اور شہد جمع کریں جو ایک بے حد پاکیزہ چیز ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے نشانی ہے جو شہد کی مکھیوں کے پیدا کرنے والے، ان کے لیے اندازے مقرر فرمانے والے، ان کے لیے مسخر کرنے والے اور ان کے لیے آسانی پیدا کر دینے والے کی عظمت کے بارے میں سوچتے ہیں اور اس سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ وہی فاعل، قادر، حکیم، علیم، کریم اور رحیم ہے۔

تفسیر آیت: 70

انسان بھی مقام عبرت ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں اپنے تصرف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہی انھیں عدم سے وجود بخشتا ہے، پھر وہی انھیں فوت کرتا ہے اور بعض کو لمبی عمر عطا فرماتا ہے کہ وہ انتہائی بوڑھے اور بے حد کمزور ہو جاتے ہیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ○ ﴾ (الروم 54:30) ''اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو (ابتدا میں) کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر کمزوری کے بعد طاقت عنایت کی، پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ صاحب دانش، صاحب قدرت ہے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ ﴾ ''تاکہ (بہت کچھ) جاننے کے بعد کچھ نہ جانے۔'' یعنی پہلے جانتے ہوتے ہیں، پھر بڑھاپے کے باعث سب کچھ بھول جاتے ہیں اور کچھ نہیں جانتے، امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کیا کرتے تھے: [أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَالْكَسَلِ (وَالْهَرَمِ)، وَأَرْذَلِ الْعُمُرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ، وَفِتْنَةِ الدَّجَّالِ وَفِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ] ''(اے اللہ!) میں بخل، سستی، بڑھاپے، بدترین عمر، عذاب قبر، دجال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔''[2]

[1] صحيح البخاري، الطب، باب الشفاء في ثلاث، حديث: 5681. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى ...... ﴾ (النحل 70:16)، حديث: 4707 اور قوسین والا لفظ صحیح بخاری ہی کی حدیث: 2823 میں ہے۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ

اور اللہ نے رزق میں تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی، پھر جن لوگوں کو فضیلت دی گئی وہ اپنا رزق ان لوگوں کی طرف نہیں

رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾

لوٹانے والے جن کے دائیں ہاتھ مالک بنے ہیں کہ وہ اس (رزق) میں برابر ہوں۔ کیا پھر وہ اللہ کی نعمتوں ہی کے منکر ہیں؟﴿71﴾

زہیر بن ابوسُلمیٰ نے اپنے مشہور معلقہ میں کہا ہے ۔

سَئِمْتُ تَكَالِيفَ الْحَيَاةِ وَمَنْ يَّعِش ثَمَانِينَ عَامًا لَّا أَبًا لَّكَ يَسْأَم

''میں زندگی کی تکلیفوں سے اکتا گیا ہوں اور جو بھی (میری طرح) اسی 80 سال زندہ رہے گا، تیرا باپ نہ رہے، وہ لازماً اکتا ہی جاتا ہے۔''

رَأَيْتُ الْمَنَايَا خَبْطَ عَشْوَاءَ مَنْ تُصِبْ تُمِتْهُ وَمَنْ تُخْطِئْ يُعَمَّرْ فَيَهْرَمِ

''میں موت کو اندھی اونٹنی کی طرح دیکھتا ہوں کہ جس کو وہ پالے اسے مار دیتی ہے اور جس سے وہ چوک جائے اس کی عمر بڑھا دی جاتی ہے اور وہ نہایت بوڑھا ہو جاتا ہے۔''[1]

تفسیر آیت: 71

امور معیشت نشانی اور نعمت ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مشرکین پر ان کے اس جہل و کفر کو خوب واضح کر دیا جو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنا دیتے تھے، حالانکہ وہ اس بات کا بھی اعتراف کرتے تھے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں جیسا کہ حج کے تلبیے میں وہ کہا کرتے تھے: لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ...... لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَلَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ''میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرے لیے ہو، تو اس کا مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ہم نے تمھیں جو رزق دیا ہے، اس میں تمھارے غلام بھی تمھارے ساتھ شریک ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو کیسے پسند فرمائے گا کہ الٰہیت اور تعظیم میں اس کے بندے اس کے شریک بن جائیں؟ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ (الروم 28:30) ''اس نے تمھارے لیے تمھی میں سے ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ بھلا جن (لونڈیوں یا غلاموں) کے تمھارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے ہیں وہ اس (مال) میں جو ہم نے تم کو عطا فرمایا ہے تمھارے شریک ہیں؟ تو (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر (مالک سمجھتے) ہو؟ (اور کیا) تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح اپنے (ہمسر) لوگوں سے؟''

[1] شرح القصائد التسع المشهورات، قصيدة زهير: 353,352/1. [2] صحيح مسلم، الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، حديث: 1185 عن ابن عباس ﷺ.

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً

اور اللہ نے تمھارے لیے تمھی میں سے بیویاں بنائیں اوراسی نے تمھارے لیے تمھاری بیویوں سے بیٹے اور پوتیاں پوتے بنائے

وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿72﴾

اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا۔ کیا پھر بھی وہ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟ ﴿72﴾

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے غلاموں کو تو اپنے مالوں اور اپنی عورتوں میں شریک نہیں بناتے تو میرے غلاموں کو میری سلطنت میں کیوں شریک بناتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾ ﴾ ''تو کیا یہ لوگ نعمت الٰہی کے منکر ہیں؟''[1] اور آپ سے دوسری روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم میرے لیے اس چیز کو کس طرح پسند کرتے ہو جسے تم اپنے لیے پسند نہیں کرتے![2]

اور ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿71﴾ ﴾ یعنی یہ اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں، کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں تو اس بنا پر انھوں نے اس کی نعمت کا انکار کر دیا اور اس کے ساتھ غیر کو شریک بنایا۔ حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام یہ خط لکھا: دنیا میں اپنے رزق پر قناعت کرو، اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو بعض پر رزق میں جو فضیلت دی ہے تو یہ بھی اس کی طرف سے آزمائش ہے جس کے ساتھ وہ ہر ایک کو آزماتا ہے جسے وہ رزق کی فراوانی عطا فرماتا ہے تو اس کے لیے آزمائش یہ ہے کہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس رزق سے نوازا ہے، اس کے حق کو وہ ادا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب قرار دیا ہے![3] اس کو ابن ابوحاتم نے روایت کیا ہے۔

تفسیر آیت :72

بیویاں، بیٹے اور پوتے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہا ہے کہ اس نے ان کے لیے انھی میں سے ان کی جنس اور شکل کی بیویاں پیدا فرمائیں اگر بیویاں کسی اور جنس سے ہوتیں تو پھر الفت، محبت اور مہربانی حاصل نہیں ہوسکتی تھی، اس لیے اس نے اپنی رحمت کے ساتھ بنی آدم میں سے مرد اور عورتیں پیدا فرما دیں، عورتوں کو مردوں کی بیویاں بنا دیا اور بیویوں سے اس نے بیٹے اور پوتے پیدا فرما دیے۔ حَفَدَة کے معنی پوتے کے ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، حسن، ضحاک اور ابن زید کا قول ہے۔[4] شعبہ نے ابوبشر سے، انھوں نے سعید بن جبیر سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: ﴿ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ﴾ کے معنی اولاد اور اولاد کی اولاد کے ہیں۔[5] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان الفاظ کے معنی خادموں اور مددگاروں کے ہیں۔[6] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے معنی دو بہنوں کے ہیں۔[7] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے معنی

① تفسیر الطبری: 187/14. ② تفسیر الطبری: 187/14. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2291/7. ④ تفسیر الطبری: 190-192/14. ⑤ تفسیر الطبری: 192/14. ⑥ تفسیر الطبری: 191/14. ⑦ تفسیر الطبری: 188,189/14.

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا

اور وہ اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جنھیں آسمانوں اور زمین سے ان کے لیے کسی رزق کا کوئی اختیار نہیں اور نہ وہ (اس کی)

وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿73﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾

استطاعت ہی رکھتے ہیں ﴿73﴾ چنانچہ تم اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔ بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ﴿74﴾

سسرال کے ہیں۔[1] جس نے ﴿ وَحَفَدَةً ﴾ کو ازواج سے متعلق قرار دیا ہے تو پھر ضروری ہے کہ اس سے مراد اولاد، اولاد کی اولاد اور سسرال مراد ہوں کیونکہ وہ بیٹیوں کے شوہر ہیں یا بیوی کی اولاد ہیں۔

اور فرمان ہے: ﴿ وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ﴾ ''اور (کھانے کو) تمھیں پاکیزہ چیزیں دیں۔'' یعنی کھانے پینے کی تمھیں بہت عمدہ چیزیں دیں، پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا جنھوں نے اس مُنعِم حقیقی کی عبادت میں غیروں کو اس کا شریک بنایا: ﴿ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''تو کیا یہ بے اصل چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں؟'' باطل اور بے اصل چیزوں سے مراد مشرکین کے انداد واصنام ہیں۔ ﴿ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿72﴾ ﴾ ''اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں؟'' اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو چھپاتے اور غیر اللہ کی طرف ان کی نسبت کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت اپنے بندے کو اپنی نعمتیں یاد دلاتے ہوئے فرمائے گا: [أَلَمْ أُكْرِمْكَ....... وَأُزَوِّجْكَ وَأُسَخِّرْلَكَ الْخَيْلَ، وَالْإِبِلَ وَأَذَرْكَ تَرْأَسُ وَتَرْبَعُ؟] ''کیا میں نے تیری عزت افزائی نہیں کی تھی؟...... اور کیا میں نے تجھے بیوی نہیں دی تھی؟ اور کیا میں نے اونٹ اور گھوڑوں کو تیرے مطیع وفرمانبردار نہیں کر دیا تھا؟ اور کیا میں نے تجھے ایسے نہیں چھوڑا تھا کہ تو سرداری کرتا اور حسب خواہش تصرف کرتا تھا؟''[2]

تفسیر آیات: 74,73

غیر اللہ کی عبادت سے انکار: اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی عبادت کرنے والے مشرکوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ نعمتوں سے سرفراز فرمانے والا، فضل وکرم سے نوازنے والا، پیدا فرمانے والا اور رزق دینے والا تو وحدہ لاشریک ہے مگر اس کے باوجود مشرکین اسے چھوڑ کر بتوں اور اصنام وانداد کی پرستش کرتے ہیں۔ ﴿ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا ﴾ ''جو ان کو آسمانوں اور زمین میں روزی (دینے) کا ذرا سا اختیار نہیں رکھتے۔'' انھیں نہ بارش نازل کرنے کی قدرت ہے اور نہ فصلوں اور درختوں کے اگانے کی بلکہ اپنے لیے بھی انھیں کسی چیز کا اختیار نہیں ہے، اپنی مرضی اور ارادے کے مطابق وہ کوئی چیز نہیں بنا سکتے، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ ﴾ ''تو (لوگو) اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ۔'' یعنی اس کے شریک، اشباہ اور ہم مثل نہ بناؤ۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿74﴾ ﴾ ''بے شک اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں

---

[1] تفسیر الطبری: 189/14. [2] صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب: [الدنیا سجن للمؤمن وجنة للکافر]، حدیث: 2968.

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا

اللہ نے مثال بیان کی ایک غلام مملوک کی جو کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اور (دوسرا) وہ جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھا رزق دیا،

حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

چنانچہ وہ اس میں سے خفیہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے۔کیا وہ دونوں برابر ہیں؟ تمام حمد اللہ ہی کے لیے ہے، بلکہ ان کے اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾

(یہ حقیقت بھی) نہیں جانتے ﴿75﴾

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى

اور اللہ نے دو شخصوں کی (ایک اور) مثال بیان کی، ان میں سے ایک گونگا (اور بہرا) ہے، وہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، جبکہ وہ اپنے آقا پر

مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ

ایک بوجھ ہے، جہاں کہیں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی خیر وبھلائی نہیں لاتا۔ اور کیا وہ اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو عدل کا حکم دیتا ہے اور

عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿76﴾ ع

وہ صراط مستقیم پر ہے؟ ﴿76﴾

10 ع 6 16

جانتے۔‘‘اور خبردار کرتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر اپنی جہالت کی وجہ سے تم اس کے ساتھ شرک کرتے ہو۔

تفسیر آیت: 75

مومن اور کافر یا بت اور حق کی مثال: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ کافر و مومن کی مثال بیان فرمائی ہے، امام قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[1] امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] وہ غلام جو بالکل دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا، یہ کافر کی مثال ہے اور وہ شخص جس کو بہت سا رزق حسن دیا گیا ہو اور وہ اس سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا رہتا ہو تو وہ مومن ہے۔ ابن ابو نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ یہ بت کے لیے اور حق تعالیٰ کے لیے مثال بیان کی گئی ہے کہ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں۔[3] دونوں میں فرق جب ظاہر، واضح اور حد درجہ نمایاں ہے تو کوئی غبی اور کند ذہن ہی اس سے ناواقف رہ سکتا ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾﴾ ’’تمام تعریف اللہ کے لیے ہے لیکن ان میں سے اکثر لوگ سمجھ نہیں رکھتے۔‘‘

تفسیر آیت: 76

ایک اور مثال: مجاہد کہتے ہیں کہ اس مثال سے بھی مراد بت اور حق تعالیٰ ہیں۔[4] یعنی بت گونگا ہے، وہ نہ گفتگو کرتا ہے، نہ خیر کی کوئی بات کرتا ہے نہ کوئی اور بات اور کسی بھی چیز کی قطعاً کوئی قدرت نہیں رکھتا، الغرض! نہ کوئی بات کر سکتا ہے اور نہ کوئی کام، پھر وہ اپنے آقا کے لیے سراسر بوجھ اور کلفت ہے۔ ﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ﴾ ’’وہ جہاں اسے بھیجتا ہے، بھلائی

[1] تفسیر الطبری: 196/14. [2] تفسیر الطبری: 198/14. [3] تفسیر الطبری: 197/14. [4] تفسیر الطبری: 197/14.

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ

اور اللہ ہی کے پاس آسمانوں اور زمین کا غیب ہے، اور قیامت کا معاملہ تو بس آنکھ جھپکنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی قریب تر،

اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿77﴾ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ

بے شک اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ﴿77﴾ اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے اس حال میں نکالا کہ تم کچھ علم نہیں رکھتے

وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ

تھے، اور اسی نے تمھارے کان، آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم شکر کرو ﴿78﴾ کیا انھوں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا، وہ آسمانی فضا

مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ

میں مسخر (تابع فرمان) ہیں۔ اللہ کے سوا، انھیں (فضا میں) کوئی نہیں تھام رہا۔ بے شک اس میں ان لوگوں کے لیے البتہ نشانیاں ہیں

يُّؤْمِنُوْنَ ﴿79﴾

جو ایمان لاتے ہیں ﴿79﴾

نہیں لاتا۔'' اور کبھی اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوتا۔ ﴿ هَلْ يَسْتَوِيْ ﴾ ''کیا وہ برابر ہے؟'' جس کی یہ صفات ہوں؟ ﴿ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ ﴾ ''اور جو (لوگوں کو) انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے؟'' یعنی اس کا قول بھی حق ہے اور اس کا فعل بھی درست ہے۔ ﴿ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿76﴾ ﴾ ''اور خود سیدھے رستے پر ہے؟'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ پہلی مثال کی طرح یہ بھی کافر اور مومن کی مثال ہے جیسا کہ قبل ازیں بیان کی جانے والی بھی کافر اور مومن کی مثال ہے۔[1]

تفسیر آیات:77-79

غیب اور قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے: اللہ تعالیٰ نے اشیاء کے بارے میں اپنے کمال علم وقدرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور علم غیب اسی کا خاصہ ہے، اس کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں مگر یہ کہ وہ کسی کو کسی چیز کے بارے میں مطلع فرما دے، اس کی قدرت کاملہ کی کرشمہ سازی یہ ہے کہ وہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ ○ ﴾ (القمر 54:50) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔''

یعنی وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے، وہ آنکھ جھپکنے میں ہو جاتی ہے، اسی طرح یہاں بھی فرمایا: ﴿ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿77﴾ ﴾ ''اور (اللہ کے نزدیک) قیامت کا معاملہ یوں ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ (اس سے بھی) قریب تر، کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ ﴾ (لقمٰن 31:28) ''(اللہ کو) تمھارا پیدا کرنا اور (دوبارہ) اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے۔''

[1] تفسیر الطبری: 14/196 و 198.

کان، آنکھیں اور دل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں: پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انھیں جب ان کی ماؤں کے پیٹ سے نکالا تو وہ کچھ نہیں جانتے تھے، پھر اس نے انھیں کان عطا فرمائے جس سے وہ آوازوں کو سنتے ہیں، آنکھیں عطا فرمائیں جن سے وہ مرئی اشیاء کو دیکھتے ہیں اور دل عطا فرمائے۔ ﴿وَالْاَفْـِٕدَةَ﴾ کے معنی عقول کے ہیں جن کا مرکز صحیح قول کے مطابق انسان کا دل ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ عقل کا مرکز دماغ ہے، عقل ہی سے انسان نقصان دہ اور نفع بخش اشیاء میں تمیز کرتا ہے۔ یہ قوتیں اور حواس انسان کو تھوڑا تھوڑا کر کے تدریجاً حاصل ہوتے ہیں، جیسے جیسے انسان کی عمر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس کی قوتِ سماعت و بصارت اور عقل بڑھتی جاتی ہے حتی کہ وہ اپنی بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ قوتیں اور حواس اس لیے عطا فرمائے ہیں تاکہ اس کے لیے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے کی قوت حاصل ہو جائے اور وہ اپنے ہر عضو اور ہر قوت سے اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت و بندگی میں کام لے سکے۔

صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ: مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا زَالَ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أُحِبَّهُ فَكُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ]

''بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی دوست سے دشمنی کی تو میں نے اس کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا اور میرا بندہ جن چیزوں کے ساتھ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں میری فرض کردہ چیزوں سے زیادہ محبوب مجھے اور کوئی چیز نہیں ہے اور بندہ نوافل ادا کر کے میرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں (اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں) تو میں اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، میں اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور میں اس کا وہ ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، میں اس کا وہ پاؤں ہوتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دوں گا اگر مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا اور میں جن چیزوں کو کر گزرتا ہوں، ان میں سے کسی چیز کے بارے میں کبھی بھی مجھے ایسا تردد نہیں ہوا جس طرح کا تردد مومن بندے کی روح (قبض کرنے) کے وقت ہوتا ہے کہ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور مجھے یہ ناپسند ہے کہ میں اسے تکلیف دوں۔''[1]

اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بندہ جب اخلاص کے ساتھ اپنے رب تعالیٰ کی اطاعت بجالائے تو اس کے سارے افعال اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہو جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ ہی کے لیے سنتا ہے، اللہ تعالیٰ ہی کے لیے دیکھتا ہے، یعنی اس چیز کی طرف دیکھتا ہے جس کی طرف دیکھنے کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کے لیے پکڑتا ہے اور اسی کے لیے چلتا ہے اور

[1] صحیح البخاري، الرقاق، باب التواضع، حديث:6502.

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا

اور اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھر جائے سکونت بنائے اور تمھارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) بنائے جنھیں تم ہلکا سمجھتے ہو

تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ

اپنے کوچ کے دن اور اپنے قیام کے دن اور ان (بھیڑوں) کی اون سے اور ان (اونٹوں) کی پشم سے اور ان (بکریوں) کے بالوں سے (گھریلو)

اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿80﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

اثاثے اور ایک مدت تک برتنے کی چیزیں (بنائیں) ﴿80﴾ اور اللہ نے اپنی تخلیق کردہ چیزوں سے تمھارے لیے سائے بنائے، اور تمھارے لیے

الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ

پہاڑوں میں چھپنے کے مقام (غار) بنائے، اور تمھارے لیے کُرتے بنائے جو تمھیں گرمی سے بچاتے ہیں اور کُرتے (زرہ بکتر) جو تمھاری لڑائی میں

يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿81﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿82﴾

تمھیں بچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی نعمتیں تمام کرتا ہے، تاکہ تم مطیع ہو جاؤ ﴿81﴾ پھر اگر وہ پھریں تو آپ کے ذمے تو صرف صاف صاف پہنچا

11 ع 7 17

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿83﴾ ع

دینا ہے ﴿82﴾ وہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں ﴿83﴾

ان تمام امور کے بجالانے کے لیے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد طلب کرتا ہے۔ صحیح بخاری کے سوا بعض دیگر کتب کی روایت میں اس عبارت: ''میں اس کا پاؤں......'' کے بعد یہ الفاظ بھی آئے ہیں: [فَبِيَ يَسْمَعُ، وَبِيَ يُبْصِرُ، وَبِيَ يَبْطِشُ، وَبِيَ يَمْشِي] ''وہ میرے ساتھ ہی سنتا، میرے ساتھ ہی دیکھتا، میرے ساتھ ہی پکڑتا اور میرے ساتھ ہی چلتا ہے۔''① اسی لیے فرمایا: ﴿ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿78﴾ ﴾ ''اور اس نے تم کو کان اور آنکھیں اور دل (یہ اعضاء) بخشے تاکہ تم شکر کرو۔'' جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ قُلْ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ ﴾ (الملك 67:22,23) ''کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم کم احسان مانتے ہو، کہہ دیجیے: وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا اور اسی کے روبرو تم جمع کیے جاؤ گے۔''

فضا میں پرندوں کی تسخیر بھی نشانی ہے: پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی توجہ آسمان کی ہوا میں مسخر پرندوں کی طرف مبذول کروائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھو! پرندے آسمان و زمین کے درمیان کس طرح دو پروں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ فضا میں اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت کے ساتھ انھیں تھامے رکھتا ہے، اس نے ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا ہے کہ وہ انھیں اٹھا لیتی ہے اور پرندے اڑنا شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ ملک میں فرمایا ہے: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ

① فتح الباري: 344/11، تحت الحديث: 6502,6501 ونوادر الأصول، الأصل الخامس والسبعون في أن غرس الله......، ص: 115 سند کے بغیر۔

صٰٓفّٰتٍ وَّيَقْبِضْنَ ؕۘ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ؕ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ۝﴾ (الملک 67:19) ''کیا انھوں نے اپنے اوپر (اڑتے) پرندوں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلائے رہتے ہیں اور ان کو سکیڑ بھی لیتے ہیں، اللہ کے سوا انھیں کوئی تھام نہیں سکتا، بے شک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝۷۹ ﴾ ''ایمان والوں کے لیے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔''

تفسیر آیات:80-83

گھر، کپڑے اور دیگر اسباب اللہ کی نعمتیں ہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے، اس نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے ان کے لیے گھر بنائے ہیں جن میں وہ سکونت اختیار کرتے، ٹھکانا پکڑتے، چھپ جاتے اور ہر طرح کے دیگر فوائد حاصل کرتے ہیں، اس نے ان کے لیے چوپایوں کی کھالوں کے بھی گھر بنا دیے ہیں جن کے ہلکا ہونے کی وجہ سے وہ انھیں سفر میں کام میں لاتے ہیں اور سفر و حضر میں ان سے بنے ہوئے خیموں کو نصب کر لیتے ہیں۔ ﴿ تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا ﴾ ''جن کو تم ہلکا پا کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اون۔'' یعنی بھیڑوں کی۔ ﴿ وَاَوْبَارِهَا ﴾ ''اور ان کی پشم'' یعنی اونٹوں کی ﴿ وَاَشْعَارِهَآ ﴾ ''اور ان کے بالوں سے'' یعنی بکریوں کے۔ ھا ضمیر کا مرجع انعام ہے۔ ﴿ اَثَاثًا ﴾ ''اسباب'' یعنی ان سے تم اَثاثہ بناتے ہو، اس سے مراد مال ہے۔[1] دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد ساز و سامان۔[2] اور تیسرے قول کے مطابق اس سے مراد کپڑے ہیں۔[3] لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ لفظ ان سب کی نسبت عام ہے کہ اس سے مراد بچھونے اور کپڑے وغیرہ بھی ہیں اور مال تجارت بھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اثاث کے معنی سامان کے ہیں۔[4] مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، عطیہ عوفی، عطاء خراسانی، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] ﴿ اِلٰى حِيْنٍ۝۸۰ ﴾ ''ایک مدت تک'' یعنی مدت مقررہ اور وقت معلوم تک تم ان سے فائدے اٹھاتے اور انھیں اپنے کام میں لاتے ہو۔

سائے، پہاڑ اور قمیصیں بھی اللہ کی نعمتیں ہیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا ﴾ ''اور اللہ ہی نے تمھارے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے سائے بنائے۔'' قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد درخت ہیں۔[6] ﴿ وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا ﴾ ''اور اسی نے تمھارے لیے پہاڑوں میں غار بنائے۔'' قلعے اور سرنگیں بنائیں۔ ﴿ وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ ﴾ ''اور اسی نے تمھارے لیے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں۔'' یعنی روئی، کتان اور اون سے بنے ہوئے کپڑے، ﴿ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ ﴾ ''اور قمیصیں جو تم کو جنگ سے محفوظ رکھتی ہیں۔'' جیسے چپٹے لوہے کی زرہیں اور خودیں وغیرہ۔ ﴿ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ ﴾ ''اسی طرح اللہ اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے۔'' یعنی اسی طرح

---

① تفسیر الطبری: 202/14. ② تفسیر الطبری: 202/14. ③ تفسیر الطبری: 202/14. ④ تفسیر الطبری: 202/14. ⑤ تفسیر الطبری: 202/14 و 148,147/16. ⑥ تفسیر الطبری: 203/14.

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿84﴾

اور (یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، پھر جنھوں نے کفر کیا، انھیں اجازت نہیں دی جائے گی اور نہ ان سے توبہ ہی کا

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿85﴾ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ

مطالبہ کیا جائے گا ﴿84﴾ اور جن لوگوں نے ظلم کیا جب وہ عذاب دیکھ لیں گے تو نہ ان سے (عذاب میں) تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے

أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا

گی ﴿85﴾ اور جن لوگوں نے شرک کیا جب وہ اپنے (خودساختہ) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے: اے ہمارے رب! یہی ہمارے شریک ہیں جنھیں ہم

إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿86﴾ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ ۖ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا

تیرے سوا پکارتے تھے۔ تب وہ (شریک) ان کی بات ان کی طرف پھینک ماریں گے (اور کہیں گے:) بلاشبہ تم تو یقیناً جھوٹے ہو ﴿86﴾ اور اس دن وہ اللہ

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿87﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ

کے حضور میں اپنی فرماں برداری (عاجزی) پیش کریں گے، اور ان سے وہ سب کچھ گم ہو جائے گا جو وہ جھوٹ گھڑتے تھے ﴿87﴾ جنھوں نے کفر کیا اور

الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿88﴾

(لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا، ہم انھیں عذاب پر عذاب زیادہ دیں گے، اس لیے کہ وہ فساد کرتے تھے ﴿88﴾

تمھارے لیے ایسی چیزیں بناتا ہے جنھیں تم اپنے کام میں لاتے ہو جن کی تمھیں ضرورت ہوتی ہے اور جو اس کی طاعت اور عبادت کے سلسلے میں تمھارے لیے مددگار ثابت ہوتی ہیں۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿81﴾﴾ "تاکہ تم فرمانبردار بنو۔" جمہور نے اس کی یہی تفسیر بیان کی ہے۔ اور انھوں نے ﴿تُسْلِمُونَ ﴿81﴾﴾ کو اسلام (بابِ افعال) سے لام کے کسرے کے ساتھ پڑھا ہے۔

پیغمبر کا کام پیغام پہنچانا ہے: ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ "پھر اگر یہ لوگ اعراض کریں۔" اس بیان کے بعد اور اس احسان کے بعد تو پھر ان کی ذمے داری آپ پر نہیں، ﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿82﴾﴾ "تو (اے پیغمبر!) آپ پر فقط کھلا کھلا پہنچا دینا ہے۔" اور آپ نے اس فرض کو ادا کر دیا ہے۔ ﴿يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا﴾ "یہ اللہ کی نعمتوں سے واقف ہیں مگر (واقف ہو کر) ان سے انکار کرتے ہیں۔" یعنی یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان پر احسان و انعام فرمانے والا ہے اور اسی نے انھیں فضل و کرم سے نوازا ہے لیکن اس کے باوجود یہ اس کا انکار کرتے، اس کے ساتھ غیروں کی پوجا کرتے اور فتح و نصرت اور رزق کی نسبت غیروں کی طرف کرتے ہیں۔ ﴿وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿83﴾﴾ "اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔"

تفسیر آیات: 84-88

حشر کے دن مشرکین کا حال: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر قیامت کے دن مشرکین کے حال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس دن وہ ہر امت پر ایک گواہ کھڑا کرے گا اور وہ گواہ اس امت کا نبی ہوگا اور وہ نبی گواہی دے گا کہ جب انھوں نے اللہ کے پیغام کو پہنچایا تو امت نے انھیں کیا جواب دیا تھا؟ ﴿لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا﴾ "پھر کفار کو اجازت نہیں ملے گی" کہ وہ کوئی عذر پیش کریں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ جو بھی عذر پیش کریں گے وہ باطل اور جھوٹ ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿هَذَا يَوْمُ

﴿ لَا يَنْطِقُوْنَ ۝ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ ﴾ (المرسلٰت 36,35:77) ''یہ وہ دن ہے کہ وہ (لوگ) بول نہیں سکیں گے اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔''

اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴾ ''اور نہ ان سے توبہ کا مطالبہ ہی کیا جائے گا۔'' ﴿ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ ﴾ ''اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں گے۔'' یعنی وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا تھا، ﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ ﴾ ''تو پھر نہ تو ان سے (عذاب میں) تخفیف کی جائے گی۔'' ایک لحہ بھر کے لیے بھی ان سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائے گا۔ ﴿ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ ''اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی۔'' ان سے عذاب کو مؤخر نہیں کیا جائے گا بلکہ عذاب جلدی سے میدان حشر ہی سے بلا حساب انھیں اپنی گرفت میں لے لے گا۔ جہنم کو (جب میدان حشر میں) لایا جائے گا تو اسے ستر ہزار لگاموں کے ساتھ باندھ کر لایا جائے گا اور ہر لگام کو ستر ہزار فرشتوں نے تھام رکھا ہوگا۔[1] جہنم سے ایک گردن نکل کر مخلوق کو جھانکے گی اور وہ ایک ایسا گرم سانس لے گی کہ ہر شخص گھٹنوں کے بل گر جائے گا اور جہنم کہے گا کہ مجھے ہر جابر اور سرکش پر مسلط کر دیا گیا ہے جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی معبود بنا تا رہا ہے اور فلاں فلاں پر بھی مسلط کر دیا گیا ہے۔ جہنم مختلف قسم کے لوگوں کا ذکر کرے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، پھر جہنم ان لوگوں کو میدان حشر سے اس طرح اچک لے گا جس طرح پرندہ (دانے کو اچک لیتا ہے۔)[2]

جہنم کی ہولناکیاں: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ۝ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ۝ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:12-14) ''جس وقت وہ ان کو دور سے دیکھے گا تو (غضب ناک ہو رہا ہوگا اور یہ) اس کی سخت غیصلی آواز اور چیخنے چلانے کو سنیں گے اور جب یہ لوگ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں زنجیروں میں جکڑ کر ڈالے جائیں گے تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے، آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝ ﴾ (الکھف 18:53) ''اور مجرم لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی راستہ نہ پائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ ﴾ (الأنبيآء 21:39,40) ''اے کاش! کافر اس وقت کو جانیں جب وہ اپنے چہروں سے (دوزخ کی) آگ کو روک نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے، اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی بلکہ قیامت ان پر ناگہاں آ واقع ہوگی تو ان کے ہوش کھو دے گی، پھر نہ تو وہ اس کو ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔''

مشرکین کے معبودوں کا ان سے اظہار براءت: پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کے معبود اس وقت ان سے

---

[1] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها ......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حدیث:2842. [2] مسند أحمد: 110/6 وحلية الأولياء، ترجمة كعب الأحبار: 409/5.

براءت کا اظہار کر دیں گے جبکہ ان کی انھیں شدید ضرورت ہوگی۔ ﴿ وَ اِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ ﴾ ’’اور جب مشرک اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے۔‘‘ جن کی وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے ﴿ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ ’’کہیں گے: ہمارے پروردگار! یہ وہی ہمارے شریک ہیں جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے تو وہ (ان کی) بات ان کی طرف دے ماریں گے (اور کہیں گے کہ) یقیناً تم جھوٹے ہو۔‘‘ یعنی ان کے معبودان باطلہ ان سے کہیں گے کہ تم جھوٹے ہو ہم نے تمھیں اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ یَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا یَسْتَجِیْبُ لَهٗۤ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ ○ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِیْنَ ○ ﴾ (الأحقاف 46:5,6) ’’اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ○ كَلَّا ؕ سَیَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَیَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا ○ ﴾ (مریم 19:81,82) ’’اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے (موجب عزت و) مددگار ہوں، ہرگز نہیں وہ (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے مخالف (دشمن) ہوں گے۔‘‘ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: (جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیا ہے) ﴿ ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ ﴾ (العنکبوت 29:25) ’’پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کر دو گے۔‘‘ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقِیْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ ﴾ الآیة (القصص 28:64) ’’اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ۔ تو وہ ان کو پکاریں گے پس وہ ان کو جواب نہیں دیں گے۔‘‘ اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

روز قیامت سب اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار ہو جائیں گے: ارشاد باری ہے: ﴿ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ یَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ ﴾ ’’اور اس دن اللہ کے سامنے فرمانبرداری پیش کریں گے۔‘‘ قتادہ و عکرمہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس دن سب اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجز ہو کر فرمانبردار ہو جائیں گے۔[1] یعنی سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ اطاعت خم کر دیں گے اور ہر ایک سامع اور مطیع ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ ۙ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا ﴾ (مریم 19:38) ’’وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہوں گے!‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ رَبَّنَاۤ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا ﴾ (السجدة 32:12) ’’اور (تم تعجب کرو) جب دیکھو کہ مجرم اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ ؕ ﴾ (طٰہٰ 20:111) ’’اور اس ہمیشہ زندہ و قائم رہنے والے (اللہ) کے لیے سب چہرے جھک جائیں گے۔‘‘ یعنی ان کے چہرے جھک جائیں

[1] تفسیر الطبری: 14/209.

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى

اور (اے نبی! یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں ان پر انھی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے، اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ

هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى

لائیں گے۔ اور ہم نے آپ پر ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی یہ کتاب نازل کی ہے اور جو مسلمانوں کے لیے ہدایت اور

لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿89﴾ ع

رحمت اور خوشخبری ہے ﴿89﴾

گے، ذلیل ہو جائیں گے، عاجز و درماندہ ہو جائیں گے، رجوع کریں گے اور سر جھکا دیں گے۔

﴿ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿87﴾ ﴾ ”اور اس دن اللہ کے سامنے فرماں برداری پیش کریں گے اور وہ جو افترا باندھا کرتے تھے سب ان سے گم ہو جائے گا۔“ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ و افتراء باندھتے ہوئے جن کی یہ پوجا پاٹ کیا کرتے تھے، وہ سب ان سے ناپید اور ختم ہو جائیں گے اور ان کے لیے وہاں نہ کوئی معاون و مددگار ہوگا نہ کوئی انھیں عذابِ الٰہی سے بچا سکے گا۔

فسادی کافروں کے عذاب میں اضافہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿88﴾ ﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے، اس لیے کہ شرارت کیا کرتے تھے۔“ یعنی ایک عذاب تو ان کے کفر کی وجہ سے اور دوسرا عذاب لوگوں کو اتباعِ حق سے روکنے کی وجہ سے ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ ﴾ (الأنعام 6:26) ”وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی پرے رہتے ہیں۔“ یعنی اتباعِ حق سے لوگوں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دور رہتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ ﴾ (الأنعام 6:26) ”مگر (ان باتوں سے) اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (اس سے) بے خبر ہیں۔“ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ کفار کے عذاب میں فرق ہوگا جیسا کہ مومنوں کے بھی جنت میں مراتب اور درجات مختلف ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ ﴾ (الأعراف 7:38) ”اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا عذاب دیا جائے گا مگر تم نہیں جانتے۔“

تفسیر آیت:89

ہر نبی روز قیامت اپنی امت کے بارے میں گواہی دے گا: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد و رسول حضرت محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ”اور (اس دن کو یاد کریں) جس دن ہم ہر امت میں خود انھی میں سے گواہ کھڑے کریں گے اور ہم (اے پیغمبر!) آپ کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔“ یعنی آپ کی امت پر۔ اس دن اور اس کی ہولناکیوں کو یاد کریں اور اس بات کو بھی یاد کریں کہ اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو شرفِ عظیم اور مقامِ رفیع سے سرفراز فرمائے گا۔ یہ آیت سورۂ نساء کی اس آیت کے مشابہ ہے: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ

كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿ (النسآء 4:41) ''بھلا اس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کو بلائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے۔'' جیسے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک بار تلاوت کرتے ہوئے اسی آیت مبارکہ پر پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: [حَسْبُكَ الْآنَ] ''بس کافی ہے۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھیں اشکبار تھیں۔[1]

قرآن مجید میں ہر چیز کا بیان ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے اس حال میں کہ وہ ہر چیز کے لیے مفصل بیان ہے۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے لیے اس قرآن میں ہر علم اور ہر چیز کو بیان کر دیا گیا ہے۔[2] قرآن مجید میں ہر نافع علم موجود ہے اس میں ماضی کے واقعات ہیں، مستقبل کا علم ہے، حلال و حرام کے احکام بیان کیے گئے ہیں، نیز ہر اس چیز کو بیان کر دیا گیا جس کی لوگوں کو دین، دنیا، معیشت اور آخرت کے اعتبار سے ضرورت تھی۔ ﴿ وَّهُدًى ﴾ ''اور ہدایت ہے'' دلوں کے لیے ﴿ وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿89﴾ ﴾ ''اور مسلمانوں کے لیے رحمت اور بشارت۔'' امام اوزاعی فرماتے ہیں: ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''اور ہم نے آپ پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے اس حال میں کہ وہ ہر چیز کے لیے مفصل بیان ہے۔'' یعنی سنت کے ذریعے سے ہر چیز کے لیے مفصل بیان ہے۔[3]

آیت کریمہ کے اس حصے: ﴿ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ کو ﴿ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ﴾ کے ساتھ متصل ذکر کرنے کی مناسبت یہ ہے کہ جس ذات گرامی نے آپ پر اس کتاب کو نازل فرمایا ہے اور جس کی تبلیغ کو آپ پر فرض قرار دیا ہے، وہ اس کے بارے میں قیامت کے دن آپ سے پوچھے گا۔ ﴿ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (الأعراف 7:6) ''تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان سے بھی پرسش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی ضرور پوچھیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ (الحجر 15:92,93) ''سو آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ان سب سے ضرور پرسش کریں گے، ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ (المآئدة 5:109) ''(وہ دن یاد رکھنے کے لائق ہے) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا، پھر ان سے پوچھے گا کہ تمھیں کیا جواب ملا تھا۔ وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں تو ہی عالم الغیب ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ﴾ (القصص 28:85) ''اے پیغمبر! بے شک جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ آپ کو لوٹنے کی جگہ کی طرف پہنچانے والا ہے۔''

[1] صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب قول المقرئ للقارئ ......، حديث:5050 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل استماع القرآن ......، حديث:800. [2] تفسير الطبري:14/212. [3] الدر المنثور: 4/240.

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ

بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو (امداد) دینے کا حکم دیتا ہے اور وہ بے حیائی، برے کام اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔

وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾

وہ تمھیں وعظ کرتا ہے، تاکہ تم نصیحت پکڑو ﴿٩٠﴾

یعنی جس ذات گرامی نے آپ پر قرآن کی تبلیغ کو واجب قرار دیا ہے وہ آپ کو اس کی طرف لوٹا دے گا اور قیامت کے دن آپ سے آپ کے فرائض منصبیہ کے بارے میں پوچھے گا۔ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال میں سے یہ ایک قول ہے اور یہ ایک اچھا قول ہے۔

تفسیر آیت: 90

انصاف واحسان کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عدل کا حکم دیا ہے جس کے معنی انصاف اور موازنہ (برابری) کرنا ہے اور احسان کرنے کی طرف اللہ تعالیٰ نے دعوت دی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ○ ﴾ (النحل 126:16) ''اگر تم بدلہ لو تو برابر اس (تکلیف) کے جو تم ایذا دیے گئے ہو اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَجَزَآؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۖ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۚ ﴾ (الشوریٰ 40:42) ''اور برائی کا بدلہ تو اسی طرح کی برائی ہے مگر جو درگزر کرے اور (معاملے کو) درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَن تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ ۚ ﴾ (المآئدة 45:5) ''اور سب زخموں کا (اسی طرح) بدلہ ہے لیکن جو شخص بدلہ معاف کر دے، تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا۔'' علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن میں عدل کا حکم اور احسان کی ترغیب دی گئی ہے۔

صلہ رحمی کا حکم اور بے حیائی و برائی کی ممانعت: ﴿ وَإِيتَآئِ ذِي الْقُرْبَىٰ ﴾ ''اور رشتے داروں کو دینے کا (حکم دیتا ہے۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ نے تمھیں صلہ رحمی کا حکم دیا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ○ ﴾ (بنی إسرآءیل 26:17) ''اور رشتے داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی مت کرو فضول خرچی کرنا۔'' ﴿ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ ﴾ ''اور بے حیائی سے اور برے کاموں اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے۔'' فواحش سے مراد محرمات اور منکرات سے مراد بے حیائی کے وہ کام ہیں جو کسی کرنے والے سے ظاہر ہوں، اسی لیے دوسری جگہ فرمایا: ﴿ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ (الأعراف 33:7) ''کہہ دیجیے: میرے پروردگار نے تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ حرام کیا ہے۔'' اور بغی سے مراد لوگوں کے ساتھ دشمنی اور زیادتی کرنا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: [مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُلَهُ فِي الْآخِرَةِ مِثْلُ الْبَغْيِ وَقَطِيعَةِ الرَّحِمِ] ''سرکشی اور قطع رحمی سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں جو اس کے

لائق ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اس کی جلد سزا اور آخرت میں عذاب دے۔‘‘[1] ﴿ يَعِظُكُمْ ﴾ ’’تمھیں وعظ کرتا ہے۔‘‘ یعنی اس نے تمھیں جس کا حکم دیا وہ بھلائی ہے اور جس سے منع فرمایا وہ شر ہے۔ (اس سے مقصود تمھیں نصیحت کرنا ہے۔) ﴿ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ’’تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔‘‘ شعبی نے شُتَیر بن شَکَل سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ قرآن مجید میں سب سے جامع آیت سورۂ نحل کی یہ آیت ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾[2]

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا واقعہ: اس آیت کریمہ کے نزول کے بارے میں ایک حسن حدیث وارد ہے، جسے امام احمد نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے صحن میں جلوہ افروز تھے کہ آپ کے پاس سے عثمان بن مظعون گزرے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مسکرانے لگے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: [أَلَا تَجْلِسُ؟] ’’بیٹھو گے نہیں؟‘‘ اس نے کہا: ضرور، راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف منہ کرکے بیٹھ گئے اور آپ ان سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک آپ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کچھ دیر تک آسمان کی طرف دیکھتے رہے، پھر آپ نے نظر نیچے کرنا شروع کر دی حتی کہ زمین پر اپنی دائیں طرف نظر گاڑ دی، پھر آپ نے سر مبارک ہلانا شروع کیا گویا آپ بات کو سمجھنا چاہتے ہیں، ابن مظعون یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے جب ضرورت پوری ہوگئی اور آپ نے بات کو سمجھ لیا تو آپ نے پھر آسمان کی طرف نظر اٹھائی جیسے پہلی دفعہ اٹھائی تھی، آپ نے نظر کو مسلسل اٹھائے رکھا حتی کہ وہ (فرشتہ) بلندی میں چھپ گیا۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عثمان کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح بیٹھ گئے جس طرح پہلے بیٹھے ہوئے تھے عثمان نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) جب سے میں آپ کے ساتھ بیٹھا کرتا ہوں، آپ نے ایسا فعل کبھی نہیں کیا جو آج صبح آپ نے کیا! آپ نے فرمایا: [وَمَا رَأَيْتَنِي فَعَلْتُ؟] ’’تم نے مجھے کیا کرتے ہوئے دیکھا؟‘‘ عثمان نے جواب دیا: میں نے دیکھا کہ آپ نے نظر آسمان کی طرف اٹھائی، پھر اسے اپنی دائیں طرف مرکوز کر دیا، آپ ادھر متوجہ ہوگئے اور مجھے چھوڑ دیا، آپ سر مبارک کو ہلا رہے تھے گویا کوئی بات سمجھ رہے ہوں، آپ نے فرمایا: [وَفَطِنْتَ لِذٰلِكَ] ’’آپ اس بات کو سمجھ گئے تھے؟‘‘ عثمان نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: [أَتَانِي رَسُولُ اللّٰهِ آنِفًا، وَّأَنْتَ جَالِسٌ] ’’میرے پاس اس وقت اللہ تعالیٰ کا پیغامبر آیا تھا جب تم بیٹھے ہوئے تھے۔‘‘ اس نے کہا: اللہ کا پیغامبر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَعَمْ] ’’ہاں‘‘ عثمان رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس نے آپ سے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا: ’’اس نے مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ پہنچایا ہے۔‘‘ عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اسی لمحے میرے دل میں ایمان نے قرار پکڑ لیا اور مجھے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوگئی۔[3] اس حدیث کی سند جید، متصل اور حسن

---

[1] سنن أبي داود، الأدب، باب في النهي عن البغي، حديث: 4902 و جامع الترمذي، صفة القيامة و......، باب في عظم الوعيد ......، حديث: 2511 عن أبي بكرة ﷺ. [2] تفسير الطبري: 14/214. [3] مسند أحمد: 1/318.

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ

اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد کر لو اور قسمیں پکی کرنے کے بعد نہ توڑو جبکہ تم نے اللہ کو اپنا کفیل بنایا ہو۔

عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿91﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ

بے شک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ﴿91﴾ اور تم اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد

بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

تار تار ادھیڑ ڈالا، تم اپنی قسموں کو باہم فریب کا ذریعہ بناتے ہو کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے (مال وافر میں) بڑھ جائے۔

اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿92﴾

بے شک اللہ اس (عہد و پیماں) سے تمھیں آزماتا ہے۔ اور یوم قیامت وہ تم پر ضرور واضح کر دے گا جس میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿92﴾

ہے اور اس میں سماع متصل کی وضاحت ہے۔[1]

تفسیر آیات: 92,91

ایفائے عہد کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر عہد و پیمان کے پورا کرنے اور قسموں کی حفاظت کا حکم دیا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ ''اور قسموں کو پختہ کرنے کے بعد مت توڑو۔'' اس میں اور اس ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ﴾ (البقرۃ 2:224) ''اور تم اللہ کو اپنی قسموں کے لیے نشانہ نہ بناؤ۔'' میں کوئی تعارض نہیں ہے اور نہ اس آیت سے کوئی تعارض ہے: ﴿ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ﴾ (المآئدۃ 5:89) ''یہ تمھاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو چاہیے کہ) اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔'' یعنی انھیں کفارے کے بغیر نہ چھوڑو اور نہ اس حدیث کے ساتھ کوئی تعارض ہے جو صحیحین میں ہے اور جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنِّي وَاللّٰهِ! إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلٰى يَمِينٍ فَأَرٰى غَيْرَهَا خَيْرًا مِّنْهَا إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَّ تَحَلَّلْتُهَا] ''بے شک میں اللہ کی قسم! ان شاء اللہ جب بھی کوئی قسم کھاؤں گا اور جب اس کے خلاف اس سے بہتر بات دیکھوں گا تو بہتر بات کو اختیار کر لوں گا اور قسم کا کفارہ دے کر اس کو حلال کر لوں گا۔''[2] اور ایک روایت میں ہے: [وَ كَفَّرْتُ عَنْ يَّمِينِي] ''میں اپنی قسم کا کفارہ دوں گا۔''[3]

ان سب میں اور مذکورہ بالا آیت کریمہ: ﴿وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا﴾ میں کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ ان

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے الأدب المفرد: 482/2، حدیث: 893 کی تحقیق میں اور شیخ شعیب نے الموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 89/5، حدیث: 2919 میں اسے ضعیف الاسناد قرار دیا ہے۔ [2] صحيح البخاري، الذبائح والصيد، باب لحم الدجاج، حديث: 5518 وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا......، حديث: (9)-1649 عن أبي موسىٰ رضی اللہ عنہ۔ [3] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ......﴾ (المآئدة 5:89)، حديث: 6623 وصحيح مسلم، الأيمان، باب ندب من حلف يمينا......، حديث: (7)-1649.

سے مراد وہ قسمیں ہیں جو عہد و پیمان میں داخل ہوں، وہ قسمیں مراد نہیں ہیں جو کسی چیز کی ترغیب یا ممانعت کے بارے میں ہوں، اس لیے امام مجاہد نے فرمایا ہے: اس آیت میں اَیمان کا لفظ حلف کے معنی میں ہے اور اس سے مراد حلفِ جاہلیت ہے۔ ① اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا حِلْفَ فِي الْإِسْلَامِ، وَأَيُّمَا حِلْفٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، لَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا شِدَّةً] ''اسلام میں حلف نہیں ہے اور جس حلف کا تعلق دورِ جاہلیت سے ہو، اسلام اس کی سختی میں اور اضافہ کر دے گا۔'' ② اسی طرح اس حدیث کو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ ③ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کو اس طرح کے کسی حلف کی ضرورت نہیں ہے جس طرح لوگ زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتے تھے کیونکہ اسلام کے دامن سے وابستگی کے بعد اس طرح کے کسی حلف کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

رہی وہ حدیث جو صحیحین میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر میں مہاجرین وانصار کے درمیان میں باہمی اتحاد وتعاون کا معاہدہ کروایا تھا۔ ④ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نے ان میں مؤاخات قائم فرما دی تھی حتی کہ وہ ایک دوسرے کی وفات کی صورت میں وارث بھی قرار پاتے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ قرار دے دیا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

پختہ قسمیں توڑنے والوں کو ڈانٹ ڈپٹ: ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝۹۱﴾ ''اور جو کچھ تم کرتے ہو یقیناً اللہ اس کو جانتا ہے۔'' یہ پکی قسموں کو توڑنے والوں کے لیے سرزنش ہے۔ ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا﴾ ''اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے اپنا سوت مضبوط کاتنے کے بعد تار تار ادھیڑ ڈالا۔'' عبداللہ بن کثیر اور سدی نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں ایک احمق عورت تھی کہ وہ جب بھی سوت کاتتی تو بعد میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی تھی۔ ⑤ مجاہد، قتادہ اور ابن زید کا قول ہے کہ یہ اس شخص کی مثال ہے جو پختہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ ڈالے۔ ⑥ یہ قول زیادہ راجح اور زیادہ نمایاں ہے، خواہ مکہ میں کاتتے ہوئے سوت کو توڑ دینے والی کوئی عورت ہو یا نہ ہو۔

﴿اَنْكَاثًا﴾ ''ادھیڑنا۔'' احتمال ہے کہ یہ اسم مصدر ہو، یعنی اس نے اپنے کاتتے ہوئے سوت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ کان کی خبر سے بدل ہو، یعنی تم ٹکڑے ٹکڑے نہ بنو، أنکاث، نکث کی جمع ہے اور اس کا فاعل ناکث ہے، اسی لیے اس کے بعد فرمایا: ﴿تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ﴾ ''تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کا ذریعہ بناتے ہو۔'' یعنی مکر وفریب کا ذریعہ۔ ﴿اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ﴾ ''یہ کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ

---

① تفسير الطبري: 215/14 . ② مسند أحمد: 83/4 . ③ صحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبيﷺ ......، حديث: 2530 . ④ صحيح البخاري، الكفالة، باب قول الله عزوجل: [وَالَّذِينَ عَاقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ]، حديث: 2294 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب مؤاخاة النبيﷺ......، حديث: 2529 . ⑤ تفسير الطبري: 217/14 . ⑥ تفسير الطبري: 218,217/14 .

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور اگر اللہ چاہتا تو تمھیں ایک ہی امت بنا دیتا، اور لیکن وہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم سے ضرور اس کا سوال

وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿93﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ

ہوگا جو تم عمل کرتے تھے ﴿93﴾ اور تم اپنی قسموں کو باہم فریب دینے کا ذریعہ نہ بناؤ کہ (اسلام پر کسی کا) قدم جمنے کے بعد ڈگمگا جائے، اور تم (دنیا میں)

بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿94﴾

اس کی سزا چکھو کہ تم نے (اسے) اللہ کی راہ سے روکا، اور (آخرت میں) تمھارے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا ﴿94﴾ اور اللہ کے عہد کے بدلے میں

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تھوڑی قیمت (دنیوی فائدے) نہ خریدو، بے شک جو اللہ کے ہاں (اجر) ہے وہی بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو ﴿95﴾ جو کچھ تمھارے پاس ہے وہ فنا

تَعْلَمُوْنَ ﴿95﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ؕ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا

ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ (ہمیشہ) باقی رہنے والا ہے۔ اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور انھیں ان کا اجر و ثواب ان بہترین

اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾

اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے ﴿96﴾

بڑھنے والا (غالب) ہو۔'' یعنی تم لوگوں کے سامنے قسمیں کھاتے ہو جب ان کی تعداد تم سے زیادہ ہوتا کہ وہ تم سے مطمئن ہو جائیں لیکن جب تمھارے لیے ممکن ہو تو تم عہد شکنی سے دریغ نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا تاکہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف تنبیہ کی جائے، یعنی جب کمزوری کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے غداری اور عہد شکنی سے منع فرمادیا تو غلبہ وطاقت کے وقت تو یہ بالاولیٰ منع ہوگا۔

مجاہد کہتے ہیں کہ وہ اپنے حلیفوں کے ساتھ پیمان وفا باندھا کرتے تھے مگر جب وہ یہ دیکھتے کہ اپنے حلیفوں کی نسبت ان کی تعداد زیادہ ہے اور یہ ان سے معزز بھی زیادہ ہیں تو وہ ان سے عہد و پیمان توڑ کر ایسے لوگوں کے حلیف بن جاتے جو تعداد اور عزت وسربلندی میں ان سے زیادہ بڑھے ہوتے تھے تو ایسا کرنے سے انھیں منع کر دیا گیا۔ ضحاک، قتادہ اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[1] ﴿ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ ﴾ ''بلاشبہ اللہ تمھیں اس سے آزماتا ہے۔'' سعید بن جبیر کا قول ہے، یعنی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمھاری آزمائش کرتا ہے۔[2] اسے امام ابن ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔[3] ابن جریر کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایفائے عہد کا تمھیں جو حکم دیا ہے تو وہ اس کے ساتھ تمھیں آزماتا ہے۔ ﴿ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿92﴾ ﴾ ''اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اس کی حقیقت تم پر ضرور ظاہر کر دے گا۔'' اور ہر شخص کو اس کے اچھے یا برے عمل کے مطابق پورا پورا بدلہ دے گا۔[4]

① تفسیر الطبری: 220,219/14. ② الدر المنثور: 244,243/4. ③ تفسیر ابن أبی حاتم: 2301,2300/7.
④ تفسیر الطبری: 220/14.

تفسیر آیات:93-96

اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی جماعت بنا دیتا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو بنا دیتا۔'' اے لوگو! ﴿ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''ایک ہی جماعت۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ط ﴾ (یونس 99:10) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔'' تم میں وہ اتفاق واتحاد پیدا فرما دیتا اور انتشار وخلفشار اور بغض اور دشمنی سے تمھیں محفوظ فرما دیتا۔ ﴿ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۙ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ط وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ط ﴾ (ھود 119,118:11) ''اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر آپ کا پروردگار رحم کرے اور اس لیے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔'' اور اسی طرح بیان فرمایا ہے: ﴿ وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ط ﴾ ''اور لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے۔'' پھر قیامت کے دن تمام اعمال کے بارے میں تم سے باز پرس کرے گا اور چھوٹے بڑے ہر عمل کا بدلہ دے گا۔

دھوکے کے لیے قسم کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو منع فرمایا ہے کہ وہ دھوکا اور مکر وفریب کے لیے قسم کھائیں تاکہ جمے ہوئے قدم لڑکھڑا نہ جائیں، یہ مثال ہے اس شخص کی جو استقامت پر ہو مگر بعد میں لڑکھڑا جائے اور ایسی جھوٹی قسموں کے باعث راہ ہدایت سے بھٹک جائے جو اللہ کے رستے سے روکنے والی ہوں کیونکہ کافر جب یہ دیکھے گا کہ مومن نے عہد توڑ دیا ہے تو اس کا دین سے اعتماد اٹھ جائے گا اور اس کی وجہ سے وہ دین اسلام کو قبول نہیں کرے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿94﴾ ﴾ ''اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکا تم اس کی سزا بھگتو اور تمھارے لیے دردناک عذاب ہے۔''

دنیا کے ساز وسامان کے عوض قسموں کو مت توڑو: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ سے جو تم نے عہد کیا ہے اس کو تھوڑی قیمت میں نہ بیچو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے نام کی قسموں کے عوض دنیوی زندگی کا ساز وسامان حاصل نہ کرو کیونکہ یہ سامان بہت قلیل ہے بلکہ اگر کسی انسان کو دنیا ساری کی ساری بھی مل جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے، وہ اس سے بدر جہا بہتر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملنے والا اجر وثواب اس شخص کے لیے بہت بہتر ہے جو اس کی امید رکھے، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس سے اجر وثواب طلب کرے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کی امید میں اس سے کیے ہوئے عہد وپیمان کی حفاظت کرے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿95﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ﴾ ''اگر تم جانتے ہو، تو جو کچھ تمھارے پاس ہے، وہ فنا ہو جاتا ہے۔'' یعنی ختم ہو جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ایک گنی ہوئی محصور اور محدود مدت کے لیے ہے جس نے بالآخر ختم ہو جانا ہے۔ ﴿ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ط ﴾ ''اور جو اللہ کے پاس ہے، وہ باقی ہے۔'' یعنی جنت میں اس کا ثواب باقی ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا بلکہ وہ دائمی، ابدی اور سرمدی ہے جس کی وجہ سے وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ ﴿ وَلَنَجْزِيَنَّ

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

جس نے نیک عمل کیے، مرد ہو یا عورت، جبکہ وہ مومن ہو تو ہم ضرور اسے پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے، اور ہم انھیں ضرور ان کا اجر وثواب ان

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿97﴾

بہترین اعمال کے بدلے میں دیں گے جو وہ کرتے تھے ﴿97﴾

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿98﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ

پھر جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگیں ﴿98﴾ بے شک ان لوگوں پر اس کا کوئی زور نہیں (چلتا) جو ایمان لائے

سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿99﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ

اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں ﴿99﴾ بس اس کا زور تو ان لوگوں پر چلتا ہے جو اسے دوست بناتے ہیں اور (ان پر) جو اس (اللہ) کے ساتھ

يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿100﴾ ع

13 ع 11 19

شریک ٹھہراتے ہیں ﴿100﴾

الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿96﴾ ''اور جن لوگوں نے صبر کیا ہم ضرور ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دیں گے۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ بات قسم کے ساتھ بیان فرمائی اور مزید تاکید کے لیے لام بھی لایا گیا ہے، یعنی وہ صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا اور برے اعمال سے تجاوز فرمائے گا۔

تفسیر آیت: 97

نیک عمل اور اس کی جزا: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے ہر اس شخص کے ساتھ جو نیک عمل کرے اور نیک عمل وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہو، خواہ مرد ہو یا عورت اور اس کے دل میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان ہو اور اس عمل کا اللہ نے حکم دیا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس سے دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائے گا اور آخرت میں اسے اس کے اس عمل کا اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ حیات طیبہ وہ ہے جو اسباب راحت پر مشتمل ہو، خواہ وہ کسی طرح بھی حاصل ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مفسرین کی ایک جماعت سے مروی ہے کہ حیات طیبہ سے مراد حلال اور طیب رزق ہے۔[1]

علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر قناعت سے کی ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ اور وہب بن مُنَبِّہ کا بھی یہ قول ہے جبکہ علی بن ابو طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد سعادت ہے۔[3] حسن، مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ حیات طیبہ جو جنت ہی میں حاصل ہوگی۔[4] ضحاک کہتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا میں رزق حلال اور عبادت کی توفیق کا حاصل ہونا ہے۔[5] ضحاک سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد انشراح قلب کے ساتھ طاعت بجالانا ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ حیات طیبہ ان سب امور پر مشتمل ہے۔[6] جیسا کہ اس حدیث میں ہے جسے امام احمد نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کیا

---

① تفسیر الطبری: 223/14. ② تفسیر الطبری: 224/14. ③ تفسیر الطبری: 224/14. ④ تفسیر الطبری: 224/14. ⑤ تفسیر الطبری: 223/14. ⑥ تفسیر الطبری: 224/14.

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ بدل کر دوسری آیت لائیں، اور اللہ اسے خوب جانتا ہے جو کچھ وہ نازل کرتا ہے، تو وہ (کافر) کہتے ہیں: یقیناً تو گھڑ

اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

لانے والا ہے، لیکن ان میں اکثر علم نہیں رکھتے ﴿101﴾ کہہ دیجیے: اس (قرآن) کو روح القدس (جبریل) نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ

اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿102﴾

نازل کیا ہے، تاکہ اللہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہو ﴿102﴾

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ ، وَرُزِقَ كَفَافاً، وَّقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ] ''وہ شخص یقیناً کامیاب ہو گیا جو مسلمان ہو بقدر کفایت اسے رزق دیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے اسے جو دیا ہو، اس پر اسے قناعت عطا فرما دی ہو۔''[1] اور اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 98-100

تلاوت سے پہلے تعوذ کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کی زبانی اپنے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ جب وہ قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگ لیا کریں۔ استعاذے کے بارے میں وارد احادیث قبل ازیں تفسیر کے آغاز میں تفصیل کے ساتھ بیان کر آئے ہیں۔[3] وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. قرآن مجید کی قراءت سے پہلے استعاذے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے تاکہ شیطان قراءت میں خلل نہ ڈال سکے اور خلط ملط کر کے اسے تدبر اور تفکر سے روک نہ سکے یہی وجہ ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ استعاذہ تلاوت سے پہلے ہے۔

اور فرمانِ باری ہے: ﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿99﴾ ﴾ ''جو مومن ہیں اپنے پروردگار پر بھروسا رکھتے ہیں۔ ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا۔'' ثوری ؒ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیطان کا ان لوگوں پر زور نہیں چلتا کہ وہ انھیں ایسے گناہ میں مبتلا کر دے جس سے وہ توبہ نہ کریں۔[4] اور دیگر ائمۂ تفسیر نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ شیطان کے لیے ان پر حجت نہیں۔ اور کچھ اور مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت حسب ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے: ﴿ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ○ ﴾ (الحجر 15:40) ''مگر ان میں جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں (ان پر تیرا قابو پانا مشکل ہے۔)'' ﴿ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ ﴾ ''اس کا زور انھی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جو اس کی اطاعت کرتے ہیں۔[5] دیگر ائمہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ جو اللہ کو چھوڑ کر اسے دوست بنا لیتے ہیں۔[6] ﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿100﴾ ﴾ ''اور جو اس کے سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر

[1] مسند أحمد: 168/2. [2] صحیح مسلم، الزكاة، باب في الكفاف والقناعة، حديث: 1054. [3] دیکھیے سورۂ فاتحہ کے شروع میں عنوان: ''تعوذ کی تفسیر اور احکام'' [4] تفسیر الطبری: 228/14. [5] تفسیر الطبری: 227/14. [6] تفسیر الطبری: 228/14.

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ

اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں: یقیناً اس (نبی) کو ایک آدمی سکھاتا ہے۔ اس شخص کی زبان عجمی ہے جس کی طرف یہ غلط نسبت کرتے ہیں،

اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾

جبکہ یہ (قرآن تو) فصیح عربی زبان ہے ﴿103﴾

کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اسے بھی شریک بنالیتے ہیں۔

تفسیر آیات: 102,101

مشرکین کا ایک اعتراض اور اس کی تردید: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی عقلوں کے ضعف اور ان کے ثبات وایقان کی قلت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان کے ایمان لانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے شقاوت اور بدبختی کو لکھ دیا ہے۔ ان کی کم عقلی کا یہ عالم ہے کہ نسخ کے قاعدے کے مطابق جب یہ احکام میں کوئی تبدیلی دیکھتے ہیں تو فوراً رسول اللہ ﷺ سے یہ کہہ دیتے ہیں: ﴿ اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ ﴾ ''آپ تو (یوں ہی اپنی طرف سے) بنالاتے ہیں۔'' یعنی آپ جھوٹ بولتے ہیں، حالانکہ رب تعالیٰ جو چاہے کرتا اور جو ارادہ فرماتا ہے اس کا حکم دے دیتا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ ﴾ ''جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں'' کے معنی یہ ہیں کہ ایک آیت کو ختم کر کے اس کی جگہ دوسری آیت نازل کر دیتے ہیں۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حسب ذیل آیت کی طرح ہے: ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ ﴾ (البقرۃ 2:106) ''ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر بات پر قادر ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ ﴾ ''کہہ دیجیے: اس کو روح القدس لے کر نازل ہوئے ہیں۔'' روح القدس سے مراد جبریل امین ہیں۔ ﴿ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ﴾ ''آپ کے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ۔'' یعنی صدق وعدل کے ساتھ۔ ﴿ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے۔'' اور جو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے وہ اس کی پوری پوری تصدیق کریں اور ان کے دل اللہ کے سامنے عاجزی کریں۔ ﴿ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿102﴾ ﴾ ''اور (حکم) ماننے والوں کے لیے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو مسلمانوں کے لیے جو اللہ اور اس کے رسولوں کے ساتھ ایمان لاتے ہیں، ہدایت اور بشارت بنا دیا ہے۔

تفسیر آیت: 103

مشرکین کا ایک اور افترا اور اس کی تردید: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ از راہ کذب وافترا

---

[1] تفسیر الطبری: 230/14. [2] تفسیر الطبری: 231/14.

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿104﴾ اِنَّمَا

بلاشبہ جولوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے، اللہ انھیں ہدایت نہیں دیتا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿104﴾ جھوٹ تو صرف وہ لوگ

يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿105﴾

گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور وہی لوگ جھوٹے ہیں ﴿105﴾

اور بہتان بازی کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ ہمیں جو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں، انھیں ایک شخص یہ قرآن سکھاتا ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک عجمی شخص کا نام لیا کرتے تھے جو کسی قریشی خاندان کا غلام تھا اور وہ کوہ صفا کے نزدیک اپنا سودا سلف بیچا کرتا تھا، رسول اللہ ﷺ بسا اوقات اس کے پاس بیٹھ جاتے اور اس سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس شخص کی زبان عجمی تھی اور وہ عربی نہیں جانتا تھا یا بقدر ضرورت بہت معمولی جانتا تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس افترا پردازی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾﴾ ''مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔'' قرآن کی زبان تو فصیح و بلیغ عربی ہے اور جو شخص فصاحت و بلاغت کے اس بلند پایہ شاہکار اور معانی و مطالب کے اعتبار سے ایسی جامع کتاب کہ اس طرح کی کتاب کسی بھی نبی پر نازل نہیں ہوئی، کو لے کر آیا ہے وہ اسے کسی عجمی شخص سے کیسے سیکھ سکتا ہے! جس شخص میں ذرہ برابر بھی عقل ہو وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ کے ایک لوہار کو جانتے تھے جس کا نام بَلعام تھا اور جس کی زبان عجمی تھی، مشرکین نے جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آتے جاتے ہیں تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ بلعام (لوہار) رسول اللہ ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی: ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ﴿103﴾﴾ ''اور البتہ تحقیق ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص سکھا جاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں، اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔''[1]

تفسیر آیات: 105,104

پیغمبروں پر نازل کردہ آیات سے اعراض کرنے اور جھٹلانے والوں کو اللہ ہدایت نہیں دیتا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو اس کے ذکر سے اعراض کرے اور اس نے اپنے رسول ﷺ پر جو نازل فرمایا ہے، اس سے اعراض کرے اور اس پر ایمان لانے کا ارادہ ہی نہ کرے تو اس قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں اپنی نشانیوں اور اپنے رسولوں کے ساتھ ایمان لانے کی توفیق نہیں دیتا جبکہ آخرت میں ان کے لیے بہت ہی دردناک عذاب ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس کے رسول نہ افترا پرداز ہیں اور نہ کذاب کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر بہتان باندھنے والے بدترین

[1] تفسیر الطبری: 233/14 والسیرة النبویة لابن هشام، ادعاء المشرکین علی النبی ﷺ بتعلیم......: 393/2.

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ

جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، لیکن

وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿106﴾

جس نے کفر کے لیے (اپنا) سینہ کھول دیا (راضی خوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

عذاب ہے ﴿106﴾ یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں (زیادہ) محبوب رکھا، اور بے شک اللہ کافر

الْكٰفِرِيْنَ ﴿107﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ

قوم کو ہدایت نہیں دیتا ﴿107﴾ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے اور یہی لوگ غافل

وَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿108﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿109﴾

ہیں ﴿108﴾ بلاشبہ یقیناً آخرت میں یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں ﴿109﴾

لوگ ہوتے ہیں، ﴿الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ ”یہ لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔“ یعنی وہ لوگ جو کافر و ملحد ہیں اور لوگوں کے نزدیک مشہور و معروف کذاب ہیں جبکہ اللہ کے رسول محمد ﷺ لوگوں میں سب سے سچے، سب سے نیکو کار، علم و عمل اور ایمان و ایقان میں سب سے کامل اور اپنی قوم میں صادق کے طور پر معروف ہیں۔ اور اس بارے میں ان میں سے کسی کو بھی شک نہیں بلکہ آپ تو امین کے نام سے معروف ہیں۔

بادشاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان سے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے میں چند سوالات پوچھے تو ان میں سے ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا دعوائے نبوت سے قبل تم لوگ کبھی ان پر جھوٹ کا الزام لگایا کرتے تھے۔ ابوسفیان نے جواب دیا: نہیں، ہرقل نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ لوگوں سے تو جھوٹ نہ بولے مگر اللہ عزوجل کے بارے میں جھوٹ بولنے لگے![1]

تفسیر آیات:106-109

مرتد پر اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان و بصیرت کے بعد کفر کریں اور کفر کو شرح صدر کے ساتھ قبول کر کے اس پر مطمئن ہو جائیں تو ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا کیونکہ انھوں نے ایمان کو جاننے کے بعد اس سے اعراض کیا ہے، ایسے لوگوں کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہوگا کیونکہ انھوں نے دنیا کی خاطر ارتداد کو اختیار کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے دلوں کو ہدایت دی اور نہ انھیں دین حق پر ثابت رکھا بلکہ ان کے دلوں پر مہر لگا دی، لہٰذا یہ سمجھ ہی نہیں سکتے کہ ان کے لیے کون سی چیز نفع بخش ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں اور آنکھوں پر بھی مہر لگا دی کہ ان سے یہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے اور بھی کوئی چیز ان کے کام نہ آئی، لہٰذا ان کے بارے میں جو ارادہ کیا جا رہا ہے، یہ اس سے یکسر غافل ہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي......؟ حديث: 7 وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب كتب النبي ﷺ إلى هرقل......، حديث: 1773.

﴿ لَا جَرَمَ ﴾ یعنی جس کی یہ حالت ہو، وہ اسی طرح کے انجام سے لازماً دوچار ہوتا ہے۔ ﴿ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ''بلاشبہ یہی لوگ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔'' یعنی آخرت کے دن انھوں نے اپنے آپ کو بھی خسارے میں رکھا اور اپنے اہل وعیال کو بھی۔ ﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ ''وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔'' اس جملے میں اس شخص کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے جو مار پیٹ، ایذا و تکلیف پہنچا کر مجبور کر دیا جائے اور اس وجہ سے وہ زبان سے کفر کرے اور زبانی طور پر مشرکوں کی موافقت کرے جبکہ اس کا دل اس کا منکر ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ایمان پر مطمئن ہو۔

سبب نزول: عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی تھی کیونکہ مشرکوں نے آپ کو شدید تکلیفیں دیں اور (کہا کہ تکلیفوں کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک تم محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کرتے، زبردستی مجبور کیے جانے کی وجہ سے انھوں نے مشرکوں کی ہاں میں ہاں ملا دی) اور نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر معذرت کی تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرما دی۔[1] شعبی، قتادہ اور ابو مالک کا بھی یہی قول ہے۔[2] ابن جریر نے ابو عبیدہ محمد بن عمار بن یاسر سے روایت کیا ہے کہ مشرکوں نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو پکڑ کر ایسی زبردست تکلیفیں پہنچائیں کہ انھوں نے مجبور ہو کر مشرکین کی ہاں میں ہاں ملا دی، پھر جب نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سارا ماجرا کہہ سنایا تو نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟] ''تم اپنے دل کی کیفیت کیسے پاتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی: دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے، تو نبیٔ اکرم ﷺ نے فرمایا: [فَإِنْ عَادُوا فَعُدْ] ''اگر مشرکین دوبارہ درپے آزار ہوں تو تم پھر اسی طرح کی بات کہہ کر جان بچا لینا۔''[3]

اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے مجبوراً کفر کرنے والا شخص مومن ہی رہے گا: امام بیہقی نے اس واقعے کو اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ انھوں نے (معاذ اللہ) نبیٔ اکرم ﷺ کو برا بھلا کہہ دیا اور مشرکوں کے بتوں کا اچھے الفاظ میں ذکر کر دیا تھا، پھر انھوں نے نبیٔ اکرم ﷺ کی خدمت میں سارا ماجرا بیان کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے اس وقت تک چھوڑا ہی نہ گیا جب تک کہ میں نے آپ کی ذات گرامی کو گالی نہ دے لی اور ان کے بتوں کو اچھا نہ کہہ لیا، آپ نے فرمایا: [كَيْفَ تَجِدُ قَلْبَكَ؟] ''تمھارے دل کی کیا کیفیت ہے؟'' انھوں نے عرض کی: دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہے، آپ نے فرمایا: [فَإِنْ عَادُوا فَعُدْ] ''اگر مشرکین دوبارہ درپے آزار ہوں تو تم پھر اسی طرح کی بات کہہ (کر جان بچا) لینا۔''[4] اسی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ ﴾ ''وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔''

---

[1] تفسیر الطبری: 237/14. قوسین والے الفاظ قتادہ رحمہ اللہ سے مروی ہیں۔ [2] تفسیر الطبری: 237/14. [3] تفسیر الطبری: 237/14 و المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة النحل: 357/2. [4] السنن الكبرى للبيهقي، المرتد، باب المكره على الردة: 209,208/8.



علماء کا اتفاق ہے کہ جس شخص کو زبردستی کفر پر مجبور کر دیا جائے تو اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ جان بچانے کے لیے بات کہہ دے اور یہ بھی جائز ہے کہ غلط بات کہنے سے انکار کر دے جیسا کہ بلال رضی اللہ عنہ کافروں کی بات ماننے سے انکار کر دیا کرتے تھے، حالانکہ وہ آپ پر مظالم کے بے پناہ پہاڑ توڑتے تھے حتی کہ سخت گرمی کے موسم میں وہ آپ کے سینے پر بہت بھاری پتھر رکھ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرو مگر آپ شرک کرنے سے انکار کر دیتے اور احد احد کہتے۔ [1] اور کہتے اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہو کہ کوئی بات اس سے بھی زیادہ غصے میں مبتلا کر دینے والی ہو سکتی ہے تو میں وہ بھی کہنے کے لیے تیار ہوں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَأَرْضَاهُ.

اسی طرح حبیب بن زید انصاری رضی اللہ عنہ سے جب مسیلمہ کذاب نے کہا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں: ہاں، مسیلمہ کہتا کہ کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ میں بھی اللہ کا رسول ہوں۔ وہ جواب دیتے: میں بہرہ ہوں۔ مجھے کچھ سنائی نہیں دیتا، اس نے ان کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ دیا مگر وہ دین پر ثابت قدم رہے اور انھوں نے مسیلمہ کذاب کو رسول ماننے سے انکار کر دیا۔ [2]

مسلمان کا رخصت کے بجائے اپنے دین پر ثابت قدم رہنا افضل و اولیٰ ہے: افضل اور اولیٰ بات یہی ہے کہ مسلمان اپنے دین پر ثابت قدم رہے، خواہ وہ شہید ہو جائے جیسا کہ حافظ ابن عساکر نے صحابیٔ رسول عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ انھیں رومیوں نے گرفتار کر لیا تھا اور وہ انھیں گرفتار کرنے کے بعد جب اپنے بادشاہ کے پاس لے کر آئے تو بادشاہ نے ان سے کہا: عیسائی ہو جاؤ میں تمھیں اپنی بادشاہت میں شریک کر لیتا ہوں اور اپنی بیٹی کا تمھیں رشتہ بھی دے دیتا ہوں۔ عبداللہ نے جواب دیا: اگر تو مجھے اپنی ساری حکومت و دولت دے دے اور عربوں کی ساری حکومت و دولت بھی اور میں ایک لمحے کے لیے بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے پھر جاؤں تو یہ نہیں ہو سکتا، بادشاہ نے کہا: اگر عیسائیت کو قبول نہیں کرو گے تو میں تمھیں قتل کر دوں گا، عبداللہ نے کہا: تم جانو اور تمھارا کام! بادشاہ نے حکم دیا اور انھیں لٹکا دیا گیا، پھر اس نے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ ان کے ہاتھوں اور پاؤں پر تیر مارو، جلاد تیر مار رہے تھے اور بادشاہ عیسائیت قبول کرنے کے لیے اصرار کر رہا تھا لیکن حضرت عبداللہ مسلسل انکار فرماتے رہے۔ بادشاہ نے حکم دیا اور آپ کو نیچے اتار لیا گیا، پھر اس کے حکم سے پیتل کے ایک کڑاہے میں تیل گرم کیا گیا اور عبداللہ کی آنکھوں کے سامنے اس میں ایک مسلمان قیدی کو پھینک دیا گیا، لمحہ بھر میں اس کی ہڈیوں سے گوشت اتر کر جدا ہو گیا، اب پھر بادشاہ نے عبداللہ کو عیسائیت کے قبول کرنے کی دعوت دی مگر عبداللہ نے اب بھی انکار فرما دیا، بادشاہ نے حکم دیا کہ عبداللہ کو اس کھولتے ہوئے تیل میں گرا دو، آپ کو منجنیق میں رکھ دیا گیا تاکہ تیل میں گرا دیا جائے، اس وقت عبداللہ رونے لگا، بادشاہ کو خیال آیا عبداللہ شاید عیسائی ہونے کے لیے تیار ہیں، اس نے آپ کو بلایا اور پوچھا

---

[1] سنن ابن ماجه، السنة، فضل سلمان و أبي ذر......، حديث: 150. [2] أسد الغابة، ترجمة حبيب بن زيد بن عاصم الأنصاري رضي الله عنه: 1049.

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ

پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے (مہربان ہے) جنھوں نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا

رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿110﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا

14 ع 10 20

رب ان (آزمائشوں) کے بعد (ان لوگوں کے لیے) البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿110﴾ جس دن ہر نفس اپنی طرف سے جھگڑتا ہوا آئے گا اور

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿111﴾

ہر کسی نے جو عمل کیے ان کا اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا ﴿111﴾

تو آپ نے فرمایا: میں تو اس لیے رو رہا ہوں کہ اللہ کی محبت کی خاطر نثار کرنے کے لیے میرے پاس اس وقت صرف ایک ہی جان ہے، اے کاش! میرے پاس میرے جسم کے ہر ہر بال کے عوض ایک ایک جان ہوتی اور میں ان سب کو اللہ کی محبت کی خاطر باری باری نثار کر دیتا۔

بعض روایات میں ہے کہ رومی بادشاہ نے آپ کو جیل میں ڈال دیا اور کچھ دن کھانے پینے کو بھی نہ دیا، پھر شراب اور خنزیر کا گوشت بھیجا مگر آپ نے ہاتھ لگانے سے بھی انکار کر دیا، بادشاہ نے آپ کو بلایا اور پوچھا کہ آپ نے کھانا کیوں نہیں کھایا؟ آپ نے فرمایا کہ اگرچہ اضطراری حالت میں میرے لیے یہ کھانا حلال تھا لیکن میں تمھیں اس بات سے خوش نہیں کرنا چاہتا کہ تم یہ کہو کہ میں نے ایک مسلمان کو شراب پلا دی اور خنزیر کا گوشت کھلا دیا، بادشاہ نے کہا: میں اس شرط پر تمھیں رہا کرنے کے لیے تیار ہوں کہ میرے سر کو بوسہ دے دو۔ آپ نے فرمایا: ہاں، بشرطیکہ تم تمام مسلمان قیدیوں کو رہا کر دو۔ اس نے کہا: ہاں، میں تیار ہوں، آپ نے اس کے سر کو بوسہ دیا تو اس نے آپ کو رہا کر دیا اور آپ کے ساتھ تمام مسلمان قیدیوں کو بھی رہا کر دیا جو اس کے پاس تھے۔ آپ جب مدینہ منورہ میں واپس آئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہر مسلمان کے لیے یہ واجب ہے کہ وہ عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے سر کو بوسہ دے اور سب سے پہلے میں بوسہ دیتا ہوں، آپ کھڑے ہوئے اور عبداللہ کے سر کو بوسہ دینے لگے۔ [1]

تفسیر آیات: 111,110

مجبور و مضطر قابل معافی ہے: یہ ایک دوسرا گروہ ہے، یہ لوگ مکہ میں کمزور و ناتوان تھے اور فتنہ و آزمائش کے موقع پر اپنی قوم کی تائید کرتے تھے، پھر جب ہجرت کی صورت میں ان کے لیے فلاح کی صورت پیدا ہوگئی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور بخشش کے حصول کے لیے اپنے شہر، اہل و عیال اور مال کو ترک کر دیا اور مسلمانوں کی سِلک میں منسلک ہو گئے، ان کے ساتھ مل کر کافروں سے جہاد بھی کیا۔ اور میدانِ کارزار میں صبر و ثبات کا مظاہرہ بھی، چنانچہ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ ان کی اس آزمائش کے بعد روز قیامت انھیں معاف فرما دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ ﴿يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ

[1] تاریخ دمشق لابن عساکر، ترجمة عبداللّٰه بن حذافة: 246,245/29 و شعب الإيمان للبيهقي، باب في شحّ المرء بدينه: 245,244/2، حديث: 1639 والإصابة، ترجمة عبداللّٰه بن حذافة: 4641.

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ

اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے جو امن و اطمینان سے (آباد) تھی، اس کا رزق اسے ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا، پھر اس

مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿112﴾

(کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک چکھائی اور خوف کا لباس (پہنایا) ﴿112﴾

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿113﴾

اور یقیناً ان کے پاس ایک رسول انھی میں سے آیا تو انھوں نے اس کی تکذیب کی تب انھیں عذاب نے آ پکڑا اور وہی ظالم تھے ﴿113﴾

﴿ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ﴾ ''جس دن ہر متنفس اپنی طرف سے جھگڑا کرنے آئے گا۔'' یعنی اس کی طرف سے اور کوئی جھگڑا نہیں کرے گا نہ باپ نہ بیٹے نہ بھائی اور نہ بیوی، ﴿ وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ ﴾ ''اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔'' خواہ اعمال اچھے ہوں یا برے۔ ﴿ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿111﴾ ﴾ ''اور ان پر ظلم و زیادتی نہیں کی جائے گی۔'' یعنی کسی کی نیکی کے ثواب کو کم نہیں کیا جائے گا اور نہ کسی کی برائی کی سزا میں اضافہ کیا جائے گا، الغرض! کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تفسیر آیات:113,112

مکہ کی مثال: اس مثال سے مراد اہل مکہ ہیں۔ مکہ میں امن، چین اور قرار تھا جبکہ مکہ کے گردو پیش سے لوگ اچک لیے جاتے تھے اور جو یہاں آ جاتا وہ امن میں ہو جاتا تھا اور ڈرتا نہیں تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا ﴾ (القصص 57:28) ''اور کہتے ہیں کہ اگر ہم تمھارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنی زمین سے اچک لیے جائیں، کیا ہم نے ان کو حرم میں جو امن کا مقام ہے، جگہ نہیں دی جہاں ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطور رزق اکٹھے کیے (پہنچائے) جاتے ہیں۔'' اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا ﴾ ''رزق بافراغت چلا آتا تھا۔'' خوشگوار اور آسانی سے ﴿ مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ ﴾ ''ہر جگہ سے مگر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔'' یعنی انھوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کیا جن میں عظیم ترین نعمت حضرت محمد ﷺ کی بعثت تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ ﴾ (ابراھیم 29,28:14) ''کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا (وہ گھر) دوزخ (ہے سب ناشکرے) اس میں داخل ہوں گے، اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

نعمتوں کی ناشکری اور پیغمبروں کی نافرمانی کا نتیجہ قحط سالی، خوف اور بھوک ہے: اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے پہلے دونوں حالات کو بدل دیا۔ ﴿ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ ﴾ ''چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس (پہنا کر ناشکری کا مزہ) چکھا دیا۔'' یعنی انھیں بھوک کا مزہ چکھا دیا جبکہ ان کے پاس ہر طرح کے پھل آیا کرتے تھے اور ہر جگہ سے بافراغت رزق آتا تھا لیکن جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی اور آپ کی اطاعت و فرماں برداری

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ

چنانچہ اس میں سے کھاؤ (پیو) جو اللہ نے تمھیں حلال پاکیزہ رزق دیا ہے اور اگر تم واقعی اسی کی عبادت کرتے ہو تو

تَعْبُدُوْنَ ﴿114﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ

اللہ کی نعمت کا شکر کرو ﴿114﴾ اللہ نے تو بس تم پر حرام کیا ہے: مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو،

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿115﴾

پھر جو شخص مجبور ہو جائے جبکہ نہ وہ باغی ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ہو تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿115﴾

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

اور اپنی زبانوں کے جھوٹ بیان کرنے کی وجہ سے مت کہو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، تاکہ تم اللہ پر جھوٹ باندھو۔

الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿116﴾ مَتَاعٌ

بے شک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے ﴿116﴾ (ان کے لیے) تھوڑا سا فائدہ ہے اور (آخرت میں)

قَلِيْلٌ ۪ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿117﴾

ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿117﴾

سے انکار کر دیا تو آپ نے ان کے لیے بددعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ انھیں اس طرح قحط میں مبتلا کر دے جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کی بددعا کو قبول فرمایا اور اس قدر شدید قحط آیا کہ اس نے ہر چیز کو ختم کر دیا حتی کہ وہ اونٹ کے بالوں کو خون میں ڈبو کر کھانے پر مجبور ہو گئے تھے۔

﴿وَالْخَوْفِ﴾ "اور خوف" یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تھے تو کفار مکہ آپ کی سطوت، شوکت اور آپ کے لشکروں سے خوف کی وجہ سے لرزہ براندام تھے ان کا سارا مال و دولت تباہ و برباد ہو گیا تھا حتی کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ فتح کرنے کی توفیق عطا فرما دی یہ ان کے کرتوت، سرکشی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا نتیجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف سے مبعوث فرمایا اور آپ کی بعثت کو احسان قرار دیا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (آل عمرٰن 3:164) "اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔" اور فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۖۚ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛؕ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۙ رَّسُوْلًا﴾ (الطلاق 65:10، 11) "پس اے ارباب دانش! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ نے تمھارے پاس نصیحت (کی کتاب) بھیجی ہے (اور اپنے) پیغمبر (بھی بھیجے ہیں۔)" اور فرمایا: ﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۛؕ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ۝﴾ (البقرة 2:151، 152) "جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمھی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت کرتے اور تمھیں پاک بناتے اور کتاب (قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی

باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے سو تم مجھے یاد کیا کرو، میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔‘‘

جس طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کے حال کو بدل دیا کہ امن کے بجائے انھیں خوف میں مبتلا کر دیا اور رزق کی فراوانی کے بعد بھوک میں مبتلا کر دیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے حالات میں بھی تبدیلی پیدا فرما دی اور ان کے خوف کو امن سے اور بھوک کو رزق کی فراوانی سے بدل دیا اور انھیں لوگوں کے امراء، حکام، سردار، قائد اور امام بنا دیا۔ ہم نے شروع میں جو کہا تھا کہ اس آیت کریمہ میں اہل مکہ کی مثال بیان کی گئی ہے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو عوفی نے ان سے روایت کیا ہے۔[1] نیز مجاہد، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[2]

تفسیر آیات: 114-117

حلال وحرام: اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ حلال اور پاک رزق کھائیں اور اس کا شکر بجا لائیں کہ اسی مُنعِم حقیقی نے اپنے فضل وکرم سے رزق عطا فرمایا ہے اور وہ وحدہ لاشریک ہی مستحق عبادت ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جنھیں اس نے اپنے بندوں پر اس لیے حرام قرار دیا ہے کہ یہ دین ودنیا کے اعتبار سے ان کے لیے نقصان دہ تھیں اور یہ ہیں مردار، خون، سوٴر کا گوشت ﴿ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ ﴾ ’’اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔‘‘ یعنی جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے، اس کا کھانا بھی حرام ہے، اس کے باوجود ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ ’’اگر کوئی ناچار ہو جائے۔‘‘ یعنی مجبور ومضطر ہو، بشرطیکہ گناہ کرنے والا اور حد سے نکلنے والا نہ ہو۔ ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ’’تو اللہ بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔‘‘ اسی طرح کی ایک آیت کے بارے میں قبل ازیں سورۂ بقرہ میں گفتگو ہو چکی ہے۔[3] لہٰذا اس پر تفصیل کے ساتھ گفتگو کی ضرورت نہیں رہی۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان مشرکین کے رستے پر چلنے سے منع فرما دیا ہے، جنھوں نے ازخود کچھ چیزوں کو حلال یا حرام قرار دے رکھا تھا اور اس سلسلے میں ازخود بَحِیرہ، سائبہ، وَصِیلہ اور حام وغیرہ اصطلاحات ایجاد کر لی تھیں اور زمانۂ جاہلیت میں اسے انھوں نے اپنی شریعت قرار دے لیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ ﴾ ’’اور یونہی جھوٹ جو تمھاری زبانیں بیان کرتی ہیں مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے لگو۔‘‘ اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو شرعی دلیل کے بغیر کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی ایسی چیز کو حلال قرار دے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہو یا اپنی رائے اور خواہش سے کسی ایسی چیز کو حرام قرار دے دے جسے اللہ نے جائز قرار دیا ہو۔ ﴿ لِمَا تَصِفُ ﴾

[1] تفسیر الطبری: 242/14. [2] تفسیر الطبری: 242/14. [3] دیکھیے آیت: 173 کے ذیل میں۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ

اور جو لوگ یہودی ہوئے ان پر ہم نے وہ چیزیں حرام کی تھیں جو ہم پہلے آپ سے بیان کر چکے ہیں۔ اور ہم نے ان پر ظلم نہیں

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿118﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ

کیا اور لیکن وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے ﴿118﴾ پھر بے شک آپ کا رب ان پر (مہربان ہے) جنھوں نے جہالت سے برے

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

عمل کیے، پھر اس کے بعد انھوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کرلی، بے شک اس کے بعد آپ کا رب (ان لوگوں کے لیے) البتہ

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿119﴾

ع 15/9/21

بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے ﴿119﴾

میں ما مصدر یہ ہے، یعنی اپنی زبانوں کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے (بغیر کسی دلیل کے یہ) نہ کیا کرو (کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔) پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿116﴾﴾ ”جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔“ نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، دنیا میں ان کے لیے تھوڑا سا فائدہ ہے مگر آخرت میں دردناک عذاب جیسا کہ فرمایا: ﴿مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝﴾ (یونس 70:10) ”(ان کے لیے) جو فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے، اس وقت ہم ان کو عذاب شدید (کے مزے) چکھائیں گے کیونکہ کفر (کی باتیں) کیا کرتے تھے۔“

تفسیر آیات: 119،118

یہودیوں کے لیے بعض حلال و پاکیزہ چیزوں کی حرمت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے ہمارے لیے مردار، خون، سؤر کے گوشت اور ہر اس چیز کو حرام قرار دے دیا ہے جسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو، البتہ اضطراری حالت میں بوقت ضرورت ان کے استعمال کی بھی اجازت دے دی، بشرطیکہ گناہ اور حد سے تجاوز کا ارادہ نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے یہ سہولت امت محمدیہ کو عطا فرمائی ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ آسانی چاہتا ہے اور مشکل نہیں چاہتا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منسوخ کرنے سے پہلے یہودیوں کی شریعت میں ان پر حرام قرار دیا تھا اور اس کی وجہ سے وہ بہت مشکل، تنگی اور حرج میں مبتلا ہو گئے تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ﴾ ”اور جو چیزیں ہم آپ سے پہلے بیان کر چکے ہیں، وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں۔“ یعنی جن کا ذکر سورۂ انعام کی اس آیت میں کیا گیا ہے: ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 146:6) ”اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیے تھے اور گائیوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوائے اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو یا

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا ط وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿120﴾ شَاكِرًا

بلاشبہ ابراہیم ایک امت تھا، اللہ کا فرماں بردار اور اس کی طرف یکسو، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا ﴿120﴾ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر کرنے والا

لِّأَنْعُمِهِ ط اجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿121﴾ وَآتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَإِنَّهُ

تھا، اس (اللہ) نے اسے چن لیا اور اس کو صراط مستقیم کی طرف ہدایت دی ﴿121﴾ اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی، اور بلاشبہ وہ آخرت

فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ ﴿122﴾ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرٰهِيمَ

میں ضرور صالحین میں سے ہوگا ﴿122﴾ (اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کریں جو (اللہ کی طرف) یکسو تھا اور

حَنِيفًا ط وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿123﴾

وہ مشرکوں میں سے نہ تھا ﴿123﴾

آنتوں کے ساتھ لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہو، یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت و بغاوت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں۔" اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ ﴾ "اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا۔" یعنی جو ان پر ہم نے تنگی کی تھی۔ ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿118﴾ ﴾ "بلکہ وہ خود ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔" جس کی وجہ سے اس کی تنگی کے مستحق قرار پائے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴾ (النسآء 4:160) "تو ہم نے یہودیوں کے ظلم کے سبب (بہت سی) پاکیزہ چیزیں جو ان کے لیے حلال تھیں حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے۔" پھر اللہ تعالیٰ نے مومن گناہ گاروں پر اپنے فضل وکرم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ان میں سے جو توبہ کر لے، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرمائے گا۔ ارشاد ہے: ﴿ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ﴾ "پھر بے شک آپ کا رب ان پر مہربان ہے جن لوگوں نے نادانی سے برے کام کیے۔" بعض سلف نے کہا ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، وہ جاہل ہے۔ ﴿ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَأَصْلَحُوْٓا ﴾ "پھر اس کے بعد توبہ کی اور نیکوکار ہو گئے۔" یعنی گناہوں کو چھوڑ دیا اور نیک کام کرنے لگے۔ ﴿ إِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا ﴾ "پھر اس کے بعد آپ کا پروردگار۔" یعنی اس برے کام اور لغزش کے بعد ﴿ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿119﴾ ﴾ "بڑا بخشنے والا (اور ان پر) نہایت رحمت کرنے والا ہے۔"

تفسیر آیات: 120-123

خلیل اللہ کا تذکرہ: اللہ تعالیٰ نے امام الحنفاء، ابو الانبیاء، اپنے بندے، رسول اور خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس مقام پر بہت تعریف فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ان کا مشرکین یا یہودیوں یا عیسائیوں سے قطعاً کوئی تعلق نہ تھا، فرمایا: ﴿ إِنَّ إِبْرٰهِيْمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ط ﴾ "بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرماں بردار تھے۔" ﴿ أُمَّةً ﴾ کے معنی اس امام کے ہیں جس کی اقتدا کی جاتی ہو اور ﴿ قَانِتًا ﴾ کے معنی عاجزی کرنے والے اور اطاعت گزار کے ہیں اور ﴿ حَنِيْفًا ط ﴾ کے معنی ہیں شرک سے اعراض کر کے توحید کو اختیار کرنے والے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿120﴾ ﴾ "اور

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ

ہفتے کے دن (کی تعظیم) کو تو صرف ان لوگوں پر ضروری قرار دیا گیا تھا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔ اور بے شک آپ کا رب ان کے

الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿124﴾

مابین قیامت کے دن اس امر کا فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے ﴿124﴾

مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ أمة کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ آپ اکیلے ہی امت تھے۔[1] ﴿ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ ﴾ ''اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں جن نعمتوں سے سرفراز فرمایا، ان پر اپنے رب تعالیٰ کا شکر بجالاتے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓي ﴾ (النجم 37:53) ''اور ابراہیم جنھوں نے (حق طاعت و رسالت) پورا کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے انھیں جو جو حکم دیا، انھوں نے سب کو پورا کر دیا، ﴿ اِجْتَبٰىهُ ﴾ ''اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا۔'' یعنی منتخب کیا اور پسند فرمالیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴾ (الأنبیاء 51:21) ''اور البتہ تحقیق ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان (کے حال) سے واقف تھے۔'' پھر فرمایا: ﴿ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿121﴾ ﴾ ''اور اسے (اپنی) سیدھی راہ پر چلاتا تھا۔'' صراط مستقیم یہ ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی اس طریقے کے مطابق عبادت کی جائے جو اس کا مقرر کردہ اور پسندیدہ ہو۔

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ ﴾ ''اور ہم نے انھیں دنیا میں بھی خوبی دی تھی۔'' یعنی ہم نے انھیں حیات طیبہ کی تکمیل کے لیے دنیا میں ہر وہ خوبی عطا فرمادی تھی جس کی ایک مرد مومن کو ضرورت ہو سکتی ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس کے معنی پچھلے لوگوں میں ذکر خیر کے ہیں۔[2] ﴿ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿122﴾ ﴾ ''اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔''

﴿ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ ﴾ ''پھر ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کرو۔'' یعنی ان کے کمال، ان کی عظمت، ان کی توحید اور ان کا طریقہ صحیح ہونے کی وجہ سے، اے خاتم الرسل اور سید الانبیاء! ہم نے آپ کی طرف یہ وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی کریں جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے جیسا کہ سورۂ انعام میں فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ڬ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ (الأنعام 161:6) ''کہہ دیجیے: مجھے میرے پروردگار نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے، صحیح (اعلیٰ اقدار کے حامل) دین کا، ایک رب کے پرستار ابراہیم کے طریقے کا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔'' پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے یہودیوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: (دیکھیے آیت:124)

تفسیر آیت:124

یہودیوں کے لیے ہفتے کے دن کا تقرر: اللہ تعالیٰ نے ہر امت کے لیے ہفتے کے دنوں میں سے ایک دن بطور خاص مقرر کیا

[1] تفسیر الطبری: 250/14. [2] تفسیر الطبری: 251/14.

ہے جس میں وہ جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے لیے جمعے کا دن مقرر فرمایا ہے کیونکہ یہ وہ چھٹا دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کی تکمیل فرمادی تھی اور اپنے بندوں پر اپنی نعمتوں کو تمام کر دیا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی یہودیوں کے لیے اس دن کو مقرر فرمایا تھا۔ مگر انھوں نے اسے چھوڑ کر اپنے لیے ہفتے کے دن کو پسند کر لیا۔ اس لیے کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سے کسی بھی چیز کو پیدا نہیں فرمایا تھا کیونکہ تخلیق کائنات کا عمل تو جمعے کے دن مکمل ہو گیا تھا، تورات میں نازل کی گئی شریعت میں اللہ تعالیٰ نے انھیں اس دن کے اختیار کرنے کے بارے میں لازمی حکم دیا اور انھیں وصیت کی کہ اس دن کو مضبوطی سے تھام لو، اس کی حفاظت کرو اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ جب میں اپنے نبی محمد ﷺ کو مبعوث کروں تو ان کی اطاعت بجالانا اور پیروی کرنا، اللہ تعالیٰ نے ان سے اس سلسلے میں خوب پختہ عہد و پیمان لیے تھے، اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ ﴾ ''ہفتے کا دن تو انھی لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا تھا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا۔'' مجاہد کہتے ہیں، یعنی اس دن کو اختیار کر لیا اور جمعے کو ترک کر دیا۔[1]

پھر وہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی بعثت تک اس دن سے وابستہ رہے اور کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ہی اسے اتوار کے دن میں بدلا تھا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تورات کی شریعت کو ترک نہیں کیا تھا سوائے ان بعض احکام کے جو منسوخ ہو گئے تھے اور وہ ہفتے کے دن کی حفاظت کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں آسمانوں پر اٹھا لیا، پھر بعد میں قسطنطین کے زمانے میں عیسائیوں نے ہفتے کے دن کو اتوار کے دن میں بدل دیا تھا تاکہ وہ یہودیوں کی مخالفت کر سکیں، نیز انھوں نے صَخْرَہ کے بجائے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا تھا۔[2] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: [نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، بَيْدَ أَنَّهُمْ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا ، ثُمَّ هٰذَا يَوْمُهُمُ الَّذِي فُرِضَ عَلَيْهِمْ فَاخْتَلَفُوا فِيهِ فَهَدَانَا اللّٰهُ لَهُ فَالنَّاسُ لَنَا فِيهِ تَبَعٌ ، اَلْيَهُودُ غَدًا وَّالنَّصَارٰى بَعْدَ غَدٍ] ''ہم آخر میں آنے والے ہیں لیکن روز قیامت سبقت لے جانے والے ہوں گے، البتہ انھیں کتاب ہم سے پہلے دی گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس دن (جمعہ) کو ان پر فرض قرار دیا تھا مگر انھوں نے اس میں اختلاف کیا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس دن کے اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرمادی، لوگ اس اعتبار سے ہم سے پیچھے ہیں، یہودیوں کا دن کل ہے اور عیسائیوں کا کل کے بعد (اتوار۔)''[3] یہ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَضَلَّ اللّٰهُ عَنِ الْجُمُعَةِ مَنْ كَانَ قَبْلَنَا،

---

[1] تفسير الطبرى: 251/14 . [2] عیسائیوں کے مشرق کی سمت نماز پڑھنے کی مزید تفصیل دیکھیے البداية والنهاية، ليس للجنب لمس التوراة: 139,138/2. [3] صحيح البخارى، الجمعة ، باب فرض الجمعة...... ، حديث: 876 وصحيح مسلم، الجمعة ، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: (21) - 855 .

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ

(اے نبی!) اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دیجیے اور ان سے احسن طریقے سے بحث کیجیے۔ بے شک

اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿125﴾

آپ کا رب ہی اس شخص کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکا اور وہی ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے ﴿125﴾

فَكَانَ لِلْيَهُودِ يَوْمُ السَّبْتِ، وَكَانَ لِلنَّصَارٰى يَوْمُ الْأَحَدِ ، فَجَاءَ اللّٰهُ بِنَا، فَهَدَانَا اللّٰهُ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ، فَجَعَلَ الْجُمُعَةَ وَالسَّبْتَ وَالْأَحَدَ، وَكَذٰلِكَ هُمْ تَبَعٌ لَّنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، نَحْنُ الْآخِرُونَ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا، وَالْأَوَّلُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، اَلْمَقْضِيُّ لَهُمْ قَبْلَ الْخَلَائِقِ] ''اللہ تعالیٰ نے ہم سے پہلے لوگوں کو جمعے کے دن سے گمراہ کر دیا تھا، اب یہودیوں کے لیے ہفتے کا دن ہے اور عیسائیوں کے لیے اتوار کا دن جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں بھیجا تو جمعے کے دن کے اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمادی اور ترتیب اس طرح ہے کہ جمعہ، ہفتہ اور اتوار، اس طرح روز قیامت بھی وہ ہمارے بعد ہوں گے، ہم اہل دنیا میں سے بعد میں آنے والے ہیں لیکن روز قیامت پہلے ہوں گے اور دیگر لوگوں کی نسبت حساب سے پہلے فارغ ہو جائیں گے۔''[1]

تفسیر آیت:125

حکمت وموعظت حسنہ کے ساتھ دین کی دعوت کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ کو حکم دیا کہ آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت کے ساتھ دعوت دیں۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ حکمت سے مراد وہ کتاب وسنت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمایا ہے۔ ﴿وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ ''اور نیک نصیحت سے'' جس میں لوگوں کے ساتھ پیش آنے والے حالات وواقعات کا بھی ذکر ہو۔[2] یعنی حالات وواقعات بھی انھیں یاد دلاؤ تا کہ یہ عبرت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جائیں۔ ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ﴾ ''اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو'' جس سے مناظرہ ومباحثہ کی ضرورت ہو تو خندہ پیشانی، نرمی وملائمت اور شائستہ انداز گفتگو کے ساتھ مناظرہ کرو جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ﴾ (العنکبوت 46:29) ''اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو۔ ہاں، جو ان میں سے ظلم وزیادتی کریں (ان کے ساتھ اسی طرح مجادلہ کرو۔)'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نرمی اختیار کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ موسیٰ وہارون علیہما السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت نرمی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝﴾ (طٰہٰ 44:20) ''پس اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔''

﴿اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿125﴾﴾ ''جو اس کے رستے سے بھٹک گیا، آپ کا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ جانتا ہے کہ بد بخت

---

[1] صحیح مسلم، الجمعة، باب هداية هذه الأمة ليوم الجمعة، حديث: 856. [2] تفسير الطبري: 252/14.

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿126﴾

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہو، اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے ﴿126﴾ اور (اے نبی!) آپ

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا

صبر کریں، اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی (کی توفیق) سے ہے اور ان (کفار) پر غم نہ کھائیں اور نہ آپ اس پر تنگی میں مبتلا ہوں جو وہ مکر (سازشیں)

يَمْكُرُوْنَ ﴿127﴾ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿128﴾ ع

کرتے ہیں ﴿127﴾ بلاشبہ اللہ ان کے ساتھ ہے جنھوں نے پرہیز گاری کی اور وہ احسان کرتے ہوں ﴿128﴾

کون ہے اور نیک بخت کون، اسے اس نے اپنے پاس لکھ کر رکھا ہے اور اس سے فارغ ہو چکا ہے، لہٰذا انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت تو دو لیکن ان میں سے جو گمراہ ہو جائے اور دعوت الی اللہ کو قبول نہ کرے، اس پر غم کرتے ہوئے اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں کیونکہ انھیں ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہیں، آپ کا کام تو انھیں ڈرانا اور اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے، پھر ان سے حساب ہم خود ہی لے لیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 28:56) ''اے نبی! بلاشبہ جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ ﴾ (البقرة 2:272) ''اے نبی! آپ ان لوگوں کی ہدایت کے ذمے دار نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔''

تفسیر آیات: 126-128

قصاص میں مساوات کا حکم: اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ قصاص اور اپنا حق وصول کرتے ہوئے عدل و انصاف کا معاملہ کیا جائے جیسا کہ عبدالرزاق نے ابن سیرین سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ ﴾ ''تو اتنی ہی تکلیف دو جتنی تکلیف تم کو اس سے پہنچی ہے۔'' کے بارے میں کہا ہے کہ اگر کوئی شخص تمھاری کوئی چیز لے لے تو تم بھی اس کی اسی طرح کی چیز لے لو۔[1] مجاہد، ابراہیم، حسن بصری اور دیگر کئی ائمہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2] ابن زید کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو مشرکین سے درگزر سے کام لینے کا حکم دیا گیا تھا، ان میں سے جب کچھ صاحب حیثیت لوگ مشرف بہ اسلام ہو گئے تو انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اگر اللہ تعالیٰ ہم کو اجازت دے تو ہم ان کتوں سے بدلہ لے لیں گے، اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مگر پھر جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔[3]

اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں اور پرہیز گاروں کا مددگار ہے: ﴿ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ ﴾ ''اور صبر ہی کیجیے اور

[1] تفسیر الطبری: 14/255۔ [2] تفسیر الطبری: 14/256۔ [3] تفسیر الطبری: 14/255۔

آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی (کی مدد) سے ہے۔'' یہ صبر کے حکم کی تاکید ہے، نیز بتایا جا رہا ہے کہ صبر بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت و اعانت کے بغیر اختیار نہیں کیا جا سکتا، پھر فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور ان کے بارے میں غم نہ کیجیے'' جو آپ کی مخالفت کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اسی طرح منظور ہے۔ ﴿ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿127﴾ ﴾ ''اور جو یہ بداندیشی کرتے ہیں، اس سے تنگ دل نہ ہوں۔'' آپ کے لیے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے، وہ آپ کا حامی و ناصر ہے وہ آپ کو ان کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرمائے گا۔ ﴿ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿128﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ جو پرہیزگار ہیں اور جو نیکوکار ہیں، اللہ ان کا مددگار ہے۔'' یعنی وہ اپنی تائید، نصرت، اعانت، ہدایت اور سعی و کوشش سے ان کے ساتھ ہے، یہ معیت خاصہ ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ط ﴾ (الأنفال 12:8) ''جب آپ کا پروردگار فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں تو ان لوگوں کو جمائے رکھو جو ایمان دار ہیں۔'' اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا تھا: ﴿ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ ○ ﴾ (طٰہٰ 46:20) ''تم دونوں مت ڈرو بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں (اور) سنتا اور دیکھتا ہوں۔''

اور نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا جبکہ دونوں غار میں تھے: ﴿ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ج ﴾ (التوبة 40:9) ''غم نہ کیجیے: اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''[1] معیت عامہ سمع، بصر اور علم کے ساتھ ہوتی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ ط وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ○ ﴾ (الحدید 4:57) ''اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمھارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ط مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا ج ﴾ (المجادلة 7:58) ''(اے نبی!) کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے بے شک اللہ کو سب معلوم ہے (کسی جگہ) تین (شخصوں) کا (مجمع اور کانوں میں) صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے، خواہ وہ کہیں ہوں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَتْلُو مِنْهُ مِن قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ط وَمَا يَعْزُبُ عَن رَّبِّكَ مِن مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ○ ﴾ (یونس 61:10) ''(اے نبی!) آپ جس حال میں بھی ہوتے ہیں یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہیں یا تم لوگ کوئی (اور) کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو تو ہم تمھارے پاس ہوتے ہیں اور آپ کے پروردگار سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے یا بڑی مگر واضح کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے۔''

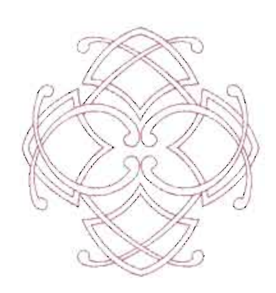
﴿ الَّذِينَ اتَّقَوا ﴾ ''اور جو پرہیزگار ہیں۔'' یعنی جنھوں نے محرمات کو ترک کر دیا ہے ﴿ وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ﴿128﴾ ﴾

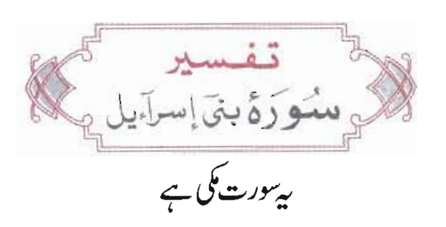
[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب قوله: ﴿ ثَانِيَ اثْنَيْنِ...... ﴾ (التوبة 40:9)، حدیث: 4663.

''اور جو نیکو کار ہیں۔'' اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری کے کام بجا لاتے ہیں تو ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرماتا ہے، انھیں اپنی نصرت وحمایت سے نوازتا ہے اور انھیں ان سے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے میں کامیابی و کامرانی سے سرفراز فرماتا ہے۔

سورۂ نحل کی تفسیر مکمل ہوئی۔

وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيماً.





یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا

پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے، تاکہ ہم

حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ①

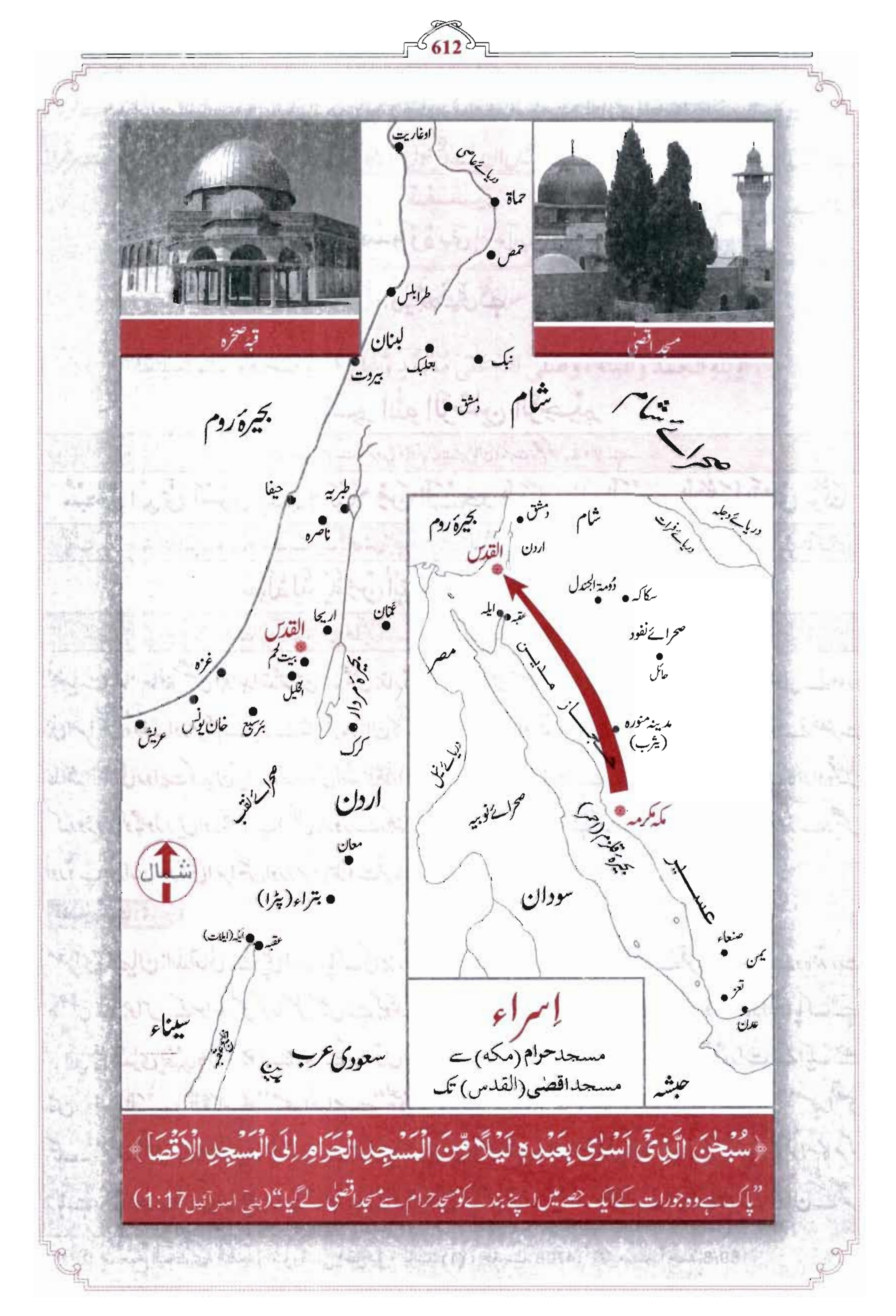
اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ①

فضیلت: امام حافظ متقن ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے سورۂ بنی اسرائیل، کہف اور مریم کے بارے میں فرمایا: ان کا تعلق میرے پہلے اور قدیم مال سے ہے۔[1] امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس قدر کثرت سے نفلی) روزے رکھتے حتی کہ ہم کہتے کہ آپ کا ارادہ نہیں کہ روزوں کو چھوڑ دیں اور پھر آپ (نفل) روزے رکھنا چھوڑ دیتے حتی کہ ہم یہ کہتے کہ اب آپ کا ارادہ نہیں کہ روزے رکھیں اور آپ ہر رات سورۂ بنی اسرائیل اور زمر کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[2]

تفسیر آیت: 1

معراج کا بیان: اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات پاک کی بزرگی اور اپنی عظمت شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اسے وہ قدرت حاصل ہے جو اس کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ہے کیونکہ اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔ وہ تو وہ ذات پاک ہے: ﴿ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ ﴾ ''جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا۔'' یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ﴿ لَیۡلًا ﴾ یعنی رات کے ایک حصے میں ﴿ مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ﴾ ''مسجد الحرام سے'' یعنی مکہ مکرمہ کی مسجد (خانہ کعبہ) سے ﴿ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا ﴾ ''مسجد اقصیٰ تک۔'' مسجد اقصیٰ سے مراد بیت المقدس ہے جو ایلیاء میں ہے جو کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام سے لے کر انبیائے کرام کا مرکز رہا ہے، یہی وجہ ہے کہ یہاں اس رات تمام انبیائے کرام کو جمع کیا گیا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے علاقے اور ان کے گھر

① صحيح البخاري، التفسير، سورة بني إسرائيل، باب: (1)، حديث: 4708. ② مسند أحمد: 189/6.



﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا﴾

"پاک ہے وہ جو رات کے ایک حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گیا۔" (بنی اسرآئیل 17:1)

میں ان کی امامت فرمائی جو اس بات کی دلیل ہے کہ امام اعظم اور رئیس مقدم آپ ہی ہیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

ارشادِ الٰہی: ﴿ الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ ﴾ ''جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔'' یعنی فصلوں اور پھلوں کی صورت میں ﴿ لِنُرِیَهٗ ﴾ ''تاکہ ہم اسے دکھائیں۔'' یعنی محمد ﷺ کو ﴿ مِنْ اٰیٰتِنَا ط ﴾ ''اپنی (قدرت کی) نشانیاں۔'' یعنی بڑی بڑی نشانیاں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْکُبْرٰی ○ ﴾ (النجم 18:53) ''البتہ تحقیق انھوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔'' ہم آگے ان نشانیوں کا ذکر کریں گے جن کا نبیٔ اکرم ﷺ کی احادیث میں ذکر آیا ہے۔ ارشادِ الٰہی: ﴿ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ① ﴾ ''بے شک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔'' یعنی وہ اپنے تمام بندوں کی باتوں کو سنتا ہے، خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، تصدیق کرنے والے ہوں یا تکذیب کرنے والے اور وہ انھیں دیکھتا بھی ہے اور ہر ایک کو وہ دیتا بھی ہے جس کا وہ دنیا و آخرت میں مستحق ہو۔

معراج سے متعلق احادیث مبارکہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أُتِيتُ بِالْبُرَاقِ وَهُوَ دَابَّةٌ أَبْيَضُ فَوْقَ الْحِمَارِ وَدُونَ الْبَغْلِ، يَضَعُ حَافِرَهٗ عِنْدَ مُنْتَهٰى طَرْفِهٖ، فَرَكِبْتُهٗ فَسَارَ بِي حَتّٰى أَتَيْتُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ، فَرَبَطْتُّ الدَّابَّةَ بِالْحَلْقَةِ الَّتِي يَرْبِطُ فِيهَا الْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ دَخَلْتُ فَصَلَّيْتُ فِيهِ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ خَرَجْتُ فَجَاءَ نِي جِبْرِيلُ بِإِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّإِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ، فَاخْتَرْتُ اللَّبَنَ، قَالَ جِبْرِيلُ: أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ.

قَالَ: ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: وَمَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِآدَمَ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ. قَالَ: فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِابْنَيِ الْخَالَةِ يَحْيٰى وَعِيسٰى فَرَحَّبَا وَدَعَوَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِيُوسُفَ، فَإِذَا هُوَ قَدْ أُعْطِيَ شَطْرَ الْحُسْنِ فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ الرَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ، فَفُتِحَ الْبَابُ، فَإِذَا أَنَا بِإِدْرِيسَ فَرَحَّبَ بِي وَدَعَالِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ قَالَ: يَقُولُ اللّٰهُ: ﴿ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ○ ﴾ (مریم 57:19) ثُمَّ عُرِجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الْخَامِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ:

جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِهَارُونَ، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ، ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّادِسَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ:وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، فَقِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِمُوسٰى، فَرَحَّبَ وَدَعَا لِي بِخَيْرٍ.

ثُمَّ عُرِجَ بِنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ، فَاسْتَفْتَحَ جِبْرِيلُ، فَقِيلَ: مَنْ أَنْتَ؟ قَالَ: جِبْرِيلُ،قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، قِيلَ: وَقَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: قَدْ بُعِثَ إِلَيْهِ. فَفُتِحَ لَنَا، فَإِذَا أَنَا بِإِبْرَاهِيمَ وَإِذَا هُوَ مُسْتَنِدٌ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، وَإِذَا هُوَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ لَّا يَعُودُونَ إِلَيْهِ،ثُمَّ ذُهِبَ بِي إِلَى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، فَإِذَا وَرَقُهَا كَآذَانِ الْفِيَلَةِ، وَإِذَا ثَمَرُهَا كَالْقِلَالِ، فَلَمَّا غَشِيَهَا مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ مَا غَشِيَهَا تَغَيَّرَتْ، فَمَا أَحَدٌ مِّنْ خَلْقِ اللّٰهِ يَسْتَطِيعُ أَنْ يَّصِفَهَا مِنْ حُسْنِهَا.

قَالَ: فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيَّ مَا أَوْحٰى، وَفَرَضَ عَلَيَّ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ خَمْسِينَ صَلَاةً فَنَزَلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوسٰى،فَقَالَ: مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قَالَ: قُلْتُ خَمْسِينَ صَلَاةً فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، قَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، وَإِنِّي قَدْ بَلَوْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَخَبَرْتُهُمْ، قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلٰى رَبِّي، فَقُلْتُ: أَيْ رَبِّ! خَفِّفْ عَنْ أُمَّتِي، فَحَطَّ عَنِّي خَمْسًا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: مَا فَعَلْتَ؟ قُلْتُ: حَطَّ عَنِّي خَمْسًا، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَاكَ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ:فَلَمْ أَزَلْ أَرْجِعُ بَيْنَ رَبِّي وَبَيْنَ مُوسٰى وَيَحُطُّ عَنِّي خَمْسًا خَمْسًا، حَتّٰى قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! هِيَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ، بِكُلِّ صَلَاةٍ عَشْرٌ،فَتِلْكَ خَمْسُونَ صَلَاةً، وَّمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كُتِبَتْ حَسَنَةً، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ عَشْرًا، وَّمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا لَمْ تُكْتَبْ شَيْئًا، فَإِنْ عَمِلَهَا كُتِبَتْ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً، فَنَزَلْتُ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوسٰى فَأَخْبَرْتُهُ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذَاكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِﷺ لَقَدْ رَجَعْتُ إِلٰى رَبِّي حَتّٰى لَقَدِ اسْتَحْيَيْتُ]

’’میرے پاس براق لایا گیا جو سفید رنگ کا ایک ایسا جانور تھا جو گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، (اور وہ اس قدر سبک رفتار تھا کہ) اپنے پاؤں کو وہاں رکھتا جہاں اس کی نظر پڑتی تھی، میں اس پر سوار ہوا، وہ مجھے لے کر چل پڑا حتی کہ میں بیت المقدس میں پہنچ گیا، میں نے جانور کو اس حلقے سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے، پھر میں نے مسجد میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی، پھر میں مسجد سے باہر نکلا تو جبریل میرے پاس ایک شراب کا برتن اور دوسرا دودھ کا برتن لے کر آئے، میں نے دودھ والے برتن کو پسند کر لیا تو جبریل نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔

آپ نے فرمایا: پھر ہمیں آسمانِ دنیا کی طرف لے جایا گیا، جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو ان سے پوچھا گیا

کہ تم کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا کہ تمھارے ساتھ کون ہیں۔ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے، اس کے بعد ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات دو خالہ زاد بھائیوں یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی، دونوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی، پھر ہمیں تیسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی، دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ انھیں نصف حسن سے نوازا گیا ہے، انھوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا کی، پھر ہمیں چوتھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا، وہاں میری ملاقات ادریس علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی، پھر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝ ﴾ (مریم 19:57) ''اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھا لیا تھا۔''

پھر ہمیں پانچویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا اور وہاں میری ملاقات ہارون علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی، پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا کہ تم کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ جبریل نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی، انھوں نے خوش آمدید کہا اور میرے لیے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

پھر ہمیں ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھلوانے کے لیے کہا تو پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے تو پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا تو وہاں میری ملاقات ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی، آپ بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار

فرشتے داخل ہوتے ہیں وہ اس کی طرف نہیں لوٹ سکیں گے، پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف لے جایا گیا، اس کے پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح تھے اور اس کے پھل مٹکوں کی طرح تھے، جب اللہ تعالیٰ کے امر نے اسے (سدرۃ المنتہیٰ کو) ڈھانپا جس قدر ڈھانپا تو اس کا رنگ بدل گیا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ طاقت نہیں کہ اس کے حسن و جمال کو بیان کر سکے۔

آپ نے فرمایا کہ پھر اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی بھیجی جو بھیجی اور مجھ پر ہر دن رات میں پچاس نمازیں فرض قرار دے دیں۔ واپسی پر جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ دن رات میں پچاس نمازیں، انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں اور اس سے امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں ہوگی کیونکہ میں اس سلسلے میں بنی اسرائیل کی خوب آزمائش کر چکا ہوں۔ میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس واپس آیا اور میں نے عرض کی: اے میرے رب! میری امت سے تخفیف فرما دے! تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پانچ نمازیں کم کر دیں، میں واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا بنا؟ میں نے جواب دیا کہ پانچ نمازیں کم ہوگئی ہیں، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو اس کی بھی طاقت نہ ہوگی، آپ اپنے رب تعالیٰ کے پاس واپس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان بار بار آتا جاتا رہا اور مجھ سے پانچ پانچ نمازیں کم کی جاتی رہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (ﷺ!) یہ دن رات میں پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز کا دس گنا ثواب ملے گا تو اس طرح گویا یہ پچاس نمازیں ہو جائیں گی، جو شخص ایک نیکی کا ارادہ کرے مگر اسے عملی جامہ نہ پہنا سکے تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دی جائے گی اور اگر اسے عملی جامہ پہنا دے تو اس کے لیے دس نیکیاں لکھ دی جائیں گی اور جو شخص کسی برائی کا ارادہ کرے اور اس کے مطابق عمل نہ کرے تو اس کے لیے کچھ نہیں لکھا جاتا اور اگر اس کے مطابق عمل کر لے تو صرف ایک برائی لکھی جاتی ہے، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا اور انھیں بتایا تو انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس جائیں اور تخفیف کے لیے سوال کریں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی بھی طاقت نہ ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میں نے بار بار اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اب مجھے حیا دامن گیر ہے۔''[1]

امام مسلم نے بھی اس حدیث کو اسی سیاق کے ساتھ روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ شب معراج نبی اکرم ﷺ کے پاس براق کو زین اور لگام کے ساتھ لایا گیا تاکہ آپ اسے سواری کے لیے استعمال کریں مگر اس نے ضد کرنا چاہی تو جبریل نے اس سے کہا کہ ایسا کیوں کرتے ہو۔ اللہ کی قسم! تم پر آج تک کوئی ایسا شخص سوار نہیں ہوا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ سے زیادہ معزز اور مکرم ہو، یہ سن کر براق پسینے سے شرابور ہو گیا۔[3] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو روایت کیا اور اسے حسن غریب قرار دیا ہے۔[4]

---

① مسند أحمد: 149,148/3. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله...... ، حديث: 162. ③ مسند أحمد: 164/3. ④ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة بني إسرائيل، حديث: 3131.

امام احمد ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[لَمَّا عَرَجَ بِي رَبِّي عَزَّوَجَلَّ، مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَّهُمْ أَظْفَارٌ مِّنْ نُّحَاسٍ يَّخْمُشُونَ وُجُوهَهُمْ وَصُدُورَهُمْ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ لُحُومَ النَّاسِ، وَيَقَعُونَ فِي أَعْرَاضِهِمْ]''جب میرے رب نے مجھے معراج کروائی تو میرا گزر کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کے ناخن پیتل کے تھے اور وہ ان کے ساتھ اپنے چہروں اور سینوں کو چھیل رہے تھے، میں نے پوچھا: جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھایا کرتے اور ان کی عزتوں کے درپے ہوا کرتے تھے۔''[1] اسے ابوداود نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

امام احمد ہی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[مَرَرْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عَلٰى مُوسٰى قَائِمًا يُّصَلِّي فِي قَبْرِهِ]''شب معراج میرا موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز ادا کر رہے تھے۔''[3] اسے امام مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[4]

انس بن مالک کی مالک بن صَعْصَعَہ رضی اللہ عنہما سے روایت: امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ مالک بن صَعْصَعَہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرمایا:[بَيْنَمَا أَنَا فِي الْحَطِيمِ۔ وَرُبَّمَا قَالَ قَتَادَةُ: فِي الْحِجْرِ۔ مُضْطَجِعٌ إِذْ أَتَانِي آتٍ، فَجَعَلَ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ الْأَوْسَطِ بَيْنَ الثَّلَاثَةِ، قَالَ: فَأَتَانِي فَقَدَّ۔ وَسَمِعْتُ قَتَادَةَ يَقُولُ: فَشَقَّ۔ مَا بَيْنَ هٰذِهِ إِلٰى هٰذِهِ وَقَالَ قَتَادَةُ: فَقُلْتُ: لِلْجَارُودِ وَهُوَ إِلٰى جَنْبِي: مَا يَعْنِي؟ قَالَ: مِنْ ثُغْرَةِ نَحْرِهِ إِلٰى شِعْرَتِهِ، وَقَدْ سَمِعْتُهُ يَقُولُ: مِنْ قَصِّهِ إِلٰى شِعْرَتِهِ قَالَ: فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِي فَأُتِيتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مَّمْلُوءَةٍ إِيمَانًا وَّحِكْمَةً فَغُسِلَ قَلْبِي ثُمَّ حُشِيَ، ثُمَّ أُعِيدَ، ثُمَّ أُتِيتُ بِدَابَّةٍ دُونَ الْبَغْلِ وَفَوْقَ الْحِمَارِ أَبْيَضَ قَالَ: فَقَالَ لَهُ الْجَارُودُ: أَهُوَ الْبُرَاقُ يَا أَبَا حَمْزَةَ؟ قَالَ: نَعَمْ، يَقَعُ خَطْوُهُ عِنْدَ أَقْصٰى طَرْفِهِ قَالَ: فَحُمِلْتُ عَلَيْهِ فَانْطَلَقَ بِي جِبْرِيلُ حَتّٰى أَتٰى بِيَ السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَاسْتَفْتَحَ، فَقِيلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ: مُحَمَّدٌ، قِيلَ: أَوَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ، وَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، قَالَ: فَفَتَحَ فَلَمَّا خَلَصْتُ، فَإِذَا فِيهَا آدَمُ، فَقَالَ: هٰذَا أَبُوكَ آدَمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ:مَرْحَبًا بِالْاِبْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ (اَلْحَدِيثَ بِنَحْوِمَا سَبَقَ، وَفِيهِ فِي ذِكْرِ مُوسٰى عليه السلام)۔ قَالَ:۔ فَلَمَّا تَجَاوَزْتُ بَكٰى قِيلَ لَهُ: مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: أَبْكِي لِأَنَّ غُلَامًا بُعِثَ بَعْدِي يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِهِ أَكْثَرُ مِمَّا يَدْخُلُهَا مِنْ أُمَّتِي.

قَالَ: ثُمَّ صَعِدَ حَتّٰى أَتَى السَّمَاءَ السَّابِعَةَ، فَاسْتَفْتَحَ قِيلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قِيلَ: وَمَنْ مَّعَكَ؟ قَالَ

[1] مسند أحمد:224/3. [2] سنن أبي داود، الأدب، باب في الغيبة ، حديث:4878. [3] مسند أحمد:120/3.

[4] صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسٰى، حديث:(165)-2375.

مُحَمَّدٌ، قِيلَ: أَوَقَدْ أُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قِيلَ: مَرْحَبًا بِهِ وَنِعْمَ الْمَجِيءُ جَاءَ، قَالَ:فَفَتَحَ ، فَلَمَّا خَلَصْتُ إِلَيْهِ فَإِذَا إِبْرَاهِيمُ، فَقَالَ: هٰذَا إِبْرَاهِيمُ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، قَالَ: فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ فَرَدَّ السَّلَامَ، ثُمَّ قَالَ: مَرْحَبًا بِالِابْنِ الصَّالِحِ وَالنَّبِيِّ الصَّالِحِ، قَالَ: ثُمَّ رُفِعَتْ إِلَيَّ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى فَإِذَا نَبْقُهَا مِثْلُ قِلَالِ هَجَرَ، وَإِذَا وَرَقُهَا مِثْلُ آذَانِ الْفِيَلَةِ، فَقَالَ: هٰذِهِ سِدْرَةُ الْمُنْتَهٰى، قَالَ: وَإِذَا أَرْبَعَةُ أَنْهَارٍ: نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ، فَقُلْتُ: مَا هٰذَا يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: أَمَّا الْبَاطِنَانِ فَنَهْرَانِ فِي الْجَنَّةِ وَأَمَّا الظَّاهِرَانِ فَالنِّيلُ وَالْفُرَاتُ، قَالَ: ثُمَّ رُفِعَ لِيَ الْبَيْتُ الْمَعْمُورُ۔قَالَ قَتَادَةُ:وَحَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ أَنَّهُ رَأَى الْبَيْتَ الْمَعْمُورَ يَدْخُلُهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ ثُمَّ لَا يَعُودُونَ فِيهِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلٰى حَدِيثِ أَنَسٍ۔ قَالَ: ثُمَّ أُتِيتُ بِإِنَاءٍ مِّنْ خَمْرٍ وَّإِنَاءٍ مِّنْ لَّبَنٍ وَّإِنَاءٍ مِّنْ عَسَلٍ، قَالَ: فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ، قَالَ: هٰذِهِ الْفِطْرَةُ أَنْتَ عَلَيْهَا وَأُمَّتُكَ۔ قَالَ: ثُمَّ فُرِضَتِ الصَّلَاةُ خَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: (فَرَجَعْتُ حَتّٰى انْتَهَيْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: مَا فَرَضَ رَبُّكَ عَلٰى أُمَّتِكَ، قَالَ: فَقُلْتُ:) بِخَمْسِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِخَمْسِينَ صَلَاةً، وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا.

قَالَ: فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى قَالَ: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: بِأَرْبَعِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَاتَسْتَطِيعُ أَرْبَعِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا أُخَرَ فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى ، فَقَالَ لِي: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: أُمِرْتُ بِثَلَاثِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِثَلَاثِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ عَنِّي عَشْرًا أُخَرَ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى: فَقَالَ:بِمَ أُمِرْتَ؟ فَقُلْتُ: بِعِشْرِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، قَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ عِشْرِينَ صَلَاةً كُلَّ يَوْمٍ، وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ.

فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، قَالَ: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: أُمِرْتُ بِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَقَالَ إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِعَشْرِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ، وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: فَرَجَعْتُ فَأُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: بِمَ أُمِرْتَ؟ قُلْتُ: أُمِرْتُ بِخَمْسِ صَلَوَاتٍ كُلَّ يَوْمٍ، فَقَالَ: إِنَّ أُمَّتَكَ لَا تَسْتَطِيعُ لِخَمْسِ صَلَوَاتٍ

كُلَّ يَوْمٍ وَّإِنِّي قَدْ خَبَرْتُ النَّاسَ قَبْلَكَ وَعَالَجْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَشَدَّ الْمُعَالَجَةِ، فَارْجِعْ إِلَى رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ التَّخْفِيفَ لِأُمَّتِكَ، قَالَ: قُلْتُ: قَدْ سَأَلْتُ رَبِّي حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ، وَلٰكِنْ أَرْضٰى وَأُسَلِّمُ، فَلَمَّا نَفَذْتُ نَادَانِي مُنَادٍ: قَدْ أَمْضَيْتُ فَرِيضَتِي وَخَفَّفْتُ عَنْ عِبَادِي]

’’میں حطیم۔اس حدیث کی سند کے راوی قتادہ نے ’’حطیم‘‘ کے بجائے حِجر کا نام بھی لیا ہے۔میں لیٹا ہوا تھا کہ میرے پاس ایک آنے والا آیا اور اس نے تینوں میں سے اپنے درمیان والے ساتھی سے یہ کہنا شروع کیا۔ آپ نے فرمایا: وہ آیا اور اس نے میرے جسم کے یہاں سے لے کر یہاں تک کے حصے کو چاک کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے جارود سے پوچھا جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ کیا مقصد! انھوں نے کہا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ سینے کے کنارے سے لے کر پیٹ تک کا حصہ چاک کیا اور میں نے انھیں یہ بھی کہتے ہوئے سنا ہے کہ سینے کی ہڈی سے لے کر پیٹ تک کا حصہ چاک کیا۔ [1] آپ نے فرمایا کہ میرے دل کو نکالا گیا اور میرے پاس سونے کا ایک تھال لایا گیا جو ایمان وحکمت سے بھرا ہوا تھا۔ میرے دل کو دھویا گیا، پھر اسے ایمان وحکمت سے بھر کر اپنی جگہ لوٹا دیا گیا۔ پھر میرے پاس سفید رنگ کا ایک ایسا جانور لایا گیا جو خچر سے چھوٹا اور گدھے سے بڑا تھا...... جارود نے پوچھا کہ ابوحمزہ! یہ جانور براق تھا انھوں نے کہا: ہاں اور یہ جانور (اس قدر سبک رفتار تھا) کہ جہاں تک اس کی نگاہ جاتی وہاں وہ اپنا قدم رکھتا تھا۔

آپ نے فرمایا: مجھے اس جانور پر سوار کر دیا گیا، جبریل علیہ السلام میرے ہمراہ تھے حتی کہ وہ مجھے آسمان دنیا کے پاس لے گئے، جبریل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا کہ کون ہو۔ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، پوچھا گیا: تمھارے ساتھ کون ہیں؟ جواب دیا: محمد (ﷺ)، پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ جواب دیا: ہاں، تو کہا گیا: آپ کو خوش آمدید ہو۔ آپ بہت ہی اچھے تشریف لانے والے ہیں، آپ نے فرمایا کہ پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا، جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں آدم علیہ السلام تشریف فرما تھے، جبریل نے کہا کہ یہ آپ کے باپ آدم علیہ السلام ہیں، آپ انھیں سلام کہیں، میں نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید اے صالح بیٹے اور صالح نبی! (باقی حدیث اسی طرح ہے جس طرح پہلے بیان کی جا چکی ہے، [2] البتہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں یہ بھی ہے:) جب میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو وہ رونے لگ گئے، ان سے پوچھا گیا: آپ روتے کیوں ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ میں اس لیے روتا ہوں کہ یہ نوجوان میرے بعد مبعوث ہوئے مگر آپ کی امت میری امت کی نسبت جنت میں زیادہ داخل ہوگی۔

آپ نے فرمایا: پھر مجھے ساتویں آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل نے دروازہ کھولنے کے لیے کہا تو پوچھا گیا: کون ہو؟ جواب دیا: جبریل، پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔ جواب دیا، محمد (ﷺ) پوچھا گیا: کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا

[1] ہمام کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے قَدَّ کے بجائے شَقَّ سنا، بہر حال دونوں کے معنی ’’لمبائی میں چاک کرنے یا پھاڑنے کے ہیں۔‘‘
[2] دیکھیے عنوان: ’’انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت‘‘

ہے؟انھوں نے جواب دیا۔ہاں،تو کہا گیا کہ خوش آمدید بہت ہی اچھے ہیں یہ تشریف لانے والے!آپ نے فرمایا: پھر ہمارے لیے دروازہ کھول دیا گیا جب میں اندر داخل ہوا تو وہاں ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی،جبریل نے بتایا کہ یہ ابراہیم ہیں آپ انھیں سلام کہیں،آپ نے فرمایا کہ میں نے انھیں سلام کہا تو انھوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: خوش آمدید اے نیک بیٹے اور نیک نبی!آپ نے فرمایا: پھر مجھے سدرۃ المنتھٰی کی طرف لے جایا گیا،اس کے پھل مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے اور پتے ہاتھیوں کے کانوں کی طرح،جبریل نے کہا کہ یہ سدرۃ المنتھٰی ہے۔

آپ نے فرمایا: وہاں چار نہریں تھیں،دو نہریں باطنی اور دو نہریں ظاہری،میں نے کہا: جبریل یہ کیا ہے؟انھوں نے جواب دیا کہ دونوں باطنی نہریں جنت کی ہیں اور دونوں ظاہری نہریں نیل اور فرات ہیں،آپ نے فرمایا کہ پھر بیت المعمور کو میرے پاس لایا گیا۔

امام قتادہ کہتے ہیں کہ ہم سے حسن نے اور انھوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ بیت المعمور میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اور جو ایک مرتبہ داخل ہو گئے،وہ دوبارہ داخل نہ ہوں گے۔

پھر انھوں نے حدیث انس[1] ہی کی طرح بیان کیا کہ آپ نے فرمایا کہ پھر میرے پاس ایک برتن شراب کا،ایک دودھ کا اور ایک شہد کا لایا گیا،آپ نے فرمایا کہ میں نے دودھ والے برتن کو لے لیا،جبریل نے کہا کہ یہ (اس دین) فطرت (کی طرف اشارہ) ہے جس پر آپ اور آپ کی امت ہیں۔

آپ نے فرمایا: پھر مجھ پر پچاس نمازیں روزانہ فرض قرار دے دی گئیں اور میں جب واپسی پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟میں نے جواب دیا کہ روزانہ پچاس نمازیں،انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ پچاس نمازوں کی استطاعت نہیں ہوگی،میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے،لہٰذا اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں،آپ نے فرمایا کہ میں واپس گیا تو مجھ سے دس نمازیں کم کر دی گئیں،میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟میں نے کہا کہ روزانہ چالیس نمازیں،انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ چالیس نمازوں کی استطاعت نہ ہوگی،میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے،لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں۔

آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے پاس گیا تو مجھ سے دس نمازیں اور کم کر دی گئیں،میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟میں نے کہا: تیس نمازیں روزانہ۔انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ تیس نمازوں کی بھی استطاعت نہیں ہوگی،میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے،لہٰذا اپنے رب کے پاس

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللہ......، حدیث:162 .

جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے پاس گیا تو مجھ سے دس نمازیں اور کم کردی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟ میں نے کہا: بیس نمازیں روزانہ، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روزانہ بیس نمازوں کی بھی استطاعت نہ ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے۔

لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، آپ فرماتے ہیں کہ میں پھر واپس گیا تو مجھ سے دس نمازیں اور کم کردی گئیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا: کیا حکم ملا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ مجھے روزانہ دس نمازوں کا حکم ملا ہے، انھوں نے کہا کہ آپ کی امت کو روازانہ دس نمازوں کی بھی استطاعت نہ ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے، لہٰذا اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، میں واپس گیا تو مجھے روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دے دیا گیا، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پوچھا کیا حکم ملا ہے؟ میں نے کہا: روزانہ پانچ نمازوں کا حکم ملا ہے، انھوں نے کہا آپ کی امت کو روزانہ پانچ نمازوں کی بھی استطاعت نہ ہوگی، میں نے آپ سے پہلے لوگوں کو آزمایا اور بنی اسرائیل کو خوب جانچا پرکھا ہے، لہٰذا آپ اپنے رب کے پاس جائیں اور اپنی امت کے لیے تخفیف کا سوال کریں، میں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے رب سے بار بار سوال کیا ہے حتی کہ اب مجھے شرم آتی ہے، لہٰذا اب میں اپنے رب کے حکم کے سامنے تسلیم اور رضا کا اظہار کرتا ہوں، چنانچہ جب میں نے (اس حکم کو) نافذ کردیا تو اس وقت ایک منادی کرنے والے نے یہ اعلان کیا کہ میں نے اپنے فرض کو عائد کردیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کردی۔''[1] صحیحین میں بھی یہ حدیث اسی طرح ہے۔[2]

انس کی ابوذر رضی اللہ عنہما سے روایت: امام بخاری رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِي وَأَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيلُ فَفَرَجَ صَدْرِي ثُمَّ غَسَلَهُ بِمَاءِ زَمْزَمَ، ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَهَبٍ مُّمْتَلِيءٍ حِكْمَةً وَّإِيمَانًا، فَأَفْرَغَهُ فِي صَدْرِي، ثُمَّ أَطْبَقَهُ، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي فَعَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَلَمَّا جِئْتُ إِلَى السَّمَاءِ قَالَ جِبْرِيلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ: اِفْتَحْ! قَالَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: جِبْرِيلُ، قَالَ: هَلْ مَعَكَ أَحَدٌ؟ قَالَ: نَعَمْ، مَعِيَ مُحَمَّدٌ، فَقَالَ: أَأُرْسِلَ إِلَيْهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، فَلَمَّا فَتَحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا، فَإِذَا رَجُلٌ قَاعِدٌ عَلَى يَمِينِهِ أَسْوِدَةٌ، وَّعَلَى يَسَارِهِ أَسْوِدَةٌ، إِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ يَسَارِهِ بَكَى، فَقَالَ:

[1] مسند أحمد: 208/4-210. جبکہ دوسری قوسین والے الفاظ مسند أحمد: 148/3 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہیں۔ [2] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائكة صلوات الله عليهم ......، حديث: 3207 و صحيح مسلم، الإيمان، باب الإسراء برسول الله ﷺ......، حديث: 164.

مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ، قَالَ: قُلْتُ لِجِبْرِيلَ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا آدَمُ، وَهٰذَا الْأَسْوِدَةُ عَنْ يَّمِينِهِ وَشِمَالِهِ نَسَمُ بَنِيهِ، فَأَهْلُ الْيَمِينِ مِنْهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، وَالْأَسْوِدَةُ الَّتِي عَنْ شِمَالِهِ أَهْلُ النَّارِ، فَإِذَا نَظَرَ عَنْ يَّمِينِهِ ضَحِكَ، وَإِذَا نَظَرَ قِبَلَ شِمَالِهِ بَكٰى، حَتّٰى عَرَجَ بِي إِلَى السَّمَاءِ الثَّانِيَةِ۔ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔: قَالَ: ثُمَّ مَرَرْتُ بِإِبْرَاهِيمَ فَقَالَ: مَرْحَبًا بِالنَّبِيِّ الصَّالِحِ وَالِابْنِ الصَّالِحِ،قُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ قَالَ: هٰذَا إِبْرَاهِيمُ ﷺ.

قَالَ الزُّهْرِيُّ: فَأَخْبَرَنِي ابْنُ حَزْمٍ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَّأَبَا حَبَّةَ الْأَنْصَارِيَّ كَانَا يَقُولَانِ: قَالَ النَّبِيُّ: [ثُمَّ عُرِجَ بِي حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى أَسْمَعُ فِيهِ صَرِيفَ الْأَقْلَامِ]۔ قَالَ ابْنُ حَزْمٍ وَّأَنَسُ ابْنُ مَالِكٍ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: فَفَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى أُمَّتِي خَمْسِينَ صَلَاةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوسٰى، فَقَالَ: مَافَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى أُمَّتِكَ؟ قُلْتُ:فَرَضَ خَمْسِينَ صَلَاةً، قَالَ: مُوسٰى: فَارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعَنِي فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى، قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا، قَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ، فَرَاجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا، فَرَجَعْتُ إِلَيْهِ، فَقَالَ: ارْجِعْ إِلٰى رَبِّكَ فَإِنَّ أُمَّتَكَ لَا تُطِيقُ ذٰلِكَ، فَرَاجَعْتُهُ، فَقَالَ: هُنَّ خَمْسٌ وَّهُنَّ خَمْسُونَ، لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ، فَرَجَعْتُ إِلٰى مُوسٰى فَقَالَ: رَاجِعْ رَبَّكَ، قُلْتُ: اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّي، ثُمَّ انْطَلَقَ بِي حَتّٰى انْتَهٰى بِي إِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى، وَغَشِيَهَا أَلْوَانٌ لَّا أَدْرِي مَاهِيَ، ثُمَّ أُدْخِلْتُ الْجَنَّةَ، فَإِذَا فِيهَا حَبَايِلُ اللُّؤْلُؤِ، وَإِذَا تُرَابُهَا الْمِسْكُ]

’’میرے گھر کی چھت کو کھولا گیا جبکہ میں مکہ میں تھا، جبریل آئے اور انھوں نے میرے سینے کو کھولا، پھر اسے آبِ زمزم کے ساتھ دھویا، پھر وہ سونے کا ایک تھال لائے جو حکمت وایمان سے بھرا ہوا تھا تو انھوں نے اسے میرے سینے میں انڈیل دیا، پھر سینے کو بند کر دیا، پھر میرے ہاتھ کو پکڑا اور مجھے آسمان دنیا کے پاس لے گئے جب میں آسمان تک پہنچا تو جبریل نے آسمان کے خازن سے کہا کہ کھولو تو اس نے پوچھا: کون ہو؟ انھوں نے جواب دیا: میں جبریل ہوں، اس نے پوچھا۔ کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں، اس نے پوچھا، کیا آپ کی طرف پیغام بھیجا گیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، جب اس نے دروازہ کھولا تو ہم آسمان دنیا کے اندر چلے گئے۔ وہاں ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے جن کی دائیں طرف بہت سے لوگ تھے اور بائیں طرف بھی بہت سے لوگ، جب وہ اپنی دائیں طرف دیکھتے تو ہنستے اور جب بائیں طرف دیکھتے تو رونے لگتے، انھوں نے کہا: خوش آمدید اے صالح نبی اور صالح کے بیٹے! میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: یہ آدم علیہ السلام ہیں ان کی دائیں اور بائیں طرف بیٹھے ہوئے یہ لوگ ان کی اولاد ہیں، دائیں طرف کے لوگ اہل جنت ہیں اور بائیں طرف والے اہل دوزخ، یہی وجہ ہے کہ وہ جب اپنی دائیں طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں، پھر مجھے دوسرے آسمان کی طرف لے جایا گیا۔ پھر حسب سابق حدیث بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ پھر میں ابراہیم علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو انھوں نے فرمایا: خوش آمدید اے صالح نبی اور

صالح کے بیٹے! میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ جبریل نے بتایا کہ یہ ابراہیم علیہ السلام ہیں- امام زہری بیان کرتے ہیں کہ مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابو حبہ انصاری رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر مجھے اوراوپر لے جایا گیا حتی کہ میں ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں میں قلموں کی آوازیں سن رہا تھا۔

ابن حزم وانس بن مالک نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازوں کو فرض قرار دیا تو واپسی پر جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزر ہوا تو انھوں نے پوچھا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے کہا: پچاس نمازیں تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں ہوگی، میں واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے آدھی نمازیں کم کر دیں، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس آیا تو میں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدھی نمازیں کم کر دی ہیں تو انھوں نے کہا اپنے رب کے پاس واپس جائیں کیونکہ آپ کی امت کو اس کی طاقت نہیں ہوگی میں واپس آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی آدھی اور کم کر دیں، میں موسیٰ کے پاس واپس آیا تو انھوں نے پھر کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جائیں، آپ کی امت کو اس کی طاقت نہ ہوگی، میں پھر واپس گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نمازیں پانچ ہیں اور یہ پچاس کے بقدر ہیں، میرے ہاں بات میں تبدیلی نہ ہوگی، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس واپس گیا تو انھوں نے کہا کہ اپنے رب کے پاس جائیں، میں نے کہا اب مجھے اپنے رب سے شرم آتی ہے۔ پھر جبریل میرے ساتھ چلے حتی کہ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ گئے اس پر بہت سے رنگ چھا رہے تھے، مجھے معلوم نہیں تھا کہ وہ کیا ہیں، پھر مجھے جنت میں داخل کر دیا گیا تو اس میں موتیوں کے ہار تھے اور اس کی مٹی کستوری تھی۔'' یہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ ہیں جو کتاب الصلاۃ میں ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو باب ماذکر عن بنی إسرائیل میں، کتاب الحج میں اور کتاب أحادیث الأنبیاء میں بھی مختلف سندوں سے یونس سے روایت کیا ہے۔[1] اور امام مسلم نے اسے اپنی صحیح کی کتاب الإیمان میں بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[2]

امام احمد نے عبداللہ بن شقیق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ سے ایک سوال پوچھتا، انھوں نے کہا کہ آپ نے کیا سوال پوچھنا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ پوچھنا تھا: کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ سوال آپ سے پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا تھا: [قَدْ رَأَیْتُهُ نُورًا ، أَنَّی أَرَاهُ؟] ''میں نے اس کا نور دیکھا ہے، میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں؟''[3] امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں اسی طرح آیا ہے۔ امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں عبداللہ بن شقیق سے اور انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: [نُورٌ أَنَّی أَرَاهُ] ''اللہ تعالیٰ کی ذات تو نور ہے میں اسے

---

[1] صحیح البخاری، الصلاۃ ،باب: کیف فرضت الصلاۃ ......؟ حدیث:349 والحج، باب ماجاء فی زمزم، حدیث: 1636 وأحادیث الأنبیاء، باب ذکر إدریس علیہ السلام......، حدیث:3342 جبکہ أحادیث الأنبیاء میں باب ماذکر عن بنی إسرائیل کے تحت یہ حدیث نہیں ہے، البتہ بخاری ہی میں بدء الخلق، باب ذکر الملائکۃ......، حدیث:3207 میں ہے۔ [2] صحیح مسلم ، الإیمان ، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ، حدیث:163. [3] مسند أحمد:147/5.

کیسے دیکھ سکتا ہوں؟''① عبداللہ بن شَقِیق سے روایت ہے کہ میں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا تو آپ سے ایک سوال پوچھتا، انھوں نے کہا: آپ نے کیا سوال پوچھنا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ سوال پوچھنا تھا کہ کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے یہ سوال پوچھا تھا تو آپ نے فرمایا: [رَأَيْتُ نُورًا] ''میں نے نور دیکھا ہے۔''②

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت: امام احمد نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: [لَمَّا كَذَّبَتْنِي قُرَيْشٌ حِينَ أُسْرِيَ بِي إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ، قُمْتُ فِي الْحِجْرِ فَجَلَا اللّٰهُ لِي بَيْتَ الْمَقْدِسِ ، فَطَفِقْتُ أُخْبِرُهُمْ عَنْ آيَاتِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ] ''جب مجھے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی تو قریش نے میری تکذیب کی، میں حجر میں کھڑا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بیت المقدس دکھا دیا، میں اس وقت بیت المقدس کو دیکھ رہا تھا اور قریش کو اس کی نشانیوں کے بارے میں بتا رہا تھا۔''③ امام بخاری و مسلم نے اس روایت کو صحیحین میں بھی کئی سندوں سے بیان کیا ہے۔④ بیہقی میں ہے کہ ابن شہاب نے کہا کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا کہ قریش کے کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے: کیا آپ اپنے ساتھی کی اس بات کو کبھی سچ مانیں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس جا کر مکہ میں واپس بھی آ گئے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا آپ نے واقعی یہ بات فرمائی ہے۔ انھوں نے کہا: ہاں، تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ بات فرمائی ہے تو سچ فرمایا ہے۔ انھوں نے کہا: تعجب ہے کہ آپ ان کی اس بات کو سچ سمجھتے ہیں کہ وہ راتوں رات شام جا کر صبح ہونے سے پہلے پہلے مکہ میں واپس بھی آ گئے! انھوں نے فرمایا: ہاں، میں تو آپ کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں، یعنی میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔ ابوسَلَمہ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ابوبکر کو صِدِّیق کے نام سے موسوم کیا گیا۔⑤

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت: امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل ہوئے تو آپ نے ایک طرف قدموں کی آہٹ سنی تو پوچھا: [يَا جِبْرِيلُ! مَاهٰذَا؟] ''جبریل! یہ کیا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ یہ بلال مؤذن کے قدموں کی آہٹ ہے، نبی ﷺ جب لوگوں کے پاس واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: [قَدْ أَفْلَحَ بِلَالٌ رَأَيْتُ لَهُ كَذَا وَكَذَا] ''بلال کامیاب ہو گئے، میں نے جنت میں انھیں ایسے ایسے دیکھا ہے۔'' جنت میں جب موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ نبی امی کی تشریف آوری

① صحيح مسلم ، الإيمان ، باب في قوله ﷺ:[نور أنّى أراه......]، حديث: 178. ② صحيح مسلم، الإيمان، باب في قوله ﷺ : [نور أنّى أراه......]، حديث:(292)-178. ③ مسند أحمد:377/3. ④ صحيح البخاري، التفسير ، باب قوله: ﴿ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ...... ﴾ (بنيّ إسرآء يل 1:17)،حديث: 4710و3886. ⑤ دلائل النبوة للبيهقي، باب الإسراء برسول الله من المسجد الحرام......:360/2.

پرخوش آمدید کہتے ہیں، آپ نے فرمایا:[وَهُوَ رَجُلٌ آدَمُ طَوِيلٌ، سَبِطٌ شَعْرُهُ مَعَ أُذُنَيْهِ ، أَوْ فَوْقَهُمَا] ''موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گندمی، قد طویل اور بال لمبے تھے جو کانوں تک تھے یا ان سے اوپر میں نے پوچھا:[مَنْ هٰذَا؟ يَا جِبْرِيلُ!] ''جبریل! یہ کون ہیں؟'' انھوں نے بتایا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔[1] اس کے بعد آپ آگے تشریف لے گئے اور وہاں ایک جلیل القدر اور پر ہیبت شیخ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے خوش آمدید اور سلام کہا۔ تمام انبیائے کرام ہی آپ کو سلام کہتے تھے، آپ نے پوچھا: [مَنْ هٰذَا؟ يَا جِبْرِيلُ!] ''جبریل! یہ کون ہیں؟'' انھوں نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ ابراہیم ہیں۔

آپ نے کچھ لوگوں کو جہنم میں دیکھا جو مردار کھا رہے تھے، آپ نے پوچھا:[مَنْ هٰؤُلَاءِ؟ يَا جِبْرِيلُ !] ''جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: یہ وہ ہیں جو لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے؟ یعنی غیبت کیا کرتے تھے، آپ نے ایک آدمی دیکھا جو بہت سرخ، نیلگوں رنگ، گھنگریالے اور پراگندہ بالوں والا تھا، آپ نے پوچھا:[مَنْ هٰذَا؟ يَا جِبْرِيلُ!] ''جبریل! یہ کون ہے؟'' انھوں نے جواب دیا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے (صالح کی) اونٹنی کی کونچیں کاٹ دی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپسی پر مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے تو آپ نے نماز پڑھنا شروع فرمادی اور تمام نبیوں نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ کی خدمت میں دو پیالے پیش کیے گئے، ایک دائیں طرف سے اور دوسرا بائیں طرف سے، ایک میں دودھ تھا اور دوسرے میں شہد، آپ نے دودھ کو لے لیا اور نوش فرمایا جس کے ہاتھ میں پیالہ تھا، اس نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔[2] اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر اصحاب کتب ستہ نے اسے بیان نہیں کیا۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بیت المقدس کی سیر کرائی گئی اور پھر آپ اسی رات واپس بھی تشریف لے آئے اور آپ نے لوگوں سے اپنے اس سفر بیت المقدس کی علامت اور قریش کے قافلے کے بارے میں بیان فرمایا تو کچھ لوگوں نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہہ رہے ہیں ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے، وہ مرتد ہو کر کافر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کی گردنوں کو ابوجہل کے ساتھ (غزوۂ بدر میں) ماردیا تھا۔ ابوجہل کہنے لگا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں زقوم کے درخت سے ڈراتے ہیں، کھجور اور پنیر لاؤ اور اسے باہم ملا دو تو یہ زقوم بن گیا (حالانکہ زقوم جہنم میں تھوہر کے درخت کا نام ہے) آپ نے دجال کو بھی اس رات خواب میں نہیں بلکہ سر کی آنکھوں سے دیکھا تھا، نیز عیسیٰ، موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کو بھی دیکھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دجال کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

[رَأَيْتُهُ فَيْلَمَانِيًّا أَقْمَرَ هِجَانًا، إِحْدٰى عَيْنَيْهِ قَائِمَةٌ، كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ، كَأَنَّ شَعْرَ رَأْسِهِ أَغْصَانُ شَجَرَةٍ، وَرَأَيْتُ عِيسٰى شَابًّا أَبْيَضَ، جَعْدَ الرَّأْسِ، حَدِيدَ الْبَصَرِ، مُبَطَّنَ الْخَلْقِ، وَرَأَيْتُ مُوسٰى أَسْحَمَ آدَمَ، كَثِيرَ الشَّعْرِ۔ قَالَ حَسَنٌ: اَلشَّعَرَةِ۔ شَدِيدَ الْخَلْقِ، وَنَظَرْتُ إِلٰى إِبْرَاهِيمَ، فَلَا أَنْظُرُ إِلٰى إِرْبٍ مِّنْ آرَابِهِ إِلَّا نَظَرْتُ إِلَيْهِ مِنِّي، كَأَنَّهُ صَاحِبُكُمْ ، فَقَالَ جِبْرِيلُ علیہ السلام سَلِّمْ عَلٰى (أَبِيكَ) فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ]

[1] بعض نسخوں میں موسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی ہے۔ [2] مسند أحمد:257/1.

''میں نے اسے دیکھا کہ وہ بہت بھاری بھرکم عظیم الجثّہ ، چاند کی طرح روشن رو تھا، اس کی ایک آنکھ سلامت تھی اور یوں محسوس ہوتی تھی گویا چمکدار تارا ہو اور اس کے سر کے بال اس طرح تھے جیسے کسی درخت کی شاخیں ہوں۔ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ سفید رنگ کے نوجوان تھے، ان کے سر کے بال گھنگریالے، نظر بہت تیز اور پیٹ کے دبلے پتلے تھے، میں نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ لحیم وشحیم، گندمی رنگ، زیادہ بالوں والے۔ فرمایا: خوبصورت بالوں والے۔ مضبوط جسم کے مالک تھے، میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، میں نے آپ کی جس خوبی کو بھی دیکھا، وہ مجھے اپنے آپ میں بھی نظر آئی بس یوں ہی سمجھو کہ وہ مجھ سے بہت ہی ملتے جلتے تھے، جبریل نے کہا کہ اپنے باپ کو سلام کہیں تو میں نے آپ کو سلام کہا۔''[1] اسے امام نسائی رحمہ اللہ نے ابوزید ثابت (بن یزید) اور انھوں نے ہلال (بن خباب) سے اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ سند صحیح ہے۔[2]

امام بیہقی نے ابوالعالیہ کی روایت کو بیان کیا ہے، انھوں نے کہا کہ ہم سے تمھارے نبی ﷺ کے برادر عم زاد ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [رَأَیْتُ لَیْلَةَ أُسْرِیَ بِی مُوسَی بْنَ عِمْرَانَ علیہ السلام، رَجُلًا طِوَالًا جَعْدًا کَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَیْتُ عِیسَی ابْنَ مَرْیَمَ علیہ السلام مَرْبُوعَ الْخَلْقِ إِلَی الْحُمْرَةِ وَالْبَیَاضِ، سَبِطَ الرَّأْسِ وَأُرِیَ مَالِکًا خَازِنَ جَهَنَّمَ وَالدَّجَّالَ فِی آیَاتٍ أَرَاهُنَّ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ إِیَّاهُ قَالَ: ﴿فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ (السجدة 23:32)] ''میں نے شب معراج موسیٰ بن عمران کو دیکھا کہ وہ طویل القامت اور گھنگریالے بالوں والے تھے، گویا وہ خاندان شنوءہ کے لوگوں میں سے ہوں اور میں نے عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو اس طرح دیکھا کہ آپ درمیانے قد، سرخ وسفید رنگ اور لمبے بالوں والے تھے، مجھے جہنم کے داروغے مالک اور دجال کو بھی ان نشانیوں کے ساتھ دکھایا گیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے دکھائیں۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ﴾ ''پس آپ ان کے ملنے سے شک میں نہ ہوں۔'' امام قتادہ رحمہ اللہ اس کی تفسیر یہ بیان کرتے تھے کہ نبی ﷺ کی موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تھی: ﴿وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ (بنی إسرآءیل 2:17) ''اور ہم نے اس (کتاب) کو (یا موسیٰ کو) بنی اسرائیل کے لیے (ذریعۂ) ہدایت بنایا۔'' امام قتادہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لیے ذریعۂ ہدایت بنا دیا تھا۔[3] امام مسلم نے اسے صحیح میں روایت کیا ہے۔[4] اور امام بخاری ومسلم نے اسے قتادہ سے مختصراً بھی روایت کیا ہے۔[5]

---

[1] مسند أحمد: 374/1. [2] السنن الکبری للنسائی، التفسیر، سورة الإسراء: 377/6، حدیث: 11283. ملحوظہ: مسند احمد میں نحن لانصدق ...... کے بجائے نحن نصدق......؟ یعنی استفہام انکاری ہے، تاہم مفہوم دونوں کا ایک ہے، اسی طرح مسند احمد کے مذکورہ حوالے میں (سَلِّمْ عَلٰی مَالِكٍ) ہے جبکہ مسند أبی یعلی الموصلی: 108/5، حدیث: 2720 میں......أبیكَ اور سیاق کلام سے مؤخر الذکر ہی درست معلوم ہوتا ہے۔ واللہ أعلم. [3] دلائل النبوة للبیهقی، باب الدلیل علیٰ أن النبی ﷺ عرج به إلى السماء......: 386/2 . [4] صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰه......، حدیث: 165. [5] صحیح البخاری، بدء الخلق، باب: إذ قال أحدكم: آمین......، حدیث: 3239 و 3396 و صحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء ......، حدیث: 165.

امام احمد ہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَمَّا كَانَ لَيْلَةُ أُسْرِيَ بِي، وَ أَصْبَحْتُ بِمَكَّةَ فَظِعْتُ بِأَمْرِي ، وَعَرَفْتُ أَنَّ النَّاسَ مُكَذِّبِيَّ] ''جب رات کو مجھے معراج کرائی گئی اور پھر صبح کے وقت میں مکہ میں تھا میں گھبرا گیا اور میں نے معلوم کرلیا کہ لوگ میری تکذیب کریں گے'' تو آپ غمزدہ حالت میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے، اللہ کے دشمن ابو جہل کا پاس سے گزر ہوا تو وہ میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور طنزیہ انداز میں کہنے لگا: کیا کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں'' اس نے کہا: وہ کیا؟ تو آپ نے فرمایا: [إِنَّهُ أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ] ''رات کو مجھے سیر کرائی گئی۔'' اس نے پوچھا: کہاں؟ آپ نے فرمایا: [إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ] ''بیت المقدس تک کی'' اس نے کہا: پھر بوقت صبح آپ یہاں پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں'' ابو جہل نے فوراً آپ کی تکذیب نہ کی کیونکہ اس نے یہ سوچا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لوگوں کو آپ کی یہ بات بتائے اور آپ اس کا انکار کر دیں، اس لیے اس نے کہا کہ اگر آپ کی قوم کے لوگوں کو یہاں بلاؤں تو کیا آپ ان سے بھی یہ بات بیان کریں گے جو مجھ سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں'' تو اس نے آواز دی، اے بنی کعب بن لُوَیّ کے لوگو! تو لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور آ کر ان دونوں کے پاس بیٹھ گئے تو ابو جہل کہنے لگا کہ وہ بات ذرا ان سے بھی بیان کریں جو آپ نے مجھ سے بیان کی تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنِّي أُسْرِيَ بِيَ اللَّيْلَةَ] ''بلاشبہ مجھے رات کو سیر کرائی گئی ہے۔'' لوگوں نے کہا: کہاں کی؟ آپ نے فرمایا: [إِلٰى بَيْتِ الْمَقْدِسِ] ''بیت المقدس تک کی۔'' لوگوں نے پوچھا: پھر صبح آپ یہاں پہنچ گئے؟ آپ نے فرمایا: [نَعَمْ] ''ہاں''۔

تو یہ سن کر کچھ لوگ تو تالیاں بجانے لگے اور کچھ لوگوں نے اسے جھوٹ سمجھ کر از راہ تعجب اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیے اور کہنے لگے: کیا آپ ہمارے سامنے مسجد اقصیٰ کی کیفیت بیان کر سکتے ہیں؟ کیونکہ ان میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے اس شہر کا سفر کیا اور مسجد کو دیکھا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [فَذَهَبْتُ أَنْعَتُ فَمَا زِلْتُ أَنْعَتُ حَتَّى الْتَبَسَ عَلَيَّ بَعْضُ النَّعْتِ ، قَالَ: فَجِيءَ بِالْمَسْجِدِ وَ أَنَا أَنْظُرُ حَتّٰى وُضِعَ دُونَ دَارِ عِقَالٍ ، أَوْ عُقَيْلٍ ، فَنَعَتُّهُ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَيْهِ قَالَ: وَكَانَ مَعَ هٰذَا نَعْتٌ لَّمْ أَحْفَظْهُ، قَالَ :فَقَالَ الْقَوْمُ : أَمَّا النَّعْتُ فَوَ اللّٰهِ ! لَقَدْ أَصَابَ] ''میں نے کیفیت بیان کرنا شروع کی حتی کہ مجھے جب کچھ اشتباہ سا ہونے لگا تو مسجد کو میرے سامنے لایا گیا اور میں نے اسے دیکھنا شروع کر دیا، یوں محسوس ہوتا تھا کہ مسجد کو عِقال یا عُقَیل کے گھر سے قریب رکھ دیا گیا ہے اور میں نے اسے دیکھتے ہوئے اس کی کیفیت کو بیان کرنا شروع کر دیا کیونکہ اس کی کچھ کیفیت ایسی تھی جو مجھے یاد نہیں رہی تھی، لوگوں نے کہا کہ جہاں تک مسجد کی کیفیت کا تعلق ہے تو وہ تو اللہ کی قسم! انھوں نے صحیح صحیح بیان کی ہے۔''[1] اسے امام نسائی اور بیہقی نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت: حافظ ابوبکر بیہقی نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(1) مسند أحمد:309/1. (2) السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب سورة الإسراء:377/6، حديث:11285 ودلائل النبوة للبيهقي، باب الإسراء برسول الله ﷺ......:364,363/2.

کومعراج کرائی گئی تو آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا، یہ چھٹے آسمان میں ہے اور جو چیز اوپر لے جائی جاتی ہے وہ یہاں تک پہنچتی ہے حتی کہ اسے یہاں سے لے لیا جاتا ہے اور جو چیز اوپر سے آتی ہے وہ بھی یہاں سے ہوکر نیچے آتی ہے حتی کہ اسے لے لیا جاتا ہے۔ ﴿اِذْ یَغْشَی السِّدْرَۃَ مَا یَغْشٰی ﴾ (النجم16:53) ''جبکہ اس بیری کو ڈھانپ رہا تھا جو ڈھانپ رہا تھا۔'' آپ نے فرمایا کہ اس پر سونے کے پتنگے چھا رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کو اس رات پانچ نمازوں اور سورۂ بقرہ کی آخری آیات عطا کی گئیں اور اس شخص کے کبیرہ گناہوں کی مغفرت کی نوید بھی سنائی گئی جو کسی بھی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناتا ہو۔[1] اس روایت کو امام مسلم نے بھی اپنی صحیح میں بیان فرمایا ہے۔[2]

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت: امام احمد رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جابیہ میں تھے کہ آپ نے فتح بیت المقدس کا ذکر کیا امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ابوسلمہ نے کہا مجھ سے ابوسنان نے عُبید بن آدم کے واسطے سے فرمایا کہ میں نے سنا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کعب رضی اللہ عنہ سے کہہ رہے تھے کہ تمھاری رائے میں مجھے نماز کہاں پڑھنی چاہیے، انھوں نے کہا کہ اگر آپ مجھ سے پوچھتے ہیں تو آپ صخرہ کے پیچھے نماز ادا کریں، اس طرح سارا اقدس آپ کے سامنے ہوگا، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اس طرح تو آپ کی یہودیت سے مشابہت ہو جائے گی، اس لیے میں تو نماز اس جگہ ادا کروں گا جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا فرمائی تھی، اس کے بعد آپ قبلے کی طرف بڑھ گئے اور آپ نے نماز پڑھی، پھر آپ نماز سے فراغت کے بعد تشریف لائے تو آپ نے اپنی چادر کو پھیلا دیا اور مسجد میں جھاڑو دے کر کوڑا اس میں ڈالنا شروع کر دیا اور لوگوں نے بھی مسجد میں جھاڑو دینا شروع کر دیا۔[3]

آپ نے صَخرَہ کو ایسی تعظیم نہ دی کہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر نماز ادا کی ہو جیسا کہ کعب احبار نے کہا تھا، یاد رہے کہ کعب کا تعلق اس قوم سے تھا جو صَخرَہ کی تعظیم کرتی اور اسے قبلہ قرار دیتی تھی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا کہ انھیں اسلام اور ہدایت حق کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرما دی، یہی وجہ ہے کہ جب انھوں نے صَخرَہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا اشارہ کیا تو امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم نے یہودیت کی مشابہت اختیار کر لی ہے لیکن میں صَخرَہ کی اس طرح توہین نہیں کروں گا جس طرح عیسائیوں نے اس کی توہین کرتے ہوئے اسے کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بنا دیا تھا، اس لیے کہ یہ یہودیوں کا قبلہ تھا لیکن میں تو اس کوڑے کرکٹ کو صاف کر دوں گا، پھر آپ نے اپنی مبارک چادر سے اس کی صفائی کر دی تھی۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت: امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ نے صحیحین میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(حِینَ أُسْرِیَ بِی لَقِیتُ مُوسٰی علیہ السلام) قَالَ فَنَعَتَهُ، فَإِذَا رَجُلٌ ـ حَسِبْتُهُ قَالَ ـ: مُضْطَرِبٌ، رَجِلُ الرَّأْسِ كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ، قَالَ: وَلَقِیتُ عِیسٰی ، فَنَعَتَهُ النَّبِیُّ ﷺ ، فَقَالَ: رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ

[1] دلائل النبوۃ للبیھقی، باب الدلیل علی أن النبی ﷺ عرج به إلی السماء......: 373,372/2. [2] صحیح مسلم، الإیمان، باب فی ذکر سدرۃ المنتھی، حدیث: 173. [3] مسند أحمد: 38/1 البتہ یہ حدیث ضعیف ہے۔

دِيمَاسٍ- يَعْنِي الْحَمَّامَ - وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ وَأَنَا أَشْبَهُ وَلَدِهِ بِهِ ، قَالَ: وَأُتِيتُ بِإِنَاءَيْنِ أَحَدُهُمَا لَبَنٌ وَّالْآخَرُ فِيهِ خَمْرٌ، فَقِيلَ لِي: خُذْ أَيَّهُمَا شِئْتَ، فَأَخَذْتُ اللَّبَنَ فَشَرِبْتُهُ، فَقِيلَ لِي: هُدِيتَ الْفِطْرَةَ أَوْ أَصَبْتَ الْفِطْرَةَ: أَمَا! إِنَّكَ لَوْ أَخَذْتَ الْخَمْرَ غَوَتْ أُمَّتُكَ]

''جب مجھے سیر کرائی گئی تو موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی تو آپ نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بیان فرمایا کہ وہ ایک (ایسے) آدمی تھے۔راوی کہتا ہے میرا خیال ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جو دراز قد اور ان کے سر کے بال قدرے گھنگریالے تھے، گویا آپ خاندان شنوءہ کے آدمیوں کی طرح تھے، آپ نے فرمایا کہ میں نے عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ آپ درمیانی قامت اور سرخ رنگ کے خوبصورت انسان تھے، گویا ابھی حمام سے (غسل کر کے) باہر آئے ہوں اور میں نے ابراہیم علیہ السلام سے بھی ملاقات کی اور آپ کی اولاد میں سے میں آپ سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔آپ نے فرمایا: میرے پاس دو برتن لائے گئے، ان میں سے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی، مجھ سے کہا گیا کہ ان میں سے جس برتن کو چاہو اپنے لیے پسند فرمالو تو میں نے دودھ والے برتن کو لے کر دودھ کو نوش کر لیا تو مجھ سے کہا گیا کہ آپ نے فطرت کا انتخاب کیا ہے، اگر آپ شراب کے برتن کو لے لیتے تو آپ کی ساری امت گمراہ ہو جاتی۔''[1] صحیحین میں یہ ایک دوسری سند سے بھی مروی ہے۔[2]

صحیح مسلم میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[لَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي الْحِجْرِ وَقُرَيْشٌ تَسْأَلُنِي عَنْ مَّسْرَايَ، فَسَأَلَتْنِي عَنْ أَشْيَاءَ مِنْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ أُثْبِتْهَا، فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَّا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ- قَالَ-: فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِي أَنْظُرُ إِلَيْهِ، مَا يَسْأَلُونِّي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَنْبَأْتُهُمْ بِهِ، وَقَدْ رَأَيْتُنِي فِي جَمَاعَةٍ مِّنَ الْأَنْبِيَاءِ،فَإِذَا مُوسٰى عليه السلام قَائِمٌ يُّصَلِّي، فَإِذَا رَجُلٌ ضَرْبٌ جَعْدٌ كَأَنَّهُ مِنْ رِّجَالِ شَنُوءَةَ، وَإِذَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ عليه السلام قَائِمٌ يُّصَلِّي، أَقْرَبُ النَّاسِ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ الثَّقَفِيُّ، وَإِذَا إِبْرَاهِيمُ عليه السلام قَائِمٌ يُّصَلِّي، أَشْبَهُ النَّاسِ بِهِ صَاحِبُكُمْ يَعْنِي نَفْسَهُ ﷺ فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَأَمَمْتُهُمْ، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنَ الصَّلَاةِ قَالَ قَائِلٌ: يَا مُحَمَّدُ! هٰذَا مَالِكٌ صَاحِبُ النَّارِ فَسَلِّمْ عَلَيْهِ، فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَبَدَأَنِي بِالسَّلَامِ]

''میں حجر میں تھا اور قریش میری سیر (معراج) کے بارے میں سوال کر رہے تھے، انھوں نے بیت المقدس کے بارے میں بھی مجھ سے کئی چیزیں پوچھیں جو مجھے اچھی طرح یاد نہ تھیں، اس لیے مجھے ایسا غم لاحق ہوا کہ اس طرح کا غم کبھی لاحق نہ ہوا ہو گا۔ فرمایا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اس طرح میرے سامنے لا کھڑا کیا کہ میں اسے دیکھ رہا تھا اور اب اس کے بارے میں وہ مجھ سے جو بھی سوال کرتے میں اس کا جواب دے دیتا تھا۔ میں نے انبیائے کرام کی بھی ایک جماعت دیکھی، موسیٰ علیہ السلام

---

[1] صحیح البخاري، أحاديث الأنبياء ، باب قول الله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ......﴾ (مريم 16:19)، حديث: 3437 وصحيح مسلم، الإيمان ، باب الإسراء ......، حديث: 168 جبکہ قوسین والے الفاظ مسلم کے مطابق ہیں۔ [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء ، باب قول الله تعالى : ﴿وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝......﴾ (طٰهٰ 9:20)، حديث: 3394 وصحيح مسلم، الأشربة، باب جواز شرب اللبن، حديث: 168، بعد الحديث: 2009.

کو کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، وہ دراز قد گھنگریالے بالوں والے تھے، گویا شنوءہ کے لوگوں میں سے ہوں، عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ بھی کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، لوگوں میں سے عروہ بن مسعود ثقفی ان سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی کھڑے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، لوگوں میں سے، میں خود آپ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں، نماز کا وقت ہوا تو میں نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت کے فرائض انجام دیے، جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی کہنے والے نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) یہ مالک داروغۂ جہنم ہیں آپ انھیں سلام کہیں، میں نے ان کی طرف جھانکا تو انھوں نے مجھے پہلے سلام کیا۔‘‘[1]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت: امام بیہقی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی گئی اور آپ نے صبح لوگوں کو اس کے بارے میں بتانا شروع کیا تو کچھ وہ لوگ بھی مرتد ہو گئے جو پہلے آپ پر ایمان لا چکے اور آپ کی تصدیق کر چکے تھے۔ یہ لوگ بھاگے بھاگے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہنے لگے۔ کیا آپ اپنے ساتھی کی اس بات کی بھی تصدیق کریں گے کہ وہ کہتے ہیں کہ انھیں راتوں رات بیت المقدس کی سیر کرائی گئی ہے۔ آپ نے پوچھا: کیا انھوں نے یہ بات فرمائی ہے۔ لوگوں نے کہا: ہاں، تو آپ نے کہا کہ اگر آپ نے یہ بات فرمائی ہے تو آپ نے سچ فرمایا ہے، انھوں نے پوچھا کیا آپ ان کی اس بات کی بھی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ راتوں رات بیت المقدس گئے، پھر صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں واپس بھی آ گئے۔ آپ نے فرمایا: ہاں، میں تو آپ کی اس سے بھی بڑی بات کی تصدیق کرتا ہوں، میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ آپ کے پاس صبح شام آسمان سے وحی آتی ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ صِدِّیق کے نام سے موسوم قرار پائے۔[2]

زمانۂ معراج: موسیٰ بن عقبہ نے امام زہری سے روایت کیا ہے کہ معراج ہجرت سے ایک سال پہلے تھی۔ عروہ کا بھی یہی قول ہے۔[3] سدی کہتے ہیں کہ ہجرت سے سولہ ماہ پہلے تھی۔[4]

حق بات یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کو معراج نیند میں نہیں بلکہ حالت بیداری میں کرائی گئی تھی مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک بُراق پر سوار کر کے آپ کو لے جایا گیا، جب آپ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو آپ نے اس جانور کو دروازے کے پاس باندھ دیا اور خود مسجد کے اندر تشریف لے گئے اور مسجد کے قبلے میں تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر معراج کو لایا گیا، یہ سیڑھی کی طرح ایک چیز تھی جس میں زینے بنے ہوئے تھے، آپ ان پر چڑھتے ہوئے آسمان دنیا اور پھر باقی سات آسمانوں تک پہنچ گئے، ہر آسمان کے مقربین نے آپ کا استقبال کیا اور آپ نے ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو سلام کہا جو اپنے مراتب و درجات

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم ......، حدیث:172. [2] دلائل النبوۃ للبیهقي، باب الإسراء برسول اللہ ......:361/2. [3] دلائل النبوۃ للبیهقي، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ من المسجد......:355,354/2. [4] دلائل النبوۃ للبیهقي، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ......:355/2.

کے اعتبار سے ان آسمانوں میں تھے، مثلاً: چھٹے آسمان پر آپ کی موسیٰ کلیم اللہ سے اور ساتویں پر ابراہیم خلیل اللہ سے ملاقات ہوئی، پھر آپ ان اور دیگر تمام انبیائے کرام کے مقام سے آگے بڑھ کر اس مقام تک پہنچ گئے جہاں قلموں کی آواز سنائی دے رہی تھی، یعنی ان قلموں کی آواز جن سے ہونے والے حالات و واقعات کی تقدیر لکھی جاتی ہے۔

آپ نے سدرۃ المنتہیٰ کو بھی دیکھا جسے اللہ تعالیٰ کے حکم سے عظیم الشان کیفیت، سونے کے پتنگوں، مختلف رنگوں اور فرشتوں نے ڈھانپ رکھا تھا، وہاں آپ نے جبریل علیہ السلام کو بھی ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے، نیز آپ نے جبریل کو سبز رنگ کے ریشمی حلے میں دیکھا جو سارے افق پر چھایا ہوا تھا، آپ نے بیت المعمور کو دیکھا اور دیکھا کہ زمینی کعبے کے بانی ابراہیم خلیل اللہ اس کے ساتھ اپنی پشت لگائے ہوئے ہیں، اس آسمانی کعبے میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اور جو فرشتے ایک بار داخل ہو گئے تو پھر قیامت کے دن تک دوبارہ ان کی باری نہ آسکے گی۔ آپ نے جنت اور جہنم کا بھی مشاہدہ کیا، اللہ تعالیٰ نے آپ پر پہلے پچاس نمازیں فرض کیں، پھر اللہ تعالیٰ نے از راہ لطف وکرم انھیں کم کر کے پانچ کر دیا، اس سے نماز کے شرف اور عظمت کی طرف بھی اشارہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے معراج سے پہلے نماز پڑھائی یا واپسی پر؟ پھر آپ نیچے اتر کر بیت المقدس میں تشریف لے آئے، حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بھی آپ کے ہمراہ تھے، یہاں آپ نے انھیں نماز پڑھائی، ممکن ہے کہ یہ اس دن کی نماز فجر ہو۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ آپ نے انبیائے کرام علیہم السلام کو آسمان میں نماز پڑھائی تھی لیکن روایات سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انھیں بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے انھیں آسمانوں کی سیر سے واپسی پر نماز پڑھائی تھی کیونکہ آپ جب آسمانوں میں ان کے مقامات میں ان کے پاس سے گزرے تو آپ نے ان میں سے ایک ایک کے بارے میں جبریل سے یہ پوچھا تھا کہ یہ کون ہیں اور جبریل نے ان میں سے ایک ایک کا تعارف کروایا اور قرین صواب بھی یہی بات ہے کیونکہ اللہ رب ذوالجلال کی جناب میں یہی بات پہلے مطلوب تھی کہ وہ آپ پر اور آپ کی امت پر جو چاہے فرض قرار دے اور پھر آپ جب اس سے فارغ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ ومشیت کے مطابق آپ پر اور آپ کی امت پر پانچ نمازوں کو فرض کر دیا اور آپ کے پاس آپ کے تمام نبی بھائی جمع ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے مقابلے میں آپ کے شرف وفضل کا اس طرح اظہار فرمایا کہ آپ کو تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا امام بنا دیا، اس وقت جبریل امین نے اشارہ کیا تھا کہ امامت کے فرائض آپ سرانجام دیں۔

پھر آپ بیت المقدس سے باہر نکلے اور بُراق پر سوار ہو کر منہ اندھیرے ہی مکہ مکرمہ میں واپس تشریف لے آئے۔ وَاللّٰهُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی أَعۡلَمُ.

آپ کی خدمت میں دودھ اور شہد یا دودھ اور شراب یا دودھ اور پانی یا ان سب چیزوں سے بھرے ہوئے برتن بیت المقدس میں اور بعض روایات کے مطابق آسمانوں میں پیش کیے گئے تھے۔ ممکن ہے دونوں جگہ ہی پیش کیے گئے ہوں کیونکہ اس

کی حیثیت ایسے تھی جیسے آنے والے (مہمان) کی ضیافت کی جاتی ہے، واللّٰہ أعلم.

معراج جسم وروح کے ساتھ عالم بیداری میں تھی: یاد رہے آپ کی یہ معراج جسم وروح کے ساتھ نیند میں نہیں بلکہ عالم بیداری میں تھی اور اس کی دلیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ ﴾ ''وہ ذات پاک ہے جو رات کے کچھ حصے میں اپنے بندے کو مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھیں ہیں، لے گئی۔'' اللہ تعالیٰ کی تسبیح عظیم الشان امور ومعاملات کے موقع پر بیان کی جاتی ہے، اگر یہ واقعہ خواب میں پیش آیا ہوتا تو کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی، اس میں عظمت وخوبی کا کوئی پہلو نہ تھا، کفار قریش کو اس کی تکذیب کی ضرورت نہ تھی، کچھ لوگ یہ واقعہ سننے کے بعد مرتد نہ ہوتے، پھر اس آیت کریمہ میں لفظ عبد استعمال ہوا ہے جو روح اور جسم دونوں سے عبارت ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:60) ''اور جو نمائش ہم نے آپ کو دکھائی اس کو لوگوں کے لیے آزمائش کیا۔'' تو اس آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد آنکھوں سے وہ دیکھنا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی رات دکھایا گیا تھا اور ملعون درخت سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔[1] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ۝ ﴾ (النجم 53:17) ''ان کی نگاہ نہ تو (حقیقت سے) ہٹی اور نہ (حد سے) آگے بڑھی۔'' آنکھ کا تعلق روح سے نہیں بلکہ جسمانی اعضاء سے ہے۔ علاوہ ازیں آپ کو براق پر سوار کرایا گیا تھا جو کہ سفید رنگ کا بہت ہی چمک دمک والا ایک جانور ہے اور سواری کی ضرورت جسم کو ہوتی ہے روح کو نہیں کیونکہ روح کو حرکت کرنے کے لیے کسی سواری پر سوار ہونے کی ضرورت نہیں ہوتی، واللّٰہ أعلم.

ایک عظیم نکتہ: حافظ ابونعیم اصفہانی نے اپنی کتاب ''دلائل النبوۃ'' میں بطریق محمد بن عمر واقدی بیان کیا ہے کہ مجھ سے مالک بن ابو رجال نے، انھوں نے عمرو بن عبداللہ سے اور انھوں نے محمد بن کعب قُرظی سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دِحیہ بن خلیفہ کو قیصر کی طرف اپنا سفیر بنا کر بھیجا، اس روایت میں دحیہ کے قیصر کے پاس جانے اور آنے کا ذکر ہے، نیز اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہِرَقل بے حد عقل مند انسان تھا، اس نے شام میں آئے ہوئے تاجروں کو طلب کیا تو ابوسفیان صخر بن حرب اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پاس لایا گیا، ہرقل نے ابوسفیان سے وہ مشہور سوالات پوچھے جو صحیح بخاری ومسلم کی روایت میں ہیں جیسا کہ اس کا ذکر آگے آئے گا ابوسفیان کی کوشش تھی کہ وہ آپ کو ہرقل کی نگاہوں میں حقیر اور صغیر کر کے پیش کرے لیکن ابو سفیان نے کہا کہ اللہ کی قسم! مجھے اس سے اس بات نے روکا کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا تھا کہ ہرقل کے پاس جھوٹ بولوں، وہ میرے جھوٹ کو پکڑے اور پھر میری کسی بات کو بھی سچ نہ جانے۔

اسی اثنا میں مجھے معراج کے بارے میں آپ کی بات یاد آ گئی تو میں نے کہا: بادشاہ سلامت! میں آپ کو ایک بات بتاتا ہوں جس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس شخص نے جھوٹ بولا ہے۔ ہرقل نے پوچھا: وہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا کہ ان کا

---

[1] صحیح البخاري، مناقب الأنصار، باب المعراج، حدیث: 3888 و 4716.

خیال ہے کہ وہ ایک رات ہمارے علاقے سرزمین حرم سے نکلے اور تمھاری اس مسجد، مسجدِ ایلیا میں آ گئے، پھر صبح سے پہلے پہلے ہمارے ہاں واپس بھی پہنچ گئے۔

ابوسفیان کی یہ بات سن کر ایلیا کے بِطْرِیق (پادری) نے کہا جو اس وقت قیصر کے سر کے پاس کھڑا تھا کہ میں اس رات کو جانتا ہوں، قیصر نے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ تمھیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے کہا: میں ہر رات سونے سے پہلے مسجد کے تمام دروازے بند کر دیا کرتا تھا، اس رات میں نے تمام دروازے بند کر دیے مگر ایک دروازے کا بند ہونا مشکل ہو گیا تو میں نے اپنے تمام کارکنوں اور تمام حاضرین سے مدد لی مگر ہم سب مل کر بھی اس دروازے کو حرکت نہ دے سکے، وہ دروازہ اس وقت پہاڑ کی طرح وزنی معلوم ہوتا تھا، میں نے بڑھئی لوگوں کو بلایا تو انھوں نے بتایا کہ اس پر تو چھت گری ہوئی ہے، صبح ہونے سے پہلے ہم اسے ہلا نہیں سکتے، صبح ہوئی تو ہم دیکھیں گے کہ چھت کہاں سے اور کیسے گری ہے۔ لہٰذا میں واپس آ گیا اور میں نے دونوں دروازے کھلے رہنے دیے۔ صبح ہوئی تو میں ان دروازوں کے پاس گیا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے کونے میں پڑے ہوئے پتھر میں ایک سوراخ ہو گیا ہے اور اس میں کسی جانور کے باندھنے کا نشان بھی ہے، میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ کسی نبی کے لیے کھلا رکھا گیا ہے۔ جنھوں نے آج رات ہماری اس مسجد میں نماز ادا فرمائی ہے...... اور پھر انھوں نے باقی تمام حدیث بھی بیان کی۔ ①

احادیث معراج متواتر ہیں: حافظ ابوخطّاب عمر بن دحیہ نے اپنی کتاب ''التنویر فی مولد السراج المنیر'' میں حدیث معراج بطریق انس رضی اللہ عنہ ذکر کرنے کے بعد اس پر بہت ہی احسن انداز میں گفتگو کی ہے اور لکھا ہے کہ معراج کی روایات متواتر ہیں اور یہ عمر بن خطاب، علی، ابن مسعود، ابوذر، مالک بن صَعْصَعہ، ابو ہریرہ، ابوسعید، ابن عباس، شَدّاد بن اوس، ابی بن کعب، عبدالرحمٰن بن قُرْط، ابوحَبّہ، ابولیلیٰ، عبداللہ بن عمرو، جابر، حذیفہ، بُریدہ، ابوایوب، ابوامامہ، سَمُرہ بن جُنْدُب، ابوحمراء، صہیب رومی، ام ہانی، عائشہ، اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ ② کچھ راویوں نے ان روایات کو مفصل اور کچھ نے مختصر بیان کیا ہے جیسا کہ مسانید میں ہے، بعض روایات اگرچہ صحیح نہیں ہیں تاہم حدیثِ معراج پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، صرف زندیق اور ملحد لوگ ہی اس کا انکار کرتے ہیں۔ ﴿ يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ ﴾ (الصّفّ 8:61) ''یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو اپنے مونھوں سے (پھونک مار کر) بجھا دیں، حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔''

① الدر المنثور: 287,286/4 امام سیوطی رحمہ اللہ نے ''دلائل النبوہ'' کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے لیکن ابن کثیر کے محقق سامی بن محمد السلامہ نے کہا ہے کہ دلائل النبوہ کے مطبوع نسخے میں مجھے یہ روایت نہیں ملی جبکہ دوسرے محقق عبدالرزاق مہدی نے لکھا ہے کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے کیونکہ محمد بن کعب تابعی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں، لہٰذا یہ حدیث مرسل ہے اور دوسری علت یہ ہے کہ اس سند میں محمد بن عمر واقدی متروک ہے۔ علاوہ ازیں ہرقل اور ابوسفیان کی باہمی گفتگو معروف روایات میں مروی ہے لیکن ان روایات میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ہے۔ واللہ تعالٰی أعلم. ② مذکورہ بالا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کے حوالے بالترتیب یہ ہیں: ① مسند أحمد: 38/1 ◀◀

عن عمر بن الخطاب ﷺ اس کی سند ضعیف ہے۔ ۞ کشف الأستار، باب بدء الأذان:178/1، حدیث:352 عن علی ﷺ اس کی سند بھی بہت ضعیف ہے۔ ۞ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب: إذا قال أحدکم: آمین……، حدیث:3233,3232 وصحیح مسلم، الإیمان، باب فی ذکر سدرة المنتھی، حدیث:173 عن ابن مسعود ﷺ. ۞ صحیح البخاری، الصلاة، باب: کیف فرضت الصلاة فی الإسراء؟ حدیث:349 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ إلی السمٰوات ……، حدیث:163 عن أبی ذرّ ﷺ (من روایة أنس عنه) . ۞ صحیح البخاری، بدء الخلق، باب ذکر الملائکة صلوات اللّٰہ علیھم، حدیث: 3207 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ……، حدیث:(164)-265,264 عن مالك بن صعصعة ﷺ (من روایة أنس عنه) . ۞ صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا ……﴾ (بنیٓ إسرآء یل17:1)، حدیث:4709 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ، حدیث:168 عن أبی ھریرة ﷺ . ۞ المصنف لعبد الرزاق :452/1، حدیث: 1769 عن أبی سعید الخدری ﷺ اس کی سند ضعیف ہے۔ ۞ صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب المعراج، حدیث: 3888 ومسند أحمد:374/1 عن ابن عباس ﷺ . ۞ البحر الزخار:409/8، حدیث:3484 عن شداد بن أوس ﷺ علامہ البانی ؒ نے اس کے ایک راوی کو مختلف فیہ قرار دے کر ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔ دیکھیے الإسراء والمعراج للألبانی، ص:69 . ۞ الإسراء والمعراج (بحواله ابن مردویه) عن أبی بن کعب ﷺ، ص: 56 . ۞ مجمع الزوائد:78/1، حدیث:243 عن عبدالرحمن بن قرط ﷺ . ۞ صحیح البخاری، الصلاة، باب: کیف فرضت الصلاة……؟ حدیث: 349 وصحیح مسلم، الإیمان، باب الإسراء برسول اللّٰہ ﷺ، حدیث:163 عن أبی حبة ﷺ، البتہ صحیحین میں ابو حبہ انصاری ؓ کی روایت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات کے بعد ہے۔ ۞ المعجم الأوسط:65/3 عن عبدالرحمن بن أبی لیلی، البتہ ابو لیلی ؓ سے اس موضوع پر روایت ہمیں نہیں ملی۔ ۞ المعجم الأوسط :712/6، حدیث:9247 عن عبداللّٰہ بن عمر ﷺ یہ حدیث انتہائی ضعیف ہے۔ نوٹ: تفسیر کے بعض نسخوں میں اس جگہ عبداللہ بن عمرو ہے جبکہ عبداللہ بن عمر ہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ۞ صحیح البخاری، مناقب الأنصار، باب حدیث الإسراء، حدیث :3886 وصحیح مسلم، الإیمان، باب ذکر المسیح ابن مریم والمسیح الدجال، حدیث:170 عن جابر بن عبداللّٰہ ﷺ . ۞ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنیٓ إسرائیل، حدیث:3147 عن حذیفة بن الیمان ﷺ . ۞ جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی إسرائیل، حدیث :3132 عن بریدة بن الحصیب ﷺ اس کی سند ضعیف ہے۔ ۞ مسند أحمد :418/5 عن أبی أیوب ﷺ سند ضعیف ہے لیکن متن کا شاہد موجود ہے۔ ۞ مسند أحمد:259/5 عن أبی أمامة الباھلی ﷺ. ۞ سمرہ بن جندب ؓ والی روایت خواب کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ واللّٰہ أعلم دیکھیے صحیح البخاری، التعبیر، باب تعبیر الرؤیا……، حدیث:7047. ۞ المعجم الکبیر للطبرانی:200/22، حدیث:526 عن أبی الحمراء ﷺ. ۞ المعجم الکبیر للطبرانی:46/8 ، حدیث: 7313 عن صھیب بن سنان ﷺ . ۞ المعجم الکبیر للطبرانی:433,432/24، حدیث:1059 عن أم ھانی ﷺ . ۞ المعجم الکبیر للطبرانی:401,400/22، حدیث: 1000 عن عائشة ﷺ شیخ البانی ؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، دیکھیے السلسلة الضعیفة، حدیث:3242 . ۞ المستدرك للحاکم، التفسیر، تفسیر سورة النجم:469/2 عن أسماء بنت أبی بکر ﷺ .

وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَ جَعَلۡنٰہُ ہُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ؕ﴿2﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا (اور انھیں حکم دیا) کہ تم میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ ﴿2﴾

ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا ﴿3﴾

اے (ان لوگوں کی) اولاد! جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، بے شک وہ شکر گزار بندہ تھا ﴿3﴾

تفسیر آیات:3,2

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے محمد ﷺ کے معراج کے ذکر کے بعد اپنے عبد و رسول اور کلیم موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے اور بھی بہت سے مقامات پر اپنے ان دونوں پیغمبروں موسیٰ اور محمد علیہما السلام کا اور تورات و قرآن مجید کا یکجا ذکر فرمایا ہے، اسی طرح یہاں بھی معراج کے ذکر کے بعد فرمایا: ﴿ وَ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ ﴾ ''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی۔'' یعنی تورات ﴿ وَ جَعَلۡنٰہُ ﴾ ''اور ہم نے اس کو مقرر کیا'' یعنی کتاب کو ﴿ ہُدًی ﴾ ''ہدایت'' یعنی رہنما ﴿ لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ؕ﴿2﴾ ﴾ ''بنی اسرائیل کے لیے کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہرانا'' یعنی میرے سوا کسی کو دوست، مددگار اور معبود نہ بنانا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جس نبی کو مبعوث کیا اس پر یہ حکم نازل فرمایا کہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کی جائے۔

پھر فرمایا ﴿ ذُرِّیَّۃَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ؕ ﴾ یعنی اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ یہ اسلوب اختیار کر کے درحقیقت انھیں اس احسان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم ان لوگوں کی اولاد ہو جن کو ہم نے نجات دینے کے لیے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کر دیا تھا تو تم بھی اپنے باپ نوح علیہ السلام کی مشابہت اختیار کرو کیونکہ ﴿ اِنَّہٗ کَانَ عَبۡدًا شَکُوۡرًا ﴿3﴾ ﴾ ''بے شک نوح (ہمارے) شکر گزار بندے تھے'' اور تم میری اس نعمت کو بھی یاد کرو کہ میں نے محمد ﷺ کو رسول بنا کر تمھاری طرف مبعوث فرمایا ہے۔

امام احمد رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ لَیَرْضٰی عَنِ الْعَبْدِ أَنْ یَّأْکُلَ الْأَکْلَۃَ أَوْ یَشْرَبَ الشَّرْبَۃَ فَیَحْمَدَ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَیْھَا] ''بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس وقت خوش ہوتا ہے جب وہ کھانا کھا کر یا پانی پی کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے۔''[1] اسی طرح اسے امام مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

امام مالک نے زید بن اسلم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نوح علیہ السلام ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں اس حدیث کو بیان فرمایا ہے جسے ابوزر رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [أَنَا سَیِّدُ

---

① مسند أحمد:117/3. ② صحیح مسلم، الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب استحباب حمد اللّٰہ تعالٰی ......، حدیث:2734 و جامع الترمذی، الأطعمۃ، باب ماجاء فی الحمد......، حدیث:1816 و السنن الکبرٰی للنسائی، الدعاء بعد الأکل، باب ثواب الحمد للّٰہ:202/4، حدیث:6899.

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (تورات) میں فیصلہ سنا دیا کہ تم زمین میں دو بار ضرور فساد کرو گے اور ضرور بہت بڑی سرکشی کرو گے ④ پھر جب

كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا

دونوں میں سے پہلا وعدہ آیا تو ہم نے تم پر اپنے سخت جنگجو بندے بھیج دیے، چنانچہ وہ (فساد انگیزی کے لیے) شہروں کے درمیان گھس (پھیل) گئے اور

خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ

یہ وعدہ (پورا) کیا ہوا تھا⑤ پھر ہم نے پھیر کر تمھیں ان پر غلبہ دیا اور تمھیں مال اور بیٹوں کے ساتھ مدد دی اور ہم نے تمھیں نفری میں خوب زیادہ کر

بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۫ وَاِنْ

دیا⑥ اگر تم بھلائی کرو گے تو اپنے ہی نفسوں کے لیے کرو گے اور اگر برائی کرو گے تو (وہ بھی) انھی کے لیے ہوگی پھر جب آخری بار کا وعدہ آیا (تو ایک

اَسَاْتُمْ فَلَهَا ؕ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا

اور قوم تم پر غالب آئی) تاکہ وہ تمھارے چہرے بگاڑ دیں اور مسجد (اقصیٰ) میں داخل ہو جائیں جیسے پہلی بار اس میں داخل ہوئے تھے، اور تاکہ وہ جس پر

دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ

غلبہ پائیں اسے یکسر تباہ کر دیں⑦ قریب ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر دوبارہ (سرکشی) کرو گے تو ہم بھی دوبارہ (وہی معاملہ) کریں

عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧

وقف لازم

گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ہے⑧

النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ بِطُولِهِ وَفِيهِ۔ فَيَأْتُونَ نُوحًا فَيَقُولُونَ يَانُوحُ! إِنَّكَ أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ وَقَدْ سَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْدًا شَكُورًا اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ......] ''روز قیامت میں تمام لوگوں کا سردار ہوں گا۔ لمبی حدیث اور اسی حدیث میں ہے کہ۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور کہیں گے کہ اے نوح (علیہ السلام!) آپ اہل زمین کی طرف اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو شکر گزار بندے کے نام سے موسوم فرمایا تھا، لہٰذا اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں......'' اور پھر انھوں نے یہ ساری حدیث بیان فرمائی ہے۔ [1]

تفسیر آیات:4-8

یہودیوں کی دوبارہ سرکشی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے یہودیوں سے ان کی اسی کتاب میں جسے ان کی طرف نازل کیا گیا تھا یہ کہہ دیا تھا کہ وہ زمین میں دوبارہ فساد مچائیں گے اور بڑی ہی سرکشی کریں گے، یعنی وہ لوگوں کے ساتھ بڑی سرکشی، بغاوت اور ظلم واستبداد کا مظاہرہ کریں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ ﴾ (الحجر15:66) ''اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔'' یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو یہ بات پہلے ہی سے بتا دی تھی۔

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا ...... ﴾ (بنيٓ إسرآءيل 17:3)، حديث:4712.

یہودیوں کا پہلا فساد اور اس کی سزا: ارشاد الٰہی: ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا ﴾ ''پس جب دونوں میں سے پہلا وعدہ آیا۔'' یعنی ان دونوں فسادوں میں سے پہلے فساد کا وقت آیا تو: ﴿ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ ﴾ ''ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر بھیج دیے۔'' یعنی ہم نے اپنی مخلوق میں سے ایسے بندے تم پر مسلط کر دیے جو بہت قوت وطاقت اور زبردست سلطنت کے مالک تھے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے، یعنی انھوں نے تمھارے شہروں پر قبضہ کر لیا اور تمھارے گھروں کے اندر گھس گئے اور وہ بلا روک ٹوک اور بلا خوف وخطر آنے جانے لگے اور اس طرح وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اس بارے میں مفسرین وسلف وخلف میں اختلاف ہے کہ قبضہ وتسلط جمانے والے یہ کون لوگ تھے۔

اس سلسلے میں بہت سی اسرائیلی روایات ہیں، میں ان کے ذکر سے کتاب کو طول نہیں دینا چاہتا کیونکہ ان میں سے کچھ تو موضوع ہیں جن کو بعض زندیقوں نے وضع کیا ہے اور ممکن ہے کہ ان میں سے بعض صحیح بھی ہوں لیکن ہم ان سے بحمد اللہ بے نیاز ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اپنی کتاب میں جو بیان فرما دیا ہے، وہ کافی ہے اس کی موجودگی میں ہمیں سابقہ کتابوں کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ہمیں ان کا محتاج ہی نہیں رہنے دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے جب سرکشی وبغاوت کی روش اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دشمن کو ان پر مسلط کر دیا۔ جس نے انھیں تباہ وبرباد کر دیا، وہ ان کے گھروں میں گھس گیا اور اس نے ان کی بغاوت وسرکشی کی سزا کے طور پر انھیں ذلیل ورسوا کر کے رکھ دیا اور یہ ان کی بداعمالیوں کی سزا تھی ورنہ اللہ تعالیٰ تو اپنے بندوں پر ظلم نہیں فرماتے بلکہ ان ظالم یہودیوں نے ظلم و استبداد کا بازار گرم کیا اور بہت سے انبیاء وعلماء کو شہید کر دیا تھا۔

بخت نصر نے کشتوں کے پشتے لگا دیے: ابن جریر نے یحییٰ بن سعید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے سعید بن مسیّب کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ بخت نصر جب شام پر غالب آیا تو اس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا اور یہاں کے لوگوں کو قتل کر دیا، پھر دمشق آیا تو اس نے دیکھا کہ جھاگ پر خون جوش مار رہا ہے، اس نے ان سے پوچھا کہ یہ خون کیا ہے۔ تو انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح پایا ہے کہ جب جھاگ غالب آتی ہے اور خون ڈالا جاتا ہے تو پھر وہ جھاگ پر غالب آجاتا ہے، پھر اس نے ستر ہزار مسلمانوں اور غیر مسلموں کو اس خون پر قتل کیا تو یہ خون پرسکون ہو گیا۔ سعید بن مسیّب تک اس روایت کی سند صحیح ہے اور مشہور بات بھی یہی ہے کہ بخت نصر نے اس قدر اشراف اور علماء کو قتل کیا کہ تورات کا ایک عالم بھی باقی نہ بچا اور اس نے نبیوں وغیرہ کی اولاد میں سے بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا اور بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے جن کا ذکر موجب طوالت ہوگا اور اگر یہ واقعات صحیح یا تقریباً صحیح ہوتے تو ان کو لکھنا اور بیان کرنا جائز ہوتا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ ﴾ ''اگر تم نیکوکاری کرو گے تو اپنی جانوں کے لیے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمھاری جانوں پر ہوگا'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:46) ''جو نیک کام کرے گا تو اپنے لیے اور جو برے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا۔''

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ

بے شک یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے اور مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو نیک کام کرتے ہیں کہ یقیناً ان کے لیے بہت

لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ⑨ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑩ ع

بڑا اجر ہے⑨ اور یہ کہ بلاشبہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے ہم نے نہایت دردناک عذاب تیار کیا ہے⑩

دوسرا افساد: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''پھر جب دوسرا وعدہ (اس کا وقت) آیا۔''یعنی جب تم نے دوسری مرتبہ فساد مچایا اور تمھارے دشمن آ گئے ﴿ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ ﴾ ''تاکہ وہ تمھارے چہروں کو بگاڑ دیں۔''یعنی تمھیں ذلیل و رسوا اور مغلوب کر دیں۔ ﴿ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے، اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں۔''یعنی اس پہلی مرتبہ کی طرح جب وہ تمھارے شہروں کے اندر پھیل گئے تھے: ﴿ وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ﴾ ''اور جس چیز پر غلبہ پائیں، اسے تباہ کر دیں۔ ہوسکتا ہے کہ تمھارا پروردگار تم پر رحم کرے۔''اور تمھارے دشمنوں کو تم سے دور ہٹا دے ﴿ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ﴾ ''اور اگر تم لوٹے تو ہم بھی لوٹیں گے۔''یعنی تم جب فساد کرو گے تو ہم تمھیں دنیا ہی میں ذلیل و رسوا کر دیں گے، پھر آخرت کا عذاب اور سزا اس پر مستزاد ہوگی، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧ ﴾ ''اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔''حصیر کے معنی مستقر، مقام، ٹھکانا اور ایسے قید خانے کے ہیں جس سے وہ رہائی حاصل نہ کر سکیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حصیر کے معنی قید خانے کے ہیں۔[1] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ایسی جگہ کے ہیں جس میں انھیں بند کر دیا جائے گا۔[2] دیگر ائمۂ تفسیر کا بھی یہی قول ہے جبکہ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی بستر اور بچھونے کے ہیں۔[3] قتادہ فرماتے ہیں کہ اسرائیل نے پھر فساد مچایا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مسلط فرما دیا جنھوں نے انھیں ذلیل و رسوا کر کے ان سے جزیہ وصول کیا۔[4]

تفسیر آیات:10,9

قرآن مجید کی تعریف: اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب عزیز قرآن مجید کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے جسے اس نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا کہ یہ سیدھے اور نہایت واضح رستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے: ﴿ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور مومنوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے۔''یعنی ان مومنوں کو بشارت دیتا ہے جو اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ ﴿ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ⑨ ﴾ ''بے شک ان کے لیے اجر عظیم ہے۔''یعنی قیامت کے دن ﴿ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ⑩ ﴾ ''اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے یقیناً ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔''یعنی جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے قرآن انھیں یہ بشارت دیتا ہے کہ روز قیامت ان کے لیے دکھ دینے والا عذاب ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (آل عمرٰن 21:3)

---

① تفسیر الطبری:15/59. ② تفسیر الطبری:15/59. ③ تفسیر الطبری:15/59. ④ تفسیر الطبری:15/58.

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

اور انسان برائی کی دعا (ایسے) مانگتا ہے جیسے اس کی بھلائی کی دعا ہو۔ اور انسان بہت عجلت والا ہے ⑪

''تو ان کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیں۔''

تفسیر آیت:11

انسان کی جلد بازی اور اپنے لیے بددعا: اللہ تعالیٰ نے انسان کی جلد بازی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جلد بازی کی وجہ سے بسا اوقات اپنے یا اپنی اولاد یا اپنے مال کے لیے ﴿ بِالشَّرِّ ﴾ یعنی موت، ہلاکت، تباہی و بربادی یا لعنت کی بددعا کرنے لگتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ اس کی بددعا کو قبول فرمالے تو یہ اپنی ہی بددعا کی وجہ سے ہلاک ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ ﴾ (یونس 11:10) ''اور اگر اللہ لوگوں کی برائی میں جلدی کرتا، جس طرح وہ طلب خیر میں جلدی کرتے ہیں تو ان کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی۔''

ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر بیان کی ہے [1] اور یہ حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ [لَاتَدْعُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ،......وَلَا تَدْعُوا عَلٰى أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰهِ سَاعَةً يُّسْأَلُ فِيهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيبُ لَكُمْ] ''تم اپنے لیے......اور اپنے مال کے لیے بددعا نہ کرو کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ قبولیت دعا کی گھڑی ہو اور اللہ تعالیٰ تمھاری بددعا کو قبول فرمالے۔'' [2]

جلد بازی اور انسان: انسان کا قلق واضطراب اور اس کی جلد بازی اسے بددعا پر مجبور کرتی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪ ﴾ ''اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے۔'' سلمان فارسی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے یہاں حضرت آدم علیہ السلام کا وہ قصہ بیان کیا ہے کہ انھوں نے پاؤں تک روح کے پہنچنے سے پہلے ہی اٹھ کر کھڑے ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا، ان میں روح سر کی طرف سے پھونکی گئی تھی، روح جب دماغ میں پہنچی تو انھیں چھینک آئی اور انھوں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يَرْحَمُكَ رَبُّكَ يَا آدَمُ ''اے آدم! تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے۔'' روح جب آنکھوں تک پہنچی تو انھوں نے اپنی آنکھیں کھول دیں، روح جب ان کے اعضاء اور جسم کے دیگر حصوں تک پہنچی تو انھوں نے اپنے جسم کو دیکھنا اور اس پر تعجب کا اظہار شروع کر دیا اور روح پاؤں تک پہنچنے سے پہلے ہی انھوں نے اٹھ کر کھڑے ہو جانے کا ارادہ کر لیا مگر اٹھ نہ سکے اور عرض کرنے لگے: اے میرے رب! رات سے پہلے پہلے جلد روح کو میرے پاؤں تک پہنچا دے۔ [3]

---

① تفسیر الطبری:62/15. ② صحیح مسلم، الزھد، باب حدیث جابر الطویل......، حدیث:3009 مفصلاً. وسنن أبی داود، الوتر، باب النھی أن یدعو الإنسان علی أھله وماله، حدیث:1532 عن جابر بن عبد اللّٰه ﷺ اور دیکھیے یونس، آیت:11 کے ذیل میں عنوان: ''اللہ تعالیٰ بددعا کو بھلائی کی دعا کی طرح جلد قبول نہیں فرماتا'' ③ تفسیر الطبری:63/15 جبکہ [الحمدللّٰہ] اور [یرحمك ربك یا آدم] صحیح ابن حبان، التاریخ، ذکر خبر أوھم عالما ......:40/14، حدیث: 6167 میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔ اور دیکھیے حدیث:6165,6164.

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا، پھر ہم نے رات کی نشانی تو محو (بے نور) کر دی اور دن کی نشانی روشن بنائی تا کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ⑫

کرو، اور تا کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جان لو۔ اور ہم نے ہر چیز خوب تفصیل سے بیان کر دی ہے ⑫

تفسیر آیت:12

رات دن اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں: اللہ تعالیٰ اپنی عظیم الشان نشانیوں کا ذکر کر کے اپنی مخلوق پر اپنے احسانات کا اظہار فرما رہا ہے، ان عظیم الشان نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے دن رات کو ایک دوسرے کے مخالف بنا دیا ہے تا کہ لوگ رات کو سکون کر سکیں اور دن کو اپنے کام کاج اور سفر کر سکیں اور وہ دنوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کے اعداد و شمار کو معلوم کر سکیں اور اپنے قرضوں کی ادائیگی، عبادات، معاملات اور محنت مزدوری کے اوقات کو پہچان سکیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''تا کہ تم اپنے پروردگار کا فضل تلاش کرو۔'' یعنی روزی تلاش کرو اور اس کی خاطر سفر کر سکو ﴿ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ ﴾ ''اور تا کہ تم برسوں کا شمار اور حساب جانو۔'' اگر زمانے کا صرف ایک ہی لگا بندھا اسلوب اور انداز ہوتا تو ان مذکورہ بالا چیزوں میں سے کسی کو بھی معلوم نہیں کیا جا سکتا تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ○ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ ﴾ (القصص 28:71-73) ''(اے پیغمبر!) کہہ دیں بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کیے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو روشنی لا دے تو کیا تم سنتے نہیں؟ کہہ دیں بھلا دیکھو تو اگر تم پر ہمیشہ قیامت تک دن کیے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تم کو رات لا دے جس میں تم آرام کرو، تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور اس نے اپنی رحمت سے تمھارے لیے رات کو اور دن کو بنایا تا کہ تم اس میں آرام کرو اور (اس میں) اس کا فضل تلاش کرو اور تا کہ شکر کرو۔''

اور فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ○ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ○ ﴾ (الفرقان 25:61,62) ''اور بہت بابرکت ہے وہ ذات جس نے آسمانوں میں سیارے بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا چاند بھی بنایا۔ اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے (جانے) والا بنایا (یہ باتیں) اس شخص کے لیے جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے (سوچنے اور سمجھنے کی ہیں۔)'' اور فرمایا: ﴿ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ ﴾ (المؤمنون 23:80) ''اور رات اور دن کا بدلتے رہنا اسی کے لیے (تصرف) ہے'' اور فرمایا: ﴿ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ○ ﴾ (الزمر 39:5) ''(اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے

سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے سب ایک وقتِ مقرر تک چلتے رہیں گے، خبردار! وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّیۡلَ سَکَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴾ (الأنعام6:96) ''(وہی رات کے اندھیرے سے) صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے اور اسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے، یہ اللہ کے (مقرر کیے ہوئے) اندازے ہیں جو نہایت غالب، بڑا علم والا ہے۔'' ﴿ وَاٰیَۃٌ لَّہُمُ الَّیۡلُ ۚۖ نَسۡلَخُ مِنۡہُ النَّہَارَ فَاِذَا ہُمۡ مُّظۡلِمُوۡنَ ﴿ۙ﴾ وَالشَّمۡسُ تَجۡرِیۡ لِمُسۡتَقَرٍّ لَّہَا ؕ ذٰلِکَ تَقۡدِیۡرُ الۡعَزِیۡزِ الۡعَلِیۡمِ ﴿ؕ﴾ (یٰسٓ 36:37,38) ''اور ایک نشانی ان کے لیے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب (اور) دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے رات کے لیے ایک ایسی نشانی بنادی ہے جس کے ساتھ یہ پہچانی جاتی ہے اور یہ ہے اندھیرا اور چاند کا اس میں نمودار ہونا اور دن کے لیے بھی ایک نشانی بنادی ہے اور یہ روشنی اور سورج کا اس میں طلوع ہونا اور پھر اس نے چاند کی روشنی اور سورج کی ضیاء میں نمایاں فرق کر دیا تاکہ دونوں میں تمیز ہو سکے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ہُوَ الَّذِیۡ جَعَلَ الشَّمۡسَ ضِیَآءً وَّالۡقَمَرَ نُوۡرًا وَّقَدَّرَہٗ مَنَازِلَ لِتَعۡلَمُوۡا عَدَدَ السِّنِیۡنَ وَالۡحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰہُ ذٰلِکَ اِلَّا بِالۡحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۵﴾ اِنَّ فِی اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّہَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّتَّقُوۡنَ ﴿۶﴾ ﴾ (یونس10:5,6) ''وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور بنایا اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو۔ یہ (سب کچھ) اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا ہے سمجھنے والوں کے لیے وہ (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کی ہیں (سب میں) پرہیزگاروں کے لیے نشانیاں ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ عَنِ الۡاَہِلَّۃِ ؕ قُلۡ ہِیَ مَوَاقِیۡتُ لِلنَّاسِ وَالۡحَجِّ ؕ ﴾ (البقرة2:189) ''(اے محمد!) لوگ آپ سے (نئے) چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعاد) اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے۔''

ابن جریج نے عبداللہ بن کثیر سے روایت کیا ہے کہ ﴿ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ وَجَعَلۡنَاۤ اٰیَۃَ النَّہَارِ مُبۡصِرَۃً ﴾ ''پس رات کی نشانی کو ہم نے مٹا دیا (تاریک بنایا) اور دن کی نشانی کو روشن بنایا'' میں نشانی سے مراد رات کی تاریکی اور دن کا اجالا ہے۔[1] اور ابن جریج نے مجاہد سے یہ روایت کیا ہے کہ سورج دن کی نشانی اور چاند رات کی نشانی ہے۔[2] ﴿ فَمَحَوۡنَاۤ اٰیَۃَ الَّیۡلِ ﴾ ''پس ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا (تاریک بنایا۔)''

اس سے مراد وہ تاریکی ہے جو چاند میں ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اسی طرح پیدا فرمایا ہے۔[3] اور ابن ابونجیح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رات اور دن دو نشانیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اسی طرح پیدا فرمایا ہے۔[4]

① تفسير الطبرى:65/15. ② تفسير الطبرى: 65/15. ③ تفسير الطبرى:65/15. ④ تفسير الطبرى:65/15 عن مجاهد.

وَکُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ ؕ وَنُخۡرِجُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلۡقٰىہُ مَنۡشُوۡرًا ⑬

اور ہم نے ہر انسان کا عمل (نامہ) اس کی گردن سے لگا دیا ہے اور قیامت کے دن ہم اس کے لیے ایک کتاب نکالیں گے جس سے وہ ملے گا جبکہ وہ

اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ؕ کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ⑭ؕ

کھلی ہوگی ⑬ (کہا جائے گا:) اپنا (اعمال) نامہ پڑھ، آج تیرا نفس ہی تیرا حساب لینے والا کافی ہے ⑭

تفسیر آیات: 14,13

ہر انسان کے ساتھ اس کا نامۂ اعمال ہوگا: اللہ تعالیٰ نے زمانے اور اس میں وقوع پذیر ہونے والے بنی آدم کے اعمال کے ذکر کے بعد فرمایا ہے۔ ﴿ وَکُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ ؕ ﴾ ''اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔'' طائر سے مراد انسان سے سرزد ہونے والے اعمال ہیں جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد وغیرہ مفسرین نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد انسان کے وہ اچھے یا برے اعمال ہیں جو انسان کے ساتھ لازم ہیں اور جن کا اسے اچھا یا برا بدلہ دیا جائے گا۔[1] ﴿ فَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ خَیۡرًا یَّرَہٗ ؕ وَمَنۡ یَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ○ ﴾ (الزلزال 99:7,8) ''تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی، وہ اسے دیکھ لے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ عَنِ الۡیَمِیۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیۡدٌ ○ مَا یَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَیۡہِ رَقِیۡبٌ عَتِیۡدٌ ○ ﴾ (قٓ 50:17,18) ''جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں (لکھ لیتے ہیں)، کوئی بات (اس کی زبان سے) نہیں نکلتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔''

اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ۙ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ○ ﴾ (الانفطار 82:10-12) ''حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر (تمھاری باتوں کے) لکھنے والے۔ جو تم کرتے ہو، وہ اسے جانتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَا تُجۡزَوۡنَ مَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ○ ﴾ (الطور 52:16) ''بس جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) انھی کا تم کو بدلہ مل رہا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ مَنۡ یَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا یُّجۡزَ بِہٖ ۙ ﴾ (النساء 4:123) ''جو شخص برے عمل کرے گا، اسے اسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا۔''

مقصود یہ ہے کہ ابن آدم کے چھوٹے بڑے تمام اعمال کو رات دن، صبح شام لکھ کر محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی: ﴿ وَنُخۡرِجُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلۡقٰىہُ مَنۡشُوۡرًا ⑬ ﴾ ''اور قیامت کے روز (وہ) کتاب ہم اس کے لیے نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔'' یعنی اس کے تمام اعمال کو ایک کتاب میں لکھ لیا جاتا ہے، پھر روز قیامت وہ کتاب اسے دے دی جائے گی، اگر سعادت مند ہوا تو کتاب دائیں ہاتھ اور اگر بدبخت ہوا تو کتاب بائیں ہاتھ میں دے دی جائے گی۔ ﴿ مَنۡشُوۡرًا ⑬ ﴾ کے معنی ہیں کھلا ہوا، یعنی وہ اپنی کتاب اعمال کو کھلا ہوا دیکھے گا، اسے وہ خود بھی اور ہر دوسرا شخص بھی پڑھ سکے گا، اس میں اس کی زندگی کے اوّل سے لے کر آخر تک تمام اعمال درج ہوں گے۔ ﴿ یُنَبَّؤُا الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ؕ بَلِ الۡاِنۡسَانُ عَلٰی نَفۡسِہٖ بَصِیۡرَۃٌ ۙ وَّلَوۡ اَلۡقٰی مَعَاذِیۡرَہٗ ؕ ﴾ (القیٰمۃ 75:13-15) ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے، بتا دیے جائیں گے بلکہ انسان اپنے آپ پر دلیل و حجت ہے۔ اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔''

---

[1] تفسیر الطبری: 67,66/15.

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ

جس نے ہدایت پائی تو بس وہ اپنے نفس کے لیے ہدایت پاتا ہے، اور جو گمراہ ہوا تو بس وہ اپنے نفس ہی پر گمراہ ہوتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی

وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮

دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے یہاں تک کہ ہم کوئی رسول بھیج دیں ⑮

اسی لیے فرمایا: ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ⑭ ﴾ ''(کہا جائے گا) اپنی کتاب پڑھ لے، تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔'' یعنی تو خود جانتا ہے کہ تجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا، تیرے نامۂ اعمال میں صرف وہی کچھ لکھا گیا ہے جو تو نے کیا، تجھے یاد ہے کہ تو نے کیا کیا عمل کیا تھا، اس وقت کوئی شخص بھی اپنے کسی عمل کو نہیں بھولے گا اور ہر شخص، خواہ وہ پڑھا ہو یا ان پڑھ اپنے نامۂ اعمال کو پڑھ سکے گا۔ ﴿ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ ﴾ ''ہم نے اس کے اعمال کو (بصورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا دیا ہے۔'' گردن میں اس لیے کہ یہ انسانی اعضاء میں سے ایک ایسا عضو ہے کہ جس کی جسم انسانی میں دوسری کوئی نظیر نہیں اور جس کی گردن میں کوئی چیز لٹکا دی جائے تو وہ اس سے خلاصی نہیں پا سکتا۔ معمر نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں طائر سے مراد انسان کا عمل ہے۔ ﴿ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اور قیامت کے روز ہم (وہ) کتاب اس کے لیے نکالیں گے۔'' یعنی اس کا عمل اسے دکھا دیں گے۔ ﴿ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ⑬ ﴾ ''کتاب جسے وہ کھلا ہوا پائے گا۔''

معمر کہتے ہیں کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت کی ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ ﴾ (ق 17:50) ''جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں۔'' اور کہا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ابن آدم! میں نے تیرے نامۂ اعمال کو کھول دیا ہے، دو معزز فرشتوں کو تیرے ساتھ مقرر کر دیا ہے جن میں سے ایک تیرے دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف ہے، دائیں طرف والا فرشتہ تیری نیکیوں کو لکھتا ہے اور بائیں طرف والا تیری برائیوں کو لکھتا جاتا ہے، لہٰذا تو جو چاہے عمل کر، تھوڑا کر یا زیادہ کر تو جب فوت ہو گا تو تیرے اس نامۂ اعمال کو بند کر کے تیرے گلے میں ڈال کر اسے تیرے ساتھ قبر میں داخل کر دیا جائے گا حتی کہ جب تو قیامت کے روز اپنی قبر سے نکلے گا تو اسے کھلا ہوا دیکھے گا اور تجھ سے کہا جائے گا: ﴿ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ ﴾ ''اپنی کتاب پڑھ لے۔'' تیرے ساتھ پورا پورا عدل کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے تجھے خود تیرا محاسب بنا دیا ہے۔ [1] امام حسن بصری رحمہ اللہ نے یہ بہت عمدہ بات فرمائی ہے۔

تفسیر آیت:15

کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص ہدایت اختیار کرے، حق کی اتباع کرے اور سنت نبوی ﷺ کی پیروی کرے تو اس کا انجام اچھا ہو گا اور اس کا فائدہ خود اسے ہی ہو گا۔ ﴿ وَمَنْ ضَلَّ ﴾ ''اور جو گمراہ ہو۔'' راہ حق سے بھٹک جائے اور رشد و بھلائی کو چھوڑ دے تو وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے اور اس کا وبال اس کی اپنی ہی جان پر ہو گا،

[1] تفسیر الطبری:69,68/15.

پھر فرمایا: ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط ﴾ ''اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔'' یعنی کوئی شخص دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور جو شخص بھی گناہ کرے، اس کا وبال اس کی اپنی ہی جان پر ہوگا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰی حِمْلِهَا لَا یُحْمَلْ مِنْهُ شَیْءٌ ﴾ (فاطر 18:35) ''اور اگر کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے گا تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا۔'' اس میں اور درج ذیل ارشادات باری تعالیٰ میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ﴿ وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز ﴾ (العنکبوت 13:29) ''اور یہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی۔'' ﴿ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ ط ﴾ (النحل 25:16) ''اور جن کو یہ بلا تحقیق گمراہ کرتے ہیں، ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے۔)''

کیونکہ جو گمراہی کے داعی ہوں، انھیں گمراہی کا بھی گناہ ہوگا اور ان لوگوں کی گمراہی کا بھی جن کی گمراہی کا یہ سبب بنے تھے اور ان گمراہ ہونے والوں کے گناہ میں بھی کوئی کمی نہ کی جائے گی اور نہ یہ ان کے بوجھ کے اٹھانے میں ہاتھ ہی بٹائیں گے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ پورا پورا عدل وانصاف اور اس کی رحمت ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ⑮ ﴾ ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں، عذاب نہیں دیا کرتے۔''

عذاب رسول کی بعثت کے بعد ہی ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے عدل وانصاف کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب تک پیغمبر کو بھیج کر اتمام حجت نہ کر دے، کسی کو عذاب نہیں دیتا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كُلَّمَاۤ اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ○ قَالُوْا بَلٰی قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ ۵ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ۚ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ كَبِیْرٍ ○ ﴾ (الملک 9,8:67) ''جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغے ان سے پوچھیں گے: کیا تمھارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے: کیوں نہیں! بلا شبہ ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل نہیں کی تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَسِیْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی جَهَنَّمَ زُمَرًا ط حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ یَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ یَتْلُوْنَ عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ رَبِّكُمْ وَیُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ یَوْمِكُمْ هٰذَا ط قَالُوْا بَلٰی وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ ○ ﴾ (الزمر 71:39) ''کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے تو اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے تو اس کے داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمھارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں آئے تھے جو تم پر تمھارے پروردگار کی آیتیں تلاوت کرتے اور تمھیں تمھاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے؟ کہیں گے: کیوں نہیں! اور لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَهُمْ یَصْطَرِخُوْنَ فِیْهَا ۚ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَیْرَ الَّذِیْ كُنَّا نَعْمَلُ ط اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا یَتَذَكَّرُ فِیْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِیْرُ ط فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ○ ﴾ (فاطر 37:35) ''وہ اس میں چلائیں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کیا کریں گے نہ وہ جو (پہلے)

کرتے تھے۔ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا اور تمھارے پاس ڈرانے والا بھی آیا، تو (اب مزے) چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

ان کے علاوہ اور بہت سی آیات ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب تک پیغمبر کو بھیج کر اتمام حجت نہ کر دے، کسی کو جہنم میں داخل نہیں کرتا۔

فوت ہو جانے والے چھوٹے بچوں کا مسئلہ: اس مسئلے میں قدیم وجدید ہر دور کے ائمۂ کرام رحمہم اللہ میں اختلاف رہا ہے کہ فوت ہو جانے والے ان چھوٹے بچوں کے بارے میں کیا حکم ہے جن کے باپ کافر ہوں۔ نیز مجنون، بہرے، شیخ فانی اور اس شخص کے بارے میں کیا حکم ہے جو دورِ فترت میں فوت ہو جائے اور اس تک دین کی دعوت نہ پہنچی ہو؟ ان لوگوں کے بارے میں کچھ احادیث بھی موجود ہیں جنھیں میں اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق کے ساتھ بیان کرتا ہوں۔

پہلی حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے اَسود بن سَریع کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أَرْبَعَةٌ (يَّحْتَجُّونَ) يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَصَمُّ لَا يَسْمَعُ شَيْئًا وَّرَجُلٌ أَحْمَقُ وَرَجُلٌ هَرَمٌ وَّرَجُلٌ مَّاتَ فِي فَتْرَةٍ، فَأَمَّا الْأَصَمُّ فَيَقُولُ: رَبِّ! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَسْمَعُ شَيْئًا وَّأَمَّا الْأَحْمَقُ فَيَقُولُ: رَبِّ لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَالصِّبْيَانُ يَحْذِفُونِي بِالْبَعْرِ وَأَمَّا الْهَرَمُ فَيَقُولُ: رَبِّي! لَقَدْ جَاءَ الْإِسْلَامُ وَمَا أَعْقِلُ شَيْئًا وَّأَمَّا الَّذِي مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ فَيَقُولُ: رَبِّ! مَا أَتَانِي لَكَ رَسُولٌ فَيَأْخُذُ مَوَاثِيقَهُمْ لَيُطِيعُنَّهُ فَيُرْسِلُ إِلَيْهِمْ أَنِ ادْخُلُوا النَّارَ، قَالَ: فَوَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَوْ دَخَلُوهَا لَكَانَتْ عَلَيْهِمْ بَرْدًا وَّسَلَامًا]

''یہ چار شخص قیامت کے روز حجت پیش کریں گے: (1) بہرہ شخص جو کچھ نہیں سنتا تھا (2) احمق شخص (3) بے حد بوڑھا شخص اور (4) وہ شخص جو دورِ فترت میں فوت ہو گیا۔ بہرا شخص کہے گا کہ اے اللہ! اسلام آیا تھا مگر میں تو کچھ بھی سن نہیں سکتا تھا، احمق کہے گا کہ اے اللہ! اسلام آیا تھا مگر مجھے تو بچے مینگنیاں مارتے تھے۔ بوڑھا کہے گا کہ اے اللہ! اسلام آیا مگر میں تو کچھ بھی سمجھتا نہیں تھا اور دورِ فترت میں فوت ہونے والا کہے گا کہ اے اللہ! میرے پاس تو تیرا کوئی پیغمبر ہی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے عہد و پیمان لے گا کہ تم ضرور میری اطاعت کرو گے، پھر ان کی طرف پیغام بھیجے گا کہ تم جہنم میں داخل ہو جاؤ، اس ذات گرامی کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! اگر وہ جہنم میں داخل ہو جائیں گے تو وہ ان کے لیے سرد اور موجب سلامتی بن جائے گا۔''[1] یہ حدیث از قتادہ از حسن از ابو رافع از ابو ہریرہ اسی طرح مروی ہے، البتہ اس کے آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں: [فَمَنْ دَخَلَهَا كَانَتْ عَلَيْهِ بَرْدًا وَّسَلَامًا، وَّمَنْ لَّمْ يَدْخُلْهَا يُسْحَبُ إِلَيْهَا] ''ان میں سے جو شخص جہنم میں داخل ہو جائے گا، وہ اس کے لیے سرد اور موجب سلامتی بن جائے گا اور جو داخل نہ ہوگا تو اسے گھسیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''[2]

[1] مسند أحمد: 24/4 جبکہ قوسین والا لفظ صحیح ابن حبان، مناقب الصحابة، ذكر الإخبار عن وصف الأقوام الذين يحتجون......: 356/16، حدیث: 7357 میں ہے۔ [2] مسند أحمد: 24/4.

اسحاق بن راہویہ نے معاذ بن ہشام سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[1] امام بیہقی ؒ نے اسے اپنی کتاب ''الاعتقاد'' میں روایت کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔[2]

ابن جریر ؒ نے اسے از معمر از ہمام از ابو ہریرہ مرفوعاً بیان کیا ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس کی تائید میں یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ ﴾ ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے۔''[3] اسی طرح معمر نے عبداللہ بن طاؤس سے، انھوں نے اپنے باپ سے اور انھوں نے ابو ہریرہ ؓ سے اسے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔[4]

دوسری حدیث: ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [(كُلُّ) مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ، كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِيمَةُ بَهِيمَةً جَمْعَاءَ، هَلْ تُحِسُّوْنَ فِيهَا مِنْ جَدْعَاءَ ؟] ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسا کہ جانور پورا صحیح سلامت پیدا ہوتا ہے، کیا تم ان میں کوئی کان کٹا ہوا دیکھتے ہو؟''[5] ایک روایت میں ہے کہ صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ فرمائیں کہ جو چھوٹی عمر میں فوت ہو جائے۔ آپ نے فرمایا: [اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا عَامِلِينَ] ''اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا عمل کرنے والے تھے۔''[6] امام احمد نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ، جو اس کے بارے میں زیادہ جانتے ہیں، نے فرمایا:- موسیٰ بن داود کو شک ہے-[ذَرَارِيُّ الْمُسْلِمِينَ فِي الْجَنَّةِ يَكْفُلُهُمْ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَام] ''مسلمانوں کے چھوٹے بچے جنت میں ہوں گے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کی کفالت کریں گے۔''[7] صحیح مسلم میں عِیاض بن حِمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: [إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ] ''بے شک میں نے اپنے بندوں کو یکسو ہو کر عبادت کرنے والے بنایا ہے۔''[8] اور مسلم کے علاوہ ایک دوسری روایت میں ہے کہ [مُسْلِمِينَ] ''(میں نے انھیں) مسلمان (پیدا کیا ہے۔)''[9]

تیسری حدیث: حافظ ابو بکر بَرْقانی نے اپنی کتاب ''المستخرج علی البخاری'' میں عوف اعرابی کی ابو رجاء عُطارِدی سے اور ان کی سمرہ ؓ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ] ''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا

---

[1] مسند إسحاق بن راهويه:1/123، حديث:42. [2] الاعتقاد للبيهقي:CD,169/1. [3] تفسير الطبرى:15/70،71. [4] تفسير القرطبى:10/232. [5] صحيح البخارى، الجنائز، باب: إذا أسلم الصبى فمات……، حديث:1359 وصحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد……، حديث:2658 جبکہ قوسین والا لفظ صحيح البخارى، الجنائز، باب ماقيل فى أولاد المشركين، حديث:1385 میں ہے۔ [6] صحيح البخارى، القدر، باب: [اللّٰه أعلم بما كانوا عاملين]، حديث:6600 وصحيح مسلم، القدر، باب معنىٰ كل مولود……، حديث:(23)-2658. [7] مسند أحمد: 2/326. [8] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التى يعرف بها……، حديث:2865 . [9] المعجم الكبير للطبرانى:17/363، حديث:997 اس کا سیاق مختلف ہے۔

وَ اِذَاۤ اَرَدۡنَاۤ اَنۡ نُّهۡلِكَ قَرۡيَةً اَمَرۡنَا مُتۡرَفِيۡهَا فَفَسَقُوۡا فِيۡهَا فَحَقَّ عَلَيۡهَا الۡقَوۡلُ

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو اس کے متکبر امراء کو حکم دیتے ہیں، پھر وہ اس میں نافرمانی کرنے لگتے ہیں، چنانچہ اس بستی پر (عذاب

فَدَمَّرۡنٰهَا تَدۡمِيۡرًا ⑯

کی) بات ثابت ہو جاتی ہے، تب ہم اسے مکمل طور پر تباہ کر ڈالتے ہیں ⑯

ہے۔'' لوگوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مشرکوں کے بچے بھی؟ آپ نے فرمایا: [وَأَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ] ''مشرکوں کے بچے بھی۔''[1] اور امام طبرانی نے سَمُرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بیان کیا ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے بچوں کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا: [هُمْ خَدَمُ أَهْلِ الْجَنَّةِ] ''وہ اہل جنت کے خادم ہوں گے۔''[2]

چوتھی حدیث: امام احمد رحمہ اللہ نے حسناء بنت معاویہ۔ جن کا تعلق بنی صُرَیم سے ہے۔ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے میرے چچا نے یہ بیان کیا کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جنت میں کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا: [النَّبِيُّ فِي الْجَنَّةِ ، وَالشَّهِيدُ فِي الْجَنَّةِ، وَالْمَوْلُودُ فِي الْجَنَّةِ ، وَالْوَئِيدُ فِي الْجَنَّةِ] ''نبی جنت میں ہوگا، شہید جنت میں ہوگا، نومولود بچہ جنت میں ہوگا اور زندہ درگور جنت میں ہوگا۔''[3]

اس مسئلے میں گفتگو کرنا مکروہ ہے: اس مسئلے میں گفتگو کے لیے صحیح اور جید دلائل کی ضرورت ہے مگر کچھ ایسے لوگ بھی اس کے بارے میں گفتگو کرنے لگتے ہیں جن کے پاس شریعت کا علم نہیں ہوتا، لہٰذا علماء کی ایک جماعت نے اس موضوع پر گفتگو کو مکروہ قرار دیا ہے، مثلاً: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق اور محمد بن حنفیہ وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں جریر بن حازم کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے ابورَجاء عُطارِدی سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منبر پر خطبہ دیتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا يَزَالُ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ (مُؤَاتِيًا) ، أَوْ مُقَارِبًا، مَّا لَمْ يَتَكَلَّمُوا فِي الْوِلْدَانِ وَالْقَدَرِ] ''اس امت کا معاملہ اس وقت تک صحیح رہے گا جب تک وہ چھوٹے بچوں اور تقدیر کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے۔'' ابن حبان نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں چھوٹے بچوں سے مشرکوں کے چھوٹے بچے مراد ہیں۔[4]

ابوبکر بزار نے بطریق جریر بن حازم بھی اسی طرح روایت کیا ہے، نیز انھوں نے کہا ہے کہ ایک جماعت نے ابورَجاء سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسے موقوفاً روایت کیا ہے۔[5]

تفسیر آیت: 16

① التمهيد لابن عبدالبر:68/18 وصحيح ابن حبان، الرقائق، ذكر ما يجب على المرء……:431/2، حديث:655 اس کی اصل بخاری میں دیکھیے صحیح البخاري، التعبير، باب تعبير الرؤيا بعد صلاة الصبح ، حديث:7047. ② المعجم الكبير للطبراني:244/7، حديث:6993 . ③ مسند أحمد:58/5 اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ ④ صحيح ابن حبان، التاريخ، ذكر الإخبار عن الإمارة……:119,118/15، حديث:6724 قوسین والے لفظ کے بجائے بعض نسخوں میں موائمًا ''موافق'' ہے۔ ⑤ مختصر زوائد مسند البزار:154/2، حديث:1606.

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ⑰

اور ہم نے نوح کے بعد کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں اور آپ کا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں کی خوب خبر رکھنے والا، (انھیں) خوب دیکھنے والا ⑰

﴿ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا ﴾ **کا مفہوم:** مفسرین کا اس لفظ کے معنی میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہاں کے متکبر امراء کو (فواحش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے، مامور کرنے سے مراد قدری طور پر مامور کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا ﴾ (یونس 10:24) ''اسے (ناگہاں) رات کو یا دن کو ہمارا حکم آ پہنچا۔'' میں حکم سے مراد حکم قدری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ بری باتوں کا حکم نہیں دیتا، انھوں نے کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں برے کاموں کے لیے مسخر کر دیا جس کی وجہ سے یہ عذاب کے مستحق ہو گئے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تو انھیں نیکیوں کا حکم دیا تھا مگر وہ برائیاں کرنے لگ گئے جس کی وجہ سے یہ سزا کے مستحق ٹھہرے۔ یہ قول ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ① سعید بن جبیر کا بھی یہی قول ہے۔ ② اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ہم نے وہاں کے شریر لوگوں کو مسلط کر دیا، انھوں نے نافرمانیاں کیں تو اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرما کر ان سب کو ہلاک کر دیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ (الأنعام 6:123) ''اور اس طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرم بنا دیے۔'' ③ ابو العالیہ، مجاہد اور ربیع بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ ④ اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کیا ہے کہ ہم ان کی تعداد کو زیادہ کر دیتے ہیں۔ عکرمہ، حسن، ضحاک اور قتادہ کا بھی یہ قول ہے۔ ⑤ مالک نے بھی زہری سے یہی روایت کیا ہے کہ ﴿ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے آسودہ حال لوگوں کی تعداد کو زیادہ کر دیا۔

تفسیر آیت:17

قریش کو سرزنش: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کرنے کی وجہ سے کفار قریش کو ڈراتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس نے نوح علیہ السلام کے بعد رسولوں کی تکذیب کرنے والی کئی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان کا عرصہ دس صدیوں پر محیط ہے اور ان صدیوں کے تمام لوگ مسلمان تھے۔ ⑥ تو اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ اے تکذیب کرنے والے لوگو! تم ان سابقہ لوگوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز نہیں ہو، تم تو اس رسول کی تکذیب کر رہے ہو جو تمام رسولوں سے اشرف اور تمام مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ معزز ہیں، لہٰذا تم اس بات کے مستحق ہو کہ رسول اللہ کی تکذیب کرنے کی وجہ سے تمھیں سزا دی جائے گی۔ ارشاد الٰہی: ﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ⑰ ﴾ ''اور آپ کا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے، دیکھنے والا کافی ہے۔'' یعنی وہ اپنے بندوں کے اچھے اور برے تمام اعمال کو جانتا ہے اور اس سبحانہ وتعالیٰ کی ذات گرامی سے کوئی بات بھی مخفی نہیں۔

---

① تفسیر الطبری :71/15. ② تفسیر الطبری :71/15. ③ تفسیر الطبری :72/15. ④ تفسیر الطبری:72/15.

⑤ تفسیر الطبری :73,72/15. ⑥ المستدرك للحاكم، تواريخ المتقدمين:546/2، حديث:4009 ومجمع الزوائد، التفسير، باب كيف يفسر القرآن؟ 318/6 ، حديث:10858.

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ

جو کوئی جلدی والی (دنیا) چاہے تو ہم اسی (دنیا) میں جس کے لیے چاہیں جس قدر چاہیں جلد عطا کرتے ہیں، پھر اس کے لیے ہم جہنم ٹھہرا دیتے ہیں،

يَصۡلٰىهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿18﴾ وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا وَهُوَ مُؤۡمِنٌ

وہ اس میں مذموم دھتکارا ہوا داخل ہوگا ﴿18﴾ اور جو آخرت چاہے اور اس کے لیے پوری پوری سعی کرے، جبکہ وہ مومن ہو، تو یہی لوگ ہیں جن

فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿19﴾

کی سعی قابل قدر ہے ﴿19﴾

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنۡ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحۡظُوۡرًا ﴿20﴾ اُنۡظُرۡ كَيۡفَ

ہم ہر ایک کو آپ کے رب کی عطا سے نوازتے ہیں، اُن کو بھی اور ان کو بھی، اور تیرے رب کی عطا (کسی سے) روکی ہوئی نہیں ﴿20﴾ دیکھیے! کس طرح

فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ وَلَلۡاٰخِرَةُ اَكۡبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكۡبَرُ تَفۡضِيۡلًا ﴿21﴾

ہم نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی؟ اور یقیناً آخرت درجوں میں بڑھ کر ہے اور فضیلت دینے میں (بھی) بڑھ کر ہے ﴿21﴾

تفسیر آیات: 19,18

دنیا و آخرت کے طلب گاروں کا بدلہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص دنیا اور اس کی نعمتوں کا طلب گار ہو تو ضروری نہیں کہ اسے یہ سب کچھ مل جائے بلکہ دنیا تو اسے ہی حاصل ہوتی ہے جس کے لیے اللہ چاہے اور اتنی ہی حاصل ہوتی ہے جتنی اللہ تعالیٰ چاہے۔ ﴿عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ﴾ ''تو ہم اس میں سے جسے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں، پھر اس کے لیے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے۔'' یعنی آخرت میں اس کے لیے جہنم تیار ہے: ﴿يَصۡلٰىهَا﴾ ''جس میں وہ داخل ہوگا'' اور اس طرح داخل ہوگا کہ جہنم کی آگ اسے ہر طرف سے ڈھانپ لے گی: ﴿مَذۡمُوۡمًا﴾ یعنی وہ جہنم میں اپنی برائیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے مذموم داخل ہوگا کہ اس نے دنیا فانی کو ابدی اور سرمدی آخرت کے مقابلے میں ترجیح دی تھی۔ ﴿مَّدۡحُوۡرًا ﴿18﴾﴾ ''(اللہ کی درگاہ سے) راندہ ہو کر۔'' یعنی اسے ذلیل و رسوا کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار سے دفع کر دیا اور دور ہٹا دیا گیا ہوگا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَنۡ اَرَادَ الۡاٰخِرَةَ﴾ ''اور جو شخص آخرت کا خواست گار ہو۔'' یعنی دار آخرت اور اس کی نعمتوں اور مسرتوں کا طلب گار ہو۔ ﴿وَسَعٰى لَهَا سَعۡيَهَا﴾ ''اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اسے لائق ہے۔'' یعنی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری کرتے ہوئے حصول آخرت کے لیے کوشش کرے۔ ﴿وَهُوَ مُؤۡمِنٌ﴾ ''اور وہ مومن بھی ہو۔'' اس کا دل ایمان سے لبریز اور ثواب اور سزا کی تصدیق کرنے والا ہو۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعۡيُهُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ﴿19﴾﴾ ''تو ایسے ہی لوگوں کی کوشش کی قدر دانی ہوتی ہے۔''

تفسیر آیات: 21,20

اللہ کی عطا رُکی ہوئی نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ﴿كُلًّا﴾ یعنی ان دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو جو دنیا کے طلب گار

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿22﴾

آپ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرائیں، (ورنہ) پھر آپ مذمت کیے ہوئے بے کس ہو کر بیٹھے رہیں گے ﴿22﴾

ہیں اور جو آخرت کے خواستگار ہیں، مدد دیتے ہیں: ﴿ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ﴾ ''آپ کے پروردگار کی بخشش سے۔'' یعنی ساری کائنات میں صرف اسی کا تصرف ہے اور وہ ایسا حاکم ہے جو ظلم نہیں کرتا اور ہر ایک کو وہ سعادت یا شقاوت عطا فرما دیتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ وہ جو عطا فرمائے، اس سے کوئی روک نہیں سکتا، اس کے فیصلے کو کوئی بدل نہیں سکتا، اس لیے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿20﴾ ﴾ ''اور آپ کے پروردگار کی بخشش (کسی سے) روکی ہوئی نہیں۔'' یعنی اسے کوئی روک سکتا ہے اور نہ کوئی ٹالنے والا اسے ٹال سکتا ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے پروردگار کی بخشش میں کوئی کمی نہیں ہے۔[1] حسن وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تمھارے پروردگار کی بخشش کو کوئی روک نہیں سکتا[2] اور پھر فرمایا: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ ''دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت بخشی ہے۔'' یعنی دنیا میں کہ ان میں سے کوئی امیر ہے اور کوئی فقیر اور کوئی متوسط، کوئی اچھا ہے اور کوئی برا اور کوئی درمیانے درجے کا اور کوئی چھوٹی عمر میں ہی فوت ہو جاتا ہے اور کوئی بہت بڑی عمر پا کر بہت بوڑھا ہو جاتا ہے اور کوئی بچپن اور بڑھاپے کے درمیان فوت ہو جاتا ہے۔

جنت کے درجات اور جہنم کے طبقات: ﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿21﴾ ﴾ ''اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔'' یعنی آخرت میں ان کے درجات کا فرق دنیا کی نسبت بہت زیادہ ہوگا کہ ان میں سے کوئی تو جہنم کے نچلے طبقوں میں جہنم کی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا ہوگا اور کوئی جنت کے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ درجات میں جنت کی نعمتوں اور مسرتوں سے شاد کام ہوگا۔

پھر جہنم اور جنت میں جانے والوں کے بھی اپنے اپنے مقام پر مختلف درجات ہوں گے۔ جنت کے سو درجے ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان فاصلہ ہے۔ صحیحین میں ہے [إِنَّ أَهْلَ الدَّرَجَاتِ الْعُلٰى) لَيَرَوْنَ أَهْلَ عِلِّيِّينَ كَمَا تَرَوْنَ الْكَوْكَبَ (الْغَابِرَ) فِي أُفُقِ السَّمَآءِ] ''بلند و بالا درجات والے اہل علیین کو اس طرح دیکھیں گے جیسا کہ تم آسمان کے افق پر باقی رہ جانے والے ستارے کو دیکھتے ہو۔''[3] اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿21﴾ ﴾ ''اور آخرت درجوں میں بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔''

---

[1] تفسير الطبري:78/15. [2] تفسير الطبري:78/15 و تفسير ابن أبي حاتم:2322/7 عن ابن زيد. [3] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ما جاء في صفة الجنة ......، حديث:3256 و صحيح مسلم، الجنة و صفة نعيمها و أهلها، باب ترائي أهل الجنة أهل الغرف ......، حديث:2831 و مسند أحمد:61/3 و اللفظ له جبکہ پہلی قوسین والے الفاظ جامع الترمذي، المناقب، باب مناقب أبي بكر......، حديث:3658 اور دوسری قوسین والا لفظ صحیح بخاری کے مذکورہ حوالے عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ میں ہے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَبِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا ؕ اِمَّا يَبۡلُغَنَّ عِنۡدَكَ الۡكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ

اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اور والدین سے اچھا سلوک کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تیرے

اَوۡ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡهَرۡهُمَا وَقُلۡ لَّهُمَا قَوۡلًا كَرِيۡمًا ﴿23﴾ وَاخۡفِضۡ لَهُمَا

ہاں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ''اف'' تک نہ کہہ اور انھیں مت جھڑک، اور ان سے نرم (لہجے میں ادب واحترام سے) بات کر ﴿23﴾ اور ان کے لیے

جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحۡمَةِ وَقُلۡ رَّبِّ ارۡحَمۡهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِىۡ صَغِيۡرًا ؕ﴿24﴾

رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھ اور کہہ: میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی ﴿24﴾

تفسیر آیت: 22

کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ بناؤ: اللہ تعالیٰ نے امت میں سے ہر ہر مکلّف کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ اے مکلّف! تو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو بھی اس کا شریک نہ بنا: ﴿فَتَقۡعُدَ مَذۡمُوۡمًا مَّخۡذُوۡلًا ﴿22﴾﴾ ''پھر تم ملامت زدہ بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کی وجہ سے کیونکہ اس طرح رب تعالیٰ تیری مدد نہیں کرے گا بلکہ تجھے اس کے سپرد کرے گا جس کی تو نے عبادت کی ہوگی اور وہ تیرے کسی بھی نفع ونقصان کا مالک نہیں ہے کیونکہ نفع ونقصان کا مالک تو صرف اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنۡ أَصَابَتۡهُ فَاقَةٌ ، فَأَنۡزَلَهَا بِالنَّاسِ لَمۡ تُسَدَّ فَاقَتُهُ ، وَمَنۡ أَنۡزَلَهَا بِاللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ أَوۡشَكَ اللّٰهُ لَهُ بِالۡغِنٰى ، إِمَّا أَجَلٍ عَاجِلٍ أَوۡ غِنًى عَاجِلٍ] ''جس شخص کو فاقہ پہنچے اور وہ اسے لوگوں پر ڈال دے تو اس کا فاقہ دور نہ ہوگا اور جو اسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے یا تو جلد موت دے کر یا جلد دولت عطا فرما کر۔'' اسے ابوداود اور ترمذی نے روایت کیا جبکہ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 24,23

توحید اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم: اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک نے اپنی عبادت کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے، ﴿وَقَضٰى﴾ یہاں حکم کے معنی میں ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿وَقَضٰى﴾ کے معنی ہیں کہ اللہ نے وصیت فرمائی ہے۔[2] ابی بن

[1] مسند أحمد:407/1 و سنن أبي داود، الزكاة، باب في الاستعفاف، حديث:1645 و جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء في الهم في الدنيا وحبها ، حديث: 2326. ملحوظہ: سنن ابوداود کے مذکورہ حوالے میں [بِمَوۡتٍ عَاجِلٍ] جبکہ مسند أحمد:442/1 اور مسند أبي يعلى الموصلي:218/9، حديث: 5317 میں [مَوۡتٌ آجِلٌ] ہے اور [بِمَوۡتٍ عَاجِلٍ] ''جلد موت'' کا مطلب تو یہ ہے کہ فاقے میں مبتلا شخص جب اللہ سے دعا کرے تو اسے جلد موت دے کر دنیا کی آزمائشوں سے نجات عطا فرما کر جنت کی نعمتوں سے سرفراز فرمادے۔ یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے کسی قریبی مالدار کی موت سے اسے غنی کر دے اس کا وارث بننے کی صورت میں جیسا کہ عون المعبود اور تحفۃ الأحوذی میں یہ مفہوم بیان کیا گیا ہے اور [بموت آجل] ''دیر سے موت'' دینے کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ وہ فاقے کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے اور اللہ تعالیٰ اس دعا کو ذخیرہ کرتا رہے اور بالآخر جنت کی صورت میں اسے بدلہ عطا فرمائے، واللّٰہ أعلم۔ [2] تفسير الطبري:81/15 .

کعب، ابن مسعود اور ضحاک بن مزاحم نے بھی اسی طرح پڑھا ہے: [وَوَصّٰى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ] [1] اسی لیے اپنی عبادت کے ساتھ والدین سے حسن سلوک کے حکم کو ملا کر فرمایا: ﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ ''اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔'' یعنی اس نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾ (لقمٰن 14:31) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تم کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ ﴾ ''اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمھارے پاس بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اف تک نہ کہنا۔'' یعنی ان سے کوئی بری بات نہ کرنا حتی کہ اف تک بھی نہ کہنا جو بری بات کا سب سے ادنیٰ درجہ ہے: ﴿ وَلَا تَنْهَرْهُمَا ﴾ ''اور نہ انھیں جھڑکنا'' یعنی ان کے لیے تمھاری طرف سے کوئی برا فعل بھی صادر نہ ہو جیسا کہ عطاء بن ابورباح نے کہا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ ان پر ہاتھ بھی نہ اٹھاؤ، [2] بری بات اور برے فعل سے منع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اچھی بات اور اچھے فعل کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴾ ''اور ان دونوں سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔'' یعنی ان سے نرم، پاکیزہ اور شائستہ گفتگو کرنا اور بہت ادب اور تعظیم و تکریم کے ساتھ پیش آنا۔ ﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ﴾ ''اور دونوں کے لیے عجز و نیاز کا پہلو جھکائے رہو۔'' یعنی ان کے سامنے بہت ہی تواضع اور انکساری کا اظہار کرو۔ ﴿ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ﴾ ''اور کہہ اے میرے پروردگار! جیسا انھوں نے بچپن میں میری (شفقت سے) پرورش کی ہے تو تو بھی ان (کے حال) پر رحمت فرما۔'' ان کے بڑھاپے میں بھی اور ان کی وفات کے وقت بھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی ہے: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴾ (التوبۃ 113:9) ''پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔'' [3]

والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں بہت سی احادیث بھی ہیں، مثلاً: وہ حدیث جو کئی سندوں کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے فرمایا: [آمِينَ! آمِينَ! آمِينَ! فَلَمَّا نَزَلَ قِيلَ لَهُ: (عَلَامَ أَمَّنْتَ؟) فَقَالَ: أَتَانِي جِبْرِيلُ فَقَالَ: (يَا مُحَمَّدُ!) رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ (شَهْرَ) رَمَضَانَ فَلَمْ يُغْفَرْ لَهُ...... قُلْ: آمِينَ! فَقُلْتُ: آمِينَ! وَرَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ (أَوْ أَحَدَهُمَا) فَلَمْ يُدْخِلَاهُ الْجَنَّةَ...... قُلْ: آمِينَ! قُلْتُ: آمِينَ! وَرَجُلٌ ذُكِرْتَ عِنْدَهُ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْكَ...... قُلْ: آمِينَ! فَقُلْتُ: آمِينَ!] ''آمین! آمین! آمین! جب آپ منبر سے نیچے تشریف لے آئے تو عرض کی گئی! آپ نے آمین کس بات پر کہی؟ آپ نے فرمایا: میرے پاس جبریل آئے اور انھوں نے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس نے ماہ رمضان کو پایا تو وہ اپنے گناہ نہ

---

[1] تفسیر الطبری: 81,80/15. [2] تفسیر الطبری: 84/15. [3] تفسیر الطبری: 87/15.

معاف کرا سکا۔ آپ آمین کہیں! تو میں نے آمین کہی (پھر انھوں نے کہا:) اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے جس نے اپنے والدین کو یا ان میں سے کسی کو پایا، پھر وہ اسے جنت میں داخل نہ کرا سکے (ان کی خدمت کر کے یہ جنت میں داخل نہ ہو سکا) آپ آمین کہیں! تو میں نے آمین کہی، (اور پھر انھوں نے کہا:) اس شخص کی ناک بھی خاک آلود ہو جائے جس کے پاس آپ کا نام لیا جائے تو وہ آپ پر درود نہ بھیجے آپ آمین کہیں! تو میں نے آمین کہی۔'' [1]

دوسری حدیث: امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ، ثُمَّ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ أَدْرَكَ وَالِدَیْهِ أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَیْهِمَا (عِنْدَهُ الْكِبَرُ) لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ] ''ناک خاک آلود ہو، پھر ناک خاک آلود ہو اور پھر ناک خاک آلود ہو اس شخص کی جس نے اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے میں پایا اور (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔'' [2] اس طریق سے یہ حدیث صحیح ہے اور امام مسلم کے سوا دوسرے محدثین نے اسے روایت نہیں کیا۔'' [3]

تیسری حدیث: امام احمد نے معاویہ بن جاہمہ سُلَمی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جاہمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں نے جہاد کا ارادہ کیا ہے اور اس سلسلے میں مشورے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا: [هَلْ لَّكَ مِنْ أُمٍّ؟] ''تمھاری ماں ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا: [اِلْزَمْهَا، فَإِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا] ''بس ان کی خدمت میں لگ جاؤ، جنت ان کے قدموں کے پاس ہے۔'' پھر آپ نے دوسری اور تیسری بار مختلف مجلسوں میں بس یہی بات بیان فرمائی۔ [4] اسے امام نسائی اور ابن ماجہ نے بھی بیان کیا ہے۔ [5]

چوتھی حدیث: امام احمد نے مقدام بن مَعْدِی کَرِب کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ اللّٰهَ یُوصِیكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ یُوصِیكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ یُوصِیكُمْ بِآبَائِكُمْ، إِنَّ اللّٰهَ یُوصِیكُمْ بِالْأَقْرَبِ فَالْأَقْرَبِ] ''بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھاری ماؤں کے بارے

---

① پہلی قوسین والا جملہ الأمالي والقراءة لمحمد بن إسحاق، ص: 44 (C.D) عن أنس رضی اللہ عنہ، دوسری اور تیسری قوسین والے الفاظ المعجم الكبير للطبراني، ترجمة قيس بن الربيع الأسدي عن سماك: 244,243/2، حديث: 2022 عن جابر رضی اللہ عنہ، چوتھی قوسین والا جملہ مسند أبي يعلى الموصلي: 328/10، حديث: 5922 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ جبکہ باقی حدیث مسند البزار، مماروی محمد بن عمار عن أبيه: 241,240/4، حديث: 1405 عن عمار بن ياسر رضی اللہ عنہ میں ہے اس حدیث کی سند حسن ہے مزید دیکھیے جامع الترمذي، الدعوات، باب رغم أنف رجل......، حديث: 3545 ومسند أحمد: 254/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ ② مسند أحمد: 346/2. ③ صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب رغم من أدرك أبويه......، حديث: 2551 مسند احمد کے کئی نسخوں میں عنده الكبر کے بجائے عِنْدَ الْكِبَرِ ہے۔ ④ مسند أحمد: 429/3. ⑤ سنن النسائي، الجهاد، باب الرخصة في التخلف لمن له والدة، حديث: 3106 وسنن ابن ماجه، الجهاد، باب الرجل يغزو وله أبوان، حديث: 2781 یہ حدیث حسن ہے۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿25﴾

تمھارا رب خوب جانتا ہے جو کچھ تمھارے نفسوں میں ہے، اگر تم صالح ہو گئے تو بلاشبہ وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے ﴿25﴾

میں وصیت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے باپوں کے متعلق وصیت فرماتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں تمھارے قریبی رشتے داروں کے بارے میں وصیت فرماتا ہے۔‘‘[1] ابن ماجہ میں یہ روایت اسماعیل بن عیاش سے مروی ہے۔[2]

پانچویں حدیث: امام احمد ہی نے بنو یربوع کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ اس وقت لوگوں سے گفتگو کرتے ہوئے فرما رہے تھے: [يَدُ الْمُعْطِي الْعُلْيَا أُمَّكَ وَ أَبَاكَ وَ أُخْتَكَ وَ أَخَاكَ ثُمَّ أَدْنَاكَ فَأَدْنَاكَ] ’’دینے والے کا ہاتھ اونچا ہے پہلے اپنی ماں اور باپ کو دو، بہن بھائیوں کو دو، پھر جو شخص تم سے زیادہ قریب ہے، اسے دو۔‘‘[3]

تفسیر آیت:25

والدین کے حق میں کوتاہی کی معافی: والدین کے حق میں کوتاہی کی معافی اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ اولاد اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ بسا اوقات انسان سے جلد بازی میں اپنے والدین کے بارے میں کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے کہ اس کے دل میں ہوتا ہے کہ اس سے اس کا مؤاخذہ نہیں ہوگا۔[4] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ اس کا ارادہ تو خیر و بھلائی ہی کا ہوتا ہے۔[5] اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿25﴾﴾ ’’جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے، تمھارا پروردگار اس سے بخوبی واقف ہے، اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے۔‘‘ قتادہ کہتے ہیں کہ أوّابین کے معنی اطاعت کرنے والوں اور نماز پڑھنے والوں کے ہیں۔[6] شعبہ نے یحییٰ بن سعید سے اور انھوں نے سعید بن مسیّب سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد وہ لوگ ہیں کہ جن سے گناہ ہو جاتا ہے اور وہ توبہ کر لیتے ہیں، پھر گناہ ہو جاتا ہے تو پھر توبہ کر لیتے ہیں۔[7] عطا بن یسار، سعید بن جبیر اور مجاہد کا قول ہے کہ ان سے مراد نیکی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔[8] مجاہد نے عبید بن عمیر سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو خلوت میں اپنے گناہوں کو یاد کر کے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے لگ جاتا ہے، اس سلسلے میں مجاہد کا اپنا قول بھی یہی ہے۔[9] امام ابن جریر فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں سب سے بہتر قول یہ ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے گناہ سے توبہ کرنے والا ہو، معصیت کو چھوڑ کر اطاعت کو اختیار کرنے والا ہو اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے کاموں کو چھوڑ کر اس کی خوشنودی کے کاموں کو اختیار کرنے والا ہو۔[10]

---

① مسند أحمد: 132/4. ② سنن ابن ماجه، الأدب، باب بر الوالدين، حديث: 3661 میں ہے کہ آپ نے تین مرتبہ إِنَّ اللّٰهَ يُوصِيكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ فرمایا۔ ③ مسند أحمد: 65,64/4. ④ تفسير الطبري: 88/15. ⑤ تفسير الطبري: 88/15. ⑥ تفسير الطبري: 89/15. ⑦ تفسير الطبري: 89/15. ⑧ تفسير الطبري: 91,90/15. ⑨ تفسير الطبري: 91,90/15. ⑩ تفسير الطبري: 91/15.

وَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿26﴾ اِنَّ الۡمُبَذِّرِيۡنَ كَانُوۡۤا

اور قرابت دار کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو بھی، اور فضول خرچی نہ کر ﴿26﴾ بے شک فضول خرچ شیاطین کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب

اِخۡوَانَ الشَّيٰطِيۡنِ‌ؕ وَكَانَ الشَّيۡطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوۡرًا ﴿27﴾ وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ رَّبِّكَ

کا بڑا ناشکرا ہے ﴿27﴾ اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کی تلاش میں، جس کی تو امید رکھتا ہے، ان (عزیز و اقارب) سے اعراض ہی کرے تو تو ان سے ایسی

تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿28﴾

بات کہہ جس میں آسانی ہو ﴿28﴾

امام ابن جریر رحمہ اللہ کی بات بہت صحیح ہے کیونکہ أوّاب کا لفظ أَوب سے مشتق ہے، أوب کے معنی رجوع کرنے کے ہیں، جب کوئی شخص واپس آئے تو اس کے لیے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ آبَ فُلَانٌ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ اِلَيۡنَاۤ اِيَابَهُمۡ ۙ﴾ (الغاشیة 25:98) ''بے شک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔'' صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہ پڑھا کرتے تھے: [آيِبُونَ، تَائِبُونَ، عَابِدُونَ، لِرَبِّنَا حَامِدُونَ] ''ہم سفر سے لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں، عبادت کرنے والے ہیں اور ہم اپنے رب کی تعریف کرنے والے ہیں۔''[1]

تفسیر آیات: 26-28

صلہ رحمی کا حکم: اللہ تعالیٰ نے والدین سے حسن سلوک کے حکم کے بعد قریبی رشتے داروں سے حسن سلوک اور صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ حدیث میں ہے: [أُمَّكَ، ثُمَّ أَبَاكَ، ثُمَّ أَدْنَاكَ أَدْنَاكَ] ''اپنی ماں سے حسن سلوک کرو، پھر اپنے باپ سے اور پھر جو شخص جس قدر زیادہ قرابت دار ہو اس سے اس قدر زیادہ اچھا سلوک کرو۔''[2] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [ثُمَّ الْأَقْرَبُ فَالْأَقْرَبُ] ''پھر اس کے بعد قریبی، پھر اس کے بعد قریبی۔''[3] حدیث میں ہے کہ [مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنْسَأَ لَهُ فِي (أَجَلِهِ)، فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ] ''جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ اس کے رزق میں کشادگی اور اس کی عمر میں اضافہ ہو تو اسے صلہ رحمی سے کام لینا چاہیے۔''[4]

فضول خرچی کی ممانعت: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيۡرًا ﴿26﴾﴾ ''اور فضول خرچی نہ کر۔'' جب اللہ تعالیٰ نے خرچ کرنے

[1] صحیح البخاری، الدعوات، باب الدعاء إذا أراد سفرا أو رجع ، حدیث:6385 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔ [2] صحیح مسلم، البروالصلة والأدب، باب برالوالدین......، حدیث:(2)-2548 و مسند أبي يعلى الموصلي:482/10، حدیث: 6094 واللفظ له عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ و جامع الترمذی، البروالصلة......، باب ماجاء فی برالوالدین، حدیث:1897 و مسند أحمد:3/5 عن معاوية بن حَيدة القشيری، یہ حدیث صحیح ہے۔ [3] سنن أبي داود، الأدب ، باب فی برالوالدین، حدیث:5139۔ [4] صحیح البخاری، الأدب، باب من بسط له فی رزقه......، حدیث:5986 و صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب صلة الرحم......، حدیث:(21)-2557، البتہ قوسین والا لفظ صحیح ابن حبان، البروالإحسان، ذکر إثبات طیب العیش......: 181,180/2، حدیث:438 عن أنس رضی اللہ عنہ میں ہے۔ صحیحین میں اس کے بجائے (أثرہ) ہے، تاہم معنی دونوں کا ایک ہے۔

کا حکم دیا تو ساتھ ہی اس میں اسراف اور فضول خرچی سے منع فرما دیا۔ بلکہ اعتدال اور میانہ روی کا مظاہرہ ہونا چاہیے جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَالَّذِیۡنَ اِذَاۤ اَنۡفَقُوۡا لَمۡ یُسۡرِفُوۡا وَلَمۡ یَقۡتُرُوۡا ﴾ (الفرقان25:67) ''اور وہ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے فضول خرچی اور اسراف سے نفرت دلاتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ ﴾ ''بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیاطین کے بھائی ہیں۔'' یعنی فضول خرچی میں وہ شیطانوں کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تبذیر یہ ہے کہ مال ایسی جگہ خرچ کیا جائے جہاں خرچ کرنا جائز نہ ہو۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔[2] مجاہد فرماتے ہیں کہ انسان راہ حق میں اگر اپنا سارا مال بھی خرچ کر دے تو وہ فضول خرچ نہیں ہوگا اور اگر غیر حق میں ایک مد بھی خرچ کرے تو وہ فضول خرچ ہوگا۔[3] امام قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں فضول خرچی یہ ہے کہ مال کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں غیر حق میں اور فتنہ و فساد میں خرچ کیا جائے۔[4]

امام احمد نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ بنو تمیم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! میں بہت سرمایہ دار ہوں، میرے پاس اہل و عیال بھی ہیں اور سرمایہ بھی تو آپ یہ فرمائیں کہ میں کیسے خرچ کروں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [تُخۡرِجُ الزَّکَاةَ مِنۡ مَّالِكَ فَإِنَّهَا طُهۡرَةٌ تُطَهِّرُكَ ، وَتَصِلُ أَقۡرِبَاءَكَ، وَتَعۡرِفُ حَقَّ السَّائِلِ، وَالۡجَارِ، وَالۡمِسۡكِينِ] ''اگر تمھارے پاس مال ہو تو اس میں سے زکاۃ ادا کرو، اس سے تم اپنے مال کو پاک کر لو گے، اپنے قرابت داروں سے صلہ رحمی کرو اور سائل، پڑوسی اور مسکین کے حق کو پہچانو'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے کم بات بتاؤ تو آپ نے فرمایا: [فَآتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهُ وَ الۡمِسۡكِينَ وَ ابۡنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرۡ تَبۡذِيرًا] ''اور رشتے داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ۔'' اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ بات مجھے کافی ہے، جب آپ کا قاصد میرے پاس آئے اور میں اسے زکاۃ ادا کر دوں تو کیا میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں بری ہو جاؤں گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [نَعَمۡ، إِذَا أَدَّيۡتَهَا إِلٰى رَسُولِي فَقَدۡ بَرِئۡتَ مِنۡهَا ، فَلَكَ أَجۡرُهَا ، وَإِثۡمُهَا عَلٰى مَنۡ بَدَّلَهَا] ''ہاں، جب تم میرے قاصد کو زکاۃ ادا کر دو تو تم اس سے بری ہو جاؤ گے، تمھیں اس کا اجر و ثواب ملے گا اور گناہ اس کو ہوگا جو اسے بدلے گا۔''[5]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّ الۡمُبَذِّرِیۡنَ کَانُوۡۤا اِخۡوَانَ الشَّیٰطِیۡنِ ؕ ﴾ ''بلاشبہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطانوں کے بھائی ہیں۔'' یعنی وہ فضول خرچی، بے وقوفی، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ترک کرنے اور اس کی نافرمانی کے ارتکاب کرنے کے اعتبار سے شیطان کے بھائی ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَکَانَ الشَّیۡطٰنُ لِرَبِّہٖ کَفُوۡرًا ﴿۲۷﴾ ﴾ ''اور شیطان اپنے پروردگار (کی نعمتوں) کا انکار

---

[1] تفسیر الطبری:15/94. [2] تفسیر الطبری:15/95. [3] تفسیر الطبری:15/95. [4] تفسیر الطبری:15/95. [5] مسند أحمد:3/136. ملحوظہ: اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، البتہ ابن حجر رحمہ اللہ تہذیب التہذیب میں سعید بن ابو ہلال لیثی کے ترجمے میں لکھتے ہیں کہ سعید حضرت جابر اور حضرت انس رضی اللہ عنہما سے مرسل روایت کرتے ہیں۔ مزید دیکھیے المستدرك للحاکم، التفسیر، باب ومن تفسیر سورة بني إسرائیل:2/360,361، حدیث:3374.

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿29﴾

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا نہ رکھ اور نہ اسے پوری طرح کھول دے کہ پھر ملامت زدہ، تھکا ہارا ہو کر بیٹھ رہے ﴿29﴾ بلاشبہ آپ کا رب جس

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿30﴾

کے لیے چاہے رزق کھول دیتا ہے اور تنگ (بھی) کر دیتا ہے، بے شک وہ اپنے بندوں کی خوب خبر رکھنے والا، خوب دیکھنے والا ہے ﴿30﴾

کرنے والا (ناشکرا) ہے۔'' ﴿ كَفُوْرًا ﴿27﴾ ﴾ کے معنی ہیں انکار کرنے والا کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا انکار کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا تھا، اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کی بلکہ اس کی نافرمانی اور مخالفت کی۔ ارشاد الٰہی: ﴿ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ﴾ ''اگر تو اپنے پروردگار کی رحمت (فراخ دستی) کی تلاش میں ان (مستحقین) سے اعراض کرے۔'' یعنی جب تمھارے قرابت دار تم سے سوال کریں اور وہ جن کو دینے کا ہم نے حکم دیا ہے اور تمھارے پاس دینے کو کچھ نہ ہو اور تم ان سے اعراض کر لو تو اس صورت میں: ﴿ فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿28﴾ ﴾ ''تو ان سے آسان بات کہہ دیا کرو۔'' نرمی سے بات کرتے ہوئے ان سے یہ وعدہ کر لیا کرو کہ جب ہمارے پاس مال آئے گا تو ہم ان شاء اللہ تمھیں بھی دیں گے، مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، حسن، قتادہ اور دیگر کئی ایک ائمۂ تفسیر نے اس کی یہی تفسیر کی ہے کہ اس صورت میں نرمی سے بات کرتے ہوئے مستحقین سے وعدہ کر لیا کرو۔ [1]

تفسیر آیات: 30,29

خرچ میں میانہ روی: اللہ تعالیٰ نے خرچ میں میانہ روی کا حکم دیتے ہوئے، بخل کی مذمت کرتے ہوئے اور فضول خرچی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ ﴾ ''اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن سے بندھا ہوا (بہت تنگ) کر لو (کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں۔)'' یعنی بے حد بخیل اور کنجوس نہ بن جاؤ کہ کسی کو کچھ بھی نہ دو جیسا کہ یہود ملعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں کہا: ﴿ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ ﴾ (المآئدۃ5:64) ''اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔'' یعنی ان ملعونوں نے اللہ تعالیٰ کو بخیل قرار دیا، حالانکہ بے حد وحساب کرم کرنے اور عطا فرمانے والے اس آقا اور مولا کی ذات گرامی اس سے پاک ہے۔ فرمان الٰہی: ﴿ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ ''اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو۔)'' یعنی خرچ میں اس طرح اسراف سے کام نہ لو کہ اپنی طاقت سے بڑھ کر دے دو، اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کر دو اور پھر اس کا انجام یہ ہو کہ ملامت زدہ اور درماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ یہ از باب لفّ ونشر ہے، یعنی اگر تم نے بخل سے کام لیا تو ملامت زدہ ہو کر بیٹھ جاؤ گے لوگ تمھیں ملامت کریں گے تمھاری مذمت کریں گے اور تم سے بے نیاز ہو جائیں گے اور اگر تم نے اپنی طاقت سے بڑھ کر اپنے ہاتھ کو پھیلا دیا تو تم خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ گے اور آئندہ خرچ کرنے کے لیے تمھارے پاس کچھ نہیں ہوگا تو تمھاری مثال اس جانور کی سی ہوگی جو چلنے پھرنے سے عاجز و درماندہ ہو گیا ہو اور ضعف و ناتوانی کی وجہ سے بیٹھ گیا ہو، ایسے جانور کو

[1] تفسیر الطبری: 97,96/15 و تفسیر ابن أبی حاتم: 2326/7.

عربی میں حسیر کہتے ہیں جس کے معنی تھکے ہوئے کے ہیں جیسا کہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ میں بھی یہ لفظ انھی معنوں میں استعمال ہوا ہے: ﴿ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ هَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۝ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ كَرَّتَيۡنِ يَنۡقَلِبۡ اِلَيۡكَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيۡرٌ ۝ ﴾ (الملك 4,3:67) ''تو نگاہ دوڑا بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شگاف نظر آتا ہے؟ پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام و نامراد ہو کر لوٹ آئے گی جبکہ وہ تھکی ماندی ہوگی۔'' یعنی وہ تھک جائے گی مگر آسمان میں کوئی عیب نہ دیکھ سکے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن، قتادہ، ابن جریج، ابن زید اور دیگر کئی ائمہ رحمہم اللہ نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر فرمائی ہے کہ اس سے بخل اور اسراف مراد ہے۔ [1]

صحیحین میں ابو زِناد (عبداللہ بن ذکوان) کی اعرج سے اور ان کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت میں ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [مَثَلُ الۡبَخِيلِ وَالۡمُنۡفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيۡنِ عَلَيۡهِمَا جُبَّتَانِ مِنۡ حَدِيدٍ مِّنۡ ثُدِيِّهِمَا إِلٰى تَرَاقِيهِمَا فَأَمَّا الۡمُنۡفِقُ فَلَا يُنۡفِقُ إِلَّا سَبَغَتۡ أَوۡ وَفَرَتۡ عَلٰى جِلۡدِهٖ حَتّٰى تُخۡفِيَ بَنَانَهٗ وَتَعۡفُوَ أَثَرَهٗ وَأَمَّا الۡبَخِيلُ فَلَا يُرِيدُ أَنۡ يُّنۡفِقَ شَيۡئًا إِلَّا لَزِقَتۡ كُلُّ حَلۡقَةٍ مَّكَانَهَا فَهُوَ يُوَسِّعُهَا وَلَا تَتَّسِعُ] ''بخیل اور خرچ کرنے والوں کی مثال ان دو آدمیوں کی طرح ہے جنھوں نے لوہے کے دو ایسے جبّے [2] پہن رکھے ہوں جو سینے سے لے کر گلے تک ہوں، خرچ کرنے والا جب بھی خرچ کرتا ہے تو جبّہ کشادہ ہو جاتا ہے حتی کہ وہ اس کے پاؤں کی انگلیوں کو چھپا لیتا ہے اور اس کے قدموں کے نشانات کو مٹا دیتا ہے۔ اور بخیل کچھ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتا اسی لیے جبّے کا ہر حلقہ اپنی جگہ چمٹ جاتا ہے، وہ اسے ڈھیلا کرنا چاہتا ہے مگر وہ ڈھیلا نہیں ہوتا۔'' [3] یہ الفاظ اس حدیث کے ہیں جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الزکاۃ میں بیان فرمایا ہے۔

بخاری و مسلم میں بطریق معاویہ بن ابو مُزَرِّد از سعید بن یسار از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [مَا مِنۡ يَّوۡمٍ يُّصۡبِحُ الۡعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنۡزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعۡطِ مُنۡفِقًا خَلَفًا، وَّيَقُولُ الۡآخَرُ، اَللّٰهُمَّ أَعۡطِ مُمۡسِكًا تَلَفًا] ''ہر دن جس میں بندے صبح کرتے ہیں، دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں: ان میں سے ایک یہ کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا فرما اور دوسرا یہ کہتا ہے کہ اے اللہ! روک رکھنے والے کو ہلاکت و بربادی دے۔'' [4]

امام مسلم نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ [مَا نَقَصَتۡ صَدَقَةٌ مِّنۡ مَّالٍ، وَّمَازَادَ

---

[1] تفسیر الطبری: 99,98/15. [2] صحیح بخاری کی اس روایت میں یہ لفظ جبتان ہے جس کے معنی ہیں دو جبے اور جبہ ایک مخصوص لباس کو کہتے ہیں، بعض روایات میں یہ لفظ جُنَّتان ہے، یعنی با کے بجائے ''ن'' کے ساتھ جس کے معنی دو ڈھالوں یا دو زرہوں کے ہیں مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے تصحیف قرار دیا ہے۔ اس لیے ہم نے اس لفظ کا ترجمہ دو جبّے کیا ہے جو صحیح روایت کے مطابق ہے (مترجم۔) [3] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب مثل البخیل والمتصدق، حدیث: 1443 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب مثل المنفق والبخیل، حدیث: 1021. [4] صحیح البخاری، الزکاۃ، باب قول اللہ تعالی: ﴿ فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَاتَّقٰی ۝ ﴾ ...... (اللیل 5:92-10) ......، حدیث: 1442 و صحیح مسلم، الزکاۃ، باب فی المنفق والممسك، حدیث: 1010.

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿31﴾

اور تم اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انھیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمھیں بھی، بے شک ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے ﴿31﴾

اللّٰهُ عَبْدًا بِعَفْوٍ إِلَّا عِزًّا، وَّمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِّلّٰهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ] "صدقے سے مال کم نہیں ہوتا، معاف کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کی عزت میں اضافہ ہی فرماتا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سربلندی عطا فرما دیتا ہے۔"[1] ابو کثیر کی عبداللہ بن عمرو سے مروی مرفوع روایت میں ہے: [إِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ ، فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، أَمَرَهُمْ بِالْقَطِيعَةِ فَقَطَعُوا، وَأَمَرَهُمْ بِالْبُخْلِ فَبَخِلُوا ، وَأَمَرَهُمْ بِالْفُجُورِ فَفَجَرُوا] "اپنے آپ کو حرص سے بچاؤ کہ اس نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا، انھیں قطع رحمی کا حکم دیا تو انھوں نے قطع رحمی کر لی، اس نے انھیں بخل کا حکم دیا تو انھوں نے بخل کیا اور اس نے انھیں بدی کا حکم دیا تو انھوں نے بدی شروع کر دی۔"[2]

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ ﴾ "بے شک آپ کا پروردگار جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور (جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے۔" اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ صرف وہی رزاق ہے، وہی رزق کو تنگ کرنے والا اور وہی اسے کشادہ کرنے والا ہے، وہ اپنی مخلوق میں جس طرح چاہتا ہے تصرف کرتا ہے، اپنی حکمت و مصلحت کے پیش نظر جسے چاہے غنی کر دیتا ہے اور جسے چاہے فقیر بنا دیتا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿30﴾ ﴾ "وہ اپنے بندوں سے بڑا خبردار ہے اور (ان کو) خوب دیکھ رہا ہے۔" وہ اس بات سے خوب باخبر اور اچھی طرح دیکھنے والا ہے کہ دولت کا مستحق کون ہے اور فقر کا مستحق کون۔ بعض لوگوں کو دولت محض مہلت کے طور پر دی جاتی ہے اور فقر بطور سزا، ہم ان دونوں باتوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیت: 31

قتل اولاد کی ممانعت: یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ والد جس قدر اپنی اولاد سے شفقت و رحمت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بڑھ کر اپنے بندوں کے لیے رحیم و شفیق ہے۔ اسی لیے اس نے قتل اولاد سے منع فرمایا اور باپوں کو اولاد کے لیے وراثت کی تقسیم کے سلسلے میں احکام ارشاد فرمائے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگ بچیوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیا کرتے تھے

---

[1] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب ، باب استحباب العفو والتواضع، حديث:2588، البتہ مسند البزار، وممارویٰ أبو سَلَمة بن عبدالرحمن عن أبيه:243/3 میں عن عبدالرحمن بن عوف سے المعجم الأوسط للطبراني:619,618/1، حدیث:2270 میں عن أم سلمة ﷞ سے ضعیف سند کے ساتھ اسی طرح یہ ...... [مَا نَقَصَ مَالٌ مِّنْ صَدَقَةٍ، وَّلَا عَفَا رَجُلٌ عَنْ مَّظْلِمَةٍ إِلَّا زَادَهُ اللّٰهُ بِهَا......] الفاظ ہیں۔ ہاں، جامع الترمذي، الزهد، باب ماجاء مثل الدنيا......، حديث:2325 عن أبي كَبْشَة الأنصاري ﷛ میں ثَلَاثٌ أُقْسِمُ ...... [مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ] صحیح سند کے ساتھ ہے۔ [2] سنن أبي داود، الزكاة، باب في الشح، حديث:1698 ومسند أحمد:191/2 والسنن الكبرى للبيهقي، الزكاة، باب كراهية البخل ......:187/4 واللفظ له اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿32﴾

اورتم زنا کے قریب مت جاؤ، یقیناً وہ بے حیائی اور بری راہ ہے ﴿32﴾

بلکہ بعض تو کثرت اولاد کے ڈر سے بچیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، اس سے اللہ تعالیٰ نے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ خَشۡیَۃَ اِمۡلَاقٍ ؕ﴾ ''اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا۔'' یعنی اس خوف سے اولاد کو قتل نہ کرنا کہ ان کی وجہ سے تم فقیر ہو جاؤ گے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ اہتمام کیا کہ پہلے انھیں رزق دینے کا ذکر فرمایا: ﴿ نَحۡنُ نَرۡزُقُہُمۡ وَاِیَّاکُمۡ ؕ﴾ ''کیونکہ ان کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔'' سورۂ انعام میں الفاظ یہ تھے: ﴿ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکُمۡ وَاِیَّاہُمۡ ۚ﴾ (الأنعام 151:6) اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تم کو اور ان کو ہم ہی رزق دیتے ہیں۔''

ارشاد الٰہی: ﴿ اِنَّ قَتۡلَہُمۡ کَانَ خِطۡاً کَبِیۡرًا ﴿31﴾﴾ ''کچھ شک نہیں کہ ان کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔'' بعض نے ان الفاظ کو اس طرح بھی پڑھا ہے۔ [کَانَ خَطَأً کَبِیرًا][1] اور ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! سب سے بڑا کون سا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ] ''یہ کہ تم کسی کو اللہ کا شریک بناؤ، حالانکہ اسی نے تجھے پیدا فرمایا'' میں نے عرض کی، پھر کون سا؟ [ثُمَّ أَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ أَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ] ''یہ کہ تم اپنے بچے کو اس خوف سے قتل کرو کہ وہ بھی تمھارے ساتھ کھائے گا'' میں نے عرض کی کہ پھر کون سا؟ آپ نے فرمایا: [أَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيلَةِ جَارِكَ] ''یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔''[2]

تفسیر آیت: 32

زنا اور اس کے اسباب سے اجتناب کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نہ صرف زنا سے منع کیا ہے بلکہ اس کے قریب جانے اور اس کے اسباب و دواعی کے اختیار کرنے سے بھی منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤی اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً ؕ﴾ ''اور زنا کے پاس بھی نہ جانا کہ وہ بے حیائی ہے۔'' یعنی بہت بڑا گناہ ہے۔ ﴿ وَسَآءَ سَبِیۡلًا ﴿32﴾﴾ ''اور بری راہ ہے۔'' یعنی یہ بہت ہی برا طریقہ اور رستہ ہے۔

امام احمد نے ابوامامہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک نوجوان نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت فرما دیجیے، لوگ اس کی یہ بات سن کر اسے ڈانٹنے اور برا بھلا کہنے لگے مگر آپ نے اس سے فرمایا: [اُدْنُهْ] ''قریب آجاؤ'' تو وہ آپ کے قریب آ گیا آپ نے فرمایا: بیٹھ جاؤ تو جب وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: [أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ؟] ''کیا تم اپنی ماں کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے کہا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان

[1] تفسیر الطبری: 101/15. [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿ وَالَّذِیۡنَ لَا یَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰہِ ...... ﴾ (الفرقان 68:25) ......، حدیث: 4761 و صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان کون الشرك أقبح الذنوب ......، حدیث: 86.

وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِیِّہٖ

اور تم اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے۔ اور جو ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو غلبہ دیا ہے، چنانچہ وہ قتل

سُلۡطٰنًا فَلَا یُسۡرِفۡ فِّی الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿33﴾

(قصاص) میں زیادتی نہ کرے، بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے ﴿33﴾

کردے۔ آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأُمَّهَاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے۔'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهُ لِابْنَتِكَ] ''کیا تم اپنی بیٹی کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: نہیں، اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان۔ آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِبَنَاتِهِمْ] ''لوگ بھی اسے اپنی بیٹیوں کے لیے پسند نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهُ لِأُخْتِكَ؟] ''کیا تم اپنی بہن کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے جواب دیا: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، میں آپ پر قربان، آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِأَخَوَاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهُ لِعَمَّتِكَ] ''کیا تم اپنی پھوپھی کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان۔ آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِعَمَّاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اپنی پھوپھیوں کے لیے اسے پسند نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا: [أَفَتُحِبُّهُ لِخَالَتِكَ] ''کیا تم اپنی خالہ کے لیے اسے پسند کرتے ہو؟'' اس نے عرض کی: اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آپ پر قربان، آپ نے فرمایا: [وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهُ لِخَالَاتِهِمْ] ''اور لوگ بھی اسے اپنی خالاؤں کے لیے پسند نہیں کرتے'' پھر آپ نے اپنے دست مبارک کو اس پر رکھا اور یہ دعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ] ''اے اللہ! اس کے گناہ کو صاف فرما دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرم گاہ کو محفوظ کر دے'' پھر اس کے بعد اس نوجوان نے کبھی کسی چیز کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔[1]

تفسیر آیت: 33

قتل ناحق کی ممانعت: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حق شرعی کے بغیر کسی کو قتل کرنے سے منع فرمایا جیسا کہ بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ يَّشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَّا بِإِحْدٰى ثَلَاثٍ: اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالثَّيِّبُ الزَّانِي ، وَالْمُفَارِقُ لِدِينِهِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ] ''کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ہے جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے اور محمد اللہ کے رسول ہیں، البتہ تین میں سے کوئی ایک صورت ہو تو پھر حلال ہے: (1) جان کے بدلے جان (2) شادی شدہ ہو کر زنا کرے (3) دین کو ترک کرتے ہوئے

[1] مسند أحمد: 257,256/5، مزید دیکھیے المعجم الكبير للطبراني، ترجمة حَريز بن عثمان عن سُلَيم بن عامر: 163,162/8، حديث: 7679.

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ‌ ۖ وَاَوۡفُوۡا بِالۡعَهۡدِ‌ ۖ

اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ ، سوائے اس کے جو احسن طریقہ ہو، حتی کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور تم عہد پورا کرو،

اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿34﴾ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ اِذَا كِلۡتُمۡ وَزِنُوۡا بِالۡقِسۡطَاسِ الۡمُسۡتَقِيۡمِ‌ ؕ

بے شک عہد کی بابت سوال کیا جائے گا ﴿34﴾ اور جب ماپ کر دو تو تم ماپ پورا کرو اور سیدھی ترازو سے تولو، یہ بہترین اور

ذٰ لِكَ خَيۡرٌ وَّاَحۡسَنُ تَاۡوِيۡلًا ﴿35﴾

انجام کار کے لحاظ سے بہت اچھا ہے ﴿35﴾

مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑنے والا ہو۔''[1] سنن کی روایت میں ہے: [لَزَوَالُ الدُّنۡيَا أَهۡوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنۡ قَتۡلِ رَجُلٍ مُسۡلِمٍ] ''ایک مسلمان کے قتل کی نسبت ساری دنیا کا ختم ہو جانا اللہ تعالیٰ کے ہاں کم تر ہے۔''[2]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا﴾ ''اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے۔)'' یعنی قاتل پر اسے اختیار دے دیا ہے، چاہے تو اسے قصاص میں قتل کر دے، چاہے تو دیت لے کر معاف کر دے اور اگر چاہے تو دیت لیے بغیر معاف کر دے جیسا کہ سنت سے اس کی تفصیل ثابت ہے۔[3] امام عالی مقام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کے عموم سے یہ استدلال کیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت اور سلطنت ملے گی کیونکہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وارث تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ظلم سے شہید کیے گئے تھے۔ اور پھر واقعی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکومت ملی اور اقتدار ان کے قبضے میں آیا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ سے استنباط کرتے ہوئے فرمایا تھا۔ واقعی یہ ایک بہت عمدہ استنباط اور استدلال تھا۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿فَلَا يُسۡرِفۡ فِّى الۡقَتۡلِ‌ ؕ﴾ ''تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے۔'' یعنی وارث کو چاہیے کہ وہ قاتل کے قتل میں زیادتی نہ کرے کہ اس کا مثلہ کر دے یا قصاص اس سے لے جو قاتل نہ ہو۔ ﴿اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿33﴾﴾ ''بے شک وہ مدد کیا ہوا ہے۔'' یعنی مقتول کا وارث، قاتل پر شریعت، دستور اور قانون کے مطابق منصور اور فتح یاب ہے۔

تفسیر آیات: 35,34

مال یتیم میں بہتر تصرف اور پورا ماپ تول: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى

[1] صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿اَنَّ النَّفۡسَ بِالنَّفۡسِ وَالۡعَيۡنَ بِالۡعَيۡنِ﴾ (المآئدة 45:5)، حديث: 6878 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين......، باب ما يباح به دم المسلم، حديث: 1676 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ. [2] جامع الترمذي، الديات، باب ماجاء في تشديد قتل المؤمن، حديث: 1395 و سنن النسائي، المحاربة (تحريم الدم)، باب تعظيم الدم، حديث: 3992 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہما و سنن ابن ماجه، الديات، باب التغليظ في قتل مسلم ظلما، حديث: 2619 عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ. [3] صحيح البخاري، الصلح، باب الصلح في الدية، حديث: 2703 و صحيح مسلم، القسامة والمحاربين......، باب إثبات القصاص في الأسنان......، حديث: 1675 و مسند أحمد: 128/3، مزید دیکھیے المآئدة، آیت: 45 کے ذیل میں عنوان: ''مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کرنا''

وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىِٕكَ كَانَ

اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں اس کے پیچھے نہ لگیں، بے شک کان، آنکھ اور دل ، ان میں سے ہر ایک کی بابت

عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝36

سوال کیا جائے گا ۝36

﴿ یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ﴾ ’’اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے۔‘‘ یعنی مال یتیم میں اس طرح تصرف کرو جو بہت ہی قابل رشک ہو جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ وَمَنْ كَانَ غَنِیًّا فَلْیَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِیْرًا فَلْیَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ﴾ (النسآء6:4) ’’اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے اس کو فضول خرچی اور جلدی میں نہ اڑا دینا، جو شخص آسودہ حال ہو اس کو (ایسے مال سے قطعی طور پر) پرہیز رکھنا چاہیے اور جو غریب ہو وہ مناسب طور پر (بقدر خدمت کچھ) کھا لے۔‘‘

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: [يَا أَبَا ذَرٍّ! إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا، وَّإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي، لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ ، وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ] ’’اے ابوذر! میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور ہو، میں تمھارے لیے بھی وہ پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں، لہٰذا تم دو آدمیوں پر ہر گز نہ حاکم نہ بننا اور نہ مال یتیم کا وارث بننا۔‘‘ [1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ ﴾ ’’اور عہد کو پورا کرو۔‘‘ یعنی لوگوں سے تم نے جو عہد و پیمان کیے ہوں انھیں پورا کرو کیونکہ ﴿ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝34 ﴾ ’’عہد کے بارے میں ضرور پرسش ہوگی۔‘‘

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ ﴾ ’’اور جب (کوئی چیز) ماپنے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو۔‘‘ یعنی اس میں کمی نہ کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو: ﴿ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ﴾ ’’اور (جب تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تولا کرو۔‘‘ ﴿ بِالْقِسْطَاسِ ﴾ قرطاس کے وزن پر ہے، اس کے معنی میزان کے ہیں، اسے قاف کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دونوں طرح پڑھا گیا ہے اور ﴿ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ﴾ کے معنی ہیں ایسا سیدھا جس میں کوئی کجی، کوئی انحراف اور کوئی اضطراب نہ ہو بلکہ بالکل سیدھا ہو۔ ﴿ ذٰلِكَ خَیْرٌ ﴾ ’’یہ بہت اچھا (کام) ہے۔‘‘ دنیا کے اعتبار سے بھی اور آخرت کے اعتبار سے بھی، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝35 ﴾ ’’اور انجام کے لحاظ سے بھی بہت بہتر ہے۔‘‘ یعنی آخرت کے نتیجے اور انجام کے لحاظ سے بھی یہ بہت بہتر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ یہ طریقہ ثواب کے اعتبار سے بہت بہتر اور انجام کے لحاظ سے بہت اچھا ہے۔ [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے: لوگو! دو باتیں تمھارے اختیار میں ہیں جن کی وجہ سے پہلے لوگ ہلاک کر دیے گئے تھے، میرا اشارہ ماپ اور تول کی طرف ہے۔ [3]

---

① صحیح مسلم، الإمارة، باب كراهة الإمارة بغير ضرورة، حديث:1826 . ② تفسير الطبري:109/15. ③ تفسير الطبري:109/15.

تفسیر آیت:36

علم کے بغیر بات کرنے والے کی سرزنش: علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ وَلَا تَقْفُ ﴾ کے معنی ہیں: ''نہ کہو''[1] اورعوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کسی کے بارے میں ایسی بات نہ کہو جس کا تمھیں علم نہ ہو۔[2] محمد بن حنفیہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جھوٹی گواہی نہ دو،[3] قتادہ کہتے ہیں کہ یہ نہ کہو کہ میں نے دیکھا ہے، حالانکہ تم نے دیکھا نہ ہو، میں نے سنا ہے، حالانکہ تم نے سنا نہ ہو، میں جانتا ہوں، حالانکہ تم جانتے نہ ہو کیونکہ ان سب باتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ پرسش فرمائے گا۔[4] ائمۂ تفسیر نے اس ارشاد باری تعالیٰ کی جو تفسیر کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ علم کے بغیر بات محض ظن، توہّم اور خیال کی بنیاد پر کی جائے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ؕ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ ﴾ (الحجرات 12:49) ''بہت گمان کرنے سے احتراز کرو، یقیناً بعض گمان گناہ ہیں۔'' اور حدیث میں ہے کہ [إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ] ''بدگمانی سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ بدگمانی بہت جھوٹی بات ہے۔''[5] اور سنن ابوداود میں ہے کہ [بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ: زَعَمُوا] ''انھوں نے ایسا خیال کیا، یہ آدمی کی بہت بری سواری ہے۔''[6] ایک اور حدیث میں ہے کہ [إِنَّ مِنْ أَفْرَى الْفِرٰى أَنْ يُّرِيَ عَيْنَيْهِ فِي الْمَنَامِ مَالَمْ تَرَيَا] ''سب سے بڑی افترا پردازی یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کو خواب دکھائے جو انھوں نے دیکھا نہ ہو۔''[7] صحیح حدیث میں ہے کہ [مَنْ تَحَلَّمَ (حُلُمًا) كُلِّفَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنْ يَّعْقِدَ بَيْنَ شَعِيرَتَيْنِ (وَلَيْسَ بِفَاعِلٍ)] ''جس شخص نے کوئی جھوٹا خواب بیان کیا تو اسے قیامت کے دن یہ حکم دیا جائے گا کہ وہ جو کے دانوں کی گرہ لگائے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکے گا۔''[8] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴾ ''ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔'' یعنی کان، آنکھ اور دل کے بارے میں قیامت کے دن انسان سے پوچھا جائے گا اور ان سے انسان کے بارے میں پوچھا جائے گا کہ اس نے ان کا کس طرح استعمال کیا۔ یہاں تلك ہونا چاہیے تھا لیکن تلك کے بجائے أولئك کا استعمال بھی صحیح ہے۔

---

[1] تفسیر الطبری: 109/15. [2] تفسیر الطبری: 110/15. [3] تفسیر الطبری: 110/15. [4] تفسیر الطبری: 109/15.

[5] صحیح البخاری، الأدب، باب: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا ...... ﴾ (الحجرات 12:49)، حدیث: 6066 و صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحریم الظن......، حدیث: 2563 عن أبی ہریرة رضی اللہ عنہ. [6] سنن أبی داود، الأدب، باب فی قول الرجل: زعموا، حدیث: 4972 و مسند أحمد: 119/4 عن أبی مسعود الأنصاری (عُقبة بن عمرو) رضی اللہ عنہ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ [7] صحیح البخاری، التعبیر، باب من کذب فی حلمه، حدیث: 7043 و مسند أحمد: 96/2 عن ابن عمر رضی اللہ عنہما واللفظ له. [8] صحیح البخاری، التعبیر، باب من کذب فی حلمه، حدیث: 7042 و جامع الترمذی، الرؤیا، باب ماجاء فی الذی یکذب فی حلمه، حدیث: 2283 واللفظ له جبکہ پہلی قوسین والا لفظ سنن ابن ماجه، تعبیر الرؤیا، باب من تحلم حلما کاذباً، حدیث: 3916 میں اور دوسری قوسین والا جملہ صحیح ابن حبان، الحظر والإباحة، ذکر وصف عقوبة من استمع......: 498/12، حدیث: 5685 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے۔

وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿37﴾

اور زمین پر اکڑ کر مت چل، بلاشبہ تُو نہ تو کبھی زمین پھاڑ سکتا ہے اور نہ کبھی لمبائی میں پہاڑوں تک پہنچ سکتا ہے ﴿37﴾ یہ سارے (مذکورہ) کام،

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿38﴾

ان کی برائی آپ کے رب کے نزدیک ناپسندیدہ ہے ﴿38﴾

تفسیر آیات: 38,37

اکڑ کر چلنے کی مذمت: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو فخر وغرور کی چال سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ﴾ ''اور زمین پر اکڑ کر (اور تن کر) مت چل۔'' یعنی جابر وسرکش لوگوں کی طرح فخر وغرور اور تکبر کے ساتھ نہ چلو ﴿ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ ﴾ ''بے شک تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا۔'' یعنی اپنی اس متکبرانہ چال کے ساتھ تم زمین کو ہرگز پھاڑ نہیں سکو گے۔ ابن جریر نے اس کے یہی معنی بیان کیے ہیں اور انھوں نے رُوَبہ بن عَجّاج کے اس قول سے استشہاد کیا ہے:

وَقَاتِمِ الْأَعْمَاقِ خَاوِی الْمُخْتَرَقِ

''اور گردوغبار سے اٹی ہوئی تاریک کناروں والی وادی اکثر ویران ہوا کرتی ہے۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿37﴾ ﴾ ''اور نہ تو لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا۔'' یعنی اپنے اس فخر وغرور اور اپنی اس خود پسندی کی وجہ سے لمبے ہو کر پہاڑوں کی بلندی تک نہیں پہنچ جاؤ گے بلکہ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ایسا کرنے والے کے قصد وارادہ کے خلاف اسے دنیا میں سزا دے دی جاتی ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے: [بَيْنَمَا رَجُلٌ يَّمْشِي (مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ عَلَيْهِ بُرْدَانِ لَهُ يَتَبَخْتَرُ فِيهِمَا) فَخَسَفَ اللّٰهُ بِهِ الْأَرْضَ فَهُوَ يَتَجَلْجَلُ فِيهَا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ] ''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص چل رہا تھا، اس نے دو چادریں اوڑھ رکھیں تھیں اور وہ ان کی وجہ سے متکبرانہ چال چل رہا تھا کہ اچانک اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔''[1] اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قارون کے بارے میں بھی ذکر فرمایا ہے کہ ایک دن وہ بڑی آرائش وزیبائش کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تھا۔[2]

﴿ سَيِّئُهٗ ﴾ کی قراءتیں اور مفہوم: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿38﴾ ﴾ ''ان سب (عادتوں) کی برائی آپ کے پروردگار کے نزدیک بہت ناپسند ہے۔'' بعض نے اسے [سَيِّئَةً] پڑھا ہے۔[3] جس کے معنی برائی کے ہیں تو اس صورت میں مفہوم یہ ہوگا کہ یہ سب کام جن سے ہم نے منع کیا ہے اور جن کا آیت: ﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ ﴾

---

[1] صحيح البخاري، اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء، حديث: 5789 عن أبي هريرة ؓ و5790 عن ابن عمر ؓ، قوسین والے الفاظ شعب الإيمان للبيهقي، فصل في طلاقة الوجه......: 252/6، حديث: 8050 جبکہ باقی حدیث صحيح مسلم، اللباس والزينة، باب في تحريم التبختر......، حديث: (50)-2088 عن أبي هريرة ؓ کے مطابق ہے۔ اور [يَمْشِي] مسلم کے مذکورہ حوالے میں حدیث: (49)-2088 کے تحت ہے۔ [2] دیکھیے القصص، آيات: 76-82 . [3] تفسير الطبري: 113/15.

ذٰلِكَ مِمَّاۤ اَوۡحٰۤى اِلَيۡكَ رَبُّكَ مِنَ الۡحِكۡمَةِ ؕ وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰى فِىۡ جَهَنَّمَ

یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہیں۔ اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ ٹھہراؤ، ورنہ جہنم میں ملامت زدہ،

مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ﴿39﴾

دھتکارے ہوئے ڈالے جاؤ گے ﴿39﴾

اَفَاَصۡفٰٮكُمۡ رَبُّكُمۡ بِالۡبَنِيۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓـئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا

کیا پھر تمھارے رب نے تمھیں بیٹوں کے لیے چن لیا اور (اپنے لیے) فرشتوں میں سے بیٹیاں بنالیں؟ بلاشبہ تم بہت بڑی (نازیبا اور خطرناک)

عَظِيۡمًا ﴿40﴾ ع

بات کہتے ہو ﴿40﴾

سے لے کر یہاں تک ذکر ہوا ہے، یہ سب برائی کے کام ہیں اور ان کی وجہ سے مؤاخذہ ہوگا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہیں اور جس نے اسے اضافت کے ساتھ ﴿سَيِّئُهٗ﴾ پڑھا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ یہ سب کچھ جس کا آیت: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ﴾ سے لے کر یہاں تک ہم نے ذکر کیا ہے تو ان سب کاموں کی برائی اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت ناپسند ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ان دونوں صورتوں میں اس کا یہی مفہوم بیان فرمایا ہے۔[1]

تفسیر آیت: 39

وحی و حکمت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ سب اخلاق جمیلہ جن کا ہم نے حکم دیا اور یہ صفات رذیلہ جن سے ہم نے منع کیا ہے، ان کا تعلق اس وحی سے ہے جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے تاکہ آپ لوگوں کو اس کا حکم دیں۔ ﴿وَلَا تَجۡعَلۡ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلۡقٰى فِىۡ جَهَنَّمَ مَلُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا﴿39﴾﴾ ''اور اللہ کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ (اور اللہ کی درگاہ سے) راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیے جاؤ گے۔'' یعنی تم خود بھی اپنے آپ کو ملامت کرو گے اور اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق بھی تمھیں ملامت کرے گی اور تمھیں ہر خیر و بھلائی سے دور کر دیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدحور کے معنی مردود (راندۂ درگاہ) کے ہیں۔[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے یہ خطاب امت سے ہے کیونکہ آپ تو معصوم ہیں۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيۡهِ.

تفسیر آیت: 40

فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں نہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ان جھوٹے اور ملعون مشرکوں کی تردید فرمائی ہے جنھوں نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا تھا۔ ان ملعونوں نے فرشتوں کے بارے میں جو اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں پہلے تو یہ گمان کیا کہ یہ مؤنث ہیں، پھر یہ دعویٰ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور پھر ان کی عبادت بھی شروع کر دی تو ان تینوں باتوں میں انھوں نے زبردست غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿اَفَاَصۡفٰٮكُمۡ

[1] تفسیر الطبری: 113/15. [2] تفسیر الطبری: 114/15.

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِیَذَّکَّرُوۡا ؕ وَمَا یَزِیۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿۴۱﴾

اور ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر (حقائق کو) بیان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں، لیکن (یہ چیز) ان کو نفرت ہی میں زیادہ کرتی ہے ﴿۴۱﴾

قُلۡ لَّوۡ کَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ کَمَا یَقُوۡلُوۡنَ اِذًا لَّابۡتَغَوۡا اِلٰی ذِی الۡعَرۡشِ سَبِیۡلًا ﴿۴۲﴾ سُبۡحٰنَهٗ

کہہ دیجیے: اگر اس کے ساتھ اور معبود ہوتے، جیسا کہ وہ (مشرک) کہتے ہیں، تو وہ صاحب عرش (اللہ) تک (پہنچنے کے لیے) ضرور کوئی راہ تلاش

وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ﴿۴۳﴾

کرتے ﴿۴۲﴾ وہ پاک ہے اور وہ (مشرک) جو کچھ کہتے ہیں اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ و بلند تر ہے ﴿۴۳﴾

﴿ رَبُّکُمۡ بِالۡبَنِیۡنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الۡمَلٰٓئِکَةِ اِنَاثًا ؕ ﴾ ''(مشرکو!) کیا تمھارے پروردگار نے تم کو تو لڑکے دیے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا؟'' یعنی تمھارے گمان کے مطابق اپنے لیے اس نے بیٹوں کو پسند کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّکُمۡ لَتَقُوۡلُوۡنَ قَوۡلًا عَظِیۡمًا ﴿۴۰﴾ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ (یہ) تم بڑی (نامعقول) بات کہتے ہو۔'' یعنی یہ گمان کرتے ہوئے کہ اللہ کی اولاد ہے اور پھر تم نے اس کی اولاد بھی ان بیٹیوں کو قرار دیا جن سے تم نفرت کرتے ہو بلکہ کبھی انھیں زندہ درگور بھی کردیتے ہو تو یہ تقسیم تو بہت ہی ناانصافی کی ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا ؕ لَقَدۡ جِئۡتُمۡ شَیۡئًا اِدًّا ۙ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرۡنَ مِنۡهُ وَتَنۡشَقُّ الۡاَرۡضُ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنۡ دَعَوۡا لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدًا ۚ وَمَا یَنۡۢبَغِیۡ لِلرَّحۡمٰنِ اَنۡ یَّتَّخِذَ وَلَدًا ؕ اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا ؕ لَقَدۡ اَحۡصٰهُمۡ وَعَدَّهُمۡ عَدًّا ؕ وَکُلُّهُمۡ اٰتِیۡهِ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ فَرۡدًا ﴾ (مریم19:88-95) ''اور کہتے ہیں اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو یہ تو) تم بری بات (زبان پر) لاتے ہو۔ قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز کی۔ اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کوئی اولاد بنائے، آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں، سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے، اس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا ہے اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔''

تفسیر آیت: 41

قرآن میں ایک بات کا مختلف طریقوں سے بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا فِیۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لِیَذَّکَّرُوۡا ؕ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے اس قرآن میں پھیر پھیر کر (نشانیوں کو) بیان کیا ہے۔'' یعنی ہم نے اس قرآن میں وعید سے متعلق بہت سی باتوں کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ اس کے دلائل و براہین اور مواعظ سے نصیحت حاصل کریں اور شرک، ظلم اور افترا پردازی سے باز آ جائیں۔ ﴿ وَمَا یَزِیۡدُهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرًا ﴿۴۱﴾ ﴾ ''اور وہ ان میں نفرت کے سوا اور کچھ زیادہ نہیں کرتا۔'' یعنی حق سے نفرت اور اس سے دور ہونے میں (اضافہ کرتا ہے۔)

تفسیر آیات: 43,42

قربت الٰہی کے لیے کسی پیر فقیر کے وسیلے کی ضرورت نہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ان مشرکوں سے

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

ساتوں آسمان اور زمین اور جو (مخلوق) ان میں ہے اس (اللہ) کی تسبیح کرتے ہیں، اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ تسبیح نہ کرتی ہو، اور لیکن

وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿44﴾

تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ نہایت حوصلے والا، بہت بخشنے والا ہے ﴿44﴾

کہہ دیں جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے اس کا کوئی شریک بھی ہے جس کی یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دے، چنانچہ اگر بات اسی طرح ہے جیسے تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں اور ان کی عبادت اس لیے کی جاتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں اور اس کے پاس ان کی شفاعت کریں تو ان سے کہہ دیں کہ وہ تمام معبود تو خود اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے اور اس کا وسیلہ وقرب تلاش کرتے ہیں، لہٰذا تم بھی اسی وحدہ لا شریک کی عبادت کرو جس طرح کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ تمھیں کسی ایسے معبود کی ضرورت ہی نہیں جو تمھارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے کا کام دے۔ اللہ تعالیٰ تو اس بات کو قطعی طور پر پسند ہی نہیں فرماتا ہے بلکہ وہ اسے ناپسند فرماتا اور اسے اس سے بہت نفرت ہے، اس نے اپنے تمام نبیوں اور رسولوں کی زبانی اس سے منع فرمایا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات گرامی کی تنزیہ اور تقدیس بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿43﴾ ﴾ ''وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں، اس سے (اس کا رتبہ) بہت عالی ہے۔'' یعنی یہ مشرک، سرکش اور ظالم جو یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں تو اس کی ذات پاک اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے وہ اللہ احد وصمد ہے۔ وہ معبود برحق بے نیاز ہے نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔

تفسیر آیت:44

ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ساتوں آسمان، زمین اور جو مخلوقات ان میں ہیں، وہ سب اس کی تقدیس، تنزیہ، تعظیم اور تکبیر بیان کرتی ہیں اور اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ وہ اپنی ربوبیت والوہیت میں واحد ہے۔

فَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَّهٗ آيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ

''ہر چیز میں اس کے لیے نشانی ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ذات پاک واحد ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۙ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۚ ﴾ (مریم 91,90:19) ''قریب ہے کہ اس (افترا) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹے تجویز کیے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ ﴾ ''اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔'' یعنی مخلوقات میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے لیکن لوگو! تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہو کیونکہ ان کی زبان تمھاری زبان سے مختلف ہے اور

یہ بات عام ہے جو تمام حیوانات، جمادات اور نباتات سے متعلق ہے اس سلسلے میں مشہور قول یہی ہے۔ صحیح بخاری میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بلاشبہ ہم کھانے کی تسبیح سن رہے تھے جبکہ اسے کھایا جا رہا تھا۔[1] امام احمد نے معاذ بن انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس گئے جو اپنے جانوروں اور سواریوں پر تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا: [اِرْكَبُوهَا سَالِمَةً ، وَّدَعُوهَا سَالِمَةً، وَّلَا تَتَّخِذُوهَا كَرَاسِيَّ لِأَحَادِيثِكُمْ فِي الطُّرُقِ وَالْأَسْوَاقِ، فَرُبَّ مَرْكُوبَةٍ خَيْرٌ مِّنْ رَّاكِبِهَا وَأَكْثَرُ ذِكْرًا لِّلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالَى مِنْهُ] ''ان پر سواری کرو جبکہ یہ صحیح سلامت ہوں اور صحت وسلامتی کی حالت میں انھیں چھوڑ دو، راستوں اور بازاروں میں اپنی باتوں کے لیے انھیں کرسیاں نہ بناؤ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سواری اپنے سوار سے بڑھ کر اور اس سے بہتر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والی ہو۔''[2] سنن نسائی میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کو قتل کرنے سے منع فرمایا کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے۔[3]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا﴾ ''بے شک وہ بڑا بردبار (اور) نہایت بخشن ہار ہے۔'' یعنی اپنی نافرمانی کرنے والے کو وہ فوراً سزا نہیں دیتا بلکہ اسے مہلت اور ڈھیل دے دیتا ہے اور اگر وہ اپنے کفر وعناد پر بدستور قائم رہے تو وہ اسے اس طرح پکڑ لیتا ہے جس طرح قوی اور غالب پکڑ لیتا ہے۔ صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑتا ہے تو پھر اسے نہیں چھوڑتا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ﴾ (هود 102:11) ''اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح ہوتی ہے۔''[4] اور فرمایا: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ﴾ (الحج 48:22) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں۔''

اور فرمایا: ﴿ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ﴾ (الحج 45:22) ''اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے ان کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں۔'' اور جو شخص کفر اور نافرمانی سے باز آ جائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول فرما لیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ

---

[1] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، حديث: 3579. [2] مسند أحمد: 439/3 [ولا تتخذوها كراسي] تک یہ حدیث صحیح ہے۔ دیکھیے السلسلة الصحيحة، حديث: 21 والموسوعة الحديثية (مسند أحمد): 393,392/24. [3] سنن النسائي، الصيد، باب الضفدع، حديث: 4360، مزید دیکھیے سنن أبي داود، الطب، باب في الأدوية المكروهة، حديث: 3871 ومسند أحمد: 453/3 ملحوظ: مینڈک کے تسبیح کرنے کے بارے میں حدیث کا حصہ ضعیف ہے۔ مکمل حدیث اس طرح ہے: نهي النبي عن قتل الضفدع وقال: [إِنَّ نَقِيقَهَا تَسْبِيحٌ] نبی اکرم ﷺ نے مینڈک کو قتل کرنے سے روکا اور فرمایا: ''بلاشبہ اس کا ٹرّانا تسبیح ہے۔'' دیکھیے المعجم الأوسط للطبراني، ترجمة عثمان: 12/3، حديث: 3716 والسنن الكبرى للبيهقي، الضحايا، باب مايحرم من جهة......: 318/9 والسلسلة الضعيفة، حديث: 4788 عن عبدالله بن عمرو رضي الله عنه. [4] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ...... ﴾ (هود 102:11) ......، حديث: 4686 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2583 عن أبي موسى الأشعري رضي الله عنه.

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿45﴾ وَّجَعَلْنَا

اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اوران لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں ﴿45﴾ اور ہم نے

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا

ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اس سے کہ وہ اس کو سمجھیں، اوران کے کانوں میں گرانی (ڈال دیتے ہیں۔) اور جب آپ قرآن میں اپنے

عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿46﴾

اکیلے رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت سے اپنی پیٹھوں کے بل پھر جاتے ہیں ﴿46﴾

يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (النسآء 4:110) ’’اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بڑا بخشنے والا (اور) نہایت مہربان پائے گا۔‘‘ اور یہاں فرمایا: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿44﴾ ﴾ ’’بے شک وہ بڑا بردبار (اور) بہت بخشنے والا ہے۔‘‘ جیسا کہ سورۂ فاطر کے آخر میں فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ○ ﴾ (فاطر 35:41) ’’اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے کہ ٹل (نہ) جائیں۔ اگر وہ ٹل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے، بے شک وہ بڑا بردبار (اور) بہت بخشنے والا ہے۔‘‘ اور پھر اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت میں فرمایا: ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰي ظَهْرِهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ○ ﴾ (فاطر 35:45) ’’اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا اور لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دیے جاتا ہے، سو جب ان کا وقت آ جائے گا تو (ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) اللہ تو اپنے بندوں کو خوب دیکھ رہا ہے۔‘‘

تفسیر آیات: 46,45

مشرکوں کے دلوں پر پردہ ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) جب آپ ان مشرکوں کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ہم آپ کے اوران کے درمیان حجاب پر حجاب کر دیتے ہیں۔ قتادہ اور ابن زیاد کہتے ہیں کہ اس سے مراد کہ ان کے دلوں پر پردے ڈال دیتے ہیں ایسے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:5) ’’اور کہنے لگے کہ جس چیز کی طرف آپ ہمیں بلاتے ہیں اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (بہراپن) ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان پردہ ہے۔‘‘[1] یعنی ہمارے کانوں میں رکاوٹ ہے جس کی وجہ سے آپ کی بات ہمارے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور ﴿ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ﴿45﴾ ﴾ میں مستور بمعنی ساتر ہے جس طرح مَيْمُون اور مَشْئُوم کے الفاظ يَامِنٌ اور شَائِمٌ کے معنی میں

[1] تفسیر الطبری: 15/118.

استعمال ہوتے ہیں کیونکہ یہ الفاظ یَمْنَهُمْ اور شَأْمَهُمْ سے مشتق ہیں۔اس کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ ان کے دل آنکھوں سے چھپے ہوئے ہیں، لہٰذا تم انھیں دیکھ نہیں سکتے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کے اور ہدایت کے درمیان پردہ بھی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے۔ (1)

حافظ ابویعلیٰ مَوْصلی رحمہ اللہ نے اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ جب سورت ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ ﴾ (اللھب 1:111) نازل ہوئی تو بھینگی ام جمیل بڑے جوش وخروش سے آئی، اس نے ہاتھ میں پتھر پکڑا ہوا تھا اور کہہ رہی تھی: مُذَمَّمٌ أَبَيْنَا أَوْ أَتَيْنَا۔ اَلشَّكُّ مِنْ أَبِي مُوسٰى۔ وَدِينَهُ قَلَيْنَا، وَأَمْرَهُ عَصَيْنَا] ''ہم نے (ان کا) انکار کیا ہے یا یہ کہا کہ مذمم ہمارے پاس آئے، یہ ابوموسیٰ کو شک ہے کہ اس نے کیا کہا، اس کے دین سے ہم بیزار و متنفر ہیں اور اس کے حکم کی نافرمانی کرتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جلوہ افروز تھے اور آپ کے پاس ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! یہ آرہی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ آپ کو دیکھ نہ لے، آپ نے فرمایا: [إِنَّهَا لَنْ تَرَانِي] ''یقیناً یہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی'' اور آپ نے اس وقت قرآن پڑھ کر اپنے آپ کو اس کے شر سے محفوظ کر لیا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ ﴾ ''اور جب آپ قرآن پڑھا کرتے ہیں تو ہم آپ میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے چھپایا ہوا پردہ کر دیتے ہیں۔'' راوی کا بیان ہے کہ یہ عورت آئی اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس کھڑی ہوگئی مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ سکی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: اے ابوبکر! مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ تیرے ساتھی نے میری مذمت کی ہے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں اس گھر کے رب کی قسم! انھوں نے تیری مذمت نہیں کی۔ تو وہ یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ قریش کو معلوم ہے کہ میں اس کے سردار کی بیٹی ہوں۔ (2)

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ﴾ ''اور ہم ان کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں۔'' أَكِنَّةٌ، کنان کی جمع ہے، کنان اس کو کہتے ہیں جو دل پر چھا جائے، ﴿ اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ﴾ ''کہ اسے سمجھ سکیں۔'' تاکہ وہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں ﴿ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ ''اور ان کے کانوں میں ثقل (پیدا کر دیتے ہیں۔)'' یعنی وہ ثقل جو انھیں قرآن کے اس طرح سننے سے روکے جو ان کے لیے منفعت اور ہدایت کا سبب بنے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ ﴾ ''اور جب آپ قرآن میں اپنے پروردگار یکتا کا ذکر کرتے ہیں۔'' یعنی تلاوت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ذکر کرتے اور لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں تو ﴿ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ ﴾ ''تو وہ

(1) تفسیر الطبری: 118/15. (2) مسند أبی یعلی الموصلی: 54,53/1، حدیث: 53 مزید دیکھیے المستدرک للحاکم، التفسیر: 361/2، حدیث: 3376 اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب صحیح السیرۃ النبویۃ، باب أمر اللّٰہ رسولہ بإبلاغ الرسالۃ......، ص: 138,137 میں ذکر کیا ہے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ

ہم خوب جانتے ہیں جس (غرض) سے وہ اس (قرآن) کو غور سے سنتے ہیں، جب وہ آپ کی طرف کان لگاتے ہیں اور جب وہ خفیہ مشورے کرتے

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿47﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا

ہیں (تب بھی) جبکہ ظالم کہتے ہیں: تم جس کی اتباع کرتے ہو وہ تو جادو مارا شخص ہے ﴿47﴾ دیکھیے! انھوں نے آپ کے لیے کس طرح مثالیں بیان کیں؟

يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿48﴾

وہ گمراہ ہو گئے، لہٰذا وہ راستہ نہیں پا سکتے ﴿48﴾

بدک جاتے اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں۔'' نُفُور، نَافِر کی جمع ہے جس طرح قُعُود، قاعِد کی جمع ہے، یہ بھی جائز ہے کہ یہ کسی اور باب سے مصدر ہو، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ. جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ﴾ (الزمر 39:45) ''اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔''

امام قتادہ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ ﴾ کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ مسلمان جب لا الہ الا اللہ کہتے تو مشرکین اس کا انکار کرتے یہ بات انھیں بہت گراں محسوس ہوتی اور ابلیس اور اس کے لشکروں کو تو اس سے بہت ہی تنگی ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت یہی تھی کہ اس کلمے کو جاری کر دے، اسے بلند کر دے، اسے فتح و نصرت سے نوازے اور مخالفت کرنے والوں پر اسے غالب کر دے، یہ ایک ایسا کلمہ ہے جو اس کے لیے جھگڑے گا، وہ کامیاب ہوگا جو اس کے ساتھ لڑے گا، فتح یاب ہوگا، اس جزیرے کے مسلمان اسے پہچانتے ہیں جسے اونٹ سوار چند راتوں میں طے کر سکتا ہے اور اگر وہ زمانہ بھر لوگوں کے گروہوں میں گھومتا رہے تو نہ وہ اس کلمے کو پہچانیں گے اور نہ اس کا اقرار ہی کریں گے۔[1]

تفسیر آیات: 48,47

قرآن سننے کے بعد قریش کی سرگوشیاں: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو سردارانِ قریش کی ان سرگوشیوں سے مطلع فرمایا ہے جو انھوں نے اس وقت کی تھیں جب اپنی قوم سے چھپ کر نبیٔ اکرم ﷺ کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا اور کہا تھا کہ آپ تو سحر زدہ ہیں مشہور قول کے مطابق سِحْر سے ہے جس کے معنی جادو کے ہیں یا سَحْر سے ہے جس کے معنی پھیپھڑے ہیں، یعنی انھوں نے کہا کہ تم تو ایسے آدمی کی اتباع کرتے ہو جو کھاتا پیتا ہے لیکن یہ معنی محل نظر ہے کیونکہ یہاں ان کی مراد ہے کہ آپ نعوذ باللہ، آسیب زدہ ہیں، آپ کے پاس وہ کلام آتا ہے جسے انھوں نے آپ سے تلاوت کرتے ہوئے سن رکھا ہے۔ ان میں سے کسی نے کہا کہ آپ شاعر ہیں کسی نے کہا کہ کاہن ہیں کسی نے کہا کہ مجنون ہیں اور کسی نے کہا کہ ساحر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿48﴾ ﴾ ''دیکھو انھوں نے کس کس طرح آپ کے بارے میں باتیں بنائی ہیں، سو یہ گمراہ ہو رہے ہیں اور رستہ نہیں پا سکتے۔'' یعنی یہ نہ راہ حق کو

[1] تفسیر الطبری: 119/15.

پاسکیں گے اور نہ اس تک پہنچ ہی سکیں گے۔

امام محمد بن اسحاق نے ''سیرت'' میں بیان کیا ہے کہ مجھ سے محمد بن مسلم بن شہاب زہری نے بیان کیا کہ ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی، جو بنی زہرہ کا حلیف تھا، ایک رات نکلے تاکہ رسول اللہ ﷺ سے قرآن سنیں، آپ اس وقت کاشانۂ نبوت میں رات کو نماز میں قرآن مجید کی تلاوت فرما رہے تھے، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر آ کر قرآن سننے کے لیے بیٹھ گیا اور ان میں سے کسی کو دوسرے کے بارے میں کوئی علم نہ تھا، یہ لوگ ساری رات طلوع فجر تک بیٹھے قرآن سنتے رہے اور جب صبح ہوئی تو اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے اور جب رستے میں ایک جگہ جمع ہوئے تو ایک دوسرے کو ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے کہ آئندہ ایسا نہ کرنا، اگر بعض بے وقوفوں نے تمھیں دیکھ لیا تو ان کے دلوں میں طرح طرح کے خیالات آنے لگیں گے۔ یہ عہد و پیمان کرنے کے بعد وہ اپنے گھروں کو چلے گئے۔ اسی طرح جب دوسری رات ہوئی تو پھر اٹھ کر اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے اور حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان اقدس سے قرآن سننے لگے اور طلوع فجر تک سنتے رہے، جب صبح ہوئی تو اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چل پڑے اور پھر رستے میں ایک جگہ جمع ہو گئے تو پھر ایک دوسرے نے باہم وہی کہا جو پہلی مرتبہ کہا تھا، پھر چل دیے۔ جب تیسری رات ہوئی تو پھر ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گیا۔ ساری رات قرآن سننے کے بعد جب طلوع فجر کے وقت گھروں کو چل دیے تو راستے میں جمع ہو گئے، پھر ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ آج ہمیں یہ پختہ عہد و پیمان کر کے جانا ہے کہ آئندہ ہم ایسا نہ کریں گے، انھوں نے پختہ عہد کیا اور اپنے اپنے گھروں کی راہ لی۔ صبح ہوئی تو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی پکڑی اور اپنے گھر سے باہر نکلا، پھر ابوسفیان بن حرب کے گھر آیا اور کہنے لگا:

ابوحنظلہ! محمد سے جو تم نے سنا ہے اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا: ابوثعلبہ! اللہ کی قسم! میں نے کچھ باتیں ایسی بھی سنی ہیں جن کو میں نہیں جانتا اور نہیں جانتا کہ ان سے کیا مراد ہے، اخنس نے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس کی تم نے قسم کھائی ہے! میرا بھی یہی حال ہے، پھر اخنس ابوجہل کے گھر گیا اور اس سے کہنے لگا: ابوالحکم! محمد سے رات کو تم نے جو کچھ سنا ہے اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے کیا سننا تھا۔ بات یہ ہے کہ ہمارا اور عبد مناف کا شرف و برتری کے حصول میں ہمیشہ مقابلہ رہتا تھا۔ وہ لوگوں کو کھانا کھلاتے تو ہم بھی کھلا دیتے، وہ مسافروں کو سواریاں دیتے تو ہم بھی دے دیتے۔ وہ مال و دولت خرچ کرتے تو ہم ان سے بھی زیادہ خرچ کر دیتے حتی کہ گھڑ دوڑ کے دونوں گھوڑوں کی طرح ہم ایک دوسرے کے بالمقابل صف آرا تھے تو عبد مناف کے لوگوں نے کہا کہ ہم میں اللہ کے ایک نبی ہیں جن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے تو ہم اس شرف کو بھلا کس طرح حاصل کر سکتے ہیں! لہٰذا ہم تو ان پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ان کی تصدیق کریں گے۔ اخنس ابوجہل کا یہ جواب سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے گھر سے نکل گیا۔ [1]

[1] السيرة النبوية لابن إسحاق، قصة استماع قريش إلى قراءة النبي ﷺ: 226/1 والسيرة النبوية لابن هشام، قصة استماع قريش إلى قراءة النبي ﷺ: 316,315/1 و دلائل النبوة للبيهقي، باب اعتراف مشركي قريش بما في كتاب الله......: 207,206/2.

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿49﴾ قُلْ كُوْنُوْا

اور انھوں نے کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا ہم (دوبارہ) از سر نو پیدا کر کے اُٹھائے جانے والے ہیں؟﴿49﴾ کہیے: تم پتھر یا لوہا ہو

حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿50﴾ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ

جاؤ ﴿50﴾ یا کوئی مخلوق جو تمھارے سینوں میں بڑی معلوم ہوتی ہو۔ پھر وہ کہیں گے: کون ہمیں (دوبارہ) لوٹائے (پیدا کرے) گا؟ کہیے: وہی جس نے

الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى

تمھیں پہلی بار پیدا کیا، پھر وہ آپ کی طرف (تعجب سے) اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے: وہ کب ہوگا؟ کہہ دیجیے: امید ہے کہ وہ قریب ہو ﴿51﴾

اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ﴿51﴾ يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿52﴾

جس دن وہ (اللہ) تمھیں بلائے گا تو تم اس کی حمد کرتے ہوئے تعمیل ارشاد کرو گے اور تم خیال کرو گے کہ بس تھوڑا عرصہ ٹھہرے ہو ﴿52﴾

تفسیر آیات: 49-52

حیات بعد الممات پر ایمان نہ لانے والوں کی تردید: اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے بارے میں فرمایا: آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے جو آخرت کے وقوع کو بعید سمجھتے اور استفہام انکار کے طور پر کہتے ہیں: ﴿ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا﴾ ''جب ہم (مرکر بوسیدہ) ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے۔''یعنی مٹی ہو جائیں گے، یہ مجاہد کا قول ہے۔[1]

اور علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب ہم غبار ہو جائیں گے۔[2] ﴿ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿49﴾﴾ ''تو کیا ہم از سرنو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے۔''یعنی جب ہم بوسیدہ اور عدم ہو جائیں گے کہ جن کا کوئی ذکر مذکور نہ ہوگا تو کیا قیامت کے دن ہمیں دوبارہ اٹھایا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں دوسری جگہ فرمایا ہے: ﴿يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۭ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۭ قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴾ (النّٰزعٰت 79:10-12) ''(کافر) کہتے ہیں: کیا ہم الٹے پاؤں پھر لوٹیں گے؟ بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے تو پھر زندہ کیے جائیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ لوٹانا تو (موجب) زیاں ہے۔''

اور فرمایا: ﴿وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ○﴾ (یٰسٓ 36:78,79) ''اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے۔'' اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ان کو جواب دیں، فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ﴿50﴾﴾ ''کہہ دیں کہ (خواہ تم) پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔'' کیونکہ یہ چیزیں بوسیدہ ہڈیوں سے زیادہ سخت ہیں، ﴿اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ﴾ ''یا کوئی اور چیز جو تمھارے سینوں (دلوں) میں

[1] تفسير الطبري:122/15. [2] تفسير الطبري:122/15.

(پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو۔‘‘ ابن اسحاق نے ابن ابو نَجیح سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ اس سے مراد موت ہے۔[1] عَطِیّہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے اس آیت کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ اگر تم مردہ ہو گئے تو میں تمھیں زندہ کر دوں گا۔[2] سعید بن جبیر، ابوصالح، حسن، قتادہ اور ضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[3]

بہر حال اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ فرض کرو کہ اگر تم موت سے دوچار ہو جاؤ جو کہ زندگی کی ضد ہے تو اللہ تعالیٰ جب چاہے گا تمھیں زندہ کر دے گا کہ وہ جب کسی چیز کے کرنے کا ارادہ فرمالے تو کوئی چیز اسے روک نہیں سکتی۔

مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ خَلْقًا مِّمَّا یَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ ﴾ ’’یا کوئی اور چیز جو تمھارے سینوں (دلوں) میں (پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو۔‘‘ سے مراد آسمان و زمین اور پہاڑ ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ تم جو چاہو ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تمھیں موت کے بعد ضرور دوبارہ زندہ کرے گا۔[4]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَسَیَقُوْلُوْنَ مَنْ یُّعِیْدُنَا ﴾ ’’تو جھٹ کہیں گے: (بھلا) ہمیں کون لوٹائے گا؟‘‘ یعنی اگر ہم پتھر یا لوہا یا کوئی اور سخت چیز بن جائیں تو ہمیں دوبارہ کون زندہ کرے گا؟ ﴿ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ’’کہہ دیں کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا۔‘‘ یعنی جس نے تمھیں اس وقت پیدا کیا جب تمھارا کوئی ذکر تک مذکور نہ تھا، پھر اس نے تمھیں پیدا فرمایا اور تم انسان بن کر زمین میں بسنے لگے، وہی اس بات پر قادر ہے کہ مرنے کے بعد تم، خواہ جس حالت میں بھی ہو گے وہ تمھیں زندہ کر دے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَهُوَ الَّذِیْ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ ﴾ الآية (الروم 27:30) ’’اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا۔ اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔‘‘

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَسَیُنْغِضُوْنَ اِلَیْكَ رُءُوْسَهُمْ ﴾ ’’تو (تعجب سے) آپ کے آگے اپنے سر ہلائیں گے۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ از راہ مذاق سر ہلائیں گے۔[5] کیونکہ اہل زبان، عربوں، کے نزدیک اِنغاض کے معنی نیچے سے اوپر یا اوپر سے نیچے حرکت دینے کے ہیں اور اسی وجہ سے شتر مرغ کے بچے کو نُغض کہتے ہیں کیونکہ وہ جب چلتا ہے تو تیز چلتا اور اپنے سر کو حرکت دیتا ہے، اسی طرح نَغَضَتْ سِنُّهٗ اس وقت کہا جاتا ہے جب دانت حرکت کرنے لگے اور اپنی جڑ سے اوپر اٹھ آئے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ﴾ ’’اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہوگا۔‘‘ یعنی وہ اس کے وقوع کو بعید سمجھتے ہوئے یہ کہتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ ﴾ (الملك 25:67) ’’اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا۔‘‘ اور فرمایا: ﴿ یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهَا ﴾ (الشوریٰ 18:42) ’’جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لیے جلدی کر رہے ہیں۔‘‘ فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلْ

---

[1] تفسير الطبرى: 123/15 و تفسير القرطبى: 274/10. [2] تفسير الطبرى: 123/15. [3] تفسير الطبرى: 124,123/15. [4] تفسير عبد الرزاق: 301/2 رقم: 1575. [5] تفسير الطبرى: 126/15.

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ

اور میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہ بات کہیں جو احسن ہو، بے شک شیطان ان کے درمیان فساد ڈالتا ہے، بلاشبہ شیطان انسان کا

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ﴿53﴾

کھلا دشمن ہے ﴿53﴾

﴿ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا ﴿51﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: ہوسکتا ہے کہ جلد ہو۔'' یعنی اس سے ڈر جاؤ، یہ بہت قریب ہے، یقینی طور پر یہ دن بہت جلد تمھارے پاس آنے والا ہے اور جو چیز آنے والی ہو وہ قریب ہی ہوتی ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ ﴾ ''جس دن وہ تمھیں پکارے گا۔'' یعنی رب تبارک وتعالیٰ ﴿ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَاۤ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ○ ﴾ (الروم 25:30) ''جب وہ تم کو زمین میں سے (نکلنے کے لیے) آواز دے گا تو تم جھٹ نکل پڑو گے۔'' یعنی وہ جب تمھیں زمین سے نکلنے کا حکم دے گا تو اس کے حکم کی نہ مخالفت کی جا سکے گی اور نہ اسے ٹالا جا سکے گا بلکہ صورت حال اس طرح ہوگی جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَاۤ اَمْرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِالْبَصَرِ ○ ﴾ (القمر 50:54) ''اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح ایک بات ہوتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ فَاِنَّمَا هِیَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ○ فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ؕ○ ﴾ (النّٰزعٰت 14,13:79) ''وہ تو صرف ڈانٹ ہوگی۔ اس وقت وہ (سب) میدان (حشر) میں (آ جمع) ہوں گے۔'' یعنی ڈانٹ کا ایک حکم ہوگا کہ لوگ زمین کے اندر سے نکل کر باہر آ جائیں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ ﴾ ''جس دن وہ تمھیں پکارے گا تو تم اس کی تعریف کے ساتھ جواب دو گے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرتے اور اس کے ارادے کی اطاعت بجالاتے ہوئے تم سب کے سب کھڑے ہو جاؤ گے۔ ﴿ وَتَظُنُّوْنَ ﴾ ''اور خیال کرو گے'' جس دن قبروں سے اٹھو گے ﴿ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿52﴾ ﴾ ''(کہ) تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ○ ﴾ (النّٰزعٰت 46:79) ''جب وہ اس کو دیکھیں گے (تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔''

اور فرمایا: ﴿ یَّوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۖۚ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ○ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا ○ ﴾ (طٰہٰ 104-102:20) ''جس روز صور میں پھونکا جائے گا اور ہم گناہ گاروں کو اکٹھا کریں گے کہ ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی۔ (تو) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے کہ تم (دنیا میں) صرف دس ہی دن رہے ہو۔ جو باتیں یہ کریں گے ہم خوب جانتے ہیں اس وقت ان میں سب سے اچھے طریقے والا (عاقل و ہوش مند) کہے گا کہ (نہیں بلکہ) صرف ایک ہی روز ٹھہرے ہو۔'' اور فرمایا: ﴿ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ۬ مَا لَبِثُوْا غَیْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا یُؤْفَكُوْنَ ○ ﴾ (الروم 55:30) ''اور جس روز قیامت برپا ہوگی گناہ گار قسمیں اٹھائیں گے کہ وہ (دنیا) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے۔ اسی طرح وہ (رستے سے) پھرے جاتے تھے۔'' اور فرمایا:

رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ ؕ اِنۡ يَّشَاۡ يَرۡحَمۡكُمۡ اَوۡ اِنۡ يَّشَاۡ يُعَذِّبۡكُمۡ ؕ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ﴿۵۴﴾

تمھارا رب تمھیں بہتر جانتا ہے، اگر وہ چاہے تو تم پر رحم کرے اور اگر چاہے تو تمھیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر ذمہ دار بنا کر

وَرَبُّكَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ‌ ؕ وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعۡضٍ‌ وَّاٰتَيۡنَا

نہیں بھیجا ﴿۵۴﴾ اور آپ کا رب انھیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی اور ہم

دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ﴿۵۵﴾

نے داود کو زبور دی ﴿۵۵﴾

﴿ قٰلَ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ عَدَدَ سِنِيۡنَ ۝ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ فَسۡـَٔلِ الۡعَآدِّيۡنَ ۝ قٰلَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا لَّوۡ اَنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝﴾ (المؤمنون 23:112-114) ”(اللہ) پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟ وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجیے۔ (اللہ) فرمائے گا کہ (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے، کاش! تم جانتے ہوتے۔“

تفسیر آیت:53

حسنِ ادب کے ساتھ گفتگو: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے عبد و رسول ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کو یہ حکم دے دیں کہ جب وہ گفتگو کریں تو وہ بہت پاکیزہ، شائستہ اور احسن انداز میں گفتگو کریں ورنہ شیطان بری باتوں سے ان میں فساد اور لڑائی جھگڑا پیدا کر دے گا کیونکہ وہ تو اسی وقت سے آدم اور تمام اولادِ آدم کا دشمن ہے جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا، انسانوں سے اس کی عداوت بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت نے اس بات سے منع کیا ہے کہ کوئی شخص اپنے مسلم بھائی کی طرف چھری کے ساتھ اشارہ کرے، اس لیے کہ بسا اوقات شیطان اسے چھری لگوا دیتا ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا (يُشِيرَنَّ) أَحَدُكُمْ إِلَى أَخِيهِ بِالسِّلَاحِ، فَإِنَّهُ لَا يَدْرِي أَحَدُكُمْ لَعَلَّ الشَّيْطَانَ أَنْ يَنْزِعَ فِي يَدِهِ، فَيَقَعَ فِي حُفْرَةٍ (مِّنَ النَّارِ)] ”تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے کیونکہ وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اس کے ہاتھ سے چلوا دے اور وہ جہنم کے گڑھے میں جا گرے۔“[1] امام بخاری ومسلم نے اسے بروایت عبدالرزاق بیان کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات:55,54

اللہ ہی علیم و حکیم اور غفور و رحیم ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِكُمۡ ﴾ ”تمھارا پروردگار تم سے خوب واقف ہے۔“ لوگو! تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کون ہدایت کا مستحق ہے اور کون ہدایت کا مستحق نہیں ہے، ﴿ اِنۡ يَّشَاۡ

---

① مسند أحمد:317/2، پہلی قوسین والا لفظ المصنف لعبد الرزاق، باب ذکر رفع السلام:160/10، حدیث:18679 میں ہے۔ جبکہ مسند احمد میں اس کے بجائے یُمْشِیَنَّ ہے اور دوسری قوسین والا جملہ بخاری ومسلم کے مطابق ہے۔ ② صحيح البخاري، الفتن، باب قول النبي ﷺ :[من حمل علينا......]، حديث: 7072 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب النهي عن الإشارة......، حديث:2617.

﴿ يَرْحَمْكُمْ ﴾ ''اگر چاہے تو تم پر رحم کرے۔'' یہ کہ تمھیں اطاعت وانابت کی توفیق عطا فرمادے، ﴿ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ ﴾ ''یا اگر چاہے تو تمھیں عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان پر کوئی ذمہ دار (بنا کر) نہیں بھیجا۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ہم نے آپ کو نذیر بنا کر بھیجا ہے جس نے آپ کی اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے نافرمانی کی تو جہنم رسید ہوگا۔ ﴿ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے آپ کا پروردگار اس سے خوب واقف ہے۔'' یعنی وہ طاعت اور معصیت کے اعتبار سے ان کے مراتب سے خوب آگاہ ہے۔

بعض انبیاء کی بعض پر فضیلت: ﴿ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے بعض پیغمبروں کو بعض پر فضیلت دی۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ ﴾ (البقرۃ2:253) ''یہ پیغمبر (جو وقتاً فوقتاً ہم بھیجتے رہے) ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے گفتگو کی اور بعض کے (دوسرے امور میں) مرتبے بلند کیے۔'' یہ بخاری ومسلم کی اس روایت کے منافی نہیں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ الْأَنْبِيَاءِ] ''انبیاء کے درمیان (مجھے) فضیلت نہ دو۔''[1] کیونکہ اس سے مراد یہ ہے کہ دلیل کے بغیر محض اپنی خواہش اور عصبیت کی وجہ سے فضیلت دی جائے، البتہ اگر کوئی چیز دلیل سے ثابت ہو جائے تو پھر اس کی اتباع واجب ہے اور اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول انبیاء سے افضل ہیں اور رسولوں میں سے اولوالعزم پیغمبر افضل ہیں۔

اولوالعزم پیغمبر پانچ ہیں جن کا سورۂ احزاب اور سورۂ شوریٰ کی (حسب ذیل) آیتوں میں ذکر ہے۔ سورۂ احزاب میں ہے:

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ ﴾ (الأحزاب33:7) ''اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور آپ سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔'' اور سورۂ شوریٰ میں ہے: ﴿ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ؕ ﴾ (الشوریٰ42:13) ''اس نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد!) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔'' اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ دیگر اولوالعزم پیغمبروں سے افضل ہیں، پھر ابراہیم، پھر موسیٰ، اور پھر عیسیٰ ؊ ہیں جیسا کہ مشہور قول ہے، اس مسئلے کو بڑی تفصیل سے دلائل کے ساتھ ہم نے کسی اور جگہ بیان کیا ہے۔ اَللّٰهُ الْمُوَفِّقُ.

---

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالى: ﴿ وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾ (الصّٰفّٰت37:139) ......، حديث: 3414 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل موسى ؑ، حديث: 2373 عن أبي هريرة ؓ، البتہ مذکورہ حوالے میں [لَا تُفَضِّلُوا بَيْنَ أَنْبِيَاءِ اللّٰهِ] ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿56﴾ اُولٰٓئِكَ

کہہ دیجیے: انھیں پکارو جنھیں تم اس کے سوا (معبود) سمجھتے ہو، نہ تو وہ تم سے کسی تکلیف کو ہٹانے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ (اسے) بدلنے ہی کا ﴿56﴾

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ

جنھیں یہ (مشرک) لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب تک (پہنچنے کا) وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں سے کون (اللہ سے) قریب تر (ہوسکتا) ہے، اور

عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿57﴾

وہ اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ بلاشبہ آپ کے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے ﴿57﴾

ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿55﴾ ﴾ ''اور ہم نے داود کو زبور عنایت کی۔'' یہ حضرت داود علیہ السلام کے فضل و شرف کی طرف اشارہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُفِّفَ عَلٰى دَاوٗدَ الْقُرْآنُ، فَكَانَ يَأْمُرُ (بِدَوَابِّهٖ فَتُسْرَجُ) فَكَانَ يَقْرَأُ قَبْلَ أَنْ يَّفْرُغَ] ''داود پر (زبور کی) قراءت آسان کر دی گئی تھی، چنانچہ وہ اپنے (سواری کے) جانوروں پر زین ڈالنے کا حکم دیتے تو اس کام سے فراغت سے پہلے اسے پڑھ لیا کرتے تھے۔''[1]

تفسیر آیات: 57,56

مشرکوں کے معبود نفع و نقصان کی قدرت نہیں رکھتے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہیں (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!)'' ان مشرکوں سے جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں ﴿ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ﴾ ''جن لوگوں کی نسبت تمھیں اس کے علاوہ (معبود ہونے) کا گمان ہے ان کو بلا دیکھو۔'' یعنی اپنے بتوں اور معبودانِ باطلہ کو بلاؤ ﴿ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿56﴾ ﴾ ''وہ تم سے تکلیف کے دور کرنے یا اس کے بدل دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے۔'' انھیں اس بات کا قطعاً کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ تکلیف کو تم سے کُلیتاً دور کر کے کسی اور کی طرف منتقل کر سکیں کیونکہ اس کی قدرت تو صرف اس اللہ وحدہ لاشریک ہی کو ہے جس نے اس کائنات کو پیدا فرمایا اور جس کا حکم چلتا ہے۔ عَوْفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں روایت کیا ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے کہ ہم فرشتوں، مسیح اور عزیر کی عبادت کرتے ہیں اور وہ انھی کو، یعنی فرشتوں، مسیح اور عزیر کو ہی پکارا کرتے تھے۔[2]

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ﴾ ''یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا) پکارتے ہیں۔'' امام بخاری رحمہ اللہ نے سلیمان بن مہران اَعمش، از ابراہیم (نخعی)، از ابومعمر (عبداللہ ازدی) اس آیت کے بارے میں عبداللہ (بن مسعود) سے روایت کیا ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں میں سے کچھ کی پوجا کیا کرتے تھے وہ جن مسلمان ہو گئے۔[3] اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (بنيّ إسرآء يل 55:17)، حدیث: 4713 اور قوسین والے الفاظ صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴾ (النسآء 163:4)......، حدیث: 3417 کے مطابق ہیں۔ [2] تفسير الطبري: 130/15. [3] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ ﴾...... (بنيّ إسرآء يل 57:17)، حدیث: 4715.

وَاِنۡ مِّنۡ قَرۡیَةٍ اِلَّا نَحۡنُ مُهۡلِكُوۡهَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ اَوۡ مُعَذِّبُوۡهَا عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ كَانَ

اور کوئی بستی ایسی نہیں جسے ہم یوم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کریں یا اسے شدید عذاب نہ دیں، یہ کتاب (لوح محفوظ) میں

ذٰلِكَ فِى الۡكِتٰبِ مَسۡطُوۡرًا ﴿58﴾

لکھا ہوا ہے﴿58﴾

وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً

اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے صرف اس چیز نے روکا ہے کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا تھا اور ہم نے ثمود کو ایک اونٹنی (بطور) واضح (نشانی) دی تھی،

فَظَلَمُوۡا بِهَا ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ﴿59﴾

پھر انھوں نے اس پر ظلم کیا، اور ہم تو صرف ڈرانے کے لیے نشانیاں بھیجتے ہیں﴿59﴾

کہ بعض انسان بعض جنوں کی عبادت کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہو گئے مگر وہ انسان اپنے اس دین کے ساتھ چمٹے رہے۔[1]

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَيَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَهٗ وَيَخَافُوۡنَ عَذَابَهٗ ؕ﴾ ''اور اس کی رحمت کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔'' کیونکہ عبادت تو خوف اور امید کے ساتھ ہی مکمل ہوتی ہے، خوف کی وجہ سے انسان برائیوں سے رکتا ہے اور امید کی وجہ سے کثرت سے طاعت بجالاتا ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحۡذُوۡرًا ﴿57﴾﴾ ''بے شک آپ کے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب واقعی ایسا ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور اس کے وقوع پذیر ہونے سے خوف کھایا جائے۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی سے اس کے عذاب سے پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیت:58

قیامت سے پہلے کافروں کی تمام بستیوں کو تباہ کر دیا جائے گا: اللہ عزوجل نے خبر دی ہے کہ اس نے اپنے ہاں لوح محفوظ میں یہ فیصلہ فرما رکھا ہے کہ وہ ہر ایک بستی کے رہنے والوں کو عنقریب تباہ و برباد کر دے گا یا انھیں سخت عذاب دے گا جو قتل یا اس کی مشیت کے مطابق کسی اور بہت بڑی آزمائش کی صورت میں ہوگا اور یہ ان کے گناہوں اور خطاؤں کے سبب ہوا جیسا کہ سابقہ امتوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا ظَلَمۡنٰهُمۡ وَلٰكِنۡ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ﴾ (ھود 101:11) ''اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔'' اور فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا شَدِيۡدًا ۙ وَّعَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا ○ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ○﴾ (الطلاق 9,8:65) ''اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام سے سرکشی کی تو ہم نے انھیں انتہائی سخت حساب میں پکڑ لیا اور انھیں انتہائی ہولناک عذاب دیا۔ سو انھوں نے اپنے کاموں کی سزا (کے مزے) کو چکھ لیا اور ان کا انجام نقصان ہی تو تھا۔''

[1] صحیح البخاري، التفسیر، باب: ﴿قُلِ ادۡعُوا الَّذِيۡنَ زَعَمۡتُمۡ﴾ ...... (بنيّ إسرآء يل 56:17)، حديث: 4714.

تفسیر آیت:59

نشانیاں نہ بھیجنے کا سبب: سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ مشرکین نے کہا: اے محمد (ﷺ!) آپ یہ کہتے ہیں کہ سابقہ انبیاء میں سے کسی کے لیے ہوا کو مسخر کر دیا گیا تھا اور کوئی ان میں سے مردوں کو زندہ کر دیا کرتا تھا، لہٰذا اگر آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کریں تو پھر آپ اپنے رب سے یہ دعا کریں کہ وہ اس کوہِ صفا کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف یہ وحی فرمائی کہ میں نے ان کی بات کو سن لیا ہے، اگر آپ چاہیں تو ہم ان کے مطالبے کو پورا کر دیتے ہیں اور اگر یہ ایمان نہ لائے تو پھر ان پر عذاب نازل ہوگا کیونکہ نشانی کے نازل ہونے کے بعد پھر چون و چرا کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور اگر آپ چاہیں کہ آپ کی قوم کو مہلت دے دی جائے تو میں انھیں مہلت دیتا ہوں، آپ نے جواب دیا: [یَا رَبِّ! أَسْتَأْنِي] ''اے میرے پروردگار! میں مہلت مانگتا ہوں۔''[1] قتادہ اور ابن جریج وغیرہ نے بھی اسی طرح کہا ہے۔[2]

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل مکہ نے نبی ﷺ سے یہ مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے اور پہاڑوں کو دور کر کے زمین کو ہموار کر دیا جائے تاکہ وہ کھیتی باڑی کر سکیں۔ اس کے جواب میں آپ سے کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ہم انھیں مہلت دے دیتے ہیں اور اگر آپ چاہیں تو ان کے مطالبے کو پورا کر دیا جاتا ہے اور اگر پھر بھی یہ کفر پر رہے تو انھیں ہلاک کر دیا جائے گا جس طرح میں نے پہلی امتوں کو ہلاک کر دیا تھا، آپ نے جواب دیا: [لَا، بَلْ أَسْتَأْنِي بِهِمْ] ''نہیں، بلکہ میں ان کے لیے مہلت مانگتا ہوں۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ط﴾ ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی۔''[3] امام نسائی نے اسے بروایت جریر بیان کیا ہے۔[4]

امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ قریش نے نبی ﷺ سے یہ کہا: آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ اگر وہ کوہ صفا کو ہمارے لیے سونے کا بنا دے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ نے فرمایا: تم ایمان لے آؤ گے؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں، تو آپ نے دعا فرمائی تو جبریل آئے اور انھوں نے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو سلام کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے کوہ صفا کو سونے کا بنا دیتا ہوں اور اس کے بعد اگر ان میں سے کسی نے کفر کیا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا کہ اہل عالم میں سے کسی کو اس طرح کا عذاب نہیں دیا ہوگا اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازوں کو کھلا رکھتا ہوں؟ آپ نے جواب دیا: [بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ] ''بلکہ توبہ اور رحمت کے دروازوں کو (کھلا رکھا جائے۔)''[5]

---

[1] تفسير الطبري: 135/15. [2] تفسير الطبري: 135/15. [3] مسند أحمد: 258/1. [4] السنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ......﴾: 380/6، حديث: 11290 مزید دیکھیے صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 152. [5] مسند أحمد: 242/1.

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً

اور (یاد کریں) جب ہم نے آپ سے کہا: بے شک آپ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کر رکھا ہے، اور ہم نے آپ کو (معراج میں) جو مشاہدہ کرایا اسے

لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا

لوگوں کے لیے بس ایک آزمائش ہی بنا دیا اور اس درخت (زقوم) کو بھی جس پر قرآن میں لعنت کی گئی اور ہم انھیں ڈراتے ہیں تو یہ (ڈرانا) ان کی

كَبِيْرًا ﴿60﴾ ع

بڑی سرکشی ہی کو زیادہ کرتا ہے ﴿60﴾

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ﴿59﴾﴾ ”اور ہم جو نشانیاں بھی بھیجتے ہیں تو ڈرانے ہی کے لیے (بھیجتے ہیں۔)“ قتادہ کہتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنی جن نشانیوں کے ساتھ چاہتا ہے لوگوں کو ڈراتا ہے تا کہ وہ عبرت ونصیحت حاصل کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کریں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک بار کوفے میں زلزلہ آیا تو انھوں نے فرمایا کہ لوگو! تمھارا رب یہ چاہتا ہے کہ تم توبہ کرو، لہٰذا تم توبہ کر کے اسے راضی کرو۔[1] اسی طرح یہ بھی روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ میں کئی بار زلزلہ آیا تو انھوں نے فرمایا: لوگو! اللہ کی قسم! تم نے گناہ شروع کر دیے ہیں لہٰذا اگر دوبارہ زلزلہ آیا تو میں یہ کروں گا، یہ کروں گا۔[2] اسی طرح متفق علیہ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ (وَإِنَّهُمَا لَا يَنْكَسِفَانِ) لِمَوْتِ أَحَدٍ وَّلَا لِحَيَاتِهِ (وَلٰكِنْ يُّخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِمَا عِبَادَهُ) فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ (فَافْزَعُوا إِلٰى ذِكْرِهِ وَدُعَائِهِ وَاسْتِغْفَارِهِ)۔ ثُمَّ قَالَ۔ يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّاللّٰهِ! مَا مِنْ أَحَدٍ أَغْيَرُ مِنَ اللّٰهِ أَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ ، يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَّاللّٰهِ! لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَّ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا] ”بے شک شمس وقمر اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، انھیں کسی کی موت وحیات کی وجہ سے گرہن نہیں لگتا لیکن اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے، جب تم یہ دیکھو تو اللہ تعالیٰ کے ذکر، دعا اور استغفار کو اختیار کر لو، پھر فرمایا: اے امت محمد! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی زیادہ غیرت والا نہیں ہے، اسے اس بات سے بڑی غیرت آتی ہے کہ اس کا کوئی بندہ یا بندی زنا کرے، اے امت محمد! اللہ کی قسم! اگر تم وہ جان لو جو میں جانتا ہوں تو تم کم ہنسو اور زیادہ روؤ۔“[3]

---

[1] تفسیر الطبری:136/15. [2] دیکھیے السنن الکبرٰی للبیهقی، صلاة الخسوف، باب لا یصلی جماعة……:342/3 والمصنف لابن أبی شیبة، باب فی الصلاة فی الزلزلة:222/2، حدیث:8335. [3] پہلی قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الکسوف ،باب ماعرض علی النبی ﷺ فی صلاة الکسوف……، حدیث:(10)-904 عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، دوسری قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، الکسوف، باب قول النبی ﷺ:[یخوف اللہ عبادہ……]، حدیث: 1059,1048 عن أبی موسی وعن أبی بکرة رضی اللہ عنہ وصحیح مسلم، الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف……، حدیث: 911 عن أبی مسعود رضی اللہ عنہ اور تیسری قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، الکسوف، باب الذکر فی الکسوف، حدیث:1059 وصحیح مسلم، الکسوف، باب ذکر النداء بصلاة الکسوف……، حدیث: 912 عن أبی موسی رضی اللہ عنہ کے مطابق ہیں جبکہ باقی حدیث صحیح البخاری، الکسوف، باب الصدقة فی الکسوف، حدیث:1044 وصحیح مسلم، الکسوف، باب صلاة الکسوف، حدیث: 901 عن عائشة رضی اللہ عنہا کے مطابق ہے۔

تفسیر آیت :60

واقعۂ معراج لوگوں کے لیے آزمائش ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تبلیغ رسالت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں سے آپ کی حفاظت فرمائے گا کیونکہ اسے تمام لوگوں پر قدرت حاصل ہے اور سب لوگ اس کے قبضے میں ہیں اور اسے ان پر غلبہ وتسلط حاصل ہے۔ مجاہد، عروہ بن زبیر، حسن اور قتادہ وغیرہ نے آیت کریمہ: ﴿ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ ﴾ ''اور جب ہم نے آپ سے کہا کہ آپ کا پروردگار لوگوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے'' کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان سے بچائے گا۔[1] اور ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور جو منظر ہم نے آپ کو دکھایا ہے اس کو لوگوں کے لیے آزمائش بنایا'' کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اس سے آنکھوں سے وہ دیکھنا مراد ہے جو رسول اللہ ﷺ کو شب معراج دکھایا گیا تھا۔ ﴿ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ ﴾ ''اسی طرح درخت کو (بھی فتنہ بنادیا) جس پر قرآن میں لعنت کی گئی'' سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔[2] امام احمد اور عبدالرزاق وغیرہ نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3] اور عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[4] مجاہد، سعید بن جبیر، حسن، مسروق، ابراہیم، قتادہ، عبدالرحمن بن یزید اور دیگر بہت سے ائمہ رحمہم اللہ نے بھی اس کی تفسیر میں یہی بیان کیا ہے کہ اس سے مراد شب معراج ہے۔[5] احادیث معراج تفصیل سے اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں بیان کی جاچکی ہیں۔[6] وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ. اور یہ بھی بیان کیا جاچکا ہے کہ کچھ لوگوں نے دین حق کو محض اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ واقعہ معراج ان کے دلوں اور عقلوں کی گرفت میں نہیں آ سکتا تھا، لہٰذا انھوں نے اس واقعے کا انکار کردیا جبکہ دیگر مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ثبات ویقین کی دولت سے سرفراز فرما دیا تھا، اسی لیے فرمایا کہ ﴿ اِلَّا فِتْنَةً ﴾ یعنی اس واقعے کو آزمائش اور امتحان بنادیا۔ ملعون درخت سے مراد تھوہر کا درخت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انھیں یہ خبر دی کہ آپ نے جنت، جہنم اور تھوہر کے درخت کو دیکھا ہے تو انھوں نے اس کی تکذیب کی حتی کہ ابوجہل ملعون کہنے لگا کہ میرے پاس کھجور اور پنیر لاؤ اور پھر وہ دونوں کو ملا کر کھانے لگا اور کہنے لگا: تَزَقَّمُوا فَلَا نَعْلَمُ الزَّقُّومَ غَيْرَ هٰذَا ''کھاؤ! کہ ہم اس کے سوا اور کسی زقوم کو نہیں جانتے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، ابومالک، حسن بصری اور کئی ایک ائمہ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اس سے مراد شب معراج اور تھوہر کا درخت ہے۔[7] ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ ﴾ ''اور ہم انھیں ڈراتے ہیں۔'' یعنی کفار کو وعید اور عذاب کے ساتھ۔ ﴿ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝ ﴾ ''تو وہ ان کو (اس سے) بہت بڑی سرکشی کے سوا زیادہ نہیں کرتا۔'' اس سے ان کے کفر اور گمراہی میں اضافہ ہوتا ہے۔

---

[1] تفسير الطبري: 137/15. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا ...... ﴾ (بنيٓ إسرآء يل 60:17)، حديث: 4716. [3] مسند أحمد: 221/1 و تفسير عبدالرزاق: 303,302/2، رقم: 1582-1587. [4] تفسير الطبري: 142/15. [5] تفسير الطبري: 15/138-140. [6] دیکھیے بنيٓ إسرآء يل، آیت: 1 کے تحت عنوان: ''معراج سے متعلق احادیث مبارکہ'' [7] تفسير الطبري: 15/139-144.

وَ اِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ قَالَ ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا ان سب نے سجدہ کیا، وہ بولا: کیا میں اسے سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا

طِیۡنًا ﴿ۚ۶۱﴾ قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ لَئِنۡ اَخَّرۡتَنِ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ

ہے؟ (61) کہنے لگا: بھلا دیکھ تو اسے جسے تو نے مجھ پر عزت دی ہے، اگر تو مجھے یوم قیامت تک ڈھیل دے، تو تھوڑے لوگوں کے سوا میں اس کی تمام

لَاَحۡتَنِکَنَّ ذُرِّیَّتَہٗۤ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۶۲﴾

نسل کی جڑ کاٹ دوں گا (62)

قَالَ اذۡہَبۡ فَمَنۡ تَبِعَکَ مِنۡہُمۡ فَاِنَّ جَہَنَّمَ جَزَآؤُکُمۡ جَزَآءً مَّوۡفُوۡرًا ﴿۶۳﴾ وَ اسۡتَفۡزِزۡ مَنِ

اللہ نے فرمایا: جا! پھر ان میں سے جو تیری اتباع کرے گا تو بلاشبہ تمھاری سزا جہنم ہے، پوری پوری سزا (63) اور ان میں سے جن پر بھی

اسۡتَطَعۡتَ مِنۡہُمۡ بِصَوۡتِکَ وَ اَجۡلِبۡ عَلَیۡہِمۡ بِخَیۡلِکَ وَ رَجِلِکَ وَ شَارِکۡہُمۡ فِی الۡاَمۡوَالِ وَ الۡاَوۡلَادِ

تیرا بس چل سکے انھیں اپنی آواز سے بہکا لے، اور ان پر اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا، اور مال اور اولاد میں ان کا شریک بن جا،

وَ عِدۡہُمۡ ؕ وَ مَا یَعِدُہُمُ الشَّیۡطٰنُ اِلَّا غُرُوۡرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِیۡ لَیۡسَ لَکَ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنٌ ؕ

اور انھیں (جھوٹے) وعدے دے، اور شیطان تو انھیں بس فریب ہی کا وعدہ دیتا ہے (64) بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں،

وَ کَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیۡلًا ﴿۶۵﴾

اور آپ کا رب کارساز کافی ہے (65)

تفسیر آیات: 62,61

قصۂ آدم و ابلیس: اللہ تبارک وتعالیٰ نے ابلیس ملعون کی آدم اور اس کی اولاد سے عداوت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ قدیمی عداوت ہے جو آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے از راہ فخر وتکبر اور آدم کو حقیر سمجھتے ہوئے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: ﴿ءَاَسۡجُدُ لِمَنۡ خَلَقۡتَ طِیۡنًا ﴿ۚ۶۱﴾﴾ ”بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے؟“ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡہُ ؕ خَلَقۡتَنِیۡ مِنۡ نَّارٍ وَّ خَلَقۡتَہٗ مِنۡ طِیۡنٍ ۝﴾ (صٓ 38:76) ”میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔“ اور اس نے جرأت اور کفر کا اظہار کرتے ہوئے کہا جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دی اور حلم و بردباری سے کام لیا: ﴿قَالَ اَرَءَیۡتَکَ ہٰذَا الَّذِیۡ کَرَّمۡتَ عَلَیَّ ۫ ......﴾ ”اور (از راہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے......“

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ شیطان نے کہا کہ میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی اولاد پر غالب آ جاؤں گا۔[1] مجاہد نے کہا: اس نے کہا کہ میں انھیں بہکا دوں گا۔[2] ابن زید کہتے ہیں کہ اس نے کہا: میں ان سب کو گمراہ کر دوں

---

[1] تفسیر الطبری: 146/15 مختصراً۔ [2] تفسیر الطبری: 146/15۔

گا۔[1] بہرحال یہ سارے اقوال ہم معنی ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ ابلیس نے کہا کہ بھلا دیکھو کہ یہ آدم جسے تو نے مجھ پر شرف وعظمت عطا کی ہے، اگر تو مجھے مہلت دے دے تو میں تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی ساری اولاد کو گمراہ کردوں گا۔

تفسیر آیات: 63-65

ابلیس اور اس کے پیچھے چلنے والوں کا ٹھکانا: ابلیس نے جب اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ اسے مہلت دی جائے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اذْهَبْ ﴾ ''(یہاں سے) چلا جا۔'' میں نے تجھے مہلت دے دی ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: ﴿ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ ﴾ (الحجر 15:37،38) ''فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے وقت مقرر (قیامت) کے دن تک۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اور اولاد آدم میں سے اس کی پیروی کرنے والوں کو جہنم کی سزا سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ ﴾ ''جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا (ہے۔)'' یعنی یہ تمھارے اعمال کی سزا ہے اور مجاہد کہتے ہیں کہ موفور کے معنی وافر کے ہیں۔[2] اور قتادہ کہتے ہیں کہ تمھیں پوری پوری سزا دی جائے گی اور اس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔

شیطانی ہتھکنڈے اور لشکر: پھر فرمایا: ﴿ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ ﴾ ''اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا لے۔'' کہا گیا ہے کہ شیطان کی آواز سے مراد موسیقی ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد لہو ولعب اور موسیقی ہے۔[3] یعنی انھیں اپنی آواز کے ساتھ بے وقوف بنالے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف بلائے، یہ امام قتادہ کا بھی قول ہے[4] اور ابن جریر نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔[5] ﴿ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ ﴾ ''اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لے آ۔'' یعنی تو اپنے پیادہ اور سوار لشکروں کے ساتھ ان پر چڑھائی کر لے، رَجِلٌ ، رَاجِلٌ کی جمع ہے جس طرح رَكْبٌ ، رَاكِبٌ کی اور صَحْبٌ ، صَاحِبٌ کی جمع ہے۔ معنی یہ ہیں کہ تو جس چیز پر بھی قادر ہے اسے ان پر مسلط کردے۔ اور یہ (اللہ کی) تقدیر و مشیت کا معاملہ ہے (کہ اس نے شیطان کو اختیار دے کر یہ حکم بھی صادر فرما دیا ہے۔) جیسا کہ حسب ذیل فرمان باری تعالیٰ میں ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۝ ﴾ (مریم 19:83) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو خوب برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔'' یعنی وہ انھیں گناہوں پر ابھارتے اور اکساتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد نے: ﴿ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ ﴾ کے بارے میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی معصیت میں سوار یا پیادہ ہو کر سرگرم ہو۔[6]

قتادہ فرماتے ہیں کہ جنوں اور انسانوں میں سے سوار اور پیادہ لوگوں سے یہاں وہ مراد ہیں جو شیطان کی پیروی کرتے

---

[1] تفسیر الطبری:146/15. [2] تفسیر الطبری:147/15. [3] تفسیر الطبری:147/15. [4] تفسیر الطبری: 148/15. [5] تفسیر الطبری:148/15. [6] تفسیر الطبری:148/15.

ہیں۔[1] اور عرب أَجْلَبَ فُلَانٌ عَلٰی فُلَانٍ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی کسی پر چیخے۔ مقابلہ بازی میں جَلَب وجَنَب[2] سے جو منع کیا گیا ہے وہ بھی اسی سے ہے اور جَلَبَةٌ سے مشتق ہے اور اس کے معنی آوازوں کو بلند کرنے کے ہیں۔

مال واولاد میں شیطان کی شراکت: ﴿ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ﴾ ''اور ان کے مالوں اور اولادوں میں شریک ہوتا رہ۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ ہے جو شیطان نے انھیں اللہ کی نافرمانی کے کاموں میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا تھا۔[3] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ضحاک سے روایت کیا ہے کہ یہاں اولاد سے مراد اولادِ زنا ہے۔[4] اور علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد وہ اولاد ہے جسے لوگوں نے نادانی اور جہالت سے قتل کر دیا تھا۔[5]

قتادہ نے حسن بصری سے روایت کیا ہے کہ اللہ کی قسم! شیطان ان کے ساتھ مال واولاد میں شریک ہو گیا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی اولاد کو مجوسی، یہودی اور عیسائی بنا دیا اور انھیں اسلام کے رنگ کے سوا دوسرے رنگ میں رنگ دیا اور مالوں میں سے ایک حصہ شیطان کے لیے وقف کر دیا۔[6] اور امام قتادہ کا اپنا قول بھی اسی طرح ہے۔[7] انھوں نے ﴿ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ ﴾ میں شرکت کے کسی ایک معنی کی تخصیص نہیں کی بلکہ ہر وہ کام جس میں یا جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جائے یا جس کام میں یا جس کے ساتھ شیطان کی اطاعت کی جائے تو وہ شیطان کی طرف سے مشارکت ہے۔ صحیح مسلم میں عیاض بن حمار کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: [إِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ، وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ ، وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَّا أَحْلَلْتُ لَهُمْ......] ''بے شک میں نے اپنے سب کے سب بندوں کو یکسو ہو کر عبادت کرنے والے پیدا کیا تھا مگر شیطانوں نے ان کے پاس آ کر انھیں ان کے دین سے بہکا دیا اور انھوں نے ان کے لیے ان چیزوں کو حرام قرار دے دیا جو میں نے ان کے لیے حلال قرار دی تھیں۔''[8] بخاری ومسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَوْأَنَّ أَحَدَهُمْ، إِذَا أَرَادَ أَنْ يَّأْتِيَ أَهْلَهُ قَالَ: بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا، فَإِنَّهُ إِنْ يُّقَدَّرْ بَيْنَهُمَا وَلَدٌ فِي ذٰلِكَ، لَمْ يَضُرَّهُ شَيْطَانٌ أَبَدًا] ''اگر کوئی ایک اس وقت، جب وہ اپنی بیوی کے پاس جانے کا ارادہ کرے، یہ دعا پڑھ لے۔ اللہ کے نام سے، اے اللہ! تو ہم کو شیطان سے بچا اور جو اولاد تو ہم کو عطا فرمائے اسے بھی شیطان سے بچا۔ اس صحبت کے نتیجے میں اگر دونوں کے مقدر میں اولاد لکھ دی گئی تو شیطان

---

[1] تفسیر الطبری:148/15. [2] جلب: مقابلے میں شریک شخص اپنے کسی ساتھی کو کہے کہ راستے میں میرے گھوڑے کو آواز لگا دینا، جس سے یہ اور تیز دوڑے گا۔ جنب: مقابلے میں شریک شخص اپنے گھوڑے کے ساتھ دوسرا گھوڑا رکھے جو اسے دوڑانے پر ابھارے اور معاون بنے۔ مقابلہ بازی میں ان دونوں صورتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ [3] تفسیر الطبری:149/15. [4] تفسیر الطبری:151/15. [5] تفسیر الطبری:151/15 مختصرًا. [6] تفسیر الطبری: 152,151/15. [7] تفسیر الطبری: 152/15. [8] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا أهل الجنة وأهل النار، حديث:2865.

رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿66﴾

تمھارا رب وہی تو ہے جو تمھارے لیے سمندر میں کشتی چلاتا ہے، تاکہ تم اس کے فضل میں سے تلاش کرو، بے شک وہ تم پر بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿66﴾

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّاۤ اِیَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿67﴾

اور جب سمندر میں تمھیں کوئی تکلیف پہنچے تو وہ جنھیں تم اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہو، گم جاتے ہیں پھر جب وہ (اللہ) تمھیں خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو تم منہ موڑ لیتے ہو، اور انسان بڑا ہی ناشکرا ہے ﴿67﴾

اسے کبھی بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔''[1]

شیطان کا وعدہ سراسر دھوکا ہے: ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿64﴾﴾ ''اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے ان سے کرتا ہے سب دھوکا ہیں۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب روز قیامت حق واضح ہو جائے گا تو وہ کہے گا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ﴾ (إبراهيم 14:22) ''بے شک اللہ نے تم سے انتہائی سچا وعدہ کیا اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا، چنانچہ میں نے تم سے (وعدے کی) خلاف ورزی کی۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ﴾ ''بلاشبہ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔'' اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کو اپنی تائید وحمایت سے سرفراز فرمائے گا اور وہ انھیں شیطان مردود کے بہکاوے سے محفوظ رکھے گا۔ ﴿وَكَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ﴿65﴾﴾ ''اور (اے پیغمبر!) آپ کا پروردگار کارساز کافی ہے۔'' وہ حفاظت کرنے، مدد کرنے اور نصرت وحمایت سے سرفراز فرمانے کے اعتبار سے کافی ہے۔

تفسیر آیت:66

کشتیاں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی علامات ہیں: اللہ تعالیٰ مخلوق کے ساتھ اپنے اس لطف وکرم کا ذکر فرما رہا ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لیے سمندر میں کشتیوں کو مسخر کر دیا ہے اور بندوں کے لیے اپنی مصلحتوں کی خاطر کام لینا آسان کر دیا ہے تاکہ ایک ملک والے دوسرے کے ساتھ تجارت کے ذریعے سے اس کے فضل کو تلاش کر سکیں، اسی لیے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ﴿66﴾﴾ ''بے شک وہ تم پر بڑا مہربان ہے۔'' یعنی اس نے یہ سب کچھ اس لیے کیا ہے تاکہ تمھیں اپنے فضل وکرم اور اپنی رحمت سے نواز سکے۔

تفسیر آیت:67

کفار مصیبت کے وقت اللہ ہی کو یاد کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ لوگوں کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کے لیے عبادت کو خالص کرتے ہوئے اسے پکارتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] صحیح البخاری، الدعوات، باب مایقول إذا أتی أهله؟ حدیث:6388 و صحیح مسلم، النکاح، باب مایستحب أن یقوله عند الجماع، حدیث:1434 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما.

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ

کیا پھر تم اس سے بے خوف ہوگئے ہو کہ وہ تمھیں خشکی کی جانب (زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں والی سخت آندھی بھیج دے، پھر تم اپنے لیے

وَكِیْلًا ﴿68﴾

کوئی کارساز نہ پاسکو﴿68﴾

﴿ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاهُ ﴾ ''اور جب تم کو دریا میں تکلیف پہنچتی ہے (ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو پکارا کرتے ہو، سب اس (پروردگار) کے سوا گم ہو جاتے ہیں۔'' یعنی وہ سب معبودان باطلہ تمھارے دلوں سے نکل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم پوجا کرتے ہو۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ﴾ ''پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو۔'' اس کی اس توحید کو بھول جاتے ہو جس کو تم نے دریا میں پہچانا تھا اور پھر اس وحدہ لاشریک کے پکارنے سے منہ پھیر لیتے ہو۔ ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿67﴾ ﴾ ''اور انسان ہے ہی ناشکرا'' اس کی خصلت یہ ہے کہ نعمتوں کو بھول جاتا اور انکار کر دیتا ہے، سوائے اس شخص کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔

تفسیر آیت:68

کیا خشکی میں عذاب الٰہی نہیں آسکتا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دریاؤں اور سمندروں سے نکل کر خشکی پر آ جانے کے بعد کیا تم نے یہ گمان کر لیا ہے کہ اب اس کے عذاب اور انتقام سے تم بے خوف ہو گئے ہو۔ گویا وہ تمھیں خشکی میں زمین میں دھنسا نہیں سکتا اور تم پر سنگریزوں بھری آندھی نہیں چلا سکتا۔ حاصِبُ ایسی بارش کو کہتے ہیں جس میں پتھر برسیں۔ یہ امام مجاہد اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا قول ہے۔[1]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ نَجَّیْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ﴿ نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ﴾ (القمر 35,34:54) ''ہم نے ان پر کنکر بھری ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والے کہ ہم نے ان کو پچھلی رات ہی اپنے فضل سے بچا لیا۔'' ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ ﴾ (ھود 82:11) ''اور ہم نے ان پر پتھر کی تہ بہ تہ (پے در پے) کنکریاں برسائیں۔'' اور فرمایا: ﴿ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوْرُ ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُوْنَ كَیْفَ نَذِیْرِ ﴾ (الملك 17,16:67) ''کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے بے خوف ہو کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ (زمین) اس وقت حرکت کرنے لگے؟ کیا تم اس سے جو آسمان میں ہے نڈر ہو کہ تم پر کنکر بھری ہوا چھوڑ دے۔ سو تم عنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے!'' ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِیْلًا ﴿68﴾ ﴾ ''پھر تم اپنا کوئی نگہبان نہ پاؤ۔'' یعنی تمھیں کوئی ایسا مددگار نہیں ملے گا جو تم سے اس عذاب کو دور کر کے تمھیں نجات دے سکے۔

[1] تفسیر الطبری: 154/15 عن قتادة.

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ

کیا تم بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ تمھیں دوسری مرتبہ اس (سمندر) میں لوٹا دے، پھر تم پر توڑ دینے والی طوفانی ہوا بھیجے، تو وہ تمھارے کفر کے سبب

بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿69﴾

تمھیں غرق کر دے، پھر تم اپنے لیے ہمارے خلاف اس پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا بھی نہ پاؤ ﴿69﴾

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ

اور بلاشبہ یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے اور انھیں بر و بحر میں سوار کیا، اور انھیں پاکیزہ چیزوں میں سے رزق دیا اور انھیں اپنی کثیر مخلوقات پر

عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ﴿70﴾ ع

جنھیں ہم نے پیدا کیا، فضیلت دی ﴿70﴾

7 ع 10 7

تفسیر آیت: 69

وہ چاہے تو تمھیں دوبارہ دریا میں لے جائے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَمْ اَمِنْتُمْ ﴾ ''یا تم بے خوف ہو گئے ہو۔'' اے دریا میں ہماری توحید کا اقرار کرنے والو اور باہر آ کر ہم سے اعراض کرنے والو! ﴿ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ ﴾ ''کہ تم کو دوسری دفعہ اس (دریا) میں لوٹائے، پھر تم پر تیز ہوا چلائے۔'' جو سواروں کو ہلاک کر دے اور سواریوں کو غرق کر دے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کئی دیگر ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ قاصِف دریاؤں میں چلنے والی اس تند و تیز ہوا کو کہتے ہیں جو کشتیوں کو توڑ کر غرق کر دیتی ہے۔[1] فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ﴾ ''پھر وہ تمھارے کفر کے سبب تمھیں ڈبو دے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں کفر کرنے اور اس کی ذات پاک سے اعراض کرنے کی وجہ سے غرق کر دے۔

فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا ﴿69﴾ ﴾ ''پھر تم اس (غرق) کے سبب اپنے لیے کوئی پیچھا کرنے والا نہ پاؤ۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تبیعاً کے معنی مددگار کے ہیں۔[2] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی ایسے مددگار کے ہیں جو بعد میں انتقام لینے والا ہو۔[3] قتادہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی سے نہیں ڈرتے کہ وہ ان میں سے کسی چیز کی وجہ سے ہمارا پیچھا کر سکے گا۔[4]

تفسیر آیت: 70

انسان کے شرف و فضل کا بیان: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے بنی آدم کو یہ شرف عطا کیا اور یہ عزت بخشی ہے کہ انھیں احسن اور اکمل شکل و صورت میں پیدا فرمایا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ﴾ (التین 4:95) ''البتہ تحقیق ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔'' یعنی انسان اپنے دونوں پاؤں پر سیدھا چلتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں سے کھاتا ہے جبکہ دیگر حیوانات اپنے چار پاؤں پر چلتے اور اپنے منہ سے کھاتے ہیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے

---

[1] تفسیر الطبری: 156/15 مختصرًا۔ [2] تفسیر الطبری: 156/15۔ [3] تفسیر الطبری: 156/15۔ [4] تفسیر الطبری: 156/15۔

یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ ۚ فَمَنۡ اُوۡتِیَ کِتٰبَہٗ بِیَمِیۡنِہٖ فَاُولٰٓئِکَ یَقۡرَءُوۡنَ

جس دن ہم تمام انسانوں کو ان کے امام کے ساتھ بلائیں گے، پھر جسے اس کا اعمال نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا گیا تو وہ اپنا اعمال نامہ پڑھیں

کِتٰبَہُمۡ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ فَتِیۡلًا ﴿71﴾ وَ مَنۡ کَانَ فِیۡ ہٰذِہٖۤ اَعۡمٰی فَہُوَ فِی الۡاٰخِرَۃِ اَعۡمٰی

گے، اور ان پر (گٹھلی کے) دھاگے برابر (بھی) ظلم نہ کیا جائے گا ﴿71﴾ اور جو اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا اور راہ سے بہت زیادہ

وَ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿72﴾

بھٹکا ہوا رہے گا ﴿72﴾

انسان کو کان، آنکھیں اور دل عطا فرمایا ہے کہ وہ سب سے سمجھتا اور فائدہ اٹھاتا ہے، چیزوں میں فرق کرتا ہے اور ان کے خواص اور دینی و دنیوی امور میں ان کے نفع و نقصان کو پہچانتا ہے۔ ﴿وَ حَمَلۡنٰہُمۡ فِی الۡبَرِّ﴾ ''اور ہم نے ان کو خشکی میں سوار کیا'' گھوڑے، خچر اور سواری کے دیگر جانوروں پر۔ ﴿وَ الۡبَحۡرِ﴾ ''اور دریا میں'' مثلاً: چھوٹی اور بڑی کشتیوں پر۔ ﴿وَ رَزَقۡنٰہُمۡ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ﴾ ''اور ہم نے انھیں پاکیزہ روزی عطا کی۔'' یعنی فصلوں، پھلوں، گوشت، دودھ اور کھانے پینے کی دیگر تمام انواع و اقسام کی چیزوں کی صورت میں جن کے ذائقے، رنگ اور شکلیں بڑی خوب صورت اور دل آویز ہیں۔ اور پھر تمام انواع و اقسام کے لباس سے نوازا جن کی شکلیں اور رنگ مختلف ہیں اور ان میں سے بعض کو خود تیار کرتے اور بعض کو دیگر ممالک سے درآمد کرتے ہیں۔ ﴿وَ فَضَّلۡنٰہُمۡ عَلٰی کَثِیۡرٍ مِّمَّنۡ خَلَقۡنَا تَفۡضِیۡلًا ﴿70﴾﴾ ''اور ہم نے انھیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔'' یعنی تمام حیوانات اور مختلف انواع و اقسام کی مخلوقات پر انسان کو فضیلت بخشی ہے۔

اس آیت کریمہ سے استدلال کیا گیا ہے کہ جنس بشر، فرشتوں کی جنس سے افضل ہے۔

تفسیر آیات: 72,71

روز قیامت ہر شخص اپنے پیشوا کے ساتھ بلایا جائے گا: اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت ہر امت کا اس کے پیشوا کے ساتھ حساب لے گا۔ ائمۂ تفسیر کا اس میں اختلاف ہے کہ یہاں امام سے کیا مراد ہے۔ مجاہد اور قتادہ کہتے ہیں کہ اس سے ہر امت کا نبی مراد ہے۔[1] اسی وجہ سے بعض سلف نے کہا ہے کہ اہل حدیث کے لیے یہ بہت بڑے شرف کی بات ہے کیونکہ ان کے امام نبی ﷺ ہیں۔ ابن زید کا قول ہے کہ یہاں امام سے مراد ان کی وہ کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے نبی پر اتاری تھی۔[2] ابن جریر نے بھی اس قول کو اختیار کیا ہے۔[3] ابن ابو نجیح نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس سے مراد لوگوں کی طرف نازل ہونے والی کتابیں ہیں۔[4] اس بات کا احتمال ہے کہ اس سے ان کا یہی مقصود ہو اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ

---

[1] تفسیر الطبری: 158,157/15. [2] تفسیر الطبری: 159/15 و تفسیر القرطبی: 297,296/10. [3] تفسیر الطبری: 159/15. لیکن ابن جریر نے ﴿بِاِمَامِہِمۡ﴾ کے معنی ''پیشوا'' کے کیے ہیں اور اسی کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ﴿یَوۡمَ نَدۡعُوۡا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِہِمۡ ۚ﴾ الذی کانوا یقتدون بہ و یأتمون فی الدنیا یعنی جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے جس کی وہ دنیا میں اقتدا اور پیروی کرتے ہوں گے۔ [4] تفسیر الطبری: 159/15.

اس سے مراد ان کے اعمال کی کتاب ہو جیسا کہ یہ عوفی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔[1] ابو عالیہ، حسن اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔[2] اور یہی قول زیادہ راجح ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے: ﴿وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ (یٰسٓ 12:36) ''اور ہر چیز کو ہم نے واضح کتاب (لوح محفوظ) میں شمار کر رکھا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ﴾ (الکھف 49:18) ''اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی تو آپ گناہ گاروں کو دیکھیں گے کہ جو کچھ اس میں (لکھا) ہوگا، اس سے ڈر رہے ہوں گے۔'' ﴿وَتَرَى كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَى إِلَى كِتَابِهَا الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ○ هَذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (الجاثیة 29,28:45) ''اور آپ ہر ایک فرقے کو دیکھیں گے کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا (اور) ہر ایک جماعت اپنی کتاب (اعمال) کی طرف بلائی جائے گی، جو کچھ تم کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ یہ ہماری کتاب تمھارے بارے میں سچ سچ بولے گی، جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے تھے۔''

یہ اس بات کے منافی نہیں ہے کہ اس وقت نبی کو بھی بلایا جائے۔ جب ان کی امت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمانے لگے کیونکہ وہ اپنی امت کے اعمال کے یقینی طور پر شاہد ہوں گے۔ لیکن یہاں امام سے مراد بہر حال نامۂ اعمال ہی ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ﴾ ''جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے اعمال ناموں کے ساتھ بلائیں گے تو جن (کے اعمال) کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی وہ اپنی کتاب کو (خوش ہو کر) پڑھیں گے۔'' ان کی یہ خوشی اور مسرت ان اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہوگی جو اس میں لکھے ہوں گے، لہٰذا وہ اسے پڑھے گا اور اسے پڑھنا بہت پسند کرے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَيَقُولُ هَاؤُمُ اقْرَءُوا كِتَابِيَهْ ○ إِنِّي ظَنَنْتُ أَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيَهْ ○ فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ○ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ○ قُطُوفُهَا دَانِيَةٌ ○ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ ○ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيَهْ﴾ (الحاقّة 69:19-25) ''تو جس کا (اعمال) نامہ اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجیے میرا نامہ (اعمال) پڑھیے۔ مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا، پس وہ (شخص) من مانے عیش میں ہوگا۔ (یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں جن کے پھل جھکے ہوئے ہوں گے۔ جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو اور جس کا نامہ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، وہ کہے گا: اے کاش! مجھ کو میرا (اعمال) نامہ نہ دیا جاتا۔''

ارشاد الٰہی ہے: ﴿وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٧١﴾﴾ ''اور ان پر (کھجور کی گٹھلی کے) دھاگے برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔'' قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ فتیل اس لمبے سے دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے اوپر ہوتا ہے۔[3] حافظ ابوبکر بزار نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

---

[1] تفسیر الطبری: 158/15 و تفسیر القرطبی: 297,296/10. [2] تفسیر الطبری: 158/15. [3] دیکھیے النسآء، آیت: 49 کے ذیل میں عنوان: ''اپنی پاکیزگی کے اظہار پر یہود کی مذمت''

وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ ‌ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ

اور بلاشبہ قریب تھا کہ ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے کافر آپ کو اس سے پھسلا دیتے، تاکہ آپ ہم پر اس کے علاوہ کچھ اور گھڑ لیں، اور تب وہ

خَلِيۡلًا ﴿73﴾ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدْتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـئًا قَلِيۡلًا ﴿74﴾ اِذًا لَّاَذَقۡنٰكَ ضِعۡفَ

ضرور آپ کو اپنا دلی دوست بنا لیتے ﴿73﴾ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے ﴿74﴾ (اگر ایسا

الۡحَيٰوةِ وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا نَصِيۡرًا ﴿75﴾

ہوتا) تو ہم آپ کو زندگی میں بھی اور موت کے بعد بھی دوگنا (عذاب) چکھاتے، پھر آپ اپنے لیے ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتے ﴿75﴾

کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَوۡمَ نَدۡعُوۡا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمۡ ﴾ کے بارے میں فرمایا:

[يُدْعَى أَحَدُهُمْ، فَيُعْطَى كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ، وَيُمَدُّ لَهُ فِي جِسْمِهِ سِتُّونَ ذِرَاعًا، وَيُبَيَّضُ وَجْهُهُ وَيُجْعَلُ عَلَى رَأْسِهِ تَاجٌ مِّنْ لُؤْلُؤٍ يَتَلَأْلَأُ، فَيَنْطَلِقُ إِلَى أَصْحَابِهِ، فَيَرَوْنَهُ مِنْ بُعْدٍ، فَيَقُولُونَ: اَللّٰهُمَّ! ائْتِنَا بِهٰذَا وَبَارِكْ لَنَا فِي هٰذَا، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ، فَيَقُولُ لَهُمْ! أَبْشِرُوا لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ مِّثْلُ هٰذَا۔ قَالَ۔ وَأَمَّا الْكَافِرُ فَيُسَوَّدُ وَجْهُهُ، وَيُمَدُّ لَهُ فِي جِسْمِهِ سِتُّونَ ذِرَاعًا عَلَى صُورَةِ آدَمَ وَيُلْبَسُ تَاجًا، فَيَرَاهُ أَصْحَابُهُ، فَيَقُولُونَ: نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ هٰذَا اَللّٰهُمَّ! لَا تَأْتِنَا بِهٰذَا، قَالَ: فَيَأْتِيهِمْ، فَيَقُولُونَ: اَللّٰهُمَّ (أَخْزِهِ)، فَيَقُولُ: أَبْعَدَكُمُ اللّٰهُ، فَإِنَّ لِكُلِّ رَجُلٍ مِّنْكُمْ مِّثْلَ هٰذَا]

''ایک شخص کو بلایا جائے گا اور اس کا نامۂ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا، اس کے جسم کو ساٹھ ہاتھ بڑھا دیا جائے گا، اس کے چہرے کو منور کر دیا جائے گا اور اس کے سر پر چمکدار موتیوں کا تاج رکھ دیا جائے گا، وہ اپنے ساتھیوں کی طرف جائے گا اور وہ اسے دور ہی سے دیکھ لیں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ! اسے ہمارے پاس لے آ اور اس کے بارے میں ہمیں برکت عطا فرما، وہ ان کے پاس آ جائے گا۔ اور ان سے کہے گا کہ تم خوش ہو جاؤ، تم میں سے ہر شخص کے لیے اسی طرح عزت افزائی ہے اور جو کافر ہو گا تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جائے گا، اس کے جسم کو حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ہاتھ بڑھا دیا جائے گا اور اسے بھی تاج پہنا دیا جائے گا، چنانچہ اس کے ساتھی جب اسے دیکھیں گے تو کہیں گے: ہم اس کے شر سے پناہ چاہتے ہیں، اے اللہ! اسے ہمارے پاس نہ لانا مگر وہ ان کے پاس آ جائے گا تو یہ کہیں گے کہ اے اللہ! اسے ذلیل و رسوا کر دے، وہ کہے گا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں (اپنی رحمت سے) دور کر دے تم میں سے ہر شخص کو اسی طرح کی ذلت و رسوائی حاصل ہونے والی ہے۔''[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَنۡ كَانَ فِىۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى ﴾ ''اور جو شخص اس (دنیا) میں اندھا ہو'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ، اور ابن زید فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ﴿ هٰذِهٖۤ ﴾ ''اس'' سے مراد دنیا کی زندگی ہے ﴿ اَعۡمٰى ﴾ ''اندھا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة بنيّ إسرآئيل، حديث:3136 . مزید دیکھیے صحيح ابن حبان، ذكر الإخبار عن وصف المسلم والكافر إذا أعطيا كتابيهما:346/16، حديث:7349 و مسند أبي يعلى الموصلي:5,4/11، حدیث:6144 اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ جبکہ یہ حدیث مسند بزار میں نہیں ملی۔ اور قوسین والے لفظ کی جگہ بعض نسخوں میں أَخْرِهُ ''اسے دور کر دے'' ہے۔ [2] تفسير الطبري:160/15.

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا

اور بلاشبہ قریب تھا کہ وہ آپ کو اس زمین (مکہ) سے اکھاڑ دیں تا کہ آپ کو یہاں سے نکال دیں، اور تب آپ کے پیچھے وہ تھوڑا ہی ٹھہر پاتے (76) ان

قَلِيْلًا ﴿76﴾ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿77﴾

رسولوں کے طریقے کے مانند جنھیں ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا، اور آپ ہمارے طریقے (قانون) میں کوئی تبدیلی نہ پائیں گے (77)

حجت، آیات اور روشن دلائل سے اندھا ﴿ فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ﴾ ''تو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔'' یعنی جس طرح وہ دنیا میں اندھا ہوگا اس طرح وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا۔ ﴿ وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿72﴾ ﴾ ''اور (نجات کے) رستے سے بہت زیادہ بھٹکا ہوا۔'' یعنی دنیا کی نسبت آخرت میں رستے سے زیادہ دور اور زیادہ گمراہ ہوگا۔[1] ہم اللہ تعالیٰ سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔

تفسیر آیات: 73-75

کفار کے مطالبے پر وحی کو بدل دینے کی سزا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے اپنے رسول صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَامُهُ کی تائید فرمائی، آپ کو ثابت قدم رکھا، ہر قسم کی لغزش سے محفوظ رکھا اور شریروں، کافروں اور بدکاروں کے مکروفریب سے بچایا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کا نگہبان اور مددگار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے علاوہ اور کسی کے سپرد نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی آپ کا والی، محافظ، مددگار، مؤید اور آپ کو فتح ونصرت سے سرفراز فرمانے والا تھا، اللہ تعالیٰ ہی آپ کے دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلے میں آپ کے دین کو زمین کے مشرق ومغرب میں غلبہ عطا فرمانے والا تھا۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ.

تفسیر آیات: 77,76

آیت کا سبب نزول: یہ آیت کریمہ کفار قریش کے بارے میں اس وقت نازل ہوئی، جب انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے ہاں سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کو یہ وعید سنائی ہے کہ اگر وہ آپ کو نکال دیتے تو پھر آپ کے بعد وہ مکہ میں بھی بہت کم رہتے اور پھر ایسا ہی ہوا کہ جب کفار مکہ کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں اور نبی اکرم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو ابھی ڈیڑھ سال کا عرصہ بھی نہ گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں اور آپ کو بغیر کسی سابقہ پروگرام کے بدر میں یکجا کر دیا اور آپ کو ان پر غلبہ وتسلط عطا فرمایا، فتح ونصرت سے نوازا، بڑے بڑے سرداران قریش مارے گئے اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿77﴾ ﴾ ''اپنے پیغمبروں میں سے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے تھے (ان کے بارے میں ہمارا وہی) طریق رہا ہے۔ اور آپ ہمارے طریق میں تغیر وتبدل نہ پائیں گے۔'' ان لوگوں کے بارے میں ہمارا یہی طریق رہا ہے جنھوں نے ہمارے رسولوں کے ساتھ کفر کیا اور انھیں تکلیفیں پہنچائیں تو ہم نے ان کے ہاں سے اپنے رسولوں کو نکال لیا اور انھیں عذاب میں مبتلا کر دیا۔

[1] تفسیر الطبری: 160/15.

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ‌ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ﴿۷۸﴾

سورج ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز قائم کیجیے، اور نماز فجر بھی، بے شک فجر کی نماز (فرشتوں کے) حاضر ہونے کا وقت ہے ﴿۷۸﴾ اور رات

وَمِنَ الَّيۡلِ فَتَهَجَّدۡ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰۤى اَنۡ يَّبۡعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا ﴿۷۹﴾

کے کچھ حصے میں بھی آپ اس (قرآن) کے ساتھ تہجد پڑھیں، (یہ) آپ کے لیے زائد ہے، امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے گا ﴿۷۹﴾

رسول اللہ ﷺ اگر رسول رحمت نہ ہوتے تو یہ بھی دنیا میں ایسے شدید ترین عذاب میں مبتلا ہو جاتے کہ جس کا سامنا کرنے کی کسی میں بھی تاب نہ ہوتی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ وَاَنۡتَ فِيۡهِمۡ ؕ ﴾ (الأنفال 33:8) ''اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک آپ ان میں تھے انھیں عذاب دیتا۔''

تفسیر آیات: 79,78

نمازوں کو اپنے اوقات میں ادا کرنے کا حکم: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرض نمازیں اپنے اوقات میں ادا کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ ﴾ ''آپ (ﷺ!) سورج ڈھلنے (کے وقت) سے نماز پڑھا کریں۔'' ہُشَیم نے از مغیرہ از شَعبی از ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کیا ہے کہ دُلُوكِ شَمْس کے معنی زوال آفتاب کے ہیں [1] نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی یہی روایت کیا ہے۔ [2] امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں زہری سے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ [3] ابو برزہ اسلمی، مجاہد، حسن، ضحاک، ابو جعفر باقر اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ [4] اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ابن جریر نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی اور عرض کی کہ آپ اپنے جن ساتھیوں کو چاہیں اپنے ساتھ لے آئیں، آپ نے اور آپ کے صحابہ نے میرے ہاں کھانا تناول فرمایا اور پھر جب سورج زوال پذیر ہو گیا تو یہ معزز مہمان میرے پاس سے رخصت ہو گئے، نبی ﷺ جب تشریف لے جانے لگے تو آپ نے فرمایا: [أُخْرُجْ يَا أَبَا بَكْرٍ! قَدْ دَلَكَتِ الشَّمْسُ] ''ابوبکر! نکلو سورج ڈھل چکا ہے۔'' [5] اس تفسیر کے مطابق اس آیت کریمہ میں پانچوں نمازوں کے اوقات مذکور ہیں۔ اس ارشاد: ﴿ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ ﴾ ''سورج ڈھلنے (کے وقت) سے رات کے اندھیرے تک'' سے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کے اوقات مراد ہیں۔ ﴿ غَسَقِ الَّيۡلِ ﴾ سے رات کا اندھیرا یا غروب آفتاب کا وقت مراد ہے اور ﴿ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ‌ؕ ﴾ ''اور صبح (کی نماز) کا قرآن پڑھنا'' سے نماز فجر مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت متواترہ اور آپ کے افعال واقوال سے نمازوں کے اوقات کی یہی تفصیل ثابت ہے جس کے مطابق آج مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور قرنا بعد قرن خلف نے سلف سے انھی اوقات میں نماز ادا کرنے کو سیکھا ہے جیسا کہ اپنی جگہ اس کی تفصیل موجود ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

نماز فجر وعصر میں فرشتوں کا جمع ہونا: ﴿ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ﴿۷۸﴾ ﴾ ''بے شک (نماز) صبح میں قرآن (پڑھنا فرشتوں

[1] تفسير الطبرى:169/15. [2] تفسير الطبرى:169/15. [3] مختصر زوائد مسند البزار:90/2، حديث:1477.

[4] تفسير الطبرى:170,169/15. [5] تفسير الطبرى:172,171/15.

کے) حاضر ہونے کا وقت ہے۔'' ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا:[تَشْهَدُهٗ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ] ''اس (صبح کی نماز) میں رات اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:[فَضْلُ صَلَاةِ الْجَمِيعِ عَلٰى صَلَاةِ الْوَاحِدِ خَمْسٌ وَّعِشْرُونَ دَرَجَةً وَّ تَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ] ''با جماعت نماز ادا کرنا اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور نماز فجر میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔'' ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہ حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے کہ اگر تم چاہو تو اس کی تائید میں یہ آیت کریمہ پڑھ لو: ﴿ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝۷۸ ﴾ ''اور صبح کو قرآن پڑھنا (لازم کرو) بلاشبہ (نماز) صبح میں قرآن (پڑھنا فرشتوں کے حاضر ہونے کا وقت ہے۔''[2]

امام احمد رحمہ اللہ نے ابن مسعود اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کے بارے میں فرمایا:[تَشْهَدُ(هُ) مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ] ''اس وقت رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔''[3] اسے ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور امام ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔[4] صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَّلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ (رَبُّهُمْ) ــ وَهُوَ أَعْلَمُ

---

[1] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة بنيّ إسرآئيل، حديث:3135 و سنن ابن ماجه، الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، حديث: 670 و تفسير الطبري: 174/15. حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کی سند صحیح ہے جبکہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقطع ہے۔ [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ...... ﴾ (بنيّ إسرآء يل17:78)، حديث:4717 و صحيح مسلم، المساجد و مواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة......، حديث:(246)-649. [3] مسند أحمد: 474/2 اور قوسین والا حرف جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة بنيّ إسرآئيل، حديث:3135 میں ہے۔اس حدیث کی دو سندیں ہیں: ایک حَدَّثَنَا أَسْبَاطٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ اور دوسری سند حَدَّثَنَا أَسْبَاطٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، پہلی اعمش از ابراہیم از ابن مسعود ہے۔اس میں ابراہیم بن یزید بن قیس نخعی ہیں۔انھوں نے حضرت ابن مسعود سے نہیں سنا، چنانچہ حافظ ابن حجر تهذيب التهذيب، ترجمة إبراهيم بن يزيد......: 155/1 میں لکھتے ہیں: وَقَالَ ابْنُ الْمَدِينِيِّ: لَمْ يَلْقَ النَّخَعِيُّ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ ''ابن مدینی کہتے ہیں: ابراہیم نخعی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی کو نہیں ملے وَقَالَ أَبُو حَاتِمٍ : لَمْ يَلْقَ أَحَدًا مِّنَ الصَّحَابَةِ إِلَّا عَائِشَةَ ''اور ابو حاتم رقمطراز ہیں کہ نخعی حضرت عائشہ کے سوا کسی سے نہیں ملے اور ان سے بھی سماع ثابت نہیں، اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کو پایا مگر ان سے سنا نہیں، البتہ ان کے بارے میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب تم کو میں إِذَا حَدَّثْتُكُمْ عَنْ رَّجُلٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بیان کروں تو وہ میں نے ابن مسعود سے سنا ہوتا ہے اور جب میں کہوں: قَالَ عَبْدُاللّٰهِ تو وہ ابن مسعود کے علاوہ کوئی اور ہوتا ہے۔ [4] جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة بنيّ إسرآئيل، حديث: 3135 و السنن الكبرٰى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالٰى: ﴿ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ...... ﴾: 381/6، حديث:11293 و سنن ابن ماجه، الصلاة، باب وقت صلاة الفجر، حديث:670 .

(بِكُمْ)۔: كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ] ''تم میں رات اور دن کے فرشتے یکے بعد دیگرے آتے جاتے رہتے ہیں اور نماز فجر اور نماز عصر میں اکٹھے ہو جاتے ہیں، پھر وہ فرشتے آسمان پر چڑھ جاتے ہیں جنھوں نے رات تمھارے پاس بسر کی ہوتی ہے تو ان کا رب ان سے پوچھتا ہے۔ حالانکہ تمھارے بارے میں وہ خوب جانتا ہے۔ کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم ان کو چھوڑ کر آئے ہیں تو وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔''[1] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فرشتوں کے دونوں گروپ نماز فجر میں اکٹھے ہوتے ہیں، ان میں سے ایک گروپ آسمان پر چڑھ جاتا ہے اور دوسرا گروپ زمین میں رہ جاتا ہے۔ ابراہیم نخعی، مجاہد، قتادہ اور کئی ایک ائمہ رحمہم اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہی بیان فرمایا ہے۔[2]

نماز تہجد کا حکم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ﴾ ''اور بعض حصہ شب میں اس (قرآن) کو تہجد میں پڑھا کریں، (یہ شب خیزی) آپ کے لیے نفل ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نمازوں کے بعد قیام اللیل کا حکم ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: فرض کے بعد کون سی نماز افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: [صَلَاةُ اللَّيْلِ] ''رات کی نماز۔''[3] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرض نمازوں کے بعد رسول کو قیام اللیل کا حکم دیا ہے۔ تہجد وہ نماز ہوتی ہے جو سونے کے بعد ادا کی جائے۔ یہ علقمہ، اسود، ابراہیم نخعی اور کئی ایک ائمۂ تفسیر کا قول ہے۔[4] عربی زبان میں تہجد کے یہی معنی معروف ہیں۔ اسی طرح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے بعد نماز تہجد ادا فرمایا کرتے تھے جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما[5]، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا[6] اور کئی ایک صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ اور اس کی تفصیل اپنے مقام پر موجود ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد وہ ہے جو عشاء کی نماز کے بعد ادا کی جائے۔[7] سو کر اٹھنے کے بعد ادا کی جانے والی نماز کو بھی تہجد کہا جاتا ہے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿نَافِلَةً لَّكَ﴾ ''(یہ شب خیزی) آپ کے لیے نفل ہے۔'' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں نماز تہجد کو خصوصاً اس لیے نفل قرار دیا گیا کیونکہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے تھے جبکہ آپ کی امت کے افراد کے گناہ نفل نمازوں کی وجہ سے معاف کر دیے جاتے ہیں یہ مجاہد کا قول ہے۔[8] جبکہ مسند میں ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت ہے۔[9]

---

[1] صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب فضل صلاة العصر، حديث: 555 جبکہ [رَبُّهُمْ] صحيح مسلم، المساجد ......، باب فضل صلاتي الصبح والعصر......، حديث: 632 میں اور دوسری قوسین والا لفظ بخاری کے بعض نسخوں کی حدیث: 7429 میں ہے۔ [2] تفسير الطبرى:15/ 175,174. [3] صحيح مسلم، الصيام، باب فضل صوم المحرم، حديث: 1163. [4] تفسير الطبرى:15/177. [5] صحيح البخاري، التوحيد، باب ماجاء فى تخليق السمٰوات......، حديث: 7452 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، حديث:763. [6] صحيح البخاري، التهجد، باب من نام أول الليل......، حديث:1146. [7] تفسير الطبرى:15/177 . [8] تفسير الطبرى:15/178. [9] مسند أحمد:5/255.

فرمان الٰہی ہے: ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحۡمُوۡدًا﴾ ”قریب ہے کہ اللہ آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔“ یعنی آپ یہ کام کریں جس کا میں نے آپ کو حکم دیا ہے تاکہ قیامت کے دن ہم آپ کو مقام محمود پر فائز کریں، اس دن ساری مخلوق آپ کی تعریف کرے گی اور اپنے خالق تبارک وتعالیٰ کی حمد بیان کرے گی۔ ابن جریر فرماتے ہیں کہ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک مقام محمود سے مراد حضرت محمد ﷺ کا قیامت کے دن لوگوں کی شفاعت کرنا ہے تاکہ رب تعالیٰ انھیں اس دن کی سختیوں سے نجات عطا فرما دے۔[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سب لوگوں کو ایک ہی میدان میں جمع کیا جائے گا۔ پکارنے والا انھیں اپنی آواز سنا سکے گا اور نظر ان سے پار ہو جائے گی، وہ اس طرح برہنہ پا اور بے لباس ہوں گے جس طرح پیدا ہوئے تھے، سب لوگ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے اذن کے بغیر کوئی کلام نہ کر سکے گا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے محمد (ﷺ!) آپ جواب دیں گے: [لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ، وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ ، وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ، عَبْدُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ، وَبِكَ وَإِلَيْكَ، لَا مَلْجَأَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ إِلَّا إِلَيْكَ، (تَبَارَكْتَ) وَتَعَالَيْتَ، سُبْحَانَكَ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ] ”میں حاضر ہوں اور تیری فرماں برداری کے لیے تیار ہوں، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے اور شر و برائی کی تیری طرف نسبت نہیں ہے، ہدایت یافتہ وہ ہے جسے تو ہدایت عطا فرمائے، تیرا بندہ تیرے سامنے حاضر ہے، تیری توفیق سے اور تیری ہی طرف، اور تیری پکڑ سے بچنے کا تیری رحمت کے سوا کوئی ٹھکانا اور جائے پناہ نہیں ہے، تو ہی برکت والا ہے۔ اے پروردگار! اور تو سب سے بلند و برتر ہے اور تیری ذات پاک ہے اے اس گھر کے مالک!“ تو یہ ہے وہ مقام محمود جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔[3] ابن ابو نجیح نے مجاہد سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے[4] اور امام حسن بصری رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] قتادہ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے پہلے آپ زمین سے باہر تشریف لائیں گے اور آپ ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے۔[6] اہل علم کی رائے میں اس آیت کریمہ میں مذکور مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے۔

روز قیامت رحمت عالم ﷺ پر رب کائنات کی خصوصی نوازشیں: رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے دن بہت سے ایسے شرف حاصل ہوں گے جن میں آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہوگا، مثلاً: سب سے پہلے آپ ہی زمین سے باہر تشریف لائیں گے، آپ میدان حشر کی طرف سواری پر سوار ہو کر تشریف لے جائیں گے، جھنڈا آپ کے پاس ہوگا اور آدم اور سب اولاد

---

① تفسیر الطبری:180,179/15. ② السنن الکبرٰی للنسائی، التفسیر، باب قوله تعالى: ﴿عَسٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَکَ رَبُّکَ ......﴾: 381/6، حدیث:11294 و مسند أبي داود الطیالسي، أحادیث حذیفة بن الیمان:330/1، حدیث: 414 و مسند البزار، أبو إسحاق عن صلة عن حذیفة:329/7، حدیث: 2926 و کتاب السنة لابن أبي عاصم، ص:361,360، حدیث: 789 و تفسیر الطبری:179/15 واللفظ له، البتہ قوسین والا لفظ تفسیر طبری کے علاوہ دیگر کتب کے مطابق ہے۔ ③ تفسیر الطبری:180/15. ④ تفسیر الطبری:180/15. ⑤ تفسیر الطبری:180/15. ⑥ تفسیر الطبری:181/15.

آدم آپ ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے، حوض بھی آپ ہی کا ہوگا اور سب سے زیادہ لوگ اسی جگہ پر آنے والے ہوں گے، شفاعت عظمیٰ بھی آپ ہی کو نصیب ہوگی جس کے مطابق آپ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ وہ مالک اپنی مخلوق میں فیصلے کے لیے جلوہ افروز ہو، آپ سے پہلے لوگ حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ، اور پھر عیسیٰ علیہم السلام سے باری باری یہ درخواست کر چکے ہوں گے مگران میں سے ہر پیغمبر یہ جواب دے گا کہ میں اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شفاعت کرسکوں حتی کہ جب سب لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ فرمائیں گے: ہاں، میں یہ شفاعت کروں گا، میں یہ شفاعت کروں گا، اس کی تفصیل ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ابھی بیان کریں گے۔ آپ کو روز قیامت یہ شرف حاصل ہوگا کہ آپ کچھ ایسے لوگوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے جن کے بارے میں جہنم لے جانے کا حکم ہو چکا ہوگا مگر آپ کی شفاعت کے بعد انھیں جہنم سے واپس بلالیا جائے گا۔ تمام انبیائے کرام میں سے سب سے پہلے آپ ہی کی امت کا فیصلہ کیا جائے گا، سب سے پہلے آپ ہی کی امت کو پل صراط سے گزرنے کی اجازت ملے گی۔ جنت کے بارے میں بھی سب سے پہلے آپ ہی شفاعت فرمائیں گے جیسا کہ صحیح مسلم سے ثابت ہے۔[1]

حدیث صور میں ہے کہ تمام مومن جنت میں صرف آپ ہی کی شفاعت سے داخل ہوں گے۔[2] جبکہ جنت میں سب سے پہلے آپ داخل ہوں گے اور امتوں میں سے سب سے پہلے آپ کی امت جنت میں داخل ہوگی، آپ کچھ لوگوں کے رفع درجات کے لیے بھی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ وہ اپنے اعمال کی وجہ سے ان درجات تک نہیں پہنچ سکیں گے، وسیلہ پر بھی آپ ہی فائز ہوں گے اور یہ جنت کا وہ سب سے بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ مقام ہے جو صرف آپ ہی کو عطا ہوگا، جب اللہ تعالیٰ آپ کو گناہ گاروں کے لیے شفاعت کی اجازت عطا فرما دے گا، شفاعت تو اگرچہ فرشتے، نبی اور مومن بھی کریں گے مگر آپ اس قدر بے حد وحساب مخلوق کے بارے میں شفاعت فرمائیں گے کہ ان کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا، آپ کے سوا اور کوئی اس طرح کی شفاعت نہیں کر سکے گا۔ میں نے آپ کی ان تمام خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''السیرۃ'' کے آخر میں باب الخصائص میں بیان کیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

مقام محمود: اب ہم مقام محمود سے متعلق احادیث کو بیان کریں گے۔ وَبِاللّٰهِ الْمُسْتَعَانُ. امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سب لوگ گھٹنوں کے بل ہوں گے اور ہر امت اپنے نبی کے پیچھے ہوگی اور سب لوگ اپنے اپنے نبی سے کہیں گے کہ اے فلاں! شفاعت کر، اے فلاں! شفاعت کر حتی کہ شفاعت کا معاملہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائے گا۔ اور یہی وہ دن ہوگا جب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔[3]

---

[1] صحیح مسلم، الإیمان، باب فی قول النبی ﷺ: أنا أول الناس یشفع فی الجنة......، حدیث:196 عن أنس رضی اللہ عنہ. [2] الأحادیث الطوال للطبرانی، حدیث الصور: 48 مفصلاً. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ ...... ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 79:17)، حدیث:4718. ملحوظہ: یَا فُلَانُ! اِشْفَعْ ہندوستان کے مکتبۂ انصاری سے طبع شدہ نسخے میں دو مرتبہ ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ الشَّمْسَ لَتَدْنُو حَتّٰى يَبْلُغَ الْعَرَقُ نِصْفَ الْأُذُنِ، فَبَيْنَمَا هُمْ كَذٰلِكَ اسْتَغَاثُوا بِآدَمَ علیہ السلام، فَيَقُولُ: لَسْتُ صَاحِبَ ذٰلِكَ ثُمَّ بِمُوسٰى علیہ السلام، فَيَقُولُ كَذٰلِكَ، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ فَيَشْفَعُ بَيْنَ الْخَلْقِ فَيَمْشِي حَتّٰى يَأْخُذَ بِحَلْقَةِ الْجَنَّةِ، فَيَوْمَئِذٍ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا]

''بے شک سورج اس قدر قریب ہوگا کہ پسینہ نصف کان تک پہنچ جائے گا، اس حال میں لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے تو وہ جواب دیں گے کہ میں یہ نہیں کرسکتا، پھر موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کریں گے تو وہ بھی یہی جواب دیں گے، پھر وہ محمد ﷺ سے فریاد کریں گے تو آپ مخلوق کی شفاعت فرمائیں گے اور پھر کشاں کشاں چلتے ہوئے آپ جنت کے (دروازے کے) کنڈے کو پکڑیں گے تو اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس روایت کو کتاب الزکاۃ میں بیان فرمایا ہے اور اس میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے: [فَيَوْمَئِذٍ يَّبْعَثُهُ اللّٰهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا، يَّحْمَدُهُ أَهْلُ الْجَمْعِ كُلُّهُمْ] ''اس دن اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا تو میدان حشر میں جمع ہونے والے سب لوگ آپ کی تعریف کریں گے۔''[2]

ابوداود طیالسی نے بھی عبداللہ سے روایت کیا ہے کہ پھر اللہ عزوجل شفاعت کی اجازت عطا فرمادے گا تو روح القُدُس جبریل کھڑے ہوں گے، پھر ابراہیم خلیل اللہ کھڑے ہوں گے، پھر عیسیٰ یا موسیٰ علیہما السلام کھڑے ہوں گے۔ ابوزعراء کہتے ہیں کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہاں ان دونوں نبیوں میں سے کس کا نام لیا ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر چوتھے نمبر پر ہمارے نبی ﷺ کھڑے ہوں گے اور آپ اس قدر شفاعت فرمائیں گے کہ آپ کے بعد آپ سے زیادہ کوئی شفاعت نہ کرسکے گا اور یہ وہ مقام محمود ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ ''ہوسکتا ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود پر فائز فرمادے۔''[3]

حدیث ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گوشت پیش کیا گیا، آپ نے دستی کے گوشت کو جو کہ آپ کو بہت مرغوب تھا، تناول فرمانا شروع کیا، پھر فرمایا:

[أَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَهَلْ تَدْرُونَ (بِمَ ذَاكَ؟) يَجْمَعُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ يُّسْمِعُهُمُ الدَّاعِي، وَيَنْفُذُهُمُ الْبَصَرُ وَتَدْنُو الشَّمْسُ، فَيَبْلُغُ النَّاسَ مِنَ الْغَمِّ وَالْكَرْبِ مَا لَا يُطِيقُونَ وَلَا يَحْتَمِلُونَ،

---

[1] تفسير الطبري:182/15. [2] صحيح البخاري، الزكاة، باب من سأل الناس تكثرا، حديث:1475. [3] مسند أبي داود الطيالسي:306/1، حديث:389 والسنن الكبرى للنسائي، التفسير، باب قوله تعالى: ﴿عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ ......﴾:382/6، حديث:11296 یہ حدیث ضعیف ہے۔ البتہ اس مفہوم کی احادیث دیکھیے صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله عزوجل: ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ﴾ (هود11:25)......، حديث: 3340 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ وصحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث:193 عن أنس رضی اللہ عنہ.

فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: أَلَا تَرَوْنَ مَا أَنْتُمْ فِيهِ؟ مَا قَدْ بَلَغَكُمْ؟ أَلَا تَنْظُرُونَ مَنْ يَّشْفَعُ لَكُمْ إِلٰى رَبِّكُمْ عَزَّوَجَلَّ؟ فَيَقُولُ بَعْضُ النَّاسِ لِبَعْضٍ: (عَلَيْكُمْ بِآدَمَ) فَيَأْتُونَ آدَمَ، فَيَقُولُونَ: يَا آدَمُ! أَنْتَ أَبُو الْبَشَرِ، خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهِ وَنَفَخَ فِيكَ مِنْ رُّوحِهِ، وَأَمَرَ الْمَلَائِكَةَ فَسَجَدُوا لَكَ، فَاشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ آدَمُ عليه السلام: إِنَّ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنَّهُ نَهَانِي عَنِ الشَّجَرَةِ فَعَصَيْتُهُ، نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي، اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى نُوحٍ، فَيَأْتُونَ نُوحًا، فَيَقُولُونَ: يَانُوحُ! أَنْتَ أَوَّلُ الرُّسُلِ إِلٰى أَهْلِ الْأَرْضِ، وَسَمَّاكَ اللّٰهُ عَبْداً شَكُورًا، فَاشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ نُوحٌ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ،وَإِنَّهُ (قَدْ) كَانَتْ لِي دَعْوَةٌ (دَعَوْتُهَا) عَلٰى قَوْمِي، (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى إِبْرَاهِيمَ، فَيَأْتُونَ إِبْرَاهِيمَ، فَيَقُولُونَ: يَا إِبْرَاهِيمُ! أَنْتَ نَبِيُّ اللّٰهِ وَخَلِيلُهُ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ، اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ إِبْرَاهِيمُ: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔ فَذَكَرَ كَذِبَاتِهِ۔ (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى مُوسٰى.فَيَأْتُونَ مُوسٰى عليه السلام، فَيَقُولُونَ: يَا مُوسٰى! أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ، اِصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَاتِهِ (وَبِكَلَامِهِ) عَلَى النَّاسِ، اِشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَيَقُولُ لَهُمْ مُّوسٰى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ، وَإِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا لَّمْ أُومَرْ بِقَتْلِهَا، (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى عِيسٰى فَيَأْتُونَ عِيسٰى، فَيَقُولُونَ: يَاعِيسٰى! أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ۔ قَالَ: هٰكَذَا هُوَ۔ وَكَلَّمْتَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ، فَاشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَا تَرٰى إِلٰى مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟

فَيَقُولُ لَهُمْ عِيسٰى: إِنَّ رَبِّي قَدْ غَضِبَ الْيَوْمَ غَضَبًا لَّمْ يَغْضَبْ قَبْلَهُ مِثْلَهُ، وَلَنْ يَّغْضَبَ بَعْدَهُ مِثْلَهُ۔ وَلَمْ يَذْكُرْ لَهُ ذَنْبًا۔ (نَفْسِي نَفْسِي نَفْسِي) اِذْهَبُوا إِلٰى غَيْرِي، اِذْهَبُوا إِلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ (فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا ﷺ) فَيَقُولُونَ:يَا مُحَمَّدُ! أَنْتَ رَسُولُ اللّٰهِ وَخَاتَمُ الْأَنْبِيَاءِ، (وَقَدْ) غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، فَاشْفَعْ لَنَا إِلٰى رَبِّكَ، أَلَاتَرٰى (إِلٰى) مَا نَحْنُ فِيهِ؟ أَلَا تَرٰى مَا قَدْ بَلَغَنَا؟ فَأَقُومُ، فَآتِي تَحْتَ الْعَرْشِ، فَأَقَعُ سَاجِداً لِّرَبِّي عَزَّوَجَلَّ، ثُمَّ يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيَّ، وَيُلْهِمُنِي مِنْ مَّحَامِدِهِ وَحُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِ شَيْئاً لَّمْ يَفْتَحْهُ عَلٰى أَحَدٍ قَبْلِي، فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ! اِرْفَعْ رَأْسَكَ، سَلْ تُعْطَهُ، (وَاشْفَعْ) تُشَفَّعْ، (فَأَرْفَعُ رَأْسِي فَأَقُولُ: أُمَّتِي يَارَبِّ! أُمَّتِي يَا رَبِّ! أُمَّتِي يَارَبِّ! فَيُقَالُ: يَا مُحَمَّدُ! أَدْخِلْ مِنْ أُمَّتِكَ مَنْ لَّا حِسَابَ عَلَيْهِ مِنَ الْبَابِ الْأَيْمَنِ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ، وَهُمْ شُرَكَاءُ النَّاسِ فِيمَا سِوَا ذٰلِكَ مِنَ الْأَبْوَابِ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! إِنَّ مَا بَيْنَ الْمِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَّصَارِيعِ الْجَنَّةِ) كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَهَجَرٍ، أَوْ كَمَا بَيْنَ مَكَّةَ وَبُصْرٰى]

’’میں قیامت کے دن سب لوگوں کا سردار ہوں گا اور کیا تم جانتے ہو کہ یہ کس وجہ سے؟ اللہ تعالیٰ اگلے پچھلے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع فرمائے گا۔ جنھیں بلانے والا اپنی آواز سنا سکے اور نظر ان سے پار ہو سکے گی، سورج بہت قریب ہو گا اور لوگوں کو اس قدر غم وفکر لاحق ہو گا کہ انھیں اس کے برداشت کرنے کی طاقت وہمت نہ ہو گی، لوگ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ تم اس وقت کس مصیبت میں مبتلا ہو، ذرا دیکھو تو سہی، کون ہے جو تمھارے رب کے پاس تمھاری شفاعت کر سکے؟ بعض لوگ ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے کہیں گے کہ تم آدم علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ آدم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: اے آدم! آپ نسل انسانی کے باپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا، آپ میں روح پھونکی، فرشتوں کو حکم دیا تو انھوں نے آپ کو سجدہ کیا، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں مبتلا ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔

آدم علیہ السلام جواب میں کہیں گے کہ بے شک میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہو گا، اس نے مجھے درخت کے قریب جانے سے منع فرمایا تھا مگر میں نے اس کی مخالفت کی، لہٰذا مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، تم کسی اور کے پاس چلے جاؤ۔ جاؤ نوح علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ۔ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے نوح (علیہ السلام!) آپ اہل زمین کی طرف پہلے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام ’’عبد شکور‘‘ (شکر گزار بندہ) رکھا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔ نوح علیہ السلام جواب دیں گے کہ بے شک میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہو گا، بلاشبہ مجھے ایک دعا کا اختیار تھا جو میں نے اپنی قوم کے خلاف مانگ لی۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، ابراہیم (علیہ السلام!) کے پاس چلے جاؤ تو وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے ابرہیم (علیہ السلام!) آپ اللہ کے نبی بھی ہیں اور اہل زمین میں سے اللہ کے دوست بھی، اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کس صورت حال کا سامنا ہے۔ آپ جواب دیں گے کہ بے شک میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح کبھی غصے میں ہو گا، ابراہیم علیہ السلام اپنی خلاف واقعہ (کہی ہوئی) باتوں کو یاد کریں گے۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ جاؤ میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، موسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، وہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور کہیں گے: اے موسیٰ (علیہ السلام!) آپ اللہ کے رسول ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پیغام اور کلام سے لوگوں میں سے ممتاز کیا ہے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام انھیں جواب دیں: میرا رب آج اس قدر غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح

غصے نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہوگا، میں نے ایک انسان کو قتل کر دیا تھا جس کے قتل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم نہیں دیا تھا۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ جاؤ میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس چلے جاؤ، وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے، اے عیسیٰ (علیہ السلام!) آپ اللہ کے رسول اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مریم کی طرف ڈالا تھا اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح ہیں۔ آپ نے پنگوڑے میں لوگوں سے کلام کیا تھا، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام انھیں جواب دیتے ہوئے کہیں گے کہ میرا رب آج اس طرح غصے میں ہے کہ آج سے پہلے کبھی اس طرح غصے میں نہیں ہوا اور نہ اس طرح آئندہ کبھی غصے میں ہوگا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی گناہ کا ذکر نہیں کیا۔ مجھے تو اپنی فکر ہے، مجھے تو اپنی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس چلے جاؤ، جاؤ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے جاؤ۔

دریں اثنا لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائیں گے اور عرض کریں گے: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) آپ اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف فرما دیے تھے، آپ اپنے رب کے پاس ہماری شفاعت فرمائیں، آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہم کس مشکل میں ہیں۔ آپ دیکھ نہیں رہے کہ ہمیں کیسی صورت حال کا سامنا ہے۔ پس میں اٹھ کر عرش کے نیچے آ جاؤں گا اور اپنے رب عزوجل کے سامنے سجدہ کروں گا اور اللہ تعالیٰ اپنی حمد و ثنا کے ایسے کلمات مجھے الہام فرمائے گا جو مجھ سے پہلے کسی کو الہام نہیں کیے ہوں گے، پھر مجھ سے کہا جائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنے سر کو اٹھائیں اور مانگیں آپ کو دیا جائے گا، سفارش کریں، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، پس میں اپنے سر کو اٹھاؤں گا اور کہوں گا: میری امت یا رب' میری امت یا رب' میری امت یا رب! پھر آپ سے کہا جائے گا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم!) اپنی امت کے ان لوگوں کو جن کے لیے کوئی حساب نہیں ہے، جنت کے دائیں طرف کے دروازوں میں سے ایک دروازے سے داخل کر دیں، وہ لوگوں کے ساتھ دیگر دروازوں میں بھی داخل ہو سکتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے! جنت کے دو کواڑوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا مکہ اور ہجر کے درمیان فاصلہ ہے یا جتنا مکہ اور بصرہ کے درمیان فاصلہ ہے۔''[1] اسے امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔''[2]

---

[1] مسند أحمد: 436,435/2، پہلی قوسین کے علاوہ تمام قوسوں کے الفاظ صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا ......﴾ (بنیٓ إسرآء یل3:17)، حدیث: 4712 کے مطابق ہیں اور پہلی قوسین والا جملہ صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، حدیث: 194 میں ہے۔ اسی طرح یا رب! أمتی تین مرتبہ جامع الترمذی، صفة القیامة والرقائق والورع، باب ماجاء فی الشفاعة، حدیث: 2434 میں ہے۔ [2] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا ......﴾ (بنیٓ إسرآء یل3:17)، حدیث: 4712 و صحیح مسلم، الإیمان، باب أدنی أهل الجنة منزلة فیها، حدیث: 194.

وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ

اور کہیے: اے میرے رب! داخل کرنا مجھے سچا داخل کرا اور نکال مجھے سچا نکالنا اور مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والا غلبہ عطا کر دے (80) اور کہیے:

سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا ﴿80﴾ وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَزَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿81﴾

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے (81)

تفسیر آیات: 81,80

ہجرت کا حکم: امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ مکہ میں تھے، پھر آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا: ﴿وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا ﴿80﴾﴾ ”اور کہیں: اے میرے پروردگار! مجھے (مدینہ میں) اچھی طرح داخل فرما، اور (مکہ سے) اچھی طرح نکال، اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنا۔“[1] امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔[2]

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ کفار مکہ نے جب رسول اللہ ﷺ کے خلاف سازش کی تاکہ آپ کو جان سے ماردیں یا وطن سے نکال دیں یا قید کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں سے قتال کا ارادہ فرمالیا اور آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ ہجرت کر کے مدینہ چلے جائیں، اسی سلسلے میں فرمایا: ﴿وَقُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّاَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ﴾ ”اور کہیں: اے میرے پروردگار! مجھے (مدینہ میں) اچھی طرح داخل فرما اور (مکہ سے) اچھی طرح نکال۔“[3] اور امام قتادہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں اچھی طرح داخل کرنے سے مراد مدینہ میں داخل کرنا اور اچھی طرح نکالنے سے مراد مکہ سے نکالنا ہے۔[4] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے۔[5]

فرمان الٰہی ہے: ﴿وَّاجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ سُلۡطٰنًا نَّصِيۡرًا ﴿80﴾﴾ ”اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنا۔“ اس کی تفسیر میں امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آپ کے رب نے آپ سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ ایران اور روم سے عزت اور بادشاہت چھین کر آپ کو عطا فرمادے۔[6] قتادہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کو معلوم تھا کہ آپ کو زور و قوت کے بغیر اس کی طاقت نہیں ہے، اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کی کتاب، اللہ تعالیٰ کی حدود، اللہ تعالیٰ کے فرائض اور اللہ تعالیٰ کے دین کی اقامت کے لیے زور اور قوت کا سوال کیا۔ زور و قوت بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ اگر زور و قوت نہ ہوتی تو انار کی پھیل جاتی اور طاقتور، کمزوروں کو کھا جاتے۔[7] لہٰذا دشمنوں اور مخالفین کے مقابلے کے لیے ضروری ہے کہ حق کے ساتھ ساتھ انسان کو قوت و طاقت بھی حاصل ہو، اسی لیے فرمایا: ﴿لَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا بِالۡبَيِّنٰتِ وَاَنۡزَلۡنَا مَعَهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡمِيۡزَانَ لِيَقُوۡمَ النَّاسُ بِالۡقِسۡطِ ۚ وَاَنۡزَلۡنَا الۡحَدِيۡدَ﴾ (الحدید 25:57) ”البتہ تحقیق

[1] مسند أحمد: 223/1. اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ [2] جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة بنی إسرائیل، حدیث: 3139. [3] تفسیر الطبری: 186,185/15. [4] تفسیر الطبری: 186/15. [5] تفسیر الطبری: 186/15. [6] تفسیر الطبری: 187/15. [7] تفسیر الطبری: 188/15.

وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَ لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾

اور ہم قرآن میں سے جو نازل کرتے ہیں وہ مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، اور وہ ظالموں کو خسارے ہی میں زیادہ کرتا ہے ﴿82﴾

ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور ترازو (قواعد عدل) تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے لوہا پیدا کیا۔''

کفار قریش کے لیے وعید: ارشاد الٰہی ہے: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ ﴾ ''اور کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔'' یہ کفار قریش کے لیے تہدید اور وعید ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس حق آ گیا تھا جس میں کوئی شک نہیں اور نہ وہ اس کا مقابلہ کر سکتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن، ایمان اور علم نافع کے ساتھ مبعوث فرمایا اور اس حق کے آنے کے بعد باطل نابود ہو گیا کیونکہ حق کے سامنے باطل نہیں ٹھہر سکتا۔ ﴿ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ ﴾ (الأنبيآء 18:21) ''بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر دے مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے تو جھوٹ اس وقت نابود ہو جاتا ہے۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو کعبہ کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے ہوئے تھے، آپ اس لکڑی کے ساتھ انھیں گرا رہے تھے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اور یہ فرما رہے تھے: ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿81﴾ ﴾ ''حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا، بے شک باطل نابود ہونے والا ہے۔'' ﴿ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ۝ ﴾ (سبا 49:34) ''حق آ چکا اور باطل نہ تو پہلی بار ابھرا اور نہ وہ لوٹے گا۔''[1]

تفسیر آیت:82

قرآن شفا اور رحمت ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب کے بارے میں فرمایا ہے جسے اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے اور یہ وہ کتاب ہے کہ اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے اللہ کی اتاری ہوئی ہے۔ یہ کتاب مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، یہ کتاب دلوں کی بیماریوں، شک، نفاق، شرک، کجی اور انحراف سے شفا دیتی ہے۔ یہ کتاب رحمت بھی ہے کہ اس سے ایمان، حکمت اور خیر و بھلائی کی طلب و رغبت حاصل ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے، اس کی تصدیق اور اتباع کرے اس کے حق میں یہ شفا اور رحمت ہے۔ کافر جو اس قرآن کو سن کر بھی اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے تو قرآن کے سننے سے اس کے بُعد اور کفر میں اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور یہ کافر کے اپنے عمل کی وجہ سے ہے۔ قرآن کا اس میں کوئی قصور نہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۭ اُولٰٓئِكَ يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ ﴾ (حٰمٓ السجدة 44:41) ''کہہ دیں کہ جو ایمان

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ ...... ﴾ (بنيٓ إسرآءيل 81:17)......، حديث:4720.

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا ﴿83﴾ قُلْ

اور جب ہم انسان پر انعام کریں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے اور اپنا پہلو دور کر لیتا ہے، اور جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت مایوس ہو جاتا ہے ﴿83﴾ کہہ دیجیے:

كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿84﴾ ع 9

ہر کوئی اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے، چنانچہ تمھارا رب خوب جانتا ہے کہ کون زیادہ سیدھے راستے پر ہے ﴿84﴾

لاتے ہیں ان کے لیے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں گرانی (بہراپن) ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) نابینائی ہے، یہ لوگ ہیں کہ انھیں (گویا) دور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ○ ﴾ (التوبة 9:124,125) ''اور جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض (منافق استہزا کرتے ہوئے) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے۔ سو جو ایمان والے ہیں اس نے ان کا ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے تو ان کو پلیدی پر پلیدی میں زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، امام قتادہ آیت کریمہ ﴿ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے'' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مومن جب قرآن کو سنتا ہے تو وہ اس سے نفع حاصل کرتا اور اسے یاد رکھتا ہے۔ ﴿ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿82﴾ ﴾ ''اور ظالموں کو وہ صرف نقصان میں بڑھاتا ہے۔'' کیونکہ وہ اس سے نہ نفع حاصل کرتا ہے اور نہ اسے یاد رکھتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے اس قرآن کو اپنے مومن بندوں کے لیے باعث شفا اور رحمت بنا دیا ہے۔[1]

تفسیر آیات: 84,83

خوشی و غمی کی حالتوں میں انسان کی عادت: اللہ تعالیٰ نے انسان کی بحیثیت انسان خوشی اور غمی میں اس کمزوری کو بیان فرمایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت، صحت و عافیت، فتح و نصرت اور رزق کی فروانی کی نعمتوں سے نوازتا اور اس کی تمناؤں اور خواہشوں کو پورا فرما دیتا ہے تو وہ اس کی اطاعت اور عبادت سے روگرداں ہو جاتا اور پہلو پھیر لیتا ہے۔ امام مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ہم سے دور ہو جاتا ہے۔[2]

یہ آیت کریمہ اس طرح ہے جیسے حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ ﴾ (یونس 10:12) ''پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور) اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف پہنچنے پر اس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا۔'' ﴿ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 17:67)

[1] تفسیر الطبری: 190/15. [2] تفسیر الطبری: 191/15.

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿85﴾

اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہیے: روح میرے رب کے حکم سے ہے، اور تمھیں تو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے ﴿85﴾

''پھر جب وہ تم کو (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم اعراض کر لیتے ہو۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿83﴾ ﴾ ''تو ناامید ہو جاتا ہے۔'' یعنی جب اسے مصائب وحوادث اور مشکلات پیش آتی ہیں تو وہ مایوس ہو جاتا ہے کہ اب اسے کبھی بھی خیر وبھلائی حاصل نہ ہوگی جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ ﴾ (ھود 11:9-11) ''اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں، پھر اس سے اس کو چھین لیں تو ناامید (اور) ناشکرا (ہو جاتا) ہے اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش (کا مزہ) چکھائیں تو (خوش ہوکر) کہتا ہے کہ (آہا) سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں۔ بے شک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔ ہاں، جنھوں نے صبر کیا اور نیک عمل کیے، یہی ہیں جن کے لیے بخشش اور اجر عظیم ہے۔''

فرمان الٰہی ہے: ﴿ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ ﴾ ''کہہ دیں کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص اپنے طریقے کے مطابق عمل کرتا ہے۔① مجاہد فرماتے ہیں کہ ہر شخص اپنی عادت اور طبیعت کے مطابق عمل کرتا ہے۔② قتادہ فرماتے ہیں کہ اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے۔③ ابن زید کہتے ہیں کہ اپنے دین کے مطابق عمل کرتا ہے۔④ ان تمام اقوال کے معنی قریباً قریباً ایک ہی ہیں۔ بہر حال اس آیت میں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ۔ مشرکوں کے لیے تہدید اور وعید ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ ﴾ (ھود 11:121) ''اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دیں کہ تم اپنی جگہ عمل کیے جاؤ۔'' اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿84﴾ ﴾ ''کہہ دیں کہ ہر شخص اپنے طریقے پر عمل کرتا ہے، سو تمھارا پروردگار اس شخص سے خوب واقف ہے جو سب سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے۔'' یعنی ہم اور تم میں سے کون سیدھے رستے پر ہے اور وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔

تفسیر آیت:85

روح کا ذکر: امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں ایک کھیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ کھجور کی ایک ٹہنی کا سہارا لیے ہوئے تھے کہ یہودیوں کا گزر ہوا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ آپ سے روح کے بارے میں پوچھو تو اس نے کہا کہ تمھاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے۔ ان میں

① تفسیر الطبری:192/15. ② تفسیر الطبری:192/15. ③ تفسیر الطبری:192/15. ④ تفسیر الطبری: 192/15.

سے بعض نے یہ بھی کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھیں کسی ایسی بات کا سامنا کرنا پڑے جو تمھیں ناپسند ہو، انھوں نے کہا: نہیں، آپ سے ضرور پوچھو، اس کے بعد انھوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے سکوت فرمایا اور انھیں کوئی جواب نہ دیا، مجھے معلوم ہو گیا کہ اب آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، میں اپنی جگہ پر کھڑا رہا، جب وحی کا نزول ہو گیا تو آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ ''اور آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دیں کہ وہ میرے پروردگار کے حکم سے (آتی) ہے۔''[1] اس سیاق سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مدنی ہے اور یہ اس وقت نازل ہوئی جب مدینہ میں یہودیوں نے آپ سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا، حالانکہ یہ تو ساری سورت مکی ہے تو اس کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ مدینہ میں دوبارہ نازل ہوئی ہو جیسا کہ پہلے مکہ میں نازل ہوئی تھی یا اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ وحی کے ذریعے سے آپ کو یہ بتا دیا گیا کہ آپ یہودیوں کے سوال کا جواب اس آیت سے دیں جو قبل ازیں آپ پر نازل ہو چکی ہے اور یہ وہی آیت ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے عکرمہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ اہل کتاب نے جب رسول اللہ ﷺ سے روح کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ...... ﴾ یہ آیت سن کر یہودیوں نے کہا کہ آپ کا گمان ہے کہ ہمیں بہت کم علم دیا گیا ہے، حالانکہ ہمیں تو تورات عطا کی گئی ہے جو سراسر حکمت ہے۔ ﴿ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ ﴾ (البقرة 2:269) ''اور جس کو حکمت دی گئی، یقیناً اس کو بہت بڑی بھلائی دی گئی۔'' تو اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ ﴾ (لقمٰن 31:27) ''اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں۔'' آپ نے فرمایا: [مَا أُوتِيتُم مِّنْ عِلْمٍ فَنَجَّاكُمُ اللّٰهُ بِهِ مِنَ النَّارِ، فَهُوَ كَثِيرٌ طَيِّبٌ، وَّهُوَ فِي عِلْمِ اللّٰهِ قَلِيلٌ] ''تمھیں جو علم بھی دیا گیا اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمھیں جہنم کی آگ سے نجات دے دے تو وہ علم کثیر اور طیّب ضرور ہے مگر اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں وہ قلیل ہے۔''[2]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ یہودیوں نے نبی ﷺ سے سوال کیا کہ آپ ہمیں روح کے بارے میں بتائیں، نیز یہ بتائیں کہ روح تو جسم میں ہے، پھر اسے عذاب کیسے ہوگا۔ روح اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن اس کے بارے میں آپ پر ابھی تک کچھ نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے آپ نے انھیں کوئی جواب نہ دیا۔ جبریل وحی لے کر نازل ہوئے اور انھوں نے کہا: ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ ﴾ (بني إسرآءيل 17:85)، حديث: 4721. [2] تفسير الطبري: 193/15.

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا

اور البتہ اگر ہم چاہیں تو اسے ضرور لے جائیں جو کچھ ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے، پھر آپ اس پر ہمارے مقابلے میں اپنا کوئی

وَكِيْلًا ﴿86﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿87﴾ قُلْ لَّئِنِ

حمایتی نہ پائیں گے ﴿86﴾ سوائے آپ کے رب کی رحمت کے، بے شک آپ پر اس کا فضل بہت زیادہ ہے ﴿87﴾ کہہ دیجیے: البتہ اگر تمام

اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ

انسان اور جن اس (بات) پر جمع ہو جائیں کہ اس قرآن کی مثل لائیں تو وہ اس کی مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار

وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿88﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

بھی بن جائیں ﴿88﴾ اور بلاشبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر مثال پھیر پھیر کر بیان کی ہے، پھر بھی اکثر لوگوں نے انکار کیا

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿89﴾

مگر کفر کرنے سے (انکار نہیں کیا) ﴿89﴾

اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿85﴾ ''کہہ دیں کہ روح تو میرے پروردگار کے حکم سے (آتی) ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے۔'' نبی ﷺ نے انھیں یہ جواب دے دیا تو کہنے لگے کہ آپ کے پاس یہ جواب لے کر کون آیا ہے۔ آپ نے فرمایا: [جَاءَ نِي بِهِ جِبْرِيلُ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ] ''میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جواب جبریل لائے ہیں۔'' کہنے لگے کہ اللہ کی قسم! یہ تو ہمارا دشمن ہے جو آپ کے پاس یہ جواب لے کر آیا ہے تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ بھی نازل فرمادی: ﴿ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰي قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَھُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ﴾ (البقرۃ 2:97) ''کہہ دیں کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مر جانا چاہیے) کیونکہ اس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل کی ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔''[1]

روح اور جان: علامہ سُہیلی نے ذکر کیا ہے کہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ روح ہی جان ہے یا یہ جان کے علاوہ کوئی اور چیز ہے، پھر انھوں نے لکھا ہے کہ روح ہوا کی طرح ایک لطیف چیز ہے جو جسم میں اس طرح سرایت کیے ہوئے ہے جس طرح درخت کی رگوں میں پانی سرایت کرتا ہے، علامہ سہیلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ روح جسے فرشتہ جنین میں پھونکتا ہے تو اس سے مراد نفس ہے، بشرطیکہ وہ بدن کے ساتھ مل جائے اور پھر اس کے سبب صفات مدح یا ذم کو حاصل کر لے، یعنی پھر وہ یا نفس مطمئنہ ہوگا یا أمارۃ بالسوء جیسا کہ پانی ہی درخت کی زندگی ہے مگر پھر وہ درخت کے ساتھ ملنے کے سبب ایک خاص نام حاصل کر لیتا ہے، جب انگور کے ساتھ مل جائے اور انگور سے اسے نچوڑا جائے تو وہ آب انگور یا شراب کہلائے گا اور اسے صرف مجازاً ہی پانی کہا جائے گا، چنانچہ نفس کو بھی روح اس انداز میں کہا جائے گا، اسی طرح روح کو نفس باعتبار مآل کہا جائے گا۔[2]

[1] تفسیر الطبری:194/15. [2] الروض الأُنُف للسهيلي، الفرق بين الروح والنفس:72/2-74.

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿90﴾ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ

اور وہ بولے: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، حتی کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے ﴿90﴾ یا تیرے لیے کھجوروں

نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿91﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا

اور انگور کا ایک باغ ہو، پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جگہ جگہ) نہریں جاری کر دے ﴿91﴾ یا تو آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم

كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ قَبِيْلًا ﴿92﴾ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي

پر گرا دے جیسے تو نے گمان کیا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آ ﴿92﴾ یا تیرے لیے سونے کا گھر ہو، یا تو آسمان میں چڑھ جائے،

السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ

اور ہم تیرے چڑھنے پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں، کہیے: میرا رب پاک ہے،

اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿93﴾ ع 10/9/10

میں تو بس ایک بشر رسول ہوں ﴿93﴾

حاصل کلام یہ ہے کہ روح ہی نفس کی اصل اور مادہ ہے اور نفس اس روح سے مرکب ہے اور اسی طرح اس روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے تو یہ روح اس ایک لحاظ سے نفس ہے ہر لحاظ سے اسے نفس نہیں کہہ سکتے، علامہ سہیلی کی یہ بات بہت ہی عمدہ ہے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

لوگوں نے روح کی ماہیت اور احکام کے بارے میں کافی گفتگو کی ہے اس سلسلے میں کافی کتابیں بھی لکھی ہیں، ان میں سے سب سے اچھی کتاب حافظ ابن مندہ کی ہے جو انھوں نے روح کے بارے میں لکھی ہے۔

تفسیر آیات:86-89

اگر اللہ چاہے تو قرآن کو لے جائے: اللہ تعالیٰ نے اپنے عبد اور رسول کریم ﷺ پر اپنی نعمت اور اپنے اس فضل عظیم کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آپ کی طرف اس قرآن مجید کو نازل فرمایا ہے جس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے اور دانا اور خوبیوں والے اللہ کی اتاری ہوئی ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آخری زمانے میں شام کی طرف سے ایک سرخ ہوا چلے گی تو اس کے بعد کسی انسان کے مصحف اور دل میں کوئی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھا: ﴿ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ﴾ ''اور اگر ہم چاہیں تو جو (کتاب) ہم آپ کی طرف بھیجتے ہیں اسے (دلوں سے) لے جائیں۔''[1]

قرآن کا چیلنج: پھر اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم کے شرف کے بارے میں توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر تمام انس و جن جمع ہو جائیں اور وہ اس طرح کا قرآن بنانا چاہیں جس طرح کا قرآن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے تو انھیں قطعاً اس کی طاقت و استطاعت نہ ہوگی، خواہ آپس میں ایک دوسرے کے معاون و مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں، وہ

[1] تفسیر الطبری:15/197.

قرآن کا کبھی بھی مقابلہ نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ مخلوق کا کلام اس خالق کے کلام کے مشابہ ہو ہی نہیں سکتا جس کی نہ کوئی نظیر ہے نہ مثال اور نہ ہمسر۔ ﴿ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ ﴾ ''اور البتہ تحقیق ہم نے (قرآن میں سب باتیں) پھیر پھیر کر (لوگوں کے لیے) بیان کردی ہیں۔'' یعنی ہم نے قطعی دلائل و براہین بیان کردیے ہیں اور حق کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ واضح کردیا ہے، ﴿ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴾ ''مگر اکثر لوگوں نے سوائے کفر کرنے کے (ہر چیز سے) انکار کیا۔'' یعنی انھوں نے حق کا انکار کردیا اور صواب کو ردّ کردیا۔

تفسیر آیات: 90-93

قریش کا مخصوص نشانیوں کا طلب کرنا: امام ابن جریر نے محمد بن اسحاق کی روایت کو بیان کیا ہے کہ مجھ سے اہل مصر کے ایک شیخ نے۔ جو چالیس سال سے زیادہ عرصے سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ ربیعہ کے بیٹوں عتبہ و شیبہ، ابوسفیان بن حَرب، بنی عبدالدار کے ایک شخص، بنواسد کے بھائی ابوبَختری، اسود بن مُطّلِب بن اسد، زَمعِہ بن اسود، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابوامیہ، اُمیہ بن خلف، عاص بن وائل، حجاج کے بیٹے نُبَیہ سَہمی اور منبہ سَہمی، یہ سب یا ان میں سے کچھ لوگ غروب آفتاب کے بعد کعبہ کی پشت کے پاس جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ محمد کی طرف پیغام بھیج کر انھیں یہاں بلاؤ اور ان سے اس طرح گفتگو اور جھگڑا کرو کہ ان پر غالب آجاؤ، انھوں نے آپ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کی قوم کے سردار جمع ہیں تاکہ آپ سے گفتگو کریں، رسول اللہ ﷺ ان کی طرف سے یہ پیغام ملتے ہی جلدی سے تشریف لے آئے، آپ یہ سمجھتے تھے کہ شاید انھوں نے اپنے سابقہ موقف میں کوئی تبدیلی پیدا کرلی ہے، درحقیقت آپ اس بات کے شدید خواہش مند تھے کہ یہ لوگ رشد و بھلائی کو قبول کرلیں، ان کا فساد اور ان کی سرکشی آپ کو بہت گراں محسوس ہوتی تھی۔ آپ تشریف لائے اور ان کے پاس بیٹھ گئے۔ ان لوگوں نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ اے محمد (ﷺ!) ہم نے آپ کی طرف پیغام اس لیے بھیجا ہے تاکہ آپ کے بارے میں ہم حجت پوری کردیں، اللہ کی قسم! ہم نہیں جانتے کہ عرب میں سے کسی اور شخص نے بھی اپنی قوم کو اس طرح مشکل میں مبتلا کیا ہو جس طرح آپ نے کیا ہے، ہمارے معبودوں کو گالیاں دیں اور قوم میں اختلاف و انتشار پیدا کردیا، بہر حال خرابی کی کوئی ایسی صورت نہیں جسے آپ نے ہمارے اور اپنے مابین پیدا نہ کیا ہو، اگر ان باتوں سے آپ کا مقصود مال و دولت کا حصول ہے تو ہم آپ کے لیے اس قدر مال جمع کردیتے ہیں کہ آپ ہم میں سے سب سے زیادہ مال دار بن جائیں گے، اگر آپ سرداری چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار مان لیتے ہیں، اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنالیتے ہیں اور اگر یہ جن آپ پر غالب آگیا ہے جو آپ کو ایسی باتیں سکھاتا ہے تو ہم آپ کے علاج معالجے کے لیے اپنا اس قدر مال خرچ کرنے کے لیے تیار ہیں کہ آپ صحت یاب ہوجائیں یا ہم عاجز و لاچار ہوجائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا:

[مَا بِی مَاتَقُولُونَ، مَاجِئْتُكُمْ بِمَا جِئْتُكُمْ بِهِ أَطْلُبُ أَمْوَالَكُمْ، وَلَا الشَّرَفَ فِيكُمْ وَلَا الْمُلْكَ عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ رَسُولًا، وَّأَنْزَلَ عَلَيَّ كِتَابًا، وَّأَمَرَنِي أَنْ أَكُونَ لَكُمْ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا، فَبَلَّغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي، وَنَصَحْتُ لَكُمْ، فَإِنْ تَقْبَلُوا مِنِّي مَا جِئْتُكُمْ بِهِ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ]

’’مجھ میں کوئی ایسی بات نہیں جو تم کہتے ہو، میں اس دین کو لے کر تمھارے پاس اس لیے نہیں آیا کہ تم سے مال طلب کروں، یا سرداری کا مطالبہ کروں یا تمھارا بادشاہ بن جاؤں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، اس نے مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں خوش خبری اور ڈر سنانے والا بن جاؤں، میں نے اپنے رب کے پیغامات تمھارے پاس پہنچا دیے ہیں اور تمھاری ہمدردی و خیر خواہی کی ہے، اگر تم اس دین کو قبول کرلو جسے میں تمھارے پاس لایا ہوں تو وہ دنیا و آخرت میں تمھارا حصہ ہوگا اور اگر تم اسے قبول کرنے سے انکار کر دو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔‘‘ یا جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ آپ کا جواب سن کر یہ لوگ کہنے لگے کہ اے محمد (ﷺ!) جو باتیں ہم نے آپ کے سامنے پیش کی ہیں اگر آپ انھیں قبول نہیں کرتے تو آپ یہ جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں ہوگا جس کا علاقہ ہمارے علاقے سے تنگ ہو، جس کا مال ہم سے کم ہو اور جس کی معیشت ہم سے زیادہ خراب ہو تو اپنے اس رب سے دعا کیجیے جس نے آپ کو اس دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ وہ ہم سے ان پہاڑوں کو دور ہٹا دے جنھوں نے ہمارے علاقے کو تنگ کر دیا ہے اور ہمیں کشادہ اور وسیع زمین عطا فرما دے اور پھر اس میں اس طرح نہریں بہا دے جس طرح شام و عراق میں نہریں بہتی ہیں، ہمارے آباؤ اجداد کو دوبارہ زندہ کر دے، خاص طور پر قُصَی بن کِلاب کو زندہ کر دے جو بہت ہی راست باز شیخ تھے تاکہ ہم ان سے یہ پوچھ سکیں کہ آپ جو کہتے ہیں یہ حق ہے یا باطل۔ اگر آپ ہمارے مطالبات کو پورا کر دیں اور مردے آپ کی تصدیق کر دیں تو ہم آپ کی تصدیق کریں گے اور جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا بہت اونچا مقام و مرتبہ ہے اور اس نے واقعی آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انھیں جواب دیا: [مَا بِهٰذَا بُعِثْتُ إِنَّمَا جِئْتُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ بِمَا بَعَثَنِي بِهِ فَقَدْ بَلَّغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ فَإِنْ تَقْبَلُوهُ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ] ’’مجھے ان باتوں کے ساتھ نہیں بھیجا گیا، میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھارے پاس وہ لایا ہوں جس کے ساتھ مجھے مبعوث کیا گیا ہے، میں نے تمھارے پاس وہ پیغام حق پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے، اگر تم اسے قبول کر لو تو یہ دنیا و آخرت میں تمھارا حصہ ہوگا اور اگر اسے قبول کرنے سے انکار کر دو تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔‘‘

یہ لوگ کہنے لگے کہ اگر آپ ہمارے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے لیے ہی اپنے رب سے یہ سوال کریں کہ وہ ایک فرشتے کو بھیج دے جو آپ کی تصدیق کرے اور ہماری باتوں کا جواب دے اور اس سے یہ بھی سوال کریں کہ وہ آپ کے لیے باغات، خزانے اور سونے چاندی کے محلات بنا دے اور آپ کو طلب معاش سے بے نیاز کر دے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ بھی بازاروں میں اس طرح کاروبار کرتے ہیں جس طرح ہم کرتے ہیں تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کا مقام اونچا ہے اور آپ واقعی اس کے رسول ہیں جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَا أَنَا بِفَاعِلٍ، مَّا أَنَا بِالَّذِي يَسْأَلُ رَبَّهُ هٰذَا، وَمَا بُعِثْتُ إِلَيْكُمْ بِهٰذَا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي بَشِيرًا وَّنَذِيرًا، فَإِنْ تَقْبَلُوا مَا جِئْتُكُمْ بِهِ، فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ] ”نہیں میں ایسا نہیں کروں گا، میں اپنے رب سے ان چیزوں کے بارے میں سوال نہیں کروں گا، مجھے تمھاری طرف ان باتوں کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے تو مجھے خوش خبری اور ڈر سنانے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اگر تم اس حق کو قبول کر لو جو میں تمھارے پاس لایا ہوں تو یہ دنیا و آخرت میں تمھارا حصہ ہو گا اور اگر تم اسے قبول کرنے سے انکار کر دو تو میں اللہ کے حکم کے لیے صبر کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔“

رسول اللہ ﷺ کا یہ جواب سن کر انھوں نے کہا کہ آپ ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرائیں کیونکہ آپ کہا کرتے ہیں کہ تمھارا رب اگر چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے، جب تک آپ ایسا نہ کر دکھائیں ہم کبھی ایمان نہیں لائیں گے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں جواب دیا کہ [ذٰلِكَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ فَعَلَ بِكُمْ ذٰلِكَ] ”اس بات کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی سے ہے، اگر وہ چاہے تو تم پر آسمان کے ٹکڑے گرا سکتا ہے۔“ یہ کہنے لگے: محمد (ﷺ!) کیا آپ کے رب کو یہ معلوم نہ تھا کہ ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے اور آپ سے یہ مطالبات کریں گے اور وہ آپ کو ہماری ان باتوں کے جوابات پہلے سے ہی سکھا دیتا اور وہ بتا دیتا کہ اگر ہم اس دین کو قبول نہ کریں جسے آپ لائے ہیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا کرنا چاہتا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ آپ کو یہ باتیں یمامہ کا ایک شخص سکھاتا ہے جس کا نام رحمان ہے، اللہ کی قسم ہم رحمان کے ساتھ کبھی بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ محمد (ﷺ) ہم نے آپ کے ہر طرح کے عذر کو ختم کر دیا ہے، لہٰذا آپ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کی وجہ سے ہم آپ کو کبھی بھی نہیں چھوڑیں گے حتی کہ ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں ہلاک کر دیں، ان میں سے ایک نے کہا کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، ایک اور نے کہا کہ ہم تو ایمان نہیں لائیں گے۔ حتی کہ جب انھوں نے یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ عبداللہ بن ابو اُمیّہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر[1] بن مخزوم بھی کھڑا ہو گیا، وہ آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا تھا، وہ کہنے لگا: محمد (ﷺ!) آپ کی قوم نے پیشکش کی مگر آپ نے اسے قبول نہ کیا، پھر انھوں نے آپ سے اپنے لیے کچھ چیزوں کا مطالبہ کیا تاکہ وہ اس سے یہ جان لیں کہ اللہ کے ہاں آپ کا کتنا مقام و مرتبہ

[1] تفسیر طبری میں عمرو بن مخزوم اور سیرت ابن ہشام میں عمر بن مخزوم ہے۔

ہے مگر آپ نے اسے بھی پورا نہ کیا، پھر انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ جلدی سے اس عذاب کو بھی لے آئیں جس سے انھیں ڈراتے رہتے ہیں لیکن اللہ کی قسم! اگر آپ یہ سب کچھ کر بھی دکھائیں تو میرا خیال ہے کہ میں پھر بھی آپ کی تصدیق نہیں کروں گا، یہ کہہ کر وہ رسول اللہ ﷺ سے الگ ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ بھی نہایت افسردہ خاطر کاشانۂ نبوت میں تشریف لے آئے، آپ کو افسوس تھا کہ قوم کے آپ کو بلانے سے آپ نے ان کے ایمان کے بارے میں جو امید لگالی تھی وہ پوری نہ ہوئی بلکہ ایمان لانے کے بجائے وہ آپ سے کچھ اور بھی دور ہو گئے۔[1]

مشرکوں کے مطالبات پورے نہ کرنے کا سبب: اس محفل میں جمع ہونے والے ان مشرکوں کا ان سوالات سے مقصد اگر رہنمائی طلب کرنا ہوتا تو ان کے سوالات کو ضرور پورا کر دیا جاتا لیکن یہ بات اللہ تعالیٰ کو معلوم تھی کہ ان کے یہ مطالبات کفر و عناد پر مبنی ہیں، لہٰذا رسول اللہ ﷺ سے یہ کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو ان کے مطالبات کو پورا کر دیا جائے اگر انھوں نے پھر بھی کفر ہی کا اظہار کیا تو میں انھیں ایسا عذاب دوں گا جو اہل عالم میں سے کسی کو بھی نہ دیا گیا اور اگر آپ چاہیں تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کے دروازے کو کھول دیتا ہوں، آپ نے جواب دیا کہ [بَلْ بَابُ التَّوْبَةِ وَالرَّحْمَةِ] ''(اے اللہ!) بلکہ تو (ان کے لیے) توبہ اور رحمت کے دروازے کو (کھول دے۔)''[2]

یہ اس طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ ﴾ (بنی إسرآء یل 59:17) ''اور ہم نے نشانیاں بھیجنی اس لیے موقوف کر دیں کہ پہلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوت صالح علیہ السلام کی) کھلی نشانی دی تو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں ڈرانے ہی کے لیے ہوتی ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۣ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:7-11) ''اور وہ کہتے ہیں: یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے اس پر کوئی فرشتہ کیوں نازل نہیں کیا گیا کہ اس کے ساتھ ڈرانے والا ہوتا یا اس کی طرف سے آسمان سے خزانہ اتارا جاتا یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک جادو زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو۔ (اے پیغمبر!) دیکھو تو یہ

[1] تفسير الطبري: 204/15-207 و السيرة النبوية لابن هشام، ما داربين رسول ﷺ وبين رؤساء قريش......: 295/1-298.

[2] مسند أحمد: 242/1. سیاق قدرے مختلف ہے بہر حال حدیث صحیح ہے۔ مزید دیکھیے المستدرك للحاكم، الإيمان: 53/1، 54، حديث: 174 و المعجم الكبير للطبراني، عمران السُلَمي أبو الحكم عن ابن عباس: 152/12، حديث: 12736 و السنن الكبرى للبيهقي، السير، باب مبتدأ الفرض على النبي ﷺ......: 8/9.

آپ کے بارے میں کس کس طرح کی مثالیں بیان کرتے ہیں، سو گمراہ ہوگئے اور رستہ نہیں پا سکتے۔ وہ (اللہ) بہت بابرکت ہے جو اگر چاہے تو آپ کے لیے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دے (یعنی) باغات جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں، نیز آپ کے لیے محل بنا دے۔ بلکہ یہ تو قیامت ہی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں کے لیے بھڑکتا دوزخ تیار کر رکھا ہے۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰی تَفۡجُرَ لَنَا مِنَ الۡاَرۡضِ یَنۡۢبُوۡعًا﴾ ''یہاں تک کہ آپ ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دیں۔'' ینبوع، رواں دواں چشمے کو کہتے ہیں۔ مشرکین نے سوال کیا کہ ان کے لیے ارض حجاز میں ایک چشمہ جاری کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے چشمہ جاری کرنا کچھ مشکل نہ تھا، اگرچہ وہ چاہتا تو چشمہ جاری فرما دیتا اور ان کے دیگر تمام مطالبات کو بھی پورا کر دیتا لیکن اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ یہ لوگ ان مطالبات کے پورا ہونے پر بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ حَقَّتۡ عَلَیۡہِمۡ کَلِمَتُ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۙ وَلَوۡ جَآءَتۡہُمۡ کُلُّ اٰیَۃٍ حَتّٰی یَرَوُا الۡعَذَابَ الۡاَلِیۡمَ ﴾ (یونس 10:96,97) ''یقیناً جن کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے، جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں، خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَیۡہِمُ الۡمَلٰٓئِکَۃَ وَکَلَّمَہُمُ الۡمَوۡتٰی وَحَشَرۡنَا عَلَیۡہِمۡ کُلَّ شَیۡءٍ قُبُلًا مَّا کَانُوۡا لِیُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ وَلٰکِنَّ اَکۡثَرَہُمۡ یَجۡہَلُوۡنَ ﴾ (الأنعام 6:111) ''اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ، لیکن ان کے اکثر نادان ہیں۔''

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ کَمَا زَعَمۡتَ عَلَیۡنَا کِسَفًا﴾ ''یا جیسا کہ آپ گمان کرتے ہیں ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گرائیں۔'' یعنی آپ ہم سے یہ کہا کرتے ہیں کہ قیامت کے دن یہ آسمان پھٹ جائے گا اور اس کے کنارے ٹوٹ پھوٹ جائیں گے تو جلدی کریں اور آسمان کو توڑ کر اس کے ٹکڑے ہم پر گرا دیں۔ اسی طرح انھوں نے یہ بھی کہا تھا: ﴿وَاِذۡ قَالُوا اللّٰہُمَّ اِنۡ کَانَ ہٰذَا ہُوَ الۡحَقَّ مِنۡ عِنۡدِکَ فَاَمۡطِرۡ عَلَیۡنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائۡتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴾ (الأنفال 8:32) ''اور جب وہ کہنے لگے: اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب لے آ۔'' اس طرح قوم شعیب نے بھی حضرت شعیب علیہ السلام سے یہ کہا تھا: ﴿فَاَسۡقِطۡ عَلَیۡنَا کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنۡ کُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴾ (الشعرآء 26:187) ''سو اگر آپ سچوں سے ہیں تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرائیں۔''

اللہ تعالیٰ نے انھیں سائبان کے عذاب کی صورت میں سزا دی، بے شک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا مگر نبی رحمت اور نبی توبہ نے جنھیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انھیں مہلت دے دی جائے، شاید اللہ تعالیٰ ان کی اولاد سے کچھ ایسے لوگ پیدا کر دے جو اللہ کی عبادت کریں اور اس کی ذات گرامی کے ساتھ شرک نہ کریں۔ اور فی الواقع ایسا ہی ہوا کہ ان مذکورہ بالا لوگوں میں سے کچھ مشرف بہ اسلام ہوگئے حتی کہ عبداللہ بن ابو امیہ بھی جس نے بہت بڑھ چڑھ کر رسول اللہ ﷺ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿94﴾ قُلْ

اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد ان کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے بشر رسول بھیجا ہے؟﴿94﴾

لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿95﴾

کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو یہاں مطمئن ہوکر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے ﴿95﴾

سے باتیں کی تھیں، ایک دن یہ بھی مکمل دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ ﴾ ”یا آپ کے لیے ایک سونے کا گھر ہو۔“ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ فرماتے ہیں کہ زخرف کے معنی سونے کے ہیں۔ [1] ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں [أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ ذَهَبٍ] ہے۔ [2] ﴿ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ﴾ ”یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں۔“ یعنی آسمان پر جانے کے لیے آپ سیڑھی پر چڑھیں اور ہم آپ کو دیکھیں۔ ﴿ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ﴾ ”اور ہم آپ کے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے، جب تک کوئی کتاب نہ لائیں جسے ہم پڑھ بھی لیں۔“ مجاہد کہتے ہیں کہ انھوں نے مطالبہ یہ کیا تھا کہ ہم میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک کتاب ہو جس میں یہ لکھا ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کتاب فلاں بن فلاں کے لیے ہے اور وہ کتاب اس کے پاس رکھی ہوئی ہو۔ [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿93﴾ ﴾ ”کہہ دیں کہ میرا پروردگار پاک ہے، میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔“ اللہ تعالیٰ کی قدرت پاک ہے کہ اس کے امور سلطنت وملکوت میں سے کسی امر کے بارے میں کوئی اس سے پیش قدمی کر سکے بلکہ وہ جو چاہتا ہے اسے کر گزرتا ہے، وہ اگر چاہے تو تمھارے مطالبات پورے کر دے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے اور میں تو تمھاری طرف اس کا رسول ہوں، میرا فرض اپنے رب کے پیغامات کو تم تک پہنچانا اور تمھاری ہمدردی اور خیر خواہی کرنا ہے اور یہ فرض میں نے ادا کر دیا ہے باقی رہے تمھارے سوالات اور تمھارے مطالبات تو وہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہیں۔

تفسیر آیات: 95,94

رسول کی بشریت کی وجہ سے مشرکین کا ایمان لانے سے انکار: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا ﴾ ”اور لوگوں کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی۔“ یعنی اکثر لوگوں کو ایمان لانے اور رسولوں کی پیروی کرنے سے یہ بات مانع ہوئی کہ انھوں نے تعجب کیا کہ انسانوں کو رسول بنا کر کیوں بھیجا گیا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (یونس 10: 2) ”کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انھی میں سے ایک مرد کو حکم بھیجا کہ

---

[1] تفسیر الطبری:15/203. [2] تفسیر الطبری:15/203. [3] تفسیر الطبری:15/204.

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿96﴾

کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ (بطور) گواہ کافی ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے خوب باخبر اور (انھیں) خوب دیکھنے والا ہے ﴿96﴾

لوگوں کو ڈر سنا دیں اور ایمان لانے والوں کو خوش خبری دے دیں کہ ان کے پروردگار کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے (ایسے شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ز ﴾ (التغابن 64:6) ''یہ اس لیے کہ ان کے پاس پیغمبر کھلی دلیلیں لے کر آئے تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں۔'' فرعون اور اس کے سرداروں نے کہا: ﴿ اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ﴾ (المؤمنون 23:47) ''کیا ہم ان اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں، حالانکہ ان دونوں (کی قوم) کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں؟'' اسی طرح اور لوگوں نے بھی اپنے رسولوں سے کہا تھا: ﴿ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ○ ﴾ (إبراهيم 14:10) ''تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو، تمھارا یہ منشا ہے کہ جن چیزوں کو ہمارے بڑے پوجتے رہے ہیں ان (کے پوجنے) سے ہم کو روک دو، تو (اچھا) کوئی کھلی دلیل لاؤ (معجزہ دکھاؤ۔)''

اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنے لطف وکرم کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ انھی کی جنس میں سے رسول اس لیے بھیجتا ہے تاکہ وہ اس کی بات کو سمجھ سکیں کیونکہ ان کے لیے اس سے گفتگو کرنا اور ہم کلام ہونا ممکن ہے۔ اگر انسانوں کی طرف سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا تو انسانوں کے لیے فرشتے کا سامنا کرنا اور اس سے دین کو اخذ کرنا ممکن ہی نہ ہوتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ (آل عمران 3:164) ''اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انھیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔'' اور فرمایا: ﴿ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ﴾ (التوبة 9:128) ''(لوگو!) البتہ تحقیق تمھارے پاس تمھی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۚ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ○ ﴾ (البقرة 2:151,152) ''جس طرح (منجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تم میں تمھی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتے اور تمھیں پاک کرتے اور کتاب (قرآن) اور دانائی سکھاتے ہیں اور ایسی باتیں بتاتے ہیں جو تم پہلے نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھے یاد کیا کرو میں تمھیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا۔''

اسی لیے یہاں فرمایا ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿95﴾ ﴾ ''کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) مطمئن ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر اتارتے۔'' یعنی انھی کی جنس سے پیغمبر بھیجتے لیکن تم بشر ہو، اس لیے از راہ لطف وکرم ہم نے تم میں سے ایک انسان ہی کو رسول بنا کر تمھاری طرف بھیجا ہے۔

وَمَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہُمۡ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ

اور جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جسے وہ گمراہ کرے تو آپ ان کے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی دوست ہرگز نہ

وَنَحۡشُرُہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ عُمۡیًا وَّبُکۡمًا وَّصُمًّا ؕ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ؕ

پائیں گے اور ہم انھیں یوم قیامت چہرے کے بل، اندھے، گونگے اور بہرے اٹھائیں گے، انکا ٹھکانا جہنم ہوگا۔جب بھی وہ بجھنے لگے

کُلَّمَا خَبَتۡ زِدۡنٰہُمۡ سَعِیۡرًا ﴿97﴾

گی تو ہم ان کے لیے اور بھڑکا دیں گے ﴿97﴾

تفسیر آیت :96

اللہ ہی گواہ کافی وافی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی رہنمائی فرمائی ہے کہ اپنی نبوت کی صداقت کی دلیل کے طور پر وہ ان مشرکوں سے یہ کہیں کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، وہ اسے جانتا ہے جو میں تمھارے پاس لایا ہوں، اگر میں جھوٹا ہوتا تو وہ مجھ سے شدید انتقام لیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ۙ﴿۴۴﴾ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ ﴿ۙ۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡہُ الۡوَتِیۡنَ ﴿۫ۖ۴۶﴾ ﴾ (الحاقة 69:44-46) ”اور اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنالاتے تو ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔“

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّہٗ کَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیۡرًۢا بَصِیۡرًا ﴿۹۶﴾ ﴾ ”یقیناً وہی اپنے بندوں سے بڑا خبردار (اور ان کو) خوب دیکھنے والا ہے۔“ یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ ان میں سے کون انعام واحسان اور ہدایت کا مستحق ہے اور کون شقاوت وضلالت اور کج روی کا مستحق ہے، اسی لیے فرمایا: (دیکھیے آیت: 97)

تفسیر آیت :97

ہدایت وگمراہی اللہ کے ہاتھ میں ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مخلوق میں اسی کا تصرف کارفرما ہے، اسی کا حکم نافذ ہے اور کوئی اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتا جسے وہ ہدایت دے، اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا: ﴿ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہُمۡ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِہٖ ؕ ﴾ ”اور وہ جن کو گمراہ کرے تو تم اس (اللہ) کے سوا ان کے رفیق نہیں پاؤ گے۔“ جو انھیں ہدایت دے سکیں جیسا کہ فرمایا: ﴿ مَنۡ یَّہۡدِ اللّٰہُ فَہُوَ الۡمُہۡتَدِ ۚ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ وَلِیًّا مُّرۡشِدًا ﴿۱۷﴾ ﴾ (الکهف 17:18) ”جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو تم اس کے لیے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔“

گمراہوں کی سزا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَنَحۡشُرُہُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ ﴾ ”اور ہم ان کو قیامت کے دن اوندھے منہ اٹھائیں گے۔“ امام احمد رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عرض کی گئی: اے اللہ کے رسول! لوگوں کو اوندھے منہ کس طرح اٹھایا جائے گا؟ فرمایا: [إِنَّ الَّذِي أَمْشَاهُمْ عَلَى أَرْجُلِهِمْ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُمْشِيَهُمْ عَلَى وُجُوهِهِمْ] ”وہ ذات اقدس جس نے انھیں پاؤں کے بل چلایا، یقیناً وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ انھیں منہ کے بل چلائے۔“[1] اور اسے

[1] مسند أحمد:167/3.

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا

یہ ان کی سزا ہے، کیونکہ انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم (دوبارہ) از سر نو پیدا کر کے

جَدِيْدًا ﴿98﴾ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

اٹھائے جانے والے ہیں؟﴿98﴾ کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بے شک جس اللہ نے آسمان اور زمین تخلیق کیے، وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پھر تخلیق

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿99﴾

کر دے، اور اس (اللہ) نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں، پھر ظالموں نے انکار کیا مگر کفر کرنے سے (انکار نہ کیا)﴿99﴾

امام بخاری و مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ عُمْيًا ﴾ ''اندھے'' کہ دیکھتے نہیں ہوں گے، ﴿ وَّبُكْمًا ﴾ ''اور گونگے'' کہ بولتے نہیں ہوں گے، ﴿ وَّصُمًّا ﴾ ''اور بہرے'' کہ سنتے نہیں ہوں گے، یعنی ان کی یہ کیفیات مختلف حالات میں ہوں گی جس طرح یہ دنیا میں حق سے اندھے، گونگے اور بہرے بن گئے تھے، اسی طرح محشر میں سزا کے طور پر انھیں اندھا، گونگا اور بہرا بنا دیا جائے گا، حالانکہ وہاں انھیں ان قوتوں کی شدید ضرورت ہوگی، ﴿ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ ''ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔'' ﴿ كُلَّمَا خَبَتْ ﴾ ''جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ساکن ہونے کے ہیں۔[2] اور مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی آگ کے بجھنے کے ہیں۔[3] ﴿ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿97﴾ ﴾ ''تو ہم ان کو (عذاب دینے کے لیے) اور بھڑکا دیں گے'' اس کے شعلوں، حرارت اور انگاروں میں اور اضافہ کر دیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝ ﴾ (النبا 30:78) ''سو (اب مزہ) چکھو یقیناً ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔''

تفسیر آیات: 99,98

بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہڈیاں دوبارہ صحیح سالم ہو جائیں گی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ سزا جو ہم نے انھیں دی کہ انھیں اندھا، گونگا اور بہرا کر کے اٹھایا تو یہ اس لیے کہ یہ اسی سزا کے مستحق تھے کیونکہ انھوں نے ہماری آیات، یعنی دلائل و براہین کی تکذیب کی اور موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کو بہت بعید سمجھا۔ ﴿ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿98﴾ ﴾ ''اور کہتے تھے کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا یقیناً ہم از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟'' یعنی جب مر جانے کے بعد ہم بوسیدہ ہو جائیں گے اور ہمارے جسم کے ذرات زمین میں بکھر جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے، ان کے خلاف دلائل دیتے اور اپنی قدرت کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اور انھیں دوبارہ پیدا کرنا تو

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى ...... ﴾ (الفرقان 34:25)، حديث: 4760 وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب يحشر الكافر على وجهه، حديث: 2806. [2] تفسير الطبري: 210/15. [3] الدر المنثور: 369/4.

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ

کہہ دیجیے: اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو اس وقت تم انھیں خرچ ہو جانے کے ڈر سے ضرور روک لیتے۔ اور

الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿100﴾ ع

انسان نہایت ہی بخیل ہے ﴿100﴾

اس کے لیے اس سے کہیں آسان ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ ﴾ (المؤمن 57:40) ''آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے کی نسبت بڑا (کام) ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ ﴾ (الأحقاف 33:46) ''کیا انھوں نے نہیں سمجھا کہ جس اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور وہ ان کے پیدا کرنے سے نہیں تھکا، اس (بات) پر بھی قادر ہے کہ مردوں کو زندہ کر دے۔'' اور فرمایا: ﴿ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰى ۗ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ○ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ ﴾ (یٰس 82,81:36) ''بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے۔ کیوں نہیں! وہی سب کچھ پیدا کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے صرف یہی فرما دیتا ہے کہ ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ﴾ ''کیا انھوں نے نہیں دیکھا کہ بلاشبہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے (لوگ) پیدا کر دے۔'' یعنی قیامت کے دن ان کے جسموں کو اسی طرح دوبارہ پیدا کر دے جس طرح اس نے انھیں پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ ﴾ ''اور اس نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ شک نہیں۔'' اس نے انھیں دوبارہ پیدا کرنے اور قبروں سے اٹھا کھڑا کرنے کے لیے ایک وقت متعین اور ایک مدت مقرر کر رکھی ہے جس کا پورا ہونا ضروری ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ○ ﴾ (ھود 104:11) ''اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت متعین تک ہی تو تاخیر کر رہے ہیں۔''

تفسیر آیت:100

بخل انسانی طبیعت کا خاصہ ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) ان سے کہہ دیں کہ اے لوگو! اگر تم اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں تصرف کے مالک ہوتے: ﴿ لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ ﴾ ''تو تم خرچ ہونے کے خوف سے (ان کو) ضرور روک رکھتے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما وقتادہ فرماتے ہیں کہ تم فقر کے ڈر سے انھیں روک رکھتے۔[1] حالانکہ یہ خزانے کبھی بھی ختم نہ ہوں گے مگر بخل سے کام لینا تمھاری طبیعت اور خصلت ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿100﴾ ﴾ ''اور انسان بڑا تنگ دل ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ فرماتے ہیں کہ ﴿ قَتُوْرًا ﴿100﴾ ﴾ کے معنی بخیل اور کنجوس کے ہیں۔[2]

[1] تفسیر الطبری:212/15. [2] تفسیر الطبری:212/15.

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسۡـَٔلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اِذۡ جَآءَہُمۡ فَقَالَ لَہٗ فِرۡعَوۡنُ

اور البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں، چنانچہ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں، جب وہ ان کے پاس آیا تو فرعون نے اس سے کہا: اے

اِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰمُوۡسٰی مَسۡحُوۡرًا ﴿۱۰۱﴾ قَالَ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ ہٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

موسیٰ! بے شک میں تجھے سحر زدہ سمجھتا ہوں ﴿۱۰۱﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: تو یقیناً جان چکا ہے کہ یہ چیزیں آسمانوں اور زمین کے رب ہی نے واضح دلائل

وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّکَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّہُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ

بنا کر (غور کرنے کے لیے) نازل کی ہیں۔ اور اے فرعون! میں تو تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں ﴿۱۰۲﴾ پھر اس (فرعون) نے ارادہ کیا کہ انھیں اس زمین

فَاَغۡرَقۡنٰہُ وَمَنۡ مَّعَہٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾ۙ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ

سے اکھاڑ دے تو ہم نے اسے اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا ﴿۱۰۳﴾ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اس زمین میں رہو، پھر

وَعۡدُ الۡاٰخِرَۃِ جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا ﴿۱۰۴﴾ؕ

جب آخرت کا وعدہ آئے گا تو ہم تم سب کو سمیٹ لائیں گے ﴿۱۰۴﴾

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَمۡ لَہُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡکِ فَاِذًا لَّا یُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِیۡرًا ۙ﴾ (النسآء4:53) ”(کیا وہ سمجھتے ہیں کہ) ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے، پھر تو وہ لوگوں کو (کھجور کی گٹھلی کے) شگاف برابر بھی نہ دیں گے۔“ یعنی ان کے لیے اگر اللہ کی بادشاہت کا کوئی حصہ ہوتا تو کسی کو (کھجور کی گٹھلی کے) شگاف برابر بھی کچھ نہ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے بارے میں فرمایا ہے کہ بحیثیت انسان اس کی عادت یہ ہے کہ وہ بخل سے کام لیتا، جزع فزع کرتا اور گھبراہٹ کا اظہار کرتا ہے، سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق و ہدایت فرما دے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ خُلِقَ ہَلُوۡعًا ۙ اِذَا مَسَّہُ الشَّرُّ جَزُوۡعًا ۙ وَّاِذَا مَسَّہُ الۡخَیۡرُ مَنُوۡعًا ۙ اِلَّا الۡمُصَلِّیۡنَ ۙ﴾ (المعارج 70:19-22) ”کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا کیا گیا ہے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے مگر نمازی لوگ۔“ قرآن عزیز میں اس مفہوم کی اور بھی آیات کریمہ ہیں۔

بہرحال یہ آیت اللہ تعالیٰ کے جود و کرم اور احسان پر دلالت کرتی ہے۔ بخاری و مسلم میں حدیث ہے: [يَدُ اللّٰهِ مَلأَىٰ لَا يَغِيضُهَا نَفَقَةٌ، سَحَّاءُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَقَالَ: أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْفَقَ مُنْذُ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ؟ فَإِنَّهُ لَمْ يَغِضْ مَا فِي (يَمِينِهِ)] ”اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اس قدر بھرا ہوا ہے کہ رات دن خرچ کرنا بھی اسے کم نہیں کر سکتا۔ بھلا دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت سے لے کر اب تک کتنا خرچ کیا ہے مگر (اس قدر بے حد و حساب خرچ کرنے کے باوجود) اس کے دائیں ہاتھ کے خزانے میں کوئی کمی نہیں آئی۔“[1]

[1] صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰه تعالٰی: ﴿ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ؕ﴾ (صٓ 38:75)، حدیث: 7411 جبکہ قوسین والا لفظ بخاری ہی کی حدیث: 7419 اور صحیح مسلم، الزکاۃ، باب الحث علی النفقۃ......، حدیث: (37)-993 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ میں ہے۔

تفسیر آیات:101-104

موسیٰ علیہ السلام کی نونشانیاں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیوں کے ساتھ مبعوث فرمایا اور یہ نشانیاں ان کی نبوت وصداقت کے قطعی دلائل تھے اور وہ نونشانیاں یہ تھیں:(1) عصا(2) ید بیضا(3) قحط سالی(4) دریا کا پھٹ جانا(5) طوفان(6) ٹڈیوں کا عذاب(7) جوؤں کا عذاب(8) مینڈکوں کا عذاب اور(9) خون کا عذاب۔ کھلی کھلی نشانیاں ہیں۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[1] محمد بن کعب کہتے ہیں کہ ان نونشانیوں سے مراد ید بیضا، عصا، پانچ وہ جو سورۂ اعراف میں مذکور ہیں:[2] طوفان، ٹڈی دَل، جوئیں، مینڈک، خون، موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے فرعون اور اس کے سرداروں کے مال کو برباد کرنا اور پتھر سے پانی کے چشموں کا جاری ہونا۔[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا ہے، نیز یہ مجاہد، عکرمہ، شعبی، اور قتادہ کا بھی قول ہے کہ ان سے مراد ید بیضا، عصا، قحط سالی، پھلوں میں کمی، طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون ہیں۔[4]

﴿فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ○﴾ (الأعراف 7:133) ''پھر انھوں نے تکبر ہی کیا اور وہ لوگ گناہ گار ہی تھے۔'' یعنی ان نشانیوں کے مشاہدے کے باوجود انھوں نے کفر کو اختیار کیے رکھا: ﴿وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا ؕ﴾ (النمل 27:14) ''اور بے انصافی اور غرور سے انھوں نے ان سے انکار کیا لیکن ان کے دل ان کو مان چکے تھے۔''

یہ نشانیاں بھی ان کو کوئی فائدہ نہ دے سکیں، اس طرح اگر ہم ان کے مطالبات کو پورا بھی کر دیں جو انھوں نے آپ سے کیے ہیں اور جن کا ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝90﴾ سے لے کر آخر تک کی آیات میں ذکر کیا ہے تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے الا یہ کہ اللہ چاہے۔ فرعون نے بھی نشانیوں کے مشاہدے کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۝101﴾ ''موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں کہ یقیناً تم پر جادو کیا گیا ہے۔'' یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مسحور بمعنی ساحر ہے وَاللّٰهُ تَعَالٰى أَعْلَمُ. یہ نو آیات جن کا ان ائمہ نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے دو کا حسب ذیل آیات میں ذکر ہے: ﴿وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ۖ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًۢا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ ۫ فِيْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ○﴾ (النمل 27:10-12) ''اور اپنی لاٹھی ڈال دو، پھر جب اسے دیکھا کہ وہ ہل رہی تھی، گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر پلٹے اور پیچھے نہ مڑے، (حکم ہوا کہ) اے موسیٰ! ڈرو مت، ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ ہاں، جس نے ظلم کیا، پھر برائی کے بعد اسے نیکی سے بدل دیا تو بلاشبہ میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو بے عیب چٹا سفید نکلے گا (ان دو معجزوں کے ساتھ جو) نو معجزوں میں (داخل) ہیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس (جاؤ) کہ وہ بدکردار لوگ ہیں۔''

---

[1] تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس، ص: 242 و تفسیر الطبری:213/15. [2] دیکھیے الأعراف، آیت: 133. [3] تفسیر الطبری:213/15. [4] تفسیر الطبری:214/15.

ان آیات میں نونشانیوں میں سے دو: عصا اور ید بیضا کا ذکر ہے اور باقی نشانیوں کو تفصیل کے ساتھ سورۂ اعراف میں بیان کیا گیا ہے۔[1] موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ اور بھی بہت سی نشانیاں دی گئی تھیں، مثلاً: پتھر پر عصا کا مارنا اور اس سے پانی کا نکلنا، بادل کا بنی اسرائیل پر سایہ فگن ہونا، من وسلویٰ کا نازل ہونا اور دیگر بہت سی نشانیاں جو بنی اسرائیل کو بلاد مصر چھوڑنے کے بعد دی گئی تھیں لیکن یہاں صرف ان نونشانیوں کا ذکر ہے جن کا اہل مصر، یعنی فرعون اور اس کی قوم نے مشاہدہ کیا تھا اور یہ ان کے خلاف حجت تھیں اور از راہ کفر وعناد انھوں نے ان کی مخالفت کی تھی، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا: ﴿ لَقَدۡ عَلِمۡتَ مَاۤ اَنۡزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ بَصَآئِرَ ۚ ﴾ ”البتہ تحقیق تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے پروردگار کے سوا اس کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) دکھانے کے لیے۔“ اور میں تمھارے پاس جس دین وشریعت کو لے کر آیا ہوں اس کی صداقت کے دلائل و براہین ہیں۔ ﴿ وَاِنِّیۡ لَاَظُنُّكَ یٰفِرۡعَوۡنُ مَثۡبُوۡرًا ﴿۱۰۲﴾ ﴾ ”اور اے فرعون! بلاشبہ میں تو تجھے ہلاک کیا ہوا سمجھتا ہوں۔“ مثبوراً کے معنی ہلاک ہونے والے کے ہیں یہ مجاہد وقتادہ کا قول ہے۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی مغلوب کے بھی بیان کیے جاتے ہیں۔[3] اور مجاہد نے اس کے معنی ہلاک ہونے والے کے جو بیان کیے ہیں تو یہ ان سب کو شامل ہے۔

فرعون اور اس کی قوم کی ہلاکت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاَرَادَ اَنۡ یَّسۡتَفِزَّهُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ﴾ ”تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے ہلکا سمجھ کر نکال دے۔“ یعنی انھیں مصر سے دور کر دے اور جلا وطن کر دے۔ ﴿ فَاَغۡرَقۡنٰهُ وَمَنۡ مَّعَهٗ جَمِیۡعًا ﴿۱۰۳﴾ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ ﴾ ”تو ہم نے اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو ڈبو دیا اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم (اس) زمین میں رہو سہو۔“ اس آیت کریمہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فتح مکہ کی بشارت بھی تھی، حالانکہ یہ سورت مکی ہے اور ہجرت سے پہلے نازل ہوئی ہے اور یہ بشارت پوری بھی ہوئی، مکہ والوں نے تو آپ کو شہر سے نکال دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِنۡ کَادُوۡا لَیَسۡتَفِزُّوۡنَكَ مِنَ الۡاَرۡضِ لِیُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا ﴾ (بنیٓ إسرآءیل 76:17) ”اور قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو زمین (مکہ) سے ہلکا سمجھ کر پھسلا دیں تا کہ آپ کو وہاں سے نکال دیں۔“ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مکہ کا وارث بنا دیا اور مشہور قول کے مطابق آپ مکہ میں زبردستی داخل ہوئے تھے وہاں کے لوگوں پر غلبہ وتسلط حاصل کر لیا تھا اور پھر حلم اور کرم کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ نے انھیں آزاد کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قبل ازیں بنی اسرائیل کو جنھیں مشرق ومغرب میں کمزور سمجھا جاتا تھا، فرعون کے علاقوں، مالوں، کھیتوں، پھلوں اور خزانوں کا وارث بنا دیا تھا جیسا کہ فرمایا: ﴿ کَذٰلِكَ ؕ وَاَوۡرَثۡنٰهَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴿ؕ ﴾ (الشعرآء 59:26) ”(ان کے ساتھ ہم نے) اس طرح (کیا) اور ان (چیزوں) کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَّقُلۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ لِبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اسۡکُنُوا الۡاَرۡضَ فَاِذَا جَآءَ وَعۡدُ الۡاٰخِرَةِ جِئۡنَا بِکُمۡ

---

[1] دیکھیے الأعراف، آیات:132-135 کے ذیل میں عنوان: ”قوم فرعون کی سرکشی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف عذاب“ [2] تفسیر الطبری:219,218/15 . [3] تفسیر الطبری:218/15 .

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿105﴾ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ

اور ہم نے اس (قرآن) کو حق ہی کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق ہی کے ساتھ نازل ہوا، اور ہم نے آپ کو صرف بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا

لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿106﴾

کر بھیجا ہے ﴿105﴾ اور قرآن کو ہم نے جدا جدا (کر کے نازل) کیا، تاکہ آپ اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں، اور ہم نے اسے بتدریج ہی نازل کیا ہے ﴿106﴾

﴿ لَفِيْفًا ﴿104﴾ ﴾ ''اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ تم (اس) زمین میں رہو سہو، پھر جب آخرت کا وعدہ آ جائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے لے آئیں گے۔'' یعنی تمھیں اور تمھارے دشمنوں سب کو لے آئیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور ضحاک فرماتے ہیں کہ لفیف کے معنی سب کے ہیں۔[1]

تفسیر آیات: 106,105

قرآن کا سچائی کے ساتھ تھوڑا تھوڑا نازل ہونا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز قرآن مجید کے بارے میں فرمایا ہے کہ اسے سچائی کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اور یہ سچائی پر مشتمل ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ﴾ (النسآء 166:4) ''لیکن اللہ نے جو (کتاب) تم پر نازل کی ہے اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے۔'' یعنی یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق نازل ہوئی ہے اور اس نے ارادہ فرمایا کہ تمھیں اپنے احکام اور امر و نہی سے مطلع فرمائے۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ﴾ ''اور سچائی کے ساتھ نازل ہوا ہے۔'' یعنی اے محمد ﷺ! یہ قرآن ہر اعتبار سے محفوظ نازل ہوا ہے، اس میں کسی دوسری چیز کی آمیزش نہیں اور نہ کوئی کمی بیشی ہے بلکہ آپ کے پاس یہ حق کے ساتھ پہنچی ہے اور ایسا فرشتہ لے کر نازل ہوا ہے جو نہایت قوت والا، امانت دار و دیانت دار اور ملاء اعلیٰ میں جس کی فرماں برداری کی جاتی ہے۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿105﴾ ﴾ ''اور! ہم نے آپ کو صرف خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔'' یعنی آپ اپنے اطاعت گزاروں اور ایمان داروں کو خوش خبری دیتے ہیں اور نافرمانوں اور کافروں کو ڈراتے ہیں۔

فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ ﴾ ''اور ہم نے اس قرآن کو جز جز (کر کے نازل) کیا ہے۔'' ﴿ فَرَقْنٰهُ ﴾ کو تخفیف کی صورت میں پڑھنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے اسے لوح محفوظ سے الگ کر کے آسمان دنیا کے بیت العزت میں نازل کیا اور پھر وہاں سے حسب حالات و واقعات تیئس سالوں میں رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا، عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کیا ہے۔[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے تشدید کے ساتھ [فَرَّقْنَاهُ] بھی پڑھا ہے۔[3] اس قراءت کے مطابق اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے اسے ایک ایک آیت روشن اور واضح طور پر نازل کیا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ ﴾ ''تاکہ آپ اسے لوگوں پر (ٹھہر ٹھہر کر) پڑھیں۔'' یعنی آپ لوگوں تک اسے پہنچا دیں۔ اور لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سنا دیں: ﴿ عَلٰى مُكْثٍ ﴾

---

① تفسیر الطبری: 220/15. ② تفسیر الطبری: 222/15. ③ تفسیر الطبری: 222/15. ملحوظہ: تفسیر طبری کے مذکورہ حوالے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ رحمہ اللہ سے منقول روایت میں 20 سال کا ذکر ہے۔

قُلۡ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ یَخِرُّوۡنَ

کہہ دیجیے: اس پر ایمان لاؤ یا ایمان نہ لاؤ، بلاشبہ جنھیں اس سے پہلے علم دیا گیا، جب ان پر تلاوت کی جاتی ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے

لِلۡاَذۡقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوۡلُوۡنَ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوۡنَ

میں گر پڑتے ہیں ﴿۱۰۷﴾ اور وہ کہتے ہیں: پاک ہے ہمارا رب، بے شک ہمارے رب کا وعدہ ضرور پورا ہونا ہے ﴿۱۰۸﴾ اور وہ روتے ہوئے اپنی ٹھوڑیوں

لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ وَ یَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدۃ

السجدۃ 4

کے بل گر پڑتے ہیں اور یہ (قرآن) ان کے خشوع کو زیادہ کرتا ہے ﴿۱۰۹﴾

''ٹھہر ٹھہر کر۔'' ﴿ وَنَزَّلۡنٰهُ تَنۡزِیۡلًا ﴿۱۰۶﴾ ﴾ ''اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔'' یعنی اسے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا ہے۔

تفسیر آیات: 107-109

قرآن حق ہے، سابقہ اہل علم کو اس کا اعتراف ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا ہے۔ ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہہ دیجیے۔'' اے محمد (ﷺ!) ان کافروں سے کہہ دیں جن کے پاس آپ اس قرآن عظیم کو لے کر آئے: ﴿ اٰمِنُوۡا بِهٖۤ اَوۡ لَا تُؤۡمِنُوۡا ؕ ﴾ ''تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔'' قرآن فی نفسہٖ حق ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے، سابقہ زمانوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں میں اس کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائی تھیں، اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ ﴾ ''بے شک جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے۔'' ان صالحین اہل کتاب کو جنھوں نے اپنی کتاب کو مضبوطی سے تھاما، وہ اسے بھی قائم کرتے اور اس میں کوئی تبدیلی و تحریف نہیں کرتے ﴿ اِذَا یُتۡلٰی عَلَیۡهِمۡ ﴾ ''جب وہ ان پر تلاوت کیا جاتا ہے۔'' یعنی قرآن ﴿ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ ﴾ ''وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں۔'' أَذقَان، ذَقَن کی جمع ہے، چہرے کے نچلے حصے، یعنی ٹھوڑی کو ذَقَن کہتے ہیں۔ ﴿ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ ﴾ ''سجدہ کرتے ہوئے۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور ان نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں جن سے اس نے انھیں نوازا ہے اور انھیں اس بات کی توفیق بخشی کہ انھوں نے اس رسول مقبول ﷺ کی زیارت کا شرف حاصل کیا جن پر اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو نازل فرمایا ہے، اسی لیے وہ کہتے ہیں: ﴿ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ ﴾ ''ہمارا پروردگار پاک ہے۔'' ہم اس کی قدرت کاملہ کی تعظیم و توقیر بجا لاتے ہیں کہ وہ اس وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرے گا جو اس نے اپنے سابقہ انبیاء کی زبانی محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں فرمایا تھا، اسی لیے انھوں نے کہا: ﴿ سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنۡ کَانَ وَعۡدُ رَبِّنَا لَمَفۡعُوۡلًا ﴿۱۰۸﴾ ﴾ ''ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہمارے پروردگار کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ یَخِرُّوۡنَ لِلۡاَذۡقَانِ یَبۡکُوۡنَ ﴾ ''اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے سامنے خشوع و خضوع کا اظہار کرتے اور اس کی کتاب اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں ﴿ وَ یَزِیۡدُهُمۡ خُشُوۡعًا ﴿۱۰۹﴾ ﴾ ''اور وہ ان کو عجز و انکسار میں زیادہ کر دیتا ہے۔'' یعنی ان کے ایمان و تسلیم میں اضافہ ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًی وَّ اٰتٰىهُمۡ تَقۡوٰىهُمۡ ○ ﴾ (محمد 17:47) ''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں، ان کو وہ مزید ہدایت بخشتا ہے اور انھیں پرہیز گاری عنایت کرتا ہے۔'' ﴿ وَ یَخِرُّوۡنَ ﴾ یہ صفت کا صفت پر عطف ہے،

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ

کہہ دیجیے: (اللہ کو) "اللہ" کہہ کر پکارو یا "رحمٰن" کہہ کر، تم جس نام سے بھی پکارو تو اسی کے لیے اچھے سے اچھے نام ہیں، اور اپنی نماز نہ بلند آواز

بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿110﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ

سے پڑھیں نہ بالکل پست آواز سے، بلکہ اس کے بین بین راستہ اختیار کریں ﴿110﴾ اور کہہ دیجیے: ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے (اپنے لیے)

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ

کوئی اولاد نہیں بنائی اور نہ بادشاہی میں اس کے لیے کوئی شریک ہے اور نہ اسے ناتوانی (وکمزوری) کی وجہ سے کوئی حمایتی درکار ہے اور آپ اس

الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿111﴾

ع 12 11 12

(اللہ) کی بڑائی بیان کریں، کمال درجے کی بڑائی ﴿111﴾

سجدے کا سجدے پر عطف نہیں ہے۔ ①

تفسیر آیات: 111,110

اللہ تعالیٰ کے سب نام اچھے ہیں: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!)۔ ﴿قُلِ﴾ "کہہ دیں" ان مشرکوں، اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے منکروں اور اس کے اسم پاک رحمان کا انکار کرنے والوں سے: ﴿ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ﴾ "تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمٰن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اس کے سب نام اچھے ہیں۔" یعنی اسے اللہ کے نام سے پکارو یا رحمان کے نام سے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اس کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ○ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۭ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○﴾ (الحشر 59:22-24) "وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، بادشاہ (حقیقی)، پاک ذات، (ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا، اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے۔ وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) نئے سرے سے پیدا کرنے والا، وجود میں لانے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے اچھے نام ہیں، جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب، حکمت والا ہے۔"

مکحول نے روایت کیا ہے کہ ایک مشرک نے نبی ﷺ کو سجدوں میں یہ کہتے ہوئے سنا: یا رَحْمٰنُ یا رَحِیمُ تو وہ کہنے لگا کہ محمد تو کہتے ہیں کہ وہ ایک اللہ کو پکارتے ہیں، حالانکہ یہ تو دو کو پکار رہے ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اس آیت

① یہاں پہلی صفت (حال) ﴿سُجَّدًا﴾ اور دوسرا ﴿يَبْكُوْنَ﴾ ہے، یعنی ﴿وَيَخِرُّوْنَ﴾ کو مکرر لانے سے مقصود ان کے سجدہ کرنے کی تاکید نہیں بلکہ دوسرے ﴿وَيَخِرُّوْنَ﴾ سے ایک اور حالت کو بیان کرنا ہے اور وہ آہ وزاری ہے۔

کریمہ کو نازل فرمایا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ ان دونوں روایتوں کو ابن جریر نے بیان کیا ہے۔[1]

قراءت نہ بلند آواز سے نہ آہستہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ ''اور آپ اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں۔'' امام احمد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے، یہ آیت کریمہ ان دنوں نازل ہوئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں چھپ کر عبادت کرتے تھے، البتہ آپ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھاتے تو پھر قرآن مجید بلند آواز سے پڑھتے اور جب مشرک قرآن کو سنتے تو وہ قرآن کو بھی گالیاں دیتے، اس کے نازل کرنے والے کو بھی اور اسے لے کر نازل ہونے والے کو بھی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ ''اور آپ اپنی نماز نہ بلند آواز سے پڑھیں۔'' تاکہ مشرک قرآن کو سن کر گالیاں نہ دینے لگیں، ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ ''اور نہ اسے آہستہ'' کہ آپ کے ساتھی اسے سن ہی نہ سکیں اور اسے سیکھ ہی نہ سکیں، ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ ﴾ ''بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔''[2] اسے بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[3] ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے اور ان الفاظ کا اضافہ بھی کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو یہ حکم ساقط ہو گیا اور آپ کو اختیار دے دیا گیا کہ جس طرح چاہیں قراءت فرمائیں۔[4]

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں قرآن مجید کی بلند آواز سے قراءت فرماتے تو مشرک دور بھاگ جاتے اور قرآن سننے سے انکار کر دیتے اور اگر ان میں سے کوئی قرآن سننا چاہتا تو وہ اپنے دوسرے ساتھیوں سے ڈرتے ہوئے چھپ چھپ کر سنتا اور اگر وہ یہ سمجھتا کہ کافروں کو اس کے بارے میں معلوم ہو گیا ہے تو سننا چھوڑ دیتا تاکہ کافر اسے کوئی ایذا نہ پہنچائیں اور جب آپ آہستہ آہستہ آواز میں قراءت فرماتے تو وہ لوگ اسے سن نہ پاتے جو آپ کی قراءت کو سننا چاہتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرما دیا کہ نماز میں نہ بلند آواز سے پڑھو تاکہ لوگ آپ سے بھاگ ہی نہ جائیں اور نہ اس قدر آہستہ پڑھو کہ جو سننا چاہیں وہ اسے سن ہی نہ سکیں، ہو سکتا ہے کہ جو انھوں نے سنا ہو یہ اس کی طرف پلٹ آئیں اور اس طرح قرآن سننے سے انھیں فائدہ ہو جائے۔ ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ﴿١١٠﴾ ﴾ ''بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو۔''[5] امام حسن بصری، عکرمہ اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت نماز میں قرآن پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔[6] ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ اس شخص سے قراءت کو آہستہ نہ کرو جو آپ کی قراءت کی طرف کان لگانا چاہتا ہے۔[7]

توحید کا بیان: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ ﴾ ''اور

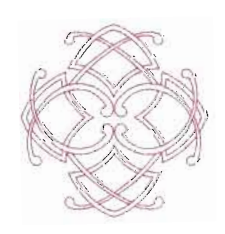
---

[1] تفسیر الطبری: 227/15 . [2] مسند أحمد: 23/1 [3] صحیح البخاری، التوحید، باب قوله: ﴿ أَنزَلَهُ بِعِلْمِهِ ۖ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ ﴾ (النسآء4:166)......، حدیث:7490 و صحیح مسلم، الصلاة، باب التوسط فی القراء ة فی الصلاة الجهرية ......، حدیث:446 . [4] تفسیر الطبری:230/15. [5] تفسیر الطبری:231/15 . [6] تفسیر الطبری: 233,232/15. [7] تفسیر الطبری:234/15.

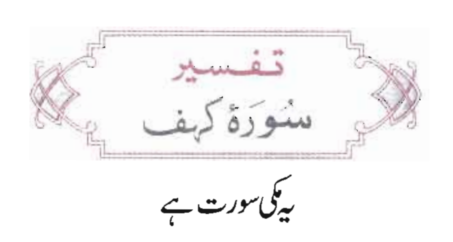
کہیں کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔'' وہ اللہ ایک ہے، بے نیاز ہے، نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں، ﴿ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ ﴾ ''اور نہ ناتوانی کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے۔'' یعنی وہ عاجز و ناتواں نہیں ہے کہ اسے کسی مددگار یا وزیر یا مشیر کی ضرورت ہو بلکہ وہ وحدہ لاشریک تو تمام اشیاء کا خالق اور اپنی مشیت کے ساتھ ان کی تدبیر کرنے والا اور ان کے اندازے مقرر فرمانے والا ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نہ کسی کا حلیف ہے اور نہ کسی کی مدد کا طلب گار۔[1] ﴿ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ ''اور اس (اللہ) کی خوب خوب بڑائی بیان کریں۔'' یعنی اس کی عظمت وجلالت بیان کریں کہ وہ اس بات سے پاک ہے جو یہ ظالم اور سرکش کہتے ہیں۔

ابن جریر نے قُرظی کی روایت کو بیان کیا ہے وہ اس آیت کے بارے میں کہا کرتے تھے: یہود ونصاریٰ کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عرب کہتے: حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس کے جسے تو خود اپنا شریک بنا لے، تو اس کا مالک ہے اور جس کا وہ مالک ہے اس کا بھی۔ اور صابی ومجوسی کہتے: اگر اللہ تعالیٰ کے مددگار نہ ہوتے تو وہ عاجز و ناتواں ہو جاتا۔ تو ان سب کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴾ ''اور کہیں کہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے اور نہ ناتوانی کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس (اللہ) کی خوب خوب بڑائی بیان کریں۔''[2]

سورۂ سبحان (بنی اسرائیل) کی تفسیر اختتام پذیر ہوئی، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.



[1] تفسیر الطبری:15/235 و تفسیر القرطبی:10/345. [2] تفسیر الطبری:15/236.



یہ مکی سورت ہے

فضیلت: امام احمد رحمہ اللہ نے براء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے سورۂ کہف کو پڑھا، اس وقت گھر میں ایک جانور بھی تھا، اس نے بدکنا شروع کر دیا، اس آدمی نے دیکھا تو ایک بادل سا تھا جس نے اسے ڈھانپ رکھا تھا، اس نے اس کا نبی ﷺ کے پاس ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: [اِقْرَأْ فُلَانُ! فَإِنَّهَا السَّكِينَةُ تَنَزَّلَتْ عِنْدَ الْقُرْآنِ أَوْتَنَزَّلَتْ لِلْقُرْآنِ] ''اے فلاں! اسے پڑھتے رہتے، یہ تو سکینت تھی جو قرآن کے پاس یا قرآن کے لیے نازل ہوتی تھی۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] یہ آدمی جو سورۂ کہف پڑھ رہا تھا، اس کا نام اُسید بن حُضَیر تھا جیسا کہ قبل ازیں سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔[3]

سورۂ کہف کی پہلی دس آیتیں پڑھنے والا فتنۂ دجال سے محفوظ رہے گا: امام احمد نے ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ حَفِظَ عَشْرَآيَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ سُورَةِ الْكَهْفِ، عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ] ''جو شخص سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لے تو وہ دجال سے محفوظ ہو جائے گا۔''[4] اسے امام مسلم، ابوداود، نسائی اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[5] اور ترمذی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: [مَنْ قَرَأَ ثَلَاثَ آيَاتٍ مِّنْ أَوَّلِ الْكَهْفِ ......] ''جس نے سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیات پڑھیں ......'' امام ترمذی نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

---

[1] مسند أحمد: 281/4. [2] صحيح البخاري، المناقب، باب علامات النبوة فى الإسلام، حديث: 3614 و صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب نزول السكينة لقراءة القرآن، حديث: (241)-795. [3] دیکھیے عنوان: ''فضیلت سورۂ بقرہ'' شارحینِ حدیث کی قراءت کرنے والے شخص کے بارے میں متعدد آراء ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اسید بن حضیر سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے اور دوسری دفعہ سورۂ کہف۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۂ کہف پڑھنے والے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ تھے۔ واللّٰه أعلم. [4] مسند أحمد: 196/5. [5] صحيح مسلم، صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل سورة الكهف ......، حديث: 809 و سنن أبي داود، الملاحم، باب خروج الدجال، حديث: 4323 و جامع الترمذي، فضائل القرآن، باب ماجاء فى فضل سورة الكهف، حديث: 2886، البتہ امام ترمذی کے بیان کردہ الفاظ ثقات کی مخالفت کی وجہ سے ناقابل قبول ہیں، دیکھیے السلسلة الضعيفة: 509/3، حديث: 1336 و السنن الكبرى للنسائي، عمل اليوم والليلة، ذكر اختلاف ألفاظ الناقلين......: 235/6، حديث: 10785 .

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ﴿1﴾ قَیِّمًا لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا

ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی کجی نہیں رکھی ① نہایت سیدھی (بغیر افراط و تفریط

شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ﴿2﴾

کے اتاری) تاکہ وہ اس (اللہ) کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے

مّٰاکِثِیۡنَ فِیۡہِ اَبَدًا ﴿3﴾ وَّ یُنۡذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ﴿4﴾ مَا لَہُمۡ بِہٖ مِنۡ عِلۡمٍ

لیے اچھا اجر ہے ② اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے ③ اور وہ لوگوں کو ڈرائے جنھوں نے کہا کہ اللہ نے کوئی اولاد بنائی ہے ④ نہ انھیں اس

وَّ لَا لِاٰبَآئِہِمۡ ؕ کَبُرَتۡ کَلِمَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ اَفۡوَاہِہِمۡ ؕ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡنَ اِلَّا کَذِبًا ﴿5﴾

(بات) کا کوئی علم ہے اور نہ ان کے باپ دادا کو، بڑی (ہی خطرناک) بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے، وہ تو سراسر جھوٹ ہی بکتے ہیں ⑤

امام حاکم نے مستدرک میں ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ أَضَاءَ لَهُ مِنَ النُّورِ مَا بَيْنَ الْجُمُعَتَيْنِ] ''جو شخص جمعے کے دن سورۂ کہف پڑھے تو یہ سورت دونوں جمعوں کے درمیان اس کے لیے نور کا باعث ہوگی۔''[1] امام حاکم نے کہا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے مگر امام بخاری و مسلم نے اسے بیان نہیں فرمایا۔

امام حافظ ابوبکر بیہقی نے بھی اپنی سنن میں اسے امام حاکم سے روایت کیا ہے، پھر امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ یہ بھی روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ كَمَا نَزَلَتْ، كَانَتْ لَهُ نُورًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ] ''جس نے سورۂ کہف کو اس طرح پڑھا جس طرح یہ نازل ہوئی ہے تو قیامت کے دن یہ اس کے لیے نور ہوگی۔''[2]

تفسیر آیات:1-5

قرآن مجید بحیثیت بشیر و نذیر: تفسیر کے آغاز میں بیان کیا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز اور اختتام کے موقع پر اپنی ذات پاک کی حمد بیان فرمائی ہے۔[3] وہ ذات اقدس تو ہر حال میں قابل تعریف ہے، اسی کے لیے دنیا و آخرت میں حمد ہے، اسی لیے جہاں اس نے اپنے رسول کریم محمد ﷺ پر اپنی کتاب عزیز نازل کرنے کا ذکر فرمایا، وہاں اپنی ذات گرامی کی حمد بیان فرمائی ہے کیونکہ اہل زمین پر یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے عظیم الشان نعمت ہے کہ اس کے ساتھ اس نے اہل زمین کو اندھیروں سے نکال کر روشنی تک پہنچا دیا۔ اور اس نے اسے ایک ایسی کتاب مستقیم بنایا کہ اس میں کوئی ٹیڑھ پن یا کجی نہیں ہے بلکہ یہ

① المستدرك للحاكم، التفسير، تفسير سورة الكهف: 368/2، حديث: 3392 والسنن الكبرٰى للبيهقي، الجمعة، باب مايؤمر به في ليلة الجمعة……: 249/3 اور دیکھیے إرواء الغليل: 93/3، حديث: 626. ② السنن الكبرٰى للبيهقي، الجمعة، باب مايؤمر به في ليلة الجمعة……: 249/3. ③ دیکھیے سورۂ فاتحہ کے تحت عنوان: ''حمد کے معنی''

کتاب تو ایسے سیدھے رستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو واضح، روشن، صاف اور نمایاں ہے۔ اور یہ کافروں کو ڈرانے والی اور مومنوں کو خوشخبری دینے والی کتاب ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ① ﴾ ''اور اس نے اس میں کسی طرح کی کجی نہیں رکھی۔'' یعنی اس نے اس کتاب میں کسی طرح کا ٹیڑھ پن، کجی اور کوئی پیچیدگی نہیں رکھی بلکہ اس نے اسے معتدل اور مستقیم بنا دیا ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ ﴾ ''اس حال میں کہ وہ سیدھی ہے تاکہ وہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے جو اس (اللہ) کی طرف سے (آنے والا) ہے، ڈرائے۔'' یعنی جو اس کی مخالفت اور تکذیب کرتا ہے اور اس پر ایمان نہیں رکھتا اسے سخت عذاب سے ڈرائے جو دنیا کے عذاب اور آخرت کی سزا کی صورت میں ہے، پھر وہ عذاب اور سزا اس اللہ کی طرف سے ہے کہ نہ کوئی اس کے عذاب کی طرح کسی کو عذاب دے سکتا ہے اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑ سکتا ہے۔

﴿ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اور مومنوں کو خوش خبری سنائے۔'' یعنی ان لوگوں کو جو اس قرآن کے ساتھ ایمان رکھتے، پھر عمل صالح کے ساتھ اپنے ایمان کی تصدیق کرتے ہیں۔ ﴿ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ② ﴾ ''بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔'' ﴿ مّٰكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ③ ﴾ ''جس میں وہ ابدالآباد رہیں گے۔'' اللہ تعالیٰ کے ہاں انھیں بہت اچھا بدلہ ملے گا اور وہ جنت ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، جنت کو نہ کبھی زوال ہوگا اور نہ کبھی یہ ختم ہوگی۔

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ④ ﴾ ''اور ان لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے (کسی کو) بیٹا بنا لیا ہے۔'' ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ان سے مراد مشرکین عرب ہیں جو یہ کہتے تھے کہ ہم فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ [1] ﴿ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ﴾ ''ان کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں۔'' یعنی اس قول کا جس کو انھوں نے از خود گھڑ لیا ہے۔ ﴿ وَّلَا لِاٰبَآىِٕهِمْ ؕ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ ﴾ ''اور نہ ان کے باپ دادا ہی کو تھا (یہ) بڑی (خطرناک) بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکلتی ہے۔'' اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤ ﴾ ''(اور کچھ شک نہیں) کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے۔'' یہ ان کی بات کی خرابی اور ان کے افترا کی قباحت کو بیان کیا گیا ہے کہ سوائے کذب وافترا کے ان کے پاس اور کوئی دلیل نہیں۔

سبب نزول: محمد بن اسحاق نے اس سورۂ کریمہ کا سبب نزول بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ مجھ سے اہل مصر میں سے ایک شیخ نے بیان کیا جو ہمارے پاس قریباً چالیس سال قبل آئے تھے اور انھوں نے اسے عکرمہ سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قریش نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابومُعَیط کو مدینہ میں احبارِ یہود کے پاس بھیجا کہ محمد (ﷺ) کے اوصاف و حالات بیان کرنے کے بعد ان سے آپ کے بارے میں پوچھیں کیونکہ وہ اہل کتاب ہیں اور انھیں انبیائے کرام کے بارے میں وہ علم ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے۔ یہ لوگ مکہ سے چل کر مدینہ پہنچے اور انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے اوصاف، حالات اور آپ کے بعض ارشادات بیان کرنے کے بعد احبار یہود سے کہا کہ تم اہل تورات ہو، ہم تمھارے پاس اس لیے آئے ہیں

---

① تفسیر الطبری:241/15.

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمۡ اِنۡ لَّمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٰذَا الۡحَدِيۡثِ اَسَفًا ⑥ اِنَّا

پھر شاید آپ تو خود کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کرنے والے ہیں اگر یہ (کافر) اس بات (قرآن) پر ایمان نہ لائیں ⑥ بلاشبہ ہم نے جو کچھ روئے

جَعَلۡنَا مَا عَلَى الۡاَرۡضِ زِيۡنَةً لَّهَا لِنَبۡلُوَهُمۡ اَيُّهُمۡ اَحۡسَنُ عَمَلًا ⑦ وَاِنَّا لَجٰعِلُوۡنَ

زمین پر ہے، اسے اس کی زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں کہ ان میں عمل کے لحاظ سے کون زیادہ اچھا ہے ⑦ اور جو کچھ اس (زمین) پر ہے،

مَا عَلَيۡهَا صَعِيۡدًا جُرُزًا ⑧

بلاشبہ یقیناً ہم اسے چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں ⑧

تاکہ ہم یہ معلوم کریں کہ ہمارے اس ساتھی کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم تمھیں یہ حکم دیتے ہیں کہ ان سے تین سوالات پوچھو اگر انھوں نے ان کے جواب دے دیے تو وہ نبی مُرسل ہیں اور اگر جواب نہ دے سکیں تو وہ باتیں بنانے والے ہیں اور ان کے بارے میں تم خود ہی رائے قائم کر لینا۔ (1) ان سے پہلے زمانے کے ان نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جو مفقود ہو گئے تھے، ان کا کیا معاملہ تھا؟ کیونکہ ان کا معاملہ واقعی بہت عجیب تھا۔ (2) ان سے اس سیاح کے بارے میں پوچھو کہ اس کا کیا قصہ ہے جو زمین کے مشرق و مغرب تک پہنچ گیا تھا۔ اور (3) ان سے یہ پوچھو کہ روح کیا ہے اگر وہ تمھیں ان سوالات کے جواب دے دیں تو وہ نبی ہیں، تم ان کی اتباع کر لو اور اگر وہ جواب نہ دے سکیں تو وہ فضول گفتگو کرنے والے ہیں، تم ان کے ساتھ جو چاہو سلوک کرو۔

نضر اور عقبہ واپس قریش کے پاس آئے تو انھوں نے کہا: اے گروہ قریش! ہم تمھارے پاس ایک ایسی بات لے کر آئے ہیں جس سے تمھارے اور محمد ﷺ کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا، احبار یہود نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم محمد ﷺ سے یہ سوالات پوچھیں اور پھر انھوں نے ان سوالات کے بارے میں قریش کو بتایا۔ اس کے بعد یہ سب لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور انھوں نے کہا: اے محمد (ﷺ!) ہمیں ان باتوں کے بارے میں بتاؤ اور انھوں نے آپ کی خدمت میں وہ سوالات پیش کیے جو یہودی علماء نے انھیں سکھائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أُخۡبِرُكُمۡ غَدًا بِمَا سَأَلۡتُمۡ عَنۡهُ] ''ان سوالات کے جواب میں تمھیں کل بتاؤں گا۔'' مگر آپ نے ان شاء اللہ نہ کہا۔ وہ لوگ چلے گئے مگر پندرہ دن تک اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل نہ فرمائی اور نہ اس دوران میں جبرائیل علیہ السلام ہی آئے حتی کہ اہل مکہ نے بری بری باتیں بنانا شروع کر دیں، اور وہ کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) نے ہم سے کل کا وعدہ کیا تھا مگر اب تو پندرہ دن گزر گئے ہیں اور ہمارے سوالات کا جواب نہیں دے رہے۔ وحی بند ہونے کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ بھی بے حد غم زدہ ہوئے اور اہل مکہ کی باتیں آپ پر بہت گراں گزرتی تھیں، پھر جبرائیل علیہ السلام اللہ کی طرف سے سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے جس میں قریش کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کو غم زدہ ہونے سے منع کیا گیا، مذکورہ بالا نوجوانوں اور سیاح کے بارے میں بتایا گیا اور روح سے متعلق سوال کا جواب بھی دے دیا گیا۔[1]

---

① تفسیر الطبری: 239,238/15 والسیرة النبویة لابن هشام، سؤال قریش لهﷺ عن أسئلة وإجابته لهم: 300/1-303.

تفسیر آیات:6-8

مشرکوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے غم نہ کریں: رسول اللہ ﷺ کو مشرکوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے بے حد غم تھا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ؕ ...... ﴾ الآیة (فاطر 8:35) ''تو ان لوگوں پر افسوس کر کے آپ کا دم نہ نکل جائے ......۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ...... ﴾ الآیة (النمل 70:27) ''اور آپ ان (کے حال) پر غم نہ کریں ......۔'' اور فرمایا: ﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (الشعرآء 3:26) ''(اے پیغمبر!) شاید آپ ان کے پیچھے اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔''

﴿ بَاخِعٌ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ ان پر رنج و غم کی وجہ سے آپ اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے، اسی طرح یہاں فرمایا: ﴿ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ﴾ ''چنانچہ (اے پیغمبر!) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید آپ ان کے پیچھے (رنج کر کر کے) اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔'' ﴿ الْحَدِيْثِ ﴾ سے مراد قرآن مجید ہے۔ ﴿ اَسَفًا ⑥ ﴾ یعنی غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک نہ کریں۔ قتادہ کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ان پر غضب اور غم کی وجہ سے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ اَسَفًا ⑥ ﴾ کے معنی ہیں جزع فزع کرتے ہوئے۔[2] بہر حال ان سب کا مفہوم ایک ہی ہے کہ آپ ان پر غم نہ کریں بلکہ انھیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دیں جو ہدایت اختیار کر لے، اس کا فائدہ اسی کو ہے اور جو گمراہی کو اختیار کر لے تو اس کا نقصان بھی اسی کو ہے، لہٰذا آپ ان لوگوں پر اس قدر افسوس نہ کریں کہ جس سے آپ کا دم ہی نکل جائے۔

دنیا آزمائش کا گھر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس نے دنیا کو ایک فانی گھر بنایا ہے جو عارضی و فانی زیب و زینت کے ساتھ مزین ہے اور اسے اس نے آزمائش کے لیے بنایا ہے، یہ ہمیشہ رہنے والا گھر نہیں ہے۔ اور فرمایا: ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦ ﴾ ''بے شک جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کے لیے آرائش بنایا ہے تا کہ ہم لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے!'' ابومسلمہ نے ابونضرہ سے اور انھوں نے ابوسعید سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ ، وَّ إِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا، فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُونَ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ، فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ] ''بے شک دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمھیں اس میں جانشین بنانے والا ہے تا کہ وہ یہ دیکھے کہ تم اس میں کس طرح کے عمل کرتے ہو! پس دنیا سے بچو اور عورتوں سے بھی ڈرو، بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ جو رونما ہوا، وہ عورتوں ہی کی وجہ سے تھا۔''[3]

---

[1] تفسیر الطبری: 243/15. [2] تفسیر الطبری: 243/15. [3] صحیح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء ......، حدیث: 2742 وجامع الترمذی، الفتن، باب ما أخبر النبیﷺ أصحابه بما هو ......، حدیث: 2191 ومسند أحمد: 22/3.

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ

کیا آپ نے خیال کیا ہے کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب (نشانی) تھے؟⑨ جب ان نوجوانوں نے غار کی طرف پناہ لی، تو

اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ⑩

انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں صحیح رہنمائی مہیا فرما⑩ پھر ہم نے غار میں

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۙ ⑪ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ

ان کے کانوں پر گنتی کے کئی برس تھپک دیے⑪ پھر ہم نے انھیں اٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کون اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے

الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ع ⑫

والا ہے جو انھوں نے گزاری⑫

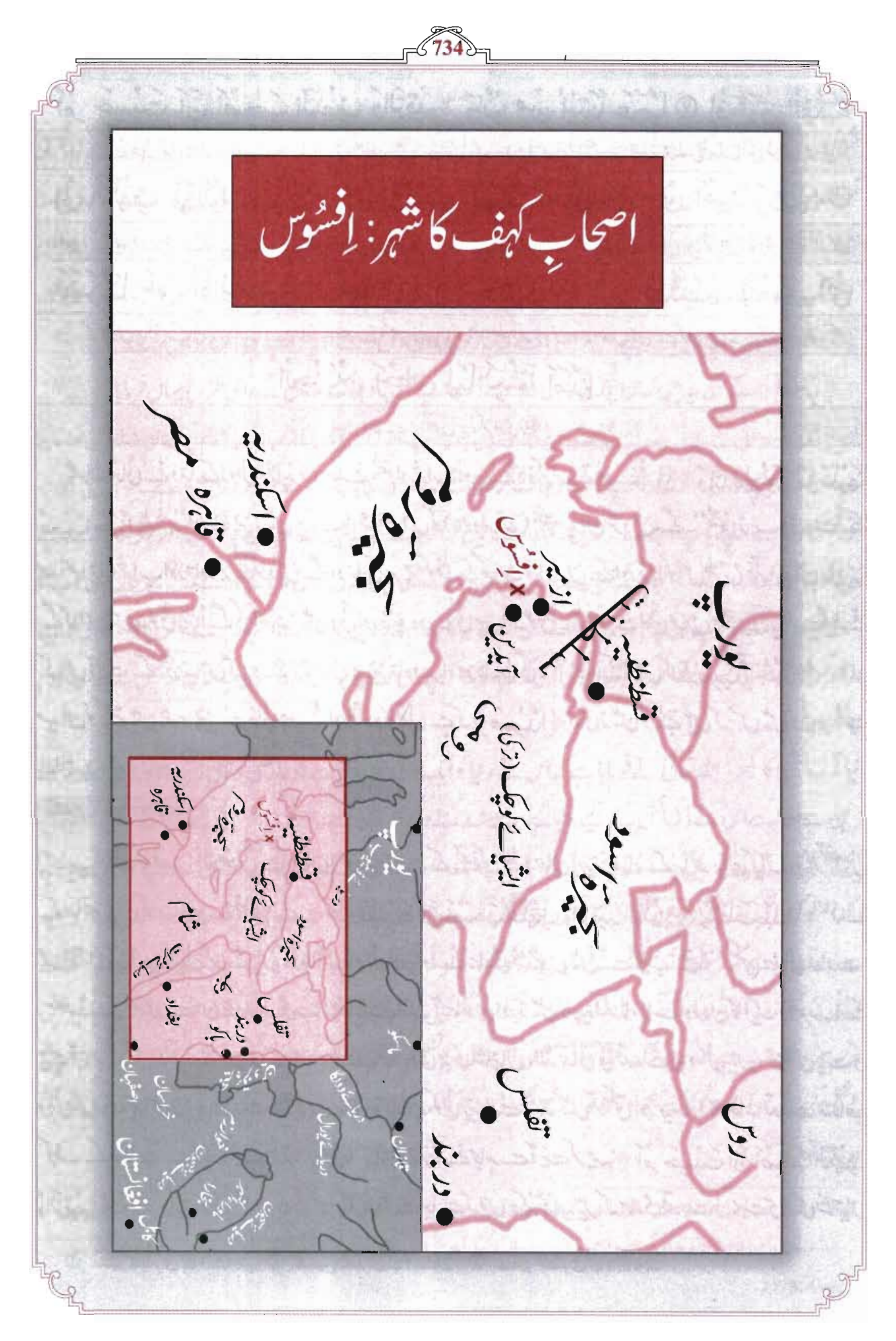
ع 1 12 13

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے زوال وفنا پذیر ہو جانے، ختم اور خراب ہو جانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧ ﴾ ”اور جو چیز زمین پر ہے بلاشبہ ہم اس کو (نابود کر کے) بنجر میدان کر دیں گے۔“ یعنی زیب وزینت کے بعد ہم دنیا کو خراب اور تباہ و برباد کر دیں گے، دنیا کی ہر چیز کو فنا کے گھاٹ اتار دیں گے اور دنیا کو اس طرح بنجر میدان بنا دیں گے کہ اس میں نہ کوئی چیز اُگے گی اور نہ زمین کوئی اور فائدہ دے گی جیسا کہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ روئے زمین کی ہر چیز تباہ و برباد ہو جائے گی۔[1] مجاہد کہتے ہیں کہ ﴿ صَعِيْدًا جُرُزًا ⑧ ﴾ اس میدان کو کہتے ہیں جو ہر چیز سے خالی ہو۔[2] اور قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ صَعِيْدًا ﴾ ایسی زمین کو کہتے ہیں کہ جس میں کوئی درخت یا نباتات وغیرہ نہ ہو۔[3]

تفسیر آیات: 9-12

اصحابِ کہف کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں اصحابِ کہف کے قصے کو پہلے اجمال اور اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے، پھر تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ ﴾ ”(اے محمد ﷺ!) کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ بلاشبہ غار اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے!“ لیکن ہماری قدرت و سلطنت کے اعتبار سے ان کا معاملہ عجیب نہ تھا۔ بے شک آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، رات اور دن کا ایک دوسرے کے پیچھے آنا جانا، شمس وقمر، ستاروں کی تسخیر اور دیگر بے شمار بڑی بڑی نشانیاں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہیں، نیز اس بات کی دلیل کہ اسے ہر اس چیز کی قدرت حاصل ہے جو وہ چاہے، کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی اور یہ سارا کارخانۂ قدرت اصحاب کہف کے حالات سے زیادہ تعجب انگیز ہے جیسا کہ ابن جریج نے مجاہد سے آیت کریمہ: ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ⑨ ﴾ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہماری قدرت کی بہت سی ایسی نشانیاں

[1] تفسیر الطبری: 245/15. [2] تفسیر الطبری: 245/15. [3] تفسیر الطبری: 245/15.



اصحابِ کہف کا شہر: اِفسُوس
یورپ
قسطنطنیہ
ازمیر
اِفسُوس
آیدین
ایشیائے کوچک (ترکی)
بحیرۂ اسود
تفلس
روس
دربند
بحیرۂ روم
اسکندریہ
قاہرہ
مصر

ہیں جو اس قصے سے زیادہ تعجب انگیز ہیں۔[1]

﴿ وَالرَّقِيْمِ ﴾ کا معنی و مفہوم: عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ: ﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝ ﴾ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں نے آپ کو جو علم، سنت اور کتاب دی ہے وہ غار اور تختی والوں کی شان سے افضل ہے۔[2] محمد بن اسحاق اس کا مفہوم یہ بیان کرتے ہیں کہ بندوں پر میں نے اپنے جو دلائل و براہین ظاہر کیے ہیں وہ غار اور تختی والوں کی شان سے زیادہ تعجب انگیز ہیں۔[3] کہف سے مراد وہ غار ہے جو پہاڑ میں ہوتا ہے اور مذکورہ بالا نوجوانوں نے اسی غار میں پناہ لی تھی اور رقیم کے بارے میں عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ یہ اَیلہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔[4] عطیہ عوفی اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔[5] ضحاک کہتے ہیں کہ کہف وادی کے غار کو کہتے ہیں جبکہ رقیم وادی کا نام ہے۔[6] مجاہد کہتے ہیں رقیم ان کی عمارت کا نام تھا اور بعض کہتے ہیں کہ رقیم اس وادی کا نام ہے جس میں یہ غار واقع تھا۔[7]

عبدالرزاق نے رقیم کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ کعب احبار کا یہ خیال تھا کہ رقیم بستی کا نام ہے۔[8] اور ابن جریج نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رقیم اس پہاڑ کا نام ہے جس میں یہ غار تھا۔[9] سعید بن جبیر کا قول ہے کہ رقیم پتھر کی وہ لوح ہے جس میں لوگوں نے اصحاب کہف کے واقعات لکھ کر اسے غار کے دروازے پر رکھ دیا تھا۔[10]

اصحاب کہف کا غار میں داخلہ: اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ ﴾ ''جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے اس معاملے میں ہمارے لیے رہنمائی کا سامان فرما۔'' اللہ تعالیٰ ان نوجوانوں کے حالات کو بیان فرما رہا ہے جو اپنے دین کو بچانے کے لیے اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے تاکہ لوگ انھیں فتنے میں نہ ڈال دیں، اس لیے وہ ان سے بھاگ گئے اور پہاڑ کے ایک غار میں آکر پناہ گزیں ہو گئے تاکہ اپنی قوم سے چھپ جائیں تو انھوں نے غار میں داخل ہوتے وقت اللہ تعالیٰ سے رحمت اور اس کے لطف و کرم کے حصول کی دعا کرتے ہوئے کہا: ﴿ رَبَّنَاۤ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ﴾ ''اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے۔'' یعنی ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا فرما اور ہمیں اپنی قوم سے چھپا دے۔ ﴿ وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ ﴾ ''اور ہمارے اس معاملے میں ہمارے لیے رہنمائی کا سامان فرما۔'' یعنی ہمارے انجام کو درست فرما دے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے (کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ

---

[1] تفسیر الطبری:246/15. [2] تفسیر الطبری:247/15. [3] تفسیر الطبری:247,246/15. [4] تفسیر الطبری: 247/15. [5] تفسیر الطبری:248,247/15. [6] تفسیر الطبری:248/15. [7] تفسیر الطبری:248/15. [8] تفسیر عبدالرزاق:325/2، رقم:1654 و تفسیر الطبری:248/15. [9] تفسیر الطبری:249/15. [10] تفسیر الطبری:248/15.

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ⑬

ہم ان کا حال ٹھیک ٹھیک آپ سے بیان کرتے ہیں، بے شک وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انھیں ہدایت میں زیادہ

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَاۡ مِنْ

کیا⑬ اور ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیے، جب وہ کھڑے ہوئے تو بولے: ہمارا رب تو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اس کے سوا کسی معبود

دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا ⑭ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ

کو ہرگز نہیں پکاریں گے، (اگر پکارا) تو یقیناً اس وقت ہم نے ظلم و زیادتی والی بات کہی⑭ یہ ہماری قوم ہے، انھوں نے اللہ کے سوا کئی الٰہ بنا رکھے

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ⑮ؕ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ

ہیں وہ ان (کی عبادت) پر واضح دلیل کیوں نہیں لاتے؟ پھر اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ گھڑا⑮ اور جب تم ان (لوگوں)

وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ

سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے الگ ہو گئے ہو تو غار میں پناہ لو، کہ تمھارا رب اپنی رحمت (میں سے) تم پر پھیلا دے گا اور

مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯

تمھارے لیے تمھارے کام میں آسانی پیدا کر دے گا⑯

دعا سکھائی جس کے کچھ الفاظ یہ ہیں): [وَمَا قَضَيْتَ لِي مِنْ قَضَاءٍ فَاجْعَلْ عَاقِبَتَهُ رَشَدًا] ''اور میرے بارے میں تو جو فیصلہ بھی فرمائے، اس کے انجام کو درست فرما دے۔''[1]

اصحاب کہف پر نیند کا طاری ہونا: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَضَرَبْنَا عَلٰۤى اٰذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪ ﴾ ''تو ہم نے غار میں گنتی کے کئی سال (تک) ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے (ان کو سلائے) رکھا۔'' یعنی جب وہ غار میں داخل ہوئے تو ہم نے ان پر نیند طاری کر دی اور وہ کئی برسوں تک وہاں سوئے رہے۔ ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ ﴾ ''پھر ہم نے ان کو (بیدار کیا) اٹھایا۔'' اور ان میں سے ایک شخص چند درہم لے کر باہر نکلا تاکہ ان کے لیے کھانا خرید کر لائے جیسا کہ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ⑫ ﴾ ''پھر ہم نے ان کو (بیدار کیا) اٹھایا تاکہ معلوم کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔'' ﴿ اَمَدًا ⑫ ﴾ کے معنی تعداد کے ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کے معنی انتہا کے ہیں جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

سَبْقَ الْجَوَادِ إِذَا اسْتَوْلَى عَلَى الْأَمَدِ

''عمدہ گھوڑے کی جیت تب ہے جب وہ ہدف تک پہنچنے میں دوسرے سے آگے بڑھ جائے۔''

تفسیر آیات: 13-16

[1] سنن ابن ماجه، الدعاء، باب الجوامع من الدعاء، حديث: 3846 ومسند أحمد: 134/6 وصحيح الجامع الصغير، حديث: 4047 واللفظ له.

ان کا اللہ پر ایمان اور قوم سے علیحدگی: یہاں سے اس قصے کی تفصیل کا آغاز ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ چند جوان تھے اور جوان ان بوڑھوں کی نسبت حق کو زیادہ قبول اور راہ ہدایت کو زیادہ اختیار کرنے والے ہوتے ہیں جنھوں نے سرکشی کو اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی باطل دین میں بسر کی ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کو قبول کرنے والوں کی اکثریت جوانوں ہی کی ہوتی ہے، مثلاً: دیکھیے کہ قریش کے بوڑھوں کی اکثریت اپنے دین ہی پر قائم رہی اور ان میں سے بہت کم مسلمان ہوئے تھے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ بھی جوان تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان میں سے بعض کے کانوں میں بالیاں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں رشد و بھلائی کا الہام کیا اور انھیں اپنا ڈر عطا کر دیا اور وہ اپنے رب پر ایمان لے آئے اور اس کی وحدانیت کا اعتراف کر لیا اور اس بات کی گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایمان میں کمی بیشی: ﴿ وَ زِدۡنٰهُمۡ هُدًى ﴾ ''اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی۔'' اس آیت کریمہ اور اس مفہوم کی دیگر آیات سے امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر کئی لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَ زِدۡنٰهُمۡ هُدًى ﴾ ''اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی۔'' جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَالَّذِیۡنَ اهۡتَدَوۡا زَادَهُمۡ هُدًى وَّ اٰتٰىهُمۡ تَقۡوٰىهُمۡ ﴾ (محمد 17:47) ''اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں ان کو وہ مزید ہدایت بخشتا ہے اور پرہیزگاری عنایت کرتا ہے۔'' پھر فرمایا: ﴿ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّ هُمۡ یَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴾ (التوبة 124:9) ''چنانچہ جو ایمان والے ہیں، اس (سورت) نے ان کو ایمان میں زیادہ کیا ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ لِیَزۡدَادُوۡۤا اِیۡمَانًا مَّعَ اِیۡمَانِهِمۡ ﴾ الآیة (الفتح 4:48) ''تا کہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے۔''[1] علاوہ ازیں اور بھی بہت سی آیات کریمہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ جوان مسیح عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے دین پر تھے - فَاللّٰهُ أَعْلَمُ - لیکن بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عیسائیت کے دنیا میں آنے سے بہت پہلے تھے کیونکہ ان کا تعلق اگر عیسائیت سے ہوتا تو علمائے یہود کو ان کے حالات و واقعات سے کوئی دلچسپی نہ ہوتی کیونکہ وہ تو عیسائیوں کے دشمن تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے کہ قریش نے اپنے لوگوں کو مدینہ میں علمائے یہود کے پاس بھیجا تھا تا کہ وہ ان سے کچھ ایسی چیزیں معلوم کریں جن کے ساتھ وہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان کر سکیں تو یہودیوں نے انھیں سکھایا تھا کہ وہ آپ سے اصحاب کہف، ذوالقرنین اور روح کے بارے میں سوال کریں۔[2] اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کا قصہ یہودیوں کی کتابوں میں بھی موجود تھا اور یہودیوں کا تعلق دین عیسائیت سے پہلے کے دور سے ہے۔ فَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

---

[1] صحیح البخاری، الإیمان، باب قول النبیﷺ:[بنی الإسلام......] اور دیکھیے صحیح البخاری، قبل الحدیث: 44.

[2] دیکھیے سورۂ کہف کے شروع میں عنوان: ''سبب نزول'' کے ذیل میں۔

دلوں کی مضبوطی اور حوصلہ: اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَّ رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اور ہم نے ان کے دلوں کو مربوط (محفوظ) کر دیا جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قوم اور شہر کے لوگوں کی مخالفت کو برداشت کرنے اور عیش و عشرت کی زندگی ترک کر دینے کے لیے ہم نے انھیں حوصلہ عطا کیا۔

اصحاب کہف کی سالانہ میلے میں آخری شرکت اور اپنی قوم سے علیحدگی: سلف وخلف میں سے کئی ایک مفسرین نے یہ ذکر کیا ہے کہ ان جوانوں کا تعلق روم کے بادشاہوں اور سرداروں کی اولاد سے تھا۔ یہ لوگ ایک دن اپنے میلے میں شرکت کے لیے نکلے۔ سال میں ایک دفعہ یہ لوگ شہر سے باہر ایک میلے میں جمع ہوا کرتے تھے جس میں وہ اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے اور ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے۔ ان کا ایک جابر اور سرکش بادشاہ تھا جس کا نام دقیانوس تھا جو لوگوں کو اس طرح کے کاموں کی دعوت اور ترغیب دیا کرتا تھا۔ جب شہر کے لوگ اپنے میلے میں شرکت کے لیے باہر نکلے تو یہ جوان بھی اپنے آباء واجداد اور قوم کے لوگوں کے ساتھ نکلے اور انھوں نے بصیرت کی آنکھ سے اپنی قوم کے افعال کو دیکھا تو انھیں یہ حقیقت معلوم ہوگئی کہ ان کی قوم کا یہ طرز عمل غلط ہے کہ وہ بتوں کو سجدہ کرتی اور ان کے نام پر جانوروں کو ذبح کرتی ہے کیونکہ یہ کام تو اس اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہی کے لیے سرانجام دینے چاہئیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے۔ اس سوچ کے بعد ان میں سے ہر ایک نے اپنی قوم سے الگ ہونا شروع کر دیا۔ ان میں سے جو شخص اس سوچ کے بعد سب سے پہلے الگ ہوا، وہ دور جا کر ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا، دوسرا جوان بھی آ کر اس کے پاس بیٹھ گیا، پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں، پھر چھٹا، پھر آخر میں ساتواں بھی آ کر وہاں بیٹھ گیا۔ یہ جوان ایک دوسرے سے شناسا نہ تھے مگر اس ذات گرامی نے انھیں یکجا کر دیا تھا جس نے ان کے دلوں کو ایمان سے بھر دیا تھا۔

صحیح بخاری کی ایک معلق روایت میں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اَلْأَرْوَاحُ جُنُودٌ مُّجَنَّدَةٌ ، فَمَا تَعَارَفَ مِنْهَا ائْتَلَفَ وَمَا تَنَاكَرَ مِنْهَا اخْتَلَفَ] ''روحیں جمع کیے گئے لشکر ہیں، ان میں سے جو ایک دوسرے سے متعارف ہوتی ہیں وہ اکٹھی ہو جاتی ہیں اور جو ایک دوسرے سے اجنبی ہوتی ہیں وہ الگ الگ ہو جاتی ہیں۔''[1] اور امام مسلم نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔[2]

اپنی قوم سے الگ تھلگ ہو کر یہاں اکٹھے ہونے کا سبب: لوگ کہتے ہیں کہ جنس باہم جنس پرواز کرتی ہے، الغرض! ان میں سے ہر شخص خوف کی وجہ سے اپنے دین کو اپنے ساتھیوں سے چھپائے ہوئے تھا اور یہ نہیں جانتا تھا کہ ان لوگوں کا بھی دین وہی ہے جو اس کا ہے حتی کہ ان میں سے ایک نے کہا کہ لوگو! واللہ! تم یہ جانتے ہو کہ تم میں ایک قدر مشترک ہے جس نے تمھیں

---

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث:3336. [2] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب الأرواح جنود مجندة، حدیث:2638.

اپنی قوم سے الگ تھلگ کر کے یہاں یکجا کر دیا ہے، لہٰذا ہر ایک کو اپنی داستان بیان کرنی چاہیے۔ یہ بات سن کر دوسرا جوان کہنے لگا: واللہ! میں نے دیکھا ہے کہ میری قوم نے جو دین اختیار کر رکھا ہے وہ باطل ہے کیونکہ جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ شرک نہ کیا جائے وہ تو اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی ہے جس نے آسمان وزمین اور ان کے مابین ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے۔ تیسرے نے کہا کہ میرا بھی یہی حال ہے حتی کہ وہ سب کے سب ایک بات پر متفق ہو گئے اور آپس میں سچے بھائی بن گئے۔ انھوں نے ایک عبادت کدہ تعمیر کر لیا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عبادت شروع کر دی۔ قوم کو جب ان کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بادشاہ کو ان کے بارے میں مطلع کر دیا، بادشاہ نے انھیں اپنے پاس بلایا اور ان سے ان کے دین کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے نہ صرف صحیح صحیح جواب دیا بلکہ بادشاہ کو بھی دعوت دی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَّرَبَطۡنَا عَلٰی قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَنۡ نَّدۡعُوَا۠ مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اِلٰهًا ﴾ ''اور ہم نے ان کے دلوں کو مربوط (مضبوط) کر دیا جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے۔''

﴿ نَّدۡعُوَا۠ ﴾ فعل مضارع پر حرف ناصبہ لَنۡ ابدی نفی کے لیے ہے، یعنی ہم کبھی بھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ اگر ہم نے ایسا کیا بھی تو ہمارا یہ فعل باطل قرار پائے گا، اسی لیے ان کی بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَقَدۡ قُلۡنَاۤ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ ﴾ ''البتہ تحقیق (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔'' ﴿ شَطَطًا ﴾ کے معنی باطل اور بہتان کے ہیں۔ ﴿ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمُنَا اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوۡلَا یَاۡتُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ بِسُلۡطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ ﴾ ''ان ہماری قوم کے لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں، بھلا یہ ان (کی عبادت) پر کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے؟'' یعنی اپنے اس مذہب کے صحیح ہونے کی انھوں نے کوئی واضح اور صحیح دلیل کیوں پیش نہیں کی؟ ﴿ فَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا ﴿ؕ۱۵﴾ ﴾ ''پس اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے!'' یعنی یہ لوگ خود ہی ظالم اور اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں۔

اصحاب کہف کا بادشاہ کو دعوت ایمان دینا اور اپنا دین بچانے کے لیے وطن چھوڑنا: بیان کیا جاتا ہے کہ ان نوجوانوں نے جب اپنے بادشاہ کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ انھیں ڈانٹ ڈپٹ کی اور دھمکیاں دیں اور حکم دیا کہ اس فاخرانہ لباس کو ان کے جسموں سے اتار دیا جائے جو انھوں نے زیب تن کر رکھا تھا۔ بادشاہ نے اپنے موقف پر نظر ثانی کرنے کے لیے انھیں مہلت دے دی شاید یہ اپنے سابقہ دین کی طرف لوٹ آئیں اور یہ مہلت ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم کا سبب بن گئی کیونکہ اس دوران میں ان کے لیے یہ ممکن ہوا کہ اپنے دین کو محفوظ کرنے اور اپنے آپ کو کسی فتنے سے بچانے کے لیے بھاگ جائیں۔

لوگوں سے علیحدگی کن کن حالات میں جائز اور ناجائز ہے؟ اور جب لوگ فتنوں میں مبتلا ہوں تو حکم شریعت یہی ہے کہ انسان اپنے دین کو بچانے کے لیے ایسے ظالموں سے بھاگ جائے جیسا کہ حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[یُوشِكُ أَنْ يَّكُونَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَّتَّبِعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ، وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ، يَفِرُّ بِدِينِهِ مِنَ الْفِتَنِ] ''ممکن ہے کہ (ایسا وقت آئے جب) مسلمان کا سب سے بہتر مال بکریاں ہوں کہ وہ انھیں لے کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں پر چلا جائے اور اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگ جائے۔''[1]

ان حالات میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کرنا جائز ہے اور اگر اس طرح کے حالات نہ ہوں تو پھر جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں جمعہ و جماعت کا ترک کر دینا لازم آئے گا۔

جب انھوں نے یہ عزم کر لیا کہ اپنی قوم سے بھاگ جائیں اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لیے اسی بات کو پسند فرمالیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ اِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ''اور جب تم نے ان (مشرکوں) سے اور جن کی یہ اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کر لیا ہے۔'' یعنی جب تم نے ان کو چھوڑ دیا ہے اور ان کے اس دین کی مخالفت کی ہے کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں تو جسمانی طور پر بھی ان سے علیحدگی اختیار کر لو۔ ﴿ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ ﴾ ''تو غار میں پناہ لو، تمھارا پروردگار تمھارے لیے اپنی رحمت وسیع کر دے گا۔'' یعنی تم پر اپنی رحمت نازل فرمائے گا جس کے ساتھ تمھیں تمھاری قوم سے چھپا دے گا۔

﴿ وَ يُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۝۱۶ ﴾ ''اور تمھارے معاملے میں آسانی کا سامان فرمائے گا۔'' یعنی تمھارا کام آسان کر دے گا تو اس کے بعد وہ بھاگ کر غار میں چلے گئے۔ قوم کے لوگوں نے انھیں گم پایا، بادشاہ نے بھی ان کی تلاش میں لوگوں کو ادھر ادھر دوڑایا مگر وہ انھیں تلاش نہ کر سکے اور ان کی تلاش میں اندھے ہو گئے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کافروں کو اندھا کر دیا تھا جب انھوں نے ہجرت کے وقت غار ثور میں پناہ لی تھی، حالانکہ مشرکین قریش ان کی تلاش میں وہاں تک پہنچ گئے تھے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر جب قدرے گھبراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے عرض کی: اے اللہ کے رسول (ﷺ!) اگر ان میں سے کسی نے اپنے پاؤں کی طرف دیکھا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا تو آپ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: [مَا ظَنُّكَ يَا أَبَا بَكْرٍ بِاثْنَيْنِ، اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا؟] ''اے ابوبکر! ان دونوں کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَ جَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝ ﴾ (التوبۃ 9:40) ''اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ نے ان کی مدد کی (وہ وقت تم کو یاد ہو گا) جب ان کو کافروں نے نکال دیا، وہ (اس وقت) دو میں سے دوسرے

---

[1] صحيح البخاري، الإيمان، باب: من الدين الفرار من الفتن، حديث: 19. [2] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب المهاجرين وفضلهم، حديث: 3653.

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَت تَّزَاوَرُ عَن كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ

اور آپ سورج کو دیکھیں گے جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان کے بائیں طرف

ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ

کترا (کرنکل) جاتا ہے اور وہ اس (غار) کی کھلی جگہ میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔ جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے

وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿17﴾

وہ گمراہ کر دے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی رہنما دوست نہیں پائیں گے ﴿17﴾

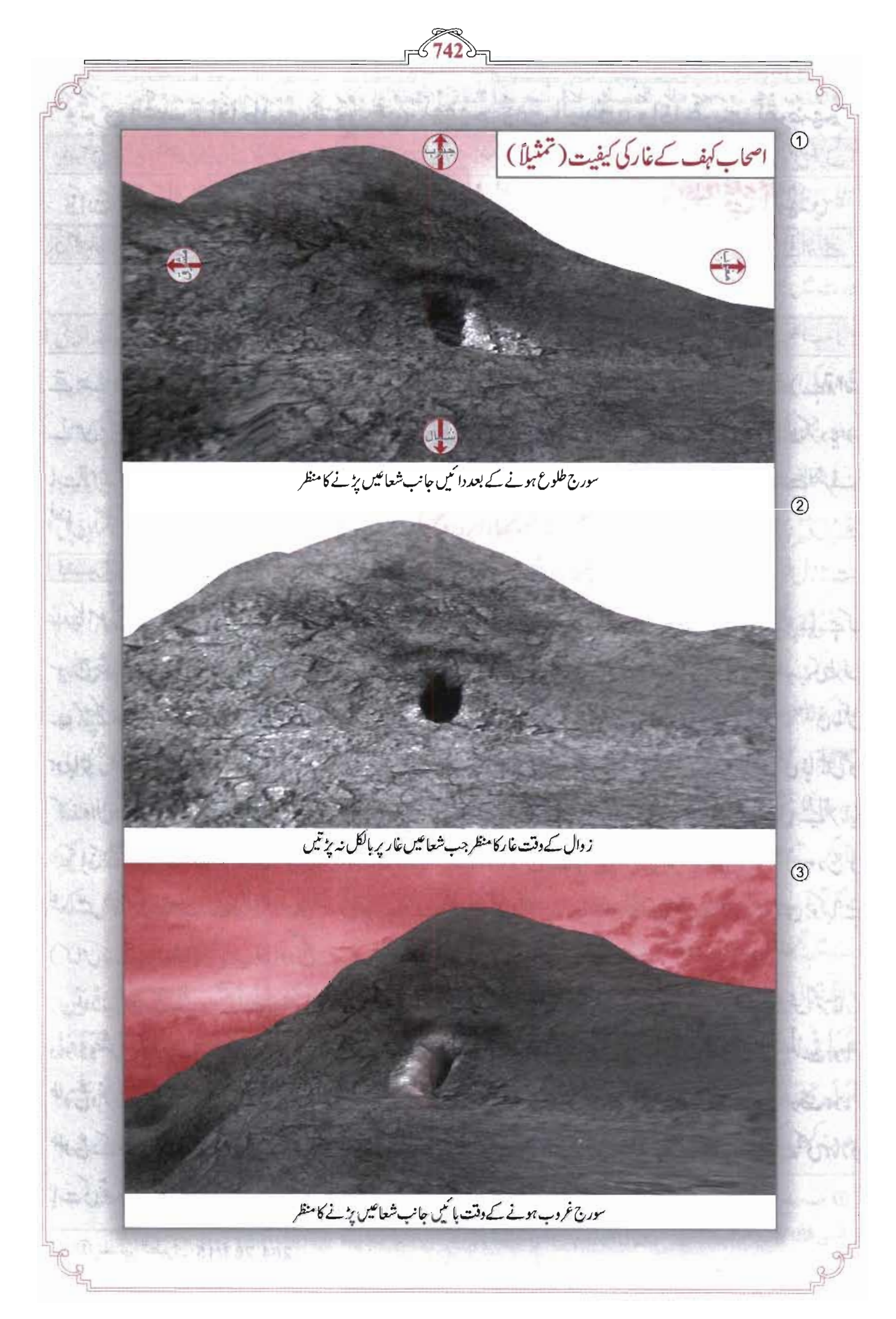
تھے جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دے رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے ان پر تسکین نازل فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تم کو نظر نہیں آتے تھے اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔'' چنانچہ غار ثور کا قصہ اصحاب کہف کے قصے سے اشرف، افضل، اعظم اور زیادہ عجیب ہے۔

تفسیر آیت: 17

غار کا موقع محل: یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس غار کا دروازہ شمال کی جانب تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سورج جب طلوع کے وقت غار میں داخل ہوتا تو اس کے دائیں جانب سے ہٹ جاتا، یعنی سایہ دائیں جانب (مغرب کی طرف سے) سکڑ جاتا جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہما اللہ کا قول ہے کہ ﴿تَزَاوَرُ﴾ کے معنی ہیں: ''سکڑ جاتا'' یعنی مائل ہو جاتا[1] اور یہ اس طرح کہ سورج جیسے جیسے افق پر بلند ہوتا تو اس کے بلند ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی شعاعیں سمٹتی جاتیں حتی کہ زوال کے وقت غار سے شعاعیں بالکل ختم ہو جاتیں (جو سورج کے بلند ہوتے ہوتے غار میں پڑ رہی ہوتی تھیں) اسی لیے فرمایا: ﴿وَإِذَا غَرَبَت تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ''اور جب غروب ہوتا تو ان کے بائیں طرف کترا کرنکل جاتا'' یعنی سورج کی شعاعیں شمال کی جانب سے دروازے کی مشرقی جانب سے داخل ہوتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہم نے اس سلسلے میں جو کہا ہے (کہ اس غار کا دروازہ شمال کی جانب تھا) وہ صحیح ہے۔

اور یہ اس کے لیے واضح ہے جو اس پر غور کرے اور اسے شمس وقمر اور ستاروں کی ہیئت اور چال کا علم ہو جائے کہ اگر غار کا دروازہ مشرق کی طرف ہوتا تو غروب کے وقت غار میں دھوپ داخل نہ ہو سکتی تھی اور اگر دروازہ قبلہ رخ، یعنی جنوبی سمت ہوتا تو طلوع وغروب کے وقت اس میں دھوپ داخل نہ ہو سکتی تھی اور نہ سایہ دائیں بائیں سمٹتا اور اگر دروازہ مغرب کی طرف ہوتا تو طلوع کے وقت اس میں دھوپ داخل نہ ہوتی بلکہ زوال کے بعد داخل ہوتی اور غروب آفتاب تک رہتی، اس سے بھی ہماری بات کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ.

[1] تفسیر الطبری:264,263/15.



سورج طلوع ہونے کے بعد دائیں جانب شعاعیں پڑنے کا منظر

زوال کے وقت غار کا منظر جب شعاعیں غار پر بالکل نہ پڑتیں

سورج غروب ہونے کے وقت بائیں جانب شعاعیں پڑنے کا منظر

وَتَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّهُمۡ رُقُوۡدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

اور آپ انھیں جاگتے ہوئے خیال کریں گے، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم ان کی دائیں طرف اور بائیں طرف کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا

وَكَلۡبُهُمۡ بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيۡدِ ؕ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ

کتا (غار کے) دہانے پر اپنے دونوں بازو پھیلائے ہوئے ہے، اگر آپ انھیں جھانک کر دیکھیں تو ان سے ضرور بھاگتے ہوئے پیٹھ پھیر لیں اور آپ

مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ﴿۱۸﴾

ان سے رعب میں بھر دیے جائیں ﴿۱۸﴾

غار کس علاقے میں تھا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے کہ ﴿ تَقۡرِضُهُمۡ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ انھیں چھوڑ دیتا ہے۔[1] اللہ تعالیٰ نے اس کی خبر دی ہے اور اس کی مشیت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی فہم وتدبر سے کام لیں اور اسے سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس غار کے بارے میں ہمیں یہ نہیں بتایا کہ یہ غار کس علاقے میں تھا کیونکہ اس کے بارے میں بتانے میں نہ کوئی فائدہ تھا اور نہ اس کا کوئی شرعی مقصد تھا۔ اگر اس میں کوئی دینی مصلحت ہوتی تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس کی طرف ہماری رہنمائی ضرور فرما دیتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: [مَا تَرَكۡتُ شَيۡئًا يُقَرِّبُكُمۡ مِّنَ الۡجَنَّةِ وَيُبَاعِدُكُمۡ عَنِ النَّارِ إِلَّا قَدۡ بَيَّنۡتُهُ لَكُمۡ] ”میں نے کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑی جو تمھیں جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے مگر تمھارے لیے میں نے اسے بیان کر دیا ہے۔“[2] اللہ تعالیٰ نے اس غار کی کیفیت ہمیں بتا دی ہے اس کی جگہ نہیں بتائی کہ وہ کہاں واقع تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَرَى الشَّمۡسَ اِذَا طَلَعَتۡ تَّزٰوَرُ عَنۡ كَهۡفِهِمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ ﴾ ”اور آپ سورج کو دیکھتے ہیں کہ جب وہ طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا ہے۔“ مالک نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ ﴿ تَزٰوَرُ ﴾ کے معنی ہیں مائل ہو جائے۔ ﴿ وَاِذَا غَرَبَتۡ تَّقۡرِضُهُمۡ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمۡ فِیۡ فَجۡوَةٍ مِّنۡهُ ؕ ﴾ ”اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا (کرنکل) جاتا ہے اور وہ اس (غار) کی کھلی جگہ میں ہیں۔“ یعنی وہ غار کے اندر تھے اور دھوپ انھیں نہیں پہنچتی تھی کیونکہ اگر دھوپ انھیں پہنچتی تو ان کے جسموں اور کپڑوں کو جلا دیتی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔[3]

﴿ ذٰلِكَ مِنۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ ﴾ ”یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔“ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس غار کی طرف رہنمائی فرمائی جس میں اس نے انھیں زندہ رکھا، روشنی اور ہوا ان کے پاس داخل ہوتی تا کہ ان کے جسموں کو باقی رکھے، اسی لیے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ

[1] تفسير الطبرى:265/15. [2] المصنف لعبد الرزاق، باب القدر:125/11، حديث:20100 و شعب الإيمان للبيهقى، باب فى الزهد وقصر الأمل:299/7، حديث:10376 و شرح السنة للبغوى، باب التوكل على الله عزوجل: 304/14، حديث:4113 و هداية الرواة......، الرقاق، باب التوكل والصبر:54/5، حديث:5230 و المطالب العالية، الزكاة، باب الإجمال فى طلب الرزق:244/1، حديث:846. [3] تفسير الطبرى:264/15.

﴿مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ﴾ یعنی یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں، پھر فرمایا: ﴿مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ ''جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یاب ہے۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات گرامی ہے جس نے ان جوانوں کو اپنی قوم میں سے ہدایت سے نوازا۔ جسے وہ ہدایت سے نوازے، وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

تفسیر آیت:18

غار میں سونا: بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کے کانوں پر تھپک دیا تو ان کی آنکھوں کو بند نہ کیا تاکہ وہ بوسیدہ نہ ہوں، انھیں ہوا بھی لگتی رہی تھی، اس لیے وہ بھی ان کے جسموں کو باقی رکھنے کا سبب بنی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ﴾ ''اور تم ان کو خیال کرتے ہو کہ جاگ رہے ہیں، حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں۔'' کتے کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جب سوتا تو ایک آنکھ بند کر لیتا اور دوسری کو کھلی رکھتا ہے اور پھر نیند ہی کی حالت میں وہ کھلی آنکھ کو بند اور بند کو کھول لیتا تھا۔

﴿وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ''اور ہم ان کی دائیں اور بائیں کروٹیں بدلتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر ان کی کروٹ نہ بدلائی جاتی تو انھیں زمین کھا جاتی۔[1] ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ﴾ ''اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر اور قتادہ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ الوصید کے معنی صحن کے ہیں۔[2] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول یہ ہے کہ اس کے معنی دروازے کے ہیں۔[3] یہ بھی کہا گیا ہے کہ الوصید کے معنی الصعید یعنی مٹی کے ہیں۔[4] اور صحیح بات یہی ہے کہ اس کے معنی چوکھٹ، یعنی دروازے کے ہیں، اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ﴾ (الهمزة 104:8) ''وہ آگ ان پر بند کر دی جائے گی۔'' یعنی اسے ان پر بند کر کے ڈھانپ دیا جائے گا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وصید اور اصید، دروازے پر کتے کے بیٹھنے کو کہتے ہیں جیسا کہ کتوں کی عادت ہے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ کتا دروازے پر ان کا پہرہ دیتا تھا۔[5] جیسا کہ کتوں کی عادت ہے کہ وہ دروازے پر بیٹھ کر پہرہ دیتے ہیں۔ ان کا کتا دروازے کے باہر بیٹھا تھا کیونکہ فرشتے اس گھر میں داخل ہی نہیں ہوتے جس میں کتا ہو جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔[6] اسی طرح فرشتے اس گھر میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں تصویر، جنبی اور کافر ہو جیسا کہ حدیث حسن ہے۔[7]

ان کی برکت ان کے کتے کو بھی شامل رہی اور اس حالت میں اس پر بھی نیند طاری ہو گئی تھی اور یہی نیک لوگوں کی صحبت کا

---

[1] تفسير الطبرى:267/15. [2] تفسير الطبرى:268,267/15. [3] تفسير الطبرى:268/15. [4] تفسير الطبرى: 268/15. [5] تفسير الطبرى:267/15 والدر المنثور:392/4. [6] صحيح البخارى، اللباس، باب لاتدخل الملائكة بيتا فيه صورة، حديث:5960. [7] سنن أبى داود، الطهارة، باب الجنب يؤخر الغسل، حديث:227 وسنن النسائى، الطهارة، باب فى الجنب إذا لم يتوضأ، حديث:262 یاد رہے ''اور نہ جنبی'' منکر ہیں اور لفظ ''کافر'' ہمیں نہیں ملا۔ دیکھیے ضعيف سنن أبى داود للألبانى، الطهارة، باب الجنب يؤخر الغسل، حديث:227.

وَكَذٰلِكَ بَعَثۡنٰهُمۡ لِيَتَسَآءَلُوۡا بَيۡنَهُمۡ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ ؕ قَالُوۡا لَبِثۡنَا

اور اسی طرح ہم نے انھیں جگایا، تاکہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں، ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: تم کتنا (عرصہ) ٹھہرے ہو؟

يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ؕ قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ ؕ فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ

وہ بولے: ہم ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرے ہیں، پھر بولے: تمھارا رب خوب جانتا ہے جتنی دیر تم ٹھہرے، چنانچہ اب تم اپنی یہ چاندی (کے سکے)

اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا فَلۡيَاۡتِكُمۡ بِرِزۡقٍ مِّنۡهُ وَلۡيَتَلَطَّفۡ

دے کر اپنا ایک آدمی شہر کی طرف بھیجو، پھر وہ دیکھے کہ اس (شہر) کا کون سا شخص طعام کے لحاظ سے پاکیزہ تر ہے، تو وہ اس میں سے تمھارے لیے

وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا ۝١٩ اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ

کچھ کھانا لے آئے، اور وہ خوب نرمی (سے بات) کرے، اور تمھارے متعلق بالکل کسی کو نہ بتائے ⑲ بلاشبہ اگر وہ تم پر مطلع ہو گئے تو تمھیں رجم کر دیں

مِلَّتِهِمۡ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ۝٢٠

گے یا تمھیں اپنے دین میں لوٹا لیں گے اور پھر اس وقت تم ہرگز فلاح نہیں پا سکو گے کبھی بھی ⑳

فائدہ ہے کہ ان کی وجہ سے اس کتے کو بھی اہمیت حاصل ہو گئی۔ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ اصحاب کہف میں سے ایک کا شکاری کتا تھا اور یہی بات قرین قیاس ہے ایک قول یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ یہ بادشاہ کے باورچی کا کتا تھا۔ اس نے ان کے دین کو اختیار کر لیا تھا اور اس کا کتا بھی اس کے ساتھ ہو گیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَوِ اطَّلَعۡتَ عَلَيۡهِمۡ لَوَلَّيۡتَ مِنۡهُمۡ فِرَارًا وَّلَمُلِئۡتَ مِنۡهُمۡ رُعۡبًا ۝١٨ ﴾ ''اگر آپ انھیں جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان سے دہشت زدہ ہو جاتے۔'' اللہ تعالیٰ نے انھیں اس طرح پر ہیبت بنا دیا تھا کہ اگر ان پر کسی کی نظر پڑے تو اس پر دہشت طاری ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس لیے پر ہیبت، پر رعب بنا دیا تھا تاکہ ان کے کوئی قریب نہ آسکے اور کوئی انھیں ہاتھ نہ لگا سکے حتی کہ ان کی وہ مدت پوری ہو جائے جس تک اللہ تعالیٰ نے انھیں سلانا چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ حکمت، حجت بالغہ اور بے پایاں رحمت کا مظہر تھا۔

تفسیر آیات: 20,19

بیداری کے بعد ایک شخص کو کھانا خریدنے کے لیے بھیجنا: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب ہم نے انھیں بیدار کیا تو ان کے جسم، بال اور کھالیں بالکل صحیح تھیں، تین سو نو سال تک سو کر اٹھنے کے بعد بھی ان کی حالت اور ہیئت میں کوئی فرق نہ آیا تھا، اسی لیے انھوں نے ایک دوسرے سے پوچھا: ﴿ كَمۡ لَبِثۡتُمۡ ؕ ﴾ ''تم (یہاں) کتنی مدت رہے۔'' یعنی کتنی مدت سوئے رہے ہو۔ ﴿ قَالُوۡا لَبِثۡنَا يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ ؕ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔'' کیونکہ غار میں وہ دن کے ابتدائی حصے میں داخل ہو گئے تھے اور آخری حصے میں بیدار ہوئے تھے، اسی لیے انھوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم۔ ﴿ قَالُوۡا رَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَا لَبِثۡتُمۡ ؕ ﴾ ''انھوں نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ہو تمھارا پروردگار ہی اس کو خوب جانتا ہے۔'' یعنی تمھارے معاملے کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ سونے کی وجہ سے انھیں کچھ تردد لاحق ہو گیا تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا ۚ

اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان پر مطلع کر دیا، تاکہ وہ جان لیں کہ بے شک اللہ کا وعدہ حق ہے اور یقیناً قیامت، اس میں کوئی شک نہیں۔ جب

اِذۡ يَتَنَازَعُوۡنَ بَيۡنَهُمۡ اَمۡرَهُمۡ فَقَالُوا ابۡنُوۡا عَلَيۡهِمۡ بُنۡيَانًا ؕ رَبُّهُمۡ اَعۡلَمُ بِهِمۡ ؕ قَالَ

(لوگ) ان کے معاملے میں باہم جھگڑ رہے تھے، تو انھوں نے کہا: ان پر ایک عمارت بنا دو، ان کا رب انھیں بہتر جانتا ہے۔ جو ان کے معاملے پر

الَّذِيۡنَ غَلَبُوۡا عَلٰٓى اَمۡرِهِمۡ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيۡهِمۡ مَّسۡجِدًا ﴿21﴾

غالب ہوگئے تھے، وہ بولے: ہم ان پر ضرور ضرور ایک عبادت گاہ بنائیں گے ﴿21﴾

پھر انھوں نے اس کے بعد اس سے زیادہ اہم معاملے کی طرف توجہ کی اور وہ ان کے کھانے پینے کی ضرورت کا معاملہ تھا، اس لیے انھوں نے کہا: ﴿ فَابۡعَثُوۡۤا اَحَدَكُمۡ بِوَرِقِكُمۡ هٰذِهٖۤ ﴾ ''تو اپنے میں سے کسی ایک کو یہ چاندی (کے سکے) دے کر بھیجو۔'' یعنی اپنی یہ چاندی دے کر بھیجو۔ اپنے گھروں سے روانہ ہوتے وقت انھوں نے اپنے ساتھ چاندی کے کچھ درہم لے لیے تھے تاکہ بوقت ضرورت انھیں استعمال کر سکیں۔ ان میں سے کچھ درہم تو انھوں نے صدقہ کر دیے تھے اور کچھ ان کے پاس باقی تھے، اسی لیے انھوں نے کہا تھا کہ اپنے میں سے کسی کو یہ سکے دے کر شہر بھیجو، یعنی اپنے اس شہر میں جس سے تم نکلے ہو۔ المدینة کا الف لام یہاں عہد کے لیے ہے۔ ﴿ فَلۡيَنۡظُرۡ اَيُّهَاۤ اَزۡكٰى طَعَامًا ﴾ ''تو وہ دیکھے کہ سب سے پاکیزہ کھانا کون سا ہے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنۡكُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ ﴾ الآیة (النور 21:24) ''اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی تم میں پاک نہ ہو سکتا تھا۔'' اور فرمایا: ﴿ قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى ۙ ﴾ (الأعلى 14:87) ''بے شک وہ مراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔''

زکاۃ کا لفظ بھی اسی سے مشتق ہے کیونکہ وہ مال کو پاک صاف کر دیتی ہے۔ ﴿ وَلۡيَتَلَطَّفۡ ﴾ ''اور آہستہ آہستہ آئے جائے'' یعنی جانے آنے اور خریدنے میں بہت احتیاط سے کام لے۔ اور اپنے آپ کو مقدور بھر مخفی رکھنے کی کوشش کرے۔ ﴿ وَلَا يُشۡعِرَنَّ بِكُمۡ اَحَدًا ﴿19﴾ اِنَّهُمۡ اِنۡ يَّظۡهَرُوۡا عَلَيۡكُمۡ ﴾ ''اور تمھارا حال کسی کو نہ بتائے، بلاشبہ اگر انھوں نے تمھاری خبر پا لی۔'' یعنی اگر انھیں تمھاری جگہ کا علم ہو گیا۔ ﴿ يَرۡجُمُوۡكُمۡ اَوۡ يُعِيۡدُوۡكُمۡ فِىۡ مِلَّتِهِمۡ ﴾ ''وہ تمھیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے۔'' ان کا اشارہ دقیانوس کے ساتھیوں کی طرف تھا۔ وہ ڈرتے تھے کہ انھیں ان کی اس جگہ کے بارے میں علم نہ ہو جائے کیونکہ وہ انھیں انواع واقسام کی اس طرح کی سزائیں دیں گے یا تو اپنے مذہب میں داخل کر لیں اور یا پھر یہ تکلیفیں اور سزائیں برداشت نہ کرتے ہوئے مر جائیں گے اور اگر تم نے ان کے مذہب میں داخل ہونے پر اتفاق کر لیا تو پھر تمھارے لیے دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نہ ہوگی، اسی لیے کہا: ﴿ وَلَنۡ تُفۡلِحُوۡۤا اِذًا اَبَدًا ﴿20﴾ ﴾ ''اور اس وقت تم کبھی فلاح نہیں پاؤ گے۔''

تفسیر آیت: 21

اہل شہر کا مطلع ہونا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَعۡثَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ لِيَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيۡبَ فِيۡهَا ۚ ﴾ ''اور اس طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت

(جس کا وعدہ کیا جاتا ہے اس) میں کچھ شک نہیں۔'' کئی ایک ائمۂ سلف نے ذکر کیا ہے کہ اس زمانے کے لوگوں کو دوبارہ جی اٹھنے اور قیامت کے بارے میں شک تھا۔ عکرمہ کا قول ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ روحوں کو تو دوبارہ اٹھایا جائے گا مگر جسموں کو نہیں۔ ①

ائمۂ تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ ان میں سے ایک نے جب شہر کی طرف جانے کا ارادہ کیا تاکہ ان کے کھانے کے لیے کچھ خرید لائے تو اس نے ماحول کو بہت بدلا ہوا پایا اور ان دیکھی راہوں پر چلتے ہوئے بالآخر وہ شہر میں پہنچ ہی گیا، انھوں نے اس شہر کا نام اِفُسُوس (اِفِسُسْ Ephesus) بیان کیا ہے۔ جانے والے کا خیال تھا کہ وہ تھوڑا عرصہ پہلے ہی اس شہر سے آیا تھا مگر اس میں اور اس شہر کے لوگوں کے درمیان تو کئی صدیاں حائل تھیں، ان کے سونے کے وقت سے لے کر اب تک تو وہاں کئی نسلیں اور کئی امتیں گزر گئی تھیں، شہر کے در و بام اور باشندے یکسر بدل گئے تھے، اس نے جو شہر دیکھا تھا اب اسے اس کی وہاں کوئی چیز بھی نظر نہ آ رہی تھی، وہ موجودہ لوگوں کے خواص و عوام میں سے کسی کو بھی جانتا پہچانتا نہیں تھا۔

وہ انتہائی حیران و پریشان ہو کر اپنے جی میں کہنے لگا: معلوم نہیں میں پاگل ہو گیا ہوں؟ یا مجھ پر کسی آسیب کا اثر ہے یا میں خواب دیکھ رہا ہوں اور پھر خود ہی کہنے لگا: نہیں، اللہ کی قسم! ایسی کوئی بات نہیں لیکن کل شام میں اس شہر کو کسی اور حالت میں چھوڑ کر گیا تھا، پھر کہنے لگا کہ زیادہ مناسب یہی ہے کہ میں جلدی سے یہاں سے چلا جاؤں، پھر وہ کھانا بیچنے والے ایک شخص کی دوکان پر گیا، اس نے رقم اس کے سپرد کی اور کہا کہ وہ اس رقم کا اسے کھانا دے دے، کھانا بیچنے والے نے جب اسے دیکھا تو اسے اجنبی دیکھا اور اس کی پیش کردہ رقم کو بھی عجیب و غریب محسوس کیا۔ اس نے یہ رقم اپنے پڑوسی کو دکھائی اور پھر اور بھی کئی لوگ جمع ہو گئے اور وہ اس رقم کا جائزہ لینے لگے اور کہنے لگے کہ شاید اسے کہیں سے کوئی خزانہ ملا ہے، پھر انھوں نے اس سے پوچھا کہ تم کون ہو اور یہ رقم تمھیں کہاں سے ملی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اسی شہر کا رہنے والا ہوں، میں تو یہاں سے کل شام ہی اس وقت گیا تھا جب بادشاہ دقیانوس (ڈیسیس Decius رومن بادشاہ) بھی یہاں موجود تھا، لوگوں نے اس کی یہ باتیں سن کر کہا کہ یہ شخص پاگل ہے، اسے یہ اپنے حکمران کے پاس لے گئے۔ حکمران نے اس سے اس کے حالات پوچھے، اس نے جواب دیا تو وہ بھی سن کر حیران و پریشان ہو گیا۔ بہر حال جب اس نے اپنے حالات بیان کیے تو وہ بادشاہ اور اہل شہر سب غار کی طرف روانہ ہو گئے اور جب غار کے پاس پہنچے تو یہ کہنے لگا کہ پہلے مجھے غار کے اندر جانے دو تاکہ میں اپنے ساتھیوں کو تمھاری آمد کے بارے میں بتا دوں، یہ کہہ کر یہ شخص غار میں داخل ہو گیا۔ ②

یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غار میں کس طرح داخل ہوا تھا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے معاملے کو ان لوگوں سے مخفی رکھا۔ دوسرا قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ لوگ بھی اس غار میں داخل ہو گئے تھے اور انھوں نے انھیں دیکھا، بادشاہ نے انھیں سلام کہا اور گلے لگایا کیونکہ ایک قول کے مطابق یہ بادشاہ مسلمان تھا اور اس کا نام (تھیوڈو سِیَس Theodosius)

① تفسیر الطبری:271,270/15 و تاریخ الطبری، ذکر الخبر عن أصحاب الکھف:46/2 . ② تفسیر الطبری:271/15.

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا

عنقریب (کچھ لوگ) کہیں گے: وہ تین ہیں ان کا چوتھا ان کا کتا ہے۔ اور (کچھ دوسرے) کہیں گے: وہ پانچ ہیں، ان کا چھٹا ان کا کتا ہے، بن دیکھے

بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ؕ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا

پتھر مارتے ہوئے، اور (کچھ لوگ یہ بھی) کہیں گے: وہ سات ہیں، اور ان کا آٹھواں ان کا کتا ہے۔ آپ کہہ دیجیے: میرا رب ہی ان کی گنتی سے خوب

يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۫ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۪ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ

واقف ہے، بہت تھوڑے لوگ ہی ان (کے حال) کو جانتے ہیں، لہٰذا آپ ان کی بابت بحث نہ کریں، سوائے سرسری بحث کے۔ اور آپ ان کی

مِّنْهُمْ اَحَدًا ﴿22﴾

بابت ان میں سے کسی سے بھی نہ پوچھیں ﴿22﴾

تھا۔ اصحاب کہف اس بادشاہ سے ملاقات کر کے بہت خوش ہوئے، گفتگو سے بھی مانوس ہوئے، پھر انھوں نے اسے سلام کر کے رخصت کر دیا اور خود اپنی خواب گاہوں کی طرف لوٹ آئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری فرما دی۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.[1]

بطور یادگار غار پر مسجد بنانا: اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے خبردار کر دیا۔“ یعنی ان کو ہم نے ان کی اسی کیفیت میں بیدار کر کے اس زمانے کے لوگوں کو ان سے مطلع کر دیا۔ ﴿ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ ﴾ ”تاکہ وہ جانیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے اس) میں کچھ شک نہیں، اس وقت لوگ ان کے بارے میں باہم جھگڑنے لگے۔“ یعنی قیامت کے بارے میں یہ لوگ جھگڑنے لگے کہ بعض لوگ قیامت کے قائل تھے اور بعض منکر تو اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے بارے میں ان کو مطلع کر کے ان پر حجت تمام کر دی کہ قیامت کا آنا برحق ہے۔ ﴿ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ؕ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ؕ ﴾ ”تو کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر عمارت بنا دو۔ ان کا پروردگار ان (کے حال) سے خوب واقف ہے۔“ یعنی غار کے دروازے کو بند کر دو، اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ ﴿ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿21﴾ ﴾ ”جو لوگ ان کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ہم ان (کے غار) پر مسجد بنائیں گے۔“ جن لوگوں نے یہ بات کہی وہ اثر ورسوخ کے مالک تھے لیکن سوال یہ ہے کیا یہ لوگ قابلِ ستائش ہیں یا نہیں؟ یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے: [لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارٰى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ (وَصَالِحِيهِمْ) مَّسَاجِدَ] ”اللہ تعالیٰ یہود ونصاریٰ پر لعنت فرمائے، انھوں نے اپنے انبیاء (وصالحین) کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا تھا۔“[2] راوی کہتے ہیں کہ آپ ان کے اس عمل سے جو

---

[1] تفسير الطبري:277/15 و تاريخ الطبري، ذكر الخبر عن أصحاب الكهف:46/2. [2] صحيح البخاري، الجنائز، باب ماجاء في قبر النبي ﷺ ......، حديث:1390 و صحيح مسلم، المساجد ومواضع الصلاة، باب النهي عن بناء المسجد ......، حديث:529 عن عائشة ؓ، قوسین والا لفظ اور [إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذٰلِكَ] ”میں تم کو اس سے روکتا ہوں“ مختلف سیاق کے ساتھ صحيح مسلم، حديث:532 میں ہے۔

انھوں نے کیا تھا ڈرا رہے تھے۔[1]

روایت ہے کہ امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب اپنے زمانے میں عراق میں دانیال کی قبر کو پایا تو آپ نے حکم دیا کہ اسے لوگوں سے چھپا دیا جائے اور اس رقعے کو بھی دفن کر دیا جائے جو ان کی قبر کے پاس سے ملا تھا۔[2] کیونکہ اس طرح قبریں بنانے سے بہت سے فتنے وغیرہ جنم لیتے ہیں۔

تفسیر آیت :22

اصحاب کہف کی تعداد: اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کی تعداد کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ذکر کرتے ہوئے تین اقوال بیان فرمائے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی چوتھا قول نہیں ہے۔ پہلے دونوں اقوال کو ﴿ رَجۡمًۢا بِالۡغَيۡبِ ﴾ ''اٹکل پچو'' کہہ کر ضعیف قرار دیا کہ یہ دونوں قول علم کے بغیر ہیں اور یہ اس طرح ہیں جیسے کوئی ایسی جگہ پتھر پھینکے جسے وہ جانتا ہی نہیں تو وہ پتھر نشانے پر نہیں لگے گا اور اگر لگ بھی جائے تو وہ بلا قصد وارادہ ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے تیسرا قول بیان کر کے اس سے سکوت فرمایا یا اس کی توثیق فرمائی ہے اور وہ قول یہ ہے: ﴿ وَيَقُوۡلُوۡنَ سَبۡعَةٌ وَّثَامِنُهُمۡ كَلۡبُهُمۡ ﴾ ''اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔'' اس سے معلوم ہوا کہ یہی قول صحیح ہے اور واقع اور نفس الامر کے عین مطابق ہے اور ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلۡ رَّبِّيۡۤ اَعۡلَمُ بِعِدَّتِهِمۡ ﴾ ''(اے نبی!) کہہ دیجیے: میرا پروردگار ہی ان کے شمار سے خوب واقف ہے۔'' میں اس طرف رہنمائی ہے کہ اس طرح کے موقع پر احسن بات یہ ہے کہ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا جائے کیونکہ اس طرح کے واقعات میں علم کے بغیر بحث کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع فرما دے تو ہم اس کے مطابق بات کریں گے اور اگر وہ مطلع نہ فرمائے تو پھر ہم بھی کوئی بات نہیں کریں گے۔

﴿ مَّا يَعۡلَمُهُمۡ اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴾ ''ان کو جانتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں۔)'' قتادہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بیان کیا ہے کہ میں بھی ان تھوڑے لوگوں میں شامل ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان کی تعداد سات تھی۔[3] اسی طرح ابن جریج نے عطاء خراسانی سے ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان کی تعداد سات تھی۔[4] ابن جریر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت بیان کی ہے کہ وہ فرماتے تھے میں ان تھوڑے لوگوں میں شامل ہوں جو ان کی تعداد کو جانتے ہیں، ان کی تعداد سات تھی۔[5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک یہ تمام سندیں صحیح ہیں کہ ان کی تعداد سات تھی اور یہ تعداد اس کے مطابق ہے جو ہم قبل ازیں بیان کر آئے ہیں۔[6]

---

[1] راوی کے یہ الفاظ دیکھیے صحیح البخاری، اللباس، باب الأکسیة والخمائص، حدیث:5816,5815 و صحیح مسلم، المساجد......، باب النهي عن بناء المسجد ...... ، حدیث: 531 عن عائشة وعبدالله بن عباس رضی اللہ عنہم. [2] دیکھیے البدایة والنهایة، شيء من خبر دانیال:38,37/2 وفتح السوس:91/7. [3] تفسير الطبري:282/15. [4] تفسير الطبري: 282/15. [5] تفسير الطبري:282/15. [6] دیکھیے الکھف، آیات:10-16 کے ذیل میں عنوان: ''ایمان میں کمی بیشی''

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿23﴾ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۫ وَاذۡکُرۡ رَّبَّكَ

اور آپ کسی شے کے متعلق کبھی یہ نہ کہیں: بے شک میں اسے کل کرنے والا ہوں ﴿23﴾ مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو

اِذَا نَسِیۡتَ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّهۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ هٰذَا رَشَدًا ﴿24﴾

یاد کریں اور کہیں: امید ہے کہ میرا رب اس معاملے میں رشد و بھلائی سے قریب تر بات کی طرف میری رہنمائی کرے گا ﴿24﴾

﴿ فَلَا تُمَارِ فِیۡهِمۡ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ﴾ ''تو آپ ان (کے معاملے) میں بحث نہ کریں مگر سرسری سی بحث۔'' کیونکہ اگر یہ معلوم بھی ہو جائے کہ ان کی صحیح تعداد کتنی تھی تو اس میں کوئی بڑا فائدہ نہیں ہے۔ ﴿ وَّلَا تَسۡتَفۡتِ فِیۡهِمۡ مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿22﴾ ﴾ ''اور نہ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کریں۔'' کیونکہ انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے، یہ اس سلسلے میں جو کچھ کہتے ہیں وہ محض اٹکل پچو سے کہتے ہیں۔ ان کے پاس معصوم پیغمبر کے کلام کی کوئی سند نہیں ہے۔ اور اے محمد (ﷺ!) آپ کے پاس وہ حق آ گیا ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے، لہٰذا یہ سابقہ تمام کتابوں اور اقوال سے مقدم اور فائق ہے۔

تفسیر آیات: 24,23

مستقبل میں کسی کام کے ارادے کے وقت ''ان شاء اللہ'' کہنا: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی اس ادب کی طرف رہنمائی فرمائی ہے کہ آپ مستقبل میں جب کسی چیز کے کرنے کا ارادہ فرمائیں تو اسے اللہ عز و جل کی مشیت کے سپرد کر دیں کیونکہ وہ علام الغیوب ہی جانتا ہے جو ہوا اور جو ہوگا اور جو نہیں ہوا، اس کے بارے میں بھی وہ یہ جانتا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو کس طرح ہوتا۔ جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[قَالَ سُلَیۡمَانُ بۡنُ دَاوٗدَ: (لَأَطُوفَنَّ) اللَّیۡلَةَ عَلٰی سَبۡعِیۡنَ امۡرَأَةً، وَّفِی رِوَایَةٍ : تِسۡعِیۡنَ امۡرَأَةً ، وَّفِی رِوَایَةٍ : مِّائَةِ امۡرَأَةٍ۔ تَلِدُ کُلُّ امۡرَأَةٍ مِّنۡهُنَّ غُلَامًا یُّقَاتِلُ فِی سَبِیۡلِ اللّٰهِ ، فَقِیۡلَ لَهٗ۔ وَفِی رِوَایَةٍ: قَالَ لَهُ الۡمَلَكُ ۔ قُلۡ إِنۡ شَاءَ اللّٰهُ ، فَلَمۡ یَقُلۡ (فَطَافَ) بِهِنَّ فَلَمۡ تَلِدۡ مِنۡهُنَّ إِلَّا امۡرَأَةٌ وَّاحِدَةٌ نِّصۡفَ إِنۡسَانٍ ، قَالَ، فَقَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ: (وَالَّذِی نَفۡسِی بِیَدِهٖ!) لَوۡ قَالَ إِنۡ شَاءَ اللّٰهُ ، لَمۡ یَحۡنَثۡ وَکَانَ دَرَکًا لِّحَاجَتِهٖ ۔ وَفِی رِوَایَةٍ : (وَّلَقَاتَلُوا) فِی سَبِیۡلِ اللّٰهِ فُرۡسَانًا أَجۡمَعُوۡنَ]

''حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام نے کہا تھا کہ میں آج رات ستر عورتوں کے پاس جاؤں گا۔[1] دوسری روایت میں نوے اور تیسری میں سو[2] عورتوں کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ہر عورت ایک ایسے بچے کو جنم دے گی جو اللہ کے رستے میں جہاد کرے گا، آپ کی خدمت میں عرض کی گئی۔ اور ایک روایت میں ہے کہ فرشتے نے کہا۔[3] کہ آپ ان شاء اللہ کہیں مگر آپ

① صحیح البخاری، کفارات الأیمان ، باب الاستثناء فی الأیمان، حدیث:6720. ② صحیح البخاری، النکاح، باب قول الرجل: لأطوفن اللیلة ......، حدیث:5242. ③ صحیح البخاری، النکاح، باب قول الرجل: لأطوفن اللیلة ......، حدیث:5242.

نے نہ کہا، پس آپ ان سب عورتوں کے پاس گئے اور ان میں سے صرف ایک عورت نے نصف بچے کو جنم دیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس ذات اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر آپ ان شاءاللہ کہہ دیتے تو آپ کی قسم پوری ہو جاتی اور اپنی حاجت کو حاصل کر لیتے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں [1] کہ یہ تمام شاہسوار اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرتے۔“ [2]

اس سورت کے شروع میں قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اس آیت کریمہ کے نزول کا سبب یہ ہے کہ نبی ﷺ سے جب اصحاب کہف کے قصے کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: میں تمھیں اس کے بارے میں کل بتاؤں گا اور آپ نے ان شاءاللہ نہ کہا جس کی وجہ سے پندرہ دن تک وحی بند رہی تھی۔ [3] سورۂ مبارکہ کے آغاز میں اس آیت کریمہ کے سببِ نزول کے بارے میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے، لہٰذا اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ [4]

یاد آنے پر ”ان شاءاللہ“ کہنا: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ ﴾ ”اور جب اللہ کا نام لینا بھول جائیں تو یاد آنے پر لے لیں۔“ اس کے معنی یہ ہیں کہ جب آپ ان شاءاللہ کہنا بھول جائیں تو یاد آنے پر ان شاءاللہ کہہ لیا کریں، یہ ابو عالیہ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے۔ [5] ہُشَیم نے اعمش سے، انھوں نے مجاہد سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جو شخص قسم کھائے اسے چاہیے کہ ان شاءاللہ کہہ دے، خواہ ایک سال بعد یاد آئے، گویا فرمان باری تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ جب اللہ کا نام لینا بھول جاؤ تو اس سلسلے میں یاد آنے پر لے لیا کرو۔ اعمش سے کہا گیا کیا تم نے اسے مجاہد سے سنا ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ مجھ سے لیث بن ابوسلیم نے بیان کیا ہے۔ [6]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا ہے کہ خواہ ایک سال بعد یاد آئے تو ان شاءاللہ کہہ لے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب اسے ایک سال بعد یاد آئے کہ وہ اپنے کلام یا قسم میں ان شاءاللہ کہنا بھول گیا تھا تو اس کے لیے سنت یہ ہے کہ وہ اسی وقت کہہ لے تاکہ وہ ان شاءاللہ کہنے کی سنت پر عمل کر سکے، خواہ وہ اپنی قسم کو پورا نہ کر سکا ہو تو پھر بھی ان شاءاللہ کہہ دے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ سے اسی طرح منقول ہے۔ [7] اس کے یہ معنی نہیں کہ اس سے قسم کا کفارہ ادا ہو جائے گا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کی یہ بات صحیح ہے اور زیادہ مناسب یہی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو بھی اسی پر محمول کیا جائے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

امام طبرانی رحمہ اللہ نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس آیت ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ إِذَا نَسِيْتَ ﴾ کے بارے میں یہی روایت

---

[1] صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النبي ﷺ ؟......، حديث: 6639 و صحيح مسلم، الأيمان، باب الاستثناء في اليمين ......، حديث:(25)-1654 ان میں قوسین والے الفاظ کے بجائے [لَجَاهَدُوا] ہے۔ [2] صحيح مسلم، الأيمان، باب الاستثناء......، حديث:(24)-1654 لیکن قوسین والے الفاظ کے بجائے [لَأُطِيفَنَّ]، [فَأَطَافَ] اور [نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ] ہے۔ ہاں، صحيح البخاري، حديث:6639 میں بھی اسی طرح ہے۔ مگر [لَأَطُوفَنَّ] ابن کثیر کے مطابق ہے۔ [3] تفسير الطبري:239,238/15 و السيرة النبوية لابن هشام، سؤال قريش......:302,301/1. [4] دیکھیے سورۂ کہف کی ابتدا میں عنوان: ”سبب نزول“ کے ذیل میں۔ [5] تفسير الطبري:285/15. [6] تفسير الطبري:285/15. [7] تفسير الطبري:285/15.

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿25﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ

اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور مزید نو (سال)﴿25﴾ کہہ دیجیے: اللہ ہی خوب جاننے والا ہے اس مدت کو جتنا (عرصہ) وہ رہے، آسمانوں اور

بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ

زمین کا غیب اسی کے لیے ہے۔ وہ کیا ہی خوب ہے دیکھنے والا اور کیا ہی خوب سننے والا! ان کے لیے اس (اللہ) کے سوا کوئی بھی مددگار نہیں، اور وہ

مِنْ وَّلِیٍّ ز وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿26﴾

اپنے حکم میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا﴿26﴾

بیان کی ہے کہ جب یاد آئے تو ان شاءاللہ کہہ لیا کرو۔[1] ﴿ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿24﴾ ﴾ ”اور کہہ دیجیے: امید ہے کہ میرا پروردگار اس معاملے میں رشد و بھلائی سے قریب تر بات کی طرف رہنمائی کرے گا۔“ یعنی جب تم سے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال پوچھا جائے جسے آپ نہیں جانتے تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے پوچھ لیا کریں اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کیا کریں تاکہ وہ آپ کی رہنمائی کرتے ہوئے آپ کو درست جواب بتا دے۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات: 26,25

غار میں قیام کی مدت: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو یہ خبر بتائی ہے کہ جب اس نے اصحاب کہف پر نیند طاری کی تو اس وقت سے لے کر انھیں بیدار کرنے اور اس زمانے کے لوگوں کو ان سے مطلع کرنے تک کی مدت قمری حساب سے تین سو نو سال اور شمسی حساب سے پورے تین سو سال ہے کیونکہ ایک سو قمری و شمسی سالوں میں تین سال کا فرق پڑ جاتا ہے، اس لیے تین سو کا عدد ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿25﴾ ﴾ ”اور نو اوپر“ ﴿ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ ﴾ ”کہہ دیں کہ جتنا (عرصہ) وہ رہے اسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔“ یعنی جب آپ سے ان کی مدت کے بارے میں پوچھا جائے اور آپ کو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم نہ ہو تو اس سلسلے میں اپنی طرف سے کچھ نہ کہیے بلکہ یہ ﴿ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ﴾ ”کہہ دیجیے کہ اللہ ہی خوب جانتا ہے جتنا (عرصہ) وہ رہے، اسی کو آسمانوں اور زمین (کے علم) کا غیب ہے۔“ یعنی اسے صرف اللہ ہی جانتا ہے اور مخلوق میں سے وہ جانتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس سے مطلع فرما دیا ہو۔ امام مجاہد اور سلف و خلف میں سے بہت سے ائمہ تفسیر کا بھی یہی قول ہے۔[2]

اور قتادہ ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ ﴾ ”اور اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال رہے۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کا قول ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ ﴾ ”کہہ دیجیے: جتنا (عرصہ) وہ رہے، اُسے اللہ ہی خوب جانتا ہے۔“ عبداللہ کی قراءت میں اس طرح ہے: [وَقَالُوا: وَلَبِثُوا] یعنی لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے۔[3] مُطَرِّف بن عبداللہ نے بھی اسی طرح کہا

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 147/5، حديث: 6872. [2] تفسير الطبرى: 287/15. [3] تفسير الطبرى: 287/15.

وَ اتۡلُ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡکَ مِنۡ کِتَابِ رَبِّکَ ۚؕ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ۟ وَ لَنۡ تَجِدَ مِنۡ دُوۡنِہٖ

اور آپ اس کی تلاوت کیجیے جو کچھ آپ کے رب کی کتاب میں سے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے، اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور آپ

مُلۡتَحَدًا ﴿27﴾ وَ اصۡبِرۡ نَفۡسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالۡغَدٰوۃِ وَ الۡعَشِیِّ یُرِیۡدُوۡنَ

اس کے سوا کوئی جائے پناہ ہرگز نہیں پائیں گے ﴿27﴾ اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھیں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، وہ اس کا

وَجۡہَہٗ وَ لَا تَعۡدُ عَیۡنٰکَ عَنۡہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ لَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا

چہرہ چاہتے ہیں اور آپ کی آنکھیں ان سے تجاوز نہ کریں کہ دنیاوی زندگی کی زینت چاہنے لگیں اور اس شخص کی اطاعت نہ کریں جس کا دل ہم نے

قَلۡبَہٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَ اتَّبَعَ ہَوٰىہُ وَ کَانَ اَمۡرُہٗ فُرُطًا ﴿28﴾

اپنے ذکر سے غافل کر دیا، اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا، اور اس کا معاملہ حد سے بڑھا ہوا ہے ﴿28﴾

ہے۔ لیکن امام قتادہ کی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ اہل کتاب کے پیش نظر جو بات ہے وہ یہی ہے کہ وہ اپنے غار میں پورے تین سو سال رہے، نو سال زیادہ نہیں اور ان کی مراد تین سو شمسی سال ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ اہل کتاب کے قول کے طور پر بیان کیا ہوتا تو پھر یہ نہ فرماتا ﴿وَ ازۡدَادُوۡا تِسۡعًا ﴿25﴾﴾ "اور نو اوپر" آیت کریمہ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے، اہل کتاب کا قول بیان نہیں فرمایا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی بات کو اختیار کیا ہے۔[1] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

﴿اَبۡصِرۡ بِہٖ وَ اَسۡمِعۡ ؕ﴾ کا مفہوم: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَبۡصِرۡ بِہٖ وَ اَسۡمِعۡ ؕ﴾ "وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے!" یعنی وہ انھیں خوب دیکھنے والا اور ان کی باتوں کو خوب سننے والا ہے۔ یہ صیغے مدح میں مبالغے کے لیے ہیں، گویا کہ اس طرح کہا ہے کہ مَا أَبْصَرَهُ وَأَسْمَعَهُ.[2] اور معنی کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر موجود کو خوب دیکھنے والا اور ہر بات کو خوب سننے والا ہے کہ اس سے کوئی چیز بھی مخفی نہیں۔ امام قتادہ سے اس کے یہ معنی مروی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر نہ کوئی دیکھنے والا ہے اور نہ سننے والا۔[3]

﴿مَا لَہُمۡ مِّنۡ دُوۡنِہٖ مِنۡ وَّلِیٍّ ۫ وَّ لَا یُشۡرِکُ فِیۡ حُکۡمِہٖۤ اَحَدًا ﴿26﴾﴾ "اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ ہی نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا اور ساری کائنات میں اسی کا امر کارفرما ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کا کوئی وزیر نہیں، کوئی نصیر نہیں، کوئی شریک نہیں، کوئی مشیر نہیں، اس کی ذاتِ گرامی ان سب باتوں سے پاک ہے۔

تفسیر آیات: 28,27

تلاوتِ قرآن اور مومنوں کے ساتھ صبر کرنے کا حکم: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا ہے کہ کتاب عزیز کی تلاوت کریں اور اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ۟﴾ "اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں" اللہ تعالیٰ کی باتوں کو

---

[1] تفسیر الطبری:288/15. [2] تفسیر الطبری:290/15. [3] تفسیر الطبری:290/15.

کوئی بدل نہیں سکتا، کوئی اس میں تحریف وتاویل نہیں کرسکتا۔ ﴿ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴾ ”اور اس کے سوا تم کہیں پناہ بھی نہیں پاؤ گے۔“ مجاہد سے روایت ہے کہ ﴿ مُلْتَحَدًا ﴾ کے معنی ملجأ، یعنی جائے پناہ کے ہیں۔[1] قتادہ سے روایت ہے کہ اس کے معنی ولی اور مولیٰ کے ہیں۔[2] ابن جریر کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے محمد (ﷺ!) اگر آپ نے اپنے رب کی اس کتاب کی تلاوت نہ کی جسے آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کے سوا آپ کا کوئی ملجا نہ ہوگا۔[3]

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ ﴾ (المآئدة 5:67) ”اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئے ہیں سب لوگوں کو پہنچا دیں اور اگر ایسا نہ کیا تو آپ اللہ کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔“ اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ ﴾ (القصص 28:85) ”(اے پیغمبر!) بلاشبہ وہ (اللہ) جس نے آپ پر قرآن (کے احکام کو) نازل کیا، یقیناً وہ آپ کو (اچھے) انجام تک پہنچانے والا ہے۔“ یعنی وہ آپ سے اس فرض کے بارے میں پوچھے گا جو اس نے تبلیغ رسالت کے بارے میں عائد کیا ہے۔

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ ”اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کے چہرے کے طالب ہیں، ان کے ساتھ آپ اپنے آپ کو روک رکھیں۔“ یعنی آپ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ جائیں جو اللہ کا ذکر کرتے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھتے، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پڑھتے، تحمید وتسبیح وتکبیر کرتے اور صبح شام اس سے دعائیں کرتے ہیں، خواہ یہ بندگان الٰہی فقیر ہوں یا امیر، قوی ہوں یا ضعیف۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان سرداران قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنھوں نے نبی ٔاکرم ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ آپ اکیلے ان کے پاس بیٹھا کریں اور بلال، عمار، صہیب، خبّاب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے کمزور صحابہ ان کے پاس نہ بیٹھیں بلکہ انھیں آپ الگ مجلس میں بٹھایا کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ ...... ﴾ الآیة (الأنعام 6:52) ”اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں (اور) اس کے چہرے کے طالب ہیں اُن کو (اپنے پاس سے) مت نکالیں......۔“

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ آپ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر صبر کرتے رہیں۔ ﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ ﴾ ”اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے اور اس کے چہرے کے طالب ہیں، ان کے ساتھ اپنے آپ کو روک رکھیں۔“

رحمٰن کے بندوں سے بے رخی نہ کرنے کی ترغیب: امام مسلم نے اپنی صحیح میں سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ ہم چھ آدمی نبی ٔاکرم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ مشرکین نے آپ سے کہا کہ ان لوگوں کو یہاں سے نکال دو یہ ہم

[1] تفسیر الطبری:291/15. [2] تفسیر الطبری:291/15. [3] تفسیر الطبری:291,290/15.

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا

اور کہہ دیجیے: حق تو تمھارے رب کی طرف سے ہے، پھر جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، بلاشبہ ہم نے ظالموں کے لیے ایسی آگ تیار

لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ

کر رکھی ہے جس کی قناتوں نے ان کا احاطہ کر رکھا ہے اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ایسے پانی کے ساتھ ان کی فریاد رسی کی جائے گی جو

يَشْوِي الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿29﴾

تیل کی تلچھٹ کے مانند ہوگا، وہ (ان کے) چہرے بھون ڈالے گا وہ برا مشروب ہے اور وہ بری آرام گاہ ہے ﴿29﴾

سے بات کی جرأت نہ کریں۔ سعد بیان کرتے ہیں کہ اس وقت نبیٔ اکرم ﷺ کے پاس میں، ابن مسعود، ہذیل کا ایک شخص، بلال اور دو اور آدمی بیٹھے ہوئے تھے جن کے میں نام بھول گیا ہوں، رسول اللہ ﷺ کے دل میں بھی اس سلسلے میں خیال آیا تو اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ...... ﴾ الآية (الأنعام 52:6) ''اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں (اور) اس کے چہرے کے طالب ہیں ان کو (اپنے پاس سے) مت نکالیں......۔''[1] اس روایت کو صرف امام مسلم رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان نہیں فرمایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ﴾ ''اور اپنی آنکھوں کو ان سے نہ ہٹائیں، آپ دنیوی زندگی کی زیب وزینت کا ارادہ کرتے ہیں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں، یعنی ان سے تجاوز کر کے دوسروں کی طرف نہ دیکھیے۔[2] اور ان کے بجائے اصحاب شرف وثروت کو طلب نہ کیجیے۔

﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا ﴾ ''اور اس شخص کا کہنا نہ مانیں جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے۔'' یاد سے غافل کر دینے سے مراد یہ ہے کہ اس دین سے اور دنیا میں اپنے رب کی عبادت سے غافل کر دیا ہے۔

﴿ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴿28﴾ ﴾ ''اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے۔'' اس کے تمام اعمال وافعال احمقانہ، ناکارہ اور برباد ہیں، لہٰذا آپ اس کی بات مانیں نہ اس کے طریقے کو پسند کریں اور نہ اس کے مال ودولت پر رشک کریں جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ○ ﴾ (طٰہٰ 131:20) ''اور آپ ہرگز اپنی دونوں آنکھیں نہ اٹھائیں ان چیزوں کی طرف دنیاوی زندگی کی آرائش کے طور پر ہم نے ان کے کے گروہوں کو دے رکھی ہیں تاکہ ہم انھیں ان کے ذریعے سے آزمائیں اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر اور دیرپا ہے۔''

تفسیر آیت:29

حق آچکا ہے تو جو کوئی اس کا انکار کرے گا......: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ!) آپ

[1] صحیح مسلم، فضائل الصحابة، باب فی فضل سعد بن أبی وقاص رضی اللہ عنہ، حدیث:(46)-2413. [2] تفسیر الطبری: 292/15.

لوگوں سے یہ کہہ دیں کہ یہ دین جو میں تمھارے پروردگار کی طرف سے لایا ہوں یہ حق ہے اور اس میں قطعاً کوئی شک وشبہ نہیں ہے: ﴿ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ﴾ ''جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔'' یہ ڈانٹ ڈپٹ اور شدید وعید ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ﴾ ''ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے، اس کی قناتیں ان کو گھیرے ہوئے ہوں گی۔'' یہاں ظالموں سے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اسی کی کتاب کے ساتھ کفر کرنے والے لوگ مراد ہیں۔ سرادق سے مراد دیواریں ہیں۔ ابن جریج نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ﴿ سُرَادِقُهَا ﴾ سے مراد جہنم کی دیواریں ہیں۔[1]

جہنمیوں کا کھانا پینا، زقوم اور تلچھٹ ہوگا: ﴿ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ﴾ ''اور اگر وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مہل سے مراد ایسا غلیظ پانی ہے جو تیل کی تلچھٹ کی طرح ہو۔[2] مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد خون اور پیپ ہے۔[3] عکرمہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی حرارت انتہا کو پہنچ چکی ہو۔[4] کچھ دیگر ائمۂ تفسیر کا کہنا ہے کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جسے پگھلا دیا گیا ہو۔[5] قتادہ کہتے ہیں کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے سونے کو بھٹی میں پگھلایا جب وہ خوب پگھل گیا اور جھاگ دینے لگا تو فرمایا کہ یہ المھل کے بہت زیادہ مشابہ ہے۔[6] ضحاک کہتے ہیں کہ جہنم کا پانی سیاہ رنگ کا ہوگا اور جہنمیوں کا رنگ بھی سیاہ ہوگا۔[7]

یہ اقوال ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں کیونکہ مہل ان تمام رذیل اوصاف کے مجموعے کا نام ہے، وہ سیاہ بھی ہے اور بدبودار بھی، غلیظ بھی ہے اور سخت گرم بھی، اس لیے فرمایا: ﴿ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ﴾ ''چہروں کو بھون ڈالے گا'' یعنی شدت حرارت کی وجہ سے وہ چہروں کو بھون ڈالے گا۔ جب کافر اسے پینے کا ارادہ کرے گا اور اسے اپنے منہ کے قریب لائے گا تو وہ اس کے چہرے کو بھون ڈالے گا حتی کہ اس کے چہرے کی کھال اس میں گر جائے گی۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ جہنمی جب بھوکے ہوں گے تو وہ فریاد کریں گے، پھر ان کی فریاد رسی زقوم کے درخت کے ساتھ کی جائے گی جسے وہ کھائیں گے اس سے ان کے چہروں کی کھالیں جھلس جائیں گی، اس کے باوجود ان کے پاس سے گزرنے والا انھیں پہچان لے گا کیونکہ ان کے چہروں سے ان کی کھالوں کی بدبو آ رہی ہوگی، پھر ان پر پیاس طاری کر دی جائے گی، وہ فریاد کریں گے تو ان کی فریاد رسی ایسے پانی سے کی جائے گی جو مہل کی طرح ہوگا اور انتہائی شدید گرم کہ جب اسے اپنے مونہوں کے قریب کریں گے تو ان کی کھالیں اتر جائیں گی اور گوشت بھن جائے گا۔[8]

---

[1] تفسیر الطبری:297/15. [2] تفسیر الطبری:299/15. [3] تفسیر الطبری:298/15. [4] تفسیر الطبری:297/15 عن سعید بن جبیر. [5] تفسیر الطبری:298/15. [6] تفسیر الطبری:298/15. [7] تفسیر الطبری:299/15. [8] تفسیر الطبری:300/15.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿30﴾ اُولٰٓئِكَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جس نے اچھا عمل کیا ﴿30﴾

لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ

انھی لوگوں کے لیے ابدی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہاں انھیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے

وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ

اور وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، وہاں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیا اچھا بدلہ ہے

نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿31﴾

ع 4/9 16

اور وہ اچھی آرام گاہ ہے! ﴿31﴾

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پانی کی ان مذموم اور قبیح صفات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ ﴾ ''کیسا برا ہوگا وہ پانی!'' جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ○ ﴾ (محمد 15:47) ''اور کھولتا ہوا پانی انھیں پینے کو دیا جائے گا، وہ ان کی انتڑیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ○ ﴾ (الغاشية 5:88) ''شدید کھولتے ہوئے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ○ ﴾ (الرحمٰن 44:55) ''وہ جہنم کے درمیان اور سخت کھولتے پانی کے درمیان چکر لگائیں گے۔'' اور یہاں فرمایا ہے: ﴿ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿29﴾ ﴾ ''اور کیسی بری ہے آرام گاہ!'' یعنی جہنم بہت ہی بری جگہ، برا ٹھکانا اور برا مقام ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ○ ﴾ (الفرقان 66:25) ''اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانا اور (برا) مقام ہے۔''

تفسیر آیات: 31,30

ایمان اور اعمال صالحہ کی جزا: اللہ تعالیٰ نے بدبخت لوگوں کے ذکر کے بعد اب ان سعادت مند لوگوں کا ذکر فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، جنھوں نے حضرات انبیائے کرام کی تصدیق کی اور وہ ان اعمال صالحہ کو بجالاتے رہے جن کا حضرات انبیائے کرام نے انھیں حکم دیا تھا: ﴿ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ ﴾ ''ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہیں۔'' ﴿ عَدْنٍ ﴾ کے معنی ہمیشگی اور اقامت کے ہیں۔ ﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ﴾ ''ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔'' یعنی ان کے مکانوں اور بالا خانوں کے نیچے نہریں رواں دواں ہوں گی۔ فرعون نے کہا تھا: ﴿ هٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿﴾ ﴾ (الزخرف 51:43) ''اور یہ نہریں میرے نیچے بہ رہی ہیں کیا تم دیکھتے نہیں؟''

پھر فرمایا: ﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ ﴾ ''ان کو اس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔'' دوسری جگہ فرمایا: ﴿ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ○ ﴾ (الحج 23:22) ''وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کی ریشم کی پوشاک ہوگی۔'' اور یہاں اس پوشاک کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ ﴾ ''اور وہ سبز رنگ کے باریک اور موٹے ریشم کے کپڑے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ

اور (اے نبی!) ان کے لیے ایک مثال بیان کیجیے، دو آدمی ہیں، ہم نے ان میں سے ایک کو انگوروں کے دو باغ عطا کیے اور ان کے گرد کھجوروں کی باڑ

وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿32﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا

لگا دی اور ان دونوں کے درمیان کھیتی اگا دی ﴿32﴾ دونوں باغوں نے اپنا پھل دیا، اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کیا اور ان کے درمیان ہم نے ایک نہر

خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿33﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ

بہائی ﴿33﴾ اور اس کے لیے پھل تھے تو وہ اپنے ساتھی سے کہنے لگا، جبکہ اس سے بحث کر رہا تھا: میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں اور جتھے میں (بھی)

مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿34﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

زیادہ معزز ہوں ﴿34﴾ اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا، جبکہ وہ اپنی جان کے لیے ظالم تھا، اس نے کہا: میں گمان نہیں کرتا کہ یہ (باغ) کبھی تباہ ہوگا ﴿35﴾

هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴿35﴾ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا

اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے، اور اگر (بالفرض) واقعی مجھے اپنے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً ضرور میں وہاں ان (باغوں)

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿36﴾

سے بہتر لوٹنے کی جگہ پاؤں گا ﴿36﴾

پہنیں گے۔'' قمیص کی طرح کا لباس ہوگا جو بہت ہی ملائم اور باریک ہوگا اور ﴿ اِسْتَبْرَقٍ ﴾ ایسے موٹے ریشم کو کہتے ہیں جس میں بہت چمک دمک ہو۔ ﴿ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ﴾ ''اس میں مسہریوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔'' الاتکاء کے معنی لیٹنے کے ہیں اور ایک قول کے مطابق آلتی پالتی مار کر بیٹھنے کے ہیں اور یہاں یہی معنی قرین صواب معلوم ہوتے ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا] ''میں تکیہ لگا کر نہیں کھاتا۔''[1]

أرائك، اریکہ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ مسہری ہوتی ہے جو حجلۂ عروسی کے نیچے ہوتی ہے اور حجلہ وہ ہے جسے ہمارے زمانے کے لوگ باش خانے کے نام سے جانتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ

﴿ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿31﴾ ﴾ ''کیا اچھا صلہ ہے اور کیسی بہتر جگہ ہے۔'' یعنی جنت ان کے اعمال کی بہت اچھی جزا اور بہت بہتر جگہ ہے، بہت اچھا ٹھکانا اور بہت اچھا مقام ہے جیسا کہ جہنم کے بارے میں فرمایا تھا: ﴿ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ﴾ (الکھف 29:18) ''کیسا برا ہوگا وہ پانی اور کیسی بری ہوگی وہ آرام گاہ!'' سورۂ فرقان میں بھی ان دونوں میں تقابل کرتے ہوئے جہنم کے بارے میں فرمایا: ﴿ اِنَّهَا سَاۗءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾ (الفرقان 44:25) ''اور بے شک وہ (جہنم) برا ٹھکانا اور برا مقام ہے۔'' اور پھر مومنین کی صفات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ اُولٰۗىِٕكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۙ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ﴾ (الفرقان 76,75:25) ''ایسے لوگوں کو بوجہ ان کی

[1] جامع الترمذي، الأطعمة، باب ماجاء في كراهية الأكل متكئا، حديث:1830 وصحيح البخاري، الأطعمة، باب الأكل متكئا، حديث:5398 میں [إِنِّي لَا آكُلُ مُتَّكِئًا] عن أبي جُحَيفة (علي بن الأقمر ﷺ) ہے۔

ثابت قدمی کے بالا خانے ملیں گے اور ان کو وہاں دعا و سلام ملے گا، اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا ہے وہ ٹھکانا اور مقام!''

تفسیر آیات:32-36

دولت مند مشرک اور فقیر مسلم کی مثال: اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کے ذکر کے بعد جو از راہ تکبر کمزور اور مسکین مسلمانوں کی مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں کرتے تھے اور اپنے مال و دولت اور حسب و نسب پر بہت فخر کرتے تھے، دو آدمیوں کی مثال بیان فرمائی ہے۔ جن میں سے ایک شخص کے انگوروں کے دو ایسے باغ تھے جنھیں کھجور کے درختوں نے گھیر رکھا تھا اور ان کے درمیان کھیتیاں بھی تھیں، تمام درخت اور کھیتیاں نہایت عمدہ نسل کی تھیں اور وہ خوب خوب پیداوار دیتی تھیں، اسی لیے فرمایا: ﴿ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ﴾ ''دونوں باغ اپنا پورا پھل دیتے تھے اور کسی کی پیداوار میں ذرا کمی نہ رہتی۔'' ﴿ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴾ ''اور ہم نے ان دونوں کے درمیان ایک ندی جاری کر رکھی تھی۔'' یعنی اسی میں ادھر ادھر ندیاں بھی رواں دواں تھیں۔ ﴿ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ﴾ ''اور اس (شخص) کے لیے پھل تھے۔'' ﴿ ثَمَرٌ ﴾ کا لفظ یہاں مال کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور دوسرے قول کے مطابق اس سے مراد پھل ہی ہیں اور یہی معنی زیادہ قرین صواب ہیں اور دوسری قراءت سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے جو یہ ہے: [وَ كَانَ لَهٗ ثُمُرٌ] یعنی اس قراءت کے مطابق ثا پر ضمہ اور میم ساکن ہے اور اس طرح یہ ثَمَرۃ کی جمع ہوگی جیسے خَشَبَۃٌ کی جمع خُشُبٌ آتی ہے۔[1] دوسرے قراء نے اسے ثَمَرٌ ثا اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔[2]

مال دار فاسق و فاجر کا فخر و غرور کرنا اور اتراتے ہوئے باغ میں داخل ہونا: ﴿ فَقَالَ ﴾ یعنی ان دو باغوں کے مالک نے کہا: ﴿ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ ﴾ ''اپنے ساتھی سے گفتگو کرتے ہوئے۔'' اس سے لڑائی جھگڑا کرتے اور فخر و غرور کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾ ''میں تجھ سے مال میں بھی زیادہ ہوں اور مجمع میں (بھی) زیادہ معزز ہوں۔'' یعنی میرے پاس تیری نسبت (مال) خدم و حشم اور اولاد زیادہ ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ایک فاجر و فاسق انسان کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے پاس مال و دولت کی کثرت ہو اور پارٹی کے اعتبار سے اسے عزت حاصل ہو۔[3]

﴿ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ﴾ ''اور وہ اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا۔'' وہ کفر، سرکشی، تکبر، فخر و غرور اور آخرت کا انکار کرتے ہوئے اپنے باغ میں داخل ہوا اور ﴿ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ﴾ ''بولا کہ میرا تو یہ خیال نہیں کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہو۔'' وہ اپنے کھیتوں، درختوں، پھلوں اور ان میں رواں دواں نہروں کو دیکھ کر فریب خوردہ ہو گیا اور گمان کرنے لگا کہ یہ کبھی بھی فنا اور تباہ و برباد نہ ہوں گی اور اس کا یہ گمان فاسد اس کی قلت عقل، ضعفِ یقین، دنیا کی زندگی اور زینت پر اعجاب اور آخرت کے انکار کا نتیجہ تھا، اس لیے اس نے کہا: ﴿ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ﴾ ''اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت (کبھی) آئے گی۔'' یعنی کبھی برپا ہوگی۔ ﴿ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾

---

[1] تفسیر الطبری:306/15 و تفسیر القرطبی:403/10. [2] تفسیر الطبری:306/15 و تفسیر القرطبی:403/10. [3] تفسیر الطبری:306/15.

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

اس کے (مومن) ساتھی نے اس سے کہا، جبکہ اسے جواب دے رہا تھا: کیا تو اس (ذات) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا،

ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ؕ ﴿37﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿38﴾ وَلَوْلَآ اِذْ

پھر نطفے سے، پھر تجھے ٹھیک پورا مرد بنا دیا؟ ﴿37﴾ لیکن (میں تو عقیدہ رکھتا ہوں کہ) وہ اللہ ہی میرا رب ہے، اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی

دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا

شریک نہیں کرتا ﴿38﴾ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ، لاقوۃ الا باللہ (جو اللہ نے چاہا، کوئی قوت نہیں مگر اللہ کی مدد سے)؟

وَّوَلَدًا ۚ ﴿39﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ

اگر تو مجھے مال اور اولاد میں کمتر دیکھتا ہے ﴿39﴾ تو امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر دے اور اس (تیرے باغ) پر آسمان سے کوئی

السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۙ ﴿40﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿41﴾

عذاب بھیجے تو وہ (باغ) چٹیل پھسلنا میدان ہو جائے ﴿40﴾ یا اس کا پانی گہرا ہو جائے، پھر تو ہرگز اسے تلاش کرنے کی استطاعت نہیں رکھے گا ﴿41﴾

''اور اگر میں اپنے پروردگار کے پاس پہنچایا گیا (بھی) تو میں یقیناً اس (باغ) سے (بھی) بہتر جگہ پاؤں گا۔'' یعنی اگر آخرت واقعی برپا ہوئی اور ہمیں اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہوا تو وہاں میرے لیے اس سے بھی زیادہ اچھا مقام ہوگا کیونکہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہ ہوتا تو وہ مجھے یہ باغات عطا نہ کرتا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ 41:50) ''اور اگر مجھے میرے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لیے اس کے پاس بھی بہتری ہی ہوگی۔'' اور فرمایا: ﴿ اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ ﴾ (مریم19:77) ''کیا آپ نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ہماری نشانیوں کا کفر کیا اور کہا کہ مجھے تو مال واولاد ضرور ملے گا'' یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کو گویا اس نے قسم دیتے ہوئے یہ کہا۔ یہ آیت کریمہ عاص بن وائل کے بارے میں نازل ہوئی تھی جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔[1] اِنْ شَاءَ اللّٰهُ ،وَبِهِ الثِّقَةُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ.

تفسیر آیات: 37-41

فقیر مومن کا جواب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے مومن ساتھی نے اسے وعظ ونصیحت کرتے اور اسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور فخر وغرور سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ﴾ ''کیا تو اس (ذات) کے ساتھ کفر کرتا ہے جس نے تجھے (پہلے) مٹی سے پیدا کیا۔'' یہ تردید ہے اس کی اس بات کی جو وہ اپنے اس رب کا انکار کرتا تھا جس نے اسے پیدا کیا تھا اور جس نے سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا تھا اور پھر اس کی نسل کو بے قدر پانی سے پیدا کیا جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ...... ﴾ الآیۃ (البقرۃ2:28) ''تم کس طرح اللہ کا کفر کر سکتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے، اس نے تمھیں زندہ کیا......'' یعنی تم اپنے رب کا کس طرح انکار کر سکتے ہو، حالانکہ اس کی دلالت

[1] دیکھیے مریم، آیت: 77 کے ذیل میں۔

تم پر بالکل ظاہر اور واضح ہے جسے ہر انسان خود اپنے نفس ہی سے معلوم کر سکتا ہے کیونکہ مخلوقات میں سے ہر کوئی جانتا ہے کہ پہلے اس کا کوئی ذکر تک مذکور نہ تھا، پھر اسے وجود بخشا گیا۔ اس نے خود اپنے آپ کو وجود نہیں بخشا اور نہ ہی اس کی نسبت مخلوقات میں سے کسی کی طرف کی جا سکتی ہے کیونکہ تمام مخلوقات تو خود اس کے مانند ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اسے اس کے خالق نے وجود بخشا ہے اور خالق وہ اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی نے ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے، اسی لیے اس مرد مومن نے اس سے کہا: ﴿ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ ﴾ ''لیکن (میرا تو یہ عقیدہ ہے کہ) وہی اللہ میرا پروردگار ہے۔'' میں وہ بات نہیں کہہ سکتا جو تم کہہ رہے ہو بلکہ میں تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور ربوبیت کا اعتراف کرتا ہوں ﴿ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا۝۳۸ ﴾ ''اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔'' کیونکہ وہ اللہ وحدہ لاشریک ہی معبود ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

کوئی بھلی چیز دیکھ کر کیا کہنا چاہیے؟ اس مرد مومن نے پھر یہ بھی کہا: ﴿ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا۝۳۹ ﴾ ''اور تو جب اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ جو چاہتا ہے (وہی ہوتا ہے) اور (کسی میں) کوئی قوت نہیں سوائے اللہ (کی مدد) کے (اور) اگرچہ تو مجھے مال و اولاد میں کمتر ہی دیکھتا ہے۔'' یہ گویا اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی ترغیب ہے کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو نے باغ کو دیکھا اور اس کا منظر تجھے بہت خوش کن محسوس ہوا تو تو نے اپنے اس اللہ کا شکر کیوں ادا نہ کیا جس نے تجھ پر انعام فرمایا اور تجھے اس قدر کثرت سے مال و اولاد عطا فرمائے جو تیرے سوا کسی اور کو نہیں دیے، الغرض! تو نے اپنے باغ میں داخل ہوتے وقت یہ کیوں نہ کہا: ﴿ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ ﴾ بعض ائمۂ سلف نے کہا ہے کہ جس شخص کو اپنے حال، مال یا اولاد میں سے کوئی چیز بہت ہی انوکھی معلوم ہو تو اسے یہ کلمات ﴿ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ ﴾ پڑھ لینے چاہییں۔ یہ بات اسی آیت کریمہ سے ماخوذ ہے۔

ابوموسیٰ سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰى كَنْزٍ مِّنْ كُنُوزِ الْجَنَّةِ؟] ''کیا میں تمھیں جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانے کے بارے میں نہ بتاؤں؟'' (وہ یہ ہے) [لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ] ''اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے بغیر کسی شخص کو اللہ کی نافرمانی (اور گناہ) سے بچنے کی قدرت نہیں اور اللہ کی مدد (اور توفیق) کے بغیر کسی شخص کو اللہ کی اطاعت کی طاقت نہیں۔''[1]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَعَسٰى رَبِّيْۤ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ ﴾ ''تو عجب نہیں کہ میرا پروردگار مجھے تمھارے باغ سے بہتر عطا فرمائے۔'' یعنی آخرت میں۔ ﴿ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا ﴾ ''اور اس پر بھیج دے'' یعنی دنیا ہی میں تیرے اس باغ پر بھیج دے جس کے بارے میں تو نے یہ گمان کیا ہے کہ یہ کبھی زوال پذیر اور فنا نہیں ہوگا۔ ﴿ حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما

[1] صحيح البخاري، الدعوات، باب قول: لاحول ولا قوة إلا بالله، حديث:6409 وصحيح مسلم، الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب خفض الصوت......، حديث:2704 ومسند أحمد:403/4 واللفظ له.

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى

اور اس کا پھل گھیر لیا (تباہ کر دیا) گیا، پھر وہ (ایسے) ہو گیا کہ اس (مال) پر اپنی ہتھیلیاں ملتا تھا جو اس نے اس میں خرچ کیا تھا، جبکہ وہ (باغ) اپنی

عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿42﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ

چھتریوں پر گرا ہوا تھا، اور وہ کہتا تھا: اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرتا ﴿42﴾ اور اس کے لیے کوئی ایسا گروہ نہیں تھا جو اللہ

يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿43﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ط

کے سوا اس کی مدد کرتے اور نہ وہ (خود ہم سے) بدلہ لینے والا تھا ﴿43﴾ وہاں تو تمام اختیار اللہ سچے ہی کے لیے ہیں، وہ ثواب (دینے) میں بہتر اور انجام

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿44﴾ ع

5 ع 13 17

کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے ﴿44﴾

ضحاک اور قتادہ کا قول ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آسمان سے عذاب آئے۔ [1]

اور امام مالک رحمہ اللہ نے امام زہری رحمہ اللہ سے بھی روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے عذاب بھیج دے۔ اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد ایسی زبردست اور خوفناک بارش ہے جو کھیتیوں اور درختوں کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر تباہ و برباد کر ڈالے، اس لیے کہا: ﴿فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿40﴾﴾ ''تو وہ صاف میدان ہو جائے۔'' صاف میدان ہو جائے جس کی مٹی ایسی ملائم ہو کہ اس میں قدم نہ جمتا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایسا بنجر میدان بن جائے جس میں کوئی چیز نہیں اگتی۔ [2] ﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا﴾ ''یا اس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے۔'' یعنی زمین میں گہرا ہو جائے۔ غائر، نابع کی ضد ہے، نابع اس پانی کو کہتے ہیں جو زمین کی سطح کے اوپر آنا چاہتا ہے اور غائر اس کو کہتے ہیں جو زمین کے نچلے حصے کی طرف جانا چاہتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ ۝﴾ (الملك 30:67) ''کہہ دیجیے: بھلا دیکھو تو اگر تمھارا پانی (جو تم پیتے ہو اور برتتے ہو) گہرا ہو جائے تو (اللہ کے سوا) کون ہے جو تمھارے لیے شیریں پانی کا چشمہ بہا لائے؟'' جو جاری وساری اور رواں دواں ہو۔ اور یہاں فرمایا: ﴿اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿41﴾﴾ ''یا اس (کی نہر) کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اسے نہ لا سکو۔'' غور مصدر ہے بمعنی غائر اور غائر کی نسبت یہ زیادہ بلیغ ہے۔

تفسیر آیات: 42-44

کفر کا بدترین انجام: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ﴾ ''اور اس کا پھل گھیر لیا (تباہ کر دیا) گیا۔'' دوسرے قول کے مطابق اس کے مالوں اور پھلوں کو عذاب نے آ گھیرا۔ مقصود یہ ہے کہ کافر اسی انجام سے دوچار ہوا جس کا ڈر تھا اور جس سے مردِ مومن نے بھی اسے ڈرایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کے باغ پر عذاب نہ بھیج دے جس پر اسے بڑا ناز ہے اور جس نے اسے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیا ہے: ﴿فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا﴾ ''تو جو مال اس نے اس پر خرچ کیا تھا، اس پر (حسرت

[1] تفسیر الطبری:309/15. [2] تفسیر الطبری:309/15.

سے)ہاتھ ملتے رہ گیا۔'' قتادہ فرماتے ہیں کہ وہ کف افسوس ملتا تھا اوران مالوں کے ضائع ہونے کا اسے غم تھا جو اس نے باغ پر خرچ کیے تھے۔[1] ﴿ وَ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ ﴾ ''اور کہنے لگا کہ کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناتا،اور(اس وقت) کوئی جماعت اس کی (مددگار) نہ ہوئی۔'' اس کے رشتے دار یا بیٹے جن پر اسے بڑا ناز اور فخر تھا اس کے کسی کام نہ آسکے۔[2] ﴿ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ ﴾ ''اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔ وہاں تو تمام اختیار اللہ سچے ہی کا ہے۔''

﴿ هُنَالِكَ ﴾ اور ﴿ الْوَلَايَةُ ﴾ کی مختلف قراءتیں: قراء کا اس میں اختلاف ہے،بعض نے تو ﴿ هُنَالِكَ ﴾ پر وقف کیا ہے اور اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس جگہ اس کا کوئی حامی و ناصر نہ تھا جہاں اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا،عذاب الٰہی سے کوئی اسے بچا نہ سکا،اس صورت میں یہ قراء ﴿ هُنَالِكَ ﴾ پر وقف کرتے اور ﴿ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ ﴾ سے آغاز کرتے ہیں۔ بعض قراء ﴿ مُنْتَصِرًا ۝ ﴾ پر وقف کرکے ﴿ هُنَالِكَ ﴾ سے آغاز کرتے ہیں،پھر ﴿ الْوَلَايَةُ ﴾ کی قراءت میں بھی اختلاف ہے بعض نے اسے واو کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے،اس صورت میں اس کے معنی ہوں گے: هُنَالِكَ الْمُوَالَاةُ لِلّٰهِ یعنی جب عذاب الٰہی آجائے گا تو پھر ہر شخص،خواہ وہ مومن ہو یا کافر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے گا،اس کی دوستی کا اظہار کرے گا اور اس کے سامنے خشوع وخضوع اختیار کرے گا۔[3] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾ (المؤمن 84:40) ''پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے ہم انکار کرتے ہیں۔'' جیسا کہ فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ ﴾ (یونس 91,90:10) ''یہاں تک کہ جب اس کو غرق (کے عذاب) نے آ پکڑا تو کہنے لگا: میں اس پر ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں (اور) یقیناً اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں۔ (جواب ملا کیا) اب (ایمان لاتا ہے؟)،حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور فساد کرنے والوں میں سے تھا۔''

بعض قراء نے ولایت کو واو کے کسرے کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ حکومت صرف اللہ برحق کی ہے۔[4] اور پھر بعض نے حق کو ولایت کی صفت ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھا ہے۔[5] جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ۨالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ؕ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 26:25) ''اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا۔'' اور بعض نے حق کے ''ق'' کو اللہ عزوجل کی صفت ہونے کی وجہ سے

[1] تفسیر الطبری:311/15. [2] تفسیر الطبری:312/15 و تفسیر القرطبی:411/10. [3] تفسیر الطبری:312/15 و تفسیر القرطبی:411/10. [4] تفسیر الطبری:312/15 و تفسیر القرطبی:411/10. [5] تفسیر الطبری:312/15 .

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ

اور ان کے لیے دنیاوی زندگی کی مثال بیان کیجیے: جیسے پانی (مینہ)، جسے ہم نے آسمان سے نازل کیا، پھر اس سے زمین کی نباتات

الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿45﴾

خوب مل جل گئی، پھر وہ چورا چورا ہو گئی جسے ہوائیں اڑائے جاتی ہیں، اور اللہ ہر شے پر بہت قدرت رکھنے والا ہے ﴿45﴾ مال اور بیٹے

اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ

تو دنیاوی زندگی کی زینت ہیں، اور آپ کے رب کے ہاں باقی رہنے والی نیکیاں ہی ثواب میں بہتر ہیں اور امید لگانے کے اعتبار

ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿46﴾

سے (بھی) بہتر ہیں ﴿46﴾

مجرور پڑھا ہے۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ ...... ﴾ الآیة (الأنعام 6:62) ''پھر (قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالک برحق اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے......۔''

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿44﴾ ﴾ ''اسی کا صلہ بہتر اور (اسی کا) بدلہ اچھا ہے۔'' یعنی وہ اعمال جو اللہ تعالیٰ کے لیے انجام دیے جائیں ان کا صلہ بہت بہتر اور ان کا انجام قابل ستائش اور قابل تعریف ہے کہ یہ اعمال سراپا خیر ہیں۔

تفسیر آیات: 46,45

دنیاوی زندگی کی مثال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَاضْرِبْ لَهُمْ ﴾ ''اور ان سے بیان کریں'' یعنی اے محمد (ﷺ!) آپ لوگوں سے بیان کر دیں ﴿ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''دنیاوی زندگی کی مثال'' جو زوال پذیر، فنا پذیر اور ختم ہو جانے کے اعتبار سے ﴿ كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ ﴾ ''ایسی ہے جیسے پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی۔'' زمین میں جو دانہ ڈالا گیا اس میں روئیدگی پیدا ہوئی اور جب اس پر پھول پھل آئے اور وہ سرسبزی و شادابی کی بہار دکھانے لگا تو بہت بھلا نظر آنے لگا مگر اس سب کچھ کے بعد ایک ایسا وقت آیا کہ ﴿ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ ﴾ ''پھر وہ چورا چورا ہو گیا کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں'' کبھی اسے دائیں طرف گرا دیتی ہیں اور کبھی اٹھا کر بائیں طرف پھینک دیتی ہیں۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿45﴾ ﴾ ''اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔'' وہ اسے سرسبزی و شادابی بخشنے پر بھی قادر ہے اور تباہی و بربادی سے دوچار کر دینے پر بھی۔

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر دنیاوی کی زندگی کی یہی مثال بیان فرمائی ہے، مثلاً: سورۂ یونس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا

[1] تفسیر الطبری: 312/15 و تفسیر القرطبی: 411/10.

حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (یونس 10:24) ''دنیاوی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے کہ ہم نے اس کو آسمان سے برسایا، پھر اس کے ساتھ مل کر سبزہ نکلا جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں، یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوش نما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آ پہنچا تو ہم نے اس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں، ان کے لیے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔''

سورۂ زمر میں فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِى الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ۝ ﴾ (الزمر 39:21) ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی نازل کیا، پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کیا، پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں، پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو (کہ) زرد (ہوگئی ہے)، پھر اسے چورا چورا کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔'' سورۂ حدید میں ہے: ﴿ اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَفِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ۝ ﴾ (الحدید 57:20) ''جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل، تماشا اور زینت (و آرائش) اور تمھارے آپس میں فخر (و ستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (وخواہش) ہے (اس کی مثال ایسے ہے) جیسے بارش (کہ اس سے کھیتی اگتی اور) کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے، پھر وہ خوب زور پر آتی ہے، پھر (اے دیکھنے والے) تو اس کو دیکھتا ہے کہ (پک کر) زرد پڑ جاتی ہے، پھر چورا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لیے) عذاب شدید اور (مومنوں کے لیے) اللہ کی طرف سے بخشش اور خوش نودی ہے اور دنیا کی زندگی تو صرف متاع فریب ہے۔'' اور حدیث صحیح میں ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:) [اَلدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ] ''دنیا شیریں وشاداب ہے۔''[1]

اللہ کی عبادت اموال واولاد سے بہتر ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:14) ''لوگوں کو ان کی خواہشوں کی چیزیں، یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی بڑی زینت دار معلوم ہوتی ہیں (مگر) یہ سب دنیاوی زندگی کے سامان ہیں اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ

[1] صحيح مسلم، الرقاق، باب أكثر أهل الجنة الفقراء......، حديث:2742 عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه.

عِنۡدَهٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۝ ﴾ (التغابن15:64) ''بلاشبہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا اور اس کی عبادت کے لیے فارغ ہو جانا مال و دولت میں مشغول ہو جانے، دنیا کی دولت جمع کرنے اور مال و دولت سے محبت کرنے کی نسبت بدرجہا بہتر ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیۡرٌ اَمَلًا ۝ ﴾ ''اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ ثواب کے لحاظ سے تمھارے پروردگار کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔''

﴿ وَالۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ ﴾ سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر اور کئی ایک ائمۂ سلف کا قول ہے کہ ''باقیات صالحات'' سے مراد نماز پنجگانہ ہے۔[1] عطاء بن ابورَباح اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''باقیات صالحات'' سے مراد یہ کلمات ہیں: سُبۡحَانَ اللّٰهِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ[2] امیر المؤمنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ''باقیات صالحات'' سے کیا مراد ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ ان سے مراد یہ کلمات ہیں: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَسُبۡحَانَ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ، وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ[3]

امام احمد نے رسول اللہ ﷺ کے ایک آزاد کردہ غلام سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [بَخٍ بَخٍ لِّخَمۡسٍ مَّا أَثۡقَلَهُنَّ فِي الۡمِيزَانِ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ، وَسُبۡحَانَ اللّٰهِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَالۡوَلَدُ الصَّالِحُ يُتَوَفّٰى فَيَحۡتَسِبُهُ وَالِدُهُ، وَقَالَ: بَخٍ بَخٍ لِّخَمۡسٍ، مَّنۡ لَّقِيَ اللّٰهَ مُسۡتَيۡقِنًا بِهِنَّ دَخَلَ الۡجَنَّةَ : يُؤۡمِنُ بِاللّٰهِ، وَالۡيَوۡمِ الۡآخِرِ، وَبِالۡجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَ بِالۡبَعۡثِ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ، وَالۡحِسَابِ] ''بہت خوب، بہت خوب! یہ پانچ چیزیں میزان میں کس قدر بھاری ہوں گی: (1) لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ (2) وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ (3) سُبۡحَانَ اللّٰهِ (4) اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ اور (5) وہ نیک بچہ جو فوت ہو جائے اور اس کا والد اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے۔ اور آپ نے فرمایا: (حسب ذیل) پانچ چیزیں بہت خوب ہیں جو ان کے ساتھ یقین رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا: وہ (1) اللہ (2) یوم آخرت (3) جنت و جہنم (4) بعث بعد الموت اور (5) حساب پر ایمان رکھتا ہو۔''[4]

علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''باقیات صالحات'' سے مراد اللہ کا ذکر: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكۡبَرُ، وَسُبۡحَانَ اللّٰهِ، وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ، وَتَبَارَكَ اللّٰهُ، وَلَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ، اسۡتَغۡفِرُ اللّٰهَ، صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ اور روزہ، نماز، حج، صدقہ، غلام آزاد کرنا، جہاد، صلہ رحمی اور دیگر تمام اعمال حسنہ ہیں، پس وہ باقیات صالحات ہیں جو اپنے انجام دینے والوں کے لیے جنت میں اس وقت تک باقی رہیں گے جب تک آسمان و زمین باقی رہیں گے۔[5]

---

[1] تفسير الطبري:315/15. [2] تفسير الطبري:316/15-318. [3] مسند أحمد:71/1. [4] مسند أحمد:443/3 و 237/4 و مجمع الزوائد، الأذكار، باب ماجاء في الباقيات الصالحات ونحوها:101/10، حديث:16843عن أبي سلمة رضي الله عنه راعي رسول اللهﷺ و الموسوعة الحديثية (مسند أحمد):430/24. [5] تفسير الطبري:318/15.

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائیں گے اور آپ زمین کو صاف کھلی (میدان کی طرح) دیکھیں گے، اور ہم ان کو اکٹھا کریں گے، چنانچہ ہم ان میں سے

اَحَدًا ۚ ﴿47﴾ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ز

کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے ﴿47﴾ اور وہ آپ کے رب کے سامنے صف بستہ پیش کیے جائیں گے (کہا جائے گا:) یقیناً تم ہمارے پاس (ایسے) آئے

بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿48﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

ہو جیسے ہم نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا تھا، بلکہ تم سمجھتے تھے کہ ہم تمھارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے ﴿48﴾ اور (ہر ایک کا) اعمال نامہ

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً

(سامنے) رکھ دیا جائے گا، پھر آپ مجرموں کو دیکھیں گے کہ وہ اس کے مندرجات (تحریر) سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے: ہائے ہماری کم بختی!

وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ

کیسا ہے یہ اعمال نامہ جو نہیں چھوڑ رہا کسی چھوٹے اور نہ بڑے (عمل) کو مگر اس نے اسے شمار کر رکھا ہے۔ اور انھوں نے جو عمل کیے تھے حاضر پائیں

رَبُّكَ اَحَدًا ﴿49﴾ ع

6 ع 5 18

گے۔ اور آپ کا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرے گا ﴿49﴾

عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان سے مراد پاکیزہ گفتگو ہے۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا قول ہے کہ تمام اعمال صالحہ ہی باقیات صالحات ہیں۔[2] امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو پسند فرمایا ہے۔[3]

تفسیر آیات: 47-49

قیامت کی ہولناکیاں: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ہولناکیوں اور اس دن وقوع پذیر ہونے والے بڑے بڑے امور کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۙ وَّتَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ؕ ﴾ (الطور 52:9,10) ''جس دن آسمان کپکپا کر لرزنے لگیں گے اور پہاڑ (خوف ناک طریقے سے) چلنے لگیں۔'' یعنی اپنی جگہ سے ہل جائیں گے، ٹل جائیں گے اور زوال پذیر ہو جائیں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ ...... ﴾ الآیۃ (النمل 27:88) ''اور آپ پہاڑوں کو دیکھتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ (اپنی جگہ پر) کھڑے ہیں مگر وہ (اس روز) اس طرح گزر جائیں گے جیسے بادل......'' اور فرمایا: ﴿ وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ؕ ﴾ (القارعة 101:5) ''اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے جیسے دھنکی ہوئی (رنگین) اون۔'' اور فرمایا: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ۙ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۙ لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ؕ ﴾ (طٰہٰ 20:105-107) ''اور وہ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں تو کہہ دیجیے: اللہ ان کو اڑا کر بکھیر دے گا اور زمین کو ہموار میدان کر چھوڑے گا جس میں نہ تم کجی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی۔)''

[1] تفسیر الطبری:318/15. [2] تفسیر الطبری:318/15. [3] تفسیر الطبری:318/15.

اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پہاڑ ختم ہو جائیں گے، زمین ہموار ہو جائے گی۔ ﴿ قَاعًا صَفْصَفًا ﴾ (طٰہٰ 106:20) ''ہموار میدان'' جس کی سطح مستوی ہوگی جس میں کوئی نشیب وفراز نہ ہوگا، وادیاں ہوں گی نہ پہاڑ، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ ''اور آپ زمین کو صاف میدان دیکھیں گے۔'' صاف اور کھلے میدان کی طرح ہوگی جس میں کسی کی ملکیت کا کوئی نشان نہ ہوگا اور نہ چھپنے کے لیے کسی کے پاس کوئی مکان ہوگا، سب کی سب مخلوق اپنے رب کے سامنے عیاں ہوگی، ان میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ سے چھپ نہ سکے گا۔ مجاہد اور قتادہ ﴿ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں چھپنے اور غائب ہونے کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔[1] قتادہ کا یہ بھی قول ہے کہ اس میں کوئی عمارت یا کوئی درخت نہ ہوگا۔[2]

﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴾ ''اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔'' یعنی اگلے پچھلے تمام لوگوں کو جمع کر لیں گے اور ان میں سے کسی بھی چھوٹے بڑے کو نہیں چھوڑیں گے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ ﴾ (الواقعة 56:49,50) ''کہہ دیجیے: بے شک پہلے اور پچھلے (سب) ایک روز مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝ ﴾ (ھود 11:103) ''یہ وہ دن ہوگا جس میں سب اکٹھے کیے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب (اللہ کے روبرو) حاضر کیے جائیں گے۔''

فرشتے بھی حضور ایزدی میں قطار اندر قطار کھڑے ہوں گے: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ﴾ ''اور سب آپ کے پروردگار کے سامنے قطار در قطار لائے جائیں گے۔'' اس بات کا بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک ہی صف میں کھڑی ہوں گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ۝ ﴾ (النبا 78:38) ''جس دن روح (الامین) اور (دیگر) فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو (اللہ) رحمان اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔'' اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کے سامنے صفوں کی صورت میں کھڑا کیا جائے جیسا کہ فرمایا ہے: ﴿ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝ ﴾ (الفجر 89:22) ''اور آپ کا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار باندھے (کھڑے) ہوں گے۔'' فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''(تو ہم ان سے کہیں گے کہ) البتہ تحقیق جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا (اسی طرح آج) تم ہمارے سامنے آئے ہو۔'' یہ منکرین آخرت کے لیے تمام مخلوقات کے سامنے بہت سخت ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش ہوگی، اسی لیے اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴾ ''لیکن تم نے تو یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم تمھارے لیے (قیامت کا) کوئی وقت مقرر نہیں کریں گے۔'' یعنی تمھارے تو

[1] تفسیر الطبری:15/319. [2] تفسیر الطبری:15/319 و تفسیر ابن أبی حاتم:7/2365.

وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ تمھیں اس صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا اور ایک نہ ایک دن یہ وقت ضرور آ کر رہے گا۔

مجرموں کا دم بخود کھڑے ہونا اور سر بستہ رازوں کا کھلنا: فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ ﴾ اور (عملوں کی) کتاب (کھول کر) رکھی جائے گی۔'' یعنی کتاب اعمال جس میں جلیل وحقیر اور چھوٹے بڑے تمام اعمال لکھے ہوں گے۔ ﴿ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ ﴾ تو تم گناہ گاروں کو دیکھو گے کہ وہ اس کے مندرجات سے ڈر رہے ہوں گے۔'' یعنی اپنے ان قبیح اعمال اور برے افعال کی وجہ سے جن کی مکمل تفصیل اس میں درج ہوگی۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا ﴾ ''اور کہیں گے: ہائے شامت!'' حسرت وافسوس اس کوتاہی پر جو ہم نے اپنی زندگی میں کی تھی۔ ﴿ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ﴾ ''یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے۔'' یعنی چھوٹا یا بڑا عمل اور گناہ ایسا نہیں جسے اس نے محفوظ اور ضبط نہ کر رکھا ہو۔ ﴿ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ﴾ ''اور جو عمل کیے ہوں گے سب کو حاضر پائیں گے۔'' یعنی تمام اچھے برے اعمال جو انھوں نے کیے ہوں گے انھیں اپنے سامنے لکھا ہوا موجود پائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ ﴾ الآية (آل عمرٰن 30:3) ''جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پالے گا اور ان کی برائی کو بھی (دیکھ لے گا۔)......'' ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴾ (القيمة 13:75) ''اس دن انسان کو جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑیں ہوں گے سب بتا دیے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴾ (الطارق 9:86) ''جس دن (دلوں کے) بھید جانچے جائیں گے۔'' یعنی دلوں کے بھیدوں اور خفیہ باتوں کو ظاہر کر دیا جائے گا۔

غدار کا ذلیل ورسوا ہونا: امام احمد رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ يُعْرَفُ بِهِ] ''غداری کرنے والے ہر شخص کے لیے قیامت کے دن جھنڈا ہوگا جس کے ساتھ وہ پہچانا جائے گا۔''[1] یہ حدیث صحیحین میں بھی ہے۔[2]

اور ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لِكُلِّ غَادِرٍ لِّوَاءٌ يَّوْمَ الْقِيَامَةِ (عِنْدَ اسْتِهِ) يُرْفَعُ لَهُ بِقَدْرِ غَدْرِهِ] [يُقَالُ: هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ] ''ہر غداری کرنے والے کے لیے روز قیامت اس کی سرین کے پاس اس کی غداری کے مطابق ایک جھنڈا بلند کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ بھر ظلم کرتا ہے، نہ کرے گا: فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴾ ''اور آپ کا پروردگار

---

[1] مسند أحمد: 142/3 و 270. [2] صحيح البخاري، الحيل، باب إذاغصب جارية ......، حديث: 6966 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، حديث: 1737 عن أنس رضی اللہ عنہ. [3] پہلا حصہ صحیح مسلم، الجهاد والسير، باب تحريم الغدر، حديث: (16)-1738 کے مطابق ہے جبکہ قوسین والے الفاظ، حديث: 1738 عن أبي سعيد الخدري رضی اللہ عنہ میں اور دوسرا حصہ صحيح البخاري، الأدب، باب مايدعى الناس......، حديث: 6177 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔'' وہ اپنے بندوں کے تمام اعمال کا فیصلہ فرمائے گا مگر اپنی مخلوق میں سے کسی پر ظلم نہیں کرے گا بلکہ معاف فرمائے گا، درگزر کرے گا اور رحم فرمائے گا اور اپنی قدرت وحکمت اور عدل کے مطابق جسے چاہے گا عذاب بھی دے گا اور کفار اور گناہ گاروں سے جہنم کو بھر دے گا، پھر گناہ گاروں کو بھی جہنم سے نجات دے دے گا اور کافروں کو اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رکھے گا، وہ ایسا حاکم ہے جو کسی پر قطعاً کوئی ظلم وزیادتی نہیں کرتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظۡلِمُ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنۡ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفۡهَا وَيُؤۡتِ مِنۡ لَّدُنۡهُ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۝ ﴾ (النسآء 4:40) ''اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اس کو دو چند کر دے گا اور اپنے ہاں سے اجر عظیم بخشے گا۔'' اور فرمایا: ﴿ وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ فَلَا تُظۡلَمُ نَفۡسٌ شَيۡـًٔا ؕ وَاِنۡ كَانَ مِثۡقَالَ حَبَّةٍ مِّنۡ خَرۡدَلٍ اَتَيۡنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيۡنَ ۝ ﴾ (الأنبیآء 21:47) ''اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اس کو لا موجود کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دیا جائے گا: امام احمد رحمہ اللہ نے عبداللہ بن محمد بن عقیل کی روایت کو بیان کیا ہے کہ انھوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا کہ مجھے ایک شخص کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کے پاس ایک ایسی حدیث ہے جسے اس نے نبی ﷺ سے سنا ہے تو میں نے ایک اونٹ خریدا، اس پر کجاوا کسا اور ایک مہینے کے سفر کے بعد میں ان کے پاس شام میں پہنچ گیا تو معلوم ہوا کہ وہ شخص عبداللہ بن اُنیس ہیں۔ میں نے دربان سے کہا کہ انھیں بتاؤ کہ دروازے پر جابر ہیں، اس نے پوچھا: ابن عبداللہ میں نے جواب دیا: ہاں، وہ اپنے کپڑے کو گھسیٹتے ہوئے باہر نکلے تو انھوں نے مجھے اور میں نے انھیں گلے لگایا۔ میں نے کہا کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ کے پاس قصاص سے متعلق ایک ایسی حدیث ہے جسے آپ نے رسول ﷺ سے سنا ہے، مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ سے اس حدیث کے سننے سے پہلے آپ کا انتقال نہ ہو جائے یا میں نہ فوت ہو جاؤں (اس لیے میں اس حدیث کو سننے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں) انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

[يُحۡشَرُ النَّاسُ يَوۡمَ الۡقِيَامَةِ۔ أَوۡ قَالَ: الۡعِبَادُ۔ عُرَاةً غُرۡلًا بُهۡمًا، قَالَ: قُلۡنَا: وَمَا بُهۡمًا؟ قَالَ: لَيۡسَ مَعَهُمۡ شَيۡءٌ، ثُمَّ يُنَادِيهِمۡ بِصَوۡتٍ (يَّسۡمَعُهُ مَنۡ بَعُدَ كَمَا يَسۡمَعُهُ مَنۡ قَرُبَ): أَنَا الۡمَلِكُ، أَنَا الدَّيَّانُ، وَلَا يَنۡبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۡ أَهۡلِ النَّارِ أَنۡ يَّدۡخُلَ النَّارَ، وَلَهُ عِنۡدَ أَحَدٍ مِّنۡ أَهۡلِ الۡجَنَّةِ حَقٌّ حَتّٰى أَقُصَّهُ مِنۡهُ، وَلَا يَنۡبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۡ أَهۡلِ الۡجَنَّةِ أَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ وَلِأَحَدٍ مِّنۡ أَهۡلِ النَّارِ عِنۡدَهُ حَقٌّ حَتّٰى أُقُصَّهُ مِنۡهُ حَتَّى اللَّطۡمَةَ، قَالَ قُلۡنَا: كَيۡفَ وَإِنَّا إِنَّمَا نَأۡتِي اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ عُرَاةً غُرۡلًا بُهۡمًا؟ قَالَ: بِالۡحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ]

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن لوگوں کو ـــ یا فرمایا کہ بندوں کو ـــ اس طرح جمع فرمائے گا کہ وہ عریان، غیر مختون اور بُہم ہوں

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ کَانَ مِنَ الۡجِنِّ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا: تم آدم کو سجدہ کرو، تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا، وہ جنوں میں سے تھا، چنانچہ اس نے اپنے

فَفَسَقَ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّہٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوۡنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗۤ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِیۡ وَہُمۡ لَکُمۡ

رب کے حکم کی نافرمانی کی، کیا پھر (بھی) تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی اولاد کو دوست بناتے ہو جبکہ وہ تمھارے دشمن ہیں؟ وہ

عَدُوٌّ ؕ بِئۡسَ لِلظّٰلِمِیۡنَ بَدَلًا ﴿50﴾

(شیطان) ظالموں کے لیے بطور بدل برا ہے ﴿50﴾

گے۔ میں نے پوچھا کہ بُہم کا کیا مطلب۔ انھوں نے کہا (اس کا مطلب یہ ہے کہ) ان کے ساتھ کوئی چیز نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب کو ایسی آواز کے ساتھ بلائے گا جس کو قریب و بعید کے سب لوگ یکساں طور پر سنیں گے اور فرمائے گا: میں ہوں بادشاہ، میں ہوں حاکم۔ کوئی جہنمی اس وقت تک جہنم میں داخل نہیں ہوسکتا کہ اس کا اہل جنت میں سے کسی پر کوئی حق ہو اور میں اس سے اس کا حق اسے دلا نہ دوں اور نہ کوئی جنتی اس وقت تک جنت میں داخل ہوسکتا ہے کہ اس کا اہل جہنم میں سے کسی پر کوئی حق ہو اور میں اس سے اس کا حق اسے دلا نہ دوں حتی کہ اگر کسی کا ایک تھپڑ مارنے کا حق ہو تو وہ بھی اسے دلا دیا جائے گا۔ راوی نے کہا کہ ہم نے عرض کی کہ حق کس طرح دلایا جائے گا جبکہ ہم تو اللہ عزوجل کے پاس اس حالت میں آئیں گے کہ برہنہ پاؤں، برہنہ جسم اور غیر مختون ہوں گے اور ہمارے پاس کوئی چیز بھی نہ ہوگی! تو آپ نے فرمایا: حقوق نیکیوں اور برائیوں کی صورت میں ادا کیے جائیں گے۔''[1]

شعبہ نے عوّام بن مُراجم سے، انھوں نے ابوعثمان سے اور انھوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِنَّ الْجَمَّاءَ لَتُقَصُّ مِنَ الْقَرْنَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ] ''قیامت کے دن بے سینگ بکری کا سینگوں والی بکری سے بھی بدلہ لیا جائے گا۔''[2] اسے عبداللہ بن امام احمد نے روایت کیا ہے۔[3] اور اس کے دیگر سندوں سے بھی کئی شواہد موجود ہیں۔[4]

تفسیر آیت: 50

قصۂ آدم و ابلیس: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ ابلیس کو ان سے بے حد عداوت ہے جیسا کہ وہ قبل ازیں ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کا بھی دشمن تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سرزنش بھی کی ہے جو ابلیس کی پیروی کریں، اپنے خالق اور اپنے آقا و مولا کی نافرمانی کریں۔ یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ انسان کو پیدا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے لطف و کرم سے اسے رزق عطا فرمایا مگر اس سب کچھ کے باوجود وہ ابلیس کا دوست اور اپنے اللہ کا دشمن بن جاتا ہے! ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِکَۃِ﴾ ''اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا۔'' یعنی تمام فرشتوں کو جیسا کہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں قبل ازیں

[1] مسند أحمد: 495/3 اور قوسین والے الفاظ صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللّٰہ تعالٰی: ﴿وَلَا تَنۡفَعُ ......﴾ (سبا 23:34)......، قبل الحدیث: 7481. [2] مسند البزار: 41,40/2، حدیث: 387. [3] مسند أحمد: 72/1. [4] صحیح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحریم الظلم، حدیث: 2582 و مسند أحمد: 235/2 عن أبی ہریرۃ رضی اللہ عنہ.

بیان کیا جا چکا ہے[1] کہ ﴿ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ﴾ ''آدم کو سجدہ کرو۔'' یہ تشریف وتکریم اور تعظیم کا سجدہ تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ○ ﴾ (الحجر 29,28:15) ''اور جب آپ کے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں، جب اس کو (صورت انسانیہ میں) درست کرلوں اور اس میں روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔''

اور فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ ﴾ ''تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا۔'' یعنی اس کی اصلیت نے اس کی مخالفت کی اور اسے دھوکا دیا کیونکہ اسے آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا تھا جبکہ فرشتے نور سے پیدا ہوئے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [خُلِقَتِ الْمَلَائِكَةُ مِنْ نُّورٍ وَّ خُلِقَ الْجَانُّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ، وَّ خُلِقَ آدَمُ مِمَّا وُصِفَ لَكُمْ] ''فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا، جنّوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جسے تمھارے سامنے بیان کیا جا چکا ہے۔''[2] (ضرب المثل ہے) ''بوقتِ ضرورت برتن سے وہی کچھ چھلکتا ہے جو اس میں ہو۔'' چنانچہ اس موقع پر ابلیس کو بھی اس کی اصلیت نے دھوکا دیا (اور اسے سجدہ نہ کرنے دیا)۔ اس نے فرشتوں کے افعال شروع کر کے ان کے ساتھ مشابہت اختیار کر لی تھی اور عبادت وریاضت شروع کر دی تھی، اس لیے وہ بھی اس خطاب میں داخل تھا جو فرشتوں کے لیے تھا مگر اس نے مخالفت کر کے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بیان فرما کر کہ وہ جنات میں سے تھا، اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا تھا جیسا کہ اس نے خود بھی کہا تھا: ﴿ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ ○ ﴾ (صٓ 76:38) ''میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔''

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابلیس لمحہ بھر کے لیے بھی فرشتوں میں سے نہ تھا کیونکہ وہ تو جنات کی اصل تھا جیسا کہ آدم علیہ السلام انسانوں کی اصل ہیں۔ اسے امام ابن جریر نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔[3]

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ ﴾ ''تو وہ اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے خارج ہو گیا، فسق کے معنی خروج کے ہیں۔ فَسَقَتِ الرُّطَبَةُ اس وقت کہا جاتا ہے جب کھجور اپنے خوشوں سے نکل آئے اور فَسَقَتِ الْفَأْرَةُ مِنْ جُحْرِهَا اس وقت کہتے ہیں جب چوہا چیزیں خراب کرنے کے لیے اپنے بل سے باہر نکل آئے، پھر اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی اطاعت وفرماں برداری کرنے والوں کو سرزنش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ ﴾ ''کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟'' یعنی میرے بجائے تم ان کو دوست بناتے ہو، اسی

---

[1] دیکھیے آیت:34 کے ذیل میں۔ [2] صحیح مسلم، الزهد والرقائق، باب في أحاديث متفرقة، حديث: 2996. [3] تفسير الطبري: 323/15.

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ

میں نے انھیں نہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں گواہ حاضر کیا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے میں، اور میں گمراہ کرنے والوں کو بازو

الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿51﴾

(مددگار) بنانے والا نہیں ﴿51﴾

وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ

اور جس دن وہ (اللہ) کہے گا: پکارو میرے ان شریکوں کو جنھیں تم (میرا شریک) سمجھتے تھے، پھر وہ انھیں پکاریں گے مگر وہ انھیں کوئی جواب نہ دیں گے،

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿52﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ

اور ہم ان کے درمیان ہلاکت گاہ بنا دیں گے ﴿52﴾ اور مجرم آگ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ بے شک وہ اس میں گرنے والے ہیں، اور وہ اس

يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿53﴾ ع

سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے ﴿53﴾

7 ع 4 19

لیے فرمایا: ﴿ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿50﴾ ﴾ ''اور (شیطان کی دوستی) ظالموں کے لیے (اللہ کی دوستی کا) برا بدل ہے۔'' یہ مقام اسی طرح ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے سورۂ یٰس میں قیامت اور اس کی ہولناکیوں اور سعادت مند و بدبخت لوگوں کے انجام کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ○ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ○ وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ وَلَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِيْرًا ۭ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ○ ﴾ (یٰسٓ 36:59-62) ''اے گناہ گارو! اور تم آج الگ ہو جاؤ، اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمھارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا، پس یہ سیدھا رستہ ہے اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے۔''

تفسیر آیت : 51

مشرک جنھیں پکارتے ہیں وہ ذرے کے بھی مالک نہیں: مشرکوں کے معبودوں کو کسی چیز کی تخلیق کے وقت نہیں بلایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ جنھیں تم نے مجھے چھوڑ کر اپنا دوست بنا لیا ہے یہ تو تمھاری طرح میرے غلام ہیں، یہ کسی چیز کے مالک نہیں، میں نے انھیں آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے وقت بلایا بھی نہیں تھا اور یہ اس وقت موجود ہی نہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تمام اشیاء کو صرف میں ہی پیدا کرتا، میں ہی ان کی تدبیر کرتا اور ان کے اندازے مقرر کرتا ہوں، میرا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وزیر، کوئی مشیر ہے اور نہ کوئی نظیر جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ○ وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ﴾ (سبا 34:22,23) ''کہہ دیجیے: جن کو تم اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ، وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ برابر چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اور نہ ان دونوں میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار رہی ہے۔ اور اللہ

کے ہاں (کسی کے لیے) سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے۔''

اس لیے یہاں فرمایا: ﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱﴾ ''اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔''

مالک کہتے ہیں کہ ﴿عَضُدًا ۝۵۱﴾ کے معنی اعوان و مددگار کے ہیں۔

تفسیر آیات: 53,52

شرکاء کی جواب سے عاجزی اور مجرمین کی آگ پر حاضری: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ قیامت کے دن تمام مخلوقات کے سامنے ڈانٹ ڈپٹ اور سرزنش کے طور پر مشرکوں سے مخاطب ہو کر فرمائے گا: ﴿نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ﴾ ''میرے شریکوں کو جن کی نسبت تم گمان (اُلوہیت) رکھتے تھے بلاؤ!'' دنیا میں جن کے بارے میں تم یہ گمان رکھتے تھے، آج انھیں بلاؤ تا کہ وہ تمھیں اس سے نجات دلائیں جس میں تم مبتلا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَ ضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۝﴾ (الأنعام 94:6) ''اور البتہ تحقیق جیسا ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے اور جو (مال و متاع) ہم نے تمھیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمھارے ساتھ تمھارے سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمھارے (شفیع اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمھارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعوے تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ﴾ ''تو وہ ان کو بلائیں گے مگر وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے۔'' جیسا کہ فرمایا: ﴿وَقِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ ......﴾ الآية (القصص 64:28) ''اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ تو وہ ان کو پکاریں گے اور وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے......'' اور فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَآءً وَّ كَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝﴾ (الأحقاف 6,5:46) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کر دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝﴾ (مریم 82,81:19) ''اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا اور معبود بنا لیے ہیں تا کہ وہ ان کے لیے موجب عزت ہوں، ہرگز نہیں وہ (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن (و مخالف) ہوں گے۔'' فرمان الٰہی ہے: ﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝۵۲﴾ ''اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور کئی ایک ائمہ سلف نے فرمایا ہے کہ ﴿مَّوْبِقًا ۝۵۲﴾ کے معنی ہلاکت کی جگہ کے ہیں۔[1]

[1] تفسیر الطبری: 328/15.

گمراہ و ہدایت یافتہ کو الگ الگ اور مجرموں کو جدا کر دیا جائے گا: بہر حال معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان مشرکوں کے لیے اپنے ان معبودوں تک پہنچنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی جن کو وہ دنیا میں مانتے تھے۔ آخرت میں ان میں اور ان کے معبودوں میں جدائی ڈال دی جائے گی، ان میں سے کوئی فریق دوسرے تک نہیں پہنچ سکے گا بلکہ دونوں میں ہلاکت کی جگہ بنا دی جائے گی۔ اگر ﴿ بَیْنَهُمْ ﴾ کی ضمیر کا مرجع مومنوں اور کافروں کو قرار دیا جائے جیسا کہ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اہل ہدایت و ضلالت میں فرق کر دیا جائے گا۔[1] تو یہ حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝ ﴾ (الروم 30:14) ''اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز وہ الگ الگ فرقے ہو جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ۝ ﴾ (الروم 30:43) ''اس روز (سب) لوگ منتشر ہو جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ﴾ (یٰسٓ 36:59) ''اور الگ ہو جاؤ آج اے مجرمو!'' اور فرمایا: ﴿ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَاۗؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاۗؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ﴾ (یونس 10:28-30) ''اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے، پھر مشرکوں سے کہیں گے: تم اور تمھارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو، پھر ہم ان کے درمیان جدائی ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے: تم ہماری عبادت تو کرتے ہی نہیں تھے، چنانچہ ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے، بے شک ہم تمھاری عبادت سے بالکل غافل تھے۔ وہاں ہر شخص جانچ لے گا جو کچھ اس نے پہلے (دنیا میں) کیا تھا اور وہ اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا حقیقی مالک ہے، اور وہ سب کچھ ان سے جاتا رہے گا جو وہ جھوٹ گھڑا کرتے تھے۔''

اور فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝53 ﴾ ''اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے۔'' یعنی جب وہ جہنم کو اس وقت دیکھیں گے جب اسے ستر ہزار زنجیروں کے ساتھ جکڑ کر لایا جائے گا اور ہر زنجیر کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے۔[2] ﴿ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ ﴾ ''اور گناہ گار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے'' تو انھیں یقین ہو جائے گا کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں۔ جہنم کا مشاہدہ انھیں اس لیے کرایا جائے گا تاکہ اس میں پڑنے سے پہلے ہی غم و حزن میں مبتلا ہو جائیں کیونکہ عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے اس کے خوف کا طاری ہو جانا بھی عذاب ہی ہے۔ ﴿ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝53 ﴾ ''اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے۔'' ان کے لیے کوئی ایسا رستہ نہ ہوگا جو انھیں دوزخ سے ہٹا کر دور لے جائے بلکہ وہ ضرور اسی میں داخل ہو کر رہیں گے۔

[1] تفسیر الطبری:15/328 . [2] صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها ......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حدیث: 2842 عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ .

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر ہر قسم کی مثال بیان کی ہے، اور انسان تمام چیزوں سے

اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿54﴾

زیادہ جھگڑالو ہے ﴿54﴾

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰی وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِیَهُمْ

اور لوگوں کو ایمان لانے سے نہیں روکا جب ان کے پاس ہدایت آ گئی اور اپنے رب سے استغفار کرنے سے مگر (اس بات نے) کہ (وہ چاہتے ہیں)

سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿55﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ

انھیں پہلے لوگوں کا (سا) معاملہ پیش آئے، یا ان پر عذاب بالکل سامنے آ جائے ﴿55﴾ اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر (لوگوں کو) خوشخبری دینے والے اور

وَمُنْذِرِیْنَ ۚ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا

ڈرانے والے، اور کافر لوگ تو باطل طریقے سے جھگڑتے ہیں تاکہ اس کے ساتھ حق کو باطل کر دیں اور انھوں نے ہماری آیات کو اور جس چیز سے

اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿56﴾

ڈرائے گئے اس کو استہزا بنا لیا ﴿56﴾

تفسیر آیت: 54

قرآن میں بیان کردہ مثالیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ہم نے اس قرآن میں تمام امور کو نہایت وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے تاکہ وہ حق سے دور اور راہ ہدایت سے گمراہ نہ ہوں لیکن اس بیان و فرقان کے باوجود انسان بہت جھگڑالو ہے اور وہ باطل کے ساتھ حق کا مقابلہ کرتا رہتا ہے، البتہ ان لوگوں کا طرز عمل مختلف ہے جن کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرما دے اور راہ نجات کی بصیرت سے نواز دے۔ امام احمد نے علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اور اپنی لخت جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور آپ نے فرمایا: [أَلَا تُصَلِّيَانِ؟] ''کیا تم نماز نہیں پڑھتے؟'' میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ہماری جانیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں جب وہ ہمیں اٹھانا چاہے تو اٹھا دیتا ہے۔ جب میں نے یہ بات کہی تو آپ واپس تشریف لے گئے اور میری بات کا کوئی جواب نہ دیا، میں نے سنا کہ آپ جب واپس تشریف لے جا رہے تھے تو اپنی ران پر ہاتھ مارتے اور فرماتے جا رہے تھے: ﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿54﴾﴾ ''اور انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔''[1] اس حدیث کو امام بخاری اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 56,55

کفار کی سرکشی: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ کفار قدیم و جدید ہر دور میں سرکشی کرتے اور روشن نشانیاں اور واضح دلائل

[1] مسند أحمد: 112/1. [2] صحيح البخاري، التهجد، باب تحريض النبيﷺ على قيام الليل ...... ، حديث: 1127 وصحيح مسلم، صلاة المسافرين......، باب الحث على صلاة الليل ...... ، حديث: 775.

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیات سے نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ موڑ لے اور جو کچھ اس کے دونوں ہاتھوں نے

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ

آگے بھیجا ہے اسے بھول جائے، بے شک ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اس سے کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھیں اور ان کے کانوں

تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿57﴾ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ

میں گرانی (ڈال دی۔) اور اگر آپ انھیں ہدایت کی طرف بلائیں تو تب وہ ہرگز ہدایت نہ پائیں گے کبھی بھی ﴿57﴾ اور آپ کا رب خوب بخشنے والا، رحمت

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ

والا ہے۔ اگر وہ ان کے کیے پر انھیں پکڑے تو یقیناً ان کے لیے عذاب جلدی لائے، بلکہ ان کے لیے وعدے کا (مقرر) وقت ہے، وہ ہرگز اس سے

يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ﴿58﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

(بچنے کی) کوئی جائے پناہ نہیں پائیں گے ﴿58﴾ اور یہ بستیاں ہم نے انھیں ہلاک کیا جب انھوں نے ظلم کیا، اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک مقرر

لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿59﴾ ع

8 ع 6 20

وقت طے کیا تھا ﴿59﴾

دیکھنے کے باوجود واضح اور ظاہر حق کی تکذیب کرتے رہے ہیں۔ اتباعِ حق سے انھیں صرف اس بات نے روکا کہ انھوں نے مطالبہ کیا تھا کہ جس عذاب کی آمد کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ اس کا مشاہدہ کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ انھوں نے اپنے نبی سے کہا تھا: ﴿فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ؕ﴾ (الشعرآء 187:26) ''اگر تم سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا گراؤ۔'' دوسروں نے کہا: ﴿ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (العنكبوت 29:29) ''اگر تم سچے ہو تو ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ۔'' کفار قریش نے کہا: ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾ (الأنفال 32:8) ''اے اللہ! اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔'' اور ﴿وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ؕ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾ (الحجر 7,6:15) ''اور (کفار) کہتے ہیں کہ اے شخص جس پر نصیحت (کی کتاب) نازل ہوئی ہے تو تو دیوانہ ہے اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا۔'' اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ''سوائے اس کے کہ (اس بات کے منتظر ہوں کہ) انھیں بھی پہلوں کا سا معاملہ پیش آئے۔'' یعنی عذاب آجائے اور ان سب کو اپنی گرفت میں لے لے۔ ﴿اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿55﴾﴾ ''یا ان پر عذاب سامنے آجائے۔'' اور اپنی آنکھوں سے اسے دیکھ لیں، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ﴾ ''اور ہم پیغمبروں کو صرف اس لیے بھیجا کرتے ہیں کہ (لوگوں کو اللہ کی نعمتوں کی

خوش خبریاں سنائیں اور (عذاب سے) ڈرائیں۔‘‘ عذاب سے پہلے پیغمبروں کو بھیجا جاتا ہے تاکہ وہ ان کو خوش خبری سنائیں جو ان کو سچا مانیں اور ان کے ساتھ ایمان لائیں اور ان کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں جو ان کی تکذیب و مخالفت کریں، پھر کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ ﴾ ’’اور جو کافر ہیں وہ باطل (کی سند) سے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو شکست دے دیں۔‘‘ یعنی اس حق کو کمزور کر دیں جو پیغمبران کے پاس لے کر آئے تھے مگر یہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے۔ ﴿ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴾ ’’اور انھوں نے ہماری آیتوں کو اور جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا ہے، ہنسی بنالیا۔‘‘ یعنی انھوں نے ان دلائل و براہین اور معجزات کو جن کے ساتھ پیغمبروں کو مبعوث کیا گیا تھا اور اس عذاب کو جس سے پیغمبروں نے ڈرایا تھا ہنسی مذاق بنالیا تھا اور یہ تکذیب کی انتہا ہے۔

تفسیر آیات: 57-59

سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو نصیحت کے بعد اعراض کرے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوسکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ نصیحت کی جائے مگر وہ ان سے منہ پھیر لے، انھیں بھلا دے اور ان کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہ دے۔ ﴿ وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ﴾ ’’اور جو اعمال وہ آگے کر چکا اس کو بھول گیا۔‘‘ یعنی اپنے برے اعمال اور قبیح افعال کو۔ ﴿ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ ﴾ ’’ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے اس سے کہ اسے سمجھ سکیں۔‘‘ یعنی اس قرآن و بیان کو سمجھ نہ سکیں۔ ﴿ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ ’’اور ان کے کانوں میں ثقل (پیدا کر دیا ہے کہ سن نہ سکیں۔)‘‘ یعنی معنوی ثقل پیدا کر دیا تاکہ رشد و ہدایت کی باتیں سن نہ سکیں۔ ﴿ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴾ ’’اور اگر آپ ان کو رستے کی طرف بلائیں تو کبھی بھی رستے پر نہ آئیں گے۔‘‘

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ﴾ ’’اور آپ کا پروردگار بخشنے والا صاحب رحمت ہے۔‘‘ اے محمد (ﷺ!) آپ کا پروردگار بخشنے والا اور بے پایاں رحمت والا ہے۔ ﴿ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ﴾ ’’اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کو پکڑنے لگے تو ان پر جھٹ عذاب بھیج دے۔‘‘ جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ...... ﴾ الآیة (فاطر 45:35) ’’اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب پکڑنے لگتا تو زمین کی پشت پر ایک جاندار نہ چھوڑتا......‘‘ اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ○ ﴾ (الرعد 6:13) ’’اور آپ کا پروردگار لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کر دینے والا ہے اور بے شک آپ کا پروردگار بہت سخت عذاب دینے والا ہے۔‘‘ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیات ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ حلم سے کام لیتا، اپنے بندوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا اور ان کے گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے۔ بعض کو رشد و ہدایت عطا فرما دیتا ہے اور جو شخص اپنی سرکشی و ضلالت ہی پر اڑا رہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا دن بھی تیار کر رکھا ہے جس کی ہولناکیوں کی وجہ سے بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور تمام حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اسی

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿60﴾

اور جب موسیٰ نے اپنے جوان (یوشع بن نون) سے کہا: میں تو چلتا ہی رہوں گا، حتی کہ [مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ] ''دو دریاؤں کے سنگم'' پر پہنچ جاؤں، یا میں

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿61﴾ فَلَمَّا

مدت ہائے دراز گزاروں (چلتا رہوں) ﴿60﴾ پھر جب وہ دونوں ان دونوں (دریاؤں) کی آپس میں ملنے کی جگہ پر پہنچے، (تو) وہ اپنی مچھلی بھول گئے، سو

جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿62﴾ قَالَ

اس نے دریا میں اپنا راستہ سرنگ نما بنا لیا ﴿61﴾ پھر جب وہ دونوں آگے گزر گئے تو اس (موسیٰ) نے اپنے جوان سے کہا کہ ہمیں ہمارا ناشتہ دے، بلاشبہ

اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَی الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ ۫ وَ مَاۤ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ

یقیناً اپنے اس سفر سے ہم تھکاوٹ سے دوچار ہوئے ہیں ﴿62﴾ وہ بولا: بھلا آپ نے دیکھا جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو بے شک میں مچھلی

اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَ اتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿63﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا

بھول گیا، اور مجھے وہ نہیں بھلائی مگر شیطان ہی نے کہ میں اسے یاد رکھوں، اور اس نے عجیب طرح دریا میں اپنا راستہ بنایا ﴿63﴾ اس نے کہا: یہی تو ہے

عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿64﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

جو ہم تلاش کر رہے تھے، پھر وہ اپنے قدموں کے نشانات کی اتباع کرتے ہوئے لوٹے ﴿64﴾ چنانچہ ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک

وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿65﴾

بندے (خضر) کو پایا، جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت دی تھی اور ہم نے اسے اپنے پاس سے (خاص) علم سکھایا تھا ﴿65﴾

لیے فرمایا: ﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿58﴾﴾ ''مگر ان کے لیے وعدے کا وقت (مقرر) ہے کہ اس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے۔'' اللہ تعالیٰ کے بجائے ان کے لیے کوئی جائے پناہ اور ٹھکانا نہ ہوگا۔ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَ تِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا﴾ ''اور یہ بستیاں (جو ویران پڑی ہیں) جب انھوں نے (کفر سے) ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔'' یعنی سابقہ امتوں اور قوموں کو ہم نے ان کے کفر و عناد کی وجہ سے ہلاک کر دیا تھا۔ ﴿وَ جَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿59﴾﴾ ''اور ہم نے ان کی تباہی کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا۔'' ہم نے ان کے لیے ایک مدت معلوم اور وقت معین مقرر کر رکھا تھا جس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہو سکتی تھی، اسی طرح مشرکو! تم بھی ڈرو کہیں تم بھی اسی طرح عذاب کی لپیٹ میں نہ آ جاؤ جس میں یہ سابقہ امتیں مبتلا ہو گئی تھیں کیونکہ تم نے تو اشرف رسول اور اعظم نبی ﷺ کی تکذیب کی ہے اور تم ہمارے نزدیک ان سے زیادہ معزز نہیں ہو، لہٰذا میرے عذاب اور میرے ڈرانے سے ڈرو!

تفسیر آیات: 60-65

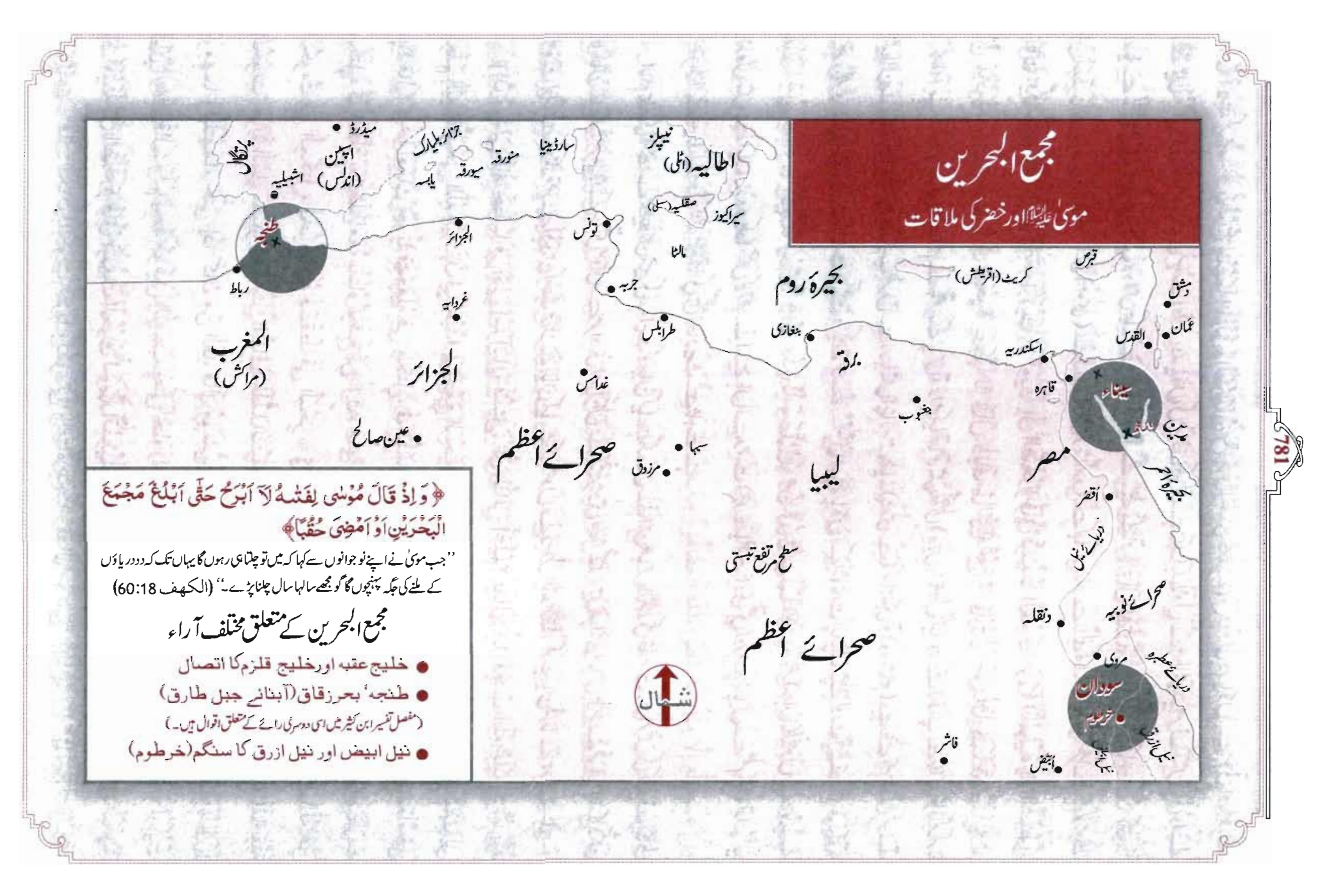
موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد، یعنی یوشع بن نون سے یہ اس لیے فرمایا تھا کہ آپ سے کہا گیا تھا کہ مجمع البحرین میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بندہ ہے جن کے پاس وہ علم ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس نہیں ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے پسند فرمایا کہ سفر کر کے ان کی خدمت میں حاضر ہوں، اسی لیے انھوں نے اپنے شاگرد سے فرمایا: ﴿لَاۤ اَبْرَحُ﴾ ''میں چلتا رہوں گا۔'' یعنی

مسلسل چلتا رہوں گا۔ ﴿ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ﴾ ''جب تک میں دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ نہ پہنچ جاؤں۔'' یعنی اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دو دریا ملتے ہیں۔ ﴿ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴾ ''خواہ برسوں چلتا رہوں۔'' یعنی خواہ عرصۂ دراز تک چلتا رہوں۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عربی زبان کے بعض علماء کا کہنا ہے کہ بنو قیس کی لغت میں حقب ایک سال کو کہتے ہیں۔[1] پھر انھوں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ حُقُبَة کے معنی اسی (80) سال ہیں۔[2] اور مجاہد کا قول ہے اس سے مراد ستر (70) سال ہیں۔[3] علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ حقب ایک زمانے کو کہتے ہیں۔[4] قتادہ اور ابن زید کا بھی یہی قول ہے۔[5]

مچھلی کا دریا میں چھلانگ لگانا اور ان کا منزل مقصود کو پالینا: ﴿ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا ﴾ ''چنانچہ جب وہ دونوں (دریاؤں) کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے۔'' موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک بھنی ہوئی مچھلی بھی اپنے ساتھ لے لیں اور جہاں مچھلی گم ہو جائے تو اسی جگہ وہ بندہ ملے گا۔ موسیٰ و یوشع (علیہما السلام) دونوں چلتے رہے حتی کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پر پہنچ گئے، اسی مقام پر وہ چشمہ ہے جسے چشمۂ حیات کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں وہاں سو گئے۔ مچھلی پر وہاں جب پانی کے چھینٹے پڑے تو اس میں حرکت پیدا ہوئی، یہ مچھلی اس وقت یوشع علیہ السلام کے پاس ایک تھیلے میں تھی، مچھلی نے تھیلے سے باہر نکل کر دریا میں چھلانگ لگا دی، یوشع علیہ السلام بیدار ہو گئے اور انھوں نے مچھلی کے تعاقب میں پانی میں چلنا شروع کر دیا، ان کے لیے پانی طاق کی طرح تھا اور پانی آپس میں ملتا نہیں تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴾ ''تو اس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا۔'' یعنی اس طرح جیسے زمین میں سرنگ ہوتی ہے۔ ابن جریج نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے نشانات اس طرح تھے جیسے پتھر ہو۔[6] محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: [مَا انْجَابَ مَاءٌ مُّنْذُ كَانَ النَّاسُ غَيْرُهٗ ثَبَتَ مَكَانُ الْحُوتِ الَّذِي فِيهِ فَانْجَابَ كَالْكُوَّةِ حَتّٰى رَجَعَ إِلَيْهِ مُوسٰى، فَرَأَى مَسْلَكَهٗ، فَقَالَ: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ﴾] ''مچھلی کی اس جگہ کے سوا پانی کبھی بھی نہیں پھٹا تھا اور مچھلی کی جگہ ایسی ہی سرنگ کی طرح رہی حتی کہ جب موسیٰ علیہ السلام واپس آئے تو اس جگہ سے پانی پھٹ کر طاق کی طرح ہو گیا جس سے موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کے رستے کو دیکھ لیا تو فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ﴾ ''یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم چاہتے تھے۔''[7]

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا جَاوَزَا ﴾ ''پھر جب وہ دونوں آگے گزر گئے۔'' یعنی جب اس جگہ سے آگے چلے گئے جہاں وہ مچھلی بھول گئے تھے، اگرچہ مچھلی بھولے صرف یوشع بن نون تھے مگر نسیان کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی ہے جس

[1] تفسیر الطبری:337/15 وتفسیر القرطبی:10/11۔ [2] تفسیر الطبری:337/15۔ [3] تفسیر الطبری:337/15۔
[4] تفسیر الطبری:337/15۔ [5] تفسیر الطبری:338/15۔ [6] تفسیر الطبری:339/15۔ [7] تفسیر الطبری: 339/15۔



مجمع البحرین
موسیٰ علیہ السلام اور خضر کی ملاقات
﴿ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴾
''جب موسیٰ نے اپنے نوجوانوں سے کہا کہ میں تو چلتا ہی رہوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچوں گا گو مجھے سالہا سال چلنا پڑے۔'' (الکہف 18:60)
مجمع البحرین کے متعلق مختلف آراء
خلیج عقبہ اور خلیج قلزم کا اتصال
طنجہ' بحرزقاق (آبنائے جبل طارق)
(مفصل تفسیر ابن کثیر میں اسی دوسری رائے کے متعلق اقوال ہیں۔)
نیل ابیض اور نیل ازرق کا سنگم (خرطوم)
میڈرڈ
اسپین
(اندلس)
اشبیلیہ
پرتگال
طنجہ
رباط
المغرب
(مراکش)
الجزائر
الجزائر
غردایہ
عین صالح
سارڈینیا
منورقہ
میورقہ
یابسہ
نیپلز
اطالیہ (اٹلی)
صقلیہ (سسلی)
سیراکیوز
مالٹا
تونس
جربہ
طرابلس
غدامس
سبہا
مرزوق
صحرائے اعظم
بحیرۂ روم
کریٹ (اقریطش)
قبرص
بنغازی
برقہ
لیبیا
سطح مرتفع تبستی
صحرائے اعظم
شمال
اسکندریہ
قاہرہ
جغبوب
دمشق
عمان
القدس
سیناء
مدین
مصر
بحیرۂ احمر
اقصر
دریائے نیل
صحرائے نوبیہ
دنقلہ
مروی
دریائے عطبرہ
سوڈان
خرطوم
نیل ازرق
نیل ابیض
فاشر
ابیض

طرح آیت کریمہ: ﴿ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴾ (الرحمٰن 55:22) ”دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں“ میں موتی اور مونگے کی نسبت دونوں دریاؤں کی طرف کی گئی ہے جبکہ ایک قول کے مطابق یہ صرف نمکین پانی والے دریا سے نکلتے ہیں۔ بہرحال جب وہ اس جگہ سے ایک مرحلہ آگے چلے گئے تو ﴿ قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ ”اس (موسیٰ) نے اپنے جوان (شاگرد) سے کہا کہ ہمارے لیے کھانا لاؤ، اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے۔“ تو اس نے کہا: ﴿ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ”بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنایا۔ (موسیٰ نے) کہا: یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے، پھر وہ اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے دیکھتے لوٹے۔“ یعنی اپنے پاؤں کے نشانات پر چلتے چلتے لوٹ آئے۔ ﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ ”پھر (وہاں) انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (نبوت یا نعمت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔“ یہ خضر علیہ السلام تھے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سعید بن جبیر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں عرض کی کہ نوف بکالی کا گمان ہے کہ خضر علیہ السلام کے ساتھی موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے کیونکہ ہم سے اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا:

[إِنَّ مُوسٰى قَامَ خَطِيبًا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَسُئِلَ: أَيُّ النَّاسِ أَعْلَمُ؟ فَقَالَ: أَنَا، فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ إِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ إِلَيْهِ، فَأَوْحَى اللّٰهُ إِلَيْهِ: إِنَّ لِي عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ أَعْلَمُ مِنْكَ، قَالَ مُوسٰى: يَا رَبِّ! فَكَيْفَ لِي بِهِ؟ قَالَ: تَأْخُذُ مَعَكَ حُوتًا فَتَجْعَلُهُ فِي مِكْتَلٍ، فَحَيْثُمَا فَقَدْتَ الْحُوتَ فَهُوَ ثَمَّ، فَأَخَذَ حُوتًا، فَجَعَلَهُ فِي مِكْتَلٍ، ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهُ بِفَتَاهُ يُوشَعَ بْنِ نُونٍ، حَتّٰى إِذَا أَتَيَا الصَّخْرَةَ وَضَعَا رُءُوسَهُمَا فَنَامَا، وَاضْطَرَبَ الْحُوتُ فِي الْمِكْتَلِ، فَخَرَجَ مِنْهُ فَسَقَطَ فِي الْبَحْرِ ﴿ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴾ وَأَمْسَكَ اللّٰهُ عَنِ الْحُوتِ جِرْيَةَ الْمَاءِ فَصَارَ عَلَيْهِ مِثْلَ الطَّاقِ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ نَسِيَ صَاحِبُهُ أَنْ يُخْبِرَهُ بِالْحُوتِ، فَانْطَلَقَا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمَا وَلَيْلَتَهُمَا، حَتّٰى إِذَا كَانَ مِنَ الْغَدِ قَالَ مُوسٰى لِفَتَاهُ: ﴿ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۫ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ قَالَ: وَلَمْ يَجِدْ مُوسَى النَّصَبَ حَتّٰى جَاوَزَا الْمَكَانَ الَّذِي أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ- فَقَالَ لَهُ فَتَاهُ: ﴿ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۫ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ قَالَ: فَكَانَ لِلْحُوتِ سَرَبًا وَّلِمُوسٰى وَلِفَتَاهُ عَجَبًا- فَقَالَ مُوسٰى: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا

﴿عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ قَالَ: رَجَعَا يَقُصَّانِ آثَارَهُمَا حَتَّى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِذَا رَجُلٌ مُّسَجًّى ثَوْبًا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ مُوسٰى فَقَالَ الْخَضِرُ: وَأَنّٰى بِأَرْضِكَ السَّلَامُ؟ قَالَ: أَنَا مُوسٰى، قَالَ: مُوسٰى بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: نَعَمْ أَتَيْتُكَ، لِتُعَلِّمَنِي مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا، ﴿قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ○﴾ يَامُوسٰى! إِنِّي عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ، وَأَنْتَ عَلٰى عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰهِ عَلَّمَكَ اللّٰهُ لَا أَعْلَمُهُ، فَقَالَ مُوسٰى: ﴿سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ○﴾ فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: ﴿فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰٓی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○﴾ فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ، فَمَرَّتْ سَفِينَةٌ فَكَلَّمُوهُمْ أَنْ يَّحْمِلُوهُمْ فَعَرَفُوا الْخَضِرَ فَحَمَلُوهُ بِغَيْرِ نَوْلٍ، فَلَمَّا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ لَمْ يَفْجَأْ إِلَّا وَالْخَضِرُ قَدْ قَلَعَ لَوْحًا مِّنْ أَلْوَاحِ السَّفِينَةِ بِالْقَدُومِ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: قَوْمٌ حَمَلُونَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ إِلٰى سَفِينَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا ﴿لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ○﴾ قَالَ ﴿اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا ○﴾ قَالَ ﴿لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا ○﴾ قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَكَانَتِ الْأُولٰى مِنْ مُّوسٰى نِسْيَانًا، قَالَ: وَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلٰى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ فِي الْبَحْرِ نَقْرَةً، فَقَالَ لَهُ الْخَضِرُ: مَا عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِثْلُ مَا نَقَصَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْ هٰذَا الْبَحْرِ، ثُمَّ خَرَجَا مِنَ السَّفِينَةِ، فَبَيْنَاهُمَا يَمْشِيَانِ عَلَى السَّاحِلِ إِذْ بَصَرَ الْخَضِرُ غُلَامًا يَّلْعَبُ مَعَ الْغِلْمَانِ، فَأَخَذَ الْخَضِرُ رَأْسَهُ بِيَدِهِ فَاقْتَلَعَهُ بِيَدِهِ فَقَتَلَهُ، فَقَالَ لَهُ مُوسٰى: ﴿اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا نُّكْرًا ○﴾ قَالَ: ﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا ○﴾ قَالَ: وَهٰذَا أَشَدُّ مِنَ الْأُولٰى قَالَ: ﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍ ۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ○﴾ ﴿فَانْطَلَقَا حَتّٰٓی اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ﴾ قَالَ:- مَائِلٌ- فَقَامَ الْخَضِرُ ﴿فَاَقَامَهٗ ؕ﴾ بِيَدِهِ، فَقَالَ مُوسٰى: قَوْمٌ أَتَيْنَاهُمْ فَلَمْ يُطْعِمُونَا وَلَمْ يُضَيِّفُونَا، ﴿لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ○﴾ قَالَ: ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِیْ وَبَيْنِكَ ۚ﴾ إِلٰى قَوْلِهِ: ﴿سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ○﴾ (الكهف 18:61-78) فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: وَدِدْنَا أَنَّ مُوسٰى كَانَ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا مِنْ خَبَرِهِمَا.

قَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَّقْرَأُ: (وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا) وَّكَانَ يَقْرَأُ: (وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَّكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ)]

''موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو آپ سے پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم کون ہے۔ آپ نے جواب دیا: میں، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی سرزنش کی کہ انھوں نے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ مجمع البحرین میں میرا ایک بندہ ہے جو تم سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے

عرض کی: یا اللہ میں ان کے پاس کس طرح پہنچ سکتا ہوں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے ساتھ ایک مچھلی لے لو، اسے تھیلے میں ڈال لو اور جہاں تم مچھلی گم پاؤ وہاں وہ تمھیں مل جائیں گے۔ موسیٰ نے ایک مچھلی پکڑ کر تھیلے میں ڈال لی اور سفر پر روانہ ہو گئے، آپ کے شاگرد یوشع بن نون علیہ السلام بھی اس سفر میں آپ کے ہمراہ تھے۔ چلتے چلتے جب ایک پتھر کے پاس پہنچے تو دونوں اس پر سر رکھ کر سو گئے، تھیلے میں رکھی ہوئی مچھلی میں حرکت پیدا ہوئی اور وہ تھیلے سے نکل کر دریا میں چلی گئی ﴿ فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴾ ''پھر اس نے دریا میں اپنا سرنگ نما رستہ بنا لیا۔'' اللہ تعالیٰ نے مچھلی سے پانی کی روانی کو روک لیا اور وہ پانی کی سطح پر طاق کی طرح تھی۔ جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ کے شاگرد مچھلی کے بارے میں آپ کو بتانا بھول گئے اور پھر باقی دن اور رات چلتے رہے حتی کہ جب اگلا دن آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگرد سے کہا: ﴿ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ؗ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴾ ''ہمارے لیے کھانا لاؤ، اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہوگئی ہے۔'' موسیٰ علیہ السلام کو تکان اسی وقت ہوئی تھی جب انھوں نے اس جگہ سے تجاوز کیا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا تھا تو آپ کے شاگرد نے کہا: ﴿ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ وَمَاۤ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴾ ''بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ بنا لیا تھا۔'' مچھلی کے لیے تو یہ رستہ سرنگ کی طرح تھا اور موسیٰ اور آپ کے شاگرد کے لیے یہ ایک تعجب انگیز بات تھی۔ تو یہ بات سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰۤى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴾ ''یہی تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشانات دیکھتے دیکھتے لوٹے۔'' اور اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے چلتے واپس پتھر کے پاس آ گئے تو دیکھا کہ وہاں کپڑے میں لپٹا ہوا ایک آدمی ہے، موسیٰ علیہ السلام نے انھیں سلام کہا تو خضر علیہ السلام نے کہا کہ تمھاری اس زمین میں سلام کہاں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں تو انھوں نے کہا: بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ آپ نے جواب دیا: ہاں! اور میں آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوا ہوں کہ جو علم اللہ کی طرف سے آپ کو سکھایا گیا ہے اس میں سے کچھ بھلائی کی باتیں مجھے بھی سکھا دیں: ﴿ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ○ ﴾ ''(خضر نے) کہا کہ یقیناً تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔'' (اور پھر یہ بھی کہا:) اے موسیٰ (علیہ السلام!) اللہ تعالیٰ نے مجھے کچھ ایسا علم سکھایا ہے جو آپ نہیں جانتے اور اس نے کچھ علم آپ کو ایسا سکھایا ہے جو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ سَتَجِدُنِيْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ○ ﴾ ''اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔'' خضر نے کہا: ﴿ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰۤى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ○ ﴾ ''اگر تم میری اتباع کرنا چاہو تو (شرط یہ ہے کہ) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔''

اس کے بعد دونوں دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے تو ان کے پاس سے ایک کشتی گزری، انھوں نے کشتی والوں سے بات

کی کہ وہ انھیں بھی کشتی میں بٹھالیں، انھوں نے خضر کو پہچان لیا اور انھیں کرایہ لیے بغیر کشتی پر بٹھا لیا۔ جب یہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے تو اچانک خضر نے تیشے کے ساتھ کشتی کے ایک تختے کو توڑ دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ان لوگوں نے کرایہ لیے بغیر ہمیں اپنی کشتی پر بٹھایا (اور ہم پر یہ احسان کیا مگر) آپ نے ان کی کشتی کو اس لیے پھاڑ دیا ہے ﴿ لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝ ﴾ ''کہ سواروں کو غرق کر دیں، یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی ہے!'' اس (خضر) نے کہا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ ﴾ ''کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔'' (موسیٰ علیہ السلام نے) کہا: ﴿ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ ﴾ ''جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مؤاخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے یہ پہلی بات واقعی بھول جانے کی وجہ سے سرزد ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک چڑیا آئی اور کشتی کے ایک کنارے پر بیٹھ گئی اس نے دریا سے پانی کی ایک چونچ بھری تو خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا علم اور آپ کا علم اللہ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہے جس قدر کہ اس چڑیا کے چونچ بھرنے سے دریا کے پانی میں کمی ہوئی ہے۔

پھر دونوں کشتی سے باہر نکل کر سمندر کے ساحل پر چلنے لگے تو خضر نے ایک لڑکا دیکھا جو دوسرے لڑکوں کے ساتھ مل کر کھیل رہا تھا، خضر نے اس لڑکے کے سر کو پکڑا اور اسے ہاتھ سے کچل کر قتل کر دیا۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝ ﴾ ''آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بری بات کی۔'' تو انھوں نے جواب دیا: ﴿ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ ﴾ ''کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم سے میرے ساتھ صبر نہیں ہو سکے گا۔'' اور یہ پہلی سے بھی زیادہ سخت بات تھی: ﴿ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓي اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۨ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ﴾ ''اس (موسیٰ) نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا کہ آپ میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے، پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا، انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا، پھر انھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔'' یعنی ایک طرف کو جھک گئی تھی تو خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے ﴿ فَاَقَامَهٗ ۭ ﴾ ''اس کو سیدھا کر دیا۔'' موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ ہم ان لوگوں کے پاس آئے تھے مگر انھوں نے ہماری ضیافت کی اور نہ ہمیں کھانا کھلایا، ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ ﴾ ''اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) اس (خضر) نے کہا کہ اب مجھ میں اور تم میں علیحدگی ہے۔ (مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکے میں ان کا تمھیں بھید بتائے دیتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ اے کاش! موسیٰ علیہ السلام صبر کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دونوں کی کچھ اور باتیں بھی بتا

قَالَ لَهٗ مُوۡسٰى هَلۡ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا ﴿66﴾ قَالَ اِنَّكَ لَنۡ

موسیٰ نے اس سے کہا: کیا اس (شرط) پر میں تیری اتباع کروں کہ تو مجھے اس میں سے سکھائے جو تجھے بھلائی سکھائی گئی ہے؟﴿66﴾ وہ بولا: بے شک

تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴿67﴾ وَكَيۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰى مَا لَمۡ تُحِطۡ بِهٖ خُبۡرًا ﴿68﴾ قَالَ

تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہ کر سکے گا﴿67﴾ اور جو چیز تیرے احاطۂ علم ہی میں نہیں، تو اس پر صبر کیسے کرے گا؟﴿68﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: یقیناً ان شاء اللہ تو

سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ اَعۡصِىۡ لَكَ اَمۡرًا ﴿69﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِىۡ

مجھے صابر پائے گا اور میں کسی بھی حکم میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا﴿69﴾ اس (خضر) نے کہا: پھر اگر تو نے میری اتباع کرنی ہے تو کسی شے کی بابت

فَلَا تَسۡـَٔلۡنِىۡ عَنۡ شَىۡءٍ حَتّٰۤى اُحۡدِثَ لَكَ مِنۡهُ ذِكۡرًا ﴿70﴾ ع

9 ع 11 21

مجھ سے سوال نہ کرنا، حتیٰ کہ میں خود ہی اس کا ذکر تجھ سے شروع کروں﴿70﴾

دیتا۔'' سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اس طرح قراءت فرمایا کرتے تھے: [وَكَانَ أَمَامَهُمْ مَّلِكٌ يَّأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ صَالِحَةٍ غَصْبًا] ''اوران کے آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر صحیح کشتی غصب کر لیتا تھا۔'' نیز آپ اس طرح بھی قراءت فرماتے: [وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ كَافِرًا وَّكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ] ''پس غلام (بچہ) کافر تھا اور اس کے والدین مومن تھے۔''[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور روایت اسی طرح بیان فرمائی ہے اور اس میں یہ الفاظ بھی ہیں:

[فَخَرَجَ مُوسٰى وَمَعَهُ فَتَاهُ يُوشَعُ بْنُ نُونٍ، وَّمَعَهُمَا الْحُوتُ، حَتّٰى انْتَهَيَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَنَزَلَا عِنْدَهَا، قَالَ: فَوَضَعَ مُوسٰى رَأْسَهُ فَنَامَ ...... قَالَ: وَفِي أَصْلِ الصَّخْرَةِ عَيْنٌ يُّقَالُ لَهَا: الْحَيَاةُ، لَا يُصِيبُ مِنْ مَّائِهَا شَيْءٌ إِلَّا حَيِيَ، فَأَصَابَ الْحُوتَ مِنْ مَّاءِ تِلْكَ الْعَيْنِ، فَتَحَرَّكَ وَانْسَلَّ مِنَ الْمِكْتَلِ فَدَخَلَ الْبَحْرَ، فَلَمَّا اسْتَيْقَظَ مُوسٰى ﴿قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ...... وَوَقَعَ عُصْفُورٌ عَلٰى حَرْفِ السَّفِينَةِ، فَغَمَسَ مِنْقَارَهُ فِي الْبَحْرِ، فَقَالَ الْخَضِرُ لِمُوسٰى: مَا عِلْمُكَ وَعِلْمِي وَعِلْمُ الْخَلَائِقِ فِي عِلْمِ اللّٰهِ إِلَّا مِقْدَارُ مَا غَمَسَ هٰذَا الْعُصْفُورُ مِنْقَارَهُ]

''موسیٰ علیہ السلام سفر پر روانہ ہوئے تو آپ کے ہمراہ آپ کے شاگرد یوشع بن نون بھی تھے، دونوں نے اپنے ساتھ مچھلی بھی لی تھی۔ جب پتھر کے پاس پہنچے تو وہاں پڑاؤ ڈال دیا، موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر پر سر رکھا اور سو گئے ...... اس پتھر کے نیچے ایک چشمہ تھا جسے حیات کہا جاتا تھا کیونکہ اس کا پانی جس چیز کو لگتا وہ زندہ ہو جاتی تھی، مچھلی کو بھی اس چشمے کا پانی لگا جس سے اس میں حرکت پیدا ہو گئی اور وہ تھیلے سے باہر نکل کر دریا میں داخل ہو گئی، موسیٰ علیہ السلام جب بیدار ہوئے تو آپ نے اپنے شاگرد سے کہا: ﴿اٰتِنَا غَدَآءَنَا﴾ ''ہمارے لیے کھانا لاؤ'' اور پھر باقی حدیث پہلی روایت ہی کی طرح بیان کی ہے۔ اس میں بھی ہے کہ ایک چڑیا آ کر کشتی کے کنارے پر بیٹھ گئی اور اس نے اپنی چونچ دریا میں ڈبو دی تو خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا علم، آپ کا

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله تعالىٰ: ﴿وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِفَتٰٮهُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤى اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَيۡنِ اَوۡ اَمۡضِىَ حُقُبًا﴾ (الكهف 18:60) ......، حديث: 4725 و صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل الخضر عليه السلام، حديث: 2380.

فَانۡطَلَقَا ٖ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیۡنَۃِ خَرَقَہَا ؕ قَالَ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ

پھر وہ دونوں چلے حتی کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس (خضر) نے کشتی میں شگاف کر دیا، اس (موسیٰ) نے کہا: کیا تو نے اس میں شگاف کیا کہ اس

لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡئًا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ لَا

کشتی والوں کو غرق کر دے؟ تو نے بڑا ہولناک (اور انوکھا) کام کیا ہے ﴿71﴾ اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے کہا نہ تھا کہ تو یقیناً میرے ساتھ صبر کرنے

تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَلَا تُرۡہِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾

کی استطاعت ہرگز نہیں رکھے گا ﴿72﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: میری بھول چوک پر تو مجھے نہ پکڑ، اور میرے معاملے میں مجھے مشکل میں نہ ڈال ﴿73﴾

علم اور تمام مخلوقات کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اس طرح ہے جس طرح چونچ کا وہ حصہ دریا کے مقابلے میں ہے جسے چڑیا نے پانی میں ڈبویا تھا۔'' باقی حدیث پہلی حدیث ہی کی طرح ہے۔[1]

تفسیر آیات: 66-70

موسیٰ اور خضر علیہما السلام کی ملاقات اوران کا ساتھ: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس عالم شخص سے کہا جو کہ خضر تھے اور جنھیں اللہ تعالیٰ نے ایسے علم سے نوازا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہ تھا جیسا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے علم سے نوازا تھا جو خضر کو حاصل نہ تھا، بہر حال: ﴿قَالَ لَہٗ مُوۡسٰی ہَلۡ اَتَّبِعُکَ﴾ ''موسیٰ علیہ السلام نے ان (خضر) سے کہا: کیا میں آپ کی پیروی کروں؟'' اس سوال میں ان سے درخواست کی گئی، یہ نہیں کہ انھیں مجبور کیا اور ان کے ساتھ رہنے کو لازم قرار دیا اور متعلم کو عالم سے اسی انداز میں سوال کرنا چاہیے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿اَتَّبِعُکَ﴾ یعنی میں آپ کا ساتھی اور رفیق بنوں۔ ﴿عَلٰۤی اَنۡ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمۡتَ رُشۡدًا﴾ ''تا کہ جو علم (اللہ کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے آپ اس میں سے بھلائی کی کچھ باتیں مجھے بھی سکھا دیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علم نافع اور عمل صالح سکھایا ہے میں اس سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ ﴿قَالَ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا﴾ ''(خضر نے) کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔'' یعنی جب تم میرے ایسے افعال دیکھو گے جو تمھاری شریعت کے مخالف ہوں گے تو تم میرے ساتھ رہ نہیں سکو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم سکھایا ہے جو تمھیں نہیں سکھایا اور اس نے تمھیں ایسا علم سکھایا ہے جو اس نے مجھے نہیں سکھایا۔ ہم میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کے ایسے امور کا مکلّف ہے جن کا دوسرا مکلّف نہیں ہے، لہٰذا تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ ﴿وَکَیۡفَ تَصۡبِرُ عَلٰی مَا لَمۡ تُحِطۡ بِہٖ خُبۡرًا﴾ ''اور جس بات کی تمھیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیونکر سکتے ہو؟'' میں جانتا ہوں کہ ان امور کے بارے میں تم اعتراض کرو گے جن کے بارے میں تم اعتراض کرنے میں معذور ہو کیونکہ ان کی باطنی حکمت و مصلحت سے اللہ تعالیٰ نے مجھے تو مطلع فرما دیا ہے مگر تمھیں مطلع نہیں فرمایا: ﴿قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا﴾ ''موسیٰ نے کہا: اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔'' اپنے ان امور کے بارے میں جو میں دیکھوں گا، ﴿وَّلَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا﴾ ''اور

---

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب قوله تعالیٰ: ﴿قَالَ اَرَءَیۡتَ اِذۡ......﴾ (الکهف 18:63-82) ، حدیث:4727.

میں تیرے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔‘‘ یعنی میں کسی چیز میں بھی آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے اس سلسلے میں اپنی شرط پیش کرتے ہوئے کہا: ﴿ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا ﴿۷۰﴾ ﴾ ’’اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے:) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں۔‘‘ یعنی جب تک تمھارے سوال کرنے سے پہلے میں خود ہی اس کے بارے میں تم سے گفتگو نہ شروع کر دوں۔

تفسیر آیات: 71-73

کشتی کو توڑنے کا واقعہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ خضر کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ جب دونوں اس شرط پر متفق ہو گئے کہ موسیٰ علیہ السلام اگر کسی چیز کو غلط سمجھیں تو اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کریں گے یہاں تک کہ خود خضر اس کی تشریح و توضیح بیان نہ کرنے لگ جائیں۔ اس شرط پر اتفاق کے بعد وہ دونوں چل پڑے اور پھر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ قبل ازیں حدیث کے حوالے سے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ کشتی میں کس طرح سوار ہوئے تھے، نیز یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ کشتی والوں نے خضر کو پہچان لیا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے خضر اور موسیٰ علیہما السلام کو کشتی میں سوار کر لیا اور ان سے خضر کے احترام کی وجہ سے کرایہ بھی نہ لیا۔ جب کشتی اپنے سفر پر روانہ ہوئی اور دریا کی موجوں سے کھیلنے لگی تو خضر اٹھے اور انھوں نے کشتی کو پھاڑ دیا، یعنی اس کا ایک تختہ نکال دیا جسے بعد میں انھوں نے کشتی میں لگا بھی دیا تھا۔[1]

بہر کیف موسیٰ علیہ السلام سے صبر نہ ہو سکا اور انھوں نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا: ﴿ اَخَرَقۡتَہَا لِتُغۡرِقَ اَہۡلَہَا ۚ ﴾ ’’تو نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دے!‘‘ ﴿ لِتُغۡرِقَ ﴾ کا لام عاقبت (انجام) کے لیے ہے تعلیل کے لیے نہیں۔ ﴿ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ ﴾ ’’یہ تو تو نے بڑی (عجیب) بات کی۔‘‘ مجاہد نے کہا ہے: ﴿ اِمۡرًا ﴿۷۱﴾ ﴾ کے معنی بری بات کے ہیں اور قتادہ نے کہا ہے کہ اس کے معنی عجیب بات کے ہیں۔[2] موسیٰ علیہ السلام کی یہ بات سن کر خضر نے انھیں اپنی شرط یاد دلاتے ہوئے کہا: ﴿ اَلَمۡ اَقُلۡ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا ﴿۷۲﴾ ﴾ ’’کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے۔‘‘ یعنی میں نے یہ کام قصداً کیا ہے اور یہ ان امور میں سے ہے جن کے بارے میں میں نے تمھارے ساتھ یہ شرط عائد کی تھی کہ تم ان کے بارے میں مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کرو گے کیونکہ ان کے بارے میں تمھیں علم نہیں ہے اور ان میں ایسی مصلحت کارفرما ہے جس کو تم نہیں جانتے: ﴿ قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ وَ لَا تُرۡہِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا ﴿۷۳﴾ ﴾ ’’اس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا کہ جو بھول مجھ سے ہو گئی اس پر مؤاخذہ نہ کیجیے اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے۔‘‘ یعنی میرے لیے تنگی اور سختی نہ کیجیے، قبل ازیں حدیث کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [کَانَتِ الْأُولٰی مِنْ مُوسٰی نِسْیَانًا] ’’موسیٰ علیہ السلام نے پہلا یہ اعتراض از راہ نسیان کیا تھا۔‘‘[3]

---

[1] دیکھیے الکہف، آیات: 60-65 کے ذیل میں عنوان: ’’موسیٰ و خضر علیہما السلام کا واقعہ‘‘ [2] تفسیر الطبری: 352/15. [3] صحیح البخاری، التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ﴿ وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِفَتٰىہُ لَاۤ اَبۡرَحُ حَتّٰۤی اَبۡلُغَ مَجۡمَعَ الۡبَحۡرَیۡنِ اَوۡ اَمۡضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾ ﴾ (الکہف 18:60) ......، حدیث: 4725 عن اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ۔

فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَہٗ ۙ قَالَ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّۃًۢ بِغَیۡرِ

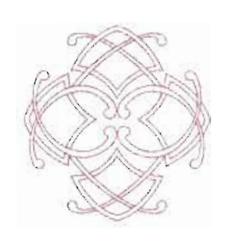
پھر وہ دونوں چلے، حتی کہ جب وہ دونوں ایک لڑکے سے ملے، تو اس (خضر) نے اسے قتل کر دیا، اس (موسیٰ) نے کہا: کیا تو نے ایک پاک (بے گناہ) نفس

نَفۡسٍ ؕ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا نُّکۡرًا ﴿۷۴﴾

کو کسی جان کے (قصاص کے) بغیر قتل کر دیا ہے؟ یقیناً تو نے تو بہت ہی برا کام کیا ہے!(74)

تفسیر آیت :74

لڑکے کو قتل کرنے کا واقعہ: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَانۡطَلَقَا ٝ حَتّٰۤی اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَہٗ ۙ ﴾ ”پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکے سے ملے تو (خضر نے) اسے مار ڈالا۔“ قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ یہ لڑکا ایک بستی میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ① یہ لڑکا ان تمام لڑکوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھا، خضر نے تمام لڑکوں میں سے اسے پکڑا اور قتل کر دیا۔ ② موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو پہلی بات سے بھی اس کی زیادہ سخت تردید کی اور فوراً بول اٹھے ﴿ اَقَتَلۡتَ نَفۡسًا زَکِیَّۃًۢ ﴾ ”کیا تو نے ایک بے گناہ نفس مار ڈالا؟“ یعنی یہ ایک چھوٹا لڑکا تھا جو ابھی بلوغت کو نہیں پہنچا تھا، اس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا مگر آپ نے اسے مار ڈالا؟ ﴿ بِغَیۡرِ نَفۡسٍ ؕ ﴾ ”(ناحق) بغیر قصاص کے“ یعنی اس کے قتل کی کوئی وجہ نہ تھی، ﴿ لَقَدۡ جِئۡتَ شَیۡـًٔا نُّکۡرًا ﴿۷۴﴾ ﴾ ”البتہ تحقیق تو نے بری بات کی۔“



① دیکھیے الکہف، آیت: 65 کے تحت۔ ② مسند أحمد: 119/5.

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿75﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ

اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ بلاشبہ تو میرے ساتھ ہرگز صبر نہیں کر سکے گا؟ ﴿75﴾ اس (موسیٰ) نے کہا: اگر اس کے بعد میں تجھ

شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾

سے کسی چیز کی بابت سوال کروں تو پھر مجھے ہرگز صحبت میں نہ رکھنا، یقیناً میری طرف سے تو عذر کو پہنچ چکا ہے ﴿76﴾

فَانْطَلَقَا ۫ وقفة حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ۣاسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا

پھر وہ دونوں چلے حتی کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے، اس کے رہنے والوں سے طعام مانگا، تو انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا،

فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ

پھر ان دونوں نے ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی، تو اس (خضر) نے وہ سیدھی کر دی۔ اس (موسیٰ) نے کہا: اگر تو چاہتا تو اس پر ضرور اجرت لے

اَجْرًا ﴿77﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿78﴾

لیتا ﴿77﴾ اس (خضر) نے کہا: یہ (اب) میرے اور تیرے درمیان جدائی ہے، یقیناً میں تجھے ان (باتوں) کی حقیقت بتاتا ہوں جن پر تو صبر نہ کر سکا ﴿78﴾

تفسیر آیات: 76,75

﴿ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿75﴾ ﴾ ”اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔“ خضر علیہ السلام نے نہایت سختی کے ساتھ اپنی پہلی شرط یاد دلائی، اسی لیے موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا ﴾ ”اگر میں اس کے بعد تجھ سے کوئی بات پوچھوں۔“ اور اس کے بعد آئندہ تم پر کوئی اعتراض کروں: ﴿ فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾ ﴾ ”تو تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا کہ تو میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گیا۔“ یعنی آپ نے بار بار میرے پاس عذر پیش کیا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اُبی بن کعب سے روایت کو ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کا ذکر کرتے ہوئے دعا فرماتے تو اپنے آپ سے دعا کا آغاز فرماتے۔ ایک دن آپ نے فرمایا: [رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلٰى مُوسٰى لَوْ لَبِثَ مَعَ صَاحِبِهٖ لَأَبْصَرَ الْعَجَبَ وَلٰكِنَّهٗ قَالَ: ﴿ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿76﴾ ﴾] ”اللہ تعالیٰ کی ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر رحمت ہو اگر وہ اپنے ساتھی کے ساتھ کچھ عرصہ اور رہتے تو یقیناً عجیب و غریب باتیں دیکھتے لیکن انھوں نے جلدی میں کہہ دیا: ”اگر میں اس کے بعد کوئی بات پوچھوں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا کہ تو میری طرف سے عذر (کے قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گیا۔““ [1]

تفسیر آیات: 78,77

دیوار سیدھی کرنے کا واقعہ: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ و خضر کے واقعے کو جاری رکھتے ہوئے بیان فرمایا ہے: ﴿ فَانْطَلَقَا ﴾ ”پھر دونوں چلے۔“ پہلی دو دفعہ کے بعد پھر انھوں نے اپنا سفر جاری رکھا۔ ﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ﴾ ”یہاں تک کہ ایک گاؤں

[1] تفسیر الطبری: 356/15۔ مزید دیکھیے صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل الخضر، حدیث: (172)-2380 و سنن أبی داود، الحروف والقراءات، باب، حدیث: 3984 و مسند أحمد: 122/5 الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور کمی بیشی کے ساتھ۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

رہی کشتی تو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں کام کرتے تھے، لہٰذا میں نے ارادہ کیا کہ اس میں عیب ڈال دوں جبکہ ان کے آگے ایک بادشاہ

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿79﴾

تھا جو ہر کشتی زبردستی لے لیتا تھا ﴿79﴾

والوں کے پاس پہنچے۔'' امام ابن جریر نے ابن سیرین کا قول ذکر کیا ہے کہ اس گاؤں کا نام ایلہ تھا۔[1] اور حدیث میں ہے: [حَتّٰی إِذَا أَتَیَا أَھْلَ قَرْیَةٍ لِّئَامًا] ''وہ ایک گاؤں کے بخیل لوگوں کے پاس پہنچے۔''[2] ﴿ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ ﴾ ''تو ان سے کھانا طلب کیا۔ انھوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کیا، پھر انھوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی۔'' یہاں دیوار کی طرف ارادے کی نسبت استعارے کے طور پر ہے کیونکہ (غیر ذوی العقول) اشیاء کی طرف ارادے کی نسبت میلان کے معنی میں ہوتی ہے۔ اور انقضاض کے معنی گرنے کے ہیں۔ ﴿ فَاَقَامَهٗ ط ﴾ ''تو اس (خضر) نے اس کو سیدھا کر دیا۔'' اسے سیدھا کھڑے ہونے کی حالت میں لوٹا دیا۔ قبل ازیں یہ حدیث بیان کی جا چکی ہے کہ خضر نے اس دیوار کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کر دیا تھا اور اس کے جھکاؤ کو ختم کر دیا تھا اور یہ بھی ایک معجزہ تھا۔[3] موسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فرمایا: ﴿ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿77﴾ ﴾ ''اگر تو چاہتا تو ان سے اس کا معاوضہ لیتا۔'' کیونکہ انھوں نے ہماری ضیافت نہیں کی، لہٰذا ان کے لیے بلا معاوضہ کام نہیں کرنا چاہیے: ﴿ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ج ﴾ ''اس (خضر) نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی ہے۔'' کیونکہ لڑکے کے قتل کے وقت تم نے کہا تھا کہ اگر میں اس کے بعد کوئی بات پوچھوں اور اعتراض کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا، لہٰذا اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی کا وقت آ گیا ہے: ﴿ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿78﴾ ﴾ ''(مگر) جن باتوں پر تو صبر نہ کر سکا، میں ان کا تجھے بھید بتائے دیتا ہوں۔''

تفسیر آیت: 79

کشتی پھاڑنے کا راز: یہ وضاحت ہے اس کام کی جسے سمجھنے میں موسیٰ علیہ السلام کو مشکل پیش آئی اور انھوں نے ظاہر حال کے مطابق اس پر اعتراض کر دیا تھا جبکہ اس کی باطنی حکمت کو اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام پر ظاہر کر دیا تھا۔ خضر علیہ السلام نے اس کی باطنی حکمت کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ میں نے اس کشتی کو اس لیے پھاڑا تھا کہ ان کا ایک ایسے ظالم بادشاہ کے پاس سے گزر ہونے والا تھا: ﴿ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿79﴾ ﴾ ''جو ہر ایک (عمدہ اور اچھی) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا۔'' تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں تاکہ عیب کی وجہ سے ظالم بادشاہ کے چھیننے سے اسے بچا سکوں اور کشتی کے غریب مالکان اس سے فائدہ اٹھا سکیں جن کے پاس گزر بسر کے لیے اس کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کشتی کے مالکان یتیم بچے تھے۔

---

[1] تفسیر الطبری: 357/15. [2] صحیح مسلم، الفضائل، باب من فضائل الخضر، حدیث: (172)-2380 و مسند أحمد: 119/5 عن أبی بن کعب رضی اللہ عنہ. [3] دیکھیے الکهف، آیت: 65 کے ذیل میں۔

وَاَمَّا الۡغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ يُّرۡهِقَهُمَا طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ۚ﴿80﴾

اور رہا لڑکا، تو اس کے ماں باپ مومن تھے، چنانچہ ہم ڈرے کہ وہ سرکشی اور کفر کی وجہ سے انھیں مشقت میں ڈال دے گا ﴿80﴾ چنانچہ ہم نے

فَاَرَدۡنَاۤ اَنۡ يُّبۡدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيۡرًا مِّنۡهُ زَكٰوةً وَّاَقۡرَبَ رُحۡمًا ﴿81﴾

چاہا کہ ان دونوں کا رب انھیں (ایسا) بدل دے جو اس سے پاکیزگی میں بہتر اور مہربانی میں قریب تر ہو ﴿81﴾

وَاَمَّا الۡجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيۡنِ يَتِيۡمَيۡنِ فِى الۡمَدِيۡنَةِ وَكَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوۡهُمَا

اور رہی دیوار تو وہ شہر میں دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان کے لیے خزانہ تھا اور ان کا باپ صالح تھا، چنانچہ تیرے رب نے چاہا کہ

صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنۡ يَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسۡتَخۡرِجَا كَنۡزَهُمَا ۖ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلۡتُهٗ

وہ دونوں (یتیم) اپنی جوانی کو پہنچیں اور تیرے رب کی رحمت کے سبب اپنا خزانہ نکال لیں اور میں نے یہ اپنی رائے سے نہیں کیا، یہ ان (باتوں) کی

عَنۡ اَمۡرِىۡ ؕ ذٰلِكَ تَاۡوِيۡلُ مَا لَمۡ تَسۡطِعْ عَّلَيۡهِ صَبۡرًا ؕ﴿82﴾ ع 10/12 1

حقیقت ہے جن پر تو صبر نہ کر سکا ﴿82﴾

تفسیر آیات: 81,80

لڑکے کے قتل کا راز: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلْغُلَامُ الَّذِی قَتَلَهُ الْخَضِرُ طُبِعَ یَوْمَ طُبِعَ کَافِرًا] "یہ لڑکا جسے خضر نے قتل کیا تھا، یہ روز اول ہی سے کافر پیدا ہوا تھا۔"[1] اسی لیے خضر علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤۡمِنَيۡنِ فَخَشِيۡنَاۤ اَنۡ يُّرۡهِقَهُمَا طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ﴿80﴾ ﴾ "اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر بدکردار ہو گا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسائے۔" یعنی لڑکے کی محبت والدین کو کفر اختیار کرنے پر مجبور نہ کر دے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب یہ لڑکا پیدا ہوا تو اس کے ماں باپ بہت خوش ہوئے اور جب قتل ہوا تو بہت غمگین ہو گئے تھے۔ اگر یہ لڑکا زندہ رہتا تو اس میں اس کے والدین کی تباہی و ہلاکت تھی، لہٰذا ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہنا چاہیے۔ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ جسے وہ ناپسند کرے اس فیصلے سے بہتر ہے جسے وہ پسند کرے۔[2] اور صحیح حدیث میں ہے: [لَا یَقْضِی اللّٰهُ لِلْمُؤْمِنِ (مِنْ قَضَاءٍ) إِلَّا کَانَ خَیْرًا لَّهُ] "اللہ تعالیٰ مومن کے لیے جو فیصلہ بھی فرمائے وہ اس کے لیے بہتر ہے۔"[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ ۚ ...... ﴾ الآیة (البقرة 2:216) "اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تم کو بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بھلی ہو......"

[1] صحيح مسلم، القدر، باب معنى كل مولود يولد ......، حديث:2661 و سنن أبى داود، السنة، باب فى القدر، حديث:4706,4705 و جامع الترمذى، تفسير القرآن، باب ومن سورة الكهف، حديث:3150 و اللفظ له و مسند أحمد:121,120/5 و تفسير الطبرى:5/16. [2] تفسير الطبرى:6/16. [3] مسند أحمد:184/3 عن أنس رضی اللہ عنہ لیکن قوسین والے الفاظ کے بجائے اس میں [إن الله لايقضى] اور [قضاءً] ہے۔ اور دیکھیے صحيح ابن حبان، الرقاق، ذكر الإخبار عما يجب على المؤمن ......:507/2، حديث:728 و مسند أبى يعلى الموصلى:221,220/7، حديث:4218,4217 و السلسلة الصحيحة:277/1، حديث:148.

فرمان الٰہی ہے: ﴿ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴾ ''تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچہ) عطاء فرمائے جو پاک طینتی میں بہتر اور محبت میں زیادہ قریب ہو۔'' یعنی ایسا بچہ جو اس سے زیادہ پاکیزہ ہو اور والدین اس سے زیادہ محبت کرنے والے ہوں۔ یہ ابن جریر کا قول ہے۔[1]

تفسیر آیت:82

بغیر اجرت دیوار سیدھی کرنے میں حکمت: یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ ﴿ قَرْیَةٍ ﴾ ''بستی (گاؤں)'' کے لفظ کا مدینة ''شہر'' پر بھی اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ پہلے فرمایا: ﴿ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ ﴾ (الکھف 77:18) ''یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے۔'' اور یہاں فرمایا: ﴿ فَكَانَ لِغُلٰمَیْنِ یَتِیْمَیْنِ فِی الْمَدِیْنَةِ ﴾ ''سو وہ دو یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے۔)'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ...... ﴾ الآیة (محمد 13:47) ''اور بہت سی بستیاں تمھاری بستی سے جس (کے باشندوں) نے تمھیں (وہاں سے) نکال دیا زور و قوت میں کہیں بڑھ کر تھیں......۔'' اور فرمایا: ﴿ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ۝ ﴾ (الزخرف 31:43) ''اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا۔''

اس آیت کریمہ میں دونوں بستیوں سے مکہ اور طائف کے شہر مراد ہیں۔ بہر حال مذکورہ بالا آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اس دیوار کو درست اس لیے کیا ہے کہ یہ ان دو یتیموں کی ہے جو اس شہر میں رہتے ہیں اور اس کے نیچے ان کا خزانہ مدفون ہے۔ عکرمہ، قتادہ اور کئی ایک ائمۂ تفسیر نے فرمایا ہے کہ اس دیوار کے نیچے ان دونوں یتیم بچوں کا مال مدفون تھا۔[2] آیت کریمہ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[3]

﴿ وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ﴾ ''اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ نیک آدمی کی اولاد کی بھی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کی شفاعت کی وجہ سے اس کی عبادت کی برکت اس کی اولاد کو بھی دنیا و آخرت میں حاصل ہوتی ہے، نیز اس کی اولاد کے جنت میں بھی درجات بلند کیے جاتے ہیں تاکہ اسے اپنی اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہو جیسا کہ قرآن و سنت سے ثابت ہے۔ سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ان کے مال کی حفاظت کی گئی اور حضرت خضر نے ان لڑکوں کی نیکی کا ذکر نہیں کیا۔[4] اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ یَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَ یَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ﴾ ''تو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں۔'' یہاں ارادے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے کیونکہ انھیں جوانی تک پہنچانے پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے جبکہ لڑکے کے معاملے میں حضرت خضر علیہ السلام نے ارادے کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے فرمایا تھا: ﴿ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً ﴾ (الکھف 81:18) ''تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان

① تفسیر الطبری:7/16. ② تفسیر الطبری:10,9/16. ③ تفسیر الطبری:10/16. ④ تفسیر الطبری:10/16.

کو دوسرا (بچہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی میں بہتر۔'' اسی طرح کشتی کے بارے میں بھی انھوں نے ارادے کی نسبت اپنی طرف کی تھی: ﴿ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا ﴾ (الکھف 79:18) ''تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں۔'' وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

کیا خضر نبی تھے؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ ؕ ﴾ ''یہ آپ کے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔'' یعنی یہ تینوں کام جو میں نے کیے ہیں: (1) یہ کشتی والوں، (2) لڑکے کے والدین اور (3) نیک آدمی کے دو یتیم لڑکوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہے، یہ کام میں نے از خود نہیں کیے بلکہ مجھے ان کے بارے میں حکم دیا گیا اور ان کے بارے میں مطلع کر دیا گیا۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، علاوہ ازیں یہ آیت کریمہ: ﴿ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَاۤ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ ﴾ (الکھف 65:18) ''(وہاں) انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔'' جو قبل ازیں گزر چکی ہے، یہ بھی حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت کی دلیل ہے۔

خضر کی وجہ تسمیہ: امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے خضر کے بارے میں فرمایا: [إِنَّمَا سُمِّيَ خَضِرًا (لِأَنَّهُ) جَلَسَ عَلٰى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ ، فَإِذَا هِيَ تَحْتَهُ تَهْتَزُّ خَضْرَاءَ] ''ان کا نام خضر اس لیے رکھا گیا کہ وہ سفید رنگ کی خشک گھاس پر بیٹھے تو وہ ان کے نیچے سبز رنگ میں لہلہانے لگی تھی۔''[1] اور امام احمد نے اس حدیث کو عبدالرزاق کے واسطے سے بھی روایت کیا ہے۔[2] صحیح بخاری میں بھی ہمام کے واسطے سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّمَا سُمِّيَ الْخَضِرُ لِأَنَّهُ جَلَسَ عَلٰى فَرْوَةٍ بَيْضَاءَ فَإِذَا هِيَ تَهْتَزُّ مِنْ خَلْفِهِ خَضْرَاءَ] ''انھیں خضر کے نام سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ وہ خشک گھاس پر بیٹھے تو وہ ان کے نیچے سبز رنگ میں لہلہانے لگی تھی۔''[3] ان احادیث میں جو لفظ ''فروہ'' آیا ہے اس کے معنی یہاں خشک گھاس کے ہیں اور وہ گھاس چوڑا چوڑا ہو جیسا کہ عبدالرزاق نے کہا ہے۔[4] یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد سطح زمین ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ؕ۝۸۲ ﴾ ''یہ ان باتوں کی حقیقت ہے جن پر تو صبر نہ کر سکا۔'' یعنی یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن کی وجہ سے تو نے اپنے دل میں تنگی محسوس کی اور صبر نہ کر سکا حتی کہ تجھے از خود ان کے بارے میں بتا دیتا۔ اور جب اس نے ان باتوں کی تشریح و توضیح بیان کر کے مشکل زائل کر دی تو کہا ﴿ مَا لَمْ تَسْطِعْ ﴾ ''جن پر تو صبر نہ کر سکا'' جبکہ اس سے پہلے وہ بہت قوی اور شدید قسم کے اشکال میں مبتلا تھا، اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا: ﴿ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۝ ﴾ (الکھف 78:18) ''جن باتوں پر تو صبر نہ کر سکا میں ان کا تجھے بھید بتائے دیتا ہوں۔'' زیادہ ثقیل اشکال کے مقابلے میں انھوں نے ثقیل اور خفیف اشکال کے مقابلے میں خفیف الفاظ استعمال فرمائے جیسا کہ فرمایا:

---

[1] مسند أحمد: 312/2 ، لیکن قوسین والے الفاظ بعض نسخوں میں نہیں ہیں۔ [2] مسند أحمد: 318/2. [3] صحیح البخاری، الأحادیث الأنبیآء، باب حدیث الخضر ......، حدیث: 3402. [4] مسند أحمد: 318/2. البتہ اس میں فروۃ کی تفسیر میں صرف الحَشِيشُ الْأَبْيَضُ وَمَا أَشْبَهَهُ ''سفید گھاس اور اس سے ملتی جلتی'' ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿83﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى

اور (یہ لوگ) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے: عنقریب میں اس کا کچھ ذکر تمھارے سامنے تلاوت کروں گا ﴿83﴾ بے شک

الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾

ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا اور اسے ہر چیز سے اسباب دیے ﴿84﴾

﴿ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ ﴾ (الکھف 97:18) ''پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں۔'' اس سے مراد اوپر کی طرف چڑھنا ہے اور پھر فرمایا: ﴿ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴾ (الکھف 97:18) ''اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔'' یہ پہلے کی نسبت چونکہ زیادہ سخت کام تھا اس لیے یہاں ﴿ اسْطَاعُوْٓا ﴾ کے بجائے ﴿ اسْتَطَاعُوْا ﴾ استعمال کیا گیا، یعنی ہر فعل کے لیے وہ لفظ استعمال کیا گیا جو لفظاً اور معنًی ہر اعتبار سے مناسب تھا۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد کا اس قصے کے آغاز میں تو ذکر کیا گیا مگر بعد میں ان کا ذکر نہیں آیا تو اس کی کیا وجہ ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں مقصود موسیٰ و خضر علیہما السلام اور ان کے مابین پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا شاگرد تو ان کے تابع ہے۔ کتب صحاح وغیرہ کی احادیث میں پہلے صراحت ہو چکی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ شاگرد یوشع بن نون تھے۔[1] اور موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کے یہی والی تھے۔

تفسیر آیات: 84,83

ذوالقرنین کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ﴾ ''اور یہ لوگ آپ سے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں'' کہ ان کی کیا خبر تھی۔ ہم قبل ازیں یہ بیان کر آئے ہیں کہ کفار مکہ نے اہل کتاب کے پاس اپنے آدمی بھیجے تھے تاکہ وہ ان سے ایسے سوالات سیکھیں جن سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا امتحان لیں تو انھوں نے کہا (1) آپ سے زمین میں بہت سفر کرنے والے آدمی کے بارے میں پوچھو۔'' (2) ان نوجوانوں کے بارے میں پوچھو جن کی بابت معلوم نہیں کہ انھوں نے کیا کیا۔ (3) اور آپ سے روح کے بارے میں پوچھو۔ تو انھی سوالات کے جواب میں سورۂ کہف نازل ہوئی تھی۔[2]

ذوالقرنین کی عظیم الشان سلطنت: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ ﴾ ''بلاشبہ ہم نے اس کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی۔'' یعنی ہم نے انھیں بڑی عظیم الشان سلطنت دی تھی۔ انھیں بادشاہت، لشکر ہائے جرار، آلاتِ حرب، قلعے اور اس کی سلطنت میں سب کچھ تھا جو بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے، اسی لیے وہ زمین کے مشرق سے لے کر مغرب تک کا مالک تھا۔ تمام ممالک اس کے تابع تھے، بادشاہ اس کے فرمانبردار تھے، عرب و عجم کی تمام قومیں اس کی خادم تھیں، اسی وجہ سے بعض اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ انھیں ذوالقرنین کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مشرق و مغرب میں سورج کے طلوع و غروب کے

[1] دیکھیے الکھف، آیت: 65 کے تحت۔ [2] دیکھیے الکھف کے شروع میں عنوان: ''سبب نزول'' کے ذیل میں۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ

چنانچہ وہ سامان لے کر چلا﴿85﴾ حتی کہ جب وہ غروب آفتاب کی جگہ پہنچا، اس نے اسے پایا کہ وہ سیاہ کیچڑ (دلدل) والے چشمے میں غروب ہو رہا ہے

وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ

اور اس نے اس کے پاس ایک قوم پائی۔ ہم نے کہا: اے ذوالقرنین! (تجھے اختیار ہے) خواہ تو (انھیں) سزا دے، خواہ ان سے اچھا برتاؤ کرے﴿86﴾

حُسْنًا ﴿86﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا

اس نے کہا: رہا وہ جس نے ظلم کیا، تو اسے ہم عنقریب سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا، چنانچہ وہ اسے سخت ترین عذاب دے

نُّكْرًا ﴿87﴾ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ

گا﴿87﴾ اور رہا وہ جو ایمان لایا اور نیک عمل کیے تو اس کے لیے (اللہ کے ہاں) بدلے میں خوب تر بھلائی ہے، اور ہم لازماً اپنے کام میں سے اس کے

اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿88﴾ ؕ

لیے نہایت آسانی کا حکم دیں گے﴿88﴾

مقامات تک پہنچ گیا تھا۔ ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿84﴾ ﴾ ''اور ہم نے اس کو ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ، سدی، قتادہ، ضحاک اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے انھیں ہر طرح کا علم عطا کر دیا تھا۔[1] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی زمین کے مقامات ونشانات کے ہیں۔[2]

اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے بارے میں بھی فرمایا: ﴿ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ...... ﴾ الآیۃ (النمل 23:27) ''اور ہر چیز اسے میسر کی گئی......'' یعنی ہر وہ چیز جو اس طرح کے بادشاہوں کو میسر ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو بھی وہ تمام اسباب و وسائل مہیا فرما دیے تھے جو ملکوں اور لوگوں کو فتح کرنے، شہروں اور علاقوں پر قبضہ جمانے، دشمنوں کا زور کم کرنے، زمین کے بادشاہوں کو شکست دینے اور مشرکوں کو ذلیل و رسوا کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں، یعنی اسے وہ تمام اسباب و وسائل مہیا کر دیے گئے تھے جو اس طرح کے کاموں کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

تفسیر آیات:85-88

ذوالقرنین کا کوچ کرنا اور غروب شمس کی جگہ پہنچنا: ﴿ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿85﴾ ﴾ ''پھر وہ ایک راہ کے پیچھے لگا۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہاں سبب سے مراد منزل ہے۔[3] مجاہد فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مشرق و مغرب کے درمیان منزل اور رستے ہیں۔[4] مجاہد سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اس سے مراد زمین میں رستے ہیں۔[5] قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے زمین کے منازل و معالم کا رخ کیا۔[6]

[1] تفسير الطبري :14,13/16 وتفسير ابن أبي حاتم :2382/7 والبداية والنهاية ، خبر ذي القرنين:97/2. [2] تفسير الطبري :15,14/16 وتفسير ابن أبي حاتم :2383/7 والبداية والنهاية ، خبر ذي القرنين :97/2. [3] تفسير الطبري : 14/16. [4] تفسير الطبري :14/16. [5] تفسير الطبري :14/16. [6] تفسير الطبري :14/16.

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا۔“ یعنی وہ ایک ایسے رستے پر چلے حتی کہ مغرب کی طرف سے زمین کے آخری کنارے تک پہنچ گئے، مغرب سے یہاں مراد زمین کا مغرب ہے کیونکہ آسمان میں غروبِ آفتاب کی جگہ تک پہنچنا تو بہت مشکل ہے۔ قصے بیان کرنے والے لوگوں نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ وہ ایک مدت تک زمین میں چلتے رہے اور سورج ان کے پیچھے غروب ہوتا تھا تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں، اس قبیل کی اکثر باتوں کا تعلق اہل کتاب کی خرافات اور ان کے زندیقوں کی بنائی ہوئی جھوٹی اور من گھڑت باتوں سے ہے۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِیۡ عَیۡنٍ حَمِئَةٍ ﴾ ”اس نے اسے ایسا پایا کہ سیاہ کیچڑ والے ایک چشمے میں ڈوب رہا ہے۔“ انھوں نے بحر محیط (بحیرۂ روم) میں سورج کے غروب ہونے کا منظر دیکھا اور جو شخص بھی اس کے ساحل پر کھڑا ہو کر اسے دیکھے تو اسے اسی طرح معلوم ہوگا کہ جیسے وہ اس میں غروب ہو رہا ہے، حالانکہ یہ فلک چہارم کو نہیں چھوڑتا جس میں اسے ثبت کیا گیا ہے۔ ﴿ حَمِئَةٍ ﴾ کا لفظ دو قراءتوں میں سے ایک قراءت کے مطابق اَلۡحَمۡأَةُ سے مشتق ہے[1] جس کے معنی مٹی کے ہیں۔[2] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۝ ﴾ (الحجر 28:15) ”بلاشبہ میں کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔“ اس آیت کریمہ کی تفسیر قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[3]

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ ﴾ ”اور اس نے اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی۔“ جس کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ انسانوں کی یہ ایک بہت بڑی امت تھی: ﴿ قُلۡنَا یٰذَا الۡقَرۡنَیۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِیۡهِمۡ حُسۡنًا ﴿۸۶﴾ ﴾ ”ہم نے کہا: ذوالقرنین! تو ان کو، خواہ تکلیف دے، خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کر۔“ معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو ان پر دسترس دے دی، ان کا حاکم بنا دیا، ان پر فتح ونصرت سے نوازا اور اختیار دے دیا کہ اگر چاہیں تو انھیں قتل کر دیں اور قیدی بنا لیں اور اگر چاہیں تو ان پر احسان کر دیں یا ان سے فدیہ لے لیں۔ ان کے عدل وایمان کا ان کے اس جواب سے اندازہ ہوتا ہے: ﴿ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ ﴾ ”جو (کفر وبدکرداری سے) ظلم کرے گا“ اور کفر اور اپنے رب کے ساتھ شرک پر قائم رہے گا۔ ﴿ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ﴾ ”اسے ہم عنقریب عذاب دیں گے۔“ قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسے ہم قتل کر دیں گے۔[4] ﴿ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿۸۷﴾ ﴾ ”پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے بڑا عذاب دے گا۔“ ﴿ عَذَابًا نُّكۡرًا ﴿۸۷﴾ ﴾ کے معنی بہت شدید دردناک عذاب کے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے آخرت اور جزا وسزا کا اثبات بھی ہوتا ہے۔ اور فرمایا: ﴿ وَ اَمَّا مَنۡ اٰمَنَ ﴾ ”اور جو ایمان لائے گا“ اور ہماری اس دعوت کو قبول کرے گا جو ہم اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دیتے ہیں: ﴿ فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰی ۚ ﴾ ”تو اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے۔“ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ ﴿ وَ سَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا ﴿ؕ۸۸﴾ ﴾ ”اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی نہیں

[1] جبکہ دوسری قراءت (حامية) ہے۔ [2] تفسير الطبرى :17/16 وتفسير القرطبى :49/11. [3] دیکھیے الحجر، آیت: 28 کے ذیل میں۔ [4] تفسير الطبرى :17/16.

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿89﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ

پھر وہ (اور) سامان لے کر چلا ﴿89﴾ حتی کہ جب وہ طلوع شمس کی جگہ پہنچا، اس نے اسے پایا کہ وہ ایسی قوم پر طلوع ہو رہا ہے جس کے لیے ہم نے

لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿90﴾ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿91﴾

سورج کے آگے کوئی پردہ نہیں رکھا ﴿90﴾ (واقعہ) ایسا ہی ہے اور یقیناً اس کے پاس جو کچھ تھا علم کے اعتبار سے ہم نے اس کا احاطہ کر لیا تھا ﴿91﴾

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿92﴾ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ

پھر وہ (دیگر) سامان لے کر چلا ﴿92﴾ حتی کہ جب وہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو اس نے ان دونوں کے اس طرف ایک قوم پائی جو قریب نہ تھا کہ

يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿93﴾ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ

وہ کوئی بات سمجھیں ﴿93﴾ وہ کہنے لگے: اے ذوالقرنین! بے شک یاجوج اور ماجوج اس سرزمین میں فساد کرنے والے ہیں تو کیا ہم تیرے لیے

نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿94﴾ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

کچھ پیداوار طے کر دیں اس (شرط) پر کہ تو ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دے ﴿94﴾ اس نے کہا: میرے رب نے مجھے اس میں جو قدرت

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿95﴾ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا

دی ہے بہت بہتر ہے، چنانچہ تم میری (افرادی) قوت سے مدد کرو، میں تمھارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط بند بنا دوں گا ﴿95﴾ تم مجھے لوہے کے

سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْۤ اُفْرِغْ

تختے لا دو حتی کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیانی خلا کو برابر کر دیا (تو) کہا: (اب اس میں) دھونکو، حتی کہ جب اس نے اسے آگ (جیسا) بنا دیا

عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿96﴾

تو کہا: میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ کہ اس پر ڈال دوں ﴿96﴾

کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے۔'' مجاہد فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم اس سے اچھی بات کہیں گے۔ [1]

تفسیر آیات: 89-91

ذوالقرنین کا مشرق کی طرف سفر: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ پھر ذوالقرنین نے مغرب کی طرف سے مشرق کا سفر اختیار کیا اور رستے میں جہاں بھی کسی امت کے پاس سے گزرتا تو انھیں مقہور و مغلوب کر لیتا اور اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتا اگر وہ اس کی اطاعت کر لیتے تو ٹھیک ورنہ وہ انھیں ذلیل و رسوا کر کے ان کے مال و متاع کو لوٹ لیتا اور ہر امت سے وہ خدمت لیتا جو اس کے لشکر ہائے جرار کے لیے مخالف ملکوں سے جنگ کے لیے معاون ثابت ہوتی اور جب وہ سفر کرتے کرتے زمین میں سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر پہنچا تو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: ﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا﴾ ''تو دیکھا کہ وہ ایسے لوگوں پر طلوع ہو رہا ہے جن کے لیے ہم نے سورج کے درمیان کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی۔'' یعنی سورج کی حرارت سے بچنے کے لیے ان کے پاس نہ تو کوئی عمارت تھی اور نہ کوئی سایہ دار درخت ہی تھے۔ قتادہ

[1] تفسیر الطبری: 18/16.



کہتے ہیں کہ ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ لوگ ایک ایسی زمین میں تھے جہاں کچھ نہیں اگتا تھا، جب سورج طلوع ہوتا تو وہ سرنگوں میں داخل ہو جاتے اور جب سورج غروب ہو جاتا تو وہ سرنگوں سے باہر آ کر اپنے کام کاج میں مشغول ہو جاتے تھے۔[1]

﴿ كَذٰلِكَ ۭ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ؀ ﴾ ”حقیقت حال یوں (تھی) اور جو کچھ اس کے پاس تھا اس کی تفصیل ہمارے احاطۂ علم میں ہے۔“ مجاہد اور سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی علم کے ہیں[2]، یعنی ہمیں اس کے اور اس کے لشکر کے تمام حالات کی خبر تھی اور ہم سے کوئی چیز بھی مخفی نہ تھی، گو اس کے لشکر میں مختلف قوموں اور علاقوں کے لوگ تھے لیکن اس ذات پاک کی شان یہ ہے: ﴿ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ ﴾ (آل عمران 5:3) ”کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔“

تفسیر آیات:92-96

سرزمین یاجوج وماجوج میں پہنچنا اور دیوار کی تعمیر: اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کے حالات کو بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا ہے: ﴿ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ؀ ﴾ ”پھر وہ ایک راہ کے پیچھے لگا۔“ یعنی اب وہ زمین کے مشرق کی طرف سے ایک رستے پر چلا اور دو دیواروں کے درمیان میں پہنچ گیا، یہ دونوں پہاڑ ایک دوسرے کے بالمقابل تھے اور ان میں ایک رستہ بنا ہوا تھا جس سے نکل کر یاجوج ماجوج ترکوں کے علاقوں میں آ جاتے، وہاں فتنہ وفساد برپا کرتے اور کھیتوں اور فصلوں کو تباہ کر دیتے تھے۔ یاجوج و ماجوج بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی کی اولاد میں سے ہیں جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے:

[يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: يَا آدَمُ! فَيَقُولُ: لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ......، قَالَ: يَقُولُ: أَخْرِجْ بَعْثَ النَّارِ، قَالَ: وَمَا بَعْثُ النَّارِ؟ قَالَ: مِنْ كُلِّ أَلْفٍ تِسْعَمِائَةٍ وَّتِسْعَةً وَّتِسْعِينَ (إِلَى النَّارِ وَوَاحِدٌ إِلَى الْجَنَّةِ) فَذَاكَ حِينَ يَشِيبُ الصَّغِيرُ ﴿ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا ...... ﴾ (الحج 2:22) (فَقَالَ: إِنَّ فِيكُمْ أُمَّتَيْنِ، مَا كَانَتَا فِي شَيْءٍ إِلَّا كَثَّرَتَاهُ) يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ]

”بے شک اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے آدم! وہ جواب دیں گے: لبیک وسعدیک...... ! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: جہنم کا حصہ نکال دو۔ حضرت آدم علیہ السلام عرض کریں گے: جہنم کا حصہ کتنا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر ایک ہزار میں سے نوسو ننانوے جہنم میں اور ایک جنت میں۔ یہ وہ وقت ہوگا جب (خوف کی وجہ سے) بچہ بوڑھا ہو جائے گا۔ ”اور ہر حمل والی اپنے حمل کو گرا دے گی......“ آپ نے فرمایا: تم میں دو امتیں ایسی ہیں کہ جس چیز سے بھی مقابلہ کیا جائے تو ان کی تعداد زیادہ ہے اور وہ ہیں یاجوج اور ماجوج۔“[3]

---

[1] تفسیر الطبری:20/16 و تفسیر ابن أبی حاتم:2386/7. [2] تفسیر الطبری:20/16 و تفسیر ابن أبی حاتم:2387/7.

[3] صحیح البخاری، الرقاق، باب: ﴿ اِنَّ زَلْزَلَةَ ...... ﴾ (الحج 1:22)......، حدیث:6530 و صحیح مسلم، الإیمان، باب قوله: [یقول اللّٰه لآدم: أخرج بعث النار......]، حدیث:222 عن أبی سعید رضی اللہ عنہ. لیکن دونوں قوسین والی عبارتیں صحیحین میں نہیں بلکہ پہلی قوسین والی عبارت جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الحج، حدیث:3169 عن عمران بن حصین رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے اور ترمذی ہی میں دوسری قوسین کی جگہ یہ الفاظ ہیں: [إِنَّكُمْ لَمَعَ خَلِيقَتَيْنِ مَا كَانَتَا مَعَ شَيْءٍ إِلَّا كَثَّرَتَاهُ].

﴿وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا﴾ ''تو اس نے ان کے اس طرف کچھ لوگوں کو پایا جو قریب نہ تھے کہ کوئی بات سمجھیں۔'' اس لیے کہ ان کی زبان عجمی ہے اور وہ لوگوں سے دور اور الگ تھلگ رہ رہے ہیں۔ ﴿قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا﴾ ''ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں، بھلا ہم تیرے لیے خرچ (کا انتظام) کردیں۔'' ابن جریج نے عطاء سے اور انھوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿خَرْجًا﴾ کے معنی بہت زیادہ اجرت کے ہیں۔[1] یعنی ان کا ارادہ یہ تھا کہ اگر ذوالقرنین ان کے درمیان ایک دیوار بنا دے تو وہ بہت سا مال جمع کر کے انھیں دے دیں گے لیکن ذوالقرنین نے عفت و دیانت اور نیکی و خیر کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ﴾ ''خرچ کا جو مقدور اللہ نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے جس بادشاہت واقتدار سے سرفراز فرمایا ہے وہ اس مال سے کہیں بہتر ہے جسے تم جمع کرو گے۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی فرمایا تھا: ﴿اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۫ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ......﴾ الآية (النمل 27:36) ''تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو کہ جو کچھ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمھیں دیا ہے......''

اسی طرح ذوالقرنین نے بھی کہا کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے حکومت وقوت عطا فرمائی ہے وہ تمھارے مال و دولت سے بدرجہا بہتر ہے، البتہ تم مجھے قوت بازو اور آلات تعمیر کے ساتھ مدد دو۔ ﴿اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۙ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ﴾ ''میں تمھارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط اوٹ بنا دوں گا تو تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ۔'' زُبَر، زُبرۃ کی جمع ہے اس کے معنی لوہے کے ٹکڑے ہیں، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔[2] اور یہ ٹکڑے اینٹ کی طرح ہوتے ہیں اور ہر اینٹ دمشقی قنطار کے برابر یا اس سے بھی زیادہ وزنی ہوتی ہے۔

اور فرمان باری ہے: ﴿حَتّٰى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ ''یہاں تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان کا حصہ برابر کر دیا۔'' حتی کہ جب اس نے لوہے کی ان اینٹوں کو بنیاد سے ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر طول وعرض کی طرف سے دونوں پہاڑوں کی چوٹیوں تک رکھ کر دیوار بنا دی اس دیوار کی طول وعرض کی پیمائش کے بارے میں کئی اقوال ہیں۔ ﴿قَالَ انْفُخُوْا ۭ﴾ ''کہا کہ (اب اسے) دھونکو۔'' یعنی اس میں آگ لگا دی حتی کہ ساری دیوار آگ بن گئی۔ ﴿قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ ''تو کہا: (اب) میرے پاس پگھلا تانبا لاؤ تا کہ میں اس پر ڈال دوں۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، ضحاک، قتادہ اور سدی کا قول ہے کہ قِطر کے معنی تانبے کے ہیں اور بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اس کے معنی پگھلائے ہوئے تانبے کے ہیں۔[3] اس سلسلے میں درج ذیل ارشاد باری تعالیٰ سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے: ﴿وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ الْقِطْرِ ۭ﴾ (سبا 34:12) ''اور ان کے لیے ہم نے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا۔'' یہی وجہ ہے کہ یہ دیوار دھاری دار چادروں سے مشابہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: (دیکھیے آیات: 97-99)

---

[1] تفسیر الطبری: 30/16. [2] تفسیر الطبری: 32,31/16. [3] تفسیر الطبری: 34/16 وتفسیر ابن أبي حاتم: 2389/7.

فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿97﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ

پھر وہ (یاجوج ماجوج) استطاعت نہ رکھتے تھے کہ اس پر چڑھ جائیں اور نہ استطاعت رکھتے تھے کہ اس میں نقب لگائیں ﴿97﴾ ذوالقرنین نے کہا: یہ

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿98﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ

میرے رب کی طرف سے رحمت ہے، پھر جب میرے رب کا وعدہ آجائے گا تو وہ اسے ہموار کردے گا، اور میرے رب کا وعدہ حق ہے ﴿98﴾ اور اس

يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿99﴾

روز ہم ان کے کچھ کو چھوڑ دیں گے، وہ دوسروں میں گھس جائیں گے، اور صور میں پھونکا جائے گا، پھر ہم ان (سب) کو جمع کریں گے جمع کرنا ﴿99﴾

تفسیر آیات: 97-99

ذوالقرنین کی تعمیر کردہ دیوار رکاوٹ بن گئی اور یہ قیامت کے قریب ٹوٹے گی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یاجوج و ماجوج کو اس بات کی طاقت نہیں ہے کہ اس دیوار کے اوپر سے چڑھ سکیں اور نہ انھیں اس بات ہی کی استطاعت ہے کہ نیچے سے اس میں نقب لگا سکیں۔ اوپر چڑھنا نیچے سے نقب لگانے کی نسبت آسان ہے، لہٰذا ہر کام کے مناسب حال فعل کے صیغے استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿97﴾﴾ ”پھر ان کو یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں نقب لگا سکیں۔“ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھیں اس دیوار میں نقب لگانے یا اسے توڑنے وغیرہ کی قطعاً قدرت نہ تھی۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نیند سے بیدار ہوئے تو رخ انور سرخ تھا اور آپ فرما رہے تھے: [لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ، فُتِحَ الْيَوْمَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ، ...... قَالَ: نَعَمْ، إِذَا كَثُرَ الْخَبَثُ] ”اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ عربوں کے لیے خرابی ہے اس شر کی وجہ سے جو قریب آچکا ہے۔ آج دیوار یاجوج و ماجوج میں اتنا سوراخ کر دیا گیا ہے۔ یہ فرماتے ہوئے آپ نے انگوٹھے اور اس کے ساتھ والی انگلی کا حلقہ بنایا۔ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا ہم ہلاک ہو جائیں گے جبکہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ فرمایا: ہاں، جب برائی کی کثرت ہو جائے گی۔“[1] یہ حدیث صحیح ہے اسے امام بخاری و مسلم نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ﴾ ”بولا کہ یہ میرے پروردگار کی مہربانی ہے۔“ یعنی ذوالقرنین نے جب اس دیوار کو بنا دیا تو کہا: ﴿هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ﴾ کہ یہ میرے پروردگار کی لوگوں پر مہربانی ہے کہ اس نے لوگوں اور یاجوج و ماجوج کے درمیان یہ رکاوٹ کھڑی کر دی ہے جس کی وجہ سے وہ اب زمین میں فتنہ و فساد نہیں پھیلا سکیں گے۔ ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ﴾ ”جب میرے پروردگار کا وعدہ آپہنچے گا۔“ یعنی جب سچا وعدہ پورا ہو جائے گا۔ ﴿جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ﴾ ”تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا۔“ یعنی زمین کے برابر کر دے گا۔ عرب ناقة دكاء ایسی اونٹنی کو کہتے ہیں جس کی پشت ہموار ہو

[1] مسند أحمد: 428/6. [2] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قصة یأجوج ومأجوج ...... ، حدیث: 3346 وصحیح مسلم، الفتن وأشراط الساعة، باب اقتراب الفتن وفتح ردم یأجوج ومأجوج ، حدیث: 2880.

اور اس کی کوہان نہ ہو۔[1] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ (الأعراف 7:143) ''پس جب ان کے پروردگار نے پہاڑ پر جلوہ ڈالا اس کو ریزہ ریزہ کر دیا۔'' اور زمین کے برابر کر دیا۔ ﴿ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴾ ''اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے۔'' جو یقیناً پورا ہونے والا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ ﴾ ''(اسی روز) ہم ان کو چھوڑ دیں گے۔'' یعنی جس دن یہ دیوار ہموار ہو گی اس دن یہ نکل کر لوگوں میں گھس جائیں گے اور لوگوں کے مال خراب اور ان کی چیزیں تباہ کر دیں گے۔ سدی نے اس آیت کریمہ: ﴿ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ ﴾ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے کہ جب یہ نکلیں گے تو لوگوں کے مال تباہ کر دیں گے۔[2] اور یہ سب کچھ قیامت سے پہلے لیکن خروج دجال کے بعد ہو گا جیسا کہ اس کا ذکر ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ○ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ...... ﴾ الآیة (الأنبیآء 21:96,97) ''یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں گے اور (قیامت کا) سچا وعدہ قریب آ جائے گا......'' کی تفسیر میں آگے بیان کیا جائے گا۔[3]

نفخ صور: اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ﴾ ''اور صور میں پھونکا جائے گا۔'' جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [اَلصُّورُ قَرْنٌ يُنْفَخُ فِيهِ] ''صور ایک سینگ ہو گا جس میں پھونکا جائے گا۔''[4] اور اس میں حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے جیسا کہ اس سلسلے میں ایک طویل حدیث قبل ازیں بیان کی جا چکی ہے۔[5] اس کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔[6] اور عطیہ کی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے،[7] نیز ابوسعید کی مرفوع حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَيْفَ أَنْعَمُ وَقَدِ الْتَقَمَ صَاحِبُ الْقَرْنِ الْقَرْنَ وَحَنٰى جَبْهَتَهُ، ...... (وَاسْتَمَعَ) مَتٰى يُؤْمَرُ؟ (قَالُوا: كَيْفَ نَقُولُ؟) قَالَ: قُولُوا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا] ''میں کیسے خوش رہوں جبکہ سینگ والے فرشتے نے سینگ کو منہ سے تھام لیا ہے اور اپنی پیشانی کو جھکا دیا ہے...... اور سننے کے لیے تیار ہے کہ اسے کب حکم دیا جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کی: (اس حالت میں) آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: تم یہ کہو: ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے، ہم نے اللہ ہی پر توکل کیا۔''[8]

---

[1] تفسیر الطبری: 35/16. [2] الدر المنثور: 454/4. [3] دیکھیے الأنبیاء، آیت: 96 کے ذیل میں۔ [4] سنن أبی داود، السنة، باب ذکر البعث......، حدیث: 4742 و جامع الترمذی، صفة القیامة والرقائق والورع، باب ماجاء فی شأن الصور، حدیث: 2430 و مسند أحمد: 162/2 عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہ. [5] دیکھیے الأنعام، آیت: 73 کے ذیل میں۔ [6] سنن أبی داود، أول کتاب الحروف و القراء ات، باب، حدیث: 3999 و مسند أحمد: 10/3 والمستدرك للحاکم: 264/2 و فتح الباری: 367/11 تحت الحدیث: 6517 و کتاب العظمة، صفة إسرافیل: 820/3-860 و جامع الترمذی، حدیث: 2430 و مسند أحمد: 162/2 و صحیح ابن حبان: 307/16، حدیث: 7312. [7] مسند أحمد: 326/1 والمستدرك للحاکم: 559/4 والمعجم الکبیر للطبرانی: 128/12، حدیث: 12671 و تفسیر الطبری: 38/16. [8] مسند أحمد: 7/3 و 374/4 لیکن اس میں دونوں قوسین والے الفاظ جامع الترمذی، صفة القیامة والرقائق والورع، باب ماجاء فی شأن الصور، حدیث: 2431 و 3243 و صحیح ابن حبان، الرقاق: 105/3، حدیث: 823 والمستدرك للحاکم: 559/4 والسلسلة الصحیحة: 66/3، حدیث: 1079 میں ہیں۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ﴿100﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ

اور اس دن ہم جہنم کو کافروں کے روبرو لے آئیں گے ﴿100﴾ وہ لوگ جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی استطاعت نہ

وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿101﴾ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ

رکھتے تھے ﴿101﴾ کیا پھر ان لوگوں نے جو کافر ہوئے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ مجھے چھوڑ کر میرے بندوں کو (اپنا) کارساز بنالیں گے؟ بے شک ہم نے

اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿102﴾

کافروں کے لیے بطور مہمانی جہنم تیار کر رکھا ہے ﴿102﴾

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ﴿99﴾ ﴾ ”تو ہم سب کو جمع کر لیں گے۔“ یعنی ہم سب کو حساب کے لیے حاضر کر لیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۙ لَمَجْمُوْعُوْنَ ۬ۙ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ﴾ (الواقعة 50,49:56) ”کہہ دیجیے کہ بے شک پہلے اور پچھلے (سب) ایک روز مقررہ وقت پر جمع کیے جائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ﴾ (الكهف 47:18) ”اور ان (لوگوں) کو ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔“

تفسیر آیات: 100-102

جہنم کو کافروں کے سامنے لایا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت کافروں کے ساتھ یہ معاملہ کرے گا کہ ان کے سامنے جہنم کو لائے گا، یعنی اسے ظاہر کرے گا تاکہ وہ جہنم رسید ہونے سے پہلے ہی اس کے عذاب اور سزاؤں کو دیکھ لیں اور اس طرح جہنم میں داخل ہونے سے پہلے ہی انھیں جلدی سے غم وحزن میں مبتلا کر دیا جائے گا۔ صحیح مسلم میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [يُؤْتٰى بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ، لَهَا سَبْعُونَ أَلْفَ زِمَامٍ مَّعَ كُلِّ زِمَامٍ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ يَجُرُّونَهَا] ”اس (قیامت کے) دن جہنم کو ستر ہزار زنجیروں سے باندھ کر لایا جائے گا اور ہر زنجیر کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے۔“[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ ﴾ ”جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں۔“ وہ غفلت میں مبتلا ہو کر قبولِ ہدایت اور اتباعِ حق سے اندھے اور بہرے ہو گئے تھے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴾ (الزخرف 36:43) ”اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔“ اور یہاں فرمایا: ﴿ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿101﴾ ﴾ ”اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔“ اللہ کے اوامر ونواہی کو سمجھتے نہیں تھے، پھر فرمایا: ﴿ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ ﴾ ”کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ میرے بندوں

[1] صحيح مسلم، الجنة وصفة نعيمها......، باب جهنم أعاذنا الله منها، حديث: 2842 و جامع الترمذي، صفة جهنم، باب ماجاء في صفة النار، حديث: 2573.

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿103﴾ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ

کہیے: کیا ہم تمھیں اعمال کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارہ پانے والے بتائیں؟﴿103﴾ جن کی سعی دنیاوی زندگی میں اکارت گئی، جبکہ وہ سمجھتے ہیں

يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿104﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ

کہ یقیناً وہ اچھے کام کررہے ہیں﴿104﴾ یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، چنانچہ ان کے اعمال برباد

اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿105﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا

ہوگئے، لہٰذا روزِ قیامت ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے﴿105﴾ یہ ہے ان کی سزا جہنم، اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا، اور میری آیات

وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿106﴾

اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا بنایا﴿106﴾

کو میرے سوا (اپنا) کارساز بنائیں گے۔'' یعنی ان کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بات ان کے لیے درست اور نفع بخش ہے: ﴿ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴾ (مریم 82:19) ''ہرگز نہیں وہ (معبودان باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور الٹے ان کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔'' اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ مطلع فرمایا ہے کہ اس نے قیامت کے دن کافروں کے لیے جہنم کی مہمانی تیار کررکھی ہے۔

تفسیر آیات:103-106

اعمال اور بدلے کے لحاظ سے خسارے والے لوگ: امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو سے اور انھوں نے مصعب سے روایت کیا ہے کہ میں نے اپنے والد، یعنی سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿103﴾ ﴾ ''کہہ دیجیے: ہم تمھیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں'' کے بارے میں پوچھا، کیا اس سے حُرُورِیّة فرقے کے لوگ مراد ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: نہیں، اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہودیوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی تھی اور نصاریٰ نے جنت کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس میں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہوگی جبکہ حروریہ تو وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے پختہ عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ انھیں فاسقین کے نام سے موسوم کیا کرتے تھے۔[1] حضرت علی بن ابوطالب، ضحاک اور کئی ایک ائمہ تفسیر کا قول ہے کہ اس سے حروریہ ہی مراد ہیں۔[2]

یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ حروریہ، یہود و نصاریٰ اور ایسے دیگر سب لوگوں کو بھی شامل ہے، یہ عام ہے اور ان میں سے کسی مخصوص گروہ کے لیے نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اس وقت ابھی یہود و نصاریٰ سے خطاب شروع نہیں ہوا تھا اور خوارج کا تو اس وقت قطعاً کوئی وجود ہی نہ تھا، لہٰذا یہ آیت کریمہ عام ہے اور ہر وہ شخص اس کا مصداق ہے جو غیر پسندیدہ طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور گمان یہ کرے کہ وہ درست اور اس کا عمل

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ ...... ﴾ (الكهف 103:18)، حديث:4728.

[2] تفسير الطبري: 43/16 وتفسير ابن أبي حاتم: 2392,2393/7.

مقبول ہے، حالانکہ وہ خطا کار اور اس کا عمل مردود ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۝ ﴾ (الغاشية 88:2-4) ''اس روز بہت سے چہرے ذلیل ہوں گے، سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے، دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:23) ''اور جو عمل انھوں نے کیے ہوں گے، ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا ﴾ (النور 24:39) ''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال (کی مثال ایسی ہے) جیسے میدان میں چمکتی ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے۔''

کافر کا ہر اچھا کام آخرت میں عبث اور بے کار ہے: اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: ﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝١٠٣ ﴾ ''(اے پیغمبر!) کہہ دیجیے ہم تمھیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے نقصان میں ہیں۔'' اور پھر ان کے بارے میں بتاتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی۔'' یعنی جنھوں نے ایسے باطل عمل کیے جو غیر شرعی، ناپسندیدہ اور غیر مقبول تھے۔ ﴿ وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝١٠٤ ﴾ ''اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔'' یعنی وہ اعتقاد یہ رکھتے ہیں کہ وہ صحیح راستے پر ہیں اور وہ مقبول و محبوب لوگ ہیں لیکن حقیقت میں ﴿ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا۔'' یعنی دنیا میں انھوں نے ان دلائل و براہین کا انکار کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور اپنے رسولوں کی صداقت کے بارے میں بیان فرمائے تھے، نیز انھوں نے آخرت کی تکذیب کی۔ ﴿ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝١٠٥ ﴾ ''اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے۔'' یعنی قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کے ترازو کو بھاری نہیں کریں گے کیونکہ ان کے اعمال خیر سے خالی تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَ اللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَّقَالَ: اِقْرَءُوا: ﴿ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝١٠٥ ﴾] ''قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور موٹا آدمی آئے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں ہوگا۔ آپ نے فرمایا: یہ آیت کریمہ پڑھو: ''اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو ہی قائم نہیں کریں گے۔''[1] اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[2] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا ﴾ ''یہ ہے ان کی سزا جہنم اس لیے کہ انھوں نے کفر کیا۔'' یعنی ہم نے انھیں یہ سزا اس لیے دی کہ انھوں نے کفر کیا، اللہ تعالیٰ کی آیتوں اور اس کے پیغمبروں کی

---

① صحيح البخاري، التفسير، باب قوله : ﴿ أُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَاۗىِٕهٖ فَحَبِطَتْ ﴾ (الكهف 18:105)، حديث:4729. ② صحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب صفة القيامة والجنة والنار، حديث:2785.

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿107﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے بطور مہمانی فردوس کے باغات ہیں ﴿107﴾ اس حال میں کہ وہ ان میں

لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿108﴾

ہمیشہ مقیم ہوں گے، وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے ﴿108﴾

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ

کہہ دیجیے: اگر میرے رب کی باتوں (کے لکھنے) کے لیے سمندر روشنائی ہو تو یقیناً میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے

جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿109﴾

گا اور اگرچہ ہم اس کے مثل (اور سمندر) بطور مدد لے آئیں ﴿109﴾

ہنسی اڑائی اور ان کی سخت تکذیب کی تھی۔

تفسیر آیات: 108,107

مومنوں کی جزا: اللہ تعالیٰ نے اپنے سعادت مند بندوں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ایمان لانے والوں اور انبیائے کرام کے لائے ہوئے دین وشریعت کی تصدیق کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان کے لیے بہشت کے باغ ہوں گے۔ ابو اُمامہ کہتے ہیں کہ فردوس بہترین جنت ہے۔[1] قتادہ کہتے ہیں کہ فردوس اوسط وافضل جنت ہے۔[2] سمرہ رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: [اَلْفِرْدَوْسُ مِنْ رَّبْوَةِ الْجَنَّةِ هِيَ أَوْسَطُهَا وَأَحْسَنُهَا] ''فردوس بلند ترین، بہترین اور احسن جنت ہے۔''[3] قتادہ نے انس بن مالک کے حوالے سے مرفوع حدیث بھی اسی طرح بیان کی ہے اور ان تمام روایات کو ابن جریر رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے۔[4] صحیح بخاری میں حدیث ہے: [فَإِذَا سَأَلْتُمُ اللّٰهَ (الْجَنَّةَ) فَاسْأَلُوهُ الْفِرْدَوْسَ فَإِنَّهُ أَوْسَطُ الْجَنَّةِ، وَأَعْلَى الْجَنَّةِ......، وَمِنْهُ تَفَجَّرُ أَنْهَارُ الْجَنَّةِ] ''جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو اس سے فردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ اعلیٰ اور افضل جنت ہے...... اور اسی سے جنت کی نہریں پھوٹتی ہیں۔''[5] ﴿نُزُلًا ﴿107﴾﴾ کے معنی مہمانی کے ہیں۔ ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''ہمیشہ ان میں رہیں گے۔'' ان میں اقامت وسکونت اختیار کریں گے اور ان سے کبھی بھی نہیں نکلیں گے۔ ﴿لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿108﴾﴾ ''وہاں سے مکان بدلنا نہیں چاہیں

[1] تفسیر الطبری: 46/16 لیکن اس میں ابو امامہ کے بجائے ابو اسامہ ہے، البتہ تفسیر ابن أبي حاتم: 2393/7 میں یہ قول ابو امامہ ہی سے منقول ہے۔ [2] تفسیر الطبری: 46/16 . [3] تفسیر الطبری: 48/16 والمعجم الکبیر للطبرانی: 213/7، حدیث: 6886,6885 وتفسیر ابن أبي حاتم: 2393/7 والسلسلة الصحيحة: 9/5، حدیث: 2003. [4] تفسیر الطبری: 49,48/16 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة المؤمنين، حديث: 3174 ومسند أحمد: 260/3. ہاں، البتہ [وَالْفِرْدَوْسُ: رَبْوَةُ الْجَنَّةِ، وَأَوْسَطُهَا وَأَفْضَلُهَا] قتادہ کے الفاظ ہیں۔ اور دیکھیے السلسلة الصحيحة: 427/4، حدیث: 1811. [5] صحیح البخاري، الجهاد والسير، باب درجات المجاهدين......، حديث: 2790 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ البتہ قوسین والا لفظ المصنف لابن أبي شيبة، الجنة، باب ماذكر......: 67/7 میں ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ

(اے نبی!) کہہ دیجیے: میں تو بس تمھاری ہی طرح بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا الٰہ صرف ایک الٰہ ہے، پھر جو شخص کہ اپنے رب کی

فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿110﴾

ملاقات کی امید رکھتا ہو تو وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ ٹھہرائے ﴿110﴾

گے۔'' کیونکہ جنت کے علاوہ وہ کسی اور مقام کو پسند ہی نہیں کریں گے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت سے انھیں کس قدر رغبت اور محبت ہوگی، حالانکہ جو شخص کسی جگہ ہمیشہ ہمیشہ مقیم ہو تو اس کے بارے میں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید وہ اس جگہ سے اکتا جائے مگر اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے بارے میں فرمایا ہے کہ دوام اور خلود سرمدی کے باوجود وہ جنت سے کہیں اور جانا، وہاں سے کوچ کرنا اور رخت سفر باندھنا پسند ہی نہیں کریں گے۔

تفسیر آیت:109

اللہ کی باتیں کبھی ختم نہ ہوں گی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اے محمد (ﷺ!) کہہ دیجیے: اگر سمندر کا پانی قلم کے ساتھ لکھنے کے لیے سیاہی بن جائے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی باتیں، حکمتیں اور وہ نشانیاں لکھنی شروع کر دی جائیں جو اس کی ذات پاک پر دلالت کرتی ہیں تو ان باتوں کے تمام ہونے سے پہلے سمندر کی یہ سیاہی ختم ہو جائے گی۔ ﴿ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿109﴾ ﴾ ''اگرچہ ہم ویسا ہی (دوسرا) اس کی مدد کو لائیں۔'' یعنی ایک سمندر اور لے آئیں اور پھر اس کے بعد ایک اور لے آئیں اور اسی طرح اور سمندر لاتے جائیں اور ان کے ساتھ لکھا جائے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں ختم نہ ہوں گی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ ﴾ (لقمٰن 27:31) ''اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو (اور) اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ تعالیٰ کی باتیں (اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ نہایت غالب، بڑی حکمت والا ہے۔''

ربیع بن انس کہتے ہیں کہ تمام بندوں کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اس طرح ہے جیسے تمام سمندروں کے مقابلے میں پانی کا ایک قطرہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ ﴾ ''کہہ دیجیے: اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے کے) لیے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے۔'' یعنی اگر یہ تمام سمندر اللہ تعالیٰ کی باتیں لکھنے کے لیے سیاہی بن جائیں اور سارے درخت قلمیں بن جائیں تو قلمیں ٹوٹ جائیں گی اور سمندروں کا پانی ختم ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی باتیں باقی اور قائم رہیں گی، انھیں کوئی چیز ختم نہیں کر سکتی کیونکہ کسی کو اس بات کی استطاعت ہی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کا اندازہ لگا سکے اور اس کی اس طرح ثنا بیان کر سکے جس طرح اس کی ذات گرامی کے شایانِ شان ہے، اس طرح کی ثنا تو وہ خود ہی بیان فرما سکتا ہے کیونکہ ہمارا پروردگار اسی طرح ہے جس طرح

اپنے بارے میں وہ خود فرماتا ہے۔ وہ ہماری تعریف سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے۔ اول سے لے کر آخر تک دنیا بھر کی تمام نعمتیں آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس طرح ہیں جس طرح ساری دنیا کے مقابلے میں رائی کا ایک دانہ ہو۔

تفسیر آیت:110

محمد ﷺ بشر اور رسول ہیں اور معبود ایک ہی ہے: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا ہے: ﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجیے۔'' ان مشرکوں سے جو آپ کی رسالت کی تکذیب کرتے ہیں۔ ﴿ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ ''میں تمھاری طرح کا ایک بشر ہوں۔'' اگر کوئی مجھے سچا نہیں سمجھتا تو پھر وہ بھی اس طرح کا قرآن لا دکھائے جس طرح کا قرآن میں لے کر آیا ہوں۔ میں نے تمھیں اصحاب کہف اور ذوالقرنین سے متعلق ماضی کے واقعات جو صحیح صحیح اور حقیقت حال کے مطابق بیان کیے ہیں تو وہ اس لیے نہیں کہ میں غیب جانتا ہوں بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے بارے میں مطلع فرما دیا ہے اور اگر وہ مجھے ان کے بارے میں مطلع نہ فرماتا تو میں ان کے بارے میں تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا تھا، اسی طرح میں تمھیں یہ بات بھی بتاتا ہوں: ﴿ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ ﴾ ''بے شک تمھارا معبود'' جس کی عبادت کی میں تمھیں دعوت دیتا ہوں۔ ﴿ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ ''ایک معبود ہے۔'' یعنی جس کا کوئی شریک نہیں۔

عند اللہ مقبول اعمال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ ﴾ ''تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے۔'' یعنی اس سے ثواب اور اچھی جزا کی امید رکھے۔ ﴿ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ﴾ ''چاہیے کہ عمل نیک کرے۔'' جو اللہ کی شریعت کے مطابق ہو۔ ﴿ وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾ ''اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔'' یعنی ایسی عبادت کرے جو محض اللہ وحدہ لاشریک ہی کی ذات پاک کے لیے کی گئی ہو۔ کسی عمل کے مقبول ہونے کے لیے یہی دو شرطیں ہیں: (1) عمل خالص اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کیا جائے۔ (2) اور رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق سر انجام دیا جائے۔

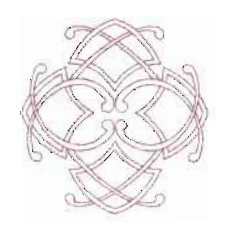
امام احمد رحمہ اللہ نے محمود بن لبید کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [إِنَّ أَخْوَفَ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ، قَالُوا: وَمَا الشِّرْكُ الْأَصْغَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الرِّيَاءُ، يَقُولُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا جُزِيَ النَّاسُ بِأَعْمَالِهِمْ: اذْهَبُوا إِلَى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُرَآءُونَ فِي الدُّنْيَا، فَانْظُرُوا هَلْ تَجِدُونَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً] ''مجھے تمھارے بارے میں سب سے زیادہ خوف شرک اصغر کے بارے میں ہے، صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! شرک اصغر سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ریاکاری۔ قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا دے گا تو (ریاکاری کرنے والوں سے) فرمائے گا: تم ان لوگوں کے پاس چلے جاؤ جن کو دنیا میں دکھانے کے لیے تم عمل کرتے تھے، بھلا دیکھو تو سہی! کیا تم ان کے پاس کوئی جزا پاتے ہو؟''[1]

---

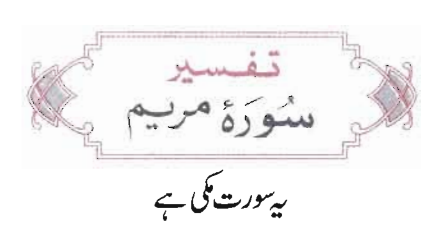
[1] مسند أحمد :428/5 والسلسلة الصحيحة :634/2، حديث:951.

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید بن ابوفضالہ انصاری کی روایت کو بیان کیا ہے جو صحابہ میں سے تھے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ بیان فرماتے ہوئے سنا: [إِذَا جَمَعَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ، نَادٰى مُنَادٍ: مَّنْ كَانَ أَشْرَكَ فِي عَمَلٍ عَمِلَهُ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهُ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ] ''جب اللہ تعالیٰ قیامت کے اس دن جس کے بارے میں کوئی شک نہیں، اگلے پچھلے تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک اعلان کرنے والا یہ اعلان کرے گا: جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے عمل کرتے ہوئے اس میں کسی کو شریک بنالیا تو وہ غیر اللہ سے اپنا ثواب طلب کر لے، بے شک اللہ تعالیٰ شرک سے تمام شرکاء کی نسبت سب سے زیادہ بے نیاز ہے۔''[1] اس حدیث کو امام ترمذی اور امام ابن ماجہ رحمہما اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔[2]

سورۂ کہف کی تفسیر مکمل ہوگئی۔ اَلۡحَمۡدُلِلّٰہِ۔



① مسند أحمد: 3/466. ② جامع الترمذی، تفسیر القرآن، باب ومن سورة الكهف، حديث: 3154 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الرياء والسمعة، حديث: 4203.



یہ سورت مکی ہے

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ② اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ

كٓهٰيٰعٓصٓ ① (یہ) آپ کے رب کی اپنے بندے زکریا پر رحمت کا ذکر ہے ② جب اس نے اپنے رب کو نہایت آہستہ آواز سے پکارا ③ اس

اِنِّيۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّيۡ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا وَّلَمۡ اَكُنۡۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④

(زکریا) نے کہا: اے میرے رب! بے شک میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں، اور میرا سر بڑھاپے (کی سفیدی) سے بھڑک اٹھا، اور اے میرے رب! میں

وَاِنِّيۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِيَ مِنۡ وَّرَآءِيۡ وَكَانَتِ امۡرَاَتِيۡ عَاقِرًا فَهَبۡ لِيۡ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا ⑤ يَّرِثُنِيۡ

تجھ سے دعا کر کے کبھی محروم نہیں رہا ④ اور بے شک میں اپنے پیچھے قرابت داروں سے ڈرتا ہوں، اور میری بیوی بانجھ آرہی ہے، چنانچہ تو مجھے اپنے

وَيَرِثُ مِنۡ اٰلِ يَعۡقُوۡبَ ۖ وَاجۡعَلۡهُ رَبِّ رَضِيًّا ⑥

پاس سے ایک وارث عطا کر ⑤ جو میرا وارث بنے اور آل یعقوب سے وارث بنے اور اے میرے رب! تو اسے پسندیدہ بنا ⑥

نجاشی کے دربار میں سورۂ مریم کی تلاوت: محمد بن اسحاق نے ''سیرت'' میں بروایت ام سلمہ رضی اللہ عنہا[1] اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بروایت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مکہ سے ارض حبشہ کی طرف ہجرت کے واقعے کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ نے اس سورت کا ابتدائی حصہ نجاشی اور ان کے ساتھیوں کو سنایا تھا۔[2]

تفسیر آیات:1-6

حروف مقطعات کی بحث سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

زکریا علیہ السلام کی بیٹے کے لیے دعا: ﴿ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ﴾ ''(یہ) تمھارے پروردگار کی مہربانی کا بیان ہے۔'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے زکریا علیہ السلام پر رحمت کا ذکر ہے۔ یحییٰ بن یعمر نے اسے اس طرح پڑھا ہے: [ذَكَّرَ رَحۡمَةَ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا].[3]

---

① السيرة النبوية لابن هشام، إحضار النجاشي للمهاجرين...... : 337,336/1. ② مسند أحمد : 461/1، البتہ سورت کے ابتدائی حصے کے سنانے کا ذکر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں نہیں بلکہ مسند أحمد : 202/1 میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی کی روایت میں ہے۔ ③ تفسير القرطبي : 75/11 عن الحسن رحمہ اللہ .

زکریا میں دو قراءتیں ہیں، یعنی اسے مد اور قصر دونوں طرح (زکریاء اور زکریا) پڑھا گیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام انبیائے بنی اسرائیل میں سے ایک عظیم الشان نبی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [كَانَ زَكَرِيَّاءُ نَجَّارًا] ''زکریا علیہ السلام نجار تھے۔''[1] یعنی بڑھئی کا کام کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے۔

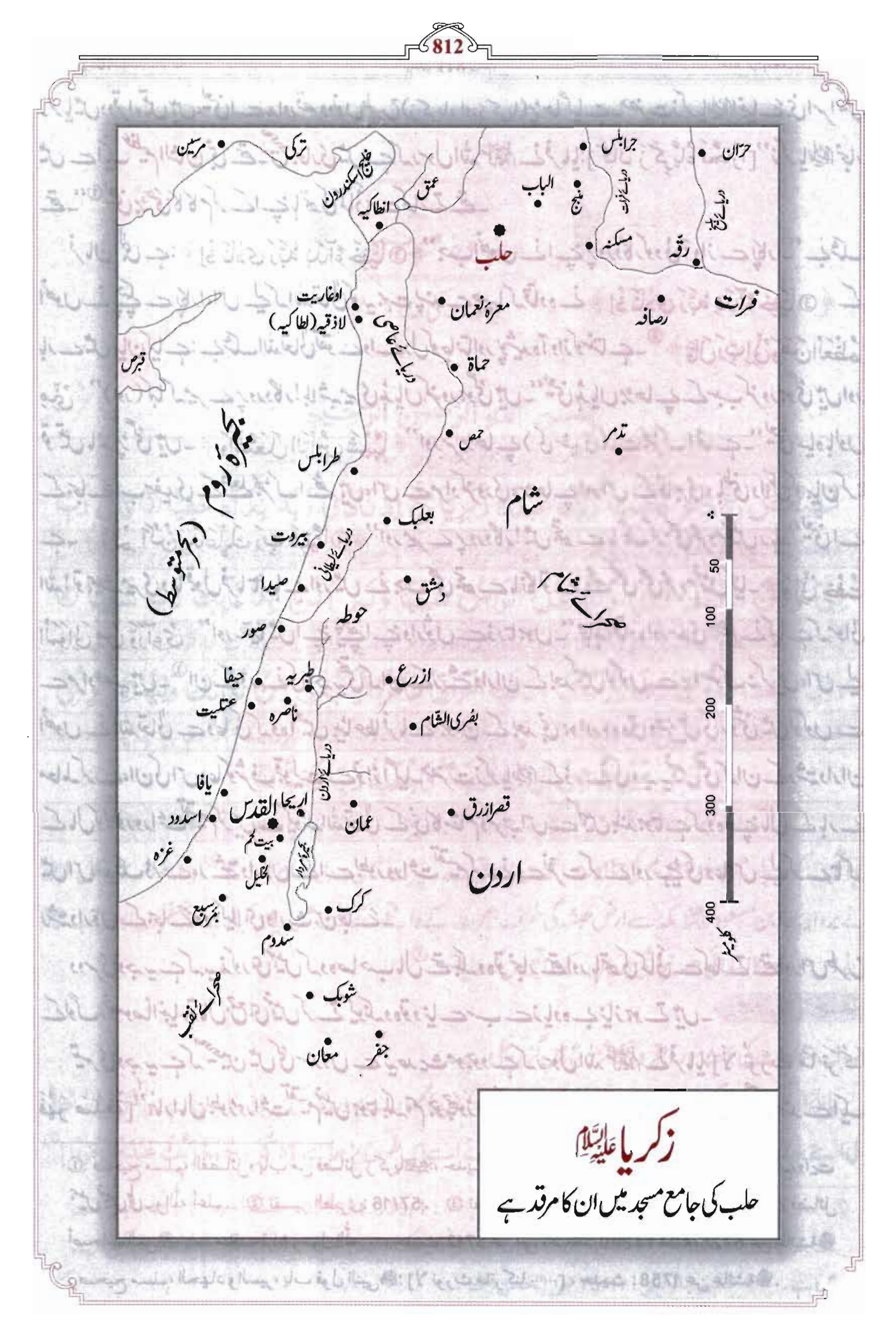
فرمان الٰہی ہے: ﴿ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ③ ﴾ ''جب انھوں نے اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا۔'' بے شک انھوں نے چپکے سے پکارا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بہت پسند ہے جیسا کہ قتادہ نے ﴿ اِذۡ نَادٰی رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِیًّا ③ ﴾ کے بارے میں بیان کیا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ تقوے والے دل کو جانتا اور پوشیدہ آواز کو سنتا ہے۔[2] ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیۡ وَهَنَ الۡعَظۡمُ مِنِّیۡ ﴾ ''(اور) کہا کہ میرے پروردگار! بلاشبہ میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں۔'' یعنی ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہوگئی ہیں اور قوتیں ماند پڑ گئی ہیں۔ ﴿ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَیۡبًا ﴾ ''اور سر بڑھاپے (کی سفیدی) سے بھڑک اٹھا ہے۔'' یعنی سیاہ بالوں کے بجائے اب سفیدی کے شعلے بھڑک اٹھے ہیں، اس سے مراد کمزوری، بڑھاپے اور اس کے ظاہری و باطنی دلائل کو بیان کرنا ہے۔ ﴿ وَّلَمۡ اَکُنۡۢ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ④ ﴾ ''اور میرے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا۔'' یعنی اے اللہ! تو ہمیشہ میری دعا قبول فرماتا رہا ہے اور میں نے جب بھی تجھ سے مانگا تو نے مجھے کبھی بھی محروم نہیں کیا۔ ﴿ وَاِنِّیۡ خِفۡتُ الۡمَوَالِیَ مِنۡ وَّرَآءِیۡ ﴾ ''اور یقیناً میں اپنے پیچھے اپنے وارثوں سے ڈرتا ہوں۔'' مجاہد، قتادہ اور سدی رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ موالی سے مراد عصبہ ہیں۔[3] ان کے ڈرنے کی وجہ یہ تھی کہ ان کے رشتے داران کے بعد کہیں لوگوں سے برا سلوک نہ کریں، اس لیے انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انھیں بیٹا عطا فرمائے جو ان کے بعد نبی ہو اور وہ وحی و تنزیل کی روشنی میں لوگوں سے معاملہ کرے، ان کی اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے ڈرنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے رشتہ داران کے مال کو بطور وراثت تقسیم کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کا مقام و مرتبہ اس سے کہیں بلند ہوتا ہے کہ وہ اپنے مال کے بارے میں اس حد تک ڈرے، رشتے داروں کے اسے بطور وراثت تقسیم کرنے سے نفرت کرے اور بیٹے کی دعا اس لیے کرے تا کہ رشتہ داروں کے بجائے وہ اکیلا ہی وارث بن جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ مذکور ہی نہیں کہ وہ صاحب مال تھے بلکہ وہ تو نجار تھے اور ہاتھ کی کمائی سے کھاتے تھے اور اس طرح کے لوگ، خصوصاً انبیاء تو مال جمع ہی نہیں کرتے کیونکہ وہ تو دنیا سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ صحیحین میں کئی سندوں سے یہ حدیث موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ] ''ہمارا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا بلکہ ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔''[4] ترمذی کی صحیح سند سے ایک

---

[1] صحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل زكريا عليه السلام، حديث: 2379 عن أبي هريرة رضي الله عنه. اور صحیح بخاری میں یہ روایت ہمیں نہیں ملی۔ واللہ أعلم. [2] تفسير الطبري: 16/57. [3] تفسير الطبري: 16/59. [4] صحيح البخاري، فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب مناقب قرابة رسول الله ......، حديث: 3712 عن أبي بكر رضي الله عنه: 4240، 4241 و6725 عن عائشة رضي الله عنها وصحيح مسلم، الجهاد والسير، باب قول النبي ﷺ: [لا نورث ماتركنا ......] ، حديث: 1758 عن عائشة رضي الله عنها.



زکریا علیہ السلام

حلب کی جامع مسجد میں ان کا مرقد ہے

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦

(اللہ نے فرمایا:) اے زکریا! بے شک، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا⑦

روایت میں ہے: [نَحنُ مَعَاشِرَ الأَنبِيَاءِ لَا نُورَثُ] ''ہم گروہ انبیاء کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں ہوتا۔''[1] لہٰذا ان وجوہ کی روشنی میں یہ بات متعین ہوگئی کہ ﴿ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ ﴾ ''چنانچہ تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما۔'' میں میراث سے میراث نبوت مراد ہے، اسی لیے فرمایا: ﴿ وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ ﴾ (النمل 16:27) ''اور سلیمان داود کے وارث بنے۔'' یعنی نبوت میں کیونکہ اگر اس سے مال کا وارث بننا مراد ہوتا تو پھر اپنے دیگر بھائیوں کے بجائے صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی تخصیص نہ کی جاتی اور نہ اس کے بیان کرنے میں کوئی خاص فائدہ تھا کیونکہ تمام دینوں اور تمام شریعتوں کی رو سے بیٹا اپنے باپ کا وارث بنتا آیا ہے، لہٰذا اگر اس سے کوئی خاص وراثت مراد نہ ہوتی تو اسے بیان ہی نہ کیا جاتا اور اس کی تصدیق و تائید اس صحیح حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ [نَحنُ مَعَاشِرَ الأَنبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ] ''ہم گروہ انبیاء کا مال بطور وراثت تقسیم نہیں کیا جاتا، ہم جو مال چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہے۔''[2]

مجاہد ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ﴾ ''جو میرا اور اولاد یعقوب کا وارث بنے۔'' کے بارے میں کہتے ہیں کہ آپ کی وراثت علم تھی۔ حضرت زکریا کا تعلق یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھا۔[3] ہشیم کہتے ہیں کہ ہمیں اسماعیل بن ابو خالد نے ابو صالح سے خبر دی کہ حضرت زکریا کی اس دعا کا مطلب یہ تھا کہ وہ بیٹا بھی نبی ہو جیسے ان کے آباء و اجداد انبیاء تھے۔[4] ﴿ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ ﴾ ''اور میرے پروردگار! اس کو پسندیدہ بنا۔'' یعنی تیرے اور مخلوق کے نزدیک وہ پسندیدہ ہو، تو اسے پسند کرے اور دین و اخلاق کے اعتبار سے اسے اپنی مخلوق کے ہاں بھی پسندیدہ بنا دے۔

تفسیر آیت:7

دعا کی قبولیت: یہاں کچھ عبارت محذوف ہے اور وہ یہ کہ ان کی دعا کو شرف قبولیت سے نواز دیا گیا اور ان سے کہا گیا: ﴿ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ ﴾ ''اے زکریا! بے شک ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ۝ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمران 3:38,39) ''اس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ میرے پروردگار! مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ اولاد عطا فرما، بے شک تو دعا کو خوب سننے (اور قبول کرنے) والا ہے، وہ

---

① دیکھیے جامع الترمذی، السیر، باب ماجاء فی ترکۃ رسول اللّٰہ، حدیث: 1610 والعلم، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، حدیث: 2682، البتہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کے بیان کردہ الفاظ مسند الربیع (الجامع الصحیح)، باب فی المواریث: 62/2 میں ہیں جبکہ ترمذی کے الفاظ صحیحین کے الفاظ سے ملتے جلتے ہیں۔ ② دیکھیے سابقہ حوالہ۔ ③ تفسیر الطبری: 60/16. ④ تفسیر الطبری: 60/16.

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ⑧

اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، جبکہ میری بیوی بانجھ آرہی ہے، اور میں بڑھاپے کی آخری حد کو پہنچ گیا ہوں؟⑧

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ⑨

(فرشتے نے) کہا: ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا: وہ مجھ پر نہایت آسان ہے، اور میں نے اس سے پہلے تجھے پیدا کیا، جبکہ تو کچھ بھی نہیں تھا⑨

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ⑩ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ⑪

اس (زکریا) نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشانی ٹھہرا، فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تو تندرست ہونے کے باوجود (تین دن اور) تین راتیں لوگوں سے کلام نہیں کرے گا⑩ چنانچہ وہ حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آیا، تو اس نے انھیں اشارہ کیا کہ تم صبح اور شام تسبیح کرو⑪

ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے تو فرشتوں نے آواز دی کہ (زکریا!) اللہ تجھ کو یحیٰی کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے فیض (عیسٰی) کی تصدیق کرے گا اور سردار ہوگا اور اپنے آپ پر بہت ضبط رکھنے والا اور (اللہ کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں سے ہوگا۔"

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ⑦﴾ "اس سے پہلے ہم نے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایا۔" قتادہ، ابن جریج اور ابن زید کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے کسی شخص کا یہ نام نہیں تھا۔[1] ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[2]

تفسیر آیات: 9,8

قبولیتِ دعا کے بعد تعجب: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کو جب شرفِ قبولیت سے نواز دیا اور انھیں لڑکے کی بشارت سنا دی گئی تو انھوں نے اس پر تعجب اور شدید مسرت کا اظہار کیا اور پوچھا کہ ان کے ہاں کس طرح لڑکا ہوگا کیونکہ ان کی بیوی تو بانجھ ہے، ان کے ہاں ولادت نہیں ہوئی حتی کہ اب وہ بوڑھی ہوگئی ہیں اور وہ خود بھی بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گئے ہیں اور بڑھاپے کے باعث ان کی ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں، ان میں جماع اور بارآور کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہی ہے؟ لکڑی جب خشک ہو جائے تو عرب اس کے لیے عَتَا يَعْتُو عِتِيًّا وَّعُتُوًّا اور عَسَا يَعْسُو عُسُوًّا وَّعِسِيًّا کہتے ہیں۔

فرشتے کا جواب: ﴿قَالَ﴾ "کہا" یعنی فرشتے نے زکریا علیہ السلام کے تعجب کا جواب دیتے ہوئے کہا: ﴿كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ﴾ "اسی طرح (ہوگا) تمھارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ مجھ پر یہ آسان ہے۔" یعنی تم سے اور تمھاری اس بیوی سے لڑکا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے بہت آسان ہے، پھر اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات کا ذکر کرتے ہوئے کہا: ﴿وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ⑨﴾ "اور تحقیق میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔" جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

---

[1] تفسیر الطبری: 63,62/16. [2] تفسیر الطبری: 63/16.

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴾ (الدھر 1:76) ''بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آ چکا ہے کہ وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔''

تفسیر آیات: 11,10

حمل کی علامت: اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ﴾ ''کہا کہ میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔'' یعنی جو اس کے وجود کی علامت اور دلیل ہو جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے تاکہ مجھے اطمینان قلب حاصل ہو جائے جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا: ﴿ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ ﴾ (البقرۃ 260:2) ''میرے پروردگار! مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کیونکر زندہ کرے گا۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انھوں نے کہا: کیوں نہیں! لیکن (میں دیکھنا) اس لیے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل اطمینان کامل حاصل کر لے۔'' ﴿ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ ﴾ ''فرمایا: تیری نشانی یہ ہے کہ تم صحیح و سالم ہو کر تین راتیں (اور دن) لوگوں سے بات نہ کر سکو گے۔'' یعنی تین دنوں اور راتوں میں تمھاری زبان بات نہ کر سکے گی، حالانکہ تم صحیح سالم ہو گے، کوئی بیماری یا خرابی نہ ہو گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، عکرمہ، وہب، سدی، قتادہ اور کئی ایک مفسرین نے کہا ہے کہ کسی بیماری یا خرابی کے بغیر ہی آپ کی زبان بند رہی۔[1] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کہتے ہیں کہ آپ پڑھتے اور تسبیح تو کرتے تھے مگر اپنی قوم سے بات نہ کر سکتے تھے، بات آپ اشارے ہی سے کرتے تھے۔[2]

عوفی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ﴿ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ ﴾ کے معنی مسلسل تین راتیں ہیں۔[3] لیکن آپ سے اور جمہور سے مروی پہلا قول ہی زیادہ صحیح ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں بھی فرمایا ہے: ﴿ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 41:3) ''زکریا نے کہا کہ میرے پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے تو (ان دنوں میں) اپنے پروردگار کی کثرت سے یاد اور صبح و شام (اس کی) تسبیح کرنا۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ان تین دنوں اور راتوں میں لوگوں سے بات نہیں کیا کرتے تھے: ﴿ اِلَّا رَمْزًا ؕ ﴾ ''مگر اشارے سے۔'' اسی لیے اس آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ ﴾ ''پھر وہ عبادت گاہ سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے۔'' یعنی اس حجرے سے جس میں آپ کو بیٹے کی بشارت دی گئی تھی ﴿ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ ﴾ ''تو ان سے اشارے سے کہا۔'' یعنی ہلکا سا جلدی سے اشارہ کیا: ﴿ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ ﴾ ''کہ صبح و شام (اللہ کی) تسبیح کرتے رہو۔'' یعنی جیسا کہ انھیں حکم ہوا تھا کہ ان تین دنوں میں اپنے دیگر اعمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر بجا لاتے ہوئے بطور خاص اللہ کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں۔ مجاہد کہتے ہیں: ﴿ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ ﴾ کے معنی یہ ہیں کہ انھوں نے اشارے

[1] تفسیر الطبری: 66,65/16. [2] تفسیر الطبری: 66/16. [3] تفسیر الطبری: 67/16.

يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ⑫ وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ

(اللہ نے فرمایا:) اے یحییٰ! کتاب کو قوت سے پکڑ، اور ہم نے اسے بچپن ہی میں حکم عطا کیا⑫ اور اپنی طرف سے شفقت اور پاکیزگی (دی)، اور وہ

تَقِيًّا ⑬ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيۡهِ وَلَمۡ يَكُنۡ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭ وَسَلٰمٌ عَلَيۡهِ يَوۡمَ وُلِدَ وَيَوۡمَ

نہایت متقی تھا⑬ اور اپنے والدین سے نیکی کرنے والا تھا اور وہ سرکش، نافرمان نہیں تھا⑭ اور اس پر سلام ہے جس دن وہ پیدا ہوا، اور جس دن وہ

يَمُوۡتُ وَيَوۡمَ يُبۡعَثُ حَيًّا ⑮

مرے گا اور جس دن وہ (دوبارہ) زندہ (کرکے) اٹھایا جائے گا⑮

سے یہ بات کہی۔ وہب اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔①

تفسیر آیات: 12-15

لڑکے کی ولادت اور اس کے اوصاف: یہاں بھی کچھ عبارت محذوف ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو جب یہ بیٹا مل گیا جس کی بشارت سنائی گئی تھی، یعنی یحییٰ علیہ السلام تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کتاب سکھا دی، کتاب سے مراد تورات ہے جسے اس دور کے لوگ آپس میں پڑھتے پڑھاتے رہتے تھے اور اسی کے مطابق انبیاء جو اللہ کے فرماں بردار تھے، یہودیوں کو حکم دیتے تھے اور مشائخ اور علماء بھی۔ حضرت یحییٰ اس وقت ابھی چھوٹے بچے ہی تھے، اس لیے ان کا بطور خاص ذکر کیا کہ یہ ان پر اور ان کے والدین پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿ يٰيَحۡيٰى خُذِ الۡكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ ﴾ ''اے یحییٰ! (ہماری) کتاب کو زور سے پکڑے رہو۔'' یعنی اس کتاب کو محنت، شوق اور کوشش سے سیکھو۔ ﴿ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ⑫ ﴾ ''اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں حکم عطا فرمایا تھا۔'' یعنی ہم نے انھیں لڑکپن ہی میں فہم، علم، حوصلہ، عزم اور نیکی کی رغبت، محبت اور شوق عطا کر دیا تھا۔

﴿ وَّحَنَانًا مِّنۡ لَّدُنَّا ﴾ ''اور اپنے پاس سے شفقت'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ہم نے انھیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی تھی۔② عکرمہ، قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔③ ضحاک نے یہ بھی کہا ہے کہ ہم نے انھیں اپنے پاس سے ایسی رحمت عطا فرمائی کہ جسے ہمارے سوا اور کوئی عطا نہیں کر سکتا۔④ قتادہ نے یہ بھی کہا کہ اس رحمت سے اللہ تعالیٰ نے زکریا علیہ السلام کو نوازا تھا۔⑤ مجاہد نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے ان پر شفقت اور مہربانی تھی۔⑥ سیاق و سباق سے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ ﴿ وَّحَنَانًا ﴾ معطوف ﴿ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡحُكۡمَ صَبِيًّا ⑫ ﴾ پر عطف ہے۔ ہم نے انھیں دانائی، شفقت اور پاکیزگی عطا کی، یعنی انھیں شفقت اور پاکیزگی والا بنا دیا۔ حنان اس محبت کو کہتے ہیں جس میں شفقت اور شیفتگی ہو۔ ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ ''اور پاکیزگی'' یہ ﴿ وَّحَنَانًا ﴾ پر عطف ہے۔ اور ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ میل کچیل اور گناہوں سے پاکیزگی کو کہتے ہیں۔ قتادہ کا قول ہے ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ کے معنی عمل صالح کے ہیں۔⑦ ضحاک اور ابن جریج کہتے ہیں کہ اس کے معنی نیک اور پاک عمل کے ہیں۔⑧ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے ﴿ وَزَكٰوةً ﴾ کے معنی

① تفسیر الطبری: 67/16. ② تفسیر الطبری: 70/16. ③ تفسیر الطبری: 70/16. ④ تفسیر الطبری: 70/16.
⑤ تفسیر الطبری: 70/16. ⑥ تفسیر الطبری: 70/16. ⑦ تفسیر الطبری: 72/16. ⑧ تفسیر الطبری: 72/16.

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ⑯ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ

اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کیجیے، جب وہ اپنے خاندان والوں سے (دور) مشرقی جانب ایک جگہ میں الگ ہوئی⑯ پھر اس نے ان کے آگے ایک

حِجَابًا ۫ فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ⑰ قَالَتْ اِنِّيْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ

پردہ تان لیا، تب ہم نے اپنی روح (فرشتے) کو اس کے پاس بھیجا، تو وہ اس کے لیے کامل آدمی بن گیا⑰ اس (مریم) نے کہا: میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ

مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ⑱ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ⑲ قَالَتْ اَنّٰى

مانگتی ہوں، اگر تو ڈرنے والا ہے⑱ فرشتے نے کہا: یقیناً میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں، تاکہ تجھے (حکم الٰہی سے) ایک نہایت پاکیزہ لڑکا عطا

يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ⑳ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ

کروں⑲ اس نے کہا: میرے لیے لڑکا کیونکر ہوگا، جبکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا اور نہ میں بدکار ہوں⑳ اس (فرشتے) نے کہا: اسی طرح ہوگا،

وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ㉑

تیرے رب نے کہا ہے کہ وہ مجھ پر بہت آسان ہے، تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں اور یہ امر طے شدہ ہے㉑

برکت کے ہیں۔ ﴿وَكَانَ تَقِيًّا ⑬﴾ ''اور وہ پرہیز گار تھے۔'' پاک باز تھے کہ انھوں نے کبھی کسی گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا تھا۔[1]

اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭﴾ ''اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والے تھے اور سرکش (اور) نافرمان نہیں تھے۔'' اللہ تعالیٰ نے پہلے اس بات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے رب کے اطاعت گزار تھے، اللہ تعالیٰ نے انھیں مجسم رحمت وشفقت و پاکیزگی بنا کر پیدا فرمایا تو اب اس بات کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنے والدین کے بھی اطاعت گزار اور فرماں بردار تھے اور قول وفعل اور امر ونہی میں ان کی نافرمانی نہیں کرتے تھے، اسی لیے فرمایا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ⑭﴾ ''اور سرکش (اور) نافرمان نہیں تھے۔'' پھر ان کے اوصافِ جمیلہ کی جزا بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮﴾ ''اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ (کرکے) اٹھائے جائیں گے، ان پر سلامتی اور رحمت ہے۔'' یعنی ان تینوں حالتوں میں ان کے لیے امان ہے۔

سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تین دن ایسے ہیں جن میں آدمی پر سب سے زیادہ خوف وگھبراہٹ کی کیفیت طاری ہوتی ہے: (1) ولادت کے دن کہ آدمی اپنے آپ کو اس جگہ سے نکلتے ہوئے دیکھتا ہے جس میں وہ پہلے رہ رہا تھا۔ (2) وفات کے دن کہ وہ ایسے لوگوں (فرشتوں) کو دیکھتا ہے کہ جن کو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا ہوتا۔ اور (3) بعثت کے دن کہ اپنے آپ کو ایک عظیم محشر میں دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر یحییٰ بن زکریا علیہما السلام کو یہ اعزاز بخشا کہ ان تینوں دنوں میں انھیں سلامتی اور رحمت سے نواز دیا اور فرمایا: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ⑮﴾ ''اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے اور جس دن زندہ (کرکے) اٹھائے جائیں گے، ان پر سلامتی اور رحمت ہے۔''[2] اسے امام ابن جریر نے احمد بن منصور مروزی سے انھوں نے صدقہ بن فضل سے انھوں نے سفیان بن عیینہ سے روایت کیا ہے۔

[1] تفسیر الطبری: 73/16. [2] تفسیر الطبری: 74/16.

تفسیر آیات:16-21

مریم و مسیح علیہما السلام کا قصہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کے اس قصے کے بعد۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بڑھاپے میں جبکہ ان کی بیوی بھی بانجھ تھیں، انھیں ہونہار، پاکباز اور مبارک بیٹا عطا فرمایا۔ اب حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ شروع فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں بغیر باپ کے ایک بیٹا عیسیٰ علیہ السلام عطا فرمایا کیونکہ ان دونوں قصوں میں ایک خاص مناسبت اور مشابہت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں قصوں کو یہاں، سورۂ آل عمران [1] اور پھر سورۂ انبیاء [2] میں ساتھ ساتھ بیان فرمایا ہے کیونکہ ان دونوں میں معنوی طور پر مشابہت ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قدرت اور اپنی بادشاہت کی عظمت سے مطلع کرنا چاہتا ہے اور انھیں یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے قصے کو بیان کرتے ہوئے اس نے فرمایا ہے: ﴿ وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مَرۡيَمَ ﴾ ''اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کیجیے۔'' حضرت مریم بنت عمران حضرت داود علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، یہ بنی اسرائیل کا ایک بہت ہی پاک اور مقدس گھرانہ تھا، ان کی ولادت کا واقعہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران [3] میں بیان فرمایا ہے کہ ان کی والدہ نے نذر مانی تھی کہ یہ دنیا کی خدمت سے آزاد ہوں گی اور بیت المقدس کی مسجد کی خدمت کے لیے وقف ہوں گی، اس دور کے لوگ حصول تقرب کے لیے اپنی اولاد کو اس کام کے لیے وقف کر دیا کرتے تھے۔ ﴿ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوۡلٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ﴾ (آل عمرٰن 3:37) ''تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اس کی اچھی طرح پرورش کی۔''

انھوں نے بنی اسرائیل میں بہت عظیم الشان انداز میں تربیت و نشأۃ کے مراحل طے کیے اور ان کا شمار بنی اسرائیل کی بہت ہی عابد و زاہد خواتین میں ہوتا تھا اور وہ عبادت و ریاضت میں بے حد مشہور تھیں اور وہ اپنی بہن اور ایک قول کے مطابق اپنی خالہ کے شوہر زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام اس وقت بنی اسرائیل کے نبی، سربراہ اور دینی پیشوا تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی بعض زبردست کرامات دیکھیں جن سے وہ بے حد متأثر ہوئے۔ ﴿ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:37) ''زکریا (علیہ السلام) جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے، (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمھارے پاس کہاں سے (آتا ہے؟) وہ بولیں: اللہ کے ہاں سے (آتا ہے)، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔''

ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ ان کے پاس موسم سرما میں گرمیوں کے پھل اور موسم گرما میں سردیوں کے پھل پاتے تھے جیسا کہ قبل ازیں سورۂ آل عمران میں بیان کیا جا چکا ہے۔ [4] جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کاملہ اور حجت بالغہ سے یہ ارادہ فرمایا کہ

---

[1] دیکھیے آیات: 37-41 کے ذیل میں۔ [2] دیکھیے آیات: 89-91 کے ذیل میں۔ [3] دیکھیے آیات: 35-37 کے ذیل میں۔

[4] دیکھیے آیت: 37 کے ذیل میں۔

آپ کے بطن سے اس کے عبد و رسول اور عظیم الشان اولوالعزم پیغمبروں میں سے ایک، یعنی عیسیٰ علیہ السلام جنم لیں ﴿ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِیًّا ﴾ ”تو وہ اپنے خاندان والوں سے مشرق کی طرف جگہ میں الگ ہوگئیں۔“ یعنی اپنے لوگوں سے الگ تھلگ ہو کر مسجد مقدس کے مشرق کی جانب چلی گئیں۔

عفت و پاکدامنی کا زیور: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ اس بات کا علم ہے کہ عیسائیوں نے مشرق کو اپنا قبلہ کیوں قرار دیا تھا، اس لیے: ﴿ اِذِ انۡتَبَذَتۡ مِنۡ اَهۡلِهَا مَكَانًا شَرۡقِیًّا ﴾ ”وہ (مریم علیہا السلام) اپنے خاندان والوں سے مشرق کی طرف جگہ میں الگ ہوگئیں۔“ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے ولادت کو قبلہ بنا لیا تھا۔[1] اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاتَّخَذَتۡ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ حِجَابًا ﴾ ”تو انھوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا۔“ یعنی ان سے چھپ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف جبریل علیہ السلام کو بھیجا ﴿ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا ﴾ ”تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی شکل) بن گیا۔“ یعنی وہ ایک پورے اور کامل انسان کی صورت میں ان کے سامنے آئے۔ مجاہد، ضحاک، قتادہ، ابن جریج، وہب بن منبہ اور سدی رحمہم اللہ نے ﴿ فَاَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡهَا رُوۡحَنَا ﴾ ”پھر ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔“ کے بارے میں کہا ہے کہ روح سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔[2] ﴿ قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِیًّا ﴾ ”(مریم) بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو بلاشبہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔“ جب فرشتہ ان کے سامنے انسانی صورت میں نمودار ہوا اور وہ خالی جگہ پر تھیں، ان کے اور ان کی قوم کے درمیان پردہ تھا تو وہ اس سے ڈر گئیں اور سمجھا کہ شاید وہ ان سے زیادتی کرنے کا ارادہ کر رہا ہے تو انھوں نے کہا: ﴿ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِیًّا ﴾ ”اگر تم پرہیزگار ہو تو بلاشبہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔“ یعنی انھوں نے اللہ کا ڈر یاد دلاتے ہوئے کہا کہ اگر تم اللہ سے ڈرتے ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ شر کا ارادہ کرنے والے کو دور ہٹانے کے لیے یہی طریقہ شرعاً مستحسن ہے کہ پہلے اسے آسان انداز میں دور ہٹایا جائے، یہی وجہ ہے کہ حضرت مریم نے انھیں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا خوف یاد دلایا۔

ابن جریر نے عاصم سے روایت کیا ہے کہ ابو وائل نے قصۂ مریم بیان کرتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ عقل مند اور پرہیزگار فرشتے نے مریم علیہا السلام کی اس بات کے جواب میں کہا تھا: ﴿ قَالَتۡ اِنِّیۡۤ اَعُوۡذُ بِالرَّحۡمٰنِ مِنۡكَ اِنۡ كُنۡتَ تَقِیًّا ۝ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوۡلُ رَبِّكِ ﴾ ”کہنے لگی: بلاشبہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ پکڑتی ہوں اگر تو ڈرنے والا ہے۔ (فرشتے نے) کہا: میں تو تمھارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں۔“ یعنی فرشتے نے انھیں جواب دیتے اور اپنے نفس کے بارے میں انھیں جو خوف لاحق ہوا تھا، اسے زائل کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں جیسا کہ تم گمان کرتی ہو، میں تو فرشتہ ہوں جسے تمھارے رب نے تمھاری طرف بھیجا ہے۔[3]

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مریم نے جب اللہ تعالیٰ کا نام لیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام خوف کے مارے کانپنے لگے فوراً اپنی

---

[1] تفسیر الطبری: 75/16. [2] تفسیر الطبری: 76/16. [3] تفسیر الطبری: 77/16 وتفسیر الطبری: 91/11.

اصلی حالت کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے: سوائے اس کے نہیں میں تو تمھارے پروردگار کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور اس لیے آیا ہوں) کہ وہ تجھے پاکیزہ لڑکا عطا فرمائے تو (مریم نے) کہا: ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ﴾ ''میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوگا؟'' یعنی مریم نے فرشتے کی بات سن کر تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہوسکتا ہے! میرے ہاں بچہ پیدا ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ کیونکہ نہ تو میں شوہر والی ہوں اور نہ میرے بارے میں بدکاری کا کوئی تصور کیا جاسکتا ہے۔ اور اسی لیے اس نے کہا: ﴿ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا۝۲۰ ﴾ ''مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں۔'' ﴿ بَغِيًّا۝۲۰ ﴾ کے معنی زانیہ کے ہیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: [نَهٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ مَّهْرِ الْبَغِيِّ] ''رسول اللہ ﷺ نے زانیہ کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔''[1]

﴿ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ﴾ ''(فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تیرے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔'' فرشتے نے حضرت مریم کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ تم سے لڑکا پیدا فرمائے گا، خواہ تمھارا شوہر نہیں اور تم بدکار بھی نہیں کیونکہ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ ﴿ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور (ہم اسے اسی طریق سے پیدا کریں گے) تاکہ اس کو لوگوں کے لیے (اپنی طرف سے) نشانی بنا دیں۔'' یعنی اسے باری تعالیٰ اور خالق کائنات کی قدرت کی علامت اور دلیل بنا دیا جائے جس نے لوگوں کی تخلیق میں تنوع کو اختیار فرمایا ہے۔ اس نے آدم علیہ السلام کو مرد اور عورت کے بغیر پیدا کیا، حوا کو عورت کے بغیر صرف مرد سے پیدا کیا، عیسیٰ علیہ السلام کے سوا باقی تمام اولاد آدم کو مرد و عورت سے پیدا فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو مرد کے بغیر صرف عورت سے پیدا فرمایا۔ تخلیق کے سلسلے میں یہ چار قسم کی تخلیق اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال اور اس کی سلطنت کی عظمت پر دلالت کرتی ہے، پس اس کے سوا نہ کوئی معبود ہے اور نہ پروردگار۔

اور اس کا فرمان ہے: ﴿ وَرَحْمَةً مِّنَّا ﴾ ''اور اپنی طرف سے رحمت۔'' یعنی ہم اس بچے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت اور انبیاء میں سے ایک نبی بنا دیں گے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کی دعوت دے گا جیسا کہ دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:45,46) ''(وہ وقت بھی یاد کرنے کے لائق ہے) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلمے کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ ابن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور (اللہ کے) خاص بندوں میں سے ہوگا اور (ماں کی) گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکو کاروں میں ہوگا۔'' یعنی لڑکپن اور بڑی عمر میں لوگوں کو اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دے گا۔ ﴿ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۝۲۱ ﴾ ''اور یہ

[1] صحیح البخاري، البیوع، باب ثمن الکلب، حدیث: 2237 وصحیح مسلم، المساقات والمزارعة، باب تحریم ثمن الکلب...... ، حدیث: 1567 عن أبي مسعود الأنصاري رضی اللہ عنہ ومسند أحمد: 235/1 عن ابن عباس رضی اللہ عنہما واللفظ له .

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿22﴾ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ

بالآخر وہ اس کے ساتھ حاملہ ہوگئی، تو اس (حمل) کو لے کر دور کی ایک جگہ میں الگ ہوگئی ﴿22﴾ پھر دردِ زہ اسے کھجور کے ایک تنے کی طرف لے آیا، (تو)

يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ﴿23﴾

وہ بولی: اے کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بھلائی ہوتی ﴿23﴾

طے شدہ کام ہے۔'' جبرائیل علیہ السلام نے مریم سے جو گفتگو فرمائی، یہ بھی اسی کا حصہ ہے کہ یہ ایک ایسا کام ہے جس کا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت ومشیت کے مطابق فیصلہ فرما چکا ہے۔ محمد بن اسحاق نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے کرنے کا عزم فرمالیا ہے، لہٰذا یہ یقیناً ہو کر رہے گا۔[1]

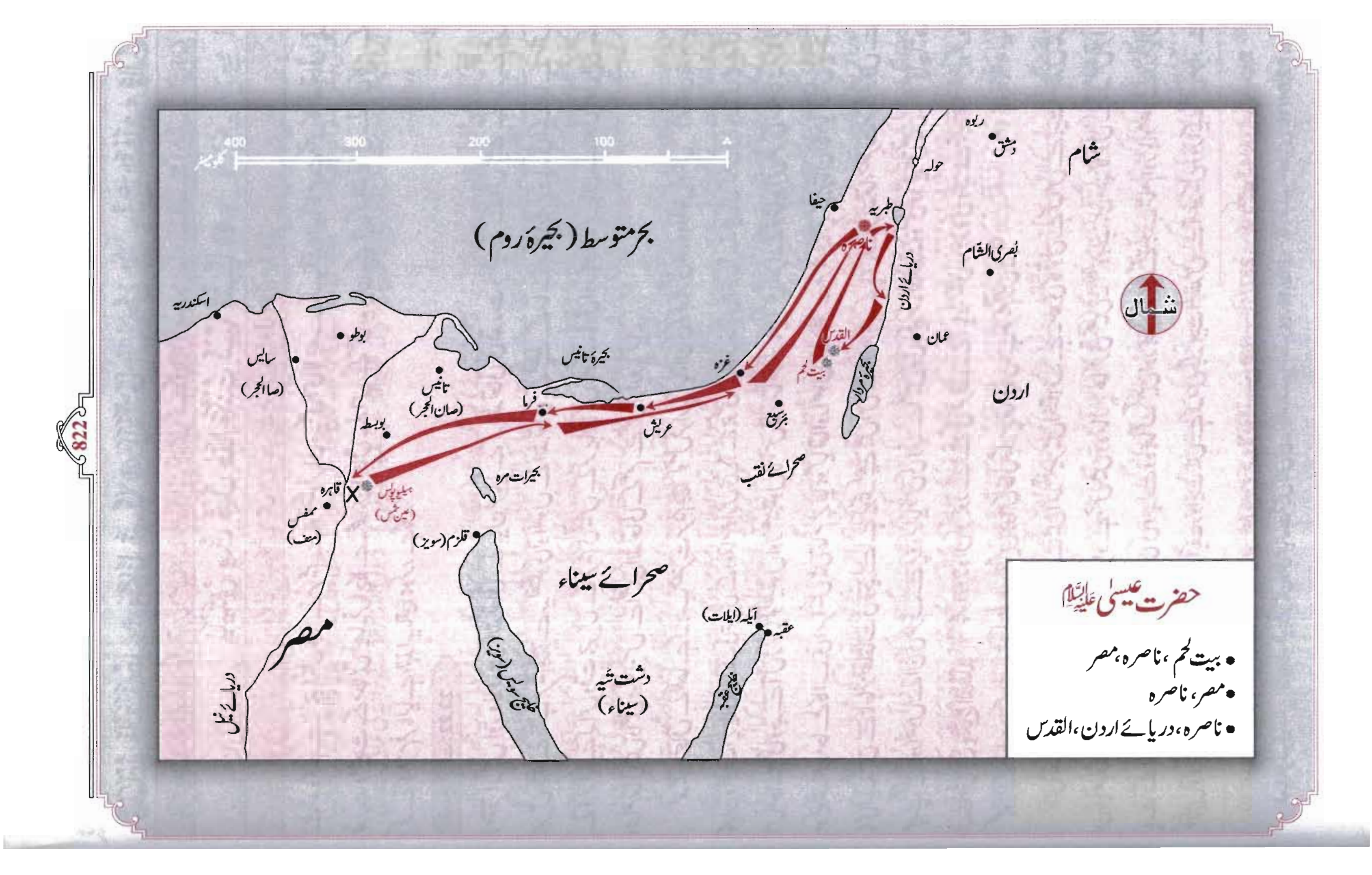
تفسیر آیات: 23,22

استقرار حمل اور ولادت: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ومشیت کے اس فیصلے کے بارے میں جبریل علیہ السلام نے جب مریم علیہا السلام سے یہ گفتگو کی تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا۔ کئی ایک علمائے سلف نے ذکر کیا ہے کہ اس وقت جبریل نے مریم کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری اور پھونک گریبان سے ہوتی ہوئی ان کے اندام نہانی میں داخل ہوگئی جس سے انھیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے حمل قرار دیا گیا۔

محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ جب حضرت مریم علیہا السلام کو حمل قرار پا گیا، ان کی کوکھ بھر گئی اور وہ واپس لوٹیں[2] (تو خون بند ہو گیا، پھر ان کو تکلیف، پریشانی اور رنگ کی تبدیلی کے وہ تمام عوارض پیش آئے جو کسی بھی حاملہ خاتون کو پیش آتے ہیں حتی کہ ان کی زبان بھی پھٹ گئی) اس معاملے کی وجہ سے آل زکریا کو تکلیفوں اور مصیبتوں کا جس قدر سامنا کرنا پڑا کسی گھرانے کو شاید اس طرح سامنا نہ کرنا پڑا ہو کیونکہ اس معاملے کا اب بنی اسرائیل میں عام چرچا ہو گیا تھا اور انھوں نے حضرت مریم علیہا السلام پر یہ بہتان لگا دیا کہ حمل یوسف نامی ایک شخص سے ناجائز تعلقات کی وجہ سے ہے کیونکہ کنیسے میں اس کے سوا مریم کے پاس اور کوئی نہ تھا، حضرت مریم لوگوں سے چھپ گئیں اور انھوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا جس کی وجہ سے انھیں کوئی دیکھ سکتا تھا اور نہ وہ کسی کو دیکھ سکتی تھیں۔ ﴿فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ ''پھر دردزہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے آیا۔'' یعنی دردزہ کی وجہ سے مجبور ومضطر ہو کر وہ کھجور کے درخت کے اس تنے کی طرف آئیں جو اس خالی جگہ پر تھا جہاں اب مریم تھیں۔[3]

اس جگہ سے کیا مراد ہے، اس کے بارے میں ائمۂ تفسیر میں اختلاف ہے۔ سدی کا قول ہے کہ اس سے بیت المقدس میں ان کی عبادت کے حجرے کا مشرقی حصہ مراد ہے جس میں وہ نماز پڑھا کرتی تھیں۔[4] وہب بن منبہ کا قول ہے کہ حمل قرار پانے کے بعد بنی اسرائیل کی بہتان طرازی کی وجہ سے وہ بھاگ گئیں اور بھاگتے بھاگتے جب شام اور بلاد مصر کے درمیان پہنچیں تو دردِ زہ شروع ہو گیا۔[5] وہب کی ایک روایت میں ہے کہ اس جگہ بیت المقدس سے آٹھ میل دور ایک بستی مراد ہے

[1] تفسیر الطبری: 78/16. [2] الکامل فی التاریخ، ذکر ولادۃ المسیح علیہ السلام……:237/1. [3] دیکھیے البدایۃ والنھایۃ، میلاد العبد الرسول ……: 61/2، البتہ توسین والی عبارت ہمیں نہیں ملی۔ [4] تفسیر الطبری: 80/16. [5] تفسیر الطبری: 82,81/16.



حضرت عیسیٰ علیہ السلام
• بیت لحم، ناصرہ، مصر
• مصر، ناصرہ
• ناصرہ، دریائے اردن، القدس
بحر متوسط (بحیرۂ روم)
شمال
شام
دمشق
ربوہ
حولہ
طبریہ
حیفا
ناصرہ
بُصریٰ الشام
دریائے اردن
عمان
القدس
بیت لحم
بحیرۂ مردار
اردن
غزہ
بئر سبع
عریش
صحرائے نقب
بحیرۂ تانیس
فرما
تانیس
(صان الحجر)
بوبسط
بوطو
سائیس
(صا الحجر)
اسکندریہ
بحیرات مرہ
قاہرہ
ہیلیوپولس
(عین شمس)
ممفس
(منف)
قلزم (سویز)
صحرائے سیناء
مصر
دریائے نیل
دشت تیہ
(سیناء)
آیلہ (ایلات)
عقبہ
خلیج عقبہ
کلومیٹر
400
300
200
100

فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ سَرِيًّا ﴿24﴾ وَهُزِّىۡۤ اِلَيۡكِ بِجِذۡعِ

پھراس (فرشتے) نے اس کے نیچے (کے علاقے) سے اسے آواز دی کہ غم نہ کھا، تیرے رب نے تجھ سے نیچے (کے علاقے میں) ایک چشمہ جاری کردیا

النَّخۡلَةِ تُسٰقِطۡ عَلَيۡكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿25﴾ فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا‌ ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ

ہے﴿24﴾ اور تو کھجور کا تنا اپنی طرف ہلا، وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا﴿25﴾ چنانچہ تو کھا اور پی اور (اپنی) آنکھیں ٹھنڈی کر، پھر اگر تو انسانوں میں

اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا‌ ۚ ﴿26﴾

سے کسی کو دیکھے تو اس سے کہہ دینا: بے شک میں نے رحمٰن کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، لہٰذا آج میں کسی انسان سے ہرگز کلام نہیں کروں گی﴿26﴾

جس کا نام بیت لحم تھا۔[1] نسائی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور بیہقی میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث معراج میں بھی ہے کہ یہ جگہ بیت لحم ہی تھی۔ واللہ أعلم. اس سلسلے میں لوگوں میں مشہور بات یہی ہے۔ عیسائیوں کو اس بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس بستی سے بیت لحم ہی مراد ہے، لوگوں نے بھی عیسائیوں سے اس روایت کو لیا ہے، حدیث میں بھی اسی کا ذکر ہے، بشرطیکہ حدیث صحیح ہو۔[2]

اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿23﴾﴾ ''کہنے لگیں کہ کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ فتنے کے وقت موت کی تمنا کرنا جائز ہے کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کو معلوم تھا کہ اس بچے کی وجہ سے انھیں ابتلا و آزمائش سے گزرنا پڑے گا، لوگ ان کی بات کو صحیح تسلیم نہیں کریں گے۔ ان کی خبر کو سچا نہیں مانیں گے، بنی اسرائیل میں پہلے ان کی شہرت ایک عابدہ و زاہدہ خاتون کی تھی مگر اب وہ انھیں ایک بدکار و بدکردار عورت قرار دیں گے، اس لیے انھوں نے کہا: ﴿يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿23﴾﴾ ''اے کاش! اس (حالت میں پہنچنے) سے پہلے ہی میں مرجاتی، (اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوئی ہوتی) اور میں بھولی بسری ہوتی۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کریمہ کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔[3] امام قتادہ نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ اے کاش! میں کوئی ایسی چیز ہوتی جسے کوئی نہ جانتا جس کا کوئی نہ ذکر کرتا اور کسی کو کچھ معلوم نہ ہوتا کہ میں کون ہوں۔[4]

تفسیر آیات: 24-26

ولادت کے بعد آپ سے کیا کہا گیا؟ بعض قراء نے اسے [مَنۡ تَحۡتَهَا] پڑھا ہے، یعنی اس نے آواز دی جو ان سے نیچے تھا اور بعض نے اسے ﴿مِنۡ تَحۡتِهَاۤ﴾ یعنی حرف جار کے ساتھ پڑھا ہے، اس صورت میں معنی یہ ہیں ان کے نیچے کی جانب

[1] تفسیر الطبری: 16/83,82. لیکن یہاں چھ میل کا ذکر ہے۔ [2] سنن النسائی، الصلاة، فرض الصلاة وذکر اختلاف الناقلين ......، حدیث: 451 و دلائل النبوة للبیهقي، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ ......: 2/356. ملحوظہ: شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منکر کہا ہے۔ اور رہا مسئلہ نبی اکرم ﷺ کا (واقعہ معراج میں) مقام بیت لحم میں نماز پڑھنے کا تو ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد: 3/34 پر لکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے بیت لحم میں نماز پڑھنا کسی صورت میں بھی ثابت نہیں ہے۔ [3] تفسیر الطبری: 16/84. [4] تفسیر الطبری: 16/84.

سے آواز دی۔ ① مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ اس سے کون مراد ہے۔عوفی وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس سے جبریل مراد ہیں۔ ② کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو اس وقت تک گفتگو نہ کی تھی جب تک مریم انھیں اپنی قوم کے پاس نہ لے آئی تھیں۔ ③ سعید بن جبیر، ضحاک، عمرو بن میمون، سدی اور قتادہ رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ اس سے جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ ④ یعنی جبریل نے وادی کے زیریں حصے کی طرف سے انھیں آواز دی۔ ⑤ مجاہد کا قول ہے کہ اس آواز دینے والے سے مراد خود عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ ⑥ عبدالرزاق نے معمر سے اور انھوں نے قتادہ سے بھی روایت کیا ہے کہ امام حسن بصری نے کہا کہ اس سے مراد حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے ہیں۔ ⑦ سعید بن جبیر سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے: ﴿فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ﴾ ''تو مریم نے اس (لڑکے) کی طرف اشارہ کیا۔'' ابن زید اور امام ابن جریر نے بھی اپنی تفسیر میں اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ⑧

﴿سَرِيًّا﴾ سے کیا مراد ہے؟ ﴿اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴾ ''کہ غم ناک نہ ہو، تحقیق تیرے پروردگار نے تجھ سے نیچے (مقام پر) ایک چشمہ جاری کر دیا ہے۔'' امام سفیان ثوری اور شعبہ نے ابو اسحاق سے اور انھوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿سَرِيًّا﴾ کے معنی چشمے کے ہیں۔ ⑨ علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی نہر کے ہیں۔ ⑩ عمرو بن میمون کا بھی قول ہے کہ اس کے معنی نہر کے ہیں جس سے ہم پانی پیتے ہیں۔ ⑪ مجاہد کا قول ہے کہ سَرِی سُریانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی نہر کے ہیں۔ ⑫ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ نبطی زبان میں سری چھوٹی نہر کو کہتے ہیں۔ ⑬ کچھ دیگر لوگوں کا کہنا ہے کہ سری سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، امام حسن بصری، ربیع بن انس اور محمد بن عباس بن جعفر کا بھی یہی قول ہے۔ ⑭ امام قتادہ سے بھی ایک روایت اسی طرح ہے اور عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بھی یہی قول ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے، اسی لیے اس کے بعد کہا: ﴿وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ﴾ ''اور کھجور کے تنے کو (پکڑ کر) اپنی طرف ہلاؤ۔'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم پر یہ احسان فرمایا کہ ان کے کھانے پینے کا بندوبست بھی ان کے پاس ہی کر دیا، چنانچہ فرمایا: ﴿تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ﴿25﴾ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا﴾ ''وہ تجھ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرائے گا، چنانچہ تو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر۔'' یعنی خوش رہ۔ عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ نفاس والی عورتوں کے لیے تر و تازہ کھجوروں سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں، پھر انھوں نے اپنی بات کی تصدیق میں یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ ⑮

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿26﴾﴾ ''پھر اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔''

---

① تفسير الطبري: 87/16. ② تفسير الطبري: 86/16. ③ تفسير الطبري: 86/16. ④ تفسير الطبري: 86,85/16. ⑤ تفسير ابن أبي حاتم: 2404/7. ⑥ تفسير الطبري: 86/16. ⑦ تفسير الطبري: 86/16. ⑧ تفسير الطبري: 87/16. ⑨ تفسير الطبري: 88/16. ⑩ تفسير الطبري: 88/16. ⑪ تفسير الطبري: 88/16. ⑫ تفسير الطبري: 88/16. ⑬ تفسير الطبري: 88/16. ⑭ تفسير الطبري: 89/16. ⑮ تفسير الطبري: 91/16.

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا یٰمَرۡیَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَیۡـًٔا فَرِیًّا ﴿27﴾ یٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ

پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئی، تو وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو نے بہت برا کام کیا ہے ﴿27﴾ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ

اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِیًّا ﴿28﴾ۖۚ فَاَشَارَتۡ اِلَیۡهِ ؕ قَالُوۡا كَیۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ

برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی ﴿28﴾ چنانچہ اس نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا، تو وہ کہنے لگے: ہم اس سے کیسے کلام کریں جو گود میں بچہ

فِی الۡمَهۡدِ صَبِیًّا ﴿29﴾ قَالَ اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِیۡ نَبِیًّا ﴿30﴾ۙ وَّجَعَلَنِیۡ مُبٰرَكًا

ہے؟ ﴿29﴾ وہ (بچہ) بول اٹھا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے ﴿30﴾ اور اس نے مجھے بابرکت بنایا جہاں بھی میں

اَیۡنَ مَا كُنۡتُ ۪ وَاَوۡصٰنِیۡ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمۡتُ حَیًّا ﴿31﴾ۖ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیۡ ۫ وَلَمۡ

ہوں، اور مجھے نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں ﴿31﴾ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے

یَجۡعَلۡنِیۡ جَبَّارًا شَقِیًّا ﴿32﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوۡمَ وُلِدۡتُّ وَیَوۡمَ اَمُوۡتُ وَیَوۡمَ اُبۡعَثُ حَیًّا ﴿33﴾

سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا ﴿32﴾ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں (زندہ کرکے) اٹھایا جاؤں گا ﴿33﴾

یہاں قول سے مراد اشارہ ہے تاکہ اس میں اور ﴿فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا ﴿26﴾﴾ میں کوئی تضاد نہ رہے۔ انس بن مالک کہتے ہیں کہ یہاں روزے سے مراد چپ رہنے کا روزہ ہے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔[2] مراد یہ ہے کہ جب وہ روزہ رکھتے تو ان کی شریعت میں طعام و کلام ان کے لیے حرام ہو جاتا تھا۔ سدی، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید رحمہم اللہ سے بھی اس کی صراحت منقول ہے۔[3]

عبدالرحمٰن بن زید نے کہا ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مریم علیہا السلام سے کہا: ﴿اَلَّا تَحۡزَنِیۡ﴾ ''کہ غم ناک نہ ہو۔'' تو حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ میں غم کیوں نہ کروں جبکہ تم میرے پاس ہو اور میں نہ شادی شدہ ہوں اور نہ باندی؟ لوگوں کو میں کیا منہ دکھاؤں گی؟ ﴿یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا ﴿23﴾﴾ ''اے کاش! میں اس سے پہلے مر جاتی اور بھولی بسری ہو جاتی۔'' عیسیٰ علیہ السلام نے انھیں جواب دیا کہ آپ کی طرف سے میں بات کروں گا، ﴿فَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِیۡۤ اِنِّیۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡیَوۡمَ اِنۡسِیًّا ﴿26﴾﴾ ''چنانچہ اگر تو کسی آدمی کو دیکھے تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لیے روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔'' ان کے بقول یہ ساری گفتگو عیسیٰ علیہ السلام کی ہے جو انھوں نے اپنی والدہ سے کی تھی۔[4] وہب کا بھی یہی قول ہے۔[5]

تفسیر آیات: 27-33

مریم و مسیح قوم کے سامنے، قوم کا اعتراض اور مسیح علیہ السلام کا جواب: اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کے بارے میں بتایا ہے کہ جب انھیں یہ حکم دیا گیا کہ آج کے دن وہ چپ رہنے کا روزہ رکھ لیں اور کسی بھی انسان سے بات نہ کریں، ان کا معاملہ درست ہو

[1] تفسیر الطبری: 16/94. [2] تفسیر الطبری: 16/94. [3] تفسیر الطبری: 16/95 وتفسیر القرطبی: 11/98.
[4] تفسیر الطبری: 16/95. [5] تفسیر الطبری: 16/95.

جائے گا اور ان کی حجت غالب آ جائے گی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کر کے اس کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے بچے کو اٹھاتے ہوئے اپنی قوم کے پاس آ گئیں۔ جب قوم کے لوگوں نے انھیں اس حال میں دیکھا تو اس پر سخت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بہت شدید اعتراض کیا: ﴿ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴾ ''وہ کہنے لگے کہ مریم! یہ تو تو نے بہت برا کام کیا ہے۔'' مجاہد، قتادہ، سدی اور دیگر کئی ائمۂ تفسیر رحمہم اللہ کا قول ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو نے ایک بہت بڑے کام کا ارتکاب کیا۔[1] ابن ابوحاتم نے نوف بِکالی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ قوم بھی مریم کی تلاش میں نکلی کیونکہ مریم کا تعلق نہ صرف ایک معزز گھرانے بلکہ خاندان نبوت سے تھا مگر انھیں مریم کا کوئی نشان نہ ملا، اسی اثنا میں ان کی ملاقات گائیوں کے ایک چرواہے سے ہوئی تو انھوں نے مریم کا حلیہ بیان کرتے ہوئے پوچھا: کیا تم نے اس طرح کی کوئی دوشیزہ دیکھی ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن آج رات میں نے اپنی گائیوں کی ایک ایسی عجیب بات دیکھی ہے جو کبھی نہیں دیکھی تھی، انھوں نے پوچھا کہ تم نے کیا بات دیکھی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے آج رات اپنی گائیوں کو دیکھا کہ وہ اس وادی کی طرف منہ کر کے سجدہ کر رہی تھیں۔[2]

عبداللہ بن ابوزیاد نے کہا کہ مجھے سیار کی روایت اس طرح یاد ہے کہ چرواہے نے کہا کہ میں نے بلند ہوتی ہوئی روشنی دیکھی ہے وہ اس طرف چل پڑے جس طرف اس نے روشنی کی نشاندہی کی تھی تو سامنے سے انھیں مریم بھی آتی ہوئی دکھائی دیں، مریم نے جب انھیں دیکھا تو بیٹھ گئیں اور انھوں نے اپنے بیٹے کو اپنی گود میں بٹھا لیا، یہ لوگ آئے اور مریم کے پاس کھڑے ہو کر کہنے لگے: ﴿ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا ﴾ ''البتہ تحقیق مریم یہ تو تو نے برا کام کیا۔'' ﴿ يٰاُخْتَ هٰرُوْنَ ﴾ ''اے ہارون کی بہن!'' یعنی عبادت میں ہارون کی مشابہ! ﴿ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴾ ''نہ تو تیرا باپ ہی برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔'' یعنی تو تو ایک ایسے طیب اور پاک گھرانے سے تعلق رکھتی ہے جو نیکی و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں بہت مشہور ہے، تو نے یہ کیا کام کیا؟[3] علی بن ابوطلحہ اور سدی نے کہا ہے کہ انھوں نے اسے ہارون کی بہن اس لیے کہا تھا کہ حضرت مریم، ہارون، یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی کی نسل میں سے تھیں، جیسے تمیمی کو يَا أَخَا تَمِيمٍ اور مضری کو يَا أَخَا مُضَرَ کہا جاتا ہے۔[4] اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ نسبت بنی اسرائیل کے ہارون نامی ایک نیک شخص کی طرف تھی۔ عبادت و ریاضت کے اعتبار سے مریم کو ان کے مشابہ قرار دیا جاتا تھا۔[5]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ﴾ ''تو مریم نے اس (لڑکے) کی طرف اشارہ کیا، وہ بولے: ہم اس سے کیسے بات کریں جو (ابھی تک) گود میں بچہ ہے؟'' یعنی جب انھیں حضرت مریم کے بارے میں شک گزرا اور انھوں نے ان کے اس کام کو بہت ہی برا قرار دیا اور بہتان طرازی کرتے ہوئے طرح طرح کی باتیں بنائیں، مریم اس دن روزے کی وجہ سے ساکت و صامت تھیں تو انھوں نے اشارے سے کہا کہ بچے سے پوچھ لو تو انھوں

---

[1] تفسیر الطبری: 16/96،97. [2] الدر المنثور: 4/479،480. بحوالہ زوائد الزهد لعبد الله بن أحمد رحمہ اللہ. [3] الدر المنثور: 4/480 [4] تفسیر الطبری: 16/98. [5] تفسیر الطبری: 16/97،98.

نے سمجھا کہ مریم ان سے مذاق کررہی ہیں، اس لیے کہنے لگے: ﴿كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ''ہم اس سے کیسے بات کریں جو (ابھی تک) گود میں بچہ ہے؟'' میمون بن مہران کہتے ہیں کہ لڑکے کی طرف اشارہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے کہا کہ اس سے بات کرو تو وہ کہنے لگے کہ ایک تو تم نے اس قدر شرمناک کام کیا ہے اور دوسرے تم ازراہ مذاق ہم سے یہ کہتی ہو کہ اس بچے سے بات کرلو جو ابھی گود میں ہے۔[1] سدی کہتے ہیں کہ جب حضرت مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا تو وہ ناراض ہوگئے اور کہنے لگے کہ اس عورت کا یہ ہم سے مذاق کہ ہم گود کے اس لڑکے سے بات کریں، اس کے زنا سے بھی زیادہ برا ہے۔ ﴿قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ''وہ کہنے لگے: ہم (اس سے) کیسے بات کریں جو (ابھی) گود میں بچہ ہے؟''[2] کیونکہ جو لڑکا ابھی اس قدر چھوٹا ہے کہ وہ پنگوڑے میں ہے، وہ کیسے بات کرسکتا ہے؟ (تو اس موقع پر) ﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ﴾ ''اس (بچے) نے کہا کہ بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔'' یعنی بچے نے جو سب سے پہلی بات کی اس میں اس نے رب تعالیٰ کی جناب کو اولاد سے پاک قرار دیا اور اپنے لیے اپنے رب کے عبد ہونے کا اقرار کیا اور اس کا فرمان ہے: ﴿آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ ''اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔'' اس نے اپنی ماں کو بھی اس فحاشی سے پاک قرار دیا ہے جس کی ان کی طرف نسبت کی گئی تھی۔

نوف بکالی کہتے ہیں کہ جب انھوں نے اس بچے کی ماں کی طرف غلط باتیں منسوب کیں تو وہ اپنی ماں کا دودھ پی رہا تھا تو اس نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور بائیں طرف ٹیک لگاتے ہوئے کہا: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا ۝ وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ ''بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے اور میں جہاں بھی ہوں (اور جس حال میں رہوں) مجھے صاحب برکت بنایا ہے، اور جب تک میں زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکاۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔''[3]

ارشاد باری تعالیٰ: ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ ''اور میں جہاں بھی ہوں مجھے صاحب برکت بنایا ہے۔'' کے بارے میں مجاہد، عمرو بن قیس اور ثوری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں: اس نے مجھے بھلائی سکھلانے والا بنایا ہے۔[4] مجاہد سے ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے معنی بہت زیادہ نفع پہنچانے والے کے ہیں۔[5] ابن جریر نے وہیب بن ورد (بن ابوورد) مولیٰ بنومخزوم سے روایت کیا ہے کہ ایک عالم اپنے سے بڑے عالم سے ملے تو ان سے پوچھنے لگے کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے، یہ بتاؤ کہ میں اپنے کس عمل کا اعلان کروں؟ انھوں نے جواب دیا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کہ یہی اللہ کا وہ دین ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے انبیاء کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ﴾ کے بارے میں فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے مراد یہ ہے کہ آپ جہاں بھی ہوں گے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہیں گے۔[6] اور اس کا فرمان ہے: ﴿وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ

---

[1] فتح الباری:9/440، بعد الحدیث:5304. [2] تفسیر الطبری:16/100. [3] الدر المنثور:4/480. [4] تفسیر الطبری:16/102 و تفسیر ابن أبي حاتم:7/2408. [5] تفسیر الطبری:16/101. [6] تفسیر الطبری:16/101،102.

ذٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٣٤﴾ مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم، (یہی ہے) حق کی بات جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں (34) اللہ کے لائق ہی نہیں کہ وہ کوئی بھی اولاد بنائے، وہ پاک ہے،

مِنْ وَلَدٍ ۙ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي

جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے لیے بس یہی کہتا ہے کہ ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے (35) اور بے شک اللہ ہی میرا رب ہے اور تمھارا رب ہے،

وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ

لٰہذا تم اسی کی عبادت کرو، یہی ہے سیدھی راہ (36) پھر (متعدد) گروہوں نے آپس میں اختلاف کیا، چنانچہ ان کے لیے تباہی ہے جنھوں نے یوم عظیم

لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ مَشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾

کی پیشی کا انکار کیا (37)

﴿ مَا دُمْتُ حَيًّا ﴿٣١﴾ ﴾ ''اور جب تک زندہ ہوں مجھ کو نماز اور زکاۃ کا ارشاد فرمایا ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا: ﴿ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ○ ﴾ (الحجر 15:99) ''اور اپنے پروردگار کی عبادت کریں یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔''

عبدالرحمٰن بن قاسم نے امام مالک بن انس سے روایت کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات تک ہونے والے اپنے معاملات کو بیان فرما دیا ہے، اس سے تقدیر کا اثبات اور منکرین تقدیر (قدریہ) کی تردید ہوتی ہے۔[1] اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي ﴾ ''اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے۔)'' یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنی والدہ کے ساتھ نیک سلوک کروں، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے بعد والدہ سے نیک سلوک کا ذکر کیا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی اکثر و بیشتر مقامات پر اپنی عبادت اور اطاعت والدین کے مسئلے کو یکجا بیان فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا: ﴿ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ ﴾ (بنی إسرآء یل 17:23) ''اور آپ کے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور والدین سے اچھا سلوک کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ○ ﴾ (لقمٰن 31:14) ''میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی (کہ تجھ کو) میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا ﴿٣٢﴾ ﴾ ''اور اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا۔'' یعنی اس نے مجھے سرکش و بدبخت نہیں بنایا کہ میں اس کی عبادت و اطاعت سے اعراض کروں اور اپنی والدہ کی اطاعت نہ کروں۔ اور فرمایا: ﴿ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ﴿٣٣﴾ ﴾ ''اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے۔'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ثابت کیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کی مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہیں، وہ زندہ ہیں اور پھر ایک دن فوت ہو جائیں گے اور پھر بالآخر ایک دن دیگر تمام مخلوقات کی طرح زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے لیکن ان تمام حالات میں جو لوگوں کے لیے بے حد مشکل ہوں گے، ان کے لیے سلامتی اور رحمت ہوگی۔ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ.

[1] تفسیر القرطبی: 103/11 لیکن اس میں مَا أَشَدَّهَا عَلٰی أَهْلِ الْقَدَرِ! ''قدریہ پر یہ آیت کس قدر سخت ہے!'' کے الفاظ ہیں۔

تفسیر آیات:34-37

عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، بیٹے نہیں: اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ ذٰلِكَ ﴾ ''یہ'' جو عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہم نے آپ کو سنایا ہے: ﴿ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ۝ ﴾ ''سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں۔'' یعنی باطل پرست اور اس واقعہ کا انکار کرنے والے اور اہل حق اور اس پر ایمان رکھنے والوں میں اختلاف ہے۔ اسی وجہ سے اکثر قراء نے اسے [قَوْلُ الْحَقِّ] یعنی قول کو مرفوع پڑھا ہے جبکہ عاصم اور عبداللہ بن عامر نے اسے منصوب پڑھا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح پڑھا ہے: [ذٰلِكَ عِیسَی ابْنُ مَرْیَمَ قَالُ الْحَقِّ][1] لیکن زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کے اعراب کو مرفوع پڑھا جائے اور اس کا شاہد حسب ذیل ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:60) ''(یہ بات) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔''

جب اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا کہ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عبد اور نبی کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے تو اب اپنی ذات گرامی کو اولاد سے پاک قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ ﴾ ''اللہ کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے۔'' یعنی وہ اس بات سے پاک، بہت بلند و بالا اور بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہے جو یہ جاہل، ظالم اور سرکش لوگ کہتے ہیں: ﴿ اِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ ﴾ ''جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے تو یقیناً اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔'' یعنی وہ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے حکم دے دیتا ہے اور وہ اس کے ارادے اور اس کی مشیت کے مطابق ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 3:59,60) ''عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا، پھر فرمایا کہ (انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے (یہ بات) آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہوں۔''

عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں کو توحید کا حکم دیا: اور فرمایا: ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ﴾ ''اور بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔'' عیسیٰ علیہ السلام نے پنگوڑے ہی میں اپنی قوم کو حکم دیتے ہوئے کہا کہ بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے، پھر انھوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے کہا: ﴿ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ۝ ﴾ ''پس تم اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا رستہ ہے۔'' یعنی یہ دین جسے میں اللہ تعالیٰ کے پاس سے لے کر آیا ہوں، یہ سیدھا رستہ ہے جو اس کی پیروی کرے گا وہ رشد و ہدایت پا لے گا اور جو اس کی مخالفت کرے گا وہ گمراہ ہو جائے گا۔

اور فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْ بَیْنِهِمْ ۚ ﴾ ''پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا۔'' یعنی

---

[1] تفسیر الطبری: 16/104,105.

عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اہل کتاب کے اقوال مختلف ہیں، حالانکہ ان کا معاملہ بالکل واضح اور روشن ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول اور اس کا کلمۂ بشارت تھے جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے مگر اہل کتاب میں سے ایک گروہ، جمہور یہود۔ اللہ تعالیٰ کی ان پر بے شمار لعنتیں ہوں۔ نے ان پر یہ بہتان لگایا کہ وہ ولد زنا ہیں اور ان کا کلام جادو ہے، ایک دوسرے گروہ نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا تھا، کچھ اور لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں، کچھ لوگوں نے کہا کہ وہ تین خداؤں میں سے ایک ہیں اور کچھ لوگوں نے ان تمام خرافات کے برعکس یہ کہا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں اور یہی قول برحق ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف مومنوں کی رہنمائی فرمائی ہے۔ عمرو بن میمون، ابن جریج، قتادہ[1] اور کئی ایک ائمۂ سلف و خلف سے اہل کتاب کے فرقوں کے اس باہمی اختلاف کے بارے میں اسی طرح مروی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴾ ''سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔'' یہ شدید وعید اور سرزنش ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور افترا باندھیں اور یہ گمان کریں کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے مگر اس کذب و افترا کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو قیامت کے دن تک مہلت دے رکھی ہے، اس لیے کہ وہ ذات پاک حلیم اور اسے اپنی قدرت پر پورا اعتماد ہے، نیز یہ کہ وہ اپنے نافرمانوں کو فوراً سزا نہیں دیا کرتا جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے: [إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهُ لَمْ يُفْلِتْهُ] ''بے شک اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیے رکھتا ہے حتی کہ جب اسے پکڑ لیتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا، رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمانے کے بعد اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ ﴾ (ہود 11:102) ''اور آپ کا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے، بے شک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) سخت ہے۔''[2]

صحیح بخاری و مسلم ہی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَصْبَرُ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ]، [إِنَّهُمْ ...... يَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا وَّهُوَ ...... يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ''تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے کہ وہ...... اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹا مانتے ہیں مگر وہ...... انھیں رزق دیتا اور عافیت عطا فرماتا ہے۔''[3] ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ﴾ (الحج 22:48) ''اور

[1] تفسير الطبرى: 106,105/16. [2] صحيح البخارى، التفسير، باب قوله: ﴿ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ ...... ﴾ (ہود 11:102) ...... ، حديث: 4686 و صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، حديث: 2583 عن أبي موسىٰ رضی اللہ عنہ.
[3] صحيح البخارى، الأدب، باب الصبر فى الأذى...... ، حديث: 6099 عن أبى موسىٰ لیکن پہلا حصہ صحیح مسلم، صفات المنافقين ...... ، باب فى الكفار، حديث : 2804 اور دوسرا حصہ بھی اسی باب کے تحت، حديث: (50)-2804 عن أبي موسىٰ رضی اللہ عنہ کے مطابق ہے۔

اَسۡمِعۡ بِهِمۡ وَاَبۡصِرۡ ۙ يَوۡمَ يَاۡتُوۡنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوۡنَ الۡيَوۡمَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿38﴾ وَاَنۡذِرۡهُمۡ

وہ لوگ کیا ہی خوب سننے والے اور کیا ہی خوب دیکھنے والے ہوں گے، جس دن وہ ہمارے پاس آئیں گے! لیکن آج یہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں ﴿38﴾

يَوۡمَ الۡحَسۡرَةِ اِذۡ قُضِىَ الۡاَمۡرُ ۘ وَهُمۡ فِىۡ غَفۡلَةٍ وَّهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿39﴾ اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ

اور آپ انھیں روزِ حسرت سے ڈرائیں جب ہر معاملے کا فیصلہ کیا جائے گا، جبکہ وہ غفلت میں ہیں، اور وہ ایمان نہیں لاتے ﴿39﴾ بلاشبہ ہم ہی زمین

الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ ﴿40﴾ ع

کے وارث ہوں گے اور جو اس (سرزمین) پر ہے وارث ہوں گے، اور ہماری ہی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ﴿40﴾

بہت سی بستیاں ہیں کہ میں ان کو مہلت دیتا رہا اور وہ نافرمان تھیں، پھر میں نے ان کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔" اور فرمایا: ﴿ وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمۡ لِيَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِيۡهِ الۡاَبۡصَارُ ۙ ﴾ (إبراهيم 42:14) "اور (اے نبی!) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے بے خبر ہے، وہ ان کو ایسے دن تک مہلت دے رہا ہے جس میں (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔"

اسی لیے یہاں فرمایا: ﴿ فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡهَدِ يَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ﴿37﴾ ﴾ "سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔" اور ایک متفق علیہ حدیث میں ہے جو عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [مَنْ شَهِدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ وَأَنَّ عِيسٰى عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ، وَ(أَنَّ) الْجَنَّةَ حَقٌّ وَّ(أَنَّ) النَّارَ حَقٌّ أَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنَ الْعَمَلِ] "جو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے عبد اور رسول ہیں اور بے شک عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ کے عبد و رسول اور اس کا وہ کلمۂ بشارت تھے جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے اور بے شک جنت حق اور جہنم بھی حق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا، خواہ اس کا عمل کیسا ہی ہو۔"[1]

تفسیر آیات: 38-40

کفار کو حسرت کے دن سے ڈرانا: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ روز قیامت سب سے زیادہ سننے اور دیکھنے والے ہوں گے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَلَوۡ تَرٰۤى اِذِ الۡمُجۡرِمُوۡنَ نَاكِسُوۡا رُءُوۡسِهِمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ؕ رَبَّنَاۤ اَبۡصَرۡنَا وَسَمِعۡنَا ﴾ (السجدة 12:32) "اور کاش! آپ دیکھیں جب گناہ گار اپنے پروردگار کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے پروردگار! ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا۔" وہ یہ بات اس وقت کہیں گے جب یہ ان کے کسی کام نہ آ سکے گی، انھوں نے یہ بات اگر عذاب دیکھنے سے پہلے کہی ہوتی تو ان کے لیے فائدہ مند اور عذاب الٰہی سے بچانے کا سبب بنتی،

---

[1] صحیح البخاری، أحادیث الأنبیاء، باب قوله تعالىٰ : ﴿ يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا ...... ﴾ (النسآء 171:4)...... ، حدیث: 3435، البتہ قوسین والے الفاظ صحیح مسلم، الإیمان، باب الدلیل علی أن من مات ...... ، حدیث: 28 میں ہیں۔

اسی لیے فرمایا: ﴿ اَسْمِعْ بِهِمْ وَ اَبْصِرْ ﴾ ''وہ لوگ کیا ہی خوب سنتے اور دیکھتے ہوں گے!'' یعنی بہت زیادہ سننے والے اور بہت زیادہ دیکھنے والے ہوں گے ﴿ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ﴾ ''جس دن ہمارے سامنے آئیں گے۔'' یعنی قیامت کے دن ﴿ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ ﴾ ''مگر ظالم آج'' یعنی دنیا میں ﴿ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ﴾ ''صریح گمراہی میں ہیں۔'' کہ حق کو سنتے نہیں، حق کو دیکھتے نہیں اور حق کو سمجھتے نہیں اور اب جبکہ ان سے ہدایت کو اختیار کرنے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ ہدایت کو قبول نہیں کرتے اور اس وقت اطاعت کو اختیار کریں گے جب اطاعت کا اظہار کرنا ان کے کسی کام نہ آئے گا، پھر فرمایا: ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ﴾ ''اور آپ ان کو حسرت (وافسوس) کے دن سے ڈرائیں۔'' یعنی تمام لوگوں کو حسرت وافسوس کے دن سے ڈرائیں: ﴿ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ ﴾ ''جب بات فیصل کردی جائے گی۔'' یعنی اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان فیصلہ کردیا جائے گا اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ چلے جائیں گے: ﴿ وَهُمْ ﴾ ''اور وہ'' آج ﴿ فِيْ غَفْلَةٍ ﴾ ''غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں۔'' اور انھیں حسرت وندامت کے اس دن کی کوئی فکر نہیں جس سے انھیں ڈرایا جاتا ہے۔ ﴿ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اور وہ ایمان نہیں لاتے۔'' اور قیامت کے دن کی تصدیق نہیں کرتے۔

موت کا خاتمہ: امام احمد رحمہ اللہ نے ابوسعید رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، وَأَهْلُ النَّارِ النَّارَ، يُجَاءُ بِالْمَوْتِ كَأَنَّهُ كَبْشٌ أَمْلَحُ، فَيُوقَفُ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ! هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ قَالَ: فَيَشْرَئِبُّونَ، فَيَنْظُرُونَ، وَيَقُولُونَ: نَعَمْ، هٰذَا الْمَوْتُ، قَالَ: فَيُقَالُ: يَاأَهْلَ النَّارِ! هَلْ تَعْرِفُونَ هٰذَا؟ قَالَ: فَيَشْرَئِبُّونَ، فَيَنْظُرُونَ، وَيَقُولُونَ: نَعَمْ ، هٰذَا الْمَوْتُ، قَالَ: فَيُؤْمَرُ بِهِ فَيُذْبَحُ، قَالَ: وَيُقَالُ: يَا أَهْلَ الْجَنَّةِ خُلُودٌ لَّا مَوْتَ، وَيَا أَهْلَ النَّارِ خُلُودٌ لَّا مَوْتَ، قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ، قَالَ: وَأَشَارَ بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ: أَهْلُ الدُّنْيَا فِي غَفْلَةِ الدُّنْيَا]

''جب اہل جنت، جنت میں اور اہل دوزخ، دوزخ میں داخل ہو جائیں گے تو موت کو ایک چتکبرے مینڈھے کی شکل میں لایا جائے گا اور اسے جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا کردیا جائے گا، پھر کہا جائے گا: اے اہل جنت! کیا تم اس کو جانتے ہو؟ تو وہ گردنیں لمبی کریں گے اور دیکھیں گے اور کہیں گے۔ ہاں، ہم اسے جانتے ہیں یہ تو موت ہے۔ کہا جائے گا: اے اہل دوزخ! کیا تم اسے جانتے ہو؟ تو وہ گردنیں لمبی کر کے دیکھیں گے اور کہیں گے: ہاں، یہ تو موت ہے، پھر حکم ہوگا تو اسے ذبح کردیا جائے گا، پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی ہے اور کبھی موت نہیں آئے گی، اے اہل دوزخ! (تم بھی سن لو کہ) اب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زندگی ہے اور کبھی موت نہیں آئے گی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ﴾ ''اور آپ ان کو حسرت (وافسوس) کے دن سے ڈرائیں جب ہر معاملے کا فیصلہ کردیا جائے گا جبکہ (آج) وہ غفلت میں ہیں اور ایمان نہیں لاتے۔'' پھر آپ نے ہاتھ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿41﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا

اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کیجیے، بے شک وہ نہایت سچا (اور) نبی تھا﴿41﴾ جب اس نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! تو اس کی عبادت

لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿42﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ

کیوں کرتا ہے جو نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے؟﴿42﴾ اے میرے باپ! بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں

فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿43﴾ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ

آیا، لہٰذا تو میری اتباع کر، میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا﴿43﴾ اے میرے باپ! تو شیطان کی عبادت نہ کر، بلاشبہ شیطان رحمٰن کا سخت نافرمان

عَصِيًّا ﴿44﴾ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿45﴾

ہے﴿44﴾ اے میرے ابا جان! بے شک میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب آ پہنچے، پھر تو شیطان کا ساتھی ہو جائے﴿45﴾

سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: (افسوس کہ) اہل دنیا، دنیا کی غفلت میں مبتلا ہیں۔"[1] اور اس حدیث کو امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور ان دونوں کے الفاظ اس سے ملتے جلتے ہیں۔[2]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اس دن ہر انسان اپنے جنت کے گھر اور دوزخ کے گھر کو دیکھے گا اور وہی یوم حسرت ہے، اہل دوزخ اپنے جنت کے اس گھر کو دیکھیں گے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تیار کر رکھا تھا، بشرطیکہ وہ ایمان لے آتے، اس لیے ان سے کہا جائے گا کہ اگر تم ایمان لاتے اور نیک عمل کرتے تو جنت میں تمھارا یہ گھر ہوتا جسے تم دیکھ رہے ہو تو اس سے انھیں بہت افسوس اور حسرت ہوگی، اسی طرح آپ نے فرمایا کہ اہل جنت دوزخ میں اپنے گھر کو دیکھیں گے تو ان سے کہا جائے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان نہ ہوتا تو......۔[3] اور فرمایا: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿40﴾ ﴾ "ہم ہی زمین کے اور جو لوگ اس پر (بستے) ہیں ان کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہوگا۔" اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ خالق و مالک ہے اور کائنات میں صرف اسی کا تصرف و اختیار ہے، ساری مخلوق ایک نہ ایک دن فنا ہو جائے گی اور بقا و دوام صرف اسی کی ذات پاک کے لیے ہے، اس دن کوئی بادشاہت یا تصرف و اختیار کا دعویٰ نہیں کرے گا، اپنی ساری مخلوق کا وہی وارث ہے جو ان کے مرنے کے بعد بھی باقی ہوگا اور پھر انھیں دوبارہ زندہ کر کے ان کا فیصلہ فرمائے گا اور کسی بھی نفس پر کچھ بھی ظلم نہیں کرے گا، مچھر کے پر یا ذرّہ بھر بھی ظلم نہیں کرے گا۔ امام ابن ابو حاتم نے حزم بن ابو حزم قطعی کی روایت کو بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز نے حاکم کوفہ عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کی طرف خط لکھا:

"اما بعد! اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے اسی وقت موت کو لکھ دیا تھا جب اس نے اسے پیدا فرمایا تھا اور یہ بھی لکھ دیا تھا کہ ساری مخلوق کو مرنے کے بعد اسی کے پاس لوٹ کر آنا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سچی کتاب میں بھی یہ نازل فرمایا ہے

[1] مسند أحمد: 9/3. [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله عزوجل: ﴿ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ ﴾ (مريم 19:39)، حديث: 4730 وصحيح مسلم، الجنة وصفة ......، باب النار يدخلها الجبارون ......، حديث: 2849. [3] تفسير الطبري: 110/16.

جس کی اس نے اپنے علم کے ساتھ حفاظت فرمائی ہے اور اس کی حفاظت پر فرشتوں کو گواہ بنایا کہ وہی زمین کا اور جو لوگ اس پر بستے ہیں ان کا وارث ہے اور ان سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''[1]

تفسیر آیات :41-45

ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کو وعظ : اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ''اور آپ کتاب میں ابراہیم کو یاد کریں۔'' اور اپنی قوم کے ان لوگوں پر جو بتوں کی پوجا کرتے ہیں تلاوت کریں۔ ابراہیم خلیل الرحمٰن کا واقعہ ان (مکہ والوں) سے بیان کریں جو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور انھی کی ملت پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ نہایت سچے پیغمبر تھے اور انھوں نے اپنے باپ کو بتوں کی پوجا سے منع کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ ﴾ ''اے میرے باپ! ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ تیرے کچھ کام آسکیں۔'' یعنی یہ نہ تو تجھے کوئی نفع ہی پہنچا سکتی ہیں اور نہ کسی نقصان ہی کو دور کر سکتی ہیں۔ ﴿ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ ﴾ ''اے میرے باپ! بلاشبہ مجھے ایسا علم ملا ہے جو تجھ کو نہیں، لہٰذا تو میری اتباع کر میں سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔'' اگرچہ میں آپ کی صلب میں سے ہوں، میں آپ سے چھوٹا ہوں اس لیے کہ آپ کا بیٹا ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا علم عطا فرما دیا ہے جس سے آپ محروم ہیں۔

﴿ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ ﴾ ''لہٰذا تو میری اتباع کر میں تجھے سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔'' ﴿ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ ﴾ سے مراد ایسا سیدھا رستہ ہے جو منزل مقصود تک پہنچا دے اور ہر ڈر اور خوف والی چیز سے بچا لے۔ ﴿ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ﴾ ''اے میرے باپ! تو شیطان کی پوجا نہ کر۔'' یعنی ان بتوں کی پوجا کر کے شیطان کی اطاعت نہ کر کیونکہ بتوں کی عبادت کی تو شیطان ہی دعوت دیتا اور وہ اس سے بہت خوش ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (یٰسٓ 60:36) ''اے آدم کی اولاد! ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا یقیناً وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝ ﴾ (النسآء 117:4) ''وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں اور دراصل وہ سرکش شیطان ہی کو پکارتے ہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ ﴾ ''بے شک شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔'' اللہ تعالیٰ کا مخالف ہے اس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے رب کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون و مردود قرار دے دیا، لہٰذا اس کی پیروی نہ کر ورنہ اسی کی طرح ہو جائے گا۔ ﴿ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ ﴾ ''اے میرے باپ! مجھے ڈر لگتا ہے کہ تجھے اللہ کا عذاب آ پکڑے۔'' شرک کرنے اور میری بات نہ ماننے کی وجہ سے، ﴿ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ ﴾ ''پس تو شیطان کا ساتھی ہو جائے گا۔'' یعنی اس صورت میں ابلیس کے سوا تیرا کوئی دوست، مددگار اور فریادرس نہ ہوگا اور اس کے یا کسی

[1] تفسیر ابن أبي حاتم: 2410/7.

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ

وہ (باپ آزر) کہنے لگا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور رجم کردوں گا، اور تو عرصۂ دراز

مَلِيًّا ﴿46﴾ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿47﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ

کے لیے مجھے چھوڑ دے ﴿46﴾ ابراہیم نے کہا: تجھ پر سلامتی ہو، عنقریب میں تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا، بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان

وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ

ہے ﴿47﴾ اور میں کنارہ کش ہوتا ہوں تم سے اور ان سے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اور میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں، امید ہے کہ میں اپنے رب

شَقِيًّا ﴿48﴾

کو پکار کر محروم نہ رہوں گا ﴿48﴾

کے پاس بھی کوئی اختیار نہیں ہوگا بلکہ شیطان کی پیروی کرنا تو موجب عذاب ہوگا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ (النحل 63:16) ''اللہ کی قسم! ہم نے آپ سے پہلی امتوں کی طرف بھی پیغمبر بھیجے تھے تو شیطان نے ان کے (ناشائستہ) کردار ان کو آراستہ کر دکھائے تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

تفسیر آیات: 46-48

ابراہیم علیہ السلام کے والد کا جواب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دعوت دی تو ان کے باپ نے انھیں یہ جواب دیا: ﴿ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ ﴾ ''اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے انحراف کیے ہوئے ہے؟'' اگر تو ان بتوں کی عبادت نہیں کرنا چاہتا اور ان کو پسند نہیں کرتا تو کم از کم سب وشتم اور انھیں معیوب قرار دینے ہی سے باز آ جا اور اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھ سے انتقام لوں گا اور تجھے سب وشتم کروں گا۔ ﴿ لَاَرْجُمَنَّكَ ﴾ ''میں تجھے ضرور سنگسار کردوں گا۔'' کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، سدی، ابن جریج، ضحاک اور دیگر کے قول کے مطابق یہی مفہوم ہے۔[1]

فرمان باری ہے: ﴿ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿46﴾ ﴾ ''اور تو عرصۂ دراز کے لیے مجھے چھوڑ دے۔'' مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر اور محمد بن اسحاق رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿ مَلِيًّا ﴿46﴾ ﴾ کے معنی زمانہ بھر کے ہیں۔[2] حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس کے معنی زمانۂ طویل کے ہیں۔[3] سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی ابد الآباد کے ہیں۔[4] علی بن ابوطلحہ اور عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تو مجھے صحیح سالم حالت میں چھوڑ کر چلا جا قبل اس کے کہ میں تجھے سزا دوں۔[5] ضحاک، قتادہ، عطیہ جدلی اور مالک وغیرہم کا بھی یہی قول ہے۔[6] اور امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[7]

خلیل اللہ کا جواب: اپنے باپ کی یہ بات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ ﴾ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

[1] تفسير الطبري: 114/16 . [2] تفسير الطبري: 115/16 . [3] تفسير الطبري: 115/16 . [4] تفسير الطبري: 115/16 . [5] تفسير الطبري: 115/16 . [6] تفسير الطبري: 116/16 . [7] تفسير الطبري: 116/16 .

مومنوں کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿ وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ ﴾ (الفرقان 63:25) ''اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: سلام ہے۔'' اور فرمایا: ﴿ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۫ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۫ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝ ﴾ (القصص 55:28) ''اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے اعراض کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمھارے اعمال، تم کو سلام، ہم جاہلوں کے خواست گار نہیں ہیں۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو جو ﴿ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ ﴾ کہا تو اس کا بھی یہی مفہوم ہے کہ باپ کے احترام کی وجہ سے میری طرف سے آپ کو کوئی برائی یا ایذا نہیں پہنچے گی۔ ﴿ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ۭ ﴾ ''میں تیرے لیے اپنے پروردگار سے بخشش مانگوں گا۔'' اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا کہ وہ آپ کو ہدایت عطا فرمائے اور آپ کے گناہ معاف فرمادے: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ ﴾ ''بے شک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔'' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دیگر کئی مفسرین نے بیان فرمایا ہے کہ ﴿ حَفِيًّا ۝ ﴾ کے معنی لطف و کرم فرمانے والے کے ہیں۔[1] یعنی اس نے اپنے لطف و کرم کے ساتھ مجھے اپنی عبادت اور توحید کے اختیار کرنے کی ہدایت عطا فرمائی ہے۔ سدی کہتے ہیں کہ [حَفِيٌّ] اسے کہتے ہیں جو کسی کے بارے میں اہتمام کرے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک طویل مدت تک، یعنی شام کی طرف ہجرت کرنے، مسجد حرام کی تعمیر کرنے اور اسماعیل و اسحاق علیہما السلام کی ولادت کے بعد تک اپنے باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے جیسا کہ آپ کی درج ذیل دعا سے ثابت ہے: ﴿ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ ﴾ (ابراهيم 41:14) ''اے ہمارے پروردگار! حساب (کتاب) کے دن مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کو بخش دے۔''

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مسلمان بھی ابتدائے اسلام میں اپنے مشرک رشتہ داروں اور اہل و عیال کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی: ﴿ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاۗءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ﴾ (الممتحنة 4:60) ''یقیناً تمھارے لیے ابراہیم اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ تھے بہترین نمونہ ہے، جب انھوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا: بے شک ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو بری الذمہ ہیں، ہم نے تمھارا انکار کیا اور ہمارے اور تمھارے درمیان ہمیشہ کے لیے دشمنی اور بیزاری آشکارا ہوگئی، یہاں تک کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لیے مغفرت ضرور مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔''

یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے جو یہ کہا کہ میں آپ کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا تو حضرت

[1] تفسير الطبرى: 116/16.

فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا ﴿49﴾

پھر جب اس نے کنارہ کیا ان سے اور جنھیں وہ اللہ کے سوا پوجتے تھے، تو ہم نے اسے اسحٰق اور یعقوب بخشے، اور ہم نے ہر ایک کو نبی بنایا﴿49﴾

وَوَهَبۡنَا لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا ﴿50﴾

اور ہم نے انھیں اپنی رحمت بخشی، اور ان کے لیے سچائی کا بول (ذکر خیر) بلند کیا﴿50﴾

ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کو اپنے لیے نمونہ قرار نہ دو اور اس میں ان کی پیروی نہ کرو، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسے ترک کر دیا تھا: ﴿ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ يَّسۡتَغۡفِرُوۡا لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ وَلَوۡ كَانُوۡۤا اُولِىۡ قُرۡبٰى مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمۡ اَنَّهُمۡ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ۝ وَمَا كَانَ اسۡتِغۡفَارُ اِبۡرٰهِيۡمَ لِاَبِيۡهِ اِلَّا عَنۡ مَّوۡعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنۡهُ ؕ اِنَّ اِبۡرٰهِيۡمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيۡمٌ ۝ ﴾ (التوبة 9:113,114) ”پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک اہل دوزخ ہیں تو ان کے لیے بخشش مانگیں، اگرچہ وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اس سے کر چکے تھے لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل متحمل تھے۔“

اور فرمایا: ﴿ وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ﴾ ”اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں، ان سے کنارہ کرتا ہوں۔“ میں تم سے اور تمھارے ان معبودوں سے، اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی تم عبادت کرتے ہو، براءت اور بے زاری کا اظہار کرتا ہوں: ﴿ وَاَدۡعُوۡا رَبِّىۡ ۖ ﴾ ”اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا۔“ یعنی اپنے رب تعالیٰ وحدہ لاشریک ہی کی عبادت کروں گا: ﴿ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّىۡ شَقِيًّا ﴿48﴾ ﴾ ”امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔“ یہ ﴿ عَسٰى ﴾ لامحالہ یقین کے معنی میں ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام، سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے سردار ہیں۔

تفسیر آیات: 50,49

اللہ نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جب ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے باپ اور اپنی قوم کو چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں ان سے بہتر، یعنی اسحاق اور ان کے بیٹے یعقوب عطا فرما دیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے: ﴿ وَيَعۡقُوۡبَ نَافِلَةً ؕ ﴾ (الأنبیآء 21:72) ”اور یعقوب مزید (دیا۔)“ اور فرمایا: ﴿ وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ۝ ﴾ (هود 11:71) ”اور اسحاق کے بعد یعقوب (کی خوشخبری دی۔)“

اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ اسحاق، یعقوب کے والد ہیں جیسا کہ درج ذیل نص قرآنی سے ثابت ہے: ﴿ اَمۡ كُنۡتُمۡ شُهَدَآءَ اِذۡ حَضَرَ يَعۡقُوۡبَ الۡمَوۡتُ ۙ اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ ؕ قَالُوۡا نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ ﴾ (البقرة 2:133) ”بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿51﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ

اور کتاب میں موسیٰ کا ذکر کیجیے، بلاشبہ وہ چنا ہوا تھا اور رسول نبی تھا﴿51﴾ اور ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے پکارا اور ہم نے اسے راز و نیاز

الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿52﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿53﴾

کرتے ہوئے قریب کیا﴿52﴾ اور اسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارون نبی بخشا﴿53﴾

باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔''

اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اسحاق و یعقوب کا ذکر فرمایا ہے، یعنی ہم نے ان کی اولاد اور ان کی نسل کو انبیاء بنایا اور ان کے ساتھ ان کی زندگی میں ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا﴾ ''اور ہم نے سب کو پیغمبر بنایا۔'' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں یعقوب علیہ السلام کو نبوت نہ ملی ہوتی تو پھر صرف انھیں کے ذکر تک اکتفا نہ کیا جاتا بلکہ ان کے ساتھ یوسف علیہ السلام کا بھی ذکر ہوتا کیونکہ وہ بھی تو اللہ کے نبی تھے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال پوچھا گیا کہ لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: [...... يُوسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ، ابْنُ (يَعْقُوبَ) نَبِيِّ اللّٰهِ، ابْنِ (إِسْحَاقَ) نَبِيِّ اللّٰهِ، ابْنِ (إِبْرَاهِيمَ) خَلِيلِ اللّٰهِ] ''اللہ کے نبی یوسف، جو اللہ کے نبی یعقوب کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے نبی اسحاق کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے خلیل ابراہیم کے بیٹے ہیں۔''[1] ایک روایت میں الفاظ یہ ہیں: [(إِنَّ) الْكَرِيمَ بْنَ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ بْنِ الْكَرِيمِ يُوسُفُ بْنُ يَعْقُوبَ بْنِ إِسْحَاقَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ] ''کریم ابن کریم ابن کریم ابن کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام تھے۔''[2]

﴿وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ ''اور ہم نے ان کو اپنی رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں اور ہم نے ان کا ذکر جمیل بلند کیا۔'' علی بن ابوطلحہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿لِسَانَ صِدْقٍ﴾ سے مراد اچھی تعریف ہے۔[3] سدی اور مالک بن انس کا بھی یہی قول ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ ﴿عَلِيًّا﴾ اس لیے فرمایا کہ تمام ملتوں اور دینوں کے لوگ ان کی مدح وثنا میں رطب اللسان ہیں۔[4] صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ.

تفسیر آیات: 51-53

موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا ذکر: حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کے تذکرے اور تعریف کے بعد اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کا ذکر کیا جا رہا ہے: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا﴾ ''اور آپ کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کریں بے شک وہ (ہمارے)

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ......﴾ (البقرة 2:133)، حديث: 3374 وصحيح مسلم، الفضائل، باب من فضائل يوسف عليه السلام، حديث: 2378 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ، قوسین والے الفاظ کے علاوہ۔ [2] صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى......﴾ (يوسف 12:6)، حديث: 4688 عن ابن عمر رضی اللہ عنہ لیکن قوسین والا لفظ جامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة يوسف، حديث: 3116 ومسند أحمد: 2/332 و416 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ میں ہے۔ [3] تفسير الطبري: 16/117. [4] تفسير الطبري: 16/117.

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿54﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ

اور کتاب میں اسمٰعیل کا ذکر کیجیے، بے شک وہ وعدے کا سچا اور رسول نبی تھا﴿54﴾ اور وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیتا تھا اور وہ

اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿55﴾

اپنے رب کے ہاں نہایت پسندیدہ تھا﴿55﴾

برگزیدہ (بندے) تھے۔'' ثوری نے عبدالعزیز بن رفیع سے اور انھوں نے ابولبابہ سے روایت کیا ہے کہ حواریوں نے کہا کہ اے روح اللہ! یہ فرمائیں کہ اللہ کے لیے مخلص کون ہے۔ فرمایا وہ جو صرف اللہ ہی کے لیے عمل کرے اور یہ پسند نہ کرے کہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ یہ معنی اس صورت میں ہیں جب مُخلِص کو لام کے کسرے کے ساتھ پڑھا جائے اور اگر اسے لام کے فتحہ کے ساتھ مُخلَص پڑھا جائے تو اس کے معنی منتخب کے ہیں۔ [1] جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿اِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ﴾ (الأعراف 7:144) ''بلاشبہ میں نے تجھے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔'' ﴿وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿51﴾﴾ ''اور پیغمبر رسول تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دونوں صفتوں سے نوازا تھا وہ اللہ تعالیٰ کے منتخب اور ممتاز بندے بھی تھے اور اولوالعزم مرسلین عظام میں سے بھی جو کہ پانچ ہیں: (1) نوح (2) ابراہیم (3) موسیٰ (4) عیسیٰ اور (5) محمد صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى سَائِرِ الْأَنْبِيَاءِ أَجْمَعِينَ.

اور فرمایا: ﴿وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ﴾ ''اور ہم نے ان کو طور کی دائیں طرف پکارا۔'' طور سے مراد کوہ طور ہے جو اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے دائیں طرف تھا، جب انھوں نے آگ کو چمکتے ہوئے دیکھا اور اس کا انگارا لینے گئے تھے اور انھوں نے اس آگ کو کوہ طور کی دائیں غربی جانب وادی کے کنارے پر چمکتے ہوئے پایا تھا، وہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں ہم کلامی کے شرف سے نوازا، آواز دی اور قریب کر کے سرگوشی فرمائی: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿53﴾﴾ ''اور ہم نے اپنی مہربانی سے ان کو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔'' یعنی ان کے سوال کو پورا کر دیا اور اپنے بھائی ہارون کے بارے میں ان کی شفاعت کو قبول کرتے ہوئے، انھیں بھی نبی بنا دیا جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا: ﴿وَاَخِيْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّيْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِيَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِيْٓ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝﴾ (القصص 28:34) ''اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے تو اس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے، بلاشبہ مجھے خوف ہے کہ وہ لوگ میری تکذیب کریں گے۔'' اور فرمایا: ﴿قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝﴾ (طٰہٰ 20:36) ''اے موسیٰ! تحقیق جو تو نے مانگا تجھے دے دیا گیا۔'' اور فرمایا: ﴿فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝﴾ (الشعرآء 26:13،14) ''سو ہارون کی طرف (حکم) بھیج (کہ میرے ساتھ چلیں) اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے سو مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ مجھ کو مار ہی ڈالیں۔'' اسی لیے بعض سلف نے کہا ہے کہ دنیا میں کسی نے کسی کے لیے اس سے بڑھ کر شفاعت نہیں کی ہوگی

[1] تفسير الطبري: 16/118 و تفسير القرطبي: 11/114.



جو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کے بارے میں شفاعت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی نبی بنا دے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴾ (53) ''اور ہم نے اپنی مہربانی سے ان کو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا۔''

تفسیر آیات: 55,54

اسماعیل کا ذکر: یہ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل بن ابراہیم خلیل علیہما السلام کی تعریف بیان فرمائی ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز کے تمام عربوں کے والد تھے۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ انھوں نے اپنے رب تعالیٰ سے جو وعدہ کیا اسے پورا کر دکھایا اور جس عبادت کے ادا کرنے کی نذر مانی اسے بھی پورا کر دیا۔[1]

بعض ائمۂ تفسیر نے کہا ہے کہ آپ کو صادق الوعد اس لیے کہا گیا ہے کہ آپ نے اپنے والد گرامی سے کہا تھا: ﴿ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (الصّٰفّٰت 102:37) ''اللہ نے چاہا تو تو یقیناً مجھے صابروں میں پائے گا۔'' اور پھر انھوں نے اپنے اس وعدے کو سچ ثابت کر دکھایا۔ وعدے کو سچ ثابت کر دکھانا صفات حمیدہ میں سے ہے جبکہ وعدے کی خلاف ورزی مذموم صفات میں سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ ﴾ (الصّف 3,2:61) ''اے مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہتے ہو جو نہیں کرتے، اللہ کے ہاں بڑی ناراضی ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: [آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ: إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: (1) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ (2) جب وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ (3) جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔''[2]

جب یہ منافقوں کی صفات ہیں تو ان سے متضاد صفات مومنوں کی ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کی ہے کہ وہ وعدے کے سچے تھے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی صادق الوعد تھے، آپ جس کسی سے جو وعدہ بھی فرماتے تو اسے پورا فرما دیتے تھے (اسی طرح) آپ ﷺ نے اپنے داماد، اپنی لخت جگر سیدہ زینب کے شوہر ابوالعاص بن ربیع کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: [حَدَّثَنِي فَصَدَقَنِي وَوَعَدَنِي فَوَفَى لِي] ''اس نے مجھ سے بات کی اور سچی بات کی اور اس نے مجھ سے وعدہ کیا اور اسے پورا کر دکھایا۔''[3]

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اعلان کر دیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو یا آپ کے ذمے کسی کا قرض ہو تو وہ میرے پاس آئے، میں اسے ادا کر دوں گا، یہ اعلان سن کر جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما

---

(1) تفسير الطبري: 120/16. (2) صحيح البخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث: 33 وصحيح مسلم، الإيمان، باب خصال المنافق، حديث: 59 عن أبي هريرة رضي الله عنه. (3) صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ما ذكر من درع النبي ﷺ......، حديث: 3110 وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل فاطمة رضي الله عنها، حديث: (95)-2449 عن المسور بن مخرمة رضي الله عنه.



آئے اورانھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا:[لَوْقَدْ جَاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ أَعْطَيْتُكَ هٰكَذَا وَهٰكَذَا وَهٰكَذَا]''جب بحرین سے مال آئے گا تو میں تجھے اس طرح اور اس طرح اور اس طرح دوں گا''یعنی دونوں ہتھیلیوں کو بھر بھر کر، پھر جب بحرین سے مال آیا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جابر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا اور انھوں نے اپنے دونوں ہاتھوں کو مال سے بھرلیا، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے انھیں حکم دیا کہ انھیں گنو، وہ کہتے ہیں میں نے گنے تو یہ پانچ سو درہم تھے، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے وعدے کے مطابق اس سے دو چند درہم مزید دیے۔ ①

﴿ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴾ ''وہ وعدے کا سچا اور پیغمبر رسول تھا۔'' یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نبی اور رسول بھی تھے۔ صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى مِنْ وَّلَدِ إِبْرَاهِيمَ إِسْمَاعِيلَ......]''بے شک اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کو منتخب فرمالیا تھا۔''② اس حدیث سے بھی ہمارے قول کی تائید وتصدیق ہوتی ہے: ﴿ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴾ ''اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے۔'' یہ بھی اچھی تعریف، صفتِ حمیدہ اور پسندیدہ بات ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بے حد اطاعت گزار تھے اور اپنے اہل وعیال کو بھی اللہ تعالیٰ کی اطاعت وبندگی کا حکم دیا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول محمد ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ﴾ (طٰهٰ 132:20) ''اور آپ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کریں اور اس پر قائم رہیں۔'' اور فرمایا: ﴿ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ○ ﴾ (التحريم 6:66) ''مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتشِ (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں اللہ ان سے جو ارشاد فرماتا ہے، اس کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔'' یعنی انھیں نیکی کا حکم دو، برائی سے منع کرو اور انھیں شتر بے مہار کی طرح نہ چھوڑو کہ قیامت کے دن وہ جہنم کی آگ کا ایندھن بن جائیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلّٰى وَأَيْقَظَ امْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِي وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّيْلِ فَصَلَّتْ وَأَيْقَظَتْ زَوْجَهَا،

① صحيح البخاري، فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين......، حديث: 3137 و صحيح مسلم، الفضائل، باب في سخائه ﷺ، حديث: 2314 عن جابر بن عبدالله رضي الله عنه واللفظ له. ② صحیح مسلم میں ہمیں یہ الفاظ نہیں ملے۔ ہاں، اس میں [إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَّلَدِ إِسْمَاعِيلَ......] ہے۔ دیکھیے صحيح مسلم، الفضائل، باب فضل نسب النبي ﷺ......، حديث: 2276 عن واثلة بن الأسقع رضي الله عنه، البتہ جامع الترمذي، المناقب، باب ماجاء في فضل النبي ......، حديث: 3605 اور مسند أحمد: 107/4 میں یہ الفاظ واثلہ بن اسقع ہی سے مروی ہیں، بہرکیف ضعیف ہیں۔ والله أعلم.

وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ اِدۡرِيۡسَ ۫ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا ﴿56﴾ وَّرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿57﴾

اور کتاب میں ادریس کا ذکر کیجیے، بے شک وہ نہایت سچا (اور) نبی تھا﴿56﴾ اور ہم نے اسے بہت بلند مقام پر اٹھالیا﴿57﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ ۫

یہ وہ (انبیاء) ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا جو اولاد آدم میں سے ہیں اور ان لوگوں (کی نسل) میں سے جنھیں ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا

وَّمِنۡ ذُرِّيَّةِ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡرَآءِيۡلَ ۫ وَمِمَّنۡ هَدَيۡنَا وَاجۡتَبَيۡنَا ؕ اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتُ

تھا، اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد سے، اور ان لوگوں میں سے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا، جب ان پر رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتیں تو

الرَّحۡمٰنِ خَرُّوۡا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿58﴾ السجدة

وہ گر جاتے ہیں سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے﴿58﴾

السجدة 5

فَإِنْ أَبَى نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ] ''اللہ تعالیٰ اس مرد پر رحمت نازل فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنی بیوی کو بھی بیدار کرے اور اگر وہ نہ اٹھے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، اللہ تعالیٰ اس عورت پر رحمت نازل فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھے اور اپنے شوہر کو بھی بیدار کرے اور اگر وہ بیدار نہ ہو تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔''[1]

تفسیر آیات: 57,56

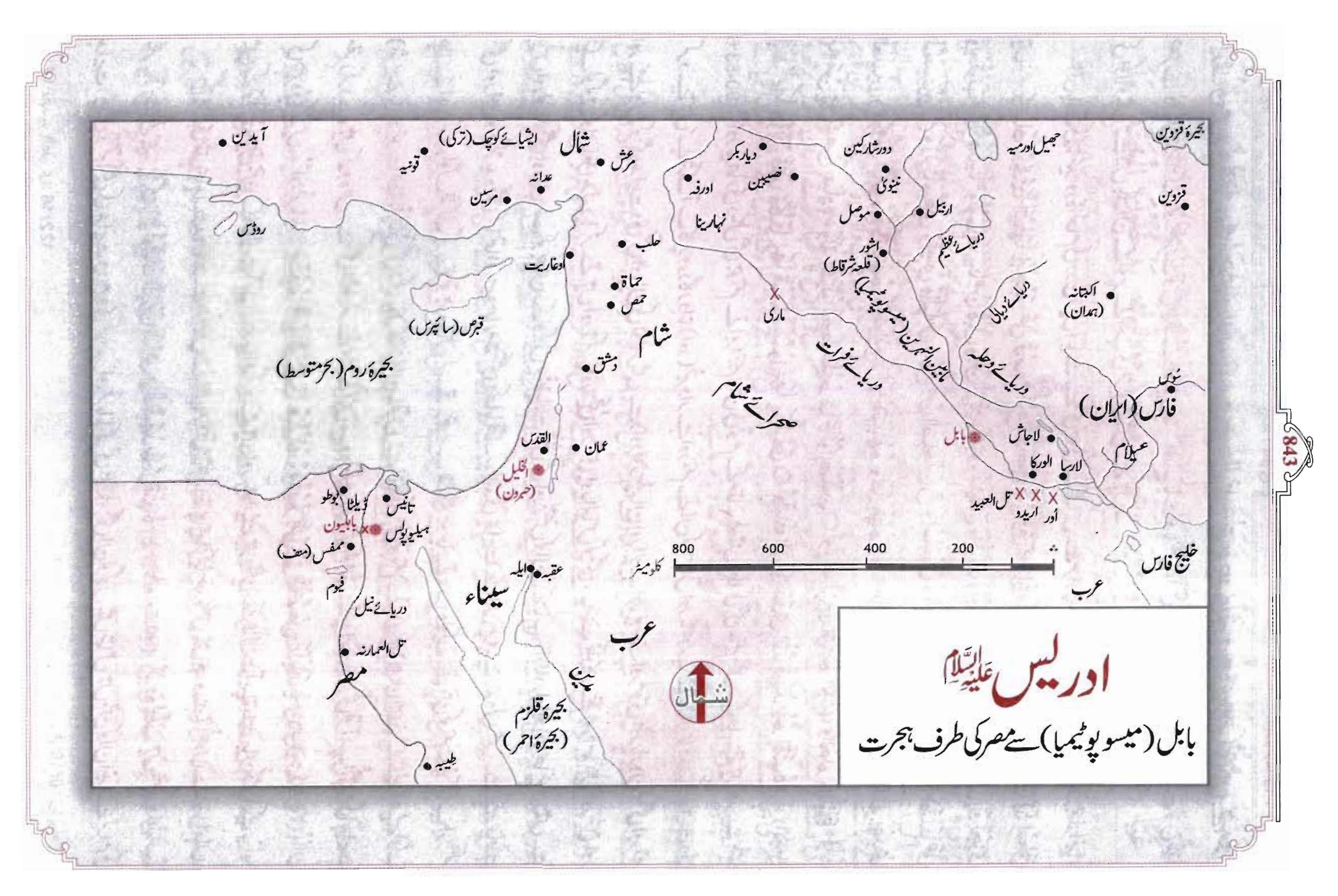
ادریس علیہ السلام کا ذکر: اللہ تعالیٰ نے ادریس علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے انھیں اونچی جگہ اٹھا لیا تھا۔ صحیح حدیث کے حوالے سے قبل ازیں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شب معراج رسول اللہ ﷺ کی حضرت ادریس سے چوتھے آسمان پر ملاقات ہوئی تھی۔[2] سفیان نے منصور سے اور انھوں نے مجاہد سے روایت کیا ہے کہ اس آیت کریمہ میں اونچی جگہ سے چوتھا آسمان مراد ہے۔[3]

تفسیر آیت: 58

انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ یہ انبیاء اور اس سے مراد صرف یہی انبیائے کرام نہیں ہیں جو صرف اس سورت میں مذکور ہیں بلکہ اس سے مراد جملہ انبیاء علیہم السلام ہیں اور یہاں اشخاص سے جنس کی طرف التفات ہے: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنۡ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے اپنے پیغمبروں میں سے فضل کیا (یعنی) اولادِ آدم میں سے۔'' سدی اور ابن جریر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ یہاں اولاد آدم سے حضرت ادریس، اولادِ نوح سے حضرت ابراہیم، اولاد ابراہیم سے اسحاق و یعقوب و اسماعیل اور اولاد اسرائیل سے موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام مراد ہیں۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ان کے مختلف انساب بیان کیے گو سب کے والد حضرت آدم علیہ السلام تھے

---

[1] سنن أبي داود، التطوع، باب قيام الليل، حديث: 1308 وسنن ابن ماجه، إقامة الصلوات، باب ماجاء فيمن أيقظ ......، حديث: 1336 ومسند أحمد: 2/250. [2] دیکھیے بنیٓ إسرآء یل، آیت :1 کے ذیل میں۔ [3] تفسير الطبري: 16/121.


ادریس علیہ السلام
بابل (میسوپوٹیمیا) سے مصر کی طرف ہجرت
شمال
آیدین
قونیہ
ایشیائے کوچک (ترکی)
شمال
مرعش
عدانہ
مرسین
روڈس
حلب
اوغاریت
حماۃ
حمص
قبرص (سائپرس)
شام
بحیرۂ روم (بحر متوسط)
دمشق
القدس
عمان
الخلیل
(حبرون)
بوطو
ڈیلٹا
تانیس
بابلیون
ہیلیوپولس
ممفس (مف)
فیوم
دریائے نیل
تل العمارنہ
مصر
سیناء
ایلہ
عقبہ
عرب
مدین
بحیرۂ قلزم
(بحیرۂ احمر)
طیبہ
دیار بکر
اورفہ
نصیبین
نہارینا
دورشارکین
نینوئی
موصل
اربیل
اشور
(قلعہ شرقاط)
ماری
بین النہرین (میسوپوٹیمیا)
دریائے فرات
صحرائے شام
دریائے عظیم
دریائے دیالی
دریائے دجلہ
جھیل اورمیہ
بحیرۂ قزوین
قزوین
اکبتانہ
(ہمدان)
سوسہ
فارس (ایران)
عیلام
بابل
لاجاش
الورکا
لارسا
تل العبید
اریدو
اور
خلیج فارس
عرب
800
600
400
200
کلومیٹر

کیونکہ ان میں سے بعض وہ بھی تھے جو ان لوگوں کی اولاد میں سے نہیں تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں تھے، مثلاً: حضرت ادریس علیہ السلام کہ وہ تو حضرت نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔[1] اور یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ حضرت ادریس، حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے نہیں بلکہ ان کے اوپر کے نسب کی کڑیوں میں سے ہیں۔

اس بات کی تائید سورۂ انعام کی درج ذیل آیات سے بھی ہوتی ہے کہ اس سے مراد چند مخصوص انبیائے کرام نہیں بلکہ جملہ انبیاء ہیں: ﴿ وَ تِلْكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيْنٰهَاۤ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ﴾ (الأنعام 6:83-90) ''اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی، ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں بے شک آپ کا پروردگار دانا (اور) خبردار ہے اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داود اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی، یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو بھی اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی اور بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو وہ عمل کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے، یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم (شریعت) اور نبوت عطاء فرمائی تھی اگر یہ (کفار) ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کے لیے) ایسے لوگ مقرر کر دیے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو آپ انھیں کی ہدایت کی پیروی کریں۔'' اور فرمایا: ﴿ مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ؕ ﴾ (المؤمن 40:78) ''ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات آپ سے بیان کر دیے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات آپ سے بیان نہیں کیے۔''

صحیح بخاری میں مجاہد سے روایت ہے، انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: کیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ انھوں نے فرمایا: ہاں، پھر یہ آیت کریمہ پڑھی: ﴿ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ ﴾ (الأنعام 6:90) ''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم انھی کی ہدایت کی پیروی کرو۔'' اور فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان لوگوں میں شامل ہیں جن کو ان انبیائے کرام کی

[1] تفسیر الطبری: 16/122 .

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ

پھر ان کے بعد ناخلف (نالائق ان کے) جانشین ہوئے، جنھوں نے نماز ضائع کی اور خواہشات کی پیروی کی، چنانچہ جلد ہی (آگے) وہ (ہلاکت

غَيًّا ﴿59﴾ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا

اور) گمراہی (کے انجام) سے دوچار ہوں گے ﴿59﴾ مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک عمل کیے، تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر

يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿60﴾

کوئی ظلم نہ ہوگا﴿60﴾

پیروی کا حکم دیا گیا ہے اور ان انبیاء میں حضرت داود بھی شامل ہیں۔ (لہٰذا جب انھوں نے سجدہ کیا تو ہمیں بھی سجدہ کرنا چاہیے۔)[1]

اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ﴿58﴾ ﴾ ''جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے۔'' یعنی وہ جب دلائل و براہین سے مزین کلام الٰہی کو سنتے تو اپنے رب تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے تھے اور اس طرح خشوع و خضوع کا اظہار کرتے اور ان نعمتوں پر حمد و شکر بھی بجالاتے تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے انھیں نوازا تھا۔ بُكِيٌّ، بَاكٍ کی جمع ہے۔ تمام علماء کا اجماع ہے کہ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی اقتدا اور اتباع کے پیش نظر یہاں سجدہ کرنا واجب ہے۔

تفسیر آیات: 60,59

اچھے اور برے جانشین: جب اللہ تعالیٰ نے سعادت مند لوگوں کی جماعت کا ذکر فرمایا، یعنی انبیاء علیہم السلام کا اور ان کی اتباع کرنے والے، اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم کرنے والے، اللہ تعالیٰ کے فرائض کو ادا کرنے والے اور نواہی کو ترک کرنے والے لوگوں کا تو اب یہ بیان فرمایا ہے کہ ان کے بعد ایسے ناخلف ان کے جانشین بنے: ﴿ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ''جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔'' اور جب انھوں نے نماز کو ضائع کر دیا تو دیگر واجبات کو زیادہ ضائع کرنے والے ہوں گے۔

نماز دین کا ستون، بنیاد اور بندوں کا سب سے بہتر عمل ہے اور پھر ان لوگوں نے نماز ضائع کرنے کے بعد دنیا کی خواہشوں اور لذتوں کو اختیار کر لیا اور دنیا ہی کی زندگی کو انھوں نے اپنا منتہائے مقصود قرار دے لیا تو عنقریب ان لوگوں کو روز قیامت گمراہی کی سزا ملے گی اور یہ لوگ خسارہ پانے والوں میں ہوں گے۔

اوزاعی نے موسیٰ بن سلیمان سے اور انھوں نے قاسم بن مُخَیمِرَہ سے اس آیت کریمہ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ انھوں نے نمازوں کے اوقات کو ضائع کر دیا تھا اور اگر اس سے مراد ترک ہو تو یاد رہے ترک نماز کفر ہے۔[2] ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کی خدمت میں عرض کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز کا ذکر بکثرت فرمایا ہے، مثلاً: ﴿ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ﴾ (الماعون 5:107) ''جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں۔'' ﴿ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ ﴾

[1] صحیح البخاري: التفسیر، باب قوله: ﴿ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ...... ﴾ (الأنعام 6:90)، حدیث: 4632. [2] تفسیر الطبري: 123/16.

(المعارج 24:70) ''جو نماز کا التزام رکھتے (اور بلا ناغہ پڑھتے) ہیں۔'' ﴿ عَلٰی صَلَاتِهِمۡ یُحَافِظُوۡنَ ﴾ (المعارج 34:70) ''اور جو اپنی نماز کی خبر رکھتے ہیں۔'' ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان آیات کا تعلق نماز کے اوقات سے ہے اور جہاں تک نماز کے ترک کرنے کا معاملہ ہے تو ترکِ نماز کفر ہے۔[1] مسروق کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص نماز پنجگانہ کی حفاظت کرے اور پھر اس کا نام غافلوں میں لکھا جائے۔ یاد رہے نماز میں کوتاہی کرنا ہلاکت ہے نماز ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اسے وقت پر ادا نہ کیا جائے۔[2]

اوزاعی نے ابراہیم بن یزید سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے اس آیت کریمہ کو پڑھا: ﴿ فَخَلَفَ مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ﴾ ''پھر ان کے بعد چند ناخلف ان کے جانشین ہوئے جنھوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشات نفسانی کے پیچھے لگ گئے سو عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) پائیں گے۔'' اور پھر فرمایا ان کے نماز کو ضائع کرنے سے یہ مراد نہیں کہ انھوں نے نماز کو چھوڑ دیا تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے نماز کو بروقت ادا کرنا چھوڑ دیا تھا۔[3]

﴿ فَسَوۡفَ یَلۡقَوۡنَ غَیًّا ﴾ ''سو عنقریب وہ گمراہی (کی سزا) پائیں گے۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ غَیًّا ﴾ کے معنی خسارے کے ہیں۔[4] اور قتادہ کہتے ہیں غَیٌّ کے معنی برائی کے ہیں۔[5] سفیان ثوری، شعبہ اور محمد بن اسحاق نے ابواسحاق سبیعی سے، انھوں نے ابوعبیدہ سے اور انھوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ غَیٌّ جہنم کی ایک ایسی وادی ہے جس کی گہرائی بہت زیادہ اور جس کا کھانا بہت خبیث ہوگا۔[6] اعمش نے زیاد سے اور انھوں نے ابوعیاض سے روایت کیا ہے کہ غَیٌّ جہنم کی خون اور پیپ سے بھری ہوئی ایک وادی کا نام ہے۔

﴿ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ﴾ ''ہاں، جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کیے۔'' یعنی جو شخص نمازوں کے ضائع کرنے اور خواہشات کی پیروی کرنے سے باز آ گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالے گا، اس کے انجام کو اچھا کر دے گا اور نعمتوں بھری جنت کا وارث بنا دے گا، اسی لیے فرمایا: ﴿ فَاُولٰٓئِكَ یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَ لَا یُظۡلَمُوۡنَ شَیۡـًٔا ﴾ ''تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا۔'' کیونکہ [اَلتَّوۡبَةُ تَجُبُّ مَا قَبۡلَهَا] ''توبہ سابقہ تمام گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔''[7] اور دوسری حدیث میں ہے: [اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنۡبِ کَمَنۡ لَّا ذَنۡبَ لَهٗ] ''گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں۔''[8]

---

① تفسیر الطبری: 124/16. ② تفسیر الطبری: 124/16. ③ تفسیر الطبری: 124,123/16. ④ تفسیر الطبری: 126/16. ⑤ تفسیر ابن أبی حاتم: 2413/7. ⑥ تفسیر الطبری: 126/16. ⑦ دیکھیے السلسلة الضعیفة: 1039، اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔ واللہ أعلم. اور ملاحظہ کریں الأنفال، آیت: 38 کے ذیل میں۔ ⑧ سنن ابن ماجه، الزهد، باب ذکر التوبة، حدیث: 4250 والمعجم الکبیر للطبرانی: 150/10، حدیث: 10281 والسنن الکبری للبیهقی، الشهادات، باب شهادة القاذف: 154/10 عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیکھیے السلسلة الضعیفة: 616,615.

جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ

(یعنی) ابدی باغات، جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں کے ساتھ غیب سے وعدہ کیا ہے۔ بے شک اس کا وعدہ (ہرصورت) آنے والا ہے ﴿61﴾ وہ اس میں

فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿62﴾ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ

کوئی لغو بات نہیں سنیں گے، سوائے سلام کے، اور وہاں ان کے لیے صبح وشام رزق ہوگا ﴿62﴾ یہی وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں

مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿63﴾

سے اسے بنائیں گے جو متقی ہوگا ﴿63﴾

ان توبہ کرنے والوں کے اعمال کا نقصان نہیں کیا جائے گا اور نہ توبہ سے پہلے کیے ہوئے اعمال کی انھیں کوئی سزا دی جائے گی کیونکہ توبہ سے پہلے کے اعمال کو توبہ کر لینے کی وجہ سے نسیًا منسیا کر دیا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر مہربانی اور لطف وکرم کی کثرت اور بہتات ہے۔ یہ استثنا اسی طرح ہے جیسا کہ سورۂ فرقان کی حسب ذیل آیات میں ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهٖ مُهَانًا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾ (الفرقان 25:68-70) ''اور وہ جو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہیں پکارتے اور جس جان دار کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق (شریعت کے حکم) سے اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہوگا، قیامت کے دن اس کو دوگنا عذاب ہوگا اور ذلت وخواری سے ہمیشہ اس میں رہے گا مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کیے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''

تفسیر آیات: 61-63

سچی توبہ کرنے والوں کے لیے جنت ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ باغات جن میں اپنے گناہوں سے توبہ کرنے والے داخل ہوں گے وہ بہشت جاودانی ہے جس کا اس نے اپنے بندوں سے وعدہ فرمایا اور جو ان کی آنکھوں سے پوشیدہ ہے، یعنی اس کا تعلق بھی ان مخفی باتوں سے ہے جن پر وہ ایمان رکھتے ہیں، حالانکہ انھوں نے اسے دیکھا تک بھی نہیں لیکن شدت ایقان اور قوت ایمان کی وجہ سے یہ اسے تسلیم کرتے ہیں: ﴿ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ ﴾ ''بے شک اس کا وعدہ (نیکوکاروں کے سامنے) آنے والا ہے۔'' اس کے حصول، ثبوت اور استقرار کی تاکید کے لیے یہ فرمایا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور نہ ہی اسے بدلتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ ﴾ (المزمل 73:18) ''اس کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ یقیناً پورا ہو کر رہنے والا ہے۔

﴿ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ ﴾ کے یہاں معنی یہ ہیں کہ بندے ان جنتوں میں یقیناً داخل ہوں گے۔ بعض نے کہا ہے کہ ﴿ مَاْتِيًّا ﴿61﴾ ﴾ کے معنی آنے والے کے ہیں، یعنی ہر وہ چیز جو آپ کے پاس آنے والی ہے، آپ اس کے پاس آنے والے ہیں جیسا کہ عرب



کہتے ہیں:أَتَتْ عَلَيَّ خَمْسُونَ سَنَةً اور أَتَيْتُ عَلٰى خَمْسِينَ سَنَةً دونوں جملوں کے معنی ایک ہی ہیں، یعنی میں پچاس سال کا ہو گیا ہوں۔[1] اور فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا﴾ ''وہ اس میں سلام کے سوا کوئی بے ہودہ کلام نہ سنیں گے۔'' یعنی ان باغہائے بہشت میں سلام کے سوا کوئی لغو یا بے ہودہ کلام نہیں ہوگا۔ ﴿اِلَّا سَلٰمًا﴾ استثنا منقطع ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا تَاْثِيْمًا ۙ اِلَّا قِيْلًا سَلٰمًا سَلٰمًا ۝﴾ (الواقعة 26,25:56) ''وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ ہاں، (ان کا) کلام سلام سلام (ہوگا۔)'' اور فرمایا: ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝﴾ ''اور وہاں ان کے لیے صبح وشام رزق ہوگا۔''

یعنی صبح وشام کے اوقات کی طرح انھیں کھانا ملے گا لیکن وہاں رات دن نہیں ہوں گے۔ اوقات کے آنے جانے کو وہ روشنیوں اور انوار وتجلیات سے پہچانیں گے جیسا کہ امام احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[أَوَّلُ زُمْرَةٍ تَلِجُ الْجَنَّةَ، صُوَرُهُمْ عَلٰى صُورَةِ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، لَا يَبْصُقُونَ فِيهَا وَلَا يَمْتَخِطُونَ فِيهَا، وَلَا يَتَغَوَّطُونَ فِيهَا]،[آنِيَتُهُمْ وَأَمْشَاطُهُمُ الذَّهَبُ وَالْفِضَّةُ، وَمَجَامِرُهُمُ الْأَلُوَّةُ وَرَشْحُهُمُ الْمِسْكُ وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ زَوْجَتَانِ، يُرٰى مُخُّ سَاقِهِمَا مِنْ وَّرَاءِ اللَّحْمِ مِنَ الْحُسْنِ، لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ عَلٰى قَلْبٍ وَّاحِدٍ يُّسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا]

''پہلا گروہ جو جنت میں داخل ہوگا، ان کی صورتیں چودھویں رات کے چاند جیسی ہوں گی، وہ نہ تھوکیں گے، نہ بلغم خارج کریں گے اور نہ بول و براز کریں گے، ان کے برتن اور کنگھیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی، ان کی انگیٹھیاں عود خالص (لوبان) سے تپائی گئی ہوں گی۔ ان کا پسینہ کستوری ہوگا، ان میں سے ہر ایک کی دو بیویاں ہوں گی کہ حسن کی وجہ سے گوشت میں سے پنڈلی کا مخّ (گودا) نظر آئے گا۔ ان میں باہم کوئی اختلاف یا بغض نہ ہوگا، ان سب کے دل ایک شخص کے دل کی طرح ہوں گے اور وہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے۔''[2] اس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔[3]

امام احمد ہی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[اَلشُّهَدَاءُ عَلٰى بَارِقِ نَهْرٍ بِبَابِ الْجَنَّةِ فِي قُبَّةٍ خَضْرَاءَ، يَخْرُجُ عَلَيْهِمْ رِزْقُهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا] ''شہداء جنت کے دروازے کی طرف نہر کے کنارے پر سبز رنگ کے قبے میں ہوں گے اور انھیں جنت سے صبح وشام رزق دیا جائے گا۔''[4] اس روایت کو صرف امام احمد

---

[1] تفسیر الطبری: 128,127/16 . [2] مسند أحمد: 316/2 . البتہ اس کا ابتدائی حصہ صحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها ......، باب في صفات الجنة......، حدیث: (17)-2834 کے مطابق ہے اور مسند احمد میں [سَاقِهِمَا] کے بجائے [سَاقَيْهِمَا] ہے۔ [3] صحیح البخاري، بدء الخلق، باب ماجاء في صفة الجنة وأنها مخلوقة...... ، حدیث: 3245 وصحیح مسلم، الجنة وصفة نعیمها......، باب في صفات الجنة وأهلها ...... ، حدیث: (17)-2834. [4] مسند أحمد: 266/1 وصحیح ابن حبان، السیر، ذکر خبر یوهم......: 515/10، حدیث: 4658 والمعجم الکبیر للطبراني: 333/10، حدیث: 10825 والمصنف لابن أبي شیبة، الجهاد، باب ماذکر في فضل الجهاد ......: 209/4، حدیث: 19314 والمستدرك للحاکم: 74/2 ، حدیث: 2403.

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ

اور ہم (فرشتے) آپ کے رب ہی کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے، اور جو کچھ

رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿64﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ

اس کے درمیان ہے، اور آپ کا رب کبھی بھولنے والا نہیں ﴿64﴾ (وہی) رب ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے (سب کا)، چنانچہ

هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿65﴾ ع

4 ع 15 7

آپ اس کی عبادت کریں اور اس کی عبادت پر قائم رہیں، کیا آپ اس کا کوئی ہم نام جانتے ہیں؟ ﴿65﴾

ہی نے بیان کیا ہے۔ ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ﴿وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿62﴾﴾ ”اور ان کے لیے وہاں صبح وشام رزق ہوگا۔“ کے بارے میں روایت کیا ہے کہ صبح وشام سے مرادرات اور دن کے اندازے ہیں۔ [1]

﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿63﴾﴾ ”یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو مالک بنائیں گے جو پرہیزگار ہوگا۔“ یعنی یہ جنت جس کی یہ عظیم الشان صفات ہم نے بیان فرمائی ہیں، اس کا وارث ہم اپنے پرہیزگار بندوں کو بنائیں گے۔ پرہیزگار بندوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو غمی وخوشی ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے ہیں، غصے کو پی جاتے اور لوگوں کو معاف کردیتے ہیں جیسا کہ سورۂ مومنون کے آغاز میں فرمایا: ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۘ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝﴾ (المؤمنون 23:1-11) ”بے شک ایمان والے کامیاب ہوگئے، جو نماز میں عجز ونیاز کرتے ہیں اور جو بے ہودہ باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور جو زکاۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا ان (کنیزوں) سے جن کے مالک ان کے دائیں ہاتھ بنے ہیں کہ (ان سے مباشرت کرنے سے) انھیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے نکل جانے والے ہیں اور جو امانتوں اور قراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں (یعنی) جو بہشت کی میراث حاصل کریں گے (اور) اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“

تفسیر آیات: 65,64

فرشتے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے ہیں: امام احمد نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل سے فرمایا: [مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَزُورَنَا أَكْثَرَ مِمَّا تَزُورُنَا!] ”(جیسا کہ اب) آپ کا ہم سے ملاقات کا معمول ہے اس سے زیادہ آپ ہمارے پاس کیوں نہیں آتے؟“ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ

[1] تفسیر معانی القرآن للنحاس: 343/4 (CD).

وَیَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَیًّا ﴿66﴾ اَوَ لَا یَذۡکُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰہُ

اور انسان کہتا ہے: کیا جب میں مر جاؤں گا، البتہ یقیناً مجھے زندہ نکالا جائے گا؟ ﴿66﴾ اور کیا انسان (اتنا ہی) یاد نہیں کرتا کہ یقیناً ہم نے اس سے پہلے

مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ یَکُ شَیۡئًا ﴿67﴾ فَوَرَبِّکَ لَنَحۡشُرَنَّہُمۡ وَالشَّیٰطِیۡنَ ثُمَّ لَنُحۡضِرَنَّہُمۡ

اسے تخلیق کیا، جبکہ وہ کچھ بھی نہ تھا ﴿67﴾ پس آپ کے رب کی قسم! ہم ضرور ان (کفار) کو شیطانوں کے ہمراہ اکٹھا کریں گے، پھر ہم ضرور انھیں گھٹنوں

حَوۡلَ جَہَنَّمَ جِثِیًّا ﴿68﴾ ثُمَّ لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ کُلِّ شِیۡعَۃٍ اَیُّہُمۡ اَشَدُّ عَلَی الرَّحۡمٰنِ عِتِیًّا ﴿69﴾

کے بل گرے ہوئے جہنم کے گرد حاضر کریں گے ﴿68﴾ پھر ہم ضرور ہر گروہ سے (اسے) کھینچ کر الگ کریں گے جو ان میں سے رحمٰن کے خلاف سرکشی میں

ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِیۡنَ ہُمۡ اَوۡلٰی بِہَا صِلِیًّا ﴿70﴾

سخت تر تھا ﴿69﴾ پھر ہمیں بلاشبہ ان کا خوب علم ہے جو اس (جہنم) میں جانے کے زیادہ لائق ہیں ﴿70﴾

﴿اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّکَ﴾ ...... آیت کے آخر تک۔ ''اور (فرشتوں نے پیغمبر کو جواب دیا کہ) ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے ......۔''[1] امام بخاری نے اسے اس آیت کی تفسیر میں بیان کیا ہے۔[2] جبکہ امام مسلم نے اسے بیان نہیں کیا۔ عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کئی دن تک جبرائیل، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ آئے تو اس سے آپ کو بہت حزن وملال ہوا، پھر جب جبرائیل آئے تو وہ یہ وحی لائے: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّکَ﴾ ''اور ہم آپ کے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے۔''[3]

﴿لَہٗ مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا وَمَا خَلۡفَنَا﴾ ''جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو پیچھے ہے، سب اسی کا ہے۔'' ﴿مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا﴾ سے مراد دنیا اور ﴿وَمَا خَلۡفَنَا﴾ سے مراد آخرت ہے[4] ﴿وَمَا بَیۡنَ ذٰلِکَ﴾ ''اور جو ان کے درمیان ہے۔'' یعنی دونوں نفخوں کے درمیان۔ یہ ابو العالیہ، عکرمہ، مجاہد، سُدّی، ربیع بن انس[5] اور ایک روایت کے مطابق سعید بن جبیر اور قتادہ کا قول ہے۔[6] یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡنَا﴾ سے مراد پیش آنے والا آخرت کا معاملہ ہے اور ﴿وَمَا خَلۡفَنَا﴾ سے مراد دنیا کا گزارا ہوا حصہ ہے اور ﴿وَمَا بَیۡنَ ذٰلِکَ﴾ سے مراد دنیا و آخرت کے درمیان کا وقفہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، سعید بن جبیر، ضحاک، قتادہ، ابن جریج اور ثوری رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔[7] نیز ابن جریر نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔[8] واللہ أعلم.

اور فرمایا: ﴿وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا ﴿64﴾﴾ ''اور آپ کا پروردگار بھولنے والا نہیں۔'' مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کا پروردگار آپ کو نہیں بھولا۔[9] اور اس کا فرمان ہے: ﴿رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَیۡنَہُمَا﴾ ''آسمان اور زمین کا

---

① مسند أحمد: 231/1. ② صحيح البخاري، التفسير، باب قوله: ﴿وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمۡرِ رَبِّکَ﴾ ...... (مريم 19:64)، حديث: 4731. ③ تفسير الطبري: 130/16. ④ تفسير الطبري: 131/16. ⑤ تفسير الطبري: 131/16. ⑥ تفسير ابن أبي حاتم: 2414/7 وتفسير الطبري: 131/16. ⑦ تفسير الطبري: 132/16 وتفسير القرطبي: 129/11 وتفسير البغوي: 242/3 وتفسير القرآن للسمعاني: 304/3. ⑧ تفسير الطبري: 132/16. ⑨ تفسير الطبري: 132/16.

اور جوان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے۔'' یعنی وہ ان سب کا خالق بھی ہے اور مدبر بھی، حاکم بھی ہے اور متصرف بھی اور اس کے حکم کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ﴿فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴾ ''تو اسی کی عبادت کرو اور اس کی عبادت پر ثابت قدم رہو، بھلا تم کوئی اس کا ہم نام جانتے ہو؟'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: کیا تم اللہ کے لیے کوئی مثال یا شبیہ جانتے ہو؟[1] مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ اور ابن جریج وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔[2] عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تبارَكَ وَتَعَالٰی وَتَقَدَّسَ اسۡمُهٗ کے سوا اور کوئی نہیں جس کا نام رحمان ہو۔[3]

تفسیر آیات:66-70

انسان کا حیات بعد الممات پر تعجب: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ انسان اس بات پر تعجب کرتا اور اسے بعید سمجھتا ہے کہ اسے موت کے بعد دوبارہ زندہ کیا جائے گا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِنۡ تَعۡجَبۡ فَعَجَبٌ قَوۡلُهُمۡ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ؕ﴾ (الرعد13:5) ''اگر تم تعجب کرتے ہو تو کافروں کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم (مرکر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا بے شک ہم از سر نو پیدا ہوں گے؟'' اور فرمایا: ﴿اَوَلَمۡ يَرَ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ نُّطۡفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيۡمٌ مُّبِيۡنٌ ○ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلۡقَهٗ ؕ قَالَ مَنۡ يُّحۡيِ الۡعِظَامَ وَهِيَ رَمِيۡمٌ ○ قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمُ ۙ○﴾ (یٰسٓ 36:77-79) ''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا۔ پھر وہ تڑاق پڑاق جھگڑنے لگا اور ہمارے بارے میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ کہنے لگا کہ (جب) ہڈیاں بوسیدہ ہو کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دیجیے: ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے۔''

اور یہاں فرمایا: ﴿وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾ اَوَلَا يَذۡكُرُ الۡاِنۡسَانُ اَنَّا خَلَقۡنٰهُ مِنۡ قَبۡلُ وَلَمۡ يَكُ شَيۡـًٔا ﴿٦٧﴾﴾ ''اور (کافر) انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟ کیا (ایسا) انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس وقت پیدا فرمایا جبکہ اس کا کوئی ذکر تک نہ تھا اور اب جبکہ وہ وجود میں آ گیا ہے تو کیا وہ اسے دوبارہ پیدا نہیں کر سکے گا جیسا کہ فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ وَهُوَ اَهۡوَنُ عَلَيۡهِ ؕ﴾ (الروم 30:27) ''اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اسے لوٹائے گا اور یہ اس کو بہت آسان ہے۔''

صحیح حدیث میں ہے: [قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى: كَذَّبَنِي ابۡنُ آدَمَ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ ذٰلِكَ، وَشَتَمَنِي وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ ذٰلِكَ،

---

[1] تفسیر الطبری: 133/16 . [2] تفسیر الطبری: 133/16 وتفسیر القرطبی: 130/11 وتفسیر ابن أبی حاتم: 2414/7 . [3] تفسیر ابن أبی حاتم: 2414/7 وتفسیر القرطبی: 130/11 .

فَأَمَّا تَكْذِيبُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: لَنْ يُعِيدَنِي كَمَا بَدَأَنِي، وَلَيْسَ أَوَّلُ الْخَلْقِ بِأَهْوَنَ عَلَيَّ مِنْ إِعَادَتِهِ، وَأَمَّا شَتْمُهُ إِيَّايَ فَقَوْلُهُ: اتَّخَذَاللّٰهُ وَلَدًا، وَأَنَا الْأَحَدُ الصَّمَدُ، لَمْ أَلِدْ وَلَمْ أُولَدْ، وَلَمْ يَكُنْ لِي كُفُوًا أَحَدٌ] ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابن آدم میری تکذیب کرتا ہے، حالانکہ یہ بات اسے زیب نہیں دیتی (کہ وہ میری تکذیب کرے۔)، وہ مجھے برا بھلا کہتا ہے، حالانکہ اسے یہ بات زیب نہیں دیتی (کہ وہ مجھے برا بھلا کہے۔) ابن آدم کا میری تکذیب کرنا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے: اللہ تعالیٰ مجھے دوبارہ پیدا نہیں فرمائے گا جس طرح اس نے مجھے پہلے پیدا کیا تھا، حالانکہ پہلی دفعہ پیدا کرنا اسے لوٹا (دوبارہ پیدا کرنے) سے زیادہ آسان تو نہیں ہے اور ابن آدم کا مجھے برا بھلا کہنا یہ ہے، وہ کہتا ہے کہ اللہ نے بیٹا بنالیا ہے، حالانکہ میں تو وہ احد صمد ہوں کہ نہ کسی کا باپ ہوں اور نہ کسی کا بیٹا اور نہ کوئی میرا ہمسر ہے۔''[1]

اور فرمایا: ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ﴾ ''پس آپ کے پروردگار کی قسم! ہم ضرور ان کو جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات برکات کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ وہ اُن کو ضرور جمع کرے گا اور ان کے ساتھ ان کے شیطانوں کو بھی، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جن کی یہ پوجا کیا کرتے تھے۔ ﴿ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿68﴾﴾ ''پھر ہم ضرور ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے (اور وہ) گھٹنوں پر گرے ہوئے (ہوں گے۔)'' عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿جِثِيًّا ﴿68﴾﴾ ''کے معنی بیٹھے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَتَرٰى كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِيَةً﴾ (الجاثية 45:28) ''اور آپ ہر ایک فرقے کو دیکھیں گے کہ گھٹنوں کے بل (بیٹھا ہوگا۔)''[2] سدی نے کہا ہے کہ اس کے معنی کھڑے ہونے کے ہیں، مرہ نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔[3]

﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ﴾ ''پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے۔'' ﴿مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ﴾ کے معنی ہیں ہر جماعت میں سے، یہ مجاہد کا قول ہے۔[4] ﴿اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿69﴾﴾ ''جو اللہ کے خلاف سخت سرکشی کرتے تھے۔'' ثوری نے علی بن اقمر سے، انھوں نے ابوا حوص سے اور انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اگلے کو پچھلے کے آنے تک روک لیا جائے گا حتی کہ جب سب لوگ حاضر ہو جائیں گے تو پھر پہلے ان لوگوں کو پکڑ کر جہنم رسید کیا جائے گا جو گناہوں میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ﴿69﴾﴾ ''پھر ہر جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو اللہ کے خلاف سخت سرکشی کرتے تھے۔''[5] جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ○ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ

---

[1] صحيح البخاري، التفسير، باب، حديث: 4974 ومسند أحمد: 351,350/2 عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ۔ ملحوظہ: ابن کثیر رحمہ اللہ کے ذکر کردہ الفاظ ہمیں نہیں ملے۔ [2] تفسير الطبري: 134/16۔ [3] المحرر الوجيز في تفسير الكتاب العزيز لغالب بن عطية الأندلسي: 132/3 (CD)۔ [4] تفسير الطبري: 135/16۔ [5] تفسير الطبري: 135/16۔

وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ﴿71﴾ ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ

اور تم میں سے جو بھی ہے وہ اس (جہنم) پر وارد ہونے والا ہے، یہ آپ کے رب کے ذمے حتمی (اور) طے شدہ (بات) ہے ﴿71﴾ پھر ہم متقی لوگوں کو نجات

الظّٰلِمِيۡنَ فِيۡهَا جِثِيًّا ﴿72﴾

دیں گے، اور ہم ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے چھوڑ دیں گے ﴿72﴾

لَكُمۡ عَلَيۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ فَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ بِمَا كُنۡتُمۡ تَكۡسِبُوۡنَ ○﴾ (الأعراف 39,38:7) ''یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے ہمارے پروردگار! ان ہی لوگوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا تو ان کو آتش (جہنم) کا دوگنا عذاب دے، اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دوگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہ ہوئی تو جو (عمل) تم کیا کرتے تھے اس کے بدلے میں عذاب (کے مزے) کو چکھو۔''

﴿ثُمَّ لَنَحۡنُ اَعۡلَمُ بِالَّذِيۡنَ هُمۡ اَوۡلٰى بِهَا صِلِيًّا ﴿70﴾﴾ ''اور ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو ان میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں۔'' ﴿ثُمَّ﴾ یہاں خبر کے خبر پر عطف کے لیے ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس بات کو بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں میں سے کون اس بات کا مستحق ہے کہ اسے آتش جہنم میں ڈال کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی میں رکھا جائے اور وہ ان کو بھی خوب جانتا ہے جو اس بات کے مستحق ہیں کہ انھیں دوگنا عذاب دیا جائے جیسا کہ سورۂ اعراف کی (مذکورہ بالا) آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿قَالَ لِكُلٍّ ضِعۡفٌ وَّلٰكِنۡ لَّا تَعۡلَمُوۡنَ ○﴾ (الأعراف 38:7) ''اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو (دوگنا عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے۔''

تفسیر آیات: 72,71

جہنم سے ہر شخص گزرے گا مگر پرہیزگار نجات پا جائیں گے: امام ابن جریر نے حضرت عبداللہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ پل صراط جہنم پر تلوار کی دھار کی طرح ہوگا جس کے اوپر سے پہلا طبقہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ گزر جائے گا، دوسرا طبقہ ہوا کی طرح، تیسرا طبقہ تیز گھوڑے کی طرح اور چوتھا طبقہ تیز جانوروں کی طرح گزر جائے گا، پھر لوگ گزر رہے ہوں گے اور فرشتے کہیں گے: اَللّٰهُمَّ سَلِّمۡ سَلِّمۡ ''اے اللہ! سلامت رکھنا، سلامت رکھنا۔''[1] اس حدیث کے صحیح بخاری و مسلم اور دیگر کتب حدیث میں بروایت انس،[2] ابوسعید،[3] ابوہریرہ،[4] جابر رضی اللہ عنہم[5] اور دیگر سے شواہد بھی موجود ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے بھی زید بن حارثہ کی بیوی ام مبشر کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے

[1] تفسير الطبري: 138/16 والمستدرك للحاكم: 376,375/2، حديث: 3423. [2] التخويف من النار: 169/1 (CD).
[3] صحيح البخاري، التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وُجُوۡهٌ يَّوۡمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ○......﴾ (القيمة 23,22:75)، حديث: 7439 وصحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حديث: (302)-183. [4] صحيح البخاري، الأذان، باب فضل السجود، حديث: 806 وصحيح مسلم، الإيمان، باب معرفة طريق الرؤية، حديث: (299)-182. [5] دیکھیے صحيح مسلم، الإيمان، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها، حديث: (320)-191 و مسند أحمد: 345/3.

کہ آپ نے فرمایا:[لَا يَدۡخُلُ النَّارَ أَحَدٌ شَهِدَ بَدۡرًا وَّالۡحُدَيۡبِيَةَ، قَالَتۡ حَفۡصَةُ: أَلَيۡسَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَقُولُ: ﴿ وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ قَالَتۡ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: فَمَهۡ: ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ﴾] ''جہنم میں کوئی ایسا شخص داخل نہیں ہوگا جس نے بدر یا حدیبیہ میں شرکت کی ہو، حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ﴿ وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ ''اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہوگا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ﴾ ''پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے۔''[1] صحیح بخاری و مسلم میں زہری از سعید از ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:[لَا يَمُوتُ لِأَحَدٍ مِّنَ الۡمُسۡلِمِينَ ثَلَاثَةٌ مِّنَ الۡوَلَدِ تَمَسُّهُ النَّارُ إِلَّا تَحِلَّةَ الۡقَسَمِ] ''جس مسلمان کے تین بیٹے فوت ہو جائیں اسے جہنم کی آگ نہیں چھوئے گی سوائے قسم پورا کرنے کے۔''[2]

عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے آیت کریمہ: ﴿ وَاِنۡ مِّنۡكُمۡ اِلَّا وَارِدُهَا ﴾ کے بارے میں کہا ہے کہ مسلمانوں کا وارد ہونا یہ ہوگا کہ وہ پل صراط کے اوپر سے گزر جائیں گے اور مشرکوں کا وارد ہونا یہ ہوگا کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔[3] سدی نے مرہ سے اور انھوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ارشاد باری تعالیٰ: ﴿ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتۡمًا مَّقۡضِيًّا ﴾ ''یہ آپ کے پروردگار پر لازم (اور) مقرر ہے۔'' کے بارے میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی قسم واجب کے ہیں۔[4] مجاہد کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تمھارے پروردگار کا فیصلہ ہے۔[5] ابن جریج کا بھی یہی قول ہے۔[6]

﴿ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيۡنَ اتَّقَوۡا ﴾ ''پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے۔'' یعنی جب سب لوگ جہنم کے اوپر سے گزریں گے تو کفار اور نافرمان اپنے اپنے گناہوں کے مطابق اس میں گر جائیں گے تو اللہ تعالیٰ مومنوں اور پرہیز گاروں کو ان کے اعمال کے مطابق جہنم سے نجات دے دے گا، پل صراط سے ان کے گزرنے کی رفتار دنیا میں کیے ہوئے ان کے اعمال کے حساب سے ہو گی، پھر کبیرہ گناہوں کے مرتکب مومنوں کے بارے میں شفاعت بھی قبول کی جائے گی، ان کے بارے میں فرشتے، انبیائے کرام علیہم السلام اور مومن شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال دیا جائے گا جنھیں جہنم کی آگ نے کھا لیا ہوگا، البتہ سجدے کے مقامات کو آگ نہیں کھائے گی، ان کا جہنم سے نکالا جانا بھی ان کے دلوں میں ان کے ایمان کے حساب سے ہوگا، پہلے ان لوگوں کو نکالا جائے گا جن کے دلوں میں دینار کے برابر ایمان ہوگا، پھر جن کے دلوں میں اس کے قریب ایمان ہوگا، پھر اُن کو جن کا اس کے قریب ایمان ہوگا، پھر ان کو جن کا اس کے قریب ایمان ہوگا حتی کہ ان لوگوں کو بھی جہنم سے نکال دیا جائے گا جن کے دلوں میں ادنیٰ سے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرے کے برابر بھی ایمان ہوگا، پھر اس شخص کو بھی بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا جس نے زندگی میں صرف ایک دن لا الہ الا اللہ پڑھا ہوگا، خواہ کبھی کوئی بھی نیک عمل نہ کیا ہو، پھر

---

① مسند أحمد: 362/6 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ذكر البعث، حديث: 4281. ② صحيح البخاري، الأيمان والنذور، باب قوله تعالى: ﴿ وَاَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ﴾ (الأنعام 6:109)......، حديث: 6656 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، حديث: (150)-2632. ③ تفسير الطبري: 139/16. ④ تفسير الطبري: 144/16. ⑤ تفسير الطبري: 143/16. ⑥ تفسير الطبري: 144/16.

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا ۙ اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا

اور جب ان پر ہماری واضح آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں: فریقین میں سے کس کا مقام بہتر اور کس کی مجلس زیادہ

وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿73﴾ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ﴿74﴾

اچھی ہے؟ ﴿73﴾ اور ان سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں، وہ ان سے اثاثوں اور ظاہری ٹیپ ٹاپ میں کہیں بڑھ کر تھیں ﴿74﴾

جہنم میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جن کے لیے جہنم میں ہمیشہ رہنا واجب ہوگا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ﴿72﴾﴾ ”پھر ہم پرہیز گاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔“

تفسیر آیات: 74,73

کفار کا اپنی دنیوی خوش حالی پر فخر: اللہ تعالیٰ نے کفار کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب انھیں اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں جن کی دلالت ظاہر، حجت روشن اور برہان واضح ہوتا ہے تو وہ ان سے اعراض کر لیتے ہیں اور مومنوں پر فخر کرتے ہوئے اور اپنے باطل دین کے صحیح ہونے کے بزعم خود دلائل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ﴿خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿73﴾﴾ ”مکان کس کے اچھے اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں؟“ یعنی مکان کس کے اچھے ہیں، گھر کن کے بلند ہیں، مجلسیں کن کی بہتر ہیں۔ نادی اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں لوگ باتیں کرنے کے لیے جمع ہوں، یعنی ان کی مجلسیں زیادہ آباد ہیں کیونکہ ان میں آنے جانے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے، ان کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس صورت حال میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم باطل پر ہوں اور وہ لوگ حق پر ہوں جو دار ارقم بن ابوارقم جیسے گھروں میں چھپ چھپ کر رہ رہے ہوں؟ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ﴾ (الأحقاف 11:46) ”اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے۔“ قوم نوح نے کہا: ﴿اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿﴾﴾ (الشعرآء 111:26) ”کیا ہم آپ کو مان لیں اور آپ کے پیرو تو رذیل لوگ ہوئے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿﴾﴾ (الأنعام 53:6) ”اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے (کہ جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟ (اللہ نے فرمایا:) بھلا اللہ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟“ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے شبہے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ”اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں۔“ یعنی کتنی ہی تکذیب کرنے والی قوموں اور امتوں کو ہم نے ان کے کفر کی وجہ

[1] صحیح البخاري، التوحید، باب قول الله تعالٰی: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿﴾......﴾ (القیمة 23,22:75)، حدیث: 6565,7510,7410,7440 و صحیح مسلم، الإیمان، باب معرفة طریق الرؤیة، حدیث: (299)-182,(302)-193,183 و جامع الترمذي، الإیمان، باب ماجاء فیمن یموت وھو یشهد......، حدیث: 2638 .

قُلۡ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا

کہہ دیجیے: جو شخص گمراہی میں ہے، (لازم ہے کہ) اسے رحمٰن لمبی ڈھیل دے دے، حتی کہ جب وہ دیکھیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے یا

الۡعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا ﴿75﴾

عذاب یا قیامت تو وہ ضرور جان لیں گے کہ کون درجے میں بدتر اور لشکر کے لحاظ سے کمزور تر ہے ﴿75﴾

سے ہلاک کر دیا تھا۔ ﴿ هُمۡ اَحۡسَنُ اَثَاثًا وَّرِءۡيًا ﴿74﴾ ﴾ ''وہ ان سے اثاثوں اور نام ونمود میں کہیں بڑھ کر تھیں۔'' یعنی وہ ان سے مال ودولت، شکل وصورت اور ساز وسامان کے اعتبار سے کہیں بڑھ کر تھے۔

اعمش نے ابوظبیان سے اور انھوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ''مقام'' کے معنی گھر، ندیّ کے معنی مجلس[1] أثاث کے معنی سامان اور رئی کے معنی منظر کے ہیں۔[2] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ قیام کے معنی مسکن، ندی کے معنی مجلس، نعمت اور اس آسودگی کے ہیں جس میں وہ زندگی بسر کر رہے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم فرعون کی ہلاکت کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ كَمۡ تَرَكُوۡا مِنۡ جَنّٰتٍ وَّعُيُوۡنٍ ۙ وَّزُرُوۡعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيۡمٍ ۙ ﴾ (الدخان 26,25:44) ''وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے اور کھیتیاں اور نفیس مکان۔'' مقام سے مراد گھر اور نعمت ہے اور ندی سے مراد وہ مجلس اور مجمع ہے جس میں وہ جمع ہوتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے قصے کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ وَتَاۡتُوۡنَ فِىۡ نَادِيۡكُمُ الۡمُنۡكَرَ ؕ ﴾ (العنکبوت 29:29) ''اور اپنی مجلسوں میں ناپسندیدہ کام کرتے ہو۔'' عرب مجلس کو نادی کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔[3]

تفسیر آیت:75

سرکش کو مہلت دی جاتی ہے: ﴿ قُلۡ ﴾ ''کہہ دیجیے: اے محمد (ﷺ!)'' ان لوگوں سے جو اپنے رب کے ساتھ شرک کرتے اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور تم باطل پر ہو: ﴿ مَنۡ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ ﴾ ''جو شخص گمراہی میں (پڑا ہوا) ہے۔'' یعنی ہم میں سے اور تم میں سے ﴿ فَلۡيَمۡدُدۡ لَهُ الرَّحۡمٰنُ مَدًّا ۚ ﴾ ''اللہ اسے لمبی ڈھیل دیتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے رکھی ہے حتی کہ اس کی یہ مدت ختم ہو جائے گی اور اسے اپنے رب کے پاس جانا ہوگا: ﴿ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوۡا مَا يُوۡعَدُوۡنَ اِمَّا الۡعَذَابَ ﴾ ''یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے، خواہ عذاب۔'' جو ان کے پاس آ جائے گا، ﴿ وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ ﴾ ''اور خواہ قیامت۔'' جو ان کے پاس اچانک آ جائے گی تو اس وقت ﴿ فَسَيَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضۡعَفُ جُنۡدًا ﴿75﴾ ﴾ ''جان لیں گے کہ مکان کس کا برا ہے اور لشکر کس کا کمزور ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کی اس بات کے جواب میں فرمایا ہے جو انھوں نے مومنوں سے کہی تھی کہ ہمارے مکان تمھارے مکانوں سے اچھے اور ہماری مجلسیں تمھاری مجلسوں سے بہتر ہیں تو یہ گویا ان مشرکوں کو مباہلے کا چیلنج ہے جو یہ گمان کرتے تھے کہ وہ ہدایت پر ہیں جیسا کہ یہودیوں کو مباہلے کا چیلنج

[1] تفسیر الطبری:145/16. [2] تفسیر الطبری:147/16. [3] تفسیر الطبری:146,145/16.

وَيَزِيۡدُ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اهۡتَدَوۡا هُدًى ؕ وَالۡبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيۡرٌ عِنۡدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

اور راہ ہدایت پر چلنے والوں کو اللہ مزید ہدایت عطا کرتا ہے اور باقی رہنے والی نیکیاں ہی آپ کے رب کے ہاں ثواب اور انجام کے اعتبار

وَّخَيۡرٌ مَّرَدًّا ﴿76﴾

سے بہت بہتر ہیں ﴿76﴾

دیتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ هَادُوۡۤا اِنۡ زَعَمۡتُمۡ اَنَّكُمۡ اَوۡلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنۡ دُوۡنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الۡمَوۡتَ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝ ﴾ (الجمعة 6:62) ''(اے پیغمبر) آپ کہہ دیں کہ اے یہودا اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو اور لوگ نہیں تو تم اگر سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو۔''

یعنی اگر تم اس بات کے دعوے دار ہو کہ تمھی حق پر ہو تو پھر ہم میں سے جو باطل پر ہو اس کے لیے موت کی دعا کرو کیونکہ اس صورت میں دعا سے تمھیں تو کوئی نقصان نہ ہوگا کیونکہ تم تو بزعم خود اس بات کے دعوے دار ہو کہ تم حق پر ہو مگر یہودی اس بات سے بھاگ گئے تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔[1] وَلِلّٰهِ الۡحَمۡدُ. اسی طرح سورۂ آل عمران میں عیسائیوں کو بھی اس وقت مباہلے کا چیلنج دیا گیا تھا جب انھوں نے کفر و سرکشی پر اصرار کیا اور انتہائی غلو سے کام لیتے ہوئے یہ دعویٰ کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے اس بات کے دلائل و براہین بیان فرمائے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بیٹا نہیں بلکہ اللہ کا بندہ ہے اور وہ اسی طرح مخلوق ہیں جس طرح آدم علیہ السلام مخلوق تھے اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿ فَمَنۡ حَآجَّكَ فِيۡهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَاَبۡنَآءَكُمۡ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمۡ وَاَنۡفُسَنَا وَاَنۡفُسَكُمۡ ثُمَّ نَبۡتَهِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰذِبِيۡنَ ۝ ﴾ (آل عمران 61:3) ''پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو اُن سے کہنا کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ، پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا و التجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔'' عیسائیوں نے بھی مباہلے کے اس چیلنج کو قبول نہیں کیا اور وہ فرار ہو گئے تھے۔

تفسیر آیت:76

ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں اضافہ: اللہ تعالیٰ نے پہلے یہ بیان فرمایا تھا کہ جو لوگ گمراہی میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ انھیں مہلت دیے رکھتا اور ان کی گمراہی میں مزید اضافہ کر دیتا ہے اور اب یہ فرمایا ہے کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں کی ہدایت میں بھی اضافہ فرماتا ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا مَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَةٌ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ اَيُّكُمۡ زَادَتۡهُ هٰذِهٖۤ اِيۡمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَزَادَتۡهُمۡ اِيۡمَانًا وَّهُمۡ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَتۡهُمۡ رِجۡسًا اِلٰى رِجۡسِهِمۡ وَمَاتُوۡا وَهُمۡ كٰفِرُوۡنَ ۝ ﴾ (التوبة 125,124:9) ''اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (استہزا کرتے اور) پوچھتے ہیں

[1] دیکھیے البقرة، آیات: 95,94 کے ذیل میں۔

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿77﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ

پھر آپ اس شخص کے بارے میں بتلایئے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی ﴿77﴾ کیا اس نے غیب کی اطلاع

الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾ وَنَرِثُهُ مَا

پالی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ﴿78﴾ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے، اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے ﴿79﴾ اور

يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿80﴾

ان چیزوں کے ہم وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے، اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا ﴿80﴾

کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے، سو جو ایمان والے ہیں، ان کا تو ایمان زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں مرض ہے، اُن کے حق میں خبث پر خبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر۔‘‘

﴿وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ﴾ (الکھف 18:46) ’’اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں۔‘‘ اس کی تفسیر وتشریح اور اس سے متعلق احادیث قبل ازیں سورۂ کہف میں بیان کی جا چکی ہیں:[1] ﴿خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَرَدًّا ﴿76﴾﴾ ’’وہ آپ کے پروردگار کے صلے کے لحاظ سے خوب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔‘‘

تفسیر آیات: 77-80

کفار کی تردید کہ انھیں آخرت میں مال واولاد ملے گا: امام احمد رحمہ اللہ نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ میں ایک لوہار آدمی تھا اور میں نے عاص بن وائل سے قرض لینا تھا، میں اس کے پاس اپنا قرض لینے کے لیے گیا تو اس نے کہا نہیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک قرض ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمد (ﷺ) کے ساتھ کفر نہ کرو گے، میں نے کہا: نہیں اللہ کی قسم! میں محمد ﷺ کے ساتھ کفر نہیں کروں گا، خواہ تم مر جاؤ اور پھر دوبارہ اُٹھائے جاؤ، اس نے کہا کہ جب میں مر جاؤں گا اور دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا تو میرے پاس آنا، اس وقت میرے پاس مال بھی ہوگا اور اولاد بھی تو میں تمھارا قرض تمھیں دے دوں گا، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿77﴾ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿80﴾﴾ ’’بھلا تم نے اُس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے لگا کہ (اگر میں از سر نو زندہ ہوا بھی تو یہی) مال اور اولاد مجھے (وہاں) ضرور دیا جائے گا، کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے یا اللہ کے ہاں (سے) عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھتے جاتے اور آہستہ آہستہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے ان کے ہم وارث ہوں گے اور اکیلا ہمارے سامنے آئے گا۔‘‘[2] اس حدیث کو امام بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے بھی بیان فرمایا ہے۔ صحیح بخاری کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ میں مکہ میں لوہار تھا، میں نے عاص بن وائل کو تلوار بنا کر دی اور پھر جب اس سے

[1] دیکھیے آیات:45,46 کے ذیل میں۔ [2] مسند أحمد: 111/5.

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ﴿81﴾ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ

اور انھوں نے اللہ کے سوا معبود بنا لیے ہیں، تاکہ وہ ان کے مددگار ہوں ﴿81﴾ ہرگز نہیں! عنقریب وہ خود ان کی عبادت کا انکار کر دیں گے اور ان کے

عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿82﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ فَلَا تَعْجَلْ

مخالف ہو جائیں گے ﴿82﴾ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ بے شک ہم نے کافروں پر شیطان چھوڑ رکھے ہیں وہ جو انھیں خوب خوب (گناہوں پر)

عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾

ابھارتے ہیں؟ ﴿83﴾ چنانچہ آپ ان کی بابت جلدی نہ کریں، ہم تو بس ان کے دن گن رہے ہیں ﴿84﴾

اس کی قیمت کا مطالبہ کرنے کے لیے گیا...... پھر انھوں نے (مسند احمد کی) مذکورہ حدیث بیان کی، اور انھوں نے فرمایا: اس آیت کریمہ میں: ﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾﴾ ”یا اللہ کے یہاں (سے) عہد لے لیا ہے؟“ ﴿عَهْدًا ﴿78﴾﴾ سے مراد [مَوْثِقًا] ”پختہ عہد“ ہے۔[1]

﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ﴾ ”کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے۔“ یہ اس شخص کی بات کی تردید ہے جس نے کہا تھا: ﴿لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿77﴾﴾ ”مال اور اولاد مجھے ضرور دیا جائے گا۔“ (یعنی قیامت کے دن)، تو کیا اسے معلوم ہو گیا ہے کہ آخرت میں اسے کیا ملے گا جس کی وجہ سے یہ قسمیں کھا رہا ہے۔ ﴿اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾﴾ ”یا اللہ کے یہاں (سے) کوئی عہد لے لیا ہے؟“ کیا اس نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضرور یہ دے گا؟ اور بخاری کی روایت کے حوالے سے بالکل قریب ہی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ﴿عَهْدًا ﴿78﴾﴾ سے مراد پختہ عہد ہے۔

اور فرمایا: ﴿كَلَّا ؕ﴾ ”ہرگز نہیں۔“ کلا، حرف زجر و توبیخ ہے۔ یہ ماقبل کی نفی اور مابعد کی تاکید کے لیے ہوتا ہے، ﴿سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ﴾ ”یہ جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھتے جاتے ہیں۔“ جو یہ طلب کر رہا ہے اور اپنی خواہش کے مطابق اپنے لیے حکم لگاتا اور اللہ عظیم کی ذات گرامی کے ساتھ کفر کرتا ہے۔ ﴿وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿79﴾﴾ ”اور ہم آہستہ آہستہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں۔“ یعنی اس کی اس بات کی وجہ سے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے آخرت میں ہم اس کے عذاب میں اضافہ کرتے جائیں گے۔ ﴿وَنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ﴾ ”اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے، ان کے ہم وارث ہوں گے۔“ یعنی اس کی بات کے برعکس مال و اولاد سے ہم اسے محروم کر دیں گے، یعنی یہ تو دعویٰ کرتا ہے کہ اسے آخرت میں دنیا سے بھی زیادہ مال و اولاد سے نوازا جائے گا جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آخرت میں اسے اس مال و اولاد سے محروم کر دیا جائے گا۔ جو دنیا میں اس کے پاس تھا، اسی لیے فرمایا: ﴿وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا ﴿80﴾﴾ ”اور یہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا۔“ یعنی نہ اس کے پاس مال ہو گا اور نہ اولاد۔

تفسیر آیات: 81-84

مشرکوں کے معبود انکار کر دیں گے: اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ

[1] صحیح البخاری، التفسیر، باب: ﴿اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿78﴾﴾ (مریم 19:78)......، حدیث: 4733 وصحیح مسلم، صفات المنافقین......، باب سؤال الیهود النبی......، حدیث: 2795.

کو چھوڑ کر معبودانِ باطلہ کو اس لیے اختیار کیا تا کہ یہ ان کے لیے موجب عزت و مدد ہوں لیکن درحقیقت بات اس طرح نہیں جس طرح یہ کہتے اور جو یہ خواہش رکھتے ہیں، فرمایا: ﴿ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ ﴾ ''ہرگز نہیں! وہ عنقریب (معبودانِ باطلہ) اُن کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' یعنی قیامت کے دن۔ ﴿ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿82﴾ ﴾ ''اور اُن کے دشمن (و مخالف) ہوں گے۔'' یعنی ان کے وہم وگمان کے برعکس ان کے مددومعاون بننے کے بجائے، ان کے دشمن ومخالف بن جائیں گے جیسا کہ فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝ وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأحقاف 46:5,6) ''اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور اُن کو اُن کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو اور جب لوگ جمع کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' سدی کہتے ہیں: ﴿ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ ﴾ ''ہرگز نہیں! وہ عنقریب (معبودانِ باطلہ) ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔'' یعنی وہ بتوں کی عبادت سے انکار کردیں گے۔

﴿ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿82﴾ ﴾ ''اور اُن کے دشمن (ومخالف) ہوں گے۔'' یعنی ان کی امیدوں اور خواہشوں کے خلاف وہ تو ان کے دشمن ہوں گے۔ سدی کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان سے سخت جھگڑا کریں گے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ ان کے دشمن ہوں گے۔ [1]

شیطانوں کا کافروں پر تسلط: ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَي الْكٰفِرِيْنَ تَـــؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ ﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔'' علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿ تَـــؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿83﴾ ﴾ کے معنی ہیں کہ وہ ان کو ابھارتے ہیں۔ [2] عوفی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ شیاطین کافروں کو محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے بارے میں برانگیختہ کرتے ہیں۔ [3] قتادہ کہتے ہیں کہ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی ترغیب دیتے ہیں۔ [4] عبدالرحمن بن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت حسبِ ذیل آیت کریمہ کی طرح ہے۔ ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ۝ ﴾ (الزخرف 43:36) ''اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کرے (تغافل کرے) ہم اس پر ایک شیطان مقرر کردیتے ہیں تو وہ اُس کا ساتھی ہوجاتا ہے۔'' [5]

اور فرمایا: ﴿ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾ ﴾ ''تو آپ ان پر (عذاب کے لیے) جلدی نہ کریں، ہم تو بس اُن کے لیے (دن) شمار کررہے ہیں۔'' یعنی اے محمد (ﷺ!) ان پر عذاب واقع ہونے کے بارے میں جلدی نہ کریں کیونکہ ہم نے ان سے عذاب ایک طے شدہ محدود مدت کے لیے مؤخر کر رکھا ہے اور اس مدت کے آنے پر یہ یقیناً عذاب الٰہی میں مبتلا ہوجائیں

---

[1] تفسیر الطبری: 16/156. [2] تفسیر الطبری: 16/157، البتہ امام سیوطی رحمہ اللہ نے الدر المنثور میں تفسیر ابن کثیر کے مطابق تغویھم اغواء ابن ابوحاتم کی طرف منسوب کیا ہے جو ہمیں نہیں ملا۔ [3] الدر المنثور: 4/507. [4] تفسیر الطبری: 16/157.
[5] تفسیر الطبری: 16/157.

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿85﴾ وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿86﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ

جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف (بطور) مہمان اکٹھا کر لائیں گے ﴿85﴾ اور مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے (ہی) ہانک لے جائیں گے ﴿86﴾ (اس

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿87﴾

روز) وہ سفارش کا اختیار نہیں رکھیں گے، سوائے اس کے جس نے رحمٰن سے عہد لیا ﴿87﴾

گے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝﴾ (إبراهيم 42:14) ''اور (مومنو) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں، اللہ ان سے بے خبر ہے، وہ صرف اُن کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے جس دن (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔'' اور فرمایا: ﴿فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۝﴾ (الطارق 17:86) ''تو آپ کافروں کو مہلت دے دیں بس چند روز ہی مہلت دیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝﴾ (ال عمرٰن 178:3) ''اور کافر لوگ یہ نہ خیال کریں کہ ہم جو اُن کو مہلت دیتے ہیں تو یہ ان کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم ان کو صرف اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں، آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔'' اور فرمایا: ﴿نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝﴾ (لقمٰن 24:31) ''ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے، پھر عذاب شدید کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝﴾ (إبراهيم 30:14) ''کہہ دیجیے! (چند روز) فائدے اٹھا لو آخر کار تم کو بلا شبہ دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' سدی نے ﴿اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿84﴾﴾ کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ ہم ان کے لیے سال، مہینے، دن اور گھڑیاں شمار کر رہے ہیں۔

تفسیر آیات: 85-87

قیامت کے دن پرہیز گاروں اور مجرموں کا انجام: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پرہیز گار دوستوں کے بارے میں بیان فرمایا ہے جنھوں نے دنیا کی زندگی میں اس کے خوف کو اختیار کیا، اس کے رسولوں کی اتباع کی، ان کی بتائی ہوئی باتوں کی تصدیق کی، ان کے احکام کی اطاعت کی اور جن کاموں سے انھوں نے منع فرمایا تھا ان سے رک گئے تھے کہ وہ انھیں جب قیامت کے دن جمع کرے گا تو وہ اس کے پاس وفد کی صورت میں آئیں گے۔ وفد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو سوار ہو کر آئیں اس کی جمع وفود آتی ہے، وہ آخرت کی سواریوں پر سوار ہو کر آئیں گے جو دنیا کی سواریوں سے عمدہ بھی ہوں گی اور نور کی بھی ہوں گی اور وہ اس ذات گرامی کے پاس سوار ہو کر آئیں گے جو سب سے بہتر ہے اور پھر اسی کے عزت افزائی والے گھر میں آئیں گے اور ان کے برعکس مجرموں کو اور حضرات انبیائے کرام کی تکذیب و مخالفت کرنے والوں کو گردنوں کے بل گھسیٹ کر جہنم کی طرف لے جایا جائے گا۔ ﴿وِرْدًا ﴿86﴾﴾ کے معنی پیاسے کے ہیں، یہ عطاء، ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حسن، قتادہ اور دیگر کئی مفسرین رحمہم اللہ کا قول ہے۔[1] یہاں کہا جا سکتا ہے: ﴿اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝﴾ (مریم 73:19) ''دونوں فریقوں میں سے مقام

[1] تفسير الطبري: 159/16.

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿88﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـًٔا اِدًّا ﴿89﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ

اور انھوں نے کہا: رحمٰن اولاد رکھتا ہے ﴿88﴾ البتہ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آ پہنچے ہو ﴿89﴾ قریب ہیں کہ آسمان اس (بات) سے پھٹ

الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿90﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿91﴾ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴿92﴾

پڑیں، اور زمین شق ہو جائے، اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر پڑیں ﴿90﴾ اس (بات) پر کہ انھوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا ﴿91﴾ اور رحمٰن کے لائق

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ﴿93﴾ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿94﴾ وَكُلُّهُمْ

نہیں کہ وہ کسی کو اولاد بنائے ﴿92﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی ہیں وہ سب رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گے ﴿93﴾ بلاشبہ یقیناً اس (رحمٰن) نے

اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿95﴾

ان کا شمار کر رکھا ہے اور انھیں خوب گن رکھا ہے ﴿94﴾ اور وہ سب یوم قیامت اللہ کے پاس تنہا تنہا آئیں گے ﴿95﴾

کے اعتبار سے کون زیادہ اچھا ہے اور مجلس کے اعتبار سے کون بہتر ہے؟''

ابن ابوحاتم نے عمرو بن قیس ملائی سے اور انھوں نے ابن مرزوق سے روایت کیا ہے: ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿85﴾﴾ ''جس روز ہم پرہیزگاروں کو اللہ کے سامنے (بطور) مہمان جمع کریں گے۔'' کہ مومن جب اپنی قبر سے نکلے گا تو بہت خوب صورت شکل اور عمدہ خوشبو والا ایک انسان اس کا استقبال کرے گا تو مومن کہے گا: تو کون ہے؟ وہ کہے گا کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ یہ جواب دے گا نہیں، البتہ یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی خوشبو کو عمدہ اور چہرے کو حسین بنا دیا ہے۔ وہ جواب دے گا کہ میں تمھارا عمل صالح ہوں تو بھی دنیا میں اسی طرح تھا کہ تیرا عمل حسین اور خوشبودار تھا، میں دنیا میں کتنی ہی بار تجھ پر سوار ہوا تھا، آج تو مجھ پر سوار ہو جا اور یہ آیت پڑھی: ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ﴿85﴾﴾ [1] علی بن ابوطلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ﴿وَفْدًا ﴿85﴾﴾ کے معنی سوار کے ہیں۔ [2] اور فرمایا: ﴿وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿86﴾ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ﴾ ''اور ہم گناہ گاروں کو دوزخ کی طرف پیاسے ہانک لے جائیں گے (تو لوگ) کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے۔'' یعنی ان کی شفاعت کرنے والا کوئی نہیں ہو گا جبکہ مومن ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے جیسا کہ مجرموں کے بارے میں فرمایا کہ وہ کہیں گے: ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ ۙ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ○﴾ (الشعرآء 26:100,101) ''وہ تو (آج) نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے اور نہ گرم جوش دوست۔'' اور فرمایا: ﴿اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿87﴾﴾ ''مگر جس نے اللہ سے اقرار لیا ہو۔'' یہ استثنا منقطع ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جس نے اللہ کے پاس اقرار کیا ہو تو وہ سفارش کر سکے گا اور اقرار سے مراد ہے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دی جائے، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ کا اقرار کیا جائے اور صرف اور صرف اللہ عزوجل ہی سے اُمید وابستہ کی جائے۔ [3]

تفسیر آیات: 88-95

اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی نسبت کی سخت تردید: اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ میں جب یہ بیان فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس کے

[1] تفسیر الطبری: 16/158,159 . [2] تفسیر الطبری: 16/158 . [3] تفسیر الطبری: 16/160 .



بندے ہیں اور اس نے انھیں مریم سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے تو اب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی سختی سے تردید شروع فرمادی ہے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ اللہ کا بیٹا ہے کیونکہ اس کی ذات پاک تو اس سے بہت بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ ہے اور مقدس و منزہ ہے کہ اس کی اولاد ہو، ارشاد فرمایا: ﴿ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ ''اور کہتے ہیں اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ یقیناً تم ایک بہت بھاری بات (گناہ) تک آ پہنچے ہو۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، قتادہ اور مالک فرماتے ہیں کہ ﴿ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ کے معنی بڑی بات کے ہیں۔[1] ﴿ إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ، ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ اور مد کے ساتھ تین طرح پڑھا جاتا ہے لیکن زیادہ مشہور لغت ﴿ إِدًّا ﴿٨٩﴾ ﴾ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔[2] اور فرمایا: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ ﴾ ''قریب ہے کہ اس افترا سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں کہ انھوں نے اللہ کے لیے بیٹا تجویز کیا۔''

یعنی آسمان و زمین اور پہاڑ جب فاسق و فاجر انسانوں کی یہ بات سنتے ہیں تو قریب ہے کہ اللہ ذوالجلال کی عظمت کے باعث ان کی یہ حالت ہو جائے کیونکہ ان سب چیزوں کو اسی نے پیدا فرمایا اور اپنی توحید کی بنیاد پر پیدا فرمایا، انھیں معلوم ہے کہ اس ذات پاک کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک و نظیر نہیں، اس کی کوئی بیوی اور بچہ نہیں، اس کا کوئی ہمسر نہیں، وہ یکتا و بے نیاز ہے۔

ابن جریر نے اس آیت کریمہ: ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿٩٠﴾ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ ﴾ کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول بیان کیا ہے کہ شرک کرنے سے آسمان، زمین، پہاڑ اور جن وانس کے سوا دیگر تمام مخلوقات ڈرتی ہیں اور قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کی وجہ سے یہ ساری چیزیں پارہ پارہ ہو جائیں جس طرح شرک کی وجہ سے مشرک کی کوئی نیکی اس کے لیے فائدہ بخش نہ ہوگی، اسی طرح ہمیں اُمید ہے کہ توحید کی وجہ سے اللہ تعالیٰ موحدین کے تمام گناہ بخش دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

[لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَهَا عِنْدَ مَوْتِهِ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَمَنْ قَالَهَا فِي صِحَّتِهِ؟ قَالَ: تِلْكَ أَوْجَبُ وَأَوْجَبُ، ثُمَّ قَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْجِيءَ بِالسَّمٰوَاتِ وَالْأَرَضِينَ وَمَا فِيهِنَّ وَمَا بَيْنَهُنَّ وَمَا تَحْتَهُنَّ، فَوُضِعْنَ فِي كِفَّةِ الْمِيزَانِ، وَوُضِعَتْ شَهَادَةُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي الْكِفَّةِ الْأُخْرٰى لَرَجَحَتْ بِهِنَّ]

''اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کی تلقین کیا کرو، کیونکہ جس نے مرتے وقت لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ پڑھ لیا اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: جس نے زمانہ صحت میں اسے پڑھا؟ فرمایا: اس کے لیے تو زیادہ واجب ہوگی، زیادہ واجب ہوگی، پھر فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تمام آسمانوں اور

[1] تفسیر الطبری: 162,161/16. [2] تفسیر الطبری: 162/16.

زمینوں کو ان تمام اشیاء کے ساتھ لایا جائے جو ان میں ہیں اور جو ان کے درمیان ہیں اور جو ان کے نیچے ہیں اور پھر ان سب کو ترازو کے ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیا جائے تو یہ پلڑا ان تمام اشیاء کے مقابلے میں بھاری ہوگا۔‘‘[1] ابن جریر نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے۔ حدیثِ بطاقہ اس حدیث کی شاہد ہے۔[2] واللّٰه أعلم.

ضحاک نے ﴿ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ ﴾ (الشوریٰ 42:5) کے بارے میں کہا ہے کہ قریب ہے کہ یہ اللہ کی عظمت کے خوف کی وجہ سے پھٹ جائیں۔[3] عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے ﴿ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴾ کے بارے میں کہا کہ پہاڑ اللہ تعالیٰ کی خاطر ناراض ہو کر شق ہو جائیں۔[4] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ منہدم ہو کر گر پڑیں۔[5] سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ پہاڑ ٹوٹ ٹوٹ کر مسلسل ایک دوسرے پر گرتے جائیں۔

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [لَا أَحَدَ أَصْبَرُ عَلٰى أَذًى يَّسْمَعُهُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ إِنَّهُ يُشْرَكُ بِهِ وَيُجْعَلُ لَهُ وَلَدٌ وَّهُوَ يُعَافِيهِمْ وَيَدْفَعُ عَنْهُمْ وَيَرْزُقُهُمْ] ’’تکلیف دہ بات کو سن کر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی زیادہ صبر کرنے والا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جاتا ہے، اس کے لیے بیٹا قرار دیا جاتا ہے مگر وہ انھیں عافیت عطا فرماتا، ان سے مصیبتوں کو ہٹاتا اور انھیں رزق عطا فرماتا ہے۔‘‘[6] اس کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔[7] اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: [إِنَّهُمْ...... وَيَجْعَلُونَ لَهُ وَلَدًا، وَّهُوَ...... يَرْزُقُهُمْ وَيُعَافِيهِمْ] ’’بلاشبہ یہ لوگ...... اور اس کے لیے بیٹا قرار دیتے ہیں اور وہ...... انھیں رزق دیتا اور عافیت عطا فرماتا ہے۔‘‘[8]

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ﴾ ’’اور اللہ کو شایان نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔‘‘ یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال کے شایانِ شان ہی نہیں کہ وہ کسی کو بیٹا بنائے کیونکہ مخلوق میں سے کوئی اِس کا ہمسر ہے ہی نہیں، تمام مخلوقات تو اس کی غلام ہیں۔ اسی لیے فرمایا ہے: ﴿ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ

---

[1] تفسير الطبري: 163/16 والمعجم الكبير للطبراني: 254/12، حديث: 13024 ومجمع الزوائد، الجنائز، باب تلقين الميت: 323/2، حديث: 3916. [2] جامع الترمذي، الإيمان، باب ماجاء فيمن يموت وهو يشهد......، حديث: 2639 وسنن ابن ماجه، الزهد، باب ما يرجى من رحمة الله يوم القيامة، حديث: 4300 ومسند أحمد: 213/2 والمستدرك للحاكم: 6/1 و529، حديث: 9 عن عبدالله بن عمرو رضی اللہ عنہ مزید دیکھیے السلسلة الصحيحة: 262,261/1، حديث: 135. [3] تفسير الطبري: 12/25 وتفسير القرطبي: 4/16. [4] تفسير الطبري: 163/16. [5] تفسير الطبري: 163/16. [6] مسند أحمد: 405/4. [7] صحيح البخاري، الأدب، باب الصبر في الأذى......، حديث: 6099 وصحيح مسلم، صفات المنافقين......، باب في الكفار، حديث: 2804 واللفظ له. [8] صحيح ابن حبان، الرقائق، ذكر الإخبار عن تفضل......: 408,407/2، حديث: 642.

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿96﴾ فَإِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، یقیناً رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کردے گا﴿96﴾ یقیناً ہم نے تو اس (قرآن) کو آپ کی

لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿97﴾ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ

زبان (عربی) میں خوب آسان کردیا ہے، تاکہ آپ اس سے متقین کو بشارت دیں اور اس کے ساتھ جھگڑالو قوم کو ڈرائیں﴿97﴾ اور ان سے پہلے ہم

مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿98﴾

نے کتنی ہی قومیں ہلاک کردیں، کیا آپ ان میں سے کسی ایک کو محسوس کرتے ہیں یا ان کی کوئی بھنک (آہٹ) بھی سنتے ہیں؟﴿98﴾

ع 16 وقف النصف

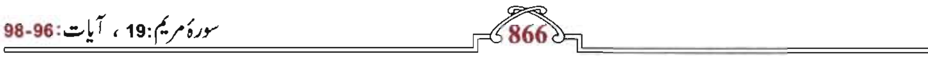
﴿وَعَدَّهُمْ عَدًّا﴾ ''تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے، البتہ تحقیق اُس نے ان (سب) کو (اپنے علم سے) گھیر رکھا اور (ایک ایک کو) شمار کر رکھا ہے۔'' یعنی ابتدا سے لے کر قیامت تک اس نے جس قدر مخلوق پیدا فرمائی ہے، وہ ان سب کی تعداد، ان کے نر، مادہ اور ان کے چھوٹوں بڑوں سب کو جانتا ہے: ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ ''اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے اکیلے حاضر ہوں گے۔'' اور ان کے لیے اللہ وحدہٗ لاشریک کے سوا نہ کوئی مددگار ہوگا اور نہ پناہ دینے والا، وہ اپنی مخلوق کے بارے میں جو چاہے گا فیصلہ فرمائے گا اور وہ عادل ہے کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرمائے گا۔

تفسیر آیات:96-98

اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی محبت دلوں میں پیدا فرما دیتا ہے: اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ اپنے ان مومن بندوں کی اپنے نیک بندوں کے دلوں میں محبت ومودت پیدا فرما دیتا ہے جو اعمال صالحہ بجالاتے ہیں، اعمال صالحہ سے مراد وہ اعمال ہیں جو شریعت محمدیہ کے مطابق انجام دیے جائیں، ایسے اعمال ہی سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے ثابت کئی احادیث مبارکہ میں آیا ہے، مثلاً: امام احمد رحمہ اللہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کو بیان کیا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

[إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ علیہ السلام، فَقَالَ: يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، قَالَ: فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ علیہ السلام، قَالَ: ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ، إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا (فَأَحِبُّوهُ)، قَالَ: فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ، وَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ إِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ: يَا جِبْرِيلُ! إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ، قَالَ: فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ، إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ، قَالَ: فَيُبْغِضُهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ تُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ]

''بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے: اے جبریل! میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر تو جبریل بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہے، پھر جبریل آسمان میں رہنے والوں میں یہ اعلان کردیتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو تو اہلِ آسمان بھی اس سے محبت



کرنے لگ جاتے ہیں اور پھر زمین میں بھی اسے قبولیت عطا فرما دی جاتی ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو جبریل کو بلا کر فرماتا ہے اے جبریل! میں فلاں بندے سے بغض رکھتا ہوں تو بھی اس سے بغض رکھ تو جبریل بھی اس سے بغض رکھنا شروع کر دیتا ہے، پھر وہ آسمان والوں میں اعلان کرتا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھو تو اہلِ آسمان بھی اس سے بغض رکھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر زمین میں بھی اس کے لیے بغض رکھ دیا جاتا ہے۔''[1] اسی طرح امام بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔[2]

ابن ابو حاتم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [إِذَا أَحَبَّ اللّٰهُ عَبْدًا نَّادٰى جِبْرِيلَ: إِنِّي قَدْ أَحْبَبْتُ فُلَانًا فَأَحِبَّهٗ۔ قَالَ: فَيُنَادِي فِي السَّمَاءِ، ثُمَّ تُنْزَلُ لَهُ الْمَحَبَّةُ فِي أَهْلِ الْأَرْضِ، فَذٰلِكَ قَوْلُ اللّٰهِ: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾] ''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل سے فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر، جبریل اس کا آسمان میں اعلان کر دیتا ہے اور پھر اہلِ زمین میں بھی اس کی محبت نازل کر دی جاتی ہے۔ یہی معنی ہیں اس ارشاد باری تعالیٰ کے: ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کیے اللہ ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا۔''[3] اس کو امام مسلم اور ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔[4] اور امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح قرار دیا ہے۔

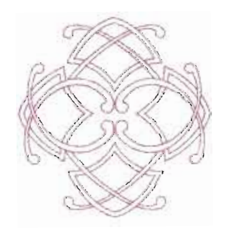
قرآن بشارت دینے اور ڈرانے کے لیے نازل ہوا ہے: ﴿ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ﴾ ''تو ہم نے یہ (قرآن) آپ کی زبان میں آسان (نازل) کیا ہے۔'' یعنی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم!) اس سے روشن، فصیح و بلیغ اور کامل عربی زبان مراد ہے ﴿ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''تا کہ آپ اس سے پرہیزگاروں کو خوش خبری پہنچا دیں۔'' جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری اور اس کے رسول کی تصدیق کرتے ہیں: ﴿ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴾ یعنی آپ اس (قرآن) کے ذریعے سے ایسے لوگوں کو ڈرائیں جو حق سے منہ موڑ کر باطل کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اور فرمایا: ﴿ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ﴾ ''اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا۔'' جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کی تکذیب کی تھی: ﴿ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴾ ''بھلا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے ہیں یا (کہیں) ان کی بھنک سنتے ہیں؟'' یعنی کیا آپ ان میں سے کسی کو دیکھتے یا ان میں سے کسی کی بات کو سنتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو العالیہ، عکرمہ، حسن بصری، سعید بن جبیر، ضحاک اور ابن زید رحمہم اللہ کا قول ہے کہ ﴿ رِكْزًا ﴾ کے معنی آواز کے ہیں۔[5] حسن اور قتادہ رحمہما اللہ فرماتے ہیں

[1] مسند أحمد: 413/2. [2] صحيح البخاري، بدء الخلق، باب ذكر الملائكة صلوات الله عليهم......، حديث: 3209 وصحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب إذا أحب الله عبدا......، حديث: 2637 وتفسير القرطبي: 161,160/11. [3] الدرالمنثور: 512/4. [4] صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب إذا أحب الله عبدا......، حديث: (157)-2637 وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة مريم، حديث: 3161 واللفظ له. [5] تفسير الطبري: 169,168/16.

کہ اس کے معنی یہ ہیں کیا تم ان میں سے کسی شخص کو دیکھتے یا کسی کی آواز کو سنتے ہو۔[1] دراصل عربی زبان میں رکز آہستہ آواز کو کہتے ہیں۔

سورۂ مریم کی تفسیر ختم ہوئی۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

اوراس کے بعد ان شاء اللہ سورۂ طٰہٰ کی تفسیر ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.



[1] تفسیر الطبری: 168/16.

تحقیق و تخریج کے

مصادر و مراجع

اسم الكتاب	اسم المصنف	المطبعة	مقام	تاريخ الطبع
آداب الصحبة	لأبی عبدالرحمٰن السّلمی	دارالصحابة للتراث (C.D)	طنطا مصر	1410ھ 1990م
الإتقان	للإمام جلال الدين أبی الفضل عبدالرحمٰن السيوطی (849-911ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	
الأحاديث الطوال	للحافظ سليمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
الأحاديث المختارة	لأبی عبدالله محمد بن عبدالواحد بن أحمد الحنبلی المقدسی (567-643ھ)	مكتبة النهضة الحديثة	مكة المكرمة	1410ھ
أحكام القرآن	للإمام أبی بكر محمد بن عبدالله المعروف بابن العربی (468-543ھ)	دارالكتب العربی	//	1421ھ 2000م
الأدب المفرد	للإمام أبی عبدالله محمد بن إسماعيل البخاری (194-256ھ)	المكتبة الإسلامية	الأُردن	1423ھ 2003م
الأدب المفرد	//	مكتبة المعارف	الرياض	1419ھ 1998م
إرشاد السارى	للإمام شهاب الدين أبی العباس أحمد بن محمد الشافعی القسطلانی (المتوفی 923ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1416ھ 1996م

إرواء الغليل	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى1420ھ)	المكتب الإسلامی	بيروت	1405ھ 1985م
الاستذكار	لأبی عمر يوسف بن عبدالله بن عبدالبر النمری الأندلسی (5368-5463ھ)	دار الوعی	حلب القاهرة	1414ھ 1993م
أسد الغابة	لعز الدين ابن الأثير أبی الحسن علی بن محمد الجَزَری (المتوفی 630ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	
الإسراء والمعراج	لمحمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی 1420ھ)	المكتبة الإسلامية	عمان (اردن)	1421ھ 2000م
الإصابة	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
إكمال المُعلم بفوائد مسلم	للإمام الحافظ أبی الفضل عياض بن موسی بن عياض اليحصبی (المتوفی 544ھ)	دار الوفاء	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الأم	للإمام أبی عبدالله محمد بن إدريس الشافعی القرشی (المتوفی 204ھ)	دار إحياء التراث العربی	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
بائبل،قرآن اور سائنس (اردو)	موریس بوکائے	نگارشات	لاہور پاکستان	1999م
البحر الزخار المعروف بمسند البزّار	للإمام أبی بكر أحمد بن عمرو بن عبدالخالق العتكی البزّار (المتوفی 292ھ)	مؤسسة علوم القرآن ومكتبة العلوم والحكم	بيروت	1409ھ 1988م
البداية والنهاية	لأبی الفداء الحافظ ابن كثير الدِّمشقی (المتوفی 774ھ)	دار الريان للتراث	القاهرة	1408ھ 1988م
البيان فی عدّ آی القرآن	لأبی عمرو عثمان بن سعيد الأموی الدانی (371-444ھ)	مركز المخطوطات	الكويت	1414ھ 1994م
تاج العروس	الإمام محب الدين أبی فيض السيد محمد مرتضى الحسينی الزبيدی (المتوفی1205ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م

تاريخ ابن خلدون	لعبد الرحمٰن بن خلدون (732-808ھ/1332-1406ھ) م	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1992م
تاريخ بغداد	للحافظ أبى بكر أحمد بن على الخطيب البغدادى (المتوفى463ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
تاريخ دمشق	للإمام الحافظ أبى القاسم على بن الحسن الدمشقى الشافعى المعروف بابن عساكر (499-571ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1421ھ 2001م
تاريخ الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبرى (المتوفى310ھ)	مطبعة الاستقامة	القاهرة	1358ھ 1939م
التاريخ الكبير	للإمام أبى عبدالله محمد بن إسماعيل بن إبراهيم الجعفى (194-256ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1414ھ 1993م
تحفة الأحوذى	للإمام الحافظ أبى العلاء محمد عبدالرحمٰن بن عبدالرحيم المباركفورى (المتوفى1353ھ)	دارالفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تحفة الأخيار	لأبى جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوى (239-321ھ)	داربلنسية	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
تحفة الأشراف	للحافظ جمال الدين أبى الحجاج يوسف المزى (654-742ھ)	ارالغرب الإسلامى	بيروت	1999م
التخويف من النار	للأبى الفرج عبدالرحمٰن بن أحمد بن رجب الحنبلى (المتوفى795ھ)	مكتبة دارالبيان (C.D)	دمشق	1399ھ
تذكرة الحفاظ	للإمام شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان الذهبى (المتوفى748ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1998م
الترغيب والترهيب	للإمام الحافظ زكى الدين عبدالعظيم بن عبدالقوى المنذرى (المتوفى656ھ)	دارالحديث	القاهرة	1407ھ 1987م

تغليق التعليق	لأحمد بن على ابن حجر العسقلانى المتوفى (852ھ)	المتكب الإسلامى	بيروت دمشق	1470ھ 1999م
تفسير البغوى	للإمام أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى الشافعى (المتوفى 516ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1420ھ 2000م
تفسير البيضاوى	للإمام ناصر الدين أبى الخير عبداللّٰه بن عمر بن محمد الشيرازى الشافعى البيضاوى (المتوفى 691ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1418ھ 1998م
تفسير الثورى	لسفيان بن سعيد بن مسروق الثورى أبو عبداللّٰه (المتوفى 161ھ)	دارالكتب العلمية (C.D)	بيروت لبنان	1403ھ
تفسير ابن أبى حاتم	للإمام الحافظ عبدالرحمٰن بن محمد بن إدريس الرازى ابن أبى حاتم (المتوفى 327ھ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة الرياض	1417ھ 1997م
تفسير الرازى	للإمام فخر الدين الرازى (المتوفى 606ھ)	دار إحياء التراث العربى	//	1415ھ 1995م
تفسير السمعانى	للإمام أبى المظفر منصور بن محمد بن عبدالجبار التميمى المروزى الشافعى (426-489ھ)	دار الوطن	الرياض	1418ھ 1997م
تفسير الطبرى	لأبى جعفر محمد بن جرير الطبَرى (المتوفى 310ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
تفسير عبدالرزاق	للإمام المحدث عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى211ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1419ھ 1999م
تفسير القرطبى	لأبى عبداللّٰه محمد بن أحمد الأنصارى القُرطبى (المتوفى 671ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م
تفسير الماوردى	لأبى الحسن على بن محمد بن حبيب الماوردى البصرى (364-450ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م

تفسير معاني القرآن	للنحاس (المتوفى 338ھ)	جامعة أم القرى (C.D)	مكة المكرمة	1409ھ
تلخيص الحبير	للإمام الحافظ أبي الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (المتوفى 852ھ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1406ھ 1986م
تمام المنة	للشيخ محمد ناصر الدين الألباني (المتوفى 1420ھ)	دار الراية	الرياض السعودية	1417ھ
التمهيد	للإمام الحافظ أبي عمر يوسف بن عبدالله بن محمد بن عبدالبر النمري الأندلسي (368-463ھ)	مكتبة السوادي	جده	1387ھ 1967م
تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة	لأبي الحسن علي بن محمد بن عراق الكناني(907-963ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1401ھ 1981م
تنوير المقباس	للإمام السيد حبر الأمة عبدالله بن عباس الهاشمي القرشي ﷺ (المتوفى 68ھ)	مطبعة الأمير	قم ايران	
جامع الترمذي	للإمام الحافظ أبي عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي (200-279ھ)	دارالسلام	الرياض السعوديه	1420ھ 1999م
جامع المسانيد والسنن	للإمام عماد الدين أبي الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي الشافعي (700-774ھ)	دار الفكر	بيروت	
حلية الأولياء	للإمام الحافظ أبي نُعَيم أحمد بن عبدالله الأصفهاني الشافعي (المتوفى 430ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1418ھ 1997م
الدر المنثور في التفسير المأثور	للإمام جلال الدين عبدالرحمٰن بن أبي بكر السيوطي (المتوفى 911ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1421ھ 2000م
دلائل النبوة	لأبي بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي (384-458ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1405ھ 1985م

الدِّيباج	للحافظ جلال الدين عبدالرحمٰن السيوطی (المتوفی 911ھ)	شركة دار الأرقم بن أبی الأرقم	بیروت لبنان	
الرحيق المختوم (اردو)	للشيخ صفی الرحمٰن مباركفوری رحمہ اللہ	المكتبة السلفية	لاهور باكستان	1416ھ 1995م
روح المعانی	للعلامة أبی الفضل شهاب الدين السيد محمود الآلوسی البغدادی (المتوفی 127ھ)	دار الفكر	بیروت لبنان	1417ھ 1997م
زاد المسير	للإمام أبی الفَرَج جمال الدين عبدالرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی (المتوفی597ھ)	دار الكتب العلمية	الرياض	1414ھ 1994م
زاد المعاد	للإمام شمس الدين أبی عبداللّٰه محمد بن أبی بكر الزرعی الدمشقی المشهور بابن قيم الجوزية (691-751ھ)	مؤسسة الرسالة	دمشق بیروت	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الصحيحة	للشيخ محمد ناصر الدين الألبانی (المتوفی1420ھ)	مكتبة المعارف	الرياض السعودية	1415ھ 1995م
سلسلة الأحاديث الضعيفة	// // //	//	//	1420ھ 2000م
سنن الدارقطنی	للإمام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی (المتوفی 385ھ)	دار الكتب العلمية	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن الدارمی	للإمام أبی محمد عبداللّٰه بن عبدالرحمٰن بن الفضل بن بهرام التميمی السمرقندی الدارمی (المتوفی 255ھ)	دار الكتب العلمية	بیروت لبنان	1417ھ 1996م
سنن أبی داود	للإمام الحافظ أبی داود سليمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م

سنن سعيد بن منصور	للحافظ سعيد بن منصور الخراسانى (المتوفى 227ھ)	دار الصميعى	الرياض السعودية	1420ھ 2000م
السنن الكبرىٰ	للإمام أبى بكر أحمد بن الحسين بن على البيهقى (384-458ھ)	إدارة تأليفات أشرفية	ملتان باكستان	1414ھ 1993م
السنن الكبرىٰ	للإمام أبى عبدالرحمٰن أحمد بن شعيب النسائى (المتوفى 303ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1411ھ 1991م
سنن ابن ماجه	للإمام الحافظ أبى عبدالله محمد بن يزيد الربعى ابن ماجه القزوينى (209-273ھ)	دارالسلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
سنن النسائى	للإمام الحافظ أبى عبد الرحمٰن أحمد بن شعيب بن على النسائى (215-303ھ)	دارلسلام	الرياض السعودية	1420ھ 1999م
السيرة النبوية	لولى الدين أبى زيد عبدالرحمٰن بن محمد بن عبدالرحيم الحضرمى الأشبيلى المالكى المعروف بابن خلدون (723-808ھ)	مكتبة المعارف	الرياض السعودية	1418ھ 1998م
السيرة النبوية	لابن إسحاق (المتوفى 151ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1424ھ 2004م
السيرة النبوية	لأبى محمد عبدالملك بن هشام بن أيوب الحِميَرى (المتوفى 218ھ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت لبنان	1415ھ 1995م
شرح السنة	للإمام الحافظ محى السنة أبى محمد الحسين بن مسعود الفراء البغوى (436-516ھ)	المكتب الإسلامى	بيروت	1403ھ 1983م
شرح معانى الآثار	لأبى جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوى (239-321ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1407ھ 1987م
شرح النووى	محى الدين أبوزكريا يحيى بن شرف بن مرى الحزامى الحواربى الشافعى (المتوفى 676ھ)	مؤسسة قرطبة	بيروت لبنان	1414ھ 1994م

شعب الإيمان	للإمام أبی بکر أحمد بن الحسین البیهقی (384-458ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1410ھ 1990م
الصحاح	لأبی نصر إسماعیل بن حماد الجوهری الفارابی المتوفی (398ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	1419ھ 1999م
صحیح البخاری	للإمام أبی عبداللہ محمد بن إسماعیل البخاری الجعفی (194-256ھ)	دار السلام	الریاض السعودية	1419ھ 1999م
صحیح الترغیب والترهیب	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ ـ 1999م)	مکتبة المعارف	الریاض	1421ھ 2000م
صحیح الجامع الصغیر وزیادته	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ 1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1408ھ 1988م
صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان الفارسی	للإمام الحافظ محمد بن حبان بن أحمد بن حبان	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1414ھ 1993م
صحیح ابن خزیمة	للإمام أبی بکر محمد بن إسحاق بن خزیمة السلمی النیسابوری (المتوفی 311ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1412ھ 1992م
صحیح سنن أبی داود	للإمام المحدث الشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	مؤسسة غراس	الکویت	1423ھ 2002م
صحیح مسلم	للإمام أبی الحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری (204-261ھ)	دارالسلام	الریاض السعودية	1419ھ 1998م
ضعیف الجامع الصغیر وزیادته	للإمام المحدث الشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت لبنان	1410ھ 1990م
ضعیف سنن ابن ماجه	للشیخ محمد ناصر الدین الألبانی (المتوفی 1420ھ-1999م)	المکتب الإسلامی	بیروت	1415ھ 1994م
الطبقات الکبریٰ	للحافظ محمد بن سعد بن منیع (المتوفی 230ھ)	دار صادر	بیروت	1418ھ 1998م

عمدة القاری	للشیخ الإمام العلامة بدر الدین أبی محمد محمود بن أحمد العینی (المتوفی 855ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1418ھ 1998م
عون المعبود	للعلامة أبی الطیب محمد شمس الحق العظیم آبادی	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1410ھ 1990م
فتح الباری	للإمام الحافظ أحمد بن علی بن حجر العسقلانی (773-852ھ)	دار نشر الکتب الإسلامیة	لاھور باکستان	1401ھ 1981م
فتح البیان	لأبی الطیب صدیق بن حسن بن علی الحسینی القنوجی البخاری (المتوفی 1307ھ)	دار الکتب العلمیة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
کتاب السنة ومعه ظلال الجنة فی تخریج السنة	لأبی بکر عمرو بن أبی عاصم الضحاك بن مخلد الشیبانی المتوفی (287ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
کتاب الزھد	للإمام الشیخ عبداللّٰہ بن المبارك المروزی (المتوفی 181ھ)	المکتب الإسلامی	بیروت دمشق عمان	1419ھ 1998م
کتاب العرش	لأبی عبداللّٰہ محمد بن أحمد بن عثمان الذھبی (المتوفی 748ھ)	مکتبة أضواء السلف ومکتبة الإمام البخاری	الریاض السعودیة مصر	1420ھ 1999م
کتاب العظمة	لأبی محمد عبداللّٰہ بن محمد بن جعفر بن حیّان (274-369ھ)	دار العاصمة	الریاض السعودیة	1419ھ 1998م
الکشاف	للإمام محمود بن عمر الزَّمَخشری (المتوفی 528ھ)	دار الریان للتراث	القاھرة	1407ھ 1987م
کشف الأستار عن زوائد البزار	للحافظ نور الدین علی بن أبی بکر الھیثمی (735-807ھ)	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1399ھ 1979م
کشف الظنون	للمؤرخ الکامل مصطفی بن عبداللّٰہ المشھور بحاجی خلیفة (1017-1067ھ)	دار إحیاء التراث العربی	بیروت لبنان	

اللآلی المصنوعة فی الأحاديث الموضوعة	للإمام جلال الدين أبی الفضل عبدالرحمٰن بن الكمال السيوطی (849-911ھ)	دار الكتب العلمية	بيروت لبنان	1417ھ 1996م
مجمع الزوائد	للحافظ نور الدين علی بن أبی بكر الهيثمی (المتوفی 807ھ)	دار الفكر	بيروت لبنان	1414ھ 1994م
مجموعة الفتاوی	لشيخ الإسلام تقی الدين أحمد بن تيمية الحرّانی (المتوفی 728ھ)	مكتبة العبيكان	الرياض السعودية	1419ھ 1998م
المحرر الوجيز	لغالب بن عطية الأندلسی (المتوفی 546ھ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1413ھ 1993م
المحلی	لأبی محمد علی بن أحمد بن سعيد بن حزم المتوفی (456ھ)	دارالجبل دارالآفاق الجديدة	بيروت	
مختصر زوائد مسند البزار	للحافظ شهاب الدين أبی الفضل أحمد بن حجر العسقلانی (المتوفی 852ھ)	مؤسسة الكتب الثقافية	بيروت لبنان	1412ھ 1992م
مختصر سنن أبی داود	عبدالعظيم بن عبدالقوی بن عبداللّٰه بن سلامة بن سعد زكی الدين أبومحمد المنذری، الشامی، المصری (المتوفی 656ھ)	مكتبة السنة المحمدية مكتبة ابن تيمية	القاهرة	1423ھ 2002م
مختصر قيام الليل	للشيخ أبی عبداللّٰه محمد بن نصر المروزی (المتوفی 294ھ)	مكتبة المنار	الأردن	1413ھ 1993م
المراسيل	للإمام الحافظ أبی داود سليمان بن الأشعث السجستانی (المتوفی 275ھ)	مؤسسة الرسالة	بيروت لبنان	1418ھ 1998م
المستدرك	للإمام أبی عبداللّٰه محمد بن عبداللّٰه الحاكم النيسابوری (المتوفی 405ھ)	مكتبة نزار مصطفی الباز	مكة المكرمة السعودية	1420ھ 2000م

مسند أحمد (طبع ميمنية)	للإمام الحافظ أبى عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشيبانى البغدادى (164-241هـ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق	1403هـ 1983م
مسند أحمد (مجلد واحد)	للإمام الحافظ أبى عبدالله أحمد بن محمد بن حنبل الشيبانى البغدادى (164-241هـ)	بيت الأفكار الدولية	الرياض السعودية	1419هـ 1998م
مسند ابن الجعد	لأبى الحسن على بن الجعد بن عبيد الجوهرى (214-317هـ)	دارالكتب العلمية	بيروت لبنان	1417هـ 1996م
مسند أبى داود الطّيالَسى	لسليمان بن داود بن الجارود (المتوفى 204هـ)	هجر	أمباية	1419هـ 1999م
مسند الربيع	للإمام الربيع بن حبيب	مكتبة الثقافة الدينية	......	......
المسند الضعيف	للإمام أبى جعفر محمد بن عمرو بن وهبى بن حماد العقيلى (المتوفى 322هـ)	مكتبة نزار مصطفى الباز	مكة المكرمة السعودية	1422هـ 2001م
مسند أبى عوانة	للإمام أبى عوانة يعقوب بن إسحاق الأسفرائينى (المتوفى 316هـ)	دار المعرفة	بيروت لبنان	1419هـ 1998م
مسند أبى يعلى المَوصلى	للإمام الحافظ أحمد بن على بن المثنى التمِيمى (210-307هـ)	دار الثقافة العربية	بيروت دمشق	1412هـ 1992م
المصنف	للإمام الحافظ أبى بكر عبدالله بن محمد بن أبى شيبة (المتوفى 235هـ)	دار الكتب العلمية	بيروت دمشق	1416هـ 1995م
المصنف	للحافظ الكبير أبى بكر عبدالرزاق بن همام الصنعانى (المتوفى 211هـ)	المكتب الإسلامى	بيروت دمشق	1403هـ 1983م
المطالب العالية	للحافظ ابن حجر أحمد بن على العسقلانى (773-852هـ)	دار المعرفة	بيروت دمشق	1414هـ 1993م

المعجم الأوسط	لأبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	دارالکتب العلمیة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
معجم البلدان	للإمام شھاب الدین أبی عبدالله یاقوت بن عبدالله الحموی الرومی البغدادی (المتوفی 626ھ)	دار صادر	بیروت	1993م
معجم الصحابة	لأبی القاسم عبدالله بن محمد بن عبدالعزیز البغوی (المتوفی 773ھ)	مکتبة دار البیان	الکویت	1421ھ 2000م
المعجم الکبیر	للحافظ أبی القاسم سلیمان بن أحمد الطبرانی (260-360ھ)	مکتبة العلوم والحکم	موصل	1420ھ 2000م
معجم ما استعجم	لعبدالله بن عبدالعزیز البکری الأندلسی (المتوفی 487ھ)	عالم الکتب	بیروت	1403ھ 1983م
المغنی	للإمام موفق الدین أبی محمد عبدالله بن أحمد بن قدامة (المتوفی 620ھ)	دار الفکر	بیروت لبنان	1414ھ 1994م
منھاج السنة النبویة	لأبی العباس تقی الدین أحمد بن عبدالحلیم ابن تیمیة الحرانی الدمشقی (المتوفی 728ھ)	دار المعرفة	بیروت لبنان	1406ھ 1986م
الموسوعة الحدیثیة (مسند الإمام أحمد)	للجماعة من العلماء، تحت إشراف عبدالله بن عبدالمحسن الترکی	مؤسسة الرسالة	بیروت لبنان	1420ھ 1999م
الموضوعات	لأبی الفرَج عبدالرحمٰن بن علی بن الجوزی القرشی (510-597ھ)	مکتبة ابن تیمیة	القاھرة	1407ھ 1987م
النجوم الزاھرة فی ملوك مصر و القاھرة	لجمال الدین أبی المحاسن یوسف بن تغری بُردی (813-874ھ)	وزارة الثقافة	مصر	
نوادر الأصول فی معرفة أحادیث الرسول	لأبی عبدالله محمد الحکیم الترمذی	دارصادر	بیروت	

نيل الأوطار	للشيخ محمد بن على بن محمد الشوكانى (1172-1250هـ)	دار إحياء التراث العربى	بيروت	
هداية الرواة	للحافظ أحمد بن على بن حجر العسقلانى (المتوفى 852هـ)	دار ابن القيم ودار ابن عفان	القاهرة	1422هـ 2001م

